5

قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے

تفسیر مصباحین

ترجمہ وشرح

تفسیر جلالین



تصنیف

امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم وشارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالی

شبیر برادرز

اردو بازار ○ لاہور

سورۃ النور تا سورۃ فاطر

قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے

تفسیر مصباحین

ترجمہ و شرح

تفسیر جلالین

نمبر 5

سُورَةُ النُّور	سُورَةُ الفُرْقَان	سُورَةُ الشُّعَرَاء	سُورَةُ النَّمْل	سُورَةُ القَصَص	سُورَةُ العَنْكَبُوت
سُورَةُ الرُّوم	سُورَةُ لُقْمٰن	سُورَةُ السَّجْدَة	سُورَةُ الأَحْزَاب	سُورَةُ سَبَا	سُورَةُ فَاطِر

تصنیف

امام جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم و شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی مدظلہ العالی

شبیر برادرز ®

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

ھو القادر

نام کتاب ——— (نمبر 5) ——— تفسیر مصباحین فی تفسیر جلالین

تصنیف ——— امام جلال الدین محلی شافعی / امام جلال الدین سیوطی شافعی

مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی

کمپوزنگ ——— ورڈز میکر

باہتمام ——— ملک شبیر حسین

سن اشاعت ——— مئی 2014ء

سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور 0322-7202212

طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ہدیہ ——— روپے

شبیر برادرز® زبیدہ سنٹر، ۴۰ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
shabbirborther786@gmail.com

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

سورۃ النور

ترتیب

سورۃ النور

سورة الفرقان

سورة الشعراء

سُورَةُ النَّمل

سورۃ القصص

سورة العنكبوت

سورة الروم

سورۃ لقمان

سُورَةُ السَّجْدَة

سُورَةُ الْأَحْزَاب

سورۃ سبأ

سورۃ فاطر

سُورَۃُ النُّور

یہ قرآن مجید کی سورت نور ہے

سورہ نور کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ النُّور (مَدَنِیَّۃٌ وَھِیَ اثْنَتَانِ أَوْ أَرْبَعٍ وَسِتُّونَ آیَۃ)

سورہ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی باسٹھ یا چونسٹھ آیات اور نو رکوع ہیں۔

سورہ نور کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کے پانچویں رکوع میں اللہ نور السموات الخ ہے جس کے سبب یہ نور ہی کے نام سے معروف ہوئی۔ اس سورت میں پردے اور عورتوں سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔ جو ہدایت ہے اور ہدایت کو بھی نور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عورتوں کو سورہ نور کی تعلیم دینے کا بیان

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردوں کو سورہ مائدہ سکھاؤ اور عورتوں کو سورہ نور اور حضرت حارث بن مضرب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہماری طرف لکھ بھیجا کہ اپنی عورتوں کو سورہ نساء، سورہ نور اور سورہ احزاب کی تعلیم دو۔ (تفسیر روح المعانی، تفسیر قرطبی، سورہ نور، بیروت)

سُورَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَفَرَضْنٰھَا وَاَنْزَلْنَا فِیْھَاۤ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ٥
ایک سورت ہے، ہم نے اسے نازل کیا اور ہم نے اسے فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیات اتاری ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

سورہ نور کے مقاصد نزول کا بیان

ھٰذِہٖ "سُورَۃٌ أَنْزَلْنَاھَا وَفَرَضْنَاھَا" مُخَفَّفَۃ وَمُشَدَّدَۃ لِکَثْرَۃِ الْمَفْرُوض فِیھَا "وَأَنْزَلْنَا فِیھَا آیَات بَیِّنَات" وَاضِحَات الدَّلَالَات "لَعَلَّکُمْ تَذَّکَّرُونَ" بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِیَۃ فِی الذَّال تَتَّعِظُونَ

یہ ایک سورت ہے، ہم نے اسے نازل کیا اور ہم نے اسے فرض کیا یہاں پر لفظ فرض یہ مخفف آیا ہے اور اس میں کثرت فرائض کے سبب مشدد بھی آیا ہے۔ اور ہم نے اس میں واضح آیات یعنی واضح دلائل اتارے ہیں، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یہاں پر تذکرون میں تائے ثانیہ کا دال میں ادغام ہے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اس بیان سے کہ ہم نے اس سورت کو نازل فرمایا ہے اس سورت کی بزرگی اور ضرورت کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اس سے یہ مقصود نہیں کہ اور سورتیں ضروری اور بزرگی والی نہیں۔ فرضنا ھا کے معنی مجاہد وقتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ حلال وحرام، امرو نہی اور حدود وغیرہ کا اس میں بیان ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے ہم نے تم پر اور تمہارے بعد والوں پر مقرر کر دیا ہے۔ اس میں صاف صاف، کھلے کھلے، روشن احکام بیان فرمائے ہیں تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو، احکام الٰہی کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○
بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو (سو) کوڑے مارو اور تمہیں
ان دونوں پر اللہ کے دین میں ذرا ترس نہیں آنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہئے کہ
ان دونوں کی سزا پر مسلمانوں کی جماعت موجود ہو۔

غیر شادی شدہ مرد وعورت کیلئے حد زنا کا بیان

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي" أَيْ غَيْر الْمُحْصَنَيْنِ لِرَجْمِهِمَا بِالسُّنَّةِ وَأَلْ فِيمَا ذُكِرَ مَوْصُولَة وَهُوَ مُبْتَدَأ وَلِشَبَهِهِ بِالشَّرْطِ دَخَلَتْ الْفَاء فِي خَبَره وَهُوَ "فَاجْلِدُوا كُلّ وَاحِد مِنْهُمَا مِائَة جَلْدَة" ضَرْبَة يُقَال جَلَدَهُ: ضَرَبَ جِلْده وَيُزَاد عَلَى ذَلِكَ بِالسُّنَّةِ تَغْرِيب عَام وَالرَّقِيق عَلَى النِّصْف مِمَّا ذُكِرَ "وَلَا تَأْخُذكُمْ بِهِمَا رَأْفَة فِي دِين اللَّه" أَيْ حُكْمه بِأَنْ تَتْرُكُوا شَيْئًا مِنْ حَدّهمَا "إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاَللَّهِ وَالْيَوْم الْآخِر" أَيْ يَوْم الْبَعْث فِي هَذَا تَحْرِيض عَلَى مَا قَبْل الشَّرْط وَهُوَ جَوَابه أَوْ دَالّ عَلَى جَوَابه "وَلْيَشْهَدْ عَذَابهمَا" الْجَلْد "طَائِفَة مِنْ الْمُؤْمِنِينَ" قِيلَ ثَلَاثَة وَقِيلَ أَرْبَعَة عَدَد شُهُود الزِّنَا

بدکار عورت اور بدکار مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں کیونکہ شادی کیلئے ان کا رجم کرنا سنت سے ثابت ہے) یہاں پر الف لام ان دونوں میں موصولہ ہے اور وہ مبتداء ہے۔ اور اس کے مشابہ بہ شرط ہونے کے سبب اس کی خبر میں فاء کو داخل کیا گیا ہے۔ اور وہ فاجلدوا ہے۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو (سو) کوڑے مارو جلدہ کا معنی ضربہ ہے جس طرح جلدہ ضرب جلدہ کہا جاتا ہے اور سنت کے مطابق ایک سال کی جلاوطنی کو زیادہ کیا جائے گا۔ جبکہ یہی سزا غلام کیلئے نصف ہے۔ جس کو ذکر کیا گیا ہے۔ (جبکہ شادی شدہ مرد وعورت کی بدکاری پر سزا رجم ہے) اور تمہیں ان دونوں پر اللہ کے دین کے حکم کے اجراء میں ذرا ترس نہیں آنا چاہئے یعنی ان دونوں کی حد میں کسی چیز کو بھی چھوڑا نہ جائے۔ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن یعنی بعث کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ اس دن کیلئے آمادگی ہے اور یہ ماقبل شرط کا جواب ہے یا جواب شرط پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور چاہئے کہ ان دونوں کی سزا کے موقع پر

مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی جماعت موجود ہو۔کہا گیا ہے کہ تین ہوں اور یہ بھی کہا گیا ہے زنا کی شہادت میں چار عدد گواہ ہوں۔

حد کے فقہی مفہوم کا بیان

حد کی جمع حدود ہے۔لغت میں حد دو چیزوں کے درمیان فصل کرنیوالی چیز کو کہتے ہیں۔(محیط الحیط ج 1 ص 358) یا کسی چیز کے منتہی کو بھی حد کہتے ہیں (تاج العروس ج 2 ص 231)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حد کی تعریف یوں کی گئی ہے: لغت میں حد منع کرنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب کی گئی ہے تا کہ لوگوں کو ان جرائم سے باز رکھے۔تعزیر بھی حد نہیں کیونکہ اسکی مقدار متعین نہیں اور قصاص بھی حد نہیں کیونکہ وہ مقتول کے وارث کا حق ہے۔(درالمختار، کتاب الحدود، ص 4 ج(166) چنانچہ حد شرعاً اس سزا کو کہتے ہیں جو اللہ یا اسکے رسول کی جانب سے مقرر ہو۔

رجم کی سزا کا فقہی بیان

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اسی لئے اس کو سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کرونگا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس کو فرمایا تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کرلیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔"

(بخاری ومسلم)

کتاب اللہ" سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم وسنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں

حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ فاعترفت فرجمها چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے۔

جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃً ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

چار مجالس پر شہادت کی مستدل حدیث

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی تشریف فرما تھے، اس شخص نے آواز دی "یارسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا جدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو محصن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یارسول اللہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابر ابن عبداللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو "حرہ" میں جا کر پکڑا مدینہ کا وہ مضافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مر گیا۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 717)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابر سے منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر کہ کیا تو محصن ہے؟ اس شخص کے جواب "ہاں" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید

گاہ میں سنگسار کیا گیا جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا اس کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف و توصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا (وصلی علیہ) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی۔

اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اپنے جرم کا اقرار کر کے اور گویا ہر دفعہ میں تبدیل مجلس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے آ کر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے ملزم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

" کیا تو دیوانہ ہے؟" یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود افشاء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے بچنے کا پختہ عہد و عزم کرو نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم و گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ اسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم و گناہ پر شرمسار و نادم ہو کر خدا سے توبہ استغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق و تفتیش میں پوری پوری سعی کرنی چاہئے تا کہ فیصلہ میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جا سکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز یہ جملہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کا اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

" کیا تو محصن ہے؟" امام نووی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام وقت یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کر لے جو سزائے رجم (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محصن ہونا وغیرہ، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو، نیز اس ارشاد سے کنایۃً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد ساقط کر دی جائے۔ "وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے لٹکا کر نہ مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو رجم کی سزا دی جا رہی ہو تو بہتر ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (سینہ تک) گاڑ کر سنگسار کیا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

" یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا" اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران

بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچھا کیا جائے اور اس کو سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ اس کا بھاگنا دراصل اس کے رجوع (جرم سے انکار) کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کارآمد نہیں ہوگا۔

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ (فرجم بالمصلی) (چنانچہ اس کو عیدگاہ میں سنگسار کیا گیا) میں مصلی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جنازے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہوتا جو مسجد کا ہوتا ہم تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی تقدیس واحترام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

احصان کی شرائط میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اجماع ہے کہ رجم صرف محصن شادی شدہ کو ہی کیا جائیگا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:" جو شادی شدہ ہو اور زنا کرے اس کو رجم کرنا حق ہے "اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:" کسی بھی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں، مگر تین اسباب میں سے ایک کی بنا پر: یا پھر وہ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے۔ (المغنی)

شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ، 24۔ النور : 2) (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(فاعترفت فرجمها) چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر ومقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے بصراحت ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری

حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محصن کے بارے میں یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔ (بخاری مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 714)

"محصن" اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہم بستری کر چکا ہو غیر محصن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارے میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر، منہ، اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

حضرت ابوسعید، عبداللہ بن ادریس، ہم سے یہ حدیث ابوسعید اشج نے بحوالہ عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع ہے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کوڑے مارے اور جلاوطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطن کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاوطن کرنا ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا صحابہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1479، حدیث متواتر)

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ
وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ○
بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک عورت کے نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے
کوئی نکاح نہیں کرتا، اور یہ مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔

زانی کے نکاح کا بیان

"الزَّانِي لَا يَنْكِح" يَتَزَوَّج "إلَّا زَانِيَة أَوْ مُشْرِكَة وَالزَّانِيَة لَا يَنْكِحهَا إلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِك" أَيْ الْمُنَاسِب لِكُلٍّ مِنْهُمَا مَا ذُكِرَ "وَحُرِّمَ ذَلِكَ" أَيْ نِكَاح الزَّوَانِي "عَلَى الْمُؤْمِنِينَ" الْأَخْيَار نَزَلَ ذَلِكَ لَمَّا هَمَّ فُقَرَاء الْمُهَاجِرِينَ أَنْ يَتَزَوَّجُوا بَغَايَا الْمُشْرِكِينَ وَهُنَّ مُوسِرَات لِيُنْفِقْنَ عَلَيْهِمْ فَقِيلَ التَّحْرِيم خَاصّ بِهِمْ وَقِيلَ عَامّ وَنُسِخَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى "وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ"

بدکار مرد سوائے بدکار عورت یا مشرک عورت کے نکاح یعنی شادی نہیں کرتا اور بدکار عورت سے سوائے بدکار مرد یا مشرک کے کوئی نکاح نہیں کرتا، یعنی ان میں دونوں میں ہر ایک اس کیلئے مناسب ہے۔ اور یہ یعنی زانیوں کا نکاح مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا

ہے۔

یہ آیت مبارکہ ان فقراء مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ وہ زوانی مشرکات عورتوں سے نکاح کریں۔ کیونکہ وہ دولت مند تھیں تا کہ وہ ان پر خرچ کریں۔ پس کہا گیا ہے اس حکم کی حرمت انہی کے ساتھ خاص ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اس کی حرمت عام ہے اور اس حکم کو اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ'' سے منسوخ کردیا گیا ہے۔

سوراہ نور آیت ۳ کے سبب نزول کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام مرثد بن ابی مرثد تھا وہ قیدیوں کو مکہ سے مدینہ پہنچایا کرتا تھا۔ مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ اس کی دوست تھی۔ مرثد نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اسے مدینہ پہنچائے گا۔ مرثد کہتے ہیں کہ میں (مکہ) آیا اور ایک دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔ چاندنی رات تھی کہ اتنے میں عناق آئی اور دیوار کے ساتھ میرے سائے کی سیاہی کو دیکھ لیا۔ جب میرے قریب پہنچی تو پہچان گئی اور کہنے لگی کہ تم مرثد ہو؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ کہنے لگے اهلاً وسهلاً ومرحبا (خوش آمدید)۔ آج کی رات ہمارے یہاں قیام کرو۔ مرثد فرماتے ہیں کہ میں نے کہا عناق! اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اس نے زور سے کہا خیمے والو! یہ آدمی تمہارے قیدیوں کو لے جاتا ہے۔ چنانچہ آٹھ آدمی میرے پیچھے دوڑے۔ میں (خندمہ) ایک پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں پہنچ کر ایک غار دیکھا اور اس میں گھس گیا۔ وہ لوگ آئے اور میرے سر پر کھڑے ہوگئے اور وہاں پیشاب بھی کیا جو میرے سر پر ٹھہرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھے دیکھنے سے اندھا کردیا اور واپس چلے گئے۔ پھر میں بھی اپنے قیدی ساتھی کے پاس گیا اور اسے اٹھایا۔ وہ کافی بھاری تھا۔ میں اسے لے کر اذخر کے مقام تک پہنچا۔ پھر اس کی زنجیریں توڑیں اور اسے پیٹھ پر لادلیا۔ وہ مجھے تھکا دیتا تھا یہاں تک کہ مدینہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں عناق سے نکاح کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک یہ آیات نازل ہوئیں، اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ، بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے نکاح نہ کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1124)

زانی اور زانیہ اور اخلاقی مجرم

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ زانی سے زنا کاری پر رضامند وہی عورت ہوتی ہے جو بدکار ہو یا مشرکہ ہو کہ وہ اس برے کام کو عیب ہی نہیں سمجھتی۔ ایسی بدکار عورت سے وہی مرد ملتا ہے جو اسی جیسا بدچلن ہو یا مشرک ہو جو اس کی حرمت کا قائل ہی نہ ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بہ سند صحیح روایت ہے کہ یہاں نکاح سے مراد جماع ہے یعنی زانیہ عورت سے زنا کار یا مشرک مرد ہی زنا کرتا ہے۔ یہی قول مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، ضحاک، مکحول، مقاتل بن حیان اور بہت سے بزرگ مفسرین سے روایت ہے۔ مومنوں

پر یہ حرام ہے یعنی زنا کاری کرنا اور زانیہ عورتوں سے نکاح کرنا یا عفیفہ اور پاک دامن عورتوں کو ایسے زانیوں کے نکاح میں دینا۔
ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بدکار عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام ہے جیسے اور آیت میں ہے (مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ، النسآء:25) یعنی مسلمانوں کو جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے ان میں یہ تینوں اوصاف ہونے چاہئیں وہ پاک دامن ہوں، وہ بدکار نہ ہوں، نہ چوری چھپے برے لوگوں سے میل ملاپ کرنے والی ہوں۔ یہی تینوں وصف مردوں میں بھی ہونے کا بیان کیا گیا ہے۔
اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ نیک اور پاک دامن مسلمان کا نکاح بدکار عورت سے صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے ہاں بعد از توبہ عقد نکاح درست ہے۔ اسی طرح بھولی بھالی، پاک دامن، عفیفہ عورتوں کا نکاح زانی اور بدکار لوگوں سے منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ سچے دل سے اپنے اس ناپاک فعل سے توبہ نہ کرلے کیونکہ فرمان الٰہی ہے کہ یہ مومنوں پر حرام کردیا گیا ہے۔ ایک شخص نے ام مھزول نامی ایک بدکار عورت سے نکاح کرلینے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًاۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی
ان کی گواہی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ بدکردار ہیں۔

حد قذف کے ثبوت و معیار شہادت کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَات" الْعَفِيفَات بِالزِّنَا "ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء" عَلَى زِنَاهُنَّ بِرُؤْيَتِهِمْ "فَاجْلِدُوهُمْ" أَيْ كُلّ وَاحِد مِنْهُمْ "ثَمَانِينَ جَلْدَة وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَة" فِي شَيْء "أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ" لِإِتْيَانِهِمْ كَبِيرَة،

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری زنا کی تہمت لگائیں پھر ان کے زنا کو دیکھنے پر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو تم انہیں سزائے قذف کے طور پر اسّی کوڑے ان میں سے ہر ایک کو لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی کسی چیز میں قبول نہ کرو، اور یہی لوگ بدکردار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کبیرہ گناہ کیا ہے۔
جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں۔ تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے، ہاں اگر شہادت پیش کردیں تو حد سے بچ جائیں گے اور جن پر جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر شہادت نہ پیش کرسکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کیلئے ہمیشہ ان کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اس

آیت میں جن لوگوں کو مخصوص اور مستثنیٰ کر دیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فاسق ہونے سے ہے یعنی بعد از توبہ وہ فاسق نہیں رہیں گے۔ بعض کہتے ہیں نہ فاسق رہیں گے نہ مردود الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی۔ ہاں حد جو ہے وہ توبہ سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور اصلاح کر لیں تو یقیناً اللہ بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

توبہ کے بعد قاذف کی گواہی کے قبول یا عدم قبول کا بیان

"إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا " عَمَلَهُمْ "فَإِنَّ اللَّه غَفُور " لَهُمْ قَذْفهمْ "رَحِيم" بِهِمْ بِإِلْهَامِهِمْ التَّوْبَة فِيهَا يَنْتَهِي فِسْقهمْ وَتُقْبَل شَهَادَتهمْ وَقِيلَ لَا تُقْبَل رُجُوعًا بِالِاسْتِثْنَاءِ إِلَى الْجُمْلَة الْأَخِيرَة،

لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کریں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں تو یقیناً اللہ ان کے قذف کو بخشنے والا، اس کے ساتھ نہایت رحم والا ہے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں توبہ کا الہام کر کے رحمت فرمانے والا ہے۔ لہٰذا ان کا فسق ختم ہو جائے گا اور ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور یہ بھی ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی کیونکہ یہاں استثناء کو آخری جملہ کی طرف راجع کیا گیا ہے۔

قاذف کی توبہ کے شہادت کے اعتبار میں مذاہب اربعہ

امام مالک، احمد اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ توبہ سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق دور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہو سکتی۔ بعض اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ اسے بہتان باندھا تھا اور پھر توبہ بھی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ
شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○
اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے
ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ بلاشبہ یقیناً وہ سچوں سے ہے۔ اور پانچویں یہ کہ بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں سے

ہو۔اور اس (عورت) سے سزا کو یہ بات ہٹائے گی کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں دے کہ بلاشبہ یقیناً وہ (مرد) جھوٹوں سے
ہے۔اور پانچویں مرتبہ یہ (کہے) کہ اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ کا غضب ہو اگر یہ (مرد اس الزام لگانے میں) سچا ہو۔

لعان کے ثبوت اور اس کے طریقہ شرعی کا بیان

"وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجهمْ " بِالزِّنَا "وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاء " عَلَيْهِ "إلَّا أَنْفُسهمْ" وَقَعَ ذَلِكَ لِجَمَاعَةٍ مِنْ الصَّحَابَة "فَشَهَادَة أَحَدهمْ " مُبْتَدَأ "أَرْبَع شَهَادَات " نُصِبَ عَلَى الْمَصْدَر "بِاَللَّهِ إنَّهُ لَمِنْ الصَّادِقِينَ " فِيمَا رَمَى بِهِ زَوْجَته مِنْ الزِّنَا، "وَالْخَامِسَة أَنَّ لَعْنَة اللَّه عَلَيْهِ إنْ كَانَ مِنْ الْكَاذِبِينَ" فِي ذَلِكَ وَخَبَر الْمُبْتَدَأ : تَدْفَع عَنْهُ حَدّ الْقَذْف

"وَيَدْرَأ" أَيْ يَدْفَع "عَنْهَا الْعَذَاب " حَدّ الزِّنَا الَّذِي ثَبَتَ بِشَهَادَاتِهِ "أَنْ تَشْهَد أَرْبَع شَهَادَات بِاَللَّهِ إنَّهُ لَمِنْ الْكَاذِبِينَ " فِيمَا رَمَاهَا بِهِ مِنْ الزِّنَا "وَالْخَامِسَة أَنَّ غَضَب اللَّه عَلَيْهَا إنْ كَانَ مِنْ الصَّادِقِينَ " فِي ذَلِكَ

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس کوئی اس پر گواہ نہ ہوں مگر وہ خود ہی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو یہ مسئلہ درپیش آیا۔ یہاں پر فشهادة احدهم مبتداء ہے اور اربع شهادات یہ مصدر منصوب ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں ہیں کہ بلاشبہ یقیناً وہ سچوں سے ہے۔ اور پانچویں یہ کہ بے شک اس پر اللہ کی لعنت ہو، اگر وہ جھوٹوں سے ہو اور یہ مبتداء کی خبر، تدفع عنہ حد القذف ہے اور اس سے حد قذف کو دور کیا جائے۔ اور اس عورت سے وہ زنا سزا کو یہ بات ہٹائے گی جو شہادات کے ساتھ ثابت ہوئی تھی کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار شہادتیں دے کہ بلاشبہ یقیناً وہ مرد اس تہمت زنا میں جھوٹوں سے ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر یعنی مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر یہ (مرد اس الزام لگانے میں) سچا ہو۔

لعان کے حکم کے نزول کا بیان

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصعب بن زبیر کی امارت کے زمانے میں مجھ سے کسی نے لعان کرنے والے مرد و عورت کا حکم پوچھا کہ کیا انہیں الگ کر دیا جائے؟ میں جواب نہ دے سکا تو اٹھا اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب اجازت چاہی تو کہا گیا کہ وہ قیلولہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے میری آواز سن لی تھ۔ فرمانے لگے ابن جبیر! آ جاؤ، تم کسی کام ہی سے آئے ہو گے۔ میں گھر میں داخل ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کجاوے کے نیچے بچھایا جانے والا ٹاٹ بچھا کر اس پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا ابو عبد الرحمٰن کیا لعان کرنے والوں درمیان تفریق کر دی جاتی ہے۔ وہ فرمانے لگے سُبْحَانَ اللّٰہِ! ہاں اور جس نے سب سے پہلے یہ مسئلہ پوچھا وہ فلاں بن فلاں ہیں۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو برائی (بے حیائی، زنا) کرتے ہوئے دیکھے تو کیا کرے؟ اگر وہ بولے

تو بھی یہ بہت بڑی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بہت بڑی چیز پر خاموش رہے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد (کچھ دنوں بعد) وہ دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جس چیز کے متعلق پوچھا تھا میں اس میں مبتلا ہو گیا ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت نور کی یہ آیات نازل فرمائیں وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ الآیۃ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے اس شخص کو بلایا اور یہ آیات پڑھ کر سنانے کے بعد اسے نصیحت کی سمجھایا اور بتایا کہ دنیاوی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے اس پر جھوٹی تہمت نہیں لگائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی طرف مڑے اور اسے بھی اسی طرح سمجھایا لیکن اس نے بھی یہی کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میرا شوہر سچا نہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد سے شروع کیا اور اس نے چار شہادتیں دیں کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ پھر عورت نے بھی چار شہادتیں دیں کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر وہ سچا ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1125)

لعان کے طریقہ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا تو گواہ پیش کر دو یا پھر تم حد جاری کی جائے گی۔ ہلال نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا گواہ تلاش کرتا پھرے؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ یا پھر تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ ہلال نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں یقیناً سچا ہوں اور میرے متعلق ایسی آیات نازل ہوں گی جو میری پیٹھ کو حد سے نجات دلائیں گی، چنانچہ یہ آیات نازل ہوئیں وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ، اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لئے سوائے اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے تو۔ عورت کی سزا کو یہ بات دور کر دے گی کہ اللہ کو گواہ کر کے چار مرتبہ یہ کہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹا اور پانچویں مرتبہ کہے کہ بے شک اس پر اللہ کا غضب پڑے اگر وہ سچا ہے)۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہ گواہی اللہ کے غضب کو لازم کر دے گی۔ چنانچہ وہ ہچکچائی اور ذلت کی وجہ سے سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ سمجھے کہ یہ اپنی گواہی سے لوٹ کر (زنا کا اقرار کرلے گی) لیکن وہ کہنے لگی میں اپنی قوم کا سارا دن رسوا نہیں کروں گی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو اگر یہ ایسا بچہ پیدا کرے جس کی آنکھیں سیاہ کولہے موٹے اور رانیں موٹی ہوں تو وہ شریک بن سحماء کا نطفہ (ولد الزنا) ہے۔ پھر ایسا ہی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعان کا حکم نازل ہو چکا ہوتا تو میرا اور اس کا معاملہ کچھ اور ہوتا

(یعنی حد جاری کی جاتی) یہ حدیث حسن غریب ہے۔عباد بن منصور یہ حدیث عکرمہ رضی اللہ عنہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ایوب بھی یہ حدیث عکرمہ سے نقل کرتے ہیں لیکن یہ مرسل ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1126)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ٥
اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور بیشک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا بڑی حکمت والا ہے۔

احکام شرعیہ کی تخفیف کرنے میں اللہ کی رحمت کا بیان

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰه عَلَيْكُمْ وَرَحْمَته" بِالسَّتْرِ فِي ذَلِكَ "وَأَنَّ اللّٰه تَوَّاب" بِقَبُولِهِ التَّوْبَة فِي ذَلِكَ وَغَيْره "حَكِيم" فِيمَا حَكَمَ بِهِ فِي ذَلِكَ وَغَيْره لِيُبَيِّن الْحَقّ فِي ذَلِكَ وَعَاجَلَ بِالْعُقُوبَةِ مَنْ يَسْتَحِقّهَا

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی یعنی اس معاملہ میں ستر پوشی کرنے میں،اور بیشک اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا یعنی اس معاملہ وغیرہ میں توبہ قبول کرنے والا، بڑی حکمت والا ہے۔جو اس معاملہ میں حکم دیا ہے تا کہ وہ اس میں حق کو واضح کردے اور اس میں سزا کے حقدار کیلئے سزا کو جلدی کردے۔

مسلمانوں کے اعمال کی پردہ پوشی کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتےہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔جو آدمی دنیا کی سختیوں میں سے کسی مسلمان کی کوئی سختی اور تنگی دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وہاں کی سختیاں اس سے دور کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندوں کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی مسلمان کی مدد کرتا رہتا ہے اور جو آدمی علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کے راستہ کو آسان کر دیتا ہے اور جب کوئی جماعت اللہ کے گھر (مسجد یا مدرسہ) میں قرآن پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر (اللہ کی جانب سے) تسکین نازل ہوتی ہے۔رحمت الٰہی اس کو اپنے اندر چھپالیتی ہے اور فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ اس جماعت کا ذکر ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس رہتے ہیں اور جس نے عمل میں تاخیر کی آخرت میں اس کا نسب کام نہیں آئے گا۔" (صحیح مسلم،مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 199)

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ٥
بیشک جن لوگوں نے بہتان لگایا تھا تم ہی میں سے ایک جماعت تھی،تم اس کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ وہ تمہارے
حق میں بہتر ہے ان میں سے ہر ایک کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا،اور ان میں سے جس نے اس (بہتان)

میں سب سے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے زبردست عذاب ہے۔

واقعہ افک کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ" أَسْوَأ الْكَذِب عَلَى عَائِشَة رَضِيَ اللَّه عَنْهَا أُمّ الْمُؤْمِنِينَ بِقَذْفِهَا "عُصْبَة مِنْكُمْ" جَمَاعَة مِنْ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ : حَسَّان بْن ثَابِت وَعَبْد اللَّه ابْن أُبَيّ وَمِسْطَح وَحَمْنَة بِنْت جَحْش "لَا تَحْسَبُوهُ" أَيّهَا الْمُؤْمِنُونَ غَيْر الْعُصْبَة "شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْر لَكُمْ" يَأْجُركُمْ اللَّه بِهِ وَيُظْهِر بَرَاءَة عَائِشَة،

وَمَنْ جَاءَ مَعَهَا مِنْهُ وَهُوَ صَفْوَان فَإِنَّهَا قَالَتْ : "كُنْت مَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَة بَعْدَمَا أُنْزِلَ الْحِجَاب فَفَرَغَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَدَنَا مِنْ الْمَدِينَة وَآذَنَ بِالرَّحِيلِ لَيْلَة فَمَشَيْت وَقَضَيْت شَأْنِي وَأَقْبَلْت إِلَى الرَّحْل فَإِذَا عِقْدِي انْقَطَعَ - هُوَ بِكَسْرِ الْمُهْمَلَة : الْقِلَادَة - فَرَجَعْت أَلْتَمِسهُ وَحَمَلُوا هَوْدَجِي - هُوَ مَا يُرْكَب فِيهِ - عَلَى بَعِيرِي يَحْسَبُونَنِي فِيهِ وَكَانَتْ النِّسَاء خِفَافًا إِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعُلْقَة - هُوَ بِضَمِّ الْمُهْمَلَة وَسُكُون اللَّام مِنْ الطَّعَام : أَيْ الْقَلِيل - وَوَجَدْت عِقْدِي وَجِئْت بَعْدَمَا سَارُوا فَجَلَسْت فِي الْمَنْزِل الَّذِي كُنْت فِيهِ وَظَنَنْت أَنَّ الْقَوْم سَيَفْقِدُونَنِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ فَغَلَبَتْنِي عَيْنَايَ فَنِمْت وَكَانَ صَفْوَان قَدْ عَرَّسَ مِنْ وَرَاء الْجَيْش فَادَّلَجَ - هُمَا بِتَشْدِيدِ الرَّاء وَالدَّال أَيْ نَزَلَ مِنْ آخِر اللَّيْل لِلِاسْتِرَاحَةِ - فَسَارَ مِنْهُ فَأَصْبَحَ فِي مَنْزِله فَرَأَى سَوَاد إِنْسَان نَائِم - أَيْ شَخْصه - فَعَرَفَنِي حِين رَآنِي وَكَانَ يَرَانِي قَبْل الْحِجَاب فَاسْتَيْقَظْت بِاسْتِرْجَاعِهِ حِين عَرَفَنِي - أَيْ قَوْله إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - فَخَمَّرْت وَجْهِي بِجِلْبَابِي أَيْ غَطَّيْته بِالْمُلَاءَةِ وَاَللَّهِ مَا كَلَّمَنِي بِكَلِمَةٍ وَلَا سَمِعْت مِنْهُ كَلِمَة غَيْر اسْتِرْجَاعه حِين أَنَاخَ رَاحِلَته وَوَطِئَ عَلَى يَدهَا فَرَكِبْتهَا فَانْطَلَقَ يَقُود بِي الرَّاحِلَة حَتَّى أَتَيْنَا الْجَيْش بَعْدَمَا نَزَلُوا مُوغِرِينَ فِي نَحْر الظَّهِيرَة - أَيْ مِنْ أَوْغَرَ وَاقِفِينَ فِي مَكَان وَغْر مِنْ شِدَّة الْحَرّ - فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى كِبْره مِنْهُمْ : عَبْد اللَّه بْن أُبَيّ بْن سَلُول " ا ه . قَوْلهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ" أَيْ عَلَيْهِ "مَا اكْتَسَبَ مِنْ الْإِثْم" فِي ذَلِكَ "وَاَلَّذِي تَوَلَّى كِبْره مِنْهُمْ" أَيْ تَحَمَّلَ مُعْظَمه فَبَدَأَ بِالْخَوْضِ فِيهِ وَأَشَاعَهُ وَهُوَ عَبْد اللَّه بْن أُبَيّ "لَهُ عَذَاب عَظِيم" هُوَ النَّار فِي الْآخِرَة،

بیشک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا پر) بہتان لگایا تھا وہ بھی تم ہی میں سے ایک جماعت تھی، جن میں حسان بن ثابت، عبداللہ بن ابی، مسطح، حمنہ بنت جحش، تم اس بہتان کے واقعہ کو اپنے حق میں برا مت سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا کی شان کو برأت کے ساتھ ظاہر فرما دیا۔ ان میں

سے ہر ایک کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا، اور ان میں سے جس نے اس (بہتان) میں سب سے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے زبردست عذاب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ہمراہ لے گئے یہ وقت وہ تھا جب کہ پردہ کی آیات نازل ہو چکی تھیں چنانچہ میں پردہ کے ساتھ اونٹ کے ہودے میں سوار کرائی جاتی تھی اور اتاری جاتی تھی غرض کہ جب ہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چلنے کا حکم دیا تو میں رفع حاجت کی غرض سے گئی اور لشکر سے دور نکل گئی واپس آئی اور جب سوار ہونے کے لئے اپنی سواری کے قریب آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا ہار جو خزف یمنی کا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے میں فوراً واپس لوٹی اور ہار تلاش کرنے لگی اس میں مجھے دیر ہو گئی جن لوگوں کے سپرد مجھے ہودے پر سوار کرنے کا کام تھا انہوں نے ہودے کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور سمجھے کہ شاید میں اپنے ہودے میں بیٹھی ہوں اس زمانہ میں عورتیں ہلکی ہوتی تھیں کیونکہ غذا سادی اور غیر مرغن کھائی جاتی تھی اس لئے ہودہ اٹھانے والوں کو کچھ پتہ نہیں چلا دوسرے میں بہت کمسن بھی تھی اس کے بعد وہ سب اونٹ لے کر چل دیئے۔ مجھے ہار اس وقت ملا جب کہ لشکر اپنے مقام سے روانہ ہو چکا تھا میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی اس خیال سے کہ جب لوگوں کو میرے رہ جانے کی خبر ہوگی تو وہ ضرور تلاش کرنے کی غرض سے واپس آئیں گے میں بیٹھے بیٹھے سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی جو بعد کو ذکوانی کے نام سے مشہور ہوئے وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے تا کہ گری پڑی چیزیں اٹھاتے ہوئے آئیں وہ صبح کو جب قریب پہنچے تو مجھے سوتا ہوا دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ وہ پردہ سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے۔ اس نے زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ چھپا لیا اللہ کی قسم! ہم دونوں نے کوئی بات نہیں کی اور نہ میں نے سوائے انا للہ کے کوئی بات اس سے سنی۔ صفوان نے اپنی سواری سے اتر کر اس کے دست و پا کو باندھ دیا اور میں اس پر بیٹھ گئی صفوان آگے آگے اونٹ کو کھینچتا ہوا چلا اور ہم دوپہر کے قریب شدت کی گرمی میں لشکر میں پہنچ گئے اور وہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر جسے تہمت لگا کر ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا۔ اور جو سب سے زیادہ محرک اس حرکت بہتان کا ہوا وہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا عروہ کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس جب افک کا ذکر ہوتا تھا تو وہ اس کا اقرار کرتا تھا اور اس کو سنتا اور بیان کرتا تھا عروہ کہتے ہیں کہ بہتان لگانے والوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے علاوہ کوئی بیان نہیں کیا گیا باقی کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ مگر ان کی ایک جماعت ہے جس کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب الیم یعنی جوان کا سرغنہ ہے اس کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان سب کا بڑا یہ ہی (عبداللہ بن ابی بن سلول) ہے۔ ہر شخص کیلئے وہی گناہ ہے جو اس نے کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں جب میرے متعلق لوگوں میں تذکرہ ہونے لگا جس کی مجھے بالکل خبر نہ تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے متعلق خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور تشہد کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا لوگو! مجھے ان لوگوں کے متعلق مشورہ دو جنہوں نے میری بیوی پر تہمت لگائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنی بیوی

میں کبھی کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اور اس میں بھی کوئی برائی نہیں دیکھی جس کے ساتھ ان لوگوں نے اس کو متہم کیا وہ میری عدم موجودگی میں کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ پھر وہ ہر سفر میں میرے ساتھ شریک رہا ہے۔ اس پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردنیں اتار دوں۔ قبیلہ خزرج کا ایک شخص کھڑا ہوا (حسان بن ثابت کی والدہ ان کی برادری سے تعلق رکھتی تھیں) اور (سعد سے) کہنے لگا اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو کیوں کہ اللہ کی قسم! اگر ان لوگوں کا تعلق قبیلہ اوس سے ہوتا تم کبھی یہ بات نہ کرتے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسجد ہی میں اوس وخزرج کے درمیان لڑائی کا خدشہ ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اس کا علم بھی نہ تھا۔ اس روز شام کے وقت ام مسطح کے ساتھ کسی کام کے لئے نکلی (چلتے ہوئے) ام مسطح کو ٹھوکر لگی تو کہنے لگی کہ مسطح ہلاک ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ان سے کہا کیا بات آپ نے اپنے بیٹے کو کیوں کوس رہی ہیں وہ خاموش ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ ٹھوکر لگی اور مسطح کی ہلاکت کی بددعا کی۔ میں نے دوبارہ ان سے پوچھا لیکن اس مرتبہ بھی وہ خاموش رہیں۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ آپ اپنے بیٹے کے لئے بددعا کرتی ہیں۔ ام مسطح کہنے لگیں اللہ کی قسم! میں اسے تمہاری وجہ سے ہی کوس رہی ہوں۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں)۔ میں نے پوچھا میرے متعلق کس وجہ سے؟ اس پر انہوں نے ساری حقیقت کھول کر بیان کر دی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعی یہی بات ہے؟ وہ کہنے لگیں ہاں اللہ کی قسم! میں واپس لوٹ گئی اور جس کام کیلئے نکلی تھی اس کی ذرا سی بھی حاجت باقی نہ رہی اور پھر مجھے بخار ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے والد کے گھر بھیج دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ایک غلام کو بھیج دیا۔ میں گھر میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ ام رومان رضی اللہ عنہا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ) نیچے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اوپر قرآن کریم پڑھ رہے ہیں (والدہ) نے پوچھا بیٹی کیسے آئی ہو؟ میں نے ان کے سامنے پورا قصہ بیان کیا۔ اور بتایا کہ اس کا لوگوں میں چرچا ہو چکا ہے۔ انہیں بھی اس سے اتنی تکلیف ہوئی جتنی مجھے ہوئی تھی۔ وہ مجھ سے کہنے لگیں۔ بیٹی گھبرانا نہیں اس لئے کہ اللہ کی قسم کوئی خوبصورت عورت ایسی جس سے اس کی سوکنوں کے ہوتے ہوئے اس کا شوہر محبت کرتا ہو اور وہ (سوکنیں) اس سے حسد نہ کریں اور اس کے متعلق باتیں نہ بنائی جائیں یعنی انہیں وہ اذیت نہیں پہنچی جو مجھے ہوئی تھی۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا میرے والد بھی یہ بات جانتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ بات جانتے ہیں۔ اس پر میں اور زیادہ غمگین ہوئی اور رونے لگی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرے رونے کی آواز سنی تو نیچے تشریف لائے اور میری والدہ سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اسے اپنے متعلق پھیلنے والی بات کا علم ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹی میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اپنے گھر واپس لوٹ جاؤ۔ میں واپس گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور میری خادمہ سے میرے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا اللہ کی قسم! مجھے ان میں کسی عیب کا علم نہیں اتنا ضرور ہے کہ وہ (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سو جایا کرتی تھیں اور بکری اندر داخل ہو کر آٹا کھا جایا کرتی تھی۔ (راوی کو شک ہے کہ خمیر تھا کہا یا عجینتھا تھا) اس پر

بعض صحابہ نے اسے ڈانٹا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولو۔ یہاں تک کہ بعض نے اسے (یعنی خادمہ کو) برا بھلا کہا۔ وہ کہنے لگی سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ اللہ کی قسم! میں ان کے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے) متعلق اس طرح جانتی ہوں جس طرح سنار خالص اور سرخ سونے کو پہچانتا ہے۔ پھر اس شخص کو بھی یہ بات پتہ چل گئی۔ جس کے بارے میں واقعہ کہا گیا تھا۔ وہ بھی کہنے لے سُبْحَانَ اللّٰہِ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی عورت کا ستر نہیں کھولا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر وہ شخص اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ اس کے بعد صبح کے وقت میرے والدین میرے پاس آئے۔ وہ ابھی میرے پاس ہی تھے کہ عصر کی نماز پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ میرے والدین میرے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور فرمایا اے عائشہ اگر برائی کے قریب گئی ہو یا تم نے اپنے اوپر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک انصاری عورت آئی اور دروازے میں بیٹھ گئی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس عورت کی موجودگی میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے حیاء نہیں فرماتے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ ونصیحت کی تو میں اپنے والد کی طرف متوجہ ہوئی اور عرض کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ جب دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے تشہد پڑھ کر حمد وثناء بیان کرنے کے بعد کہا اللہ کی قسم! اگر میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر حضرات سے یہ کہوں کہ میں نے یہ کام نہی کیا تب بھی یہ بات مجھے فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ اس لئے کہ بات تم لوگوں کے سامنے کہی جا چکی ہے اور تمہارے دلوں میں سرائیت کر گئی ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ ہاں میں نے یہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ میں نے نہیں کیا تم لوگ کہو گے کہ اس نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ اللہ کی قسم! میں تمہارے اور اپنے متعلق کوئی مثال نہیں جانتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر میں نے یعقوب علیہ السلام کا نام لینا چاہا تو میرے ذہن میں نہیں آیا۔ اتنا ہی آیا کہ وہ ابو یوسف علیہ السلام ہیں۔ (یعنی میرا قصہ بھی انہی کی طرح ہے جیسے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو کھونے کے بعد فرمایا فصبر جمیل یعنی صبر ہی بہتر ہے اور جس طرح تم بیان کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ مددگار رہے گا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی اور ہم لوگ خاموش ہو گئے۔ جب وحی کے آثار ختم ہوئے تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے فرمانے لگے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی اور برأت نازل فرما دی ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بہت غصہ میں تھی کہ میرے والدین نے مجھ سے کہا کہ اٹھو اور کھڑی ہو جاؤ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو) عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم! نہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ آپ (ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہ) دونوں کا بلکہ اللہ رب العالمین کا شکریہ ادا کرونگی اور اس کی ہی تعریف کروں گی جس نے میری برأت نازل کی۔

آپ لوگوں نے تو میرے متعلق یہ بات سن کر نہ اس کا انکار کیا اور نہ اسے روکنے کی کوشش کی۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ زینب بنت جحش کو اللہ تعالیٰ نے اس کی دینداری کی وجہ سے بچالیا اور اس نے اس موقع پر اچھی بات کہی لیکن ان کی بہن حمنہ برباد ہونے والوں کے ساتھ ہوگئیں۔ اس تہمت کو پھیلانے والوں میں مسطح، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی شامل تھے۔ عبداللہ بن ابی (منافق) ہی شوشے چھوڑتا اور خبریں جمع کرتا اور اس میں اسی کا زیادہ ہاتھ تھا۔ حمنہ بھی اس کے ساتھ شریک تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ اب مسطح کو کبھی فائدہ نہ پہنچائیں گے تو یہ آیات نازل ہوئیں (وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ النور:22)۔ (اہل فضل اور رزق میں کشادگی رکھنے والے قسم نہ کھائیں (مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں) کہ رشتہ داروں، مساکین اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے) اس سے مراد مسطح ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ،النور:22) (کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کردے اور وہ بہت معاف کرنے والا اور مہربان ہے)۔
اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں اے اللہ! اللہ کی قسم ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور پھر مسطح کو پہلے کی طرح دینے لگے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یونس بن یزید، معمر اور کئی راوی یہ حدیث زہری سے وہ عروہ بن زبیر سے وہ سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص لیثی اور عبداللہ بن عبداللہ سے اور یہ سب حضرات عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہشام بن عروہ کی حدیث سے زیادہ مکمل اور لمبی حدیث نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1127)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعض خصائص کا بیان

امام بغوی نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہ بھی (بطور تحدیث بالنعمۃ) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبرائیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشۃ) اور بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔ تیسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔ چوتھی یہ کہ بیت عائشہ ہی میں آپ مدفون ہوئے۔ پانچویں یہ کہ آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت صدیقہ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔ چھٹی یہ کہ آسمان سے ان کی برات نازل ہوئی۔ ساتویں یہ کہ وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔ حضرت صدیقہ کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ

تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی)

تفسیر قرطبی میں نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو گویائی دے کر اس کی شہادت سے ان کی برات ظاہر فرمائی اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری کیا اور حضرت صدیقہ عائشہ پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل کر کے ان کی برات کا اعلان کیا، جس نے ان کے فضل و عزت کو اور بڑھا دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نور، بیروت)

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝
کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔

اہل ایمان کا آپس میں اچھا گمان رکھنے کا بیان

"لَوْلَا" هَلَّا "إِذْ" حِين "سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَات بِأَنْفُسِهِمْ" أَيْ ظَنَّ بَعْضهمْ بِبَعْضٍ "خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْك مُبِين" كَذِب بَيِّن فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْخِطَاب أَيْ ظَنَنْتُمْ أَيُّهَا الْعُصْبَة وَقُلْتُمْ

کیوں نہ جب تم نے اسے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیا یعنی ایک دوسرے کے بارے میں اچھا گمان کیا۔ اور کہا کہ یہ صریح بہتان ہے۔ اس خطاب میں غیبت کی طرف التفات ہے یعنی اے جماعت تم نے گمان کیا اور کہہ دیا۔

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اماں صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المومنین آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی برات آسمان سے نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت زینب اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا یہ تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا۔ اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے، جو اسے ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے اس کیلئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، نور، بیروت)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝
یہ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

چار گواہوں کو طلب کرنے کا بیان

"لَوْلَا" هَلَّا "جَاءُوا" أَيْ الْعُصْبَة "عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء " شَاهَدُوهُ "فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْد اللَّه" أَيْ فِي حُكْمه "هُمْ الْكَاذِبُونَ" فِيهِ

یہ افترا پرداز لوگ اس طوفان پر چار گواہ کیوں نہ لائے ،جس اس واقعہ کی گواہی دیتے۔پھر جب وہ گواہ نہیں لا سکے تو یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔یعنی حکم کے مطابق یہی جھوٹے ہیں۔

اس آیت کے پہلے جملہ میں تو اس کی تلقین ہے کہ ایسی خبر مشہور کرنے والوں کے بارہ میں مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ ان کی بات کو چلتا کرنے کے بجائے ان سے مطالبہ دلیل کا کرتے اور چونکہ تہمت زنا کے معاملے میں دلیل شرعی چار گواہوں کے بغیر قائم نہیں ہوتی اس لئے ان سے مطالبہ یہ کرنا چاہئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر چار گواہ پیش کرو یا زبان بند کرو۔دوسرے جملے میں فرمایا کہ جب وہ چار گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹ ہیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کہ ایک شخص نے اپنی آنکھ سے ایک واقعہ دیکھا مگر اس کو اس پر دوسرے گواہ نہیں ملے تو اگر یہ شخص اپنے چشم دید واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اس کو جھوٹا کیسے کہا جا سکتا ہے خصوصاً اللہ کے نزدیک جھوٹا کہنا تو کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب واقعات کے حقائق معلوم ہیں اور یہ واقعہ وجود میں آنا بھی معلوم ہے تو وہ عند اللہ جھوٹ بولنے والا کیسے قرار پایا۔اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ یہاں عند اللہ سے مراد حکم اللہ اور قانون الٰہی ہے یعنی یہ شخص قانون الٰہی اور حکم خداوندی کی رو سے جھوٹا قرار دیا جائے گا اور اس پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ حکم ربانی یہ تھا کہ جب چار گواہ نہ ہوں تو واقعہ دیکھنے کے باوجود اس کو بیان نہ کرو اور جو بغیر چار گواہوں کے بیان کرے گا وہ قانوناً اور حکماً جھوٹا قرار پا کر سزا پائے گا۔

مسلمان کی شان یہ ہے کہ کوئی کام فضول نہ کرے جس کا کوئی فائدہ نتیجہ نہ ہو خصوصاً ایسا کام جس میں دوسرے مسلمان پر کوئی الزام عائد ہوتا ہو تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کسی عیب و گناہ کی شہادت صرف اس نیت سے دے سکتا ہے کہ جرم و گناہ کا انسداد مقصود ہو کسی کو رسوا کرنا یا ایذا دینا مقصود نہ ہو تو جس شخص نے چار گواہوں کے بغیر اس قسم کی شہادت زبان سے نکالی گویا اس کا دعویٰ یہ ہے کہ میں یہ کلام اصلاح خلق اور معاشرہ کو برائی سے بچانے اور انسداد جرائم کی نیت سے کر رہا ہوں۔مگر جب شریعت کا قانون اس کو معلوم ہے کہ بغیر چار گواہوں کے ایسی شہادت دینے سے نہ اس شخص پر کوئی حد و سزا جاری ہوگی اور نہ ثبوت بہم پہنچے گا بلکہ الٹی جھوٹ بولنے کی سزا کا میں مستحق ہو جاؤں گا تو اس وقت وہ عند اللہ اپنی اس نیت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ میں اصلاح خلق اور انسداد جرائم کی نیت سے یہ شہادت دے رہا ہوں کیونکہ شرعی ضابطہ کے مطابق شہادت نہ ہونے کی صورت میں یہ نیت ہو ہی نہیں سکتی۔ (تفسیر مظہری، سورہ نور، لاہور)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑ گئے ہو اس پر تمہیں زبردست عذاب پہنچتا۔

تہمت کے سبب سخت عذاب ہونے کا بیان

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَته فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ" أَيُّهَا الْعُصْبَة أَيْ خُضْتُمْ "فِيهِ عَذَاب عَظِيم" فِي الْآخِرَة

اور اگر تم پر دنیا وآخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس تہمت کے چرچے میں تم پڑ گئے ہو، اے گروہ! اس پر تمہیں آخرت میں زبردست عذاب پہنچتا۔

فرمان ہے کہ اے وہ لوگوں جنہوں نے صدیقہ کی بابت اپنی زبانوں کو بری حرکت دی اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا کہ وہ دنیا میں تمہاری توبہ کو قبول کرلے اور آخرت میں تمہیں تمہارے ایمان کی وجہ سے معاف فرمادے تو جس بہتان میں تم نے اپنی زبانیں ہلائیں اس میں تمہیں بڑا بھاری عذاب ہوتا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کے دلوں میں ایمان تھا لیکن رواداری میں کچھ کہہ گئے تھے جیسے حضرت مسطح حضرت حسان، حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم۔ لیکن جن کے دل ایمان سے خالی تھے جو اس طوفان کے اٹھانے والے تھے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ منافقین یہ لوگ اس حکم میں نہیں تھے۔ کیونکہ نہ اس کے پاس ایمان تھا نہ عمل صالح۔ یہ بھی یادرہے کہ جس بدی پر جو وعید ہے وہ اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب توبہ نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں اس جیسی یا اس سے بڑی نیکی نہ ہو۔ جب کہ تم اس بات کو پھیلا رہے تھے، اس سے سن کر اس سے کہی اور اس نے سن کر دوسرے سے کہی۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ
هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○
جب تم اس کو اپنی زبانوں پر لاتے رہے اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے رہے جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا اور
اس کو معمولی بات خیال کر رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی تھی۔

تہمت کے گناہ ہونے کا بیان

"إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ" أَيْ يَرْوِيهِ بَعْضكُمْ عَنْ بَعْض وَحُذِفَ مِنْ الْفِعْل إِحْدَى التَّاءَيْنِ وَإِذْ مَنْصُوب بِمَسَّكُمْ أَوْ بِأَفَضْتُمْ "وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْم وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا" لَا إِثْم فِيهِ "وَهُوَ عِنْد اللّٰه عَظِيم" فِي الْإِثْم

جب تم اس بات کو ایک دوسرے سے سن کر اپنی زبانوں پر لاتے رہے۔ یہاں پر فعل تلقونہ میں ایک تاء کو حذف کیا گیا۔ اور لفظ إذ یہ مسکم کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا افضتم کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے رہے جس کا خود تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا اور اس چرچے کو معمولی بات خیال کر رہے تھے، جیسے اس میں گناہ ہی نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑا گناہ تھا۔

حضرت عائشہ کی قرأت میں اذا تلقونہ ہے یعنی جب کہ تم اس جھوٹ کی اشاعت کررہے تھے۔ پہلی قرأت جمہور کی ہے۔ اور یہ قرأت ان کی ہے جنہیں اس آیت کا زیادہ علم تھا۔ اور تم وہ بات زبان سے نکالتے تھے، جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ تم گو اس کلام کو ہلکا سمجھتے رہے، لیکن دراصل اللہ کے نزدیک وہ بڑا بھاری کلام تھا۔ کسی مسلمان عورت کی نسبت ایسی تہمت جرم عظیم ہے۔ پھر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کے اوپر ایسا کلمہ، سمجھ لو کہ کتنا بڑا کبیرا گناہ ہوا؟ اسی لئے رب کی غیرت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر خاتم الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی ثابت فرمائی۔ ہر نبی علیہ السلام کی بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اس بے حیائی سے دور رکھا ہے پس کیسے ممکن تھا کہ تمام نبیوں کی بیویوں سے افضل اور ان کی سردار۔ تمام نبیوں سے افضل اور تمام اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اس میں آلودہ ہوں۔ حاشا وکلا۔

پس تم گو اس کلام کو بے وقعت سمجھو لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ انسان بعض مرتبہ اللہ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ کہہ کر گزرتا ہے، جس کی کوئی وقعت اس کے نزدیک نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم کے اتنے نیچے طبقے میں پہنچ جاتا ہے کہ جتنی نیچی زمین آسمان سے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نیچا ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○
اور جب تم نے یہ سنا تھا تو تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ نہیں کہ ہم اسے زبان پر لے آئیں
تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

سنی سنائی افواہ کو پھیلانے پر اظہار تعجب کا بیان

"وَلَوْلَا" هَلَّا "اِذْ" حِيْنَ "سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْن " مَا يَنْبَغِي "بِهٰذَا" هُوَ لِلتَّعَجُّبِ هُنَا "هٰذَا بُهْتَان" كَذِب

اور جب تم نے یہ بہتان سنا تھا تو تم نے اسی وقت یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ جائز ہی نہیں یہاں پر سبحانک تعجب کیلئے آیا ہے کہ ہم اسے زبان پر لے آئیں (بلکہ تم یہ کہتے کہ اے اللہ!) تو پاک ہے (اس بات سے کہ ایسی عورت کو اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب زوجہ بنادے)، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔

تحقیق کے بغیر بات کو بیان نہ کرنے کا بیان

یہاں دوسرا حکم دے رہا ہے کہ بھلے لوگوں کی شان میں کوئی برائی کا کلمہ بغیر تحقیق ہرگز نہ نکالنا چاہئے۔ برے خیالات، گندے الزامات اور شیطانی وسوسوں سے دور رہنا چاہئے۔ کبھی ایسے کلمات زبان سے نہ نکالنے چاہیں، گو دل میں کوئی ایسا وسوسہ شیطانی پیدا بھی ہو تو زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے

وسوسوں سے درگزر فرمالیا ہے، جب تک وہ زبان سے نہ کہیں یا عمل میں نہ لائیں۔ (بخاری و مسلم)
تمہیں چاہئے تھا کہ ایسے بیہودہ کلام کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ ہم ایسی لغویات سے اپنی زبان نہیں بگاڑتے۔ ہم سے یہ بے ادبی نہیں ہوسکتی کہ اللہ کے خلیل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی صاحبہ کی نسبت کوئی ایسی لغویات کہیں، اللہ کی ذات پاک ہے دیکھو خبردار آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ ہو ورنہ ایمان کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایمان سے ہی کورا ہو تو وہ تو بے ادب، گستاخ اور بھلے لوگوں کی اہانت کرنے والا ہوتا ہی ہے۔ احکام شرعیہ کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسی بات نہ کرنا اگر تم اہل ایمان ہو۔ اور اللہ تمہارے لئے آیتوں کو
واضح طور پر بیان فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان وعمل کا بیان

"يَعِظُكُمُ اللّٰه" يَنْهَاكُمْ "أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" تَتَّعِظُونَ بِذٰلِكَ "وَيُبَيِّنُ اللّٰه لَكُمُ الْآيَات" فِي الْأَمْر وَالنَّهْي "وَاللّٰه عَلِيم" بِمَا يَأْمُر بِهِ وَيَنْهَى عَنْهُ "حَكِيم" فِيهِ
اللہ تم کو نصیحت فرماتا ہے یعنی وہ تمہیں منع کرتا ہے کہ پھر کبھی بھی ایسی بات (عمر بھر) نہ کرنا اگر تم اہل ایمان ہو۔ تو اس سے نصیحت حاصل کرو۔ اور اللہ تمہارے لئے امر و نہی میں آیتوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کا تمہیں حکم دیا ہے اور منع کردہ کی حقیقت میں بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس جماعت کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر گرد بیٹھی ہوئی تھی (مخاطب کر کے) فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت (عہد و اقرار) کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے (افلاس، بھوک یا غربت کے ڈر سے) اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہ کرو گے اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے پس تم میں سے جو آدمی اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (کہ آخرت میں اپنے انعامات سے نوازے گا) اور جو آدمی (سوائے شرک کے) ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس گناہ کی سزا بھی مل جائے (جیسے حد وغیرہ جاری ہو) تو یہ سزا اس کے (گناہ) کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی ستر پوشی فرمائی (اور دنیا میں اسے سزا نہ ملی) تو اب یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے تو وہ (از راہ کرم) آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے اسے عذاب دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔" (صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 17)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

بے حیائی پھیلانے والوں کیلئے دنیا وآخرت میں عذاب ہونے کا بیان

"اِنَّ الَّذِینَ یُحِبُّونَ أَنْ تَشِیع الْفَاحِشَة" بِاللِّسَانِ "فِی الَّذِینَ آمَنُوا" بِنِسْبَتِهَا إلَیْهِمْ وَهُمْ الْعُصْبَة "لَهُمْ عَذَاب أَلِیم فِی الدُّنْیَا" بِحَدِّ الْقَذْف "وَالْآخِرَة" بِالنَّارِ لِحَقِّ اللَّه "وَاَللَّه یَعْلَم" انْتِفَاءَهَا عَنْهُمْ "وَأَنْتُمْ" أَیُّهَا الْعُصْبَة بِمَا قُلْتُمْ مِنْ الْإِفْك "لَا تَعْلَمُونَ" وُجُودهَا فِیهِمْ

بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں زبان کے ذریعے بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، اس ان کی جانب منسوب کیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دردناک عذاب یعنی جہنم کی آگ میں اللہ تعالیٰ ڈال دے گا اور اللہ بے حیائی کے ختم ہونے کو جانتا ہے اور تم یعنی اے گروہ جو بہتان کہا ہے اس کے وجود کو بھی نہیں جانتے۔

یہ تیسری تنبیہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سنے، اسے اس کا پھیلانا حرام ہے جو ایسی بری خبروں کو اڑاتے پھیرتے ہیں۔ دنیوی سزا یعنی حد بھی لگے گی اور اخروی سزا یعنی عذاب جہنم بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عالم ہے، تم بے علم ہو، پس تمہیں اللہ کی طرف تمام امور لوٹانے چاہئیں۔ حدیث شریف میں ہے بندگان اللہ کو ایذاء نہ دو، انہیں عار نہ دلاؤ۔ ان کی خفیہ باتوں کی ٹوہ میں نہ لگے رہو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب ٹٹولے گا۔ اللہ اس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جائے گا اور اسے یہاں تک رسوا کرے گا کہ اس کے گھر والے بھی اسے بری نظر سے دیکھنے لگیں گے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو مگر اللہ بڑا شفیق بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ کے فضل ورحمت کے سبب عذاب سے بچنے کا بیان

"وَلَوْلَا فَضْل اللَّه عَلَیْكُمْ" أَیُّهَا الْعُصْبَة "وَرَحْمَته وَأَنَّ اللَّه رَءُوف رَحِیم" بِكُمْ لَعَاجَلَكُمْ بِالْعُقُوبَةِ

اور اگر تم پر (اس رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں) اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو (تم بھی پہلی امتوں کی طرح تباہ کر دیے جاتے) مگر اللہ بڑا شفیق بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے ایک بھی اپنے آپ کو شرک وکفر، برائی اور بدی سے نہ بچا سکتا۔ یہ رب کا

احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے پھر تم پر مہربانی سے رجوع کرتا ہے اور تمہیں پاک صاف بنا دیتا ہے۔ اللہ جسے چاہے پاک کرتا ہے اور جسے چاہے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا، ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ ہدایت یاب اور گمراہ سب اس کی نگاہ میں ہیں اور اس میں بھی اس حکیم مطلق کی بے پایاں حکمت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو اور جو شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک نہ ہوتا اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

شیطان کے قدموں کی پیروی کرنے سے ممانعت کا بیان

"يٰـأَيُّهَا الَّـذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَات الشَّيْطَان" أَيْ طُـرُق تَزْيِينه "وَمَـنْ يَتَّبِع خُطُوَات الشَّيْطَان فَإِنَّهُ" أَيْ الْمُتَّبِع "يَأْمُر بِالْفَحْشَاءِ" أَيْ الْقَبِيح "وَالْمُنْكَر" شَرْعًا بِاتِّبَاعِهَا "وَلَوْلَا فَضْل اللّٰه عَلَيْكُمْ وَرَحْمَته مَا زَكّٰى مِنْكُمْ" أَيُّهَا الْعُصْبَة بِمَا قُلْتُمْ مِنْ الْإِفْك "مِنْ أَحَد أَبَدًا" أَيْ مَا صَلُحَ وَطَهُرَ مِنْ هٰذَا الـذَّنْب بِالتَّوْبَةِ مِنْهُ "وَلٰـكِنَّ اللّٰه يُزَكِّي" يُطَهِّر "مَنْ يَشَاء" مِـنْ الـذَّنْب بِقَبُولِ تَوْبَته مِنْهُ "وَاللّٰه سَمِيع" بِمَا قُلْتُمْ "عَلِيم" بِمَا قَصَدْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو یعنی اس کے فریب کے راستوں پر نہ چلو اور جو شیطان کے قدموں کے پیچھے چلے یعنی شیطان کی اتباع کرے تو وہ تو بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے یعنی شریعت کے مطابق جن کا اتباع برا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی یعنی جس نے اصلاح نہیں کی اور نہ ہی توبہ کے ذریعے اس گناہ سے پاک ہوا، تو وہ کبھی پاک نہ ہوتا۔ یعنی اے گروہ جو تم نے واقعہ فک میں کہا ہے اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے گناہ کی توبہ کو قبول کر کے پاک کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا ہے جو تم نے کہا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ جس کا تم نے ارادہ کیا۔

شیطانی راہوں پر مت چلو

اگر اللہ کا فضل وکرم، لطف ورحم نہ ہوتا تو اس وقت کوئی اور ہی بات ہو جاتی مگر اس نے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالی۔ پاک ہونے والوں کو بذریعہ حد شرعی کے پاک کر دیا۔ شیطانی طریقوں پر شیطانی راہوں میں نہ چلو، اس کی باتیں نہ مانو۔ وہ تو برائی کا، بدی کا، بدکاری کا، بےحیائی کا حکم دیتا ہے۔ پس تمہیں اس کی باتیں ماننے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے عمل سے بچنا چاہئے اس

کے وسوسوں سے دور رہنا چاہے۔ اللہ کی ہر نافرمانی میں قدم شیطان کی پیروی ہے۔

ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے فلاں چیز کھانے کی قسم کھالی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ شیطان کا بہکاوا ہے، اپنی قسم کا کفارہ دے دو اور اسے کھالو۔ ایک شخص نے حضرت شعبی سے کہا کہ میں نے اپنے بچے کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے فرمایا، یہ شیطانی حرکت ہے، ایسا نہ کرو، اس کے بدلے ایک بھیڑ ذبح کرو۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ وہ بگڑ کر کہنے لگیں کہ ایک دن وہ یہودیہ ہے اور ایک دن نصرانیہ ہے اور اس کے تمام غلام آزاد ہیں، اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے۔ میں نے آکر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ شیطانی حرکت ہے۔ زینب بن ام سلمہ جو اس وقت سب سے زیادہ دینی سمجھ رکھنے والی عورت تھیں، انہوں نے بھی یہی فتویٰ دیا اور عاصم بن عمرو کی بیوی نے بھی یہی بتایا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ صلے وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○
اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے اس بات سے قسم نہ کھالیں کہ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ
کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دیں اور لازم ہے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ
اللہ تمہیں بخشے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

قرابت والوں اور مہاجرین پر خرچ کرنے کا بیان

"وَلَا يَأْتَلِ يَحْلِف "أُولُوا الْفَضْل" أَصْحَاب الْغِنَى "مِنْكُمْ وَالسَّعَة أَنْ" لَا "يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِين وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيل اللَّه" نَزَلَتْ فِي أَبِي بَكْر حَلَفَ أَنْ لَا يُنْفِق عَلَى مِسْطَح وَهُوَ ابْن خَالَته مِسْكِين مُهَاجِر بَدْرِيّ لَمَّا خَاضَ فِي الْإِفْك بَعْد أَنْ كَانَ يُنْفِق عَلَيْهِ وَنَاس مِنْ الصَّحَابَة أَقْسَمُوا أَنْ لَا يَتَصَدَّقُوا عَلَى مَنْ تَكَلَّمَ بِشَيْءٍ مِنْ الْإِفْك "وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا" عَنْهُمْ فِي ذَلِكَ "أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِر اللَّه لَكُمْ وَاَللَّه غَفُور رَحِيم" لِلْمُؤْمِنِينَ قَالَ أَبُو بَكْر : بَلَى أَنَا أُحِبّ أَنْ يَغْفِر اللَّه لِي وَرَجَّعَ إِلَى مِسْطَح مَا كَانَ يُنْفِقهُ عَلَيْهِ

اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے یعنی مال وثروت والے اس بات سے قسم نہ کھالیں کہ قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حلف اٹھایا کہ وہ مسطح پر خرچ نہ کریں حالانکہ آپ کی خالہ کا بیٹا تھا۔ اور مسکین مہاجر بدری تھے۔ جب انہوں نے واقعہ افک میں حصہ لیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حلف اٹھالیا کہ وہ بھی ہر اس شخص پر کچھ خرچ نہ کریں

گے جنہوں نے واقعہ افک کے متعلق کلام کیا ہے۔ تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اور لازم ہے کہ معاف کر دیں اور اس معاملہ میں درگزر کریں، کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بخشے اور اللہ بے حد بخشنے والا، اہل ایمان کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ تو آپ مسطح کی طرف رجوع کیا اور اس پر اسی طرح خرچ کیا جس طرح خرچ کرتے تھے۔

سورہ نور آیت ۲۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، آپ نے قسم کھائی تھی کہ مسطح کے ساتھ سلوک نہ کریں گے اور وہ آپ کی خالہ کے بیٹے تھے نادار تھے، مہاجر تھے، بدری تھے، آپ ہی ان کا خرچ اٹھاتے تھے مگر چونکہ اُم المؤمنین پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ انہوں نے موافقت کی تھی اس لئے آپ نے یہ قسم کھائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جب یہ آیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا بیشک میری آرزو ہے کہ اللہ میری مغفرت کرے اور میں مسطح کے ساتھ جو سلوک کرتا تھا اس کو کبھی موقوف نہ کروں گا چنانچہ آپ نے اس کو جاری فرما دیا۔

(تفسیر قرطبی، سورہ نور، بیروت)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○
بے شک وہ لوگ جو پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے
اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کیلئے لعنت کی وعید کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ" بِالزِّنَا "الْمُحْصَنَات" الْعَفَائِف "الْغَافِلَات" عَنْ الْفَوَاحِش بِأَنْ لَا يَقَع فِي قُلُوبهنَّ فِعْلهَا "الْمُؤْمِنَات" بِاَللَّهِ وَرَسُوله،

بے شک وہ لوگ جو پاک دامن، بے حیائی سے بے خبر مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں بھی برائی کا خیال نہ آیا یعنی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والی ہیں۔ تو ایسے لوگ دنیا اور آخرت میں لعنت کیے گئے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ کے گستاخ پر اللہ کی لعنت

جب کہ عام مسلمان عورتوں پر طوفان اٹھانے والوں کی سزا یہ ہے تو انبیاء کی بیویوں پر جو مسلمانوں کی مائیں ہیں، بہتان باندھنے والوں کی سزا کیا ہوگی؟ اور خصوصا اس بیوی پر جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں رضی اللہ عنہا۔ علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ ان آیتوں کے نزول کے بعد بھی جو شخص ام المومنین کو اس الزام سے یاد کرے، وہ کافر ہے کیونکہ اس نے قرآن پاک

کے خلاف کیا۔ آپ کی اور ازواج مطہرات کے بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ وہ بھی مثل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نور، بیروت)

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥
جس دن ان کی زبانیں اوران کے ہاتھ اوران کے پاؤں ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن زبان اور ہاتھ پاؤں کی گواہی کا بیان

"يَوْمَ" نَاصِبه الِاسْتِقْرَار الَّذِي تَعَلَّقَ بِهِ لَهُمْ "تَشْهَد" بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّة "عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتهمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلهمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" مِنْ قَوْل وَفِعْل وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة،

یہاں لفظ یوم یہ استقر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ جس سے لہم متعلق ہے۔ اور تشہد یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ قول وفعل کے ذریعے کیا کرتے تھے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اعضاء کی گواہی کا بیان

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں سوائے نمازوں کے اور کوئی نہیں بھیجا جاتا تو وہ کہیں گے آؤ ہم بھی انکار کردیں چنانچہ اپنے شرک کا یہ انکار کردیں گے۔ اسی وقت انکے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کافروں کے سامنے جب ان کی بداعمالیاں پیش کی جائیں گی تو وہ انکار کرجائیں گے اور اپنی بیگناہی بیان کرنے لگیں گے تو کہا جائے گا یہ ہیں تمہارے پڑوسی یہ تمہارے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ یہ کہیں گے یہ سب جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا کہ اچھا خود تمہارے کنبے کے قبیلے کے لوگ موجود ہیں۔ یہ کہہ دیں گے یہ بھی جھوٹے ہیں تو کہا جائے گا۔ اچھا تم قسمیں کھاؤ، یہ قسمیں کھالیں گے پھر اللہ انہیں گونگا کردے گا اور خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کی بداعمالیوں کی گواہی دیں گے۔ پھر انہیں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنس دیے اور فرمانے لگے۔ جانتے ہو میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا اللہ ہی جانتا ہے آپ نے فرمایا بندہ قیامت کے دن اپنے رب سے جو حجت بازی کرے گا اس پر یہ کہے گا کہ اللہ کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا؟ اللہ فرمائے گا ہاں۔ تو یہ کہے گا، بس آج جو گواہ میں سچا مانوں، اسی کی شہادت میرے بارے میں معتبر مانی جائے۔ اور وہ گواہ سوا میرے اور کوئی نہیں۔ اللہ فرمائے گا، اچھا یونہی سہی تو ہی اپنا گواہ رہ۔ اب منہ پر مہر لگ جائے گی اور اعضاء سے سوال ہوگا تو وہ سارے عقدے کھول دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا، تم غارت ہوجاؤ، تمہیں بربادی آئے تمہاری طرف سے ہی تو میں لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (صحیح مسلم)

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ٥

اس دن اللہ انہیں ان کا صحیح بدلہ پورا پورا دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، جو ظاہر کرنے والا ہے۔

قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیئے جانے کا بیان

"يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰه دِينهمُ الْحَق" يُجَازِيهِمْ جَزَاءَهُ الْوَاجِب عَلَيْهِمْ "وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰه هُوَ الْحَقّ الْمُبِين" حَيْثُ حَقَّقَ لَهُمْ جَزَاءَهُ الَّذِي كَانُوا يَشُكُّونَ فِيهِ وَمِنْهُمْ عَبْد اللّٰه بْن أُبَيّ وَالْمُحْصَنَات هُنَا أَزْوَاج النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُذْكَر فِي قَذْفهنَّ تَوْبَة وَمَنْ ذُكِرَ فِي قَذْفهنَّ أَوَّل سُورَة التَّوْبَة غَيْرهنَّ،

اس دن اللہ انہیں ان کا صحیح بدلہ پورا پورا دے گا یعنی جو ان پر لازم تھا اس کی جزاء وہ ان کو دے گا اور وہ جان لیں گے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے، جو ظاہر کرنے والا ہے۔ یعنی جو جزاء کیلئے ثابت ہوئی ہے جس میں وہ شک کرتے تھے اور انہی میں سے عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اور یہاں محصنات سے مراد نبی کریم ﷺ کی ازواج ہیں۔ اور یہاں قذف سے توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا ذکر سورہ کے شروع میں کر دیا گیا ہے۔ اور وہ ازواج مطہرات کے سوا ہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ فرماتے تھے اے ابن آدم تو خود اپنی بداعمالیوں کا گواہ ہے، تیرے کل جسم کے اعضاء تیرے خلاف بولیں گے، ان کا خیال رکھ اللہ سے پوشیدگی اور ظاہری میں ڈرتا رہ۔ اس کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اندھیرا اس کے سامنے روشنی کی مانند ہے۔ چھپا ہوا اس کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اللہ کے ساتھ نیک گمانی کی حالت میں مرو۔ اللہ ہی کے ساتھ ہماری قوتیں ہیں۔ یہاں دین سے مراد حساب ہے۔ جمہور کی قرأت میں حق کا زبر ہے کیونکہ وہ دین کی صفت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حق پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ لغت جان لیں گے کہ اللہ کے وعدے وعید حق ہیں۔ اس کا حساب عدل والا ہے ظلم سے دور ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ٥

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے ہیں، اور پاک وطیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاک وطیب مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں، یہ ان سے بری ہیں جو یہ (بدزبان) لوگ کہہ رہے ہیں، ان کے لئے (تو) بخشائش اور عزت و بزرگی والی عطا (مقدر ہو چکی) ہے (تم ان کی شان میں زبان درازی کر کے کیوں اپنا منہ کالا اور اپنی آخرت تباہ و برباد کرتے ہو)۔

مرد و عورتوں میں خبیث و پاکیزہ ہونے کا بیان

"الْخَبِيثَات" مِنْ النِّسَاء وَمِنْ الْكَلِمَات "لِلْخَبِيثِينَ" مِنْ النَّاس "وَالْخَبِيثُونَ" مِنْ النَّاس "لِلْخَبِيثَات"

مِمَّا ذُكِرَ "وَالطَّيِّبَات" مِمَّا ذُكِرَ "لِلطَّيِّبِينَ" مِنْ النَّاس "وَالطَّيِّبُونَ" مِنْهُمْ "لِلطَّيِّبَاتِ" مِمَّا ذُكِرَ أَيْ اللَّائِق بِالْخَبِيثِ مِثْله وَبِالطَّيِّبِ مِثْله "أُولَئِكَ" الطَّيِّبُونَ وَالطَّيِّبَات مِنْ النِّسَاء وَمِنْهُمْ عَائِشَة وَصَفْوَان "مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ" أَيْ الْخَبِيثُونَ وَالْخَبِيثَات مِنْ الرِّجَال وَالنِّسَاء فِيهِمْ "لَهُمْ" لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبَات "مَغْفِرَة وَرِزْق كَرِيم" فِي الْجَنَّة وَقَدْ افْتَخَرَتْ عَائِشَة بِأَشْيَاء مِنْهَا أَنَّهَا خُلِقَتْ طَيِّبَة وَوُعِدَتْ مَغْفِرَة وَرِزْقًا كَرِيمًا

عورتوں میں سے ناپاک عورتیں، لوگوں میں سے ناپاک مردوں کے لئے مخصوص ہیں اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے ہیں، جن کو ذکر کیا گیا ہے اور اسی طرح پاک وطیب عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے مخصوص ہیں اور پاک وطیب مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی خبیث کیلئے خباثت لائق اور پاکیزہ کیلئے طیب لائق ہے۔ ان پاکیزہ ہستیوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان ہیں۔ (سوتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی وطہارت کو دیکھ کر خود سوچ لیتے کہ اللہ نے ان کے لئے زوجہ بھی کس قدر پاکیزہ وطیب بنائی ہوگی)، یہ پاکیزہ لوگ ان تہمتوں سے کلیتاً بری ہیں جو یہ (بدزبان) لوگ کہہ رہے ہیں، یعنی جو لوگوں میں سے خبیث مرد وعورتیں پاکیزہ لوگوں مرد وعورتوں کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ ان کے لئے تو بخشائش اور عزت وبزرگی والی عطا یعنی جنت ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا چند چیزوں کے بارے میں بہ طور فخر کہا کرتی تھیں کہ ان کو پاکیزہ پیدا کیا گیا اور مغفرت اور عزت والے رزق کا وعدہ کیا گیا ہے۔ (تم ان کی شان میں زبان درازی کر کے کیوں اپنا منہ کالا اور اپنی آخرت تباہ وبرباد کرتے ہو)۔

نیک لوگوں کیلئے اچھی بات کا بیان

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسی بری بات برے لوگوں کے لئے ہے۔ بھلی بات کے حقدار بھلے لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی اہل نفاق نے صدیقہ پر جو تہمت باندھی اور ان کی شان میں جو بدالفاظی کی اس کے لائق وہی ہیں اس لئے کہ وہی بد ہیں اور خبیث ہیں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ پاک ہیں اس لئے وہ پاک کلموں کے لائق ہیں وہ ناپاک بہتان سے بری ہیں۔ یہ آیت بھی حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر طرح سے طیب ہیں، ناممکن ہے کہ ان کے نکاح میں اللہ کسی ایسی عورت کو دے جو خبیثہ ہو۔ خبیثہ عورتیں تو خبیث مردوں کے لئے ہوتی ہیں اسی لئے فرمایا کہ یہ لوگ ان تمام تہمتوں سے پاک ہیں جو دشمنان اللہ باندھ رہے ہیں۔ انہیں ان کی بدکلامیوں سے جو رنج وایذاء پہنچی وہ بھی ان کے لئے باعث مغفرت گناہ بن جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا
عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝
اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور

ان کے رہنے والوں کو سلام کہا کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔

گھروں میں داخل ہونے کیلئے اجازت لینے کا بیان

"يَـأَيُّهَـا الَّـذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْر بُيُوتكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا " أَيْ تَسْتَأْذِنُوا "وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلهَا" فَيَقُول الْوَاحِد السَّلَام عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ ؟ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيث "ذَلِكُمْ خَيْر لَكُمْ" مِنْ الدُّخُول بِغَيْرِ اسْتِئْذَان "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الذَّال خَيْرِيَّته فَتَعْمَلُونَ بِهِ

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم ان سے اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں کو داخل ہوتے ہی سلام کہا کرو، یعنی تم سے ہر ایک کہے السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ یہ تمہارے لئے بغیر اجازت کے داخل ہونے سے بہتر نصیحت ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔ یہاں پر تذکرون میں تائے ثانیہ کا ذال میں ادغام ہے۔ یعنی بھلائی ہے لہٰذا تم اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

حضرت کلدہ ابن حنبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے میرے ہاتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دودھ، ہرن کا بچہ اور ککڑی بھیجی اور اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی کنارہ پر جس کو معلّی کہتے ہیں قیام پذیر تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں یونہی چلا گیا تو میں نے آپ کی قیام گاہ میں داخل ہونے سے پہلے سلام کیا اور نہ اندر آنے کی اجازت چاہی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا واپس جاؤ یعنی یہاں سے نکل کر دروازہ پر جاؤ اور وہاں کھڑے ہو کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 606)

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا
فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○
پھر اگر تم ان میں کسی شخص کو موجود نہ پاؤ تو تم ان کے اندر مت جایا کرو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے
اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس پلٹ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بڑی پاکیزہ بات ہے،
اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔

اجازت نہ ملنے پر گھروں میں داخل نہ ہونے کا بیان

"فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا" يَأْذَن لَكُمْ "فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَن لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ" بَعْد الِاسْتِئْذَان "ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ" أَيْ الرُّجُوع "أَزْكَى" أَيْ خَيْر "لَكُمْ" مِنْ الْقُعُود عَلَى الْبَاب "وَاَللَّه بِمَا تَعْمَلُونَ" مِنْ الدُّخُول بِإِذْنٍ وَغَيْر إِذْن "عَلِيم" فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی شخص کو موجود نہ پاؤ کہ وہ تمہیں اجازت دے تو تم ان کے اندر مت جایا کرو یہاں تک کہ تمہیں اس

بات کی اجازت دی جائے اور اگر تم سے اجازت کے بعد کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو تم واپس پلٹ جایا کرو، یہ تمہارے حق میں بڑی پاکیزہ بات ہے، یعنی دروازے پر بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خوب آگاہ ہے۔ یعنی جو تم اجازت لے کر داخل ہوتے ہو یا بغیر اجازت کے داخل ہوتے ہو وہ جاننے والا ہے پس وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

تین بار گھر والوں کو سلام کرنے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میرے پاس ایک شخص کو بھیج کر مجھے بلا بھیجا ہے جب میں حسب طلب ان کے دروازے پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کے لئے تین مرتبہ سلام کیا تو مجھ کو سلام کا جواب نہیں ملا چنانچہ میں واپس چلا آیا پھر بعد میں ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس آنے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا میں نے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا تھا اور آپ کے دروازے پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ نے اس کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی آپ کے کسی خادم ہی نے جواب دیا لہٰذا میں واپس آ گیا کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی شخص تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو چاہیے کہ واپس چلا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس حدیث کے گواہ لاؤ یعنی اس حدیث کے صحیح ہونے پر گواہ پیش کرو کہ یہ نبی کا ارشاد گرامی ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے کے لئے کھڑا ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر گواہی دی۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 602)

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے مذکورہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یہ حدیث چونکہ آپ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اس لئے میرے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیے اور ان کے سامنے گواہی دیجیے چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ گواہی دی کہ حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گواہ طلب کرنا محض احتیاط کے طور پر تھا کہ دوسرے لوگوں کو حدیث بیان کرنے کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے اور خاص طور پر وہ جھوٹے لوگ جو من گھڑ حدیثیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا چاہیں ان کو اس بات کی جرات نہ ہو سکے ورنہ متفقہ طور پر یہ بات ہے کہ خبر واحد مقبول ہے خاص طور پر اس صورت میں جب کہ راوی حضرت موسی اشعری رضی اللہ عنہ جیسا صحابی ہو جو کبار صحابہ میں سے ہیں۔ دروازے پر کھڑے ہو کر تین بار سلام اس لئے کرنا چاہیے کہ ایک سلام تو تعرف کے لئے ہوگا دوسرا سلام تامل کے لئے اور تیسرا سلام اجازت کے لئے ہوگا یعنی اہل خانہ پہلا سلام سن کر اس شخص کو پہچانیں گے کہ یہ کون شخص ہے اور دوسرا سلام سن کر وہ یہ سوچیں گے کہ آیا اس شخص کو اندر آنے کی اجازت دی جائے یا نہیں اور تیسرا سلام سننے کے بعد اندر آنے کی اجازت دیں گے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○

اس میں تم پر گناہ نہیں کہ تم ان مکانات میں جو کسی کی مستقل رہائش گاہ نہیں ہیں چلے جاؤ ان میں تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق ہے، اور اللہ ان کو جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

رہائشی مکانوں کے سوا سرائے وغیرہ میں بغیر اجازت داخل ہونے کا بیان

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاح أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْر مَسْكُونَة فِيهَا مَتَاع" أَيْ مَنْفَعَة "لَكُمْ" بِاسْتِكْنَانٍ وَغَيْره كَبُيُوتِ الرُّبُط وَالْخَانَات الْمُسَبَّلَة "وَاَللّٰه يَعْلَم مَا تُبْدُونَ" تُظْهِرُونَ "وَمَا تَكْتُمُونَ" تُخْفُونَ فِي دُخُول غَيْر بُيُوتكُمْ مِنْ قَصْد صَلَاح أَوْ غَيْره وَسَيَأْتِي أَنَّهُمْ إِذَا دَخَلُوا بُيُوتهمْ يُسَلِّمُونَ عَلَى أَنْفُسهمْ

اس میں تم پر گناہ نہیں کہ تم ان مکانات وعمارات میں جو کسی کی مستقل رہائش گاہ نہیں ہیں مثلاً ہوٹل، سرائے اور مسافر خانے وغیرہ میں بغیر اجازت کے چلے جاؤ کہ ان میں تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے، اور اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ یعنی تمہارا ان میں اصلاح کی نیت یا غیر اصلاح کی نیت سب کو وہ جانتا ہے۔ آئندہ یہ حکم بھی آ رہا ہے کہ جب وہ گھروں میں داخل ہوں تو وہ خود کو سلام کریں۔

گھر والے نہ ہوں تو خود کو سلام کرنے کا بیان

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم گھر میں گھسو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب گھر سے باہر نکلو تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ذریعہ رخصت کرو، اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 585)

اگر گھر میں کوئی فرد نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس طرح کہے السلام علینا وعباد اللہ الصالحین تا کہ وہاں جو فرشتے ہوں ان کو سلام پہنچے۔ حدیث کے الفاظ فاودعوا ھلہ بسلام میں ایداع اصل میں تودیع کے معنی میں ہے جو وداع سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر جاتے وقت اپنے اہل وعیال کو سلام کے ذریعہ وداع کہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس رخصتی سلام کو جواب واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کیوں کہ یہ سلام اصل میں دعا اور وداع ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ فرماتے ہیں کہ لفظ اودعوا ایداع سے ہے بایں معنی کہ اپنے اہل وعیال کے پاس سلام کو ودیعت امانت رکھو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم نے رخصت ہوتے وقت اپنے اہل وعیال کو سلام کیا تو گویا تم نے سلام کی خیر و برکت کو اپنے اہل وعیال کے پاس امانت رکھا جس کو تم آخرت میں واپس لو گے جیسا کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھتا ہے اور پھر اس کو واپس لے لیتا ہے یحیی کے مطابق مطلب یہ ہے کہ تم سلام کو

اپنے گھر والوں کی ودیعت امانت وسپردگی میں دے دو تاکہ لوٹ کر ان کے پاس آ ؤ تو اپنی ودیعت امانت کو واپس لو جیسا کہ امانتیں واپس لی جاتیں ہیں یہ بات گویا اس امر کی نیک فال لینے کے مرادف ہے کہ گھر سے رخصت ہونے والا سلامتی کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اسے دوبارہ سلام کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○
آپ مومن مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کے لئے
بڑی پاکیزہ بات ہے۔ بیشک اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو یہ انجام دے رہے ہیں۔

اہل ایمان مردوں کیلئے نگاہوں کو نیچے رکھنے کا بیان

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارهمْ" عَمَّا لَا يَحِلّ لَهُمْ نَظَره وَمِنْ زَائِدَة "وَيَحْفَظُوا فُرُوجهمْ" عَمَّا لَا يَحِلّ لَهُمْ فِعْله بِهَا "ذَلِكَ أَزْكَى" أَيْ خَيْر "لَهُمْ إِنَّ اللَّه خَبِير بِمَا يَصْنَعُونَ" بِالْأَبْصَارِ وَالْفُرُوج فَيُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ

آپ مومن مردوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں کیونکہ ان کا دیکھنا ان کیلئے حلال نہیں ہے اور یہاں پر من زائدہ ہے۔ اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں، کیونکہ ان کے ساتھ فعل ان کیلئے حلال نہیں ہے۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزہ بات ہے۔ بیشک اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو کچھ یہ اپنی نظروں اور شرمگاہوں سے کر رہے ہیں۔ پس وہ انہیں اس پر جزاء دے گا۔

غیر محرم عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کا بیان

طبرانی میں ہے کہ یا تو تم اپنی نگاہیں نیچی رکھو گے اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو گے اور اپنے منہ سیدھے رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں بدل دے گا (اعاذنا اللہ من کل عذابہ) فرماتے ہیں۔ نظر ابلیسی تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص اللہ کے خوف سے اپنی نگاہ روک رکھے، اللہ اس کے دل کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابن آدم کے ذمے اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے جسے وہ لامحالہ پالے گا، آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا بولنا ہے۔ کانوں کا زنا سننا ہے۔ ہاتھوں کا زنا تھامنا ہے۔ پیروں کا زنا چلنا ہے۔ دل خواہش تمنا اور آرزو کرتا ہے۔ پھر شرمگاہ تو سب کو سچا کر دیتی ہے یا سب کو جھوٹا بنا دیتی ہے۔ (رواہ البخاری)

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں، یا (ان کے لیے) جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے جو شہوت والے نہیں، یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کی پردے کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

مؤمن عورتوں کا اپنی نگاہوں کو نیچے رکھنے کا بیان

"وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارهنَّ" عَمَّا لَا يَحِلّ لَهُنَّ نَظَره "وَيَحْفَظْنَ فُرُوجهنَّ" عَمَّا لَا يَحِلّ لَهُنَّ فِعْله بِهَا "وَلَا يُبْدِينَ" يُظْهِرْنَ "زِينَتهنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" وَهُوَ الْوَجْه وَالْكَفَّانِ فَيَجُوز نَظَره لِأَجْنَبِيّ إِنْ لَمْ يَخَفْ فِتْنَة فِي أَحَد وَجْهَيْنِ وَالثَّانِي يَحْرُم لِأَنَّهُ مَظِنَّة الْفِتْنَة وَرُجِّحَ حَسْمًا لِلْبَابِ "وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبهنَّ" أَيْ يَسْتُرْنَ الرُّءُوس وَالْأَعْنَاق وَالصُّدُور بِالْمَقَانِعِ "وَلَا يُبْدِينَ زِينَتهنَّ" الْخَفِيَّة وَهِيَ مَا عَدَا الْوَجْه وَالْكَفَّيْنِ "إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ" جَمْع بَعْل: أَيْ زَوْج "أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاء بُعُولَتهنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاء بُعُولَتهنَّ أَوْ إِخْوَانهنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانهنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتهنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانهنَّ" فَيَجُوز لَهُمْ نَظَره إِلَّا مَا بَيْن السُّرَّة وَالرُّكْبَة فَيَحْرُم نَظَره لِغَيْرِ الْأَزْوَاج وَخَرَجَ بِنِسَائِهِنَّ الْكَافِرَات فَلَا يَجُوز لِلْمُسْلِمَاتِ الْكَشْف لَهُنَّ وَشَمَلَ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانهنَّ الْعَبِيد "أَوْ التَّابِعِينَ" فِي فُضُول الطَّعَام "غَيْر" بِالْجَرِّ صِفَة وَالنَّصْب اسْتِثْنَاء "أُولِي الْإِرْبَة" أَصْحَاب الْحَاجَة إِلَى النِّسَاء "مِنْ الرِّجَال" بِأَنْ لَمْ يَنْتَشِر ذَكَر كُلّ "أَوْ الطِّفْل" بِمَعْنَى الْأَطْفَال "الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا" يَطَّلِعُوا "عَلَى عَوْرَات النِّسَاء" لِلْجِمَاعِ فَيَجُوز أَنْ يُبْدِينَ لَهُمْ مَا عَدَا مَا بَيْن السُّرَّة وَالرُّكْبَة "وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَم مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتهنَّ" مِنْ خَلْخَال يَتَقَعْقَع "وَتُوبُوا إِلَى اللَّه جَمِيعًا أَيّهَا الْمُؤْمِنُونَ" مِمَّا وَقَعَ لَكُمْ مِنْ النَّظَر الْمَمْنُوع مِنْهُ وَمِنْ غَيْره "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" تَنْجُونَ مِنْ ذَلِكَ لِقَبُولِ التَّوْبَة مِنْهُ وَفِي الْآيَة تَغْلِيب الذُّكُور عَلَى الْإِنَاث

اور مومن عورتوں سے کہہ دے اپنی کچھ نگاہیں نیچی رکھیں کیونکہ ان کیلئے دیکھنا حلال نہیں ہے۔اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں کیونکہ ان کے ساتھ کوئی فعل کرنا حلال نہیں ہے۔اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور وہ چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں۔ایک قول یہ کا اجنبی کا ان کو دیکھنا تب جائز ہے جب فتنے کا خوف نہ ہو اور دوسرا قول یہ ہے گمان فتنہ کے سبب ان اعضاء کو دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ محل فتنہ ہے اور اسی دوسرے قول کو برائی کا راستہ بند کرنے کیلئے راجح قرار دیا گیا ہے۔اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں یعنی اپنے سروں، گردنوں، سینوں کو دوپٹے سے ڈھانپ رکھیں۔اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں جو چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا ہے۔مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں کے لیے، یا ان کے لیے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں، پس ان کیلئے ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ کے سوا بدن کو دیکھا جا سکتا ہے جبکہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ خاوند کے بغیر کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں پر نسائہن کی قید سے کافر عورتیں خارج ہو گئی ہیں لہٰذا کافر عورتوں کے سامنے مسلمان عورتوں کا بے پردہ جانا جائز نہیں ہے۔اور ماملکت ایمانہم کا لفظ اپنے عموم کے سبب غلاموں کو بھی شامل ہے۔یا تابع رہنے والے مردوں کے لیے، جو بچے کچھے کھانے کیلئے پھرتے ہوں یہاں لفظ غیر مجرور جب تابعین کی صفت ہو اور استثناء کے طور پر منصوب ہوگا۔یعنی لڑکے جن کا شہوت سے کوئی مقصد نہ ہو۔جو شہوت والے نہیں، اور ہر ایسا شخص جس کے آلہ تناسل میں انتشار نہ ہو یا ان لڑکوں کے لیے جو عورتوں کے پردے یعنی جماع وغیرہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے، طفل بہ معنی اطفال ہے تو ایسے بچوں کے سامنے ناف و گھٹنے کے درمیانی حصہ کے سوا بدن ظاہر ہو بھی گیا تو حرج نہیں ہے۔اور اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں، کیونکہ ان میں پازیب بجنے والی ہے۔تا کہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! یعنی منع کردہ نظر سے بچتے ہوئے معافی طلب کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔یعنی منع کردہ نظر سے اپنے آپ کو بچا کر کامیاب کرو۔اس آیت میں مذکر کو مؤنث کی نسبت غلبہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

مومن عورتوں کیلئے بھی دیکھنے کی ممانعت کا بیان

یہاں اللہ تعالیٰ مومنہ عورتوں کو چند حکم دیتا ہے تا کہ ان کے باغیرت مردوں کو تسکین ہو اور جاہلیت کی بری رسمیں نکل جائیں۔ روایت ہے کہ اسماء بنت مرثد رضی اللہ عنہا کا مکان بنو حارثہ کے محلے میں تھا۔ان کے پاس عورتیں آتی تھیں اور دستور کے مطابق اپنے پیروں کے زیور، سینے اور بال کھولے آیا کرتی تھیں۔حضرت اسماء نے کہا یہ کیسی بری بات ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔پس حکم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کو بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھنی چاہئیں۔سوا اپنے خاوند کے کسی کو بہ نظر شہوت نہ دیکھنا چاہئے۔اجنبی مردوں کی طرف تو دیکھنا ہی حرام ہے خواہ شہوت سے ہو خواہ بغیر شہوت کے۔ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما بیٹھی تھیں کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ پردہ کر لو۔انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں

دیکھیں گے، نہ پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اس کو نہ دیکھو؟ (جامع البیان، سورہ نور، بیروت)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا
فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو بغیر ازدواجی زندگی کے ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور
باندیوں کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے۔ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے۔

نکاح کرنے کے سبب رزق میں اضافہ ہونے کا بیان

"وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ " جَمْع أَيِّم : وَهِيَ مَنْ لَيْسَ لَهَا زَوْج بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا وَمَنْ لَيْسَ لَهُ زَوْج وَهَذَا فِي الْأَحْرَار وَالْحَرَائِر "وَالصَّالِحِينَ" الْمُؤْمِنِينَ "مِنْ عِبَادكُمْ وَإِمَائِكُمْ " وَعِبَاد مِنْ جُمُوع عَبْد "إِنْ يَكُونُوا" أَيْ الْأَحْرَار "فُقَرَاء يُغْنِهِمْ اللَّه" بِالتَّزَوُّجِ "مِنْ فَضْله وَاَللَّه وَاسِع " لِخَلْقِهِ "عَلِيم" بِهِمْ

اور تم اپنے مردوں اور عورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو یہاں پر ایامی یہ ایم کی جمع ہے اور وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو اور وہ مرد جس کی بیوی نہ ہو یہ حکم آزاد مرد خواتین کے بارے میں ہے۔ جو بغیر ازدواجی زندگی کے رہ رہے ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں یعنی مؤمن غلاموں اور باندیوں کا بھی نکاح کر دیا کرو، یہاں پر عباد یہ عبد کی جمع ہے۔ اگر وہ آزاد محتاج ہوں گے تو اللہ ان کی شادی کی وجہ سے اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا، اور اللہ اپنے خلقت میں بڑی وسعت والا، ان کے ساتھ بڑے علم والا ہے۔

نوجوانوں کیلئے نکاح کے حکم کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خصی کرنے کا فائدہ دے گا (یعنی جس طرح خصی ہو جانے سے جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 303)

اس خطاب عام کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانوں کو نکاح کی ترغیب دلاتے ہوئے نکاح کے دو بڑے فائدے ظاہر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ انسان نکاح کرنے سے اجنبی عورتوں کی طرف نظر بازی سے بچتا ہے اور دوسری طرف حرام کاری سے

محفوظ رہتا ہے۔ جوانی کی حد انسان بالغ ہونے کے بعد جوان کہلاتا ہے لیکن جوانی کی یہ حد کہاں تک ہے؟ اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام شافعی کے نزدیک جوانی کی حد تیس برس کی عمر تک ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک انسان چالیس برس کی عمر تک جوان کہلانے کا مستحق رہتا ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ
الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ
اللّٰهِ الَّذِيْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
اور لازم ہے کہ حرام سے بہت بچیں وہ لوگ جو کوئی نکاح نہیں پاتے، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے اور
وہ لوگ جو مکاتبت (آزادی کی تحریر) طلب کرتے ہیں، ان میں سے جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں تو ان سے مکاتبت
کرلو، اگر ان میں کچھ بھلائی معلوم کرو اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے، اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری
پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں، تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان طلب کرو اور جو انہیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ
ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

نکاح نہ کرسکنے والوں کیلئے پاک دامن رہنے کا بیان

"وَلْيَسْتَعْفِفْ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا" مَا يَنْكِحُونَ بِهِ مِنْ مَهْر وَنَفَقَة عَنْ الزِّنَا "حَتَّى يُغْنِيَهُمْ اللَّه" يُوَسِّع عَلَيْهِمْ "مِنْ فَضْله" فَيَنْكِحُونَ "وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَاب" بِمَعْنَى الْمُكَاتَبَة "مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانكُمْ" مِنْ الْعَبِيد وَالْإِمَاء "فَكَاتِبُوهُمْ إنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا" أَيْ أَمَانَة وَقُدْرَة عَلَى الْكَسْب لِأَدَاءِ مَال الْكِتَابَة وَصِيغَتهَا مَثَلًا : كَاتَبْتُك عَلَى أَلْفَيْنِ فِي شَهْرَيْنِ كُلّ شَهْر أَلْف فَإِذَا أَدَّيْتهمَا فَأَنْت حُرّ فَيَقُول قَبِلْت "وَآتُوهُمْ" أَمْر لِلسَّادَةِ "مِنْ مَال اللَّه الَّذِي آتَاكُمْ" مَا يَسْتَعِينُونَ بِهِ فِي أَدَاء مَا الْتَزَمُوهُ لَكُمْ وَفِي مَعْنَى الْإِيتَاء حَطّ شَيْء مِمَّا الْتَزَمُوهُ "وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتكُمْ" إمَاءَكُمْ "عَلَى الْبِغَاء" الزِّنَا "إنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا" تَعَفُّفًا عَنْهُ وَهَذِهِ الْإِرَادَة مَحَلّ الْإِكْرَاه فَلَا مَفْهُوم لِلشَّرْطِ "لِتَبْتَغُوا" بِالْإِكْرَاهِ "عَرَض الْحَيَاة الدُّنْيَا" نَزَلَتْ فِي عَبْد اللَّه بْن أُبَيّ كَانَ يُكْرِه جَوَارِيَهُ عَلَى الْكَسْب بِالزِّنَا "وَمَنْ يُكْرِههُنَّ فَإِنَّ اللَّه مِنْ بَعْد إكْرَاههنَّ غَفُور" لَهُنَّ "رَحِيم" بِهِنَّ

اور لازم ہے کہ حرام سے بہت بچیں وہ لوگ جو کوئی نکاح نہیں پاتے، یعنی جو مہر اور نفقہ کی وجہ سے نکاح نہ کرسکیں وہ زنا سے

بچیں یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے یعنی ان پر رزق کی وسعت کر دے۔تا کہ وہ نکاح کر سکیں۔اور وہ لوگ جو مکاتبت (آزادی کی تحریر) طلب کرتے ہیں، یہاں پر کتاب بہ معنی مکاتبت ہے۔ان میں سے جن غلاموں اور باندیوں کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں تو ان سے مکاتبت کر لو، اگر ان میں کچھ بھلائی معلوم کرو یعنی جب ان کے امانتدار اور مال کما کر کتابت ادا کرنے پر تمہیں اعتماد ہو۔مثال کے طور وہ یہ کہے کہ میں دو ہزار کے بدلے میں دو ماہ کیلئے اس طرح مکاتبت کرتا ہوں کہ ہر مہینے ایک ہزار دوں گا۔پس جب وہ ادا کر دے تو یہ کہے گا تو کہ آزاد یا یہ معاوضہ کتابت قبول ہے۔اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے، یعنی جو تم کتابت کے طور پر تمہارے لئے اس پر لازم ہوا ہے۔اس پر مدد کرنے کیلئے انہیں کچھ مال دو۔اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری یعنی زنا پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں، یعنی زنا سے بچنا چاہیں۔یہ بیان محل اکراہ کیلئے جبکہ مفہوم شرط کے طور پر نہیں ہے۔تا کہ تم دنیا کی زندگی کا سامان طلب کرو۔یہ حکم عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوا ہے کیونکہ وہ باندیوں کو زنا کی کمائی کیلئے مجبور کرتا تھا۔اور جو انہیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ ان کے مجبور کیے جانے والی عورتوں اس کے بعد بے حد بخشنے والا، ان کے ساتھ نہایت رحم والا ہے۔

سورہ نور آیت ۳۳ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت جو یطب بن عبد العزی کے غلام صبیح کے بارے میں نازل ہوئی اس نے اپنے آقا سے درخواست کی کہ مجھ سے مکاتبت کر لو آقا نے انکار کر دیا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی حویطب نے اس کا بدل کتابت سو دینار مقرر کیا جن میں سے بیس دینار اسے ہبہ کر دیے اور بقیہ اس نے ادا کر دیے یہ غزوہ حنین کے معرکہ میں شہید ہوا۔(زادالمسیر 6۔37، درمنثور 5۔45)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی منافق اپنی باندی سے کہتا جا اور ہمارے لیے کچھ روزی تلاش کر کے لا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ ۔(مسلم 3029، نیسابوری 272، زادالمسیر 6۔38)

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی کی چھ لونڈیوں کے متعلق نازل ہوئی یہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا اور ان سے اجرت طلب کرتا تھا وہ چھ لونڈیاں یہ ہیں۔معاذہ، مسیکہ، امیمہ، عمرہ، اروی، اور قتیلہ۔ایک دن ایک لونڈی ایک دینار لائی اور دوسری خالی ہاتھ آ گئی اس نے دونوں سے کہا کہ واپس جاؤ اور زنا کاری کرو انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے اللہ نے ہمیں اسلام سے شرف بخشا اور زنا کو حرام کر دیا ہے چنانچہ یہ رسول اللہ کے پاس آئیں آپ سے اس کی شکایت کی اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۝

اور بیشک ہم نے تمہاری طرف واضح اور روشن آیتیں نازل فرمائی ہیں اور کچھ ان لوگوں کی مثالیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

آیات بینہ کے ذریعے نصیحت کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُبَيِّنَاتٍ" بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا فِي هَذِهِ السُّورَةِ بُيِّنَ فِيهَا مَا ذُكِرَ أَوْ بَيِّنَة "وَمَثَلًا" خَبَرًا عَجِيبًا وَهُوَ خَبَرُ عَائِشَة "مِنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ" أَيْ مِنْ جِنْسِ أَمْثَالِهِمْ أَيْ أَخْبَارِهِمُ الْعَجِيبَةِ كَخَبَرِ يُوسُف وَمَرْيَم "وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ" فِي قَوْله تَعَالَى "وَلَا تَأْخُذكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّه" "لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ" إِلَخ "وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ" إِلَخ "يَعِظُكُمُ اللَّه أَنْ تَعُودُوا" إِلَخ وَتَخْصِيصهَا بِالْمُتَّقِينَ لِأَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُونَ بِهَا

اور بیشک ہم نے تمہاری طرف واضح اور روشن آیتیں نازل فرمائی ہیں یہاں پر لفظ مبینات یہ یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اس سورت میں وہ احکام بیان ہوئے جن کو بیان یا ذکر کر دیا گیا ہے۔اور کچھ ان لوگوں کی مثالیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے اور وہ بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی اسی قصہ کی طرح عجیب قصہ حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا قصہ ہے۔اور یہ پرہیز گاروں کے لئے نصیحت ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں "وَلَا تَأْخُذكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّه" "لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ" إِلَخ "وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ" إِلَخ "يَعِظُكُمُ اللَّه أَنْ تَعُودُوا" إِلَخ وَتَخْصِيصهَا بِالْمُتَّقِينَ لِأَنَّهُمُ الْمُنْتَفِعُونَ بِهَا" نصیحت ہے۔(جن کا بیان سابقہ آیات میں گزر چکا ہے)

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں، احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیے گئے ہیں تا کہ خدا کا ڈر رکھنے والے سن کر نصیحت وعبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں۔یا مثلاً من الذین خلوا سے مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کیے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔اور بعض قصے بھی اسی قصہ "افک" کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے برأت ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق کی برأت اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال (جو نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں دنیا میں روشن ہے) اس طاق (نما سینۂ اقدس) جیسی ہے جس میں چراغ (نبوت روشن) ہے؛ (وہ) چراغ، فانوس (قلب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) میں رکھا ہے۔

(یہ) فانوس (نورِ الٰہی کے پرتَو سے اس قدر منور ہے) گویا ایک درخشندہ ستارہ ہے (یہ چراغ نبوت) جو زیتون کے مبارک درخت
سے (یعنی عالم قدس کے بابرکت رابطہ وحی سے یا انبیاء ورسل ہی کے مبارک شجرہ نبوت سے) روشن ہوا ہے نہ (فقط) شرقی ہے اور
نہ غربی (بلکہ اپنے فیضِ نور کی وسعت میں عالم گیر ہے)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل (خود ہی) چمک رہا ہے اگرچہ ابھی اسے
(وحی ربانی اور معجزات آسمانی کی) آگ نے چھوا بھی نہیں، (وہ) نور کے اوپر نور ہے (یعنی نورِ وجود پر نورِ نبوت گویا وہ ذات
دوہرے نور کا پیکر ہے)، اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور (کی معرفت) تک پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے
مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کونور سے منور کرنے والا ہے

"اللّٰه نُور السَّمَاوَات وَالْأَرْض" أَيْ مُنَوِّرهمَا بِالشَّمْسِ وَالْقَمَر "مَثَل نُوره" أَيْ صِفَته فِي قَلْب الْمُؤْمِن "كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاح الْمِصْبَاح فِي زُجَاجَة" هِيَ الْقِنْدِيل وَالْمِصْبَاح السِّرَاج: أَيْ الْفَتِيلَة الْمَوْقُودَة وَالْمِشْكَاة الطَّاقَة غَيْر النَّافِذَة أَيْ الْأُنْبُوبَة فِي الْقِنْدِيل "الزُّجَاجَة كَأَنَّهَا" وَالنُّور فِيهَا "كَوْكَب دُرِّيّ" أَيْ مُضِيء بِكَسْرِ الدَّال وَضَمّهَا مِنْ الدَّرْء بِمَعْنَى الدَّفْع لِدَفْعِهَا الظَّلَام وَبِضَمِّهَا وَتَشْدِيد الْيَاء مَنْسُوب إلَى الدُّرّ: اللُّؤْلُؤ "تَوَقَّدَ" الْمِصْبَاح بِالْمَاضِي وَفِي قِرَاءَة بِمُضَارِعِ أَوْقَدَ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُولِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَفِي أُخْرَى تُوقَد بِالْفَوْقَانِيَّةِ أَيْ الزُّجَاجَة "مِنْ" زَيْت "شَجَرَة مُبَارَكَة زَيْتُونَة لَا شَرْقِيَّة وَلَا غَرْبِيَّة" بَلْ بَيْنهمَا فَلَا يَتَمَكَّن مِنْهَا حَرّ وَلَا بَرْد مُضِرَّانِ "يَكَاد زَيْتهَا يُضِيء وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَار" لِصَفَائِهِ "نُور" بِهِ "عَلَى نُور" بِالنَّارِ وَنُور اللّٰه: أَيْ هُدَاهُ لِلْمُؤْمِنِ نُور عَلَى نُور الْإِيمَان "يَهْدِي اللّٰه لِنُورِهِ" أَيْ دِين الْإِسْلَام "مَنْ يَشَاء وَيَضْرِب" يُبَيِّن "اللّٰه الْأَمْثَال لِلنَّاسِ" تَقْرِيبًا لِأَفْهَامِهِمْ لِيَعْتَبِرُوا فَيُؤْمِنُوا "وَاللّٰه بِكُلِّ شَيْء عَلِيم" وَمِنْهُ ضَرْب الْأَمْثَال

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، یعنی اللہ ان دونوں کو سورج اور چاند کے نور سے منور کرنے والا ہے۔ اس کے نور کی مثال جو مؤمن کے دل میں ہے اس طاق نما سینہ جیسی ہے جس میں چراغ ہے؛ یہاں پر لفظ زجاجہ بہ معنی قندیل ہے جبکہ مصباح کا معنی چراغ ہے۔ وہ چراغ، فانوس میں رکھا ہے۔ وہ فانوس جو آر پار نہ ہو یعنی قندیل کی نلکی ہے۔ یہ فانوس گویا ایک درخشندہ ستارہ ہے جس میں نور ہے۔ لفظ دری جب دال کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ آئے تو اس کا معنی تاریکیوں کا دور کرنے والا ہے۔ اور جب یہ ضمہ اور یا کی تشدید کے ساتھ آئے تو اس کا معنی دریعنی موتی ہے۔ یہاں پر لفظ ایک قرأت کے مطابق ماضی باب تفعل سے جبکہ دوسری قرأت کے مطابق یہ مضارع ہے۔ اور یہ اوقد بھی آیا ہے۔ اور یہ معروف ومجہول بھی آیا ہے۔ یعنی روشن کیا گیا ہے۔ جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے۔ جو نہ فقط شرقی ہے اور نہ غربی بلکہ ان دونوں کے درمیان ہے جس پر گرمی سردی کا مضر کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل خود ہی چمک رہا ہے اگرچہ ابھی اسے آگ نے چھوا بھی نہیں، وہ نور کے اوپر نور ہے یعنی

مؤمن کیلئے ایمان نور پر نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور یعنی دین اسلام تک پہنچا دیتا ہے، اور اللہ لوگوں کی ہدایت کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے، جو ان کی سمجھ کے قریب ہوں تا کہ وہ اس کو سمجھ کر ایمان لے آئیں۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔ اور اسی سے ضرب الامثال ہیں۔

نور سے مراد ہدایت ہونے کا بیان

نور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ آسمان و زمین کا ہادی ہے تو اہل سمٰوت وارض اس کے نور سے حق کی راہ پاتے ہیں اور اس کی ہدایت سے گمراہی کی حیرت سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا منور فرمانے والا ہے، اس نے آسمانوں کو ملائکہ سے اور زمین کو انبیاء سے منور کیا۔

اللہ کے نور سے یا تو قلب مؤمن کی وہ نورانیت مراد ہے جس سے وہ ہدایت پاتا اور راہ یاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کے اس نور کی مثال جو اس نے مؤمن کو عطا فرمایا۔ بعض مفسرین نے اس نور سے قرآن مراد لیا اور ایک تفسیر یہ ہے کہ اس نور سے مراد سید کائنات افضلِ موجودات حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

برکت والے درخت کا بیان

یہ درخت نہایت کثیر البرکت ہے کیونکہ اس کا روغن جس کو زیت کہتے ہیں نہایت صاف و پاکیزہ روشنی دیتا ہے سر میں بھی لگایا جاتا ہے، سالن اور نانخورش کی جگہ روٹی سے بھی کھایا جاتا ہے، دنیا کے اور کسی تیل میں یہ وصف نہیں اور درختِ زیتون کے پتے نہیں گرتے۔ (تفسیر خازن، سورہ نور، بیروت)

نبی کریم ﷺ کے مبارک نور کا بیان

اس تمثیل کے معنی میں اہل علم کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ نور سے مراد ہدایت ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت غایتِ ظہور میں ہے کہ عالمِ محسوسات میں اس کی تشبیہ ایسے روشن دان سے ہو سکتی ہے جس میں صاف شفاف فانوس ہو، اس فانوس میں ایسا چراغ ہو جو نہایت ہی بہتر اور مصفّٰی زیتون سے روشن ہو کہ اس کی روشنی نہایت اعلیٰ اور صاف ہو اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تمثیل نور سید انبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کعب احبار سے فرمایا کہ اس آیت کے معنی بیان کرو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال بیان فرمائی روشندان (طاق) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ شریف ہے اور فانوس قلب مبارک اور چراغ نبوت کے شجر نبوت سے روشن ہے اور اس نورِ محمدی کی روشنی و اضائت اس مرتبہ کمالِ ظہور پر ہے کہ اگر آپ اپنے نبی ہونے کا بیان بھی نہ فرمائیں جب بھی خلق پر ظاہر ہو جائے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روشندان تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہے اور فانوس قلب اطہر اور چراغ وہ نور جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا کہ شرقی ہے نہ غربی، نہ یہودی ونصرانی، ایک شجرہ مبارکہ سے روشن ہے وہ شجر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔نور قلب ابراہیم پر نور محمدی نور پر نور ہے۔

اور محمد بن کعب قرظی نے کہا کہ روشن دان وفانوس تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور چراغ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور شجرہ مبارکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ اکثر انبیاء آپ کی نسل سے ہیں اور شرقی وغربی نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی کیونکہ یہود مغرب کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور نصاریٰ مشرق کی طرف، قریب ہے کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن وکمالات نُزولِ وحی سے قبل ہی خَلق پر ظاہر ہو جائیں۔نور پر نور یہ کہ نبی ہیں نسلِ نبی سے، نورِ محمدی ہے نورِ ابراہیمی پر، اس کے علاوہ اور بھی بہت اقوال ہیں۔(تفسیر خازن، سورہ نور، بیروت)

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○
ایسے گھروں میں جن کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے
ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

اللہ کے ذکر وعبادت کا بیان

"فِی بُیُوت" مُتَعَلِّق بِیُسَبِّح الْآتِی "أَذِنَ اللّٰه أَنْ تُرْفَع" تُعَظَّم "وَیُذْکَر فِیهَا اسْمه" بِتَوْحِیدِهٖ "یُسَبِّح" بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَة وَکَسْرهَا : أَیْ یُصَلِّی "لَهُ فِیهَا بِالْغُدُوّ" مَصْدَر بِمَعْنَی الْغَدَوَات : أَیْ الْبُکَر "وَالْآصَال" الْعَشَایَا مِنْ بَعْد الزَّوَال

(اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں میں میسر آتا ہے جن کی قدر ومنزلت کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے یعنی اس کی توحید کا حکم دیا گیا ہے۔یہاں پر لفظ یسبح جو فتحہ کے ساتھ توحید بیان کرنے کے معنی میں آیا ہے اور کسرہ کے ساتھ یعنی نماز کے معنی میں بھی آیا ہے۔یہ وہ گھر ہیں کہ اللہ والے ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔یہاں پر لفظ غدو مصدر بہ معنی غدوات آیا ہے یعنی صبح وشام اور عشایا یعنی زوال کے بعد تسبیح کرتے ہیں۔

بعض علماء نے یہاں بیوت سے مراد مساجد لی ہیں اور ترفع سے مراد انہیں تعمیر کرنا لیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا کیا ہوتا ہے اور وہ ہر وقت حق کے متلاشی رہتے ہیں۔اور جب انہیں اللہ کی آیات سنائی جائیں تو وہ انہیں تسلیم کرنے کے لئے پہلے سے ہی تیار بیٹھے ہوتے ہیں ایسے لوگ مساجد میں پائے جاتے ہیں۔انہیں دیکھنا ہو تو اللہ کی مساجد میں دیکھو جہاں ہر وقت اللہ کا ذکر بلند ہوتا رہتا ہے۔اور صبح وشام وہاں ایسے لوگ نمازوں اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ
يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ○
وہی مردان (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے
اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے کامل مردوں کا بیان

"رِجَال" فَاعِل يُسَبِّح بِكَسْرِ الْبَاء وَعَلَى فَتْحهَا نَائِب الْفَاعِل لَهُ وَرِجَال فَاعِل فِعْل مُقَدَّر جَوَاب سُؤَال مُقَدَّر كَأَنَّهُ قِيلَ : مَنْ يُسَبِّحهُ "لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَة" شِرَاء "وَلَا بَيْع عَنْ ذِكْر اللّٰه وَإِقَام الصَّلَاة" حَذْف هَاء إِقَامَة تَخْفِيف "وَإِيتَاء الزَّكَاة يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّب" تَضْطَرِب "فِيهِ الْقُلُوب وَالْأَبْصَار" مِنْ الْخَوْف الْقُلُوب بَيْن النَّجَاة وَالْهَلَاك وَالْأَبْصَار بَيْن نَاحِيَتَيْ الْيَمِين وَالشِّمَال : هُوَ يَوْم الْقِيَامَة

یہاں پر لفظ رجال یہ یسبح کا فاعل ہے اور یسبح باء کے کسرہ کے ساتھ اور فتحہ کے ساتھ نائب فاعل ہے۔ اور رجال فعل مقدر کا فاعل ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس تسبیح کون کرتا ہے؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ وہی مردان (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے۔ یہاں لفظ اقام میں تخفیف کے سبب تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ ہمہ وقت اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں خوف کے باعث دل اور آنکھیں سب الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ کیونکہ دل اور آنکھیں نجات و ہلاکت کے درمیان پریشان ہوں گے۔

دلوں کا الٹ جانا یہ ہے کہ شدتِ خوف و اضطراب سے الٹ کر گلے تک چڑھ جائیں گے نہ باہر نکلیں نہ نیچے اتریں اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی یا یہ معنی ہیں کفار کے دل کفر و شک سے ایمان و یقین کی طرف پلٹ جائیں گے اور آنکھوں سے پردے اٹھ جائیں گے یہ تو اس دن کا بیان ہے، آیت میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ فرمانبردار بندے جو ذکر و طاعت میں نہایت مستعد رہتے ہیں اور عبادت کی ادا میں سرگرم رہتے ہیں باوجود اس حسن عمل کے اس روز سے خائف رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہ ہو سکا۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○
تا کہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ دے جو انھوں نے کیا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔

اچھی جزاء اور بے حساب رزق عطا ہونے کا بیان

"لِيَجْزِيَهُمْ اللّٰه أَحْسَن مَا عَمِلُوا" أَيْ ثَوَابه وَأَحْسَن بِمَعْنَى حَسَن "وَيَزِيدهُمْ مِنْ فَضْله وَاللّٰه يَرْزُق مَنْ يَشَاء بِغَيْرِ حِسَاب" يُقَال فُلَان يُنْفِق بِغَيْرِ حِسَاب : أَيْ يُوَسِّع كَأَنَّهُ لَا يَحْسُب مَا يُنْفِقهُ

تا کہ اللہ انہیں اس کا بہترین بدلہ یعنی اچھا ثواب دے اور یہاں پر احسن یہ معنی حسن ہے۔ جو انھوں نے کیا اور انہیں اپنے فضل

سے زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں حساب کے بغیر خرچ کرتا ہے۔ یعنی وہ اتنا وسیع خرچ کرتا ہے کہ اس کا کوئی حساب بھی نہیں کرتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نہ کسی قانون کا پابند ہے نہ اس کے خزانے میں کبھی کمی آتی ہے وہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیدیتا ہے۔ یہاں تک مومنین صالحین جن کے سینے نور ہدایت کے مشکوٰۃ ہوتے ہیں اور جو نور ہدایت کو خاص طور سے قبول کرتے ہیں ان کا ذکر تھا۔ آگے ان کفار کا ذکر ہے جن کی فطرت میں تو اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کا مادہ رکھا تھا مگر جب اس مادہ کو روشن کرنے والی وحی الٰہی ان کو پہنچی تو اس سے روگردانی اور انکار کر کے نور سے محروم ہو گئے اور اندھیرے ہی اندھیرے میں رہ گئے اور ان میں چونکہ کافر و منکر دو قسم کے تھے اس لئے ان کی دو مثالیں بیان کی گئیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ
يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
اور کافروں کے اعمال چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہیں جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے
تو اسے کچھ نہیں پاتا اللہ کو اپنے پاس پایا مگر اللہ نے اس کا پورا حساب چکا دیا تھا، اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

روشنی کی تیز لہروں سے پانی سمجھنے کی مثال کا بیان

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالهمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ" جَمْع قَاع : أَيْ فِي فَلَاة وَهُوَ شُعَاع يُرَى فِيهَا نِصْف النَّهَار فِي شِدَّة الْحَرّ يُشْبِه الْمَاء الْجَارِيَ "يَحْسَبهُ" يَظُنّهُ "الظَّمْآن" أَيْ الْعَطْشَان "مَاء حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدهُ شَيْئًا" مِمَّا حَسِبَهُ كَذَلِكَ الْكَافِر يَحْسَب أَنَّ عَمَله كَصِدْقِهِ يَنْفَعهُ حَتَّى إِذَا مَاتَ وَقَدِمَ عَلَى رَبّه لَمْ يَجِد عَمَله أَيْ لَمْ يَنْفَعهُ "وَوَجَدَ اللَّه عِنْده" أَيْ عِنْد عَمَله "فَوَفَّاهُ حِسَابه" أَيْ جَازَاهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا "وَاَللَّه سَرِيع الْحِسَاب" أَيْ الْمُجَازَاة

اور کافروں کے اعمال چٹیل میدان میں سراب کی مانند ہیں۔ یہاں پر قیعۃ یہ قاع کی جمع ہے۔ یعنی صحرا جو چٹیل میدان ہے اور ایسا میدان ہے جس میں دوپہر کے وقت سورج کی تیز شعاعیں پڑتی ہیں تو دیکھنے والا اس کو پانی سمجھ بیٹھتا ہے۔ جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا اسی طرح کافر کرے گا یعنی جو عمل اس نے صدقہ وغیرہ کر کے کیا یہاں تک کہ جب وہ مر جائے گا اور اپنے رب کے پاس آئے گا تو اس کے اس عمل کا کوئی نفع نہ پائے گا۔ اللہ کو اپنے پاس پایا مگر اللہ نے اس کا پورا حساب دنیا میں ہی چکا دیا تھا، اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یعنی عمل پر جزاء جلد عطا کرنے والا ہے۔

عربی زبان میں ہر مشروب یعنی پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور جو چیز بظاہر تو شراب نظر آئے مگر حقیقت اس کے برعکس ہو اسے سراب کہتے ہیں۔ پھر اس لفظ کا استعمال اس تودہ ریت پر ہونے لگا جو دور سے ایک خاص زاویہ سے سورج کی روشنی میں ٹھاٹھیں

مارتا پانی نظر آتا ہے مگر حقیقتاً وہاں پانی وانی کچھ نہیں ہوتا۔

یہ مثال ایسے کافروں اور منافقوں سے تعلق رکھتی ہے جو فی الجملہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ نیک اعمال بھی بجالاتے ہیں۔خواہ وہ نمود ونمائش کے لئے ہوں پھر انہیں یہ توقع بھی ہوتی ہے کہ آخرت میں انہیں ان کا اجر ملے گا۔اور چونکہ ان کے اکثر اعمال اللہ کی مرضی نہیں بلکہ ان کی اپنی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ جس طرح کسی ریگستان میں ایک پیاسا دور سے چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اس کی طرف جاتا ہے تاکہ اس سے اپنی پیاس بجھائے۔وہ پیاس کا مارا جب گرم ریت کا میدان طے کر کے دوڑتا ہوا وہاں پہنچتا ہے تو اسے وہاں کچھ نہیں ملتا۔اور سخت مایوس اور درماندہ ہو جاتا ہے۔یہی حال ایسے کافروں کا ہے۔موت کا وقت ان کے لئے سراب ہے۔اور وہ توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ ملے گا۔مگر کفر نفاق اور شامت اعمال کی بنا پر انہیں وہاں کچھ بھی ان کے اعمال کا بدلہ نہ ملے گا۔اور جس طرح پیاسے کو سراب تک پہنچنے میں تھکاوٹ اور گرمی کی شدت بھی جھیلنا پڑی تھی اس طرح ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کا بدلہ جہنم کے عذاب کی صورت میں دیا جائے گا۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ ۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝
یا ان اندھیروں کی طرح جو نہایت گہرے سمندر میں ہوں، جسے ایک موج ڈھانپ رہی ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، جس کے اوپر ایک بادل ہو، کئی اندھیرے ہوں، جن میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں، جب اپنا ہاتھ نکالے تو قریب نہیں کہ اسے دیکھے اور وہ شخص جس کے لیے اللہ کوئی نور نہ بنائے تو اس کے لیے کوئی بھی نور نہیں۔

گمراہی کے گہرے سمندروں میں بھٹکنے والے کافر کی مثال کا بیان

"أَوْ" الَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالهمْ السَّيِّئَة "كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْر لُجِّيّ" عَمِيق "يَغْشَاهُ مَوْج مِنْ فَوْقه" أَيْ الْمَوْج "مَوْج مِنْ فَوْقه" أَيْ الْمَوْج الثَّانِي "سَحَاب" أَيْ غَيْم هَذِهِ "ظُلُمَات بَعْضهَا فَوْق بَعْض" ظُلْمَة الْبَحْر وَظُلْمَة الْمَوْج الْأَوَّل وَظُلْمَة الثَّانِي وَظُلْمَة السَّحَاب "إذَا أَخْرَجَ" النَّاظِر "يَده" فِي هَذِهِ الظُّلُمَات "لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا" أَيْ لَمْ يَقْرَب مِنْ رُؤْيَتهَا "وَمَنْ لَمْ يَجْعَل اللَّه لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُور" أَيْ مَنْ لَمْ يَهْدِهِ اللَّه لَمْ يَهْتَدِ

یا وہ کفار جن کے اعمال برے ہیں ان اندھیروں کی طرح جو نہایت گہرے سمندر میں ہوں، وہ گہرا سمندر جسے ایک موج ڈھانپ رہی ہو، جس کے اوپر ایک اور موج ہو، جس کے اوپر ایک بادل ہو، کئی اندھیرے ہوں، جن میں سے بعض بعض کے اوپر ہوں، جب دیکھنے والا اپنا ہاتھ ان تاریکیوں سے نکالے تو قریب نہیں کہ اسے دیکھے اور وہ شخص جس کے لیے اللہ کوئی نور نہ بنائے تو

اس کے لیے کوئی بھی نور نہیں۔ یعنی جس کو اللہ ہدایت نہ دے تو وہ ہدایت پانے والا نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص محض اسباب علم وبصیرت جمع ہونے سے عالم مبصر نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بالکل ناواقف بے خبر سمجھے جاتے ہیں آخرت کے معاملہ میں وہ بڑے مبصر عقلمند ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بڑے ماہر اور مبصر محقق مانے جاتے ہیں مگر آخرت کے معاملہ میں بڑے بے وقوف جاہل ثابت ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری، سورہ نور، بیروت)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ
كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے،
ہر ایک اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

زمین وآسمان کی ہر مخلوق کی تسبیح کرنے کا بیان

"أَلَمْ تَرَى أَنَّ اللَّه يُسَبِّح لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " وَمِنْ التَّسْبِيح صَلَاة "وَالطَّيْر" جَمْع طَائِر بَيْن السَّمَاء وَالْأَرْض "صَافَّات" حَال بَاسِطَات أَجْنِحَتهنَّ "كُلّ قَدْ عَلِمَ " اللَّه "صَلَاته وَتَسْبِيحه وَاللَّه عَلِيم بِمَا يَفْعَلُونَ" فِيهِ تَغْلِيب الْعَاقِل

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کی تسبیح صلوۃ کرتے ہیں اور پرندے بھی فضاؤں میں پر پھیلائے ہوئے اسی کی تسبیح کرتے ہیں، طیر یہ طائر کی جمع ہے۔ یعنی جو اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اللہ کے حضور اپنی نماز اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے، اور اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔ اس میں ذوالعقول کا غلبہ ہے۔

کافروں کی دو مثالیں بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے کائنات سے کچھ اپنی ایسی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت یا نور ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔ ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو فطری طور پر ایسا طریقہ سکھلا دیا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان فضا میں اپنے پر کھولے ہوئے اور قافلہ کی صورت میں قطار در قطار اڑتے پھرتے ہیں۔ اور وہ زمین پر گر نہیں پڑتے۔ پھر بعض دفعہ وہ اڑتے اڑتے اپنے پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ مگر گرتے پھر بھی نہیں۔ آخر ان پرندوں کو یہ طریقہ کس نے سکھلایا؟ زمین کی کشش ثقل جو کاغذ کے ایک ہلکے سے پرزے کو اپنی طرح کھینچ لیتی ہے انہیں کیوں نہیں کھینچتی؟

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○
اور سارے آسمانوں اور زمین کی حکمرانی اللہ ہی کی ہے، اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

زمین وآسمانوں کے خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض" خَزَائِن الْمَطَر وَالرِّزْق وَالنَّبَات "وَإِلَى اللّٰه الْمَصِير" الْمَرْجِع

اور سارے آسمانوں اور زمین کی حکمرانی اللہ ہی کی ہے، یعنی بارش، رزق اور نباتات کے خزانوں پر اسی کی بادشاہت ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات وسفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ
مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تم
دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے، اور وہ اسی آسمان میں برفانی پہاڑوں کی طرح بادلوں
میں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے، یوں
لگتا ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اچک لے جائے گی۔

بادلوں کے ذریعے بارش برسانے کے انداز حکمت کا بیان

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰه يُزْجِي سَحَابًا" يَسُوقهُ بِرِفْقٍ "ثُمَّ يُؤَلِّف بَيْنه" يَضُمّ بَعْضه إِلَى بَعْض فَيَجْعَل الْقِطَع الْمُتَفَرِّقَة قِطْعَة وَاحِدَة "ثُمَّ يَجْعَلهُ رُكَامًا" بَعْضه فَوْق بَعْض "فَتَرَى الْوَدْق" الْمَطَر "يَخْرُج مِنْ خِلَاله" مَخَارِجه "وَيُنَزِّل مِنْ السَّمَاء مِنْ" زَائِدَة "جِبَال فِيهَا" فِي السَّمَاء بَدَل بِإِعَادَةِ الْجَارّ "مِنْ بَرَد" أَيْ بَعْضه "فَيُصِيب بِهِ مَنْ يَشَاء وَيَصْرِفهُ عَنْ مَنْ يَشَاء يَكَاد" يَقْرُب "سَنَا بَرْقه" لَمَعَانه "يَذْهَب بِالْأَبْصَارِ" النَّاظِرَة لَهُ: أَيْ يَخْطَفهَا

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادل کو پہلے آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے مختلف ٹکڑوں کو آپس میں ملا دیتا ہے پھر اسے تہ بہ تہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے درمیان خالی جگہوں سے بارش نکل کر برستی ہے، اور وہ اسی آسمان یعنی فضا میں برفانی پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے والے بادلوں میں سے اولے برساتا ہے، یہاں پر من زائدہ ہے یہاں پر فیھا میں اعادہ جار سے السماء سے بدل ہے۔ پھر جس پر چاہتا ہے ان اولوں کو گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے (مزید یہ کہ انہی بادلوں سے

بجلی بھی پیدا کرتا ہے)، یوں لگتا ہے کہ اس بادل کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر کے ان کی بینائی اچک لے جائے گی۔

دھوئیں جیسے بادل اول اول تو قدرت الٰہی سے اٹھتے ہیں پھر مل جل کر وہ جسیم ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر جم جاتے ہیں پھر ان میں سے بارش برستی ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں، زمین کو قابل بناتی ہیں، پھر ابر کو اٹھاتی ہیں، پھر انہیں ملاتی ہیں، پھر وہ پانی سے بھر جاتے ہیں، پھر برس پڑتے ہیں۔ پھر آسمان سے اولوں کو برسانے کا ذکر ہے اس جملے میں پہلا من ابتداء غایت کا ہے۔ دوسرا تبعیض کا ہے۔ تیسرا بیان جنس کا ہے۔ یہ اس تفسیر کی بنا پر ہے کہ آیت کے معنی یہ کئے جا ئیں کہ اولوں کے پہاڑ آسمان پر ہیں۔ اور جن کے نزدیک یہاں پہاڑ کا لفظ ابر کے لئے بطور کنایہ ہے ان کے نزدیک من ثانیہ بھی ابتداغایت کے لئے ہے لیکن وہ پہلے کا بدل ہے۔

اس کے بعد کے جملے کا یہ مطلب ہے کہ بارش اور اولے جہاں اللہ برسانا چاہے، وہاں اس کی رحمت سے برستے ہیں اور جہاں نہ چاہے نہیں برستے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اولوں سے جن کی چاہے، کھیتیاں اور باغات خراب کر دیتا ہے اور جن پر مہربانی فرمائے انہیں بچالیتا ہے۔ پھر بجلی کی چمک کی قوت بیان ہو رہی ہے کہ قریب ہے وہ آنکھوں کی روشنی کھو دے۔ (ابن کثیر)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝
اللہ رات اور دن کو ادل بدل کرتا ہے، بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے یقیناً بڑی عبرت ہے۔

دن رات کی تبدیلی سے قدرت الٰہی پر دلیل ہونے کا بیان

"يُقَلِّبُ اللَّه اللَّيْل وَالنَّهَار" أَيْ يَأْتِي بِكُلٍّ مِنْهُمَا بَدَل الْآخَر "إنَّ فِي ذَلِكَ" التَّقْلِيب "لَعِبْرَة" دَلَالَة "لِأُولِي الْأَبْصَار" لِأَصْحَابِ الْبَصَائِر عَلَى قُدْرَة اللَّه تَعَالَى

اللہ رات اور دن کو ادل بدل کرتا ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک کو بدل کر اس کی جگہ پر دوسرے کو لاتا ہے۔ بے شک اس تبدیلی میں آنکھوں والوں کے لیے یقیناً بڑی عبرت ہے۔ کیونکہ اہل بصیرت اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرتے ہیں۔

دن رات کا تصرف بھی اسی کے قبضے میں ہے، جب چاہتا ہے دن کو چھوٹا اور رات کو بڑی کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے رات کو بڑی کر کے دن کو چھوٹا کر دیتا ہے۔ یہ تمام نشانیاں ہیں جو قدرت قادر کو ظاہر کرتی ہیں، اللہ کی عظمت کو آشکارا کرتی ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش، رات دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى
رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے کی پیدائش پانی سے فرمائی، پھر ان میں سے بعض وہ ہوئے جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں
اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں،

اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا رہتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

حیوانات کے رہنے سہنے کے مختلف انداز سے دلیل قدرت کا بیان

"وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ " أَيْ حَيَوَان "مِنْ مَاء " نُطْفَة "فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنه " كَالْحَيَّاتِ وَالْهَوَام "وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ " كَالْإِنْسَانِ وَالطَّيْر "وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَع " كَالْبَهَائِمِ وَالْأَنْعَام، يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،

اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کی پیدائش پانی یعنی نطفہ سے فرمائی، پھر ان میں سے بعض وہ ہوئے جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جس طرح سانپ اور حشرات الارض ہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جس طرح انسان اور پرندے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہوئے جو چار پیروں پر چلتے ہیں، جس طرح درندے اور مویشی جانور ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا رہتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

ایک ہی پانی اور مختلف اجناس کی پیدائش

اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور زبردست سلطنت کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح طرح کی مخلوق پیدا کر دی ہے۔ سانپ وغیرہ کو دیکھو جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ انسان اور پرند کو دیکھو ان کے دو پاؤں ہوتے ہیں۔ حیوانوں اور چوپاوں کو دیکھو وہ چار پاؤں پر چلتے ہیں، وہ بڑا قادر ہے جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے جو نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہوسکتا، وہ قادر کل ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

یقیناً ہم نے واضح اور روشن بیان والی آیتیں نازل فرمائی ہیں، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

قرآن کے ذریعے دین اسلام کی طرف ہدایت کا بیان

"لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَات مُبَيِّنَات " أَيْ بَيِّنَات هِيَ الْقُرْآن "وَاللّٰه يَهْدِي مَنْ يَشَاء إِلَى صِرَاط " طَرِيق "مُسْتَقِيم " أَيْ دِين الْإِسْلَام

یقیناً ہم نے واضح اور روشن بیان والی قرآنی آیات نازل فرمائی ہیں، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

اور سیدھی راہ جس پر چلنے سے رضائے الٰہی و نعمتِ آخرت میسر ہووے اسلام ہے۔ آیات کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان تین فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک وہ جنھوں نے ظاہر میں تصدیق حق کی اور باطن میں تکذیب کرتے رہے وہ منافق ہیں، دوسری وہ جنھوں نے ظاہر میں بھی تصدیق کی اور باطن میں بھی معتقد رہے یہ مخلصین ہیں، تیسرے وہ جنھوں نے ظاہر میں بھی تکذیب کی اور باطن میں بھی وہ کفار ہیں ان کا ذکر بالترتیب فرمایا جاتا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ رُوگردانی کرتا ہے، اور یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں۔

منافقین کے دلوں اور زبانوں میں اختلاف ہونے کا بیان

"وَيَقُوْلُوْنَ" الْمُنَافِقُوْنَ "آمَنَّا" صَدَّقْنَا "بِاللَّهِ" بِتَوْحِيْدِهِ "وَبِالرَّسُوْلِ" مُحَمَّد "وَأَطَعْنَا" وَأَطَعْنَاهُمَا فِيْمَا حَكَمَا بِهِ "ثُمَّ يَتَوَلَّى" يُعْرِض "فَرِيْق مِنْهُمْ مِنْ بَعْد ذَلِكَ" عَنْهُ "وَمَا أُولَئِكَ" الْمُعْرِضُوْنَ "بِالْمُؤْمِنِيْنَ" الْمَعْهُوْدِيْنَ الْمُوَافِق قُلُوْبهمْ لِأَلْسِنَتِهِمْ

اور وہ لوگ یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر یعنی اس کی توحید پر اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں جس کا ان دونوں نے ہمیں حکم دیا ہے۔ پھر اس قول کے بعد ان میں سے ایک گروہ اپنے اقرار سے رُوگردانی کرتا ہے، اور یہ لوگ یعنی اعراض کرنے والا گروہ حقیقت میں مومن نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایسا عہد کرنے والے نہیں جس سے ان کے دل اور زبانیں موافق ہوں۔

یعنی اپنے عمل سے اپنے قول کی خود ہی تردید کر دیتے ہیں۔ ان کے دعویٰ کے دو جز تھے ایک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، دوسرے اطاعت کرنا۔ اب چونکہ انہوں نے منہ پھیر کر اطاعت سے انکار کر دیا ہے لہٰذا تو یہ اپنے دعویٰ کے پہلے جز یعنی ایمان لانے کے سلسلہ میں جھوٹے ہوئے۔ اگر سچے دل سے ایمان لائے ہوتے تو کبھی اطاعت سے منہ نہ پھیرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کا بھی عمل اس کے قول یا زبانی دعویٰ کے خلاف ہو۔ حقیقتاً وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوتا ہے۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○

اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ گریزاں ہوتا ہے۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر نہ ہونے والے گروہ کا بیان

"وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّه وَرَسُوْله" الْمُبَلِّغ عَنْهُ "لِيَحْكُم بَيْنهمْ إِذَا فَرِيْق مِنْهُمْ مُعْرِضُوْنَ" عَنْ الْمَجِيء إِلَيْهِ

اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک گروہ (دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے سے) گریزاں ہوتا ہے۔

اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف بلانا دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلانا ہے۔ رسول ﷺ کی دعوت اور رسول ﷺ کی طرف دعوت دراصل اللہ کی دعوت اور اللہ کی طرف دعوت ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول ﷺ کا فیصلہ حقیقتاً اللہ ہی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص رسول ﷺ کی طرف جانے یا اس کا فیصلہ کروانے یا اس کا فیصلہ تسلیم کرنے سے اعراض کرے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہوتا ہے۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○
اور اگر وہ حق والے ہوتے تو وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مطیع ہو کر تیزی سے چلے آتے۔

نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کے حق ہونے کا بیان

"وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ" مُسْرِعِينَ طَائِعِينَ

اور اگر وہ حق والے ہوتے تو وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مطیع ہو کر تیزی سے چلے آتے۔ یعنی جلدی سے چلے آتے ہیں۔

کفار و منافقین بارہا تجربہ کر چکے تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سراسر حق و عدل ہوتا ہے اس لئے ان میں جو سچا ہوتا وہ تو خواہش کرتا تھا کہ حضور اس کا فیصلہ فرمائیں اور جو ناحق پر ہوتا وہ جانتا تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی عدالت سے وہ اپنی ناجائز مراد نہیں پا سکتا اس لئے وہ حضور کے فیصلہ سے ڈرتا اور گھبراتا تھا۔

سورہ نور آیت ۵۰ کے شانِ نزول کا بیان

بشر نامی ایک منافق تھا ایک زمین کے معاملہ میں اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا یہودی جانتا تھا کہ اس معاملہ میں وہ سچا ہے اور اس کو یقین تھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق و عدل کا فیصلہ فرماتے ہیں اس لئے اس نے خواہش کی کہ یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیصل کرایا جائے لیکن منافق بھی جانتا تھا کہ وہ باطل پر ہے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف میں کسی کی رو رعایت نہیں فرماتے اس لئے وہ حضور ﷺ کے فیصلہ پر تو راضی نہ ہوا اور کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرانے پر مصر ہوا اور حضور ﷺ کی نسبت کہنے لگا کہ وہ ہم پر ظلم کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نور، لاہور)

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○
کیا ان کے دلوں میں (منافقت کی) بیماری ہے یا وہ (شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں) شک کرتے ہیں یا وہ اس بات
کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر ظلم کریں گے، (نہیں) بلکہ وہی لوگ خود ظالم ہیں۔

شانِ نبوت ﷺ میں شک کرنے والے منافقین کا بیان

"اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" كُفْر "اَمِ ارْتَابُوْا" اَیْ شَكُّوا فِی نُبُوَّتِهٖ "اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

وَرَسُولُه" فِي الْحُكْمِ أَيْ فَيَظْلِمُوا فِيهِ ؟ لَا "بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" بِالْإِعْرَاضِ عَنْهُ

کیا ان کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے یا وہ شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شک کرتے ہیں یا وہ اس بات کا اندیشہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ظلم کریں گے، نہیں بلکہ وہی لوگ خود ظالم ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے کافر جو ظاہر میں مسلمان تھے، بہت سے تھے، انہیں جب اپنا مطلب قرآن وحدیث میں نکلتا نظر آتا تو خدمت نبوی میں اپنے جھگڑے پیش کرتے اور جب انہیں دوسروں سے مطلب براری نظر آتی تو سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے سے صاف انکار کر جاتے۔ پس یہ آیت اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہو اور وہ اسلامی حکم کے مطابق فیصلے کی طرف بلایا جائے اور وہ اس سے انکار کرے وہ ظالم ہے اور ناحق پر ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے
درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں کہ ہم نے سن لیا، اور ہم (سراپا) اطاعت پیرا ہو گئے، اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

دعوت اسلام پا کر کامیاب ہونے والے لوگوں کا بیان

"إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ" فَالْقَوْلُ اللَّائِقُ بِهِمْ "أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا" بِالْإِجَابَةِ "وَأُولَئِكَ" حِينَئِذٍ "هُمُ الْمُفْلِحُونَ" النَّاجُونَ

ایمان والوں کی بات تو فقط یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو وہ یہی کچھ کہیں گے جس طرح اہل ایمان کے لائق ہے۔ کہ ہم نے سن لیا، اور ہم سراپا اطاعت پیرا ہو گئے، یہ جواب میں کہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی کامیاب ہونے والے ہیں۔

پھر سچے مومنوں کی شان بیان ہوتی ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی تیسری چیز کو داخل دین نہیں سمجھتے۔ وہ تو قرآن وحدیث سنتے ہی، اس کی دعوت کی ندا کان میں پڑتے ہی صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مانا یہ کامیاب، بامراد اور نجات یافتہ لوگ ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝
اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ

اختیار کرتا ہے پس ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کا بیان

"وَمَنْ يُطِعْ اللّٰه وَرَسُوله وَيَخْشَ اللّٰه " يَخافهُ "وَيَتَّقْهِ" بِسُكُونِ الْهَاء وَكَسْرهَا بِأَنْ يُطِيعهُ "فَأُولَئِكَ هُمْ الْفَائِزُونَ" بِالْجَنَّةِ

اور جوشخص اللہ اوراس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا اوراس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے یہاں پر یتقہ یہ ھاء کے سکون اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے وہ اطاعت کرے۔پس ایسے ہی لوگ مراد پانے والے یعنی جنت والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ آدمی جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، پھر پوچھا گیا "وہ کون آدمی ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے میری اطاعت وفرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 140)

صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام وفرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر اللہ کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اور وہ لوگ اللہ کی بڑی بھاری قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے، آپ فرمادیں کہ تم قسمیں مت کھاؤ۔معروف طریقہ سے فرمانبرداری ہے، بیشک اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔

منافقین کی جھوٹی قسمیں اٹھانے کا بیان

"وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْد أَيْمَانهمْ" غَايَتهَا "لَئِنْ أَمَرْتهمْ" بِالْجِهَادِ "لَيَخْرُجُنَّ قُلْ" لَهُمْ "لَا تُقْسِمُوا طَاعَة مَعْرُوفَة" لِلنَّبِيِّ خَيْر مِنْ قَسَمكُمْ الَّذِي لَا تَصْدُقُونَ فِيهِ "إِنَّ اللّٰه خَبِير بِمَا تَعْمَلُونَ" مِنْ طَاعَتكُمْ بِالْقَوْلِ وَمُخَالَفَتكُمْ بِالْفِعْلِ

اور وہ لوگ اللہ کی بڑی بھاری تاکیدی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ جہاد کے لئے ضرور نکلیں گے، آپ فرما دیں کہ تم قسمیں مت کھاؤ بلکہ معروف طریقہ سے فرمانبرداری درکار ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سنت تمہاری قسموں سے بہتر ہے

جن قسموں میں تم سچے ہی نہیں ہو۔ بیشک اللہ ان کاموں سے خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو۔ یعنی جو تم قولی وفعلی طور پر اطاعت کرتے ہو۔

منافقین کے فریب کاریوں کا بیان

اہل نفاق کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنی ایمانداری اور خیر خواہی جتاتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم جہاد کیلئے تیار بیٹھے ہیں بلکہ بیقرار ہیں، آپ کے حکم کی دیر ہے فرمان ہوتے ہی گھر بار بال بچے چھوڑ کر میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ تمہاری اطاعت کی حقیقت تو روشن ہے، زبانی ڈینگیں بہت ہیں، عملی حصہ صفر ہے۔ تمہاری قسموں کی حقیقت بھی معلوم ہے، دل میں کچھ ہے، زبان پر کچھ ہے، جتنی زبان مومن ہے اتنا ہی دل کافر ہے۔ یہ قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان قسموں کو تو یہ لوگ ڈھال بنائے ہوئے ہیں تم سے ہی نہیں بلکہ کافروں کے سامنے بھی ان کی موافقت اور ان کی امداد کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن اتنے بزدل ہیں کہ ان کا ساتھ خاک بھی نہیں دے سکتے۔ اس جملے کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں تو معقول اور پسندیدہ اطاعت کا شیوہ چاہیے نہ کہ قسمیں کھانے اور ڈینگیں مارنے کا۔ تمہارے سامنے مسلمان موجود ہیں دیکھو نہ وہ قسمیں کھاتے ہیں نہ بڑھ بڑھ کر باتیں بناتے ہیں، ہاں کام کے وقت سب سے آگے نکل آتے ہیں اور فعلی حصہ بڑھ چڑھ کر لیتے ہیں۔ اللہ پر کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ
مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○
فرما دیجئے: تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے سے رُوگردانی کی تو، رسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ وہی کچھ ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر
تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صریحاً پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا دین اسلام کو حق کے ساتھ پہنچا دینے کا بیان

"قُلْ أَطِيعُوا اللّٰه وَأَطِيعُوا الرَّسُول فَإِنْ تَوَلَّوْا" عَنْ طَاعَته بِحَذْفِ إِحْدَى التَّاءَيْنِ خِطَاب لَهُمْ "فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ" مِنْ التَّبْلِيغ "وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ" مِنْ طَاعَته "وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُول إِلَّا الْبَلَاغ الْمُبِين" أَيْ التَّبْلِيغ الْبَيِّن

فرما دیجئے: تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو، پھر اگر تم نے اطاعت سے رُوگردانی کی یہاں پر تولوا میں دو تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس میں انہیں خطاب کیا گیا ہے کہ جان لو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ذمہ وہی کچھ ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام کو صریحاً پہنچا دینے کے سوا کچھ لازم نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت کرنے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین و شریعت) اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں ننگا (یعنی بے غرض) ڈرانے والا ہوں، لہٰذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پالی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا صبح کو لشکر نے آکر ان کو پکڑ لیا اور ہلاک کر ڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس آدمی کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی اور اس آدمی کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین و شریعت میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 145)

ننگا ڈرانے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا تا کہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کر سکیں۔ اسی کو ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب المثل بن گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مثال بالکل صحیح وصادق تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانبردار اور اطاعت گزار کو جنت اور رضاء مولیٰ کی خوشخبری اور نافرمانبردار و سرکش جماعت کو اللہ کے عذاب و غضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا
يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○
اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور ہی جانشین
بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے
اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انہیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے،
میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

اہل ایمان کیلئے دنیا میں وعدہ خلافت کا بیان

"وَعَدَ اللّٰه الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْض" بَدَلًا عَنْ الْكُفَّار "كَمَا اسْتَخْلَفَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول "الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" مِنْ بَنِي إسْرَائِيل بَدَلًا عَنْ الْجَبَابِرَة "وَلَيُمَكِّنَن لَهُمْ دِينهمْ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ" وَهُوَ الْإِسْلَام بِأَنْ يُظْهِرهُ عَلَى جَمِيع الْأَدْيَان وَيُوَسِّع لَهُمْ فِي الْبِلَاد فَيَمْلِكُوهَا "وَلَيُبَدِّلَنهُمْ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "مِنْ بَعْد خَوْفهمْ" مِنْ الْكُفَّار "أَمْنًا" وَقَدْ أَنْجَزَ اللّٰه وَعْده لَهُمْ بِمَا ذُكِرَ وَأَثْنَى عَلَيْهِمْ "يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا" هُوَ مُسْتَأْنَف فِي حُكْم التَّعْلِيل "وَمَنْ كَفَرَ بَعْد ذَلِكَ" الْإِنْعَام مِنْهُمْ بِهِ "فَأُولَئِكَ هُمْ الْفَاسِقُونَ" وَأَوَّل مَنْ كَفَرَ بِهِ قَتَلَة عُثْمَان رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ فَصَارُوا يَقْتَتِلُونَ بَعْد أَنْ كَانُوا إخْوَانًا

اللہ نے ان لوگوں سے جوتم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ کافر کی بہ جائے انہیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، یہاں پر استخلف معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جوان سے پہلے تھے جو بنی اسرائیل تھے جن کو جابر حکمرانوں سے لیکر سلطنت دی گئی۔ اوران کے لیے ان کے اس دین کوضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ جوتمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اورانہیں کئی شہروں میں وسعت دے گا جن کے وہ مالک ہوں گے۔ اور ہر صورت انہیں ان کے یعنی کفار کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ یہاں لیبدلنہم تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ پس اللہ نے ذکر کردہ وعدہ کو پورا کردیا۔ اوراس پر اہل ایمان کی تعریف فرمائی کہ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کوشریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اور یہ جملہ مستانفہ علت کے حکم میں ہے۔ اور جس نے اس انعام کے بعد کفر کیا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اور وہ پہلا شخص جس نے اس حکم کا کفر کیا وہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوشہید کیا پس اس طرح انہوں قتل وغارت شروع کردی اگرچہ وہ آپس میں بھائی تھے۔

سورہ نور آیت ۵۵ کے شان نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی نازل ہونے سے دس سال تک مکہ مکرمہ میں مع اصحاب کے قیام فرمایا اور کفار کی ایذاؤں پر جوشب وروز ہوتی رہتی تھیں صبر کیا پھر بحکم الٰہی مدینہ طیبہ کوہجرت فرمائی اور انصار کے منازل کو اپنی سکونت سے سرفراز کیا مگر قریش اس پر بھی باز نہ آئے روزمرّہ ان کی طرف سے جنگ کے اعلان ہوتے اور طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خطرہ میں رہتے اور ہتھیار ساتھ رکھتے ایک روز ایک صحابی نے فرمایا کبھی ایسا بھی زمانہ آئے گا کہ ہمیں امن میسر ہو اور ہتھیاروں کے بار سے ہم سبکدوش ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، نور، لاہور)

اہل اسلام کی خلافت وفتوحات کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرما رہا ہے کہ آپ کی امت کوزمین کا مالک بنادے گا، لوگوں کا سردار

بنادے گا، ملک ان کی وجہ سے آباد ہوگا، بندگان رب ان سے دل شاد ہوں گے۔ آج یہ لوگوں سے لرزاں وترساں ہیں کل یہ باامن واطمینان ہوں گے، حکومت ان کی ہوگی، سلطنت ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ الحمد للہ یہی ہوا بھی۔ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرہ عرب اور یمن تو خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فتح ہوگیا۔ ہجر کے مجوسیوں نے جزیہ دے کر ماتحتی قبول کر لی، شام کے بعض حصوں کا بھی یہی حال ہوا۔

شاہ روم ہرقل نے تحفے تحائف روانہ کئے۔ مصر کے والی نے بھی خدمت اقدس میں تحفے بھیجے، اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے، عمان کے شاہوں نے بھی یہی کیا اور اس طرح اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دیا۔ حبشہ کے بادشاہ اصحمہ رحمۃ اللہ علیہ تو مسلمان ہی ہوگئے اور ان کے بعد جو والی حبشہ ہوا۔ اس نے بھی سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں عقیدت مندی کے ساتھ تحائف روانہ کئے۔ پھر جب کہ اللہ تعالیٰ رب العزت نے اپنے محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مہمانداری میں بلوالیا، آپ کی خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سنبھالی۔

جزیرہ عرب کی حکومت کو مضبوط اور مستقل بنایا اور ساتھ ہی ایک جرار لشکر سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، کفر کے درختوں کو چھانٹ دیا اور اسلامی پودے ہر طرف لگادیئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ وغیرہ امراء کے ماتحت شام کے ملکوں کی طرف لشکر اسلام کے جاں بازوں کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بھی یہاں محمدی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان اوندھے منہ گرائے، پھر مصر کی طرف مجاہدین کا لشکر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرداری میں روانہ فرمایا۔ بصری، دمشق، حران وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ بھی راہی ملک بقا ہوئے اور بہ الہام الٰہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے فاروق کے زبردست زور آور ہاتھوں میں سلطنت اسلام کی باگیں دے گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ آسمان تلے کسی نبی کے بعد ایسے پاک خلیفوں کا دور نہیں ہوا۔ آپ کی قوت، طبیعت، آپ کی نیکی، سیرت، آپ کے عدل کا کمال، آپ کی ترسی کی مثال دنیا میں آپ کے بعد تلاش کرنا محض بے سود اور بالکل لاحاصل ہے۔

تمام ملک شام، پورا علاقہ مصر، اکثر حصہ فارس آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا۔ سلطنت کسری کے ٹکڑے اڑ گئے، خود کسری کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ ملی۔ کامل ذلت واہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کو فنا کر دیا۔ مٹادیا۔ شام کی سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ قسطنطنیہ میں جا کر منہ چھپایا ان سلطنتوں کی صدیوں کی دولت اور جمع کئے ہوئے بیشمار خزانے ان بندگان رب نے اللہ کے نیک نفس اور مسکین خصلت بندوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وعدے پورے ہوئے جو اس نے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوائے تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آتا ہے اور مشرق ومغرب کی انتہا تک اللہ کا دین پھیل جاتا ہے۔ اللہ کا لشکر ایک طرف اقصی مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں۔ اور مجاہدین کی آب دار تلواریں اللہ کی توحید کو

دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں۔ اندلس، قبرص، قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ کسریٰ قتل کر دیا گیا اس کا ملک تو ایک طرف نام ونشان تک کھود کر پھینک دیا گیا اور ہزار ہا برس کے آتش کدے بجھا دیئے گئے اور ہر اونچے ٹیلے سے صدائے اللہ اکبر آنے لگی۔

دوسری جانب مدائن، عراق، خراسان، اھواز سب فتح ہو گئے ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی آخران کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں ملا ذلیل وخوار ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بارگاہ خلافت عثمانی میں پہنچوائے۔ حق تو یہ ہے کہ مجاہدین کی ان جانبازیوں میں جان ڈالنے والی چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن کی برکت تھی۔ آپ کو قرآن سے کچھ ایسا شغف تھا جو بیان سے باہر ہے۔ قرآن کے جمع کرنے، اس کے حفظ کرنے، اس کی اشاعت کرنے، اس کے سنبھالنے میں جو نمایاں خدمتیں خلیفہ ثالث نے انجام دیں وہ یقیناً عدیم المثال ہیں۔ آپ کے زمانے کو دیکھو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو دیکھو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرق ومغرب دیکھ لی عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے دکھائی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نور، بیروت)

تیس سالہ دور خلافت کا بیان

اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد ہونے والے خلفاءِ راشدین کی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں فتوحاتِ عظیمہ ہوئے اور کسریٰ وغیرہ مُلوک کے خزائن مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور امن وتمکین اور دین کا غلبہ حاصل ہوا۔ ترمذی وابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر ملک ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس تین ماہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ ماہ ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ نور، بیروت)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○
اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

نماز وزکوٰۃ اور رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کا بیان

"وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" أَيْ رَجَاءَ الرَّحْمَةِ

اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔ یعنی رحمت کے امیدوار بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ اپنے باایمان بندوں کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے کہ اسی کے لئے نمازیں پڑھتے رہو۔ اور ساتھ ہی اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ ضعیفوں، مسکینوں، فقیروں کی خبر گیری کرتے رہو۔ مال میں سے اللہ کا حق یعنی زکوٰۃ نکالتے رہو۔ اور ہر امر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو۔ جس بات کا وہ حکم فرمائے لاؤ جس امر سے وہ روکیں رک

جاؤ۔ یقین مانو کہ اللہ کی رحمت کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
تو ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، ہرگز گمان نہ کر کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے
اور بلاشبہ وہ بری لوٹ کر جانے کی جگہ ہے۔

کفار اللہ قدرت کو عاجز کرنے والے نہیں

"لَا تَحْسَبَنَّ" بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَاعِلِ الرَّسُوْل "الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ" لَنَا "فِي الْاَرْضِ" بِاَنْ يَفُوْتُوْنَا "وَمَاْوٰهُمْ" مَرْجِعُهُمْ "النَّار وَلَبِئْسَ الْمَصِير" الْمَرْجِع هِيَ

آپ ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، ہرگز گمان نہ کریں، یہاں پر لاتحسبن تائے فوقانیہ اور تحتانیہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور اس کا فعل کا فاعل رسول مکرم ﷺ کی ذات ہے۔ کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں یعنی وہ ہمیں شکست دیدیں گے حالانکہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور بلاشبہ وہ بری لوٹ کر جانے کی جگہ ہے۔ جو کتنی ہی بری جگہ ہے۔

کافر سے مراد یہاں سب غیر مسلم ہیں۔ یعنی کفار مکہ، عرب کے مشرک قبائل، مدینہ کے یہود و منافقین، یہ سب لوگ مل کر اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگالیں تب بھی یہ لوگ اسلام کی راہ روک نہیں سکتے۔ اللہ کا دین تو یقیناً بلند ہو کے رہے گا۔ رہے یہ معاندین تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی انہیں رسوا کرے گا اور آخرت میں بھی انہیں جہنم کا عذاب بھگتنا ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ
ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ
صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اے ایمان والو! چاہئے کہ تمہارے زیر دست (غلام اور باندیاں) اور تمہارے ہی وہ بچے جو (ابھی) جوان نہیں ہوئے (تمہارے
پاس آنے کے لئے) تین مواقع پر تم سے اجازت لیا کریں: (ایک) نماز فجر سے پہلے اور (دوسرے) دوپہر کے وقت جب
تم (آرام کے لئے) کپڑے اتارتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد (جب تم خواب گاہوں میں چلے جاتے ہو)،
(یہ) تین (وقت) تمہارے پردے کے ہیں، ان (اوقات) کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر، (کیونکہ بقیہ اوقات
میں وہ) تمہارے ہاں کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، اسی طرح اللہ تمہارے لئے
آیتیں واضح فرماتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

گھر میں داخل ہونے کی اجازت کے احکام کا بیان

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ " مِنَ الْعَبِيد وَالْإِمَاء "وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُم مِنْكُمْ " مِنَ الْأَحْرَار وَعَرَفُوا أَمْر النِّسَاء "ثَلَاث مَرَّات " فِي ثَلَاثَة أَوْقَات "مِنْ قَبْل صَلَاة الْفَجْر وَحِين تَضَعُونَ ثِيَابكُمْ مِنَ الظَّهِيرَة " أَيْ وَقْت الظُّهْر "وَمِنْ بَعْد صَلَاة الْعِشَاء ثَلَاث عَوْرَات لَكُمْ " بِالرَّفْعِ خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر بَعْده مُضَاف وَقَامَ الْمُضَاف إِلَيْهِ مَقَامه : أَيْ هِيَ أَوْقَات وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِيرِ أَوْقَات مَنْصُوبًا بَدَلًا مِنْ مَحَلّ مَا قَبْله قَامَ الْمُضَاف إِلَيْهِ مَقَامه وَهِيَ لِإِلْقَاءِ الثِّيَاب تَبْدُو فِيهَا الْعَوْرَات "لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ " أَيْ الْمَمَالِيك وَالصِّبْيَان "جُنَاح " فِي الدُّخُول عَلَيْكُمْ بِغَيْرِ اسْتِئْذَان "بَعْدهنَّ " أَيْ بَعْد الْأَوْقَات الثَّلَاثَة هُمْ "طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ " لِلْخِدْمَةِ "بَعْضكُمْ " طَائِف "عَلَى بَعْض " وَالْجُمْلَة مُؤَكِّدَة لِمَا قَبْلهَا "كَذَلِكَ " كَمَا بُيِّنَ مَا ذُكِرَ "يُبَيِّن اللَّه لَكُمْ الْآيَات " أَيْ الْأَحْكَام "وَاَللَّه عَلِيم " بِأُمُورِ خَلْقه "حَكِيم " بِمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَآيَة الِاسْتِئْذَان قِيلَ مَنْسُوخَة وَقِيلَ لَا وَلَكِنْ تَهَاوَنَ النَّاس فِي تَرْك الِاسْتِئْذَان

اے ایمان والو! چاہئے کہ تمہارے زیر دست غلام اور باندیاں اور تمہارے ہی وہ بچے جو ابھی جوان نہیں ہوئے، جو آزاد میں اور عورتوں کے معاملات کو جانتے ہیں۔ تمہارے پاس آنے کے لئے تین مواقع پر تم سے اجازت لیا کریں، ایک نماز فجر سے پہلے اور دوسرے دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لئے کپڑے اتارتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب تم خواب گاہوں میں چلے جاتے ہو، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں، یہاں پر ثلاث یہ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ جس کے بعد مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہے۔ یعنی ھی اوقات، اور یہ ماقبل اوقات کے مقدر ہونے کی وجہ سے بدل محل ہونے کے سبب منصوب بھی آیا ہے۔ کیونکہ مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان تینوں اوقات میں کپڑے کھسکنے کی وجہ سے ستر کھل سکتا ہے۔ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر، یعنی تمہارے غلاموں پر بچوں پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بغیر اجازت کے داخل ہو جایا کریں۔ کیونکہ بقیہ اوقات میں وہ تمہارے ہاں خدمت کیلئے کثرت کے ساتھ ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں، یہ جملہ ماقبل کی تاکید کے طور پر آیا ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے، اور اللہ تمہارے امور خلق کو خوب جاننے والا، جو اس نے تمہارے لئے تدبیر کیا اس میں حکمت والا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اذن والی آیت کا حکم منسوخ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ ترک اجازت میں لوگ سستی کریں گے۔ (یہاں شاید لفظ ترک سہو کے طور لکھنے میں آیا ہو۔)

سورہ نور آیت ۵۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام مدلج بن عمرو کو دوپہر کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا وہ غلام ویسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکان میں چلا گیا جب کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہما بے تکلّف اپنے دولت سرائے میں تشریف رکھتے تھے غلام کے اچانک چلے آنے سے آپ کے دل میں خیال ہوا کہ کاش غلاموں کو اجازت لے کر مکانوں میں داخل ہونے کا حکم ہوتا۔اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔(تفسیر زادالمسیر ،سورہ نور، بیروت)

لوگوں کے گھروں میں جانے کے آداب کا بیان

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی گھر جانے کے لئے اس کے دروازہ پر پہنچتے تو دروازہ کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوتے۔ بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور پھر اجازت مانگنے کے لئے فرماتے، السلام علیکم، السلام علیکم اور دروازہ کے سامنے نہ کھڑے ہونے کی وجہ یہ ہوا کرتی تھی کہ اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہ پڑے ہوئے تھے۔اور انس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قال علیہ الصلوٰۃ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ باب الضیافۃ میں نقل کی جاچکی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 608)

ایک سے زائد بار سلام کرنے کی وجہ یہ تھی تا کہ صاحب خانہ اچھی طرح سن لے اور اجازت دے سکے واضح رہے کہ یہاں السلام علیکم جو دو بار ذکر کیا گیا ہے تو اسے تعداد مراد ہے دو بار پر اقتصار مراد نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ کسی کے دروازے پر کھڑے ہو کر تین بار سلام فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔روایت کے آخری الفاظ دروازے کے سامنے نہ کھڑے ہونے کی وجہ سے یہ سمجھا گیا ہے کہ اگر دروازے پر کواڑ ہوں یا اس پر پردے پڑے ہوئے ہوں تو اس صورت میں دروازے کے سامنے کھڑے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اصل سنت رعایت کے پیش نظر اولی یہی ہے کہ اس صورت میں بھی دروازے کے سامنے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو اور اس لئے بھی کہ بعض اوقات کواڑ یا پردہ کھولتے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑے ہوئے شخص کی نظر اندر چلی جاتی ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
اور جب تم میں سے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو اسی طرح اجازت طلب کریں جس طرح وہ لوگ اجازت طلب کرتے رہے جوان
سے پہلے تھے۔اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔

بڑے بچوں کیلئے اپنے گھروں میں اجازت طلب کر کے جانا چاہے

"وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَال مِنكُمْ" اَيُّهَا الْاَحْرَار "الْحُلُم فَلْيَسْتَأْذِنُوا" فِي جَمِيع الْاَوْقَات "كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" أَيْ الْاَحْرَار الْكِبَار

اور اے آزاد انسانو! جب تم میں سے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں تو اسی طرح تمام اوقات میں اجازت طلب کریں جس طرح وہ لوگ اجازت طلب کرتے رہے جوان سے پہلے تھے۔یعنی جس طرح آزاد بڑے اجازت طلب کرتے ہیں۔اسی طرح اللہ

تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔

بلکہ ابھی قریب بلوغ ہیں۔ سنِ بلوغ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اورلڑکی کے لئے سترہ سال، عامہ علماء کے نزدیک لڑکے اورلڑکی دونوں کے لئے پندرہ سال ہے۔ (تفسیر احمدی، سورہ نور، لاہور)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ
غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝
اور وہ بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنھیں نکاح کی خواہش نہیں رہی ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (اوپر سے
ڈھانپنے والے اضافی) کپڑے اتار لیں بشرطیکہ وہ اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ بنیں، اور اگر وہ پرہیز گاری اختیار کریں
تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

پردے کے احکام میں ضعیف خواتین کیلئے رخصت کا بیان

"وَالْقَوَاعِد مِنْ النِّسَاء " قَعَدْنَ عَنْ الْحَيْض وَالْوَلَد لِكِبَرِهِنَّ "اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا" لِذَلِكَ "فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاح أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابهنَّ" مِنْ الْجِلْبَاب وَالرِّدَاء وَالْقِنَاع فَوْق الْخِمَار "غَيْر مُتَبَرِّجَات" مُظْهِرَات "بِزِينَةٍ" خَفِيَّة كَقِلَادَةٍ وَسِوَار وَخَلْخَال "وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ" بِأَنْ لَا يَضَعْنَهَا "خَيْر لَهُنَّ وَاَللَّه سَمِيع" لِقَوْلِكُمْ "عَلِيم" بِمَا فِي قُلُوبكُمْ

اور وہ بوڑھی خانہ نشین عورتیں یعنی جو حیض اور بچے کی ولادت سے بڑھاپے کی وجہ سے رہ گئی ہیں۔ جنھیں اب نکاح کی خواہش نہیں رہی ان پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے اوپر سے ڈھانپنے والے اضافی کپڑے اتار لیں جس طرح برقع، چادر اور سینے بند یا دوپٹہ وغیرہ ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھی اپنی آرائش کو ظاہر کرنے والی نہ بنیں، جس طرح پازیب کنگن اور گلو بند ہے اور اگر وہ پرہیز گاری اختیار کریں یعنی زائد اوڑھنے والے کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اللہ ان کی بات کو خوب سننے والا، ان کے دلوں کو جاننے والا ہے۔

عورتوں کے احکام پردہ کی تاکید کا بیان

اس سے پہلے عورتوں کے حجاب اور پردہ کے احکام دو آیتوں میں مفصل آچکے ہیں اور ان میں دو استثناء بھی ذکر کئے گئے۔ ایک استثناء، ناظر یعنی دیکھنے والے کے اعتبار سے، دوسرا استثناء منظور یعنی جس کو دیکھا جائے اس کے اعتبار سے۔ ناظر کے اعتبار سے تو محارم کو اور اپنی مملوکہ کنیزوں نابالغ بچوں کو مستثنیٰ کیا گیا تھا اور منظور یعنی جس چیز کو نظروں سے چھپانا مقصود ہے اس کے اعتبار سے زینت ظاہرہ کو مستثنیٰ کیا گیا جس میں اوپر کے کپڑے برقع یا بڑی چادر باتفاق مراد ہیں اور بعض کے نزدیک عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی اس استثناء میں داخل ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے پر سلام کہا کرو (یہ) اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے، اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

کھانے پینے کے آداب معاشرت کا بیان

"لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَج وَلَا عَلَى الْأَعْرَج حَرَج وَلَا عَلَى الْمَرِيض حَرَج" فِي مُؤَاكَلَة مُقَابِلِيهِمْ "وَلَا" حَرَج "عَلَى أَنْفُسكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتكُمْ" بُيُوت أَوْلَادكُمْ "أَوْ بُيُوت آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوت أُمَّهَاتكُمْ أَوْ بُيُوت إِخْوَانكُمْ أَوْ بُيُوت أَخَوَاتكُمْ أَوْ بُيُوت أَعْمَامكُمْ أَوْ بُيُوت عَمَّاتكُمْ أَوْ بُيُوت أَخْوَالكُمْ أَوْ بُيُوت خَالَاتكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَفَاتِحه" خَزَنْتُمُوهُ لِغَيْرِكُمْ "أَوْ صَدِيقكُمْ" وَهُوَ مَنْ صَدَقَكُمْ فِي مَوَدَّته الْمَعْنَى يَجُوز الْأَكْل مِنْ بُيُوت مَنْ ذُكِرَ وَإِنْ لَمْ يَحْضُرُوا إِذَا عَلِمَ رِضَاهُمْ بِهِ "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاح أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا" مُجْتَمِعِينَ "أَوْ أَشْتَاتًا" مُتَفَرِّقِينَ جَمْع شَتّ نَزَلَ فِيمَنْ تَحَرَّجَ أَنْ يَأْكُل وَحْده وَإِذَا لَمْ يَجِد مَنْ يُؤَاكِلهُ يَتْرُك الْأَكْل "فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا" لَكُمْ لَا أَهْل بِهَا "فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسكُمْ" قُولُوا السَّلَام عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَاد اللَّه الصَّالِحِينَ فَإِنَّ الْمَلَائِكَة تَرُدّ عَلَيْكُمْ وَإِنْ كَانَ بِهَا أَهْل فَسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ "تَحِيَّة" مَصْدَر حَيَّا "مِنْ عِنْد اللَّه مُبَارَكَة طَيِّبَة" يُثَاب عَلَيْهَا "كَذَلِكَ يُبَيِّن اللَّه لَكُمْ الْآيَات" أَيْ يُفَصِّل لَكُمْ مَعَالِم دِينكُمْ "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" لِكَيْ تَفْهَمُوا ذَلِكَ

اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کوئی مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یعنی جن میں ان کے مالکوں کی طرف سے تمہیں ہر قسم کے تصرّف کی اجازت ہے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانا کھالینے میں مضائقہ نہیں، اور وہ دوستی میں سچا ہو۔ اس مذکورہ لوگوں کے گھروں میں ان کی عدم موجودگی میں بھی کھانا جائز ہے جبکہ ان کی رضامندی معلوم ہو، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ، یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو تنہا کھانا نہیں کھاتا جبکہ تک کوئی کھانے والا نہ پائے۔ یا الگ الگ، اور یہاں پر اشتاتا یہ شت کی جمع ہے معنی الگ الگ ہے۔ پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے گھر والوں پر سلام کہا کرو اور اگر وہ نہ ہوں تو خود اپنے آپ کو سلام کرو اور یہ کہو کہ ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندون پر سلام ہو پس تمہیں اس سلام کو جواب فرشتے تم پر لوٹا دیں گے۔ اور اگر گھر والے ہیں تو انہیں سلام کرو۔ یہاں تحیۃ یہ حیا کی مصدر ہے۔ اللہ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے، جس پر ثواب دیا جاتا ہے۔ اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو تمہارے لئے واضح فرماتا ہے یعنی تمہارے لئے دین کے احکام بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم (احکام شریعت اور آدابِ زندگی کو) سمجھ سکو۔

دوسروں کے ہاں سے کھانے پینے کے احکام میں اجازت واعذار کا بیان

مجاہد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص نابینا، لنگڑے اور مریض کو اپنے والد، بھائی، بہن، پھوپھی، یا خالہ کے گھر لے جاتا تو یہ اپاہج لوگ اس سے بچتے اور کہتے کہ تم ہمیں دوسروں کے گھروں میں لے جاتے ہو اس پر ان کے لیے رخصت کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (یاایھا الذین آمنو لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل) (سورہ نساء (29 ترجمہ۔ مومنو ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ تو مسلمانوں نے حرج محسوس کیا اور کھانا تو افضل ترین مال ہے لہٰذا ہم میں سے کسی کے لیے کسی کے ہاں کھانا جائز نہیں ہے پس لوگ اس سے رک گئے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ضحاک نقل کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نبی کی بعثت سے پہلے نابینا، مریض، اور لنگڑے لوگوں کے کھانے میں اپنا کھانا نہ ملاتے تھے کیونکہ نابینا عمدہ کھانا نہیں دیکھ سکتا، مریض، تندرست کی طرح کھانا نہیں کھا سکتا، اور لنگڑا کھانے میں مزاحمت کی طاقت نہیں رکھتا ان کے ساتھ کھانے میں رخصت دینے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ مقسم سے روایت ہے کہ وہ لوگ نابینا اور لنگڑے کے ساتھ کھانا کھانے سے بچتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس سے ہی ایک روایت میں ہے کہ حارث رسول اللہ کے ساتھ جہاد میں نکلے تو اپنے گھر والوں کی حفاظت کے لیے خالد بن ولید کو چھوڑ گئے انہوں نے حضرت حارث کے اناج میں سے کچھ کھانا گناہ سمجھا جبکہ یہ تنگ دست تھے اس پر اللہ نے

یہ فرمان نازل کیا۔(لیس علیکم جناح)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ مسلمان رسول اللہ کے ساتھ جہاد میں نکلنے میں رغبت کرتے تھے وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپاہج کو دے دیتے اور کہتے ہم نے تمہارے لیے اپنا مال حلال کر دیا لہٰذا تم ہمارے مال میں سے جو چاہو کھاؤ لیکن یہ کہتے کہ ہمارے لیے یہ کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ انہوں نے بغر دلی رضامندی کے اجازت دی ہے اس پر اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا۔(لیس علیکم جناح)

امام زہری سے روایت ہے کہ ان سے اللہ کے اس فرمان کے متعلق دریافت کیا گیا۔(لیس علیکم جناح)۔یہ کیا وجہ ہے کہ نابینا لنگڑے اور مریض لوگوں کا یہاں خاص طور پر تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے کہا مجھے عبداللہ بن عبداللہ نے بتایا کہ مسلمان جب جہاد کیلیے نکلتے تو اپنے پیچھے اپاہج، مریض لوگوں کو دیکھ بھال کے لیے چھوڑ جاتے اور انہیں اپنے دروازوں کی چابیاں دے دیتے اور کہتے کہ ہم نے تمہارے لیے اپنے گھروں میں کھانا پینا حلال کر دیا لیکن یہ لوگ اس سے بچتے اور کہتے کہ ہم ان کی غیر موجودگی مین ان کے گھروں مین داخل نہیں ہو سکتے اس پر اللہ نے ان کی رخصت کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

قتادہ سے اس آیت کے متعلق روایت ہے کہ یہ آیت عرب کے ایک خاص قبیلے کے متعلق نازل ہوئی ان کا کوئی شخص اکیلا کھانا نہ کھاتا اور اپنے کھانے کو اس وقت تک اپنے ساتھ اٹھائے پھرتا کہ اس کے ساتھ کھانا کھلانے والا مل جاتا۔عکرمہ اور ابو صالح سے روایت ہے کہ انصار کے ہاں جب کوئی مہمان آتا تو وہ لوگ جب تک مہمان نہ کھاتے کھانا نہ کھاتے ان کے لیے رخصت کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی۔(سیوطی 202،طبری 18۔128،قرطبی 12۔312)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل) (سورہ بقرہ 188) ترجمہ۔اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

تو مسلمان مریض، اپاہج اور لنگڑوں کے ساتھ کھانے سے بچتے اور کہتے کھانا افضل ترین مال ہے جبکہ اللہ نے کسی کا مال باطل طریقے سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور نابینا عمدہ کھانے کی جگہ نہیں دیکھ سکتا، مریض پوری طرح کھانا کھا نہیں سکتا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(طبری 18۔128)

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ لنگڑے لوگ تندرست لوگوں کا کھانا کھانے سے گریز کرتے کیونکہ لوگ ان سے گھن محسوس کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو ناپسند کرتے اور اہل مدینہ اپنے کھانے میں نابینا، لنگڑے اور مریض کو کراہت کے سبب شامل نہ کرتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(طبری 18۔128)

مجاہد فرماتے ہین کہ یہ آیت مریض اور اپاہج لوگوں کو ان لوگوں کے گھروں میں جن کا نام اللہ نے آیت کریمہ میں نازل فرمایا ہے کھانا کھانے کی رخصت دینے کے لیے نازل ہوئی معاملہ اس طرح تھا کہ اصحاب رسول جب اپنے ہاں کوئی کھانے کی چیز نہ پاتے تو ان حضرات کو اپنے آباء اور امہات یا جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے ان میں سے کسی کے گھر لے جاتے اور یہ اپاہج لوگ وہ کھانا

کھانے سے پرہیز کرتے کیونکہ یہ کھلانے والے اس کے مالک نہ ہوتے اور کہتے یہ ہمیں دوسروں کے گھروں میں لے جاتے ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 276، طبری 18-129)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی ایسے کام پر حاضر ہوں جو یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں جب تک کہ وہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، (اے رسولِ معظم!) بیشک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھنے والے ہیں، پھر جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت چاہیں تو آپ (حاکم و مختار ہیں) ان میں سے جسے چاہیں اجازت مرحمت فرما دیں اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگیں، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کے آداب کا بیان

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ" أَيْ الرَّسُول "عَلَى أَمْر جَامِع" كَخُطْبَةِ الْجُمُعَة "لَمْ يَذْهَبُوا" لِعُرُوضِ عُذْر لَهُمْ "حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُوله فَإِذَا اسْتَأْذَنُوك لِبَعْضِ شَأْنهمْ" أَمْرهمْ "فَأْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ" بِالِانْصِرَافِ

ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ آپ کے ساتھ کسی ایسے اجتماعی کام پر حاضر ہوں جس طرح جمعہ کا خطبہ ہے۔ جو لوگوں کو یکجا کرنے والا ہو تو وہاں سے چلے نہ جائیں جب تک کہ وہ کسی خاص عذر کے باعث آپ سے اجازت نہ لے لیں، (اے رسولِ معظم!) بیشک جو لوگ (آپ ہی کو حاکم اور مرجع سمجھ کر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھنے والے ہیں، پھر جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے جانے کی اجازت چاہیں تو آپ (حاکم و مختار ہیں) ان میں سے جسے چاہیں اجازت مرحمت فرما دیں اور ان کے لئے اپنی مجلس سے اجازت لے کر جانے پر بھی اللہ سے بخشش مانگیں (کہ کہیں اتنی بات پر بھی گرفت نہ ہو جائے)، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

سورہ نور آیت ۶۲ کے شان نزول کا بیان

عروہ بن محمد بن کعب قرظی اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب قریش غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں کی طرف بڑھے تو انہوں نے مدینہ میں بئر رومہ کے قریب مجمع اسیال کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ان کا قائد ابوسفیان تھا اور غطفان نے احد کی جانب نعمی مقام پر پڑاؤ ڈالا جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا جس میں آپ

نے بنفس نفیس بھر پور شرکت کی اور مسلمانوں نے بھی خوب محنت کی جبکہ منافقین نے سستی کا مظاہرہ کیا یہ تھوڑا سا کام کرتے اور پھر آپ کی لاعلمی میں بغیر اجازت کھسک جاتے۔

جب کسی مسلمان کو کوئی ضروری حاجت پیش آتی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کرتا اور آپ سے اپنی حاجت کے لیے اجازت طلب کرتا تو آپ اسے اجازت مرحمت فرما دیتے جب وہ اپنی حاجت پوری کر لیتا تو واپس آ جاتا۔ اللہ نے مومنین کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی۔(اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ) ۔(قرطبی 12۔321)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ
لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○
(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو، بیشک اللہ ایسے لوگوں کو جانتا ہے
جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں چپکے سے کھسک جاتے ہیں، پس وہ لوگ ڈریں جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے امر کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ انہیں کوئی آفت آ پہنچے گی یا ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا۔

نبی کریم ﷺ سے ادب کے ساتھ مخاطب ہونے کا بیان

"لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا" بِأَنْ تَقُولُوا یَا مُحَمَّد بَلْ قُولُوا : یَا نَبِیَّ اللَّه یَا رَسُول اللَّه فِی لِین وَتَوَاضُع وَخَفْض صَوْت "قَدْ یَعْلَم اللَّه الَّذِینَ یَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا" أَیْ یَخْرُجُونَ مِنَ الْمَسْجِد فِی الْخُطْبَة مِنْ غَیْر اسْتِئْذَان خُفْیَة مُسْتَتِرِینَ بِشَیْءٍ وَقَدْ لِلتَّحْقِیقِ "فَلْیَحْذَرْ الَّذِینَ یُخَالِفُونَ عَنْ أَمْره" أَیْ اللَّه وَرَسُوله "أَنْ تُصِیبهُمْ فِتْنَة" بَلَاء "أَوْ یُصِیبهُمْ عَذَاب أَلِیم" فِی الْآخِرَة

(اے مسلمانو!) تم رسول کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی مثل قرار نہ دو یعنی یا محمد ﷺ نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ ﷺ، یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر عرض کیا کرو۔ جو نرم ہلکی اور ادب والی آہستہ آواز کے ساتھ ہو۔(جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانا تمہارے باہمی بلاوے کی مثل نہیں تو خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمہاری مثل کیسے ہو سکتی ہے)، بیشک اللہ ایسے لوگوں کو (خوب) جانتا ہے جو تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ میں (دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے) چپکے سے کھسک جاتے ہیں، یعنی مسجد میں خطبہ کے وقت بغیر اجازت کے خفیہ اشارے کنائے سے نکل جاتے ہو۔ اور یہاں پر لفظ قد تحقیق کیلئے آیا ہے۔ پس وہ لوگ ڈریں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم یعنی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ انہیں کوئی آفت آ پہنچے گی یا آخرت میں ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا۔

حالت نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو جانے کا بیان

حضرت سعید بن معلیٰ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں ایک دن نماز ادا کر رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا: میں نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ص ﷺ میں نماز میں تھا اس لئے حاضر ہونے میں تاخیر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ جب تم کو اللہ کا رسول ﷺ بلائے تو فوراً اس کی خدمت میں پہنچو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قبل اس سے کہ میں مسجد سے جاؤں تم کو قرآن پاک کی ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو کہ ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑی ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر جانے لگے، میں نے یاد دہانی کرائی تو ارشاد ہوا کہ وہ الحمد کی سورت ہے اور اس میں سات آیات ہیں اس کو ہر رکعت میں پڑھتے ہیں ان آیات کو سبع مثانی کہتے ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1653)

نبی کریم ﷺ سے کلام و گفتگو کے وقت ادب کے فرض ہونے کا بیان

اس تفسیر کی بناء پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لے کر یا محمد ص ﷺ نہ کہو کہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ یا رسول اللہ ﷺ یا نبی اللہ ﷺ وغیرہ کہا کرو۔ اس کا حاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو یا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے۔ یہ حکم ایسا ہوگا جیسے سورہ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو، ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ گھر میں تشریف رکھتے ہوں تو باہر سے آواز دے کر نہ بلاؤ بلکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرو اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ میں اسی کا بیان ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ
اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۠ ۝
سن لو! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، یقیناً وہ جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور اس دن کو بھی جب
وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

زمین و آسمان میں سب اسی کی بادشاہت ہے

"أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا "قَدْ يَعْلَم مَا أَنْتُمْ " أَيُّهَا الْمُكَلَّفُونَ "عَلَيْهِ" مِنْ الْإِيمَان وَالنِّفَاق "وَ" يَعْلَم "يَوْم يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ" فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْخِطَاب أَيْ مَتَى يَكُون "فَيُنَبِّئُهُمْ" فِيهِ "بِمَا عَمِلُوا" مِنْ الْخَيْر وَالشَّرّ "وَاَللَّه بِكُلِّ شَيْء " مِنْ أَعْمَالهمْ وَغَيْرهَا

سن لو! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین بادشاہت، مخلوق اور غلام میں ہے، یقیناً وہ جانتا ہے اے اہل تکلف جس حال پر تم ہو خواہ ایمان کی ہے یا نفاق کی ہے۔اور اس دن کو بھی جب وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے، اس میں خطاب کی طرف التفات ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ انھوں نے اچھے یا برے اعمال کیے۔اور اللہ ہر چیز یعنی ان کے اعمال وغیرہ کو خوب جاننے والا ہے۔

وراد مغیرہ رضی اللہ عنہ کے منشی روایت کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک خط میں معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ لکھوایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے۔یعنی کوئی معبود نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے، ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی ہے بادشاہت اور اسی کیلئے ہے تعریف اور وہ ہر بات پر قادر ہے، اے اللہ جو کچھ تو دے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو چیز تو روک لے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کوشش والے کی کوشش تیرے سامنے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔اور شعبہ نے بھی عبدالملک سے ایسی ہی روایت کی ہے اور حسن بصری نے کہا جدی کہتے ہیں مالداری کو اور شعبہ نے اس حدیث میں حکم بن عتبہ سے انہوں نے قاسم بن مخیمرۃ سے انہوں وراد سے یہی روایت کیا ہے۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 814)

سورہ نور کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورہ نور کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکرادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃُ الْفُرْقَان

یہ قرآن مجید کی سورت فرقان ھے

سورت فرقان کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْفُرْقَان (مَكِّيَّة إِلَّا الْآيَات 68 و 69 و 70 فَمَدَنِيَّة وَآيَاتهَا 77 نَزَلَتْ بَعْد يس)

سورہ فرقان مکیہ ہے اس میں چھ رکوع اور ستتر آیات اور آٹھ سو بانوے کلمات اور تین ہزار سات سو تین حروف ہیں۔ یہ سورہ یٰسین کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ پوری سورت جمہور مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ حضرت ابن عباس وقتادہ نے تین آیتوں کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ مکی نہیں مدنی ہیں۔ باقی سورت مکی ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں کچھ آیات مکی ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فرقان، بیروت)

سورہ فرقان کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا نام فرقان ہے جو قرآن مجید کا نام بھی ہے۔ جس کا معنی حق اور باطل کے درمیان فرق کر دینا ہے۔ اس سورت کی پہلی آیت مبارکہ میں لفظ فرقان آیا ہے۔ اور یہ سورت اسی نام سے معروف ہے۔

سورہ فرقان کے زمانہ نزول کا بیان

اس کا زمانہ نزول بھی وہی ہے جو سورہ مومنون وغیرہ کا ہے، یعنی زمانہ قیام مکہ کا دور متوسط۔ ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن سلیمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت سورہ نساء سے 8 سال پہلے اتری تھی۔ اس حساب سے بھی اس کا زمانہ نزول وہی دور متوسط قرار پاتا ہے۔ (ابن جریر، جلد 19، صفحہ 28-30۔ تفسیر کبیر، جلد 6، صفحہ 358)

تَبٰـرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝
بڑی برکت والا ہے جس نے فیصلہ کرنے والا (قرآن) اپنے خاص بندے پر نازل فرمایا تا کہ وہ تمام
جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل کرنے والے برکت والے رب کا بیان

"تَبَارَكَ" تَعَالَى "الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَان" الْقُرْآن لِأَنَّهُ فَرَّقَ بَيْن الْحَقّ وَالْبَاطِل "عَلَى عَبْده" مُحَمَّد

"لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ" الْإِنْس وَالْجِنّ دُون الْمَلَائِكَة "نَذِيرًا" مُخَوِّفًا مِنْ عَذَاب اللّٰه

وہ اللہ بڑی برکت والا ہے جس نے حق و باطل میں فرق اور فیصلہ کرنے والا قرآن اپنے محبوب و مقرب بندے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا تا کہ وہ تمام جہانوں یعنی عالم انس و جن سوائے عالم ملائکہ کے، انہیں اللہ کے عذاب سے ڈر سنانے والا ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت کے عموم کا بیان

اس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومِ رسالت کا بیان ہے کہ آپ تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے جن ہوں یا بشر یا فرشتے یا دیگر مخلوقات سب آپ کے امتی ہیں کیونکہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں اس میں یہ سب داخل ہیں ملائکہ کو اس سے خارج کرنا جیسا کہ جلالین میں شیخ محلی سے اور کبیر میں امام رازی سے اور شعب الایمان میں بیہقی سے صادر ہوا بیدلیل ہے اور دعوی اجماع غیر ثابت چنانچہ امام سبکی و بازری و ابن حزم و سیوطی نے اس کا تعاقب کیا اور خود امام رازی کو تسلیم ہے کہ عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں پس وہ تمام خلق کو شامل ہے ملائکہ کو اس سے خارج کرنے پر کوئی دلیل نہیں علاوہ بریں مسلم شریف کی حدیث ہے "اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً" یعنی میں تمام خلق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ علامہ علی قاری نے مرقات میں اس کی شرح میں فرمایا یعنی تمام موجودات کی طرف جن ہوں یا انسان یا فرشتے یا حیوانات یا جمادات۔ اس مسئلہ کی کامل تنقیح و تحقیق شرح و بسط کے ساتھ امام قسطلانی کی مواہب لدنیہ میں ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فرقان، لاہور)

نِالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
فِي الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝
وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک
رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پورا اندازہ۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے

"الَّذِي لَهُ مُلْك السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَلَمْ يَتَّخِذ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيك فِي الْمُلْك وَخَلَقَ كُلّ شَيْء" مِنْ شَأْنه أَنْ يُخْلَق "فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا" سَوَّاهُ تَسْوِيَة

وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، جس کی شان مخلوق ہونا تھا۔ پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پورا اندازہ کیا۔

حضرت ابوموسی اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکلیف دہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والا کوئی نہیں، لوگ اس کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں وہ اس پر بھی (ان سے انتقام نہیں لیتا بلکہ) ان کو عافیت بخشتا ہے اور

روزی پہنچاتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 21)

رب قدوس کی ذات اس سے پاک اور بالاتر ہے کہ کوئی انسان اگر اپنے قول وفعل سے اس کو تکلیف پہنچانا ہے چاہے، تو وہ کامیاب ہو جائے یا کوئی آدمی اس کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے نقصان پہنچ جائے اس لئے یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ واقعی اس کو انسان کے قول فعل سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ صبر وتحمل کرتا ہے اور نہ اس حدیث کا مقصد اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اصل منشاء انسانی دل ودماغ کو جھنجوڑنا اور عقل وشعور کو بیدار کرنا ہے کہ جب اللہ کی اپنی بنائی ہوئی مخلوق اسی کے پیدا کئے ہوئے انسان اسی کے خزانہ قدرت سے مستفید ہونے والے لوگ اپنے قول وفعل سے اللہ کو ایذاء پہنچانے کے سامان تیار کرتے ہیں اس کو تکلیف دینے کا ادارہ کرتے ہیں جیسے اس کی نافرمانی کرنا اس کے احکام وہدایات اور اس کے دین کا مذاق اڑانا اور اس کی طرف ان چیزوں کی نسبت کرنا جن سے اس کی ذات بالکل پاک اور منزہ ہے مثلاً کسی کو اس کا جوڑا قرار دینا تو یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن پر اس کا غضب اگر بھڑک اٹھے تو نہ صرف ان لوگوں کا تمام نظام زندگی تباہ وبرباد کر کے رکھ دے بلکہ پوری کائنات کو ایک ہی لمحے میں نیست ونابود کر ڈالے۔ مگر اس کے برداشت وتحمل کو دیکھو کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے کے باوجود کوئی انتقامی کاروائی نہیں کرتا، کسی کی روٹی روزی بند نہیں کرتا، کسی کو زندگی کے وسائل وذرائع سے محروم نہیں کرتا، جس طرح اس کے نیک اور اطاعت گزار بندے اس کے فضل وکرم کے سایہ میں ہیں اسی طرح بدکار اور سرکش بندے بھی اس کے خزانہ رحمت سے پل رہے ہیں اس کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝
اور انھوں نے اس کے سوا کئی اور معبود بنا لیے، جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور اپنے لیے نہ
کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ کسی موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے اور نہ اٹھائے جانے کے۔

کفار کے جھوٹے معبودان کے پاس زندگی موت کا اختیار نہ ہونے کا بیان

"وَاتَّخَذُوا" أَيْ الْكُفَّار "مِنْ دُونه" أَيْ اللّٰه: أَيْ غَيْره "آلِهَة" هِيَ الْأَصْنَام "لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا" أَيْ دَفْعه "وَلَا نَفْعًا" أَيْ جَرّه "وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاة" أَيْ إمَاتَة لِأَحَدٍ وَإِحْيَاء لِأَحَدٍ "وَلَا نُشُورًا" أَيْ بَعْثًا لِلْأَمْوَاتِ

اور انھوں نے یعنی کفار نے اس کے سوا یعنی اللہ کے سوا کئی اور معبود بنا لیے، جو بت ہیں۔ جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور اپنے لیے نہ کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ نفع کے اور نہ کسی موت کے مالک ہیں اور نہ زندگی کے یعنی نہ کسی کو مارنے کا اور نہ کسی کو زندہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اور نہ اٹھائے جانے کے۔ یعنی مردوں کو زندہ کرنے کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ خالق، مالک، قادر، مختار، بادشاہ کو چھوڑ کر ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو ایک مچھر کا پر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ وہ خود اللہ کے بنائے ہوئے اور اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بھی کسی نفع نقصان کے پہنچانے کے مالک نہیں چہ جائیکہ دوسرے کا بھلا کریں یا دوسرے کا نقصان کریں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ
فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝
اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ محض افتراء ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے،
بیشک کافر ظلم اور جھوٹ پر آئے ہیں۔

کفار کا قرآن پر جھوٹ کا بہتان باندھنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا" اَیْ مَا الْقُرْاٰن "اِلَّا اِفْكٌ" كَذِب "افْتَرَاهُ" مُحَمَّد "وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْم آخَرُوْنَ" وَهُمْ مِنْ أَهْل الْكِتَاب "فَقَدْ جَاءُوْا ظُلْمًا وَزُوْرًا" كُفْرًا وَكَذِبًا : أَیْ بِهِمَا

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض افتراء ہے جس کو حضرت محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے اور اس کے گھڑنے پر دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے، اور وہ مدد کرنے والے اہل کتاب ہیں۔ بیشک کافر ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں۔

یہاں دوسری جہالت بیان ہو رہی ہے جو ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہم وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو تو اس نے اوروں کی مدد سے خود ہی جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ان کا ظلم اور جھوٹ ہے جس کے باطل ہونے کا خود انہیں بھی علم ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ خود اپنی معلومات کے بھی خلاف کہتے ہیں۔ کبھی ہانک لگانے لگتے ہیں کہ اگلی کتابوں کے قصے اس نے لکھوا لئے ہیں وہی صبح شام اس کی مجلس میں پڑھے جا رہے ہیں۔ یہ جھوٹ بھی وہ ہے جس میں کسی کو شک نہ ہو سکے اس لئے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے نبی امی تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا چالیس سال کی نبوت سے پہلے کی زندگی آپ کی انہی لوگوں میں گزر رہی تھی اور وہ اس طرح کہ اتنی مدت میں ایک واقعہ بھی آپ کی زندگی کا یا اک لمحہ بھی ایسا نہ تھا جس پر انگلی اٹھا سکے ایک ایک وصف آپ کا وہ تھا جس پر زمانہ شیدا تھا جس پر اہل مکہ رشک کرتے تھے آپ کی عام مقبولیت اور محبوبیت بلند اخلاق اور خوش معاملگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر ایک دل میں آپ کے لئے جگہ تھی۔ عام زبانیں آپ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم امین کے پیارے خطاب سے پکارتی تھیں دنیا آپ کے قدموں تلے آنکھیں بچھاتی تھی۔ کونسا دل تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر نہ ہو کون سی آنکھ تھی جس میں احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت نہ ہو؟ کون سا مجمع تھا جس کا ذکر خیر نہ ہو؟ کون وہ شخص تھا جو آپ کی بزرگی صداقت امانت نیکی اور بھلائی کا قائل نہ ہو؟ پھر جب کہ اللہ کی بلند ترین عزت سے آپ معزز کئے گئے آسمانی وحی کے آپ امین بنائے گئے تو صرف باپ دادوں کی روش کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ بیوقوف بے پیندے لوٹے کی طرح لڑھک گئے تھالی کے بینگن کی طرح

ادھر سے ادھر ہو گئے، لگے باتیں بنانے، اور عیب جوئی کرنے لیکن جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ کبھی آپ کو شاعر کہتے، کبھی ساحر، کبھی مجنوں اور کبھی کذاب، حیران تھے کہ کیا کہیں اور کس طرح اپنی جاہلانہ روش کو باقی رکھیں اور اپنے معبودان باطل کے جھنڈے اوندھے نہ ہونے دیں اور کس طرح ظلم کدہ دنیا کو نور الٰہی سے نہ جگمگانے دیں؟ اب انہیں جواب ملتا ہے کہ قرآن کی سچی حقائق پہ مبنی اور سچی خبریں اللہ کی دی ہوئی ہیں جو عالم الغیب ہے، جس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝

اورانھوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، جو اس نے لکھوالی ہیں، تو وہ پہلے اور پچھلے پہر اس پر پڑھی جاتی ہیں۔

قرآن کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دینے والے کفار کا بیان

"وَقَالُوا" أَيْضًا هُوَ "أَسَاطِير الْأَوَّلِينَ" أَكَاذِيبهمْ : جَمْع أُسْطُورَة بِالضَّمِّ "اكْتَتَبَهَا" انْتَسَخَهَا مِنْ ذَلِكَ الْقَوْم بِغَيْرِهِ "فَهِيَ تُمْلَى" تُقْرَأ "عَلَيْهِ" لِيَحْفَظَهَا "بُكْرَة وَأَصِيلًا" غُدْوَة وَعَشِيًّا قَالَ تَعَالَى رَدًّا عَلَيْهِمْ

اورانھوں نے قرآن کے بارے میں یہ بھی کہا یہ پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیاں ہیں، یہاں پر لفظ اساطیر یہ اسطورہ کی جمع ہے جو ضمہ کے ساتھ ہے۔ جو اس نے دوسری قوم وغیرہ سے لکھوالی ہیں، تو وہ پہلے اور پچھلے پہر اس پر پڑھی جاتی ہیں۔ تاکہ اس کو محفوظ کرلیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

ان ظالموں کا قرآن حکیم کے بارے میں کہنا تھا کہ یہ کوئی خدائی کلام نہیں جیسا کہ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے، بلکہ یہ پہلے لوگوں کے قصے اور ان کے افسانے ہیں، جو ان کی فرمائش پر کچھ لوگ ان کو لکھ کر دے دیتے ہیں، اور وہ صبح وشام ان پر پیش کئے جاتے ہیں، جن کو یہ شخص خدائی کلام کہہ کر آگے پیش کرتا ہے۔ اِكْتَتَبَ فَلَانٌ کے معنی اہل لغت اس طرح کرتے ہیں اَیْ سَالَهٗ، اَنْ یَّكْتُبَ لَهٗ، یعنی اس نے اس سے فرمائش اور درخواست کی کہ وہ اسکے لئے لکھ دے، سو ان بدبختوں کا قرآن حکیم کے بارے میں کہنا تھا کہ یہ شخص دوسروں سے لکھوائی گئی باتوں کو ہمارے سامنے وحی الٰہی کے نام سے پیش کرتا ہے، پس اسکی باتوں میں آنے کی اور اسکے پیش کردہ اس کلام اور اسکی تاثیر سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

فرمادیجئے: اس (قرآن) کو اس نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین میں تمام رازوں کو جانتا ہے، بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

زمین وآسمان کے پوشیدہ رازوں کو جاننے والے کا قرآن کو نازل کرنا

"قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَم السِّرّ" الْغَيْب "فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض إنَّهُ كَانَ غَفُورًا" لِلْمُؤْمِنِينَ "رَحِيمًا"

فرمادیجئے: اس قرآن کو اس اللہ نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین میں موجود تمام رازوں کو جانتا ہے، بیشک وہ بڑا بخشنے والا، ان کے ساتھ مہربان ہے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ کلام خود اس کا شاہد ہے کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ذات پاک حق تعالیٰ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کے سب خفیہ رازوں سے واقف و باخبر ہے۔ اسی لئے قرآن کو ایک کلام معجز بنایا اور ساری دنیا کو چیلنج کیا کہ اگر اس کو تم خدا کا کلام نہیں مانتے کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو اس جیسا کلام زیادہ نہیں تو ایک سورۃ بلکہ ایک آیت ہی بنا کر دکھلا دو۔ یہ چیلنج جس کا جواب دینا عرب کے فصیح و بلیغ لوگوں کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں مگر انہوں نے اس سے راہ فرار اختیار کی۔ کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کی ایک آیت کے مقابلہ میں اس جیسی دوسری آیت لکھ لائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنا مال و متاع بلکہ اپنی اولاد اور اپنی جان تک خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ یہ مختصری بات نہ کر سکے کہ قرآن کی مثل ایک سورت لکھ لاتے یہ دلیل واضح اس امر کی ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں، ورنہ دوسرے انسان بھی ایسا کلام لکھ سکتے، صرف اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہی کا ہے۔ علاوہ فصاحت و بلاغت کے اس کے تمام معانی و مضامین بھی ایسے علوم پر مشتمل ہیں جو اس ذات کی طرف سے ہو سکتے ہیں جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْلَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝
اور وہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں
نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے ساتھ ڈر سنانے والا ہوتا۔

رسول مکرم ﷺ کو بشری تقاضوں میں دیکھ کر انکار کا بیان

"وَقَالُوا مَال هَذَا الرَّسُول يَأْكُل الطَّعَام وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاق لَوْلَا" هَلَّا "أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَك فَيَكُون مَعَهُ نَذِيرًا" يُصَدِّقهُ

اور وہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے ساتھ مل کر ڈر سنانے والا ہوتا۔ جو آپ کی تصدیق کرتا۔

انکار رسالت میں کفار کے اجتماعی نظریے کا بیان

کفار کے اس نظریے کو بیان کیا جا رہا ہے کہ رسول کی رسالت کی انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ اور بازاروں میں تجارت اور لین دین کے لئے آتا جاتا کیوں ہے؟ اس کے ساتھ ہی کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ کہ وہ اس کے دعوے کی تصدیق کرتا اور لوگوں کو اس کے دین کی طرف بلاتا اور عذاب الٰہی سے آگاہ کرتا۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا کہ

آیت (فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ، الزخرف:53)، اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے؟ یا اس کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے۔ چونکہ دل ان تمام کافروں کے یکساں ہیں۔

اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○
یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھایا کرتا اور ظالم لوگ سے کہتے ہیں کہ
تم تو محض ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

کفار کا انبیائے کرام کی تعلیمات کو جادو کہہ کر انکار کر دینے کا بیان

"اَوْ یُلْقٰی اِلَیْہِ کَنْز" مِنَ السَّمَاء یُنْفِقهُ وَلَا یَحْتَاج اِلَی الْمَشْی فِی الْاَسْوَاق لِطَلَبِ الْمَعَاش "اَوْ تَکُون لَہٗ جَنَّۃ" بُسْتَان "یَاْکُل مِنْھَا" اَیْ مِنْ ثِمَارهَا فَیَکْتَفِی بِھَا وَفِی قِرَاءَۃ نَاْکُل بِالنُّوْنِ : اَیْ نَحْنُ فَیَکُون لَہٗ مَزِیَّۃ عَلَیْنَا بِھَا "وَقَالَ الظَّالِمُونَ" اَیْ الْکَافِرُونَ لِلْمُؤْمِنِینَ "اِنْ" مَا "تَتَّبِعُونَ اِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا" مَخْدُوعًا مَغْلُوبًا عَلَی عَقْلِه

یا اس کی طرف کوئی خزانہ آسمان سے اتار دیا جاتا جس کو وہ خرچ کرتا اور طلب معاش کیلئے بازاروں میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس کے پھلوں سے وہ کھایا کرتا پس وہ اس کے لئے کافی ہوتا۔ یہاں پر ایک قرأت میں ناکل نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس کی وجہ ہم انہیں اپنے اوپر فوقیت دیتے۔ اور ظالم لوگ یعنی کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم تو محض ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔ یعنی ان کی عقل پر فریب کا غلبہ ہے۔ (نعوذ باللہ)

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں۔ کبھی دعوے کرتے ہیں کہ انہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لیے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہِ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔

اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ○
(اے حبیب مکرّم!) ملاحظہ فرمائیے یہ لوگ آپ کے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں پس یہ گمراہ ہو چکے ہیں
سو یہ کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

گمراہ لوگوں کی بیان کردہ مثالوں کا بیان

"اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوا لَکَ الْاَمْثَال" بِالْمَسْحُورِ وَالْمُحْتَاج اِلَی مَا یُنْفِقهُ وَاِلَی مَلَک یَقُوم مَعَهُ بِالْاَمْرِ "فَضَلُّوا" بِذٰلِکَ عَنِ الْهُدَی "فَلَا یَسْتَطِیعُونَ سَبِیلًا" طَرِیقًا اِلَیْهِ

(اے حبیب مکرم!) ملاحظہ فرمایئے یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں یعنی مسحور اور خرچ کی طرف محتاج ہونے کی اور آپ کے ساتھ فرشتہ ہونے کی مثال ہے۔ پس یہ ہدایت سے گمراہ ہو چکے ہیں پس یہ ہدایت کا کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے جو کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے کبھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن اس نے خود ہی تصنیف کر ڈالا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں دوسروں سے بھی مدد لیتا ہے۔ کبھی آپ کو کاہن کہتے ہیں، کبھی شاعر، کبھی ساحر، جادوگر اور کبھی مسحور۔ پھر کہیں یہ کہتے ہیں کہ اسے فرشتہ ہونا چاہئے تھا۔ کبھی کہتے ہیں کہ اگر بشر ہی تھا تو کم از کم اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہی رہا کرتا۔ کبھی یہ اس نبی کے پاس مال و دولت کی کثرت ہونا چاہئے تھی۔ یہ سب باتیں دراصل ان کے دعوت حق کو قبول نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ ہٹ دھرمی اور تعصب نے ان کو اندھا کر رکھا ہے اور ایسی بے تکی باتیں بنانے پر مجبور کر رکھا ہے۔ ان کی ان باتوں کی حیثیت "خوئے بدرا بہانہ بسیار" سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ ان کی ایسی ہٹ دھرمی کی باتوں سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ دعوت حق کو کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ اور ان کے یہ مطالبات اور اعتراضات محض شرارت اور تنگ کرنے کی بنا پر ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ○
بہت برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تیرے لیے اس سے بھی بہتر بنا دے ایسے باغات جن کے نیچے سے نہریں
چلتی ہیں اور تیرے لیے کئی محل بنا دے۔

اللہ چاہے تو دنیا میں جنتی نہروں کو جاری کر دے

"تَبَارَكَ" تَكَاثَرَ خَيْر "الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ" الَّذِي قَالُوهُ مِنْ الْكَنْز وَالْبُسْتَان "جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار" أَيْ فِي الدُّنْيَا لِأَنَّهُ شَاءَ أَنْ يُعْطِيَهُ إِيَّاهَا فِي الْآخِرَة "وَيَجْعَل" بِالْجَزْمِ "لَك قُصُورًا" أَيْضًا وَفِي قِرَاءَة بِالرَّفْعِ اسْتِئْنَافًا

یہاں پر لفظ تبارک کا معنی کثرت برکت والا ہونا ہے۔ بہت برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو آپ لیے اس سے بھی بہتر بنا دے۔ یعنی جو انہوں نے خزانہ اور باغات کا کہا ہے۔ ایسے باغات جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں یعنی وہ چاہے تو دنیا میں ہی ایسا کر دے لیکن وہ یہ چیزیں آخرت میں عطا فرمائے گا۔ اور آپ کے لیے کئی محل بنا دے۔ یہاں پر لفظ یجعل لام کلمہ کے جزم کے ساتھ آیا ہے اور جملہ مستانفہ ہونے کی صورت میں مرفوع بھی آیا ہے۔

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

ابھی دنیا میں عطا کردے۔لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق وصداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔باقی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لیے جو دلائل ومعجزات پیش کیے جاچکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ
مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝
بلکہ انھوں نے قیامت کو جھٹلا دیا اور ہم نے اس کے لیے جو قیامت کو جھٹلائے ،ایک بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔
جب وہ دور کی جگہ سے ان کے سامنے ہوگی یہ اس کے جوش مارنے اور چنگھاڑنے کی آواز کو سنیں گے۔

قیامت کے دن کفار کیلئے سخت آگ ہونے کا بیان

"بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ" الْقِيَامَة "وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا " نَارًا مُسَعَّرَة : أَيْ مُشْتَدَّة، "إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَان بَعِيد سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا " غَلَيَانًا كَالْغَضْبَانِ إِذَا غَلَى صَدْره مِنْ الْغَضَب "وَزَفِيرًا" صَوْتًا شَدِيدًا أَوْ سَمَاع التَّغَيُّظ رُؤْيَته وَعِلْمه،

بلکہ انھوں نے قیامت کو جھٹلا دیا اور ہم نے اس کے لیے جو قیامت کو جھٹلائے ،ایک بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔یعنی سخت آگ تیار کر رکھی ہے۔جب وہ آتشِ دوزخ جو دور کی جگہ سے ہی ان کے سامنے ہوگی یہ اس کے جوش مارنے یعنی تب وہ جوش مارے گی جب اس کے سینے میں غضب ہوگا۔اور چنگھاڑنے کی آواز کو سنیں گے۔اور زفیر اس آواز کو کہتے ہیں جو غصے کے وقت سن کر غصہ دیکھا اور معلوم کیا جائے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن (یعنی قیامت کے دن) دوزخ کو (اس جگہ سے کہ جہاں اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے) لایا جائے گا اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے متعین ہوں گے جو اس کو کھینچے ہوئے لائیں گے۔(رواہ مسلم،مشکوۃ شریف:جلد پنجم:حدیث نمبر 231)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دوزخ کو لاکھوں فرشتے اس کی جگہ سے کھینچ کر محشر والوں کے سامنے لائیں گے اور ایسی جگہ رکھ دینگے کہ وہ اہل محشر اور جنت کے درمیان حائل ہو جائے گی اور جنت تک جانے کے لئے اس پل صراط کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا جو دوزخ کی پیٹھ پر رکھا ہوگا دوزخ جو ستر ہزار باگیں ہوں گی ان کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ جب لائی جائے گی تو اہل دوزخ پر اپنی غضب ناکی کا اظہار کر رہی ہوگی اور چاہے گی سب وہ نگل لے اور ہڑپ کر جائے پس نگہبان فرشتے اس کو انہیں باگوں کے ذریعہ روکیں گے اگر اس کی باگیں چھوڑ دی جائیں اور اس کو حملہ آور ہونے سے باز نہ رکھا جائے تو وہ مومن اور کافر سب کو چٹ کر جائے۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا○ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا○

اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں کے ساتھ جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے اس وقت وہ ہلاکت کو پکاریں گے۔

آج ایک ہلاکت کو مت پکارو، بلکہ بہت زیادہ ہلاکتوں کو پکارو۔

قیامت کے دن کفار کا ہلاکت کو پکارنے کا بیان

"وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف بِأَنْ يُضَيَّق عَلَيْهِمْ وَمِنْهَا حَال مِنْ مَكَانًا لِأَنَّهُ فِي الْأَصْل صِفَة لَهُ "مُقَرَّنِينَ" مُصَفَّدِينَ قَدْ قُرِنَتْ : أَيْ جُمِعَتْ أَيْدِيهمْ إلَى أَعْنَاقهمْ فِي الْأَغْلَال وَالتَّشْدِيد لِلتَّكْثِيرِ "دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا" هَلَاكًا فَيُقَال لَهُمْ "لَا تَدْعُوا الْيَوْم ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا" كَعَذَابِكُمْ،

اور جب وہ اس میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے یہاں پر لفظ ضیقا یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔اور یہ کہ مکانا سے حال ہے کیونکہ یہ اصل میں اسی کی صفت ہے۔مقرنین یعنی ان کے ہاتھوں کو گردنوں کے ساتھ باندھا ہوا ہوگا۔اور تشدید کی صورت میں کثرت کا معنی ہے۔جہنم میں ڈالے جائیں گے اس وقت وہ اپنی ہلاکت کو پکاریں گے۔تو انہیں کہا جائے گا آج ایک ہلاکت کو مت پکارو، بلکہ بہت زیادہ ہلاکتوں کو پکارو۔جس طرح تمہارا عذاب ہے۔

مسند احمد میں ہے سب سے پہلے ابلیس کو جہنمی لباس پہنایا جائے گا یہ اسے اپنی پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا ہوا اپنی ذریت کو پیچھے لگائے ہوئے موت و ہلاکت کو پکارتا ہوا دوڑتا پھرے گا۔اس کے ساتھ ہی اس کی اولاد بھی سب حسرت وافسوس،موت وغارت کو پکار رہی ہوگی۔اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا۔ثبور سے مراد موت،ویل،حسرت،خسارہ،بربادی وغیرہ ہے۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا○

فرما دیجئے: کیا یہ بہتر ہے یا دائمی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے۔

اہل تقویٰ کیلئے جنت خلد کے وعدے کا بیان

"قُلْ أَذَلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ الْوَعِيد وَصِفَة النَّار "خَيْر أَمْ جَنَّة الْخُلْد الَّتِي وُعِدَ" وُعِدَهَا "الْمُتَّقُونَ كَانَتْ لَهُمْ" فِي عِلْمه تَعَالَى "جَزَاء" ثَوَابًا "وَمَصِيرًا" مَرْجِعًا

فرما دیجئے: کیا یہ ذکر کردہ وعید اور جہنم کی آگ والی حالت بہتر ہے یا دائمی جنت کی زندگی جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے، یعنی ان کی جزاء وعدہ اللہ کے علم میں ہے۔یہ ان کے اعمال کی جزا اور ٹھکانا ہے۔

پھر فرماتا ہے بتلاؤ یہ اچھے ہیں یا وہ؟ جو دنیا میں گناہوں سے بچتے رہے اللہ کا ڈر دل میں رکھتے رہے اور آج اس کے بدلے اپنے اصلی ٹھکانے پہنچ گئے یعنی جنت میں جہاں من مانی نعمتیں ابدی لذتیں دائمی مسرتیں ان کے لئے موجود ہیں عمدہ کھانے، اچھے بچھونے، بہترین سواریاں، پر تکلف لباس بہتر بہتر مکانات، بنی سنوری پاکیزہ حوریں، راحت افزا منظر، ان کے لئے مہیا ہیں جہاں تک کسی کی نگاہیں تو کہاں خیالات بھی نہیں پہنچ سکتے۔ نہ ان راحتوں کے بیانات کسی کان میں پہنچے۔ پھر ان کے کم ہو جانے، خراب ہو جانے، ٹوٹ جانے، ختم ہو جانے، کا بھی کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی وہاں سے نکالے جائیں نہ وہ نعمتیں کم ہوں۔ لازوال، بہترین زندگی، ابدی رحمت، دوامی کی دولت انہیں مل گئی اور ان کی ہو گئی۔ یہ رب کا احسان وانعام ہے جو ان پر ہوا اور جس کے یہ مستحق تھے۔ رب کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے ذمے کرلیا ہے جو ہو کر رہنے والا ہے جس کا عدم ایفا ناممکن ہے، جس کا غلط ہونا محال ہے۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ○
ان کے لیے اس میں جو چاہیں گے ہوگا، ہمیشہ رہنے والے، یہ تیرے رب کے ذمے ہو چکا، ایسا وعدہ جو قابل طلب ہے۔

اہل جنت جو چاہیں گے وہی ملے گا

"لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ" حَال لَازِمَة "كَانَ" وَعْدهمْ مَا ذُكِرَ "عَلَى رَبّك وَعْدًا مَسْئُولًا" يَسْأَلهُ مَنْ وُعِدَ بِهِ "رَبّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتنَا عَلَى رُسُلك" أَوْ تَسْأَلهُ لَهُمْ الْمَلَائِكَة "رَبّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّات عَدْن الَّتِي وَعَدْتهمْ"

ان کے لیے اس میں جو چاہیں گے ہوگا، ہمیشہ رہنے والے، یہاں پر خالدین یہ حال لازمہ ہے۔ یہ تیرے رب کے ذمے ہو چکا، ایسا وعدہ جو قابل طلب ہے۔ یعنی اس نے جو وعدہ کیا اس سے طلب کیا جائے۔ جس طرح یہ دعائیں ہیں۔ "رَبّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتنَا عَلَى رُسُلك" أَوْ تَسْأَلهُ لَهُمْ الْمَلَائِكَة "رَبّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّات عَدْن الَّتِي وَعَدْتهمْ"

اس سے اس کے وعدے کے پورا کرنے کا سوال کرو، اس سے جنت طلب کرو، اسے اس کا وعدہ یاد دلاؤ۔ یہ بھی اس کا فضل ہے کہ اس کے فرشتے اس سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ رب العالمین مومن بندوں سے جو تیرا وعدہ ہے اسے پورا کر اور انہیں جنت عدن میں لے جا۔

یعنی ایمانداروں اور پرہیزگاروں سے اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ وہ انہیں جنت عطا فرمائے گا۔ اس جنت میں وہ جو کچھ بھی خواہش کریں گے انہیں مہیا کی جائے گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں قیام پذیر رہیں گے۔ یہ ایک ہی وعدہ کے تین اجزاء ہوئے اور اس وعدہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اس کے لئے اللہ سے دعا مانگتے رہا کریں اور جنت کا مطالبہ کرتے رہا کریں۔ جیسا کہ مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی گئی۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

عِبَادِیْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ○

اور جس دن وہ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، اکٹھا کرے گا، پھر کہے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا،

یا وہ خود راستے سے بھٹک گئے تھے؟

قیامت کے دن پوجا کرنے والوں کو ان کے معبودوں سمیت لائے جانے کا بیان

"وَيَوْم يَحْشُرهُمْ" بِالنُّونِ وَالتَّحْتَانِيَّة "وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره مِنْ الْمَلَائِكَة وَعِيسَى وَعُزَيْر وَالْجِنّ "فَيَقُول" تَعَالَى بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالنُّون لِلْمَعْبُودِينَ إِثْبَاتًا لِلْحُجَّةِ عَلَى الْعَابِدِينَ "أَأَنْتُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه "أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ" أَوْقَعْتُمُوهُمْ فِي الضَّلَال بِأَمْرِكُمْ إِيَّاهُمْ بِعِبَادَتِكُمْ "أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيل" طَرِيق الْحَقّ بِأَنْفُسِهِمْ

یہاں پر یحشر یہ نون اور یاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور جس دن وہ انہیں اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، یعنی جو فرشتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں یا جو جنات تھے۔ اکٹھا کرے گا، پھر کہے گا، یہاں یقول نون کے ساتھ اور یاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ان کے معبودوں کو اس لئے لایا جائے گا تا کہ ان پوجا کرنے والوں پر حجت کو مکمل کیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا، یا وہ خود راستے سے بھٹک گئے تھے؟ یعنی انہوں نے خود حق کا راستہ چھوڑا تھا؟ یہاں پر أأنتم میں دونوں ہمزوں کے تحقق اور دوسرے کو الف سے بدل گیا اور دونوں کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں کے درمیان الف تسہیلیہ کا داخل کیا گیا اور داخل نہیں بھی کیا گیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہم نے عرض نے کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم لوگ اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے، آپ نے فرمایا کیا تمہیں آفتاب و ماہتاب کے دیکھنے میں جب کہ آسمان صاف ہو کوئی تکلیف ہوتی ہے، ہم نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کہ اس دن تمہیں اپنے پروردگار کے دیکھنے میں اتنی ہی تکلیف ہوگی جتنی کہ ان دنوں آفتاب و ماہتاب کے دیکھنے میں ہوتی ہے پھر آپ نے فرمایا کہ ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ہر جماعت کے لوگ ان کی طرف چلے جائیں، جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے، صلیب والے اپنی صلیب کے ساتھ اور بتوں کے پوجنے والے اپنے بتوں کے ساتھ اور ہر معبود والے اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہوں یہاں تک کہ وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ وہ نیکوکار ہوں یا بدکار اور اہل کتاب کے بھی کچھ لوگ باقی ماندہ لوگ ہونگے، پھر وہ دوزخ ان کے سامنے پیش کی جائے گی جو سراب کی طرح نظر آئے گی، یہود سے پوچھا جائے گا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے عزیر ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے، انہیں کہا جائے گا کہ تم نے

جھوٹ کہا اللہ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی اولاد، اب تم کیا چاہتے ہو، وہ کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں پانی پلا دیں، کہا جائے گا کہ پی لو، پھر وہ دوزخ میں گر جائیں گے، پھر نصاریٰ سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے جواب دیں گے کہ مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے تھے، کہا جائے گا تم نے جھوٹ کہا، اللہ کی نہ تو بیوی ہے نہ اولاد، اچھا اب کیا چاہتے ہو جواب دیں گے کہ ہم پانی پینا چاہتے ہیں، کہا جائے گے کہ پی لو، پھر وہ دوزخ میں گر جائیں گے، الی آخرہ۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2333)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ
وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ○
وہ کہیں گے تو پاک ہے، ہمارے لائق نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی بھی طرح کے دوست بناتے اور لیکن تو نے انہیں
اور ان کے باپ دادا کو سامان دیا، یہاں تک کہ وہ یاد کو بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

قیامت کے دن معبودان باطلہ کا اپنی برأت کا اظہار کر دینے کا بیان

"قَالُوا سُبْحَانك" تَنْزِيهًا لَك عَمَّا لَا يَلِيق بِك "مَا كَانَ يَنْبَغِي" يَسْتَقِيم "لَنَا أَنْ نَتَّخِذ مِنْ دُونك" أَيْ غَيْرك "مِنْ أَوْلِيَاء" مَفْعُول أَوَّل وَمِنْ زَائِدَة لِتَأْكِيدِ النَّفْي وَمَا قَبْله الثَّانِي فَكَيْفَ نَأْمُر بِعِبَادَتِنَا ؟ "وَلَكِنْ مَتَّعْتهمْ وَآبَاءَهُمْ" مِنْ قَبْلهمْ بِإِطَالَةِ الْعُمُر وَسَعَة الرِّزْق "حَتَّى نَسُوا الذِّكْر" تَرَكُوا الْمَوْعِظَة وَالْإِيمَان بِالْقُرْآنِ "وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا" هَلْكَى

وہ کہیں گے تو پاک ہے، یعنی تو ہر اس چیز سے پاک ہے جو تیری شان کے لائق نہیں۔ ہمارے لائق نہ تھا کہ ہم تیرے سوا کسی بھی طرح کے دوست بناتے، یہاں لفظ اولیاء یہ مفعول اول ہے اور من ماقبل کی تاکید نفی کے طور پر زائدہ ہے۔ یعنی ہم کیسے اپنی عبادت کا حکم دے سکتے ہیں؟ اور لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ دادا کو سامان دیا، یعنی لمبی عمر اور رزق میں وسعت دی۔ یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے لہٰذا انہوں نے ایمان بہ قرآن اور نصیحت کو چھوڑ دیا۔ اور وہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

یہاں تک کہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ وہ نیکوکار ہوں یا بدکار، ان سے کہا جائے گا کہ اور لوگ تو جا چکے تم کو کس چیز نے روک رکھا ہے؟ وہ کہیں گے ہم اس وقت جدا ہو گئے تھے جب کہ ہمیں ان کی زیادہ ضرورت تھی اور ہم نے ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا کہ ہر جماعت کے لوگ اس کے ساتھ ہو جائیں گے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ہم اپنے رب کا انتظار کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ ان کے سامنے اس صورت کے علاوہ آئے گا جس میں پہلی بار انہوں نے دیکھا ہو گا، اللہ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے کہ تو ہمارا رب ہے اس دن انبیاء کے علاوہ کوئی بات نہ کر سکے گا، اللہ فرمائے گا کیا تم کو اس کی کوئی نشانی معلوم ہے جس تم اسے پہچان سکو وہ کہیں گے وہ پنڈلی ہے اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا، اس کو دیکھ کر ہر مومن سجدہ میں گر پڑے گا وہ لوگ رہ جائیں گے جو ریا و شہرت کی غرض سے اللہ کو سجدہ کیا کرتے تھے، وہ چاہیں گے کہ سجدہ کریں لیکن ان کی پیٹھ

ایک تختہ کی طرح ہو جائی گی، پھر پل صراط لایا جائے گا۔ الی آخرہ۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2333)

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ○
پس انہوں نے ان باتوں میں تمہیں جھٹلا دیا ہے جو تم کہتے تھے پس تم نہ تو عذاب پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ مدد کی،
اور تم میں سے جو شخص ظلم کرتا ہے ہم اسے بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

معبودان باطلہ کا اپنے عابدین کو جھٹلا دینے کا بیان

"فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ" أَيْ كَذَّبَ الْمَعْبُودُونَ الْعَابِدِينَ "بِمَا تَقُولُونَ" بِالْفَوْقَانِيَّةِ أَنَّهُمْ آلِهَة "فَمَا يَسْتَطِيعُونَ" بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَالْفَوْقَانِيَّة : أَيْ لَا هُمْ وَلَا أَنْتُمْ "صَرْفًا" دَفْعًا لِلْعَذَابِ عَنْكُمْ "وَلَا نَصْرًا" مَنْعًا لَكُمْ مِنْهُ "وَمَنْ يَظْلِم" يُشْرِك "مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا" شَدِيدًا فِي الْآخِرَة

پس انہوں نے یعنی معبودان باطلہ اوران کے عابدین نے ان باتوں میں تمہیں جھٹلا دیا ہے جو تم کہتے تھے یہاں تقولون تائے فوقانیہ کے ساتھ آیا ہے کہ وہ معبود ہیں۔ پس اب تم نہ تو عذاب پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو یہاں پر یستطیعون یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی نہ وہ اور نہ تم، اور نہ ہی عذاب روکنے میں اپنی مدد کی، اور سن لو! تم میں سے جو شخص بھی ظلم یعنی شرک کرتا ہے ہم اسے بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جو آخرت میں سخت ہوگا۔

یعنی آج تم یہ کہتے ہو کہ اگر قیامت ہوئی بھی تو تمہارے یہ معبود وہاں بھی تمہارے کام آئیں گے اور اگر عذاب کی کوئی بات ہوئی تو یہ چھڑا لیں گے۔ مگر اس دن تمہارے یہی معبود جن کی اعانت پر تمہیں بھروسا تھا۔ تم سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور یہ کہہ کر تمہیں جھٹلا دیں گے کہ ہم نے کب ان سے کہا تھا کہ تم ہماری عبادت کیا کرنا۔ اس طرح معبود تو بری الذمہ ہو جائیں گے اور سارا بوجھ ان کے عبادت کرنے والوں پر پڑ جائے گا۔ جن کی عذاب سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ○
اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا یقیناً کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور ہم نے
تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے، کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔

انبیائے کرام کے بشری تقاضوں کو آڑ بنا کر ان پر ایمان نہ لانے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلك مِنْ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَام وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاق" فَأَنْتَ مِثْلهمْ فِي ذَلِكَ وَقَدْ قِيلَ لَهُمْ مِثْل مَا قِيلَ لَك "وَجَعَلْنَا بَعْضكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَة" بَلِيَّة ابْتُلِيَ الْغَنِيّ بِالْفَقِيرِ

وَالصَّحِيحِ بِالْمَرِيضِ وَالشَّرِيفِ بِالْوَضِيعِ يَقُولُ الثَّانِي فِي كُلِّ : مَا لِي لَا أَكُونَ كَالْأَوَّلِ فِي كُلِّ "أَتَصْبِرُونَ" عَلَى مَا تَسْمَعُونَ مِمَّنْ ابْتُلِيتُمْ بِهِمْ اسْتِفْهَام بِمَعْنَى الْأَمْر : أَيْ اصْبِرُوا "وَكَانَ رَبّك بَصِيرًا" بِمَنْ يَصْبِر وَبِمَنْ يَجْزَع

اور ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر یہ کہ وہ کھانا بھی یقیناً کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی حسب ضرورت چلتے پھرتے تھے پس آپ انہی کی طرح ہیں۔اور آپ سے وہی کچھ کہا جارہا جوان سے کہا گیا تھا۔اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے،یعنی غنی کو فقیر سے اور تندرست کو مریض اور شریف کو خبیث سے ان میں سے دوسرا ہر بات میں یہی کہے گا کہ کیا بات میں پہلے شخص کی طرح نہیں ہوں۔کیا تم آزمائش پر صبر کرو گے؟ یعنی آزمائش کے متعلق تم جو کچھ سنو گے اور یہاں استفہام امر کے معنی میں ہے۔یعنی صبر کرو۔اور آپ کا رب خوب دیکھنے والا ہے۔کہ کون صبر کرتا ہے اور کون صبر سے کام نہیں لیتا۔

سورہ فرقان آیت ۲۰ کے شان نزول کا بیان

شُرَ فا جب اسلام لانے کا قصد کرتے تھے تو غُرَ با کو دیکھ کر یہ خیال کرتے کہ یہ ہم سے پہلے اسلام لا چکے ان کو ہم پر ایک فضیلت رہے گی بایں خیال وہ اسلام سے باز رہتے اور شُرَ فا کے لئے غُرَ با آزمائش بن جاتے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوجہل و ولید بن عقبہ اور عاص بن وائل سہمی اور نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی ان لوگوں نے حضرت ابوذر و ابن مسعود و عمار ابن یاسر و بلال وصہیب و عامر بن فہیرہ کو دیکھا کہ پہلے سے اسلام لائے ہیں تو غرور سے کہا کہ ہم بھی اسلام لے آئیں تو انہیں جیسے ہو جائیں گے تو ہم میں اور ان میں فرق کیا رہ جائے گا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت فُقَراء مسلمین کی آزمائش میں نازل ہوئی جن کا کفار قریش استہزاء کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِتّباع کرنے والے یہ لوگ ہیں جو ہمارے غلام اور ارذل ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور ان مؤمنین سے فرمایا۔(تفسیر خازن،سورہ فرقان،بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو محتاجی کا عار دلایا اور کہا اس رسول کو کیا ہو گیا ہے کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں طلب معاش کے لیے پھرتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو اس سے بے حد صدمہ ہوا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ)

(سیوطی205،طبری18۔145)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ○
اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو
(اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے (تو پھر ضرور ایمان لے آتے)،حقیقت میں یہ لوگ اپنے دلوں میں (اپنے آپ کو)

بہت بڑا سمجھنے لگے ہیں اور حد سے بڑھ کر سرکشی کر رہے ہیں۔

آخرت کی ملاقات کی امید نہ رکھنے والے کفار کا بیان

"وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا" لَا يَخَافُونَ الْبَعْث "لَوْلَا" هَلَّا "أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَة" فَكَانُوا رُسُلًا إِلَيْنَا "أَوْ نَرَى رَبَّنَا" فَنُخْبَر بِأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوله "لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا" تَكَبَّرُوا "فِي" شَأْن "أَنْفُسهمْ وَعَتَوْا" طَغَوْا "عُتُوًّا كَبِيرًا" بِطَلَبِهِمْ رُؤْيَة اللَّه تَعَالَى فِي الدُّنْيَا وَعَتَوْا بِالْوَاوِ عَلَى أَصْلِهِ بِخِلَافِ عِتِيّ بِالْإِبْدَالِ فِي مَرْيَم

اور جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں یعنی وہ بعث سے نہیں ڈرتے۔ کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے یا ہم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے جو ہمیں حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے کی خبر دیتا۔ (تو پھر ضرور ایمان لے آتے)، حقیقت میں یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے ہیں اور حد سے بڑھ کر سرکشی کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کر دیا ہے۔ اور یہاں پر لفظ عتوا یہ واؤ کے ساتھ اپنی اصل کے ساتھ بہ خلاف عتی کے آیا ہے۔ کیونکہ سورہ مریم ابدال کے ساتھ آیا ہے۔ بعض نے کہا مراد اس سے قیامت کے دن فرشتوں کا دیکھنا ہو سکتا ہے کہ دونوں موقعوں پر فرشتوں کا دیکھنا مراد ہو اس میں ایک قول کی دوسرے قول سے نفی نہیں کیونکہ دونوں ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھیں گے مومنوں کو رحمت و رضوان کی خوشخبری کے ساتھ فرشتوں کا دیدار ہوگا اور کافروں کو لعنت و پھٹکار اور عذابوں کی خبروں کے ساتھ فرشتے اس وقت ان کافروں سے صاف کہہ دیں گے کہ اب فلاح و بہبود تم پر حرام ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اسے ملنا پسند نہیں کرتا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ جب مومن کو اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن جب کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ کی ملاقات سے گریز کرتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1065)

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝
جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے خوشی کی کوئی خبر نہ ہوگی اور کہیں گے ایک مضبوط آڑ ہو۔

قیامت کے دن کفار کا پناہ طلب کرنے کا بیان

"يَوْم يَرَوْنَ الْمَلَائِكَة" فِي جُمْلَة الْخَلَائِق هُوَ يَوْم الْقِيَامَة وَنَصْبه بِاذْكُرْ مُقَدَّرًا "لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ

لِلْمُجْرِمِينَ " أَيِ الْكَافِرِينَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ فَلَهُمُ الْبُشْرَى بِالْجَنَّةِ "وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَحْجُورًا" عَلَى عَادَتِهِمْ فِي الدُّنْيَا إِذَا نَزَلَتْ بِهِمْ شِدَّة : أَيْ عَوْذًا مَعَاذًا يَسْتَعِيذُونَ مِنَ الْمَلَائِكَة

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی تمام مخلوقات میں اور وہ قیامت کا دن ہوگا اور لفظ یوم یہ اذکر مقدر کے سبب منصوب ہے اس دن مجرموں یعنی کفار کے لیے خوشی کی کوئی خبر نہ ہوگی جبکہ اہل ایمان کیلئے جنت کی خوشخبری ہوگی۔اور کہیں گے کاش! ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ ہو۔جس طرح دنیا میں ان کی عادت تھی لہذا جب ان پر کوئی سختی آئے گی تو پناہ پناہ کہیں گے اور ہو فرشتوں سے پناہ مانگیں گے۔

یہ محاورہ ہے۔مجارہ ابمعنی پتھر اور حجر ہر اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو پتھر کی طرح سخت بھی ہو اور روک یا آڑ کا کام بھی دے۔اہل عرب کی عادت تھی کہ جب اپنے کسی دشمن کو، جس سے انہیں تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہوتا، دیکھ کر، یا کسی دوسری آفت کو دیکھ کر حجرا مجورا کہنے لگتے۔جیسے ہم کہتے ہیں "اس سے اللہ کی پناہ" یا "اللہ اس سے ہمیں بچائیو" تو سننے والا عموماً یہ قول سن کر تکلیف نہیں پہنچاتا تھا۔ ایسے مجرمین بھی جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو یہی الفاظ بول کر ان سے پناہ مانگیں گے لیکن اس دن انہیں کوئی پناہ نہ ملے گی۔(تفسیر قرطبی،سورہ فرقان،بیروت)

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝
اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار، کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا
کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔

کفار کیلئے آخرت میں کسی عمل کے کام نہ آنے کا بیان

"وَقَدِمْنَا" عَمَدْنَا "إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَل " مِنَ الْخَيْر كَصَدَقَةٍ وَصِلَة رَحِم وَقِرَى ضَيْف وَإِغَاثَة مَلْهُوف فِي الدُّنْيَا "فَجَعَلْنَاهُ هَبَاء مَنْثُورًا" هُوَ مَا يُرَى فِي الْكُوَى الَّتِي عَلَيْهَا الشَّمْس كَالْغُبَارِ الْمُفَرَّق : أَيْ مِثْله فِي عَدَم النَّفْع بِهِ إِذْ لَا ثَوَاب فِيهِ لِعَدَمِ شَرْطه وَيُجَازَوْنَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا

اور جو کچھ انہوں نے اچھے کام کیے تھے جس طرح دنیا میں صدقہ،صلہ رحمی اور مہمان نوازی اور مظلوم کی مدد ہے۔ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار، کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا ھباء منثورا ان ذروں کو کہتے ہیں جو اس سوراخ میں نظر آتے ہیں جن پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں۔کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔لہٰذا عدم شرط کے سبب عدم ثواب ہوگا کیونکہ دنیا میں انہیں اس کی جزاء مل چکی ہوگی۔

قیامت کے دن اعمال کے حساب کے وقت ان کے اعمال غارت واکارت ہو جائیں گے۔یہ جنہیں اپنی نجات کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے وہ بیکار ہو جائیں گے کیونکہ یا تو وہ خلوص والے نہ تھے یا سنت کے مطابق نہ تھے۔اور جو عمل ان دونوں سے یا ان میں سے

ایک چیز سے خالی ہو وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ اس لیے کافروں کے نیک اعمال بھی مردود ہیں۔ ہم نے ان کے اعمال کا ملاحظہ کیا اور ان کو مثل بکھرے ہوئے ذروں کے مثل کر دیا کہ وہ سورج کی شعاعیں جو کسی سوراخ سے آ رہی ہوں ان میں نظر تو آتے ہیں لیکن کوئی انہیں پکڑنا چاہے تو ہاتھ نہیں آتے۔ جس طرح پانی جو زمین پر بہا دیا جائے وہ پھر ہاتھ نہیں آ سکتا۔ یا غبار جو ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ یا درختوں کے پتوں کا چورا جو ہوا میں بکھر گیا ہو یا راکھ اور خاک جو اڑتی پھرتی ہو۔ اسی طرح ان کے اعمال ہیں جو محض بیکار ہو گئے ان کا کوئی ثواب ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ اس لئے کہ یا تو ان میں خلوص نہ تھا یا شریعت کے مطابقت نہ تھی یا دونوں وصف نہ تھے۔ پس جب یہ عالم وعادل حاکم حقیقی کے سامنے پیش ہوئے تو محض نکمے ثابت ہوئے اسی لئے اسے ردی اور نہ ہاتھ لگنے والی شے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ
بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝
اس دن جنت والے ٹھکانے کے اعتبار سے نہایت بہتر اور آرام گاہ کے اعتبار سے کہیں اچھے ہوں گے۔ اور اس دن آسمان
پھٹ کر بادل (کی طرح دھوئیں) میں بدل جائے گا اور فرشتے گروہ در گروہ اتارے جائیں گے۔

اہل جنت کے جنت میں اعلیٰ مقام وجائے سکون کا بیان

"أَصْحَاب الْجَنَّة يَوْمئِذٍ" يَوْم الْقِيَامَة "خَيْر مُسْتَقَرًّا" مِنْ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا "وَأَحْسَن مَقِيلًا" مِنْهُمْ: أَيْ مَوْضِع قَائِلَة فِيهَا وَهِيَ الِاسْتِرَاحَة نِصْف النَّهَار فِي الْحَرّ وَأُخِذَ مِنْ ذَلِكَ انْقِضَاء الْحِسَاب فِي نِصْف نَهَار كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيث، "وَيَوْم تَشَقَّق السَّمَاء" أَيْ كُلّ سَمَاء "بِالْغَمَامِ" أَيْ مَعَهُ وَهُوَ غَيْم أَبْيَض "وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَة" مِنْ كُلّ سَمَاء "تَنْزِيلًا" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة وَنَصْبه بِاذْكُرْ مُقَدَّرًا وَفِي قِرَاءَة بِتَشْدِيدِ شِين تَشَقَّق بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِيهَا وَفِي أُخْرَى : نُنْزِل بِنُونَيْنِ الثَّانِيَة سَاكِنَة وَضَمّ اللَّام وَنَصْب الْمَلَائِكَة،

اس دن یعنی قیامت کے دن جنت والے ٹھکانے کے اعتبار سے نہایت بہتر اور آرام گاہ کے اعتبار سے کہیں اچھے ہوں گے۔ یعنی دنیا میں کفار کی نسبت کہیں زیادہ اہل جنت کا مقام ہوگا۔ یعنی وہ قیلولہ کریں اور قیلولہ دوپہر کے سونے کو کہتے ہیں کیونکہ اہل جنت کا حساب نصف دن میں ہو جائے گا جس طرح حدیث میں آیا ہے۔ اور اس دن ہر آسمان پھٹ کر بادل کی طرح دھوئیں میں بدل جائے گا اور وہ اس کے ساتھ سفید بادلوں کی طرح ہوگا۔ اور آسمان سے فرشتے گروہ در گروہ اتارے جائیں گے۔ اور وہ قیامت کا دن ہوگا یہاں پر لفظ یوم یہ اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور ایک قرأت میں شین کی شد کے ساتھ آیا ہے تشقق میں اصل میں تائے ثانیہ کا ادغام ہے اور دوسری قرأت میں ننزل نون ثانی کے سکون کے ساتھ اور لام کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے جبکہ ملائکہ منصوب ہے۔

اہل جنت کے قیلولہ کرنے کا بیان

قیامت کا دن ہمارے موجودہ حساب سے پچاس ہزار سال کا دن ہے۔اس دن کی بھی، دو پہر اور شام ہوگی۔حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوپہر سے پہلے پہلے لوگوں کے حساب کتاب سے فارغ ہو جائیں گے۔اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت دوپہر کے بعد جنت میں ہی جا کر سوئیں گے۔کیونکہ قیولہ دوپہر کے بعد سونے کو اور مقیلا دوپہر کے بعد سونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔نیز حدیث میں آیا ہے کہ مومنوں یا اہل جنت کو یہ پچاس ہزار سال کا دن ایسا ہلکا محسوس ہوگا جیسے کسی فریضہ نماز کا وقت ہوتا ہے۔(بیہقی۔بحوالہ مشکوۃ۔کتاب الفتن)

قیامت کے دن آسمان کے پھٹنے اور نزول ملائکہ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا آسمان دنیا پھٹے گا اور وہاں کے رہنے والے (فرشتے) اتریں گے اور وہ تمام اہل زمین سے زیادہ ہیں جن وانس سب سے پھر دوسرا آسمان پھٹے گا وہاں کے رہنے والے اتریں گے وہ آسمان دنیا کے رہنے والوں سے اور جن وانس سب سے زیادہ ہیں اسی طرح آسمان پھٹتے جائیں گے اور ہر آسمان والوں کی تعداد اپنے ماتحتوں سے زیادہ ہے یہاں تک کہ ساتواں آسمان پھٹے گا پھر کرّوبی اتریں گے پھر حاملینِ عرش اور یہ روز قیامت ہوگا۔(خزائن العرفان، فرقان)

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَيَوْمَ
يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝
اس دن حقیقی بادشاہی رحمان کی ہوگی اور کافروں پر وہ بہت مشکل دن ہوگا۔" اور اس دن ہر ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ
کھائے گا کہے گا: کاش! میں نے رسولِ (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں راستہ اختیار کر لیا ہوتا۔

قیامت کے دن کفار کی ندامت وحسرت کا بیان

"الْمُلْك يَوْمئِذٍ الْحَقّ لِلرَّحْمٰنِ " لَا يَشْرَكهُ فِيهِ أَحَد "وَكَانَ" الْيَوْم "يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا " بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ،وَيَوْم يَعَضّ الظَّالِم" الْمُشْرِك : عُقْبَة بْن أَبِي مُعَيْط كَانَ نَطَقَ بِالشَّهَادَتَيْنِ ثُمَّ رَجَعَ إرْضَاء لِأُبَيّ بْن خَلَف "عَلَى يَدَيْهِ " نَدَمًا وَتَحَسُّرًا فِي يَوْم الْقِيَامَة "يَقُول يَا " لِلتَّنْبِيهِ "لَيْتَنِي اتَّخَذْت مَعَ الرَّسُول" مُحَمَّد "سَبِيلًا" طَرِيقًا إلَى الْهُدَى

اس دن حقیقی بادشاہی رحمان کی ہوگی یعنی اس میں اس کوئی شریک نہ ہوگا۔اور کافروں پر وہ بہت مشکل دن ہوگا۔جبکہ اہل ایمان پر وہ دن آسان ہوگا۔اور اس دن ہر ظالم یعنی مشرک اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا یعنی جس طرح عقبہ بن ابی معیط جس نے شہادتین کے بعد ابی بن خلف کے ہاتھوں پر رجوع کر لیا۔وہ ندامت اور حسرت سے قیامت کے دن انگلیاں کاٹے گا۔اور کہے گا: کاش! یہاں پر یا انتباہ کیلئے آیا ہے۔میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں آ کر ہدایت کا راستہ اختیار کر لیا ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچاس ہزار سال کا دن تو بہت ہی دراز ہوگا۔ آپ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مومن پر تو وہ ایک وقت کی فرض نماز سے بھی ہلکا اور آسان ہوگا۔ پیغمبر علیہ السلام کے طریقے اور آپ اور آپ کے لائے ہوئے کھلے حق سے ہٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کے سوا دوسری راہوں پہ چلنے والے اس دن بڑے ہی نادم ہوں گے اور حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے ہاتھ چبائیں گے۔ گو اس کا نزول عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں ہو یا کسی اور کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے یہ ہر ایسے ظالم کو شامل ہے۔

سورہ فرقان آیت ۲۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف نبی کے پاس آتا آپ کی مجلس میں بیٹھتا اور آپ کا کلام سنتا مگر آپ پر ایمان نہ لاتا عقبہ بن ابی معیط نے اسے ڈانٹا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر طبری 19۔6، زاد المیسر 6۔85، درمنثور 5۔68)

شعبی کہتے ہیں کہ عقبہ، امیہ بن خلف کا دوست تھا عقبہ اسلام لے آیا تو امیہ نے کہا اگر تو نے محمد کی اتباع کی تو میرا چہرہ تیرے چہرے پر حرام ہے چنانچہ یہ امیہ کی رضا کی خاطر مردود ہو گیا اور دوبارہ کافر ہو گیا اس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (قرطبی 13۔25)

دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط دونوں باہم حلیف تھے اور عقبہ کی عادت تھی کہ جب بھی سفر سے آتا تو کھانا تیار کرتا اور اپنی قوم کے شرفاء کو مدعو کرتا چونکہ یہ نبی کے ساتھ بھی کثرت سے بیٹھتا تھا اس لیے ایک مرتبہ سفر سے آیا اور اس نے کھانا تیار کیا لوگوں کو دعوت دی آپ کو دعوت بھی دی جب کھانا قریب لایا گیا تو آپ نے فرمای امی ہرگز تیرا کھانا نہ کھاؤں گا تاوقتیکہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں عقبہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھالیا ابی بن خلف اس وقت موجود نہ تھا جب اس نے اپنے قصہ کی خبر دی تو اس نے کہا اے عقبہ تو نے اپنا دین چھوڑ دیا تو عقبہ نے کہا اللہ کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا بلکہ یہ شخص میرے گھر آیا اور کہا کہ میں ان کے لیے گواہی دوں اس کے بغیر میرا کھانا نہ کھائے گا تو مجھے اس بات سے حیاء آئی کہ یہ میرے گھر سے بغیر کچھ کھائے چلا جائے لہٰذا میں نے اس کے لیے گواہی دے دی اور اس نے کھانا کھالیا۔

ابی بن خلف نے کہا جب تک تو اس کے منہ پر تھوک نہ دے اور اس کی گردن کو روند نہ ڈالے میں تجھ سے راضی نہ ہوگا عقبہ بدبخت نے ایسا ہی کیا چنانچہ (مونث) جانور کا رحم لے کر آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے مکہ سے باہر جب بھی ملوں گا تجھے تلوار سے قتل کروں گا چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن قید کر کے قتل کیا گیا جبکہ ابی بن خلف کو آپ نے غزوہ احد میں مبارزہ میں قتل کیا ان دونوں کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر تھوکا اس کی تھوک واپس اسی کے چہرے کی طرف لوٹ آئی اور وہ نالیوں کی صورت اختیار کر گئی جس سے اس کے گال جل گئے اور اس کے چہرے میں اس کا اثر موت تک رہا۔ (نیسابوری 279، درمنثور 5۔69)

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا۝

ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اس نے میرے پاس نصیحت آ جانے کے بعد مجھے اس

سے بہکا دیا، اور شیطان انسان کو (مصیبت کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے۔

قیامت کے دن برے دوستوں پر حسرت کرنے کا بیان

"يَا وَيْلَتَى" أَلِفه عِوَض عَنْ يَاء الْإِضَافَة أَيْ وَيْلَتِي وَمَعْنَاهُ هَلَكَتِي "لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذ فُلَانًا" أَيْ أُبَيًّا، "لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنْ الذِّكْر" أَيْ الْقُرْآن "بَعْد إِذْ جَاءَنِي" بِأَنْ رَدَّنِي عَنْ الْإِيمَان بِهِ "وَكَانَ الشَّيْطَان لِلْإِنْسَانِ" الْكَافِر "خَذُولًا" بِأَنْ يَتْرُكهُ وَيَتَبَرَّأ مِنْهُ عِنْد الْبَلَاء

یہاں پر یائے اضافت کے بدلے میں الف لایا گیا ہے یعنی یا ویلتی اصل میں ویلتی تھا جس کا معنی میری ہلاکت ہے۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا بیشک اس نے میرے پاس نصیحت آ جانے کے بعد مجھے اس سے یعنی قرآن سے بہکا دیا، اور ایمان لانے سے روک لیا۔ اور شیطان انسان یعنی کافر کو مصیبت کے وقت بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے۔ اور وہ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے واقعہ یہ تھا کہ عقبہ ابن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حسب عادت اس نے معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا۔ جب اس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک عبادت میں نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمایا۔

عقبہ کا ایک گہرا دوست ابی بن خلف تھا جب اس کو خبر لگی کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو یہ بہت برہم ہوا۔ عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر پر آئے ہوئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی تھی اس لئے میں نے ان کی خاطر سے یہ کلمہ کہہ لیا۔ ابی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر ان کے منہ پر نہ تھوکے۔ یہ کمبخت بدنصیب دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور کر گزرا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوہ بدر میں دونوں مارے گئے۔ (تفسیر بغوی، سورہ فرقان، بیروت)

اور آخرت میں ان کے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت و

افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فرقان، بیروت)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا٥
اور رسول (اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کریں گے: اے رب! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھا۔

کفار قریش کا قرآن کو چھوڑ رکھنے کا بیان

"وَقَالَ الرَّسُول" مُحَمَّد "يَا رَبّ إنَّ قَوْمِي" قُرَيْشًا "اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآن مَهْجُورًا" مَتْرُوكًا
اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے: اے رب! بیشک میری قوم یعنی قریش نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھا۔

قیامت والے دن اللہ کے سچے رسول آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے جناب باری تعالیٰ میں کریں گے کہ نہ یہ لوگ قرآن کی طرف مائل تھے نہ رغبت سے قبولیت کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اوروں کو بھی اس کے سننے سے روکتے تھے جیسے کہ کفار کا مقولہ خود قرآن میں ہے کہ وہ کہتے تھے آیت (وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ، فصلت:26) اس قرآن کو نہ سنو اور اسکے پڑھے جانے کے وقت شور وغل کرو۔ یہی اس کا چھوڑ رکھنا تھا۔ نہ اس پر ایمان لاتے تھے، نہ اسے سچا جانتے تھے نہ اس پر غور وفکر کرتے تھے، نہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے نہ اس پر عمل تھا، نہ اس کے احکام کو بجالاتے تھے، نہ اس کے منع کردہ کاموں سے رکتے تھے بلکہ اسکے سوا اور کاموں سے دلچسپی لیتے تھے اور ان پر عامل تھے، یہی اسے چھوڑ دینا تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کریم ومنان جو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے ناپسندیدہ کاموں سے دست بردار ہو جائیں اور اس کے پسندیدہ کاموں کی طرف جھک جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فرقان، بیروت)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا٥
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے کوئی نہ کوئی دشمن بنایا اور تیرا رب ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔

ہر نبی کیلئے قوم میں سے عداوت کرنے والے ہونے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا جَعَلْنَا لَك عَدُوًّا مِنْ مُشْرِكِي قَوْمك "جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيّ" قَبْلك "عَدُوًّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ" الْمُشْرِكِينَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا "وَكَفَى بِرَبِّك هَادِيًا" لَك "وَنَصِيرًا" نَاصِر لَك عَلَى

أَعْدَائِكَ

اوراسی طرح یعنی جس طرح ہم نے تمہاری قوم کے مشرکین کوتمہارا دشمن بنادیا ہے ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں یعنی مشرکین میں سے کوئی نہ کوئی دشمن بنایا پس آپ صبر کریں جس طرح انہوں نے صبر کیا۔اور تیرارب ہدایت دینے والا اور مدد کرنے والا کافی ہے۔یعنی آپ کیلئے آپ کے دشمنوں کے خلاف مدد ہے۔

یعنی جس طرح اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری قوم میں سے وہ لوگ تیرے دشمن ہیں جنہوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، اسی طرح گزشتہ امتوں میں بھی تھا، یعنی ہر نبی کے دشمن وہ لوگ ہوتے تھے جو گناہگار تھے، وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف بلاتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ
لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○
اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، یہ قرآن اس پر ایک ہی بار کیوں نہ نازل کردیا گیا؟اسی طرح تا کہ ہم اس کے ساتھ
تیرے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا، خوب ٹھہر کر پڑھنا۔

کفار کا مطالبہ قرآن کو ایک مرتبہ میں نازل کرنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا" هَلَّا "نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآن جُمْلَة وَاحِدَة " كَالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيل وَالزَّبُور قَالَ تَعَالَى : نَزَّلْنَاهُ "كَذَلِكَ" مُتَفَرِّقًا "لِنُثَبِّت بِهِ فُؤَادك " نُقَوِّي قَلْبك "وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا " أَيْ أَتَيْنَا بِهِ شَيْئًا بَعْد شَيْء بِتَمَهُّلٍ وَتُؤَدَة لِتَيْسِيرِ فَهْمه وَحِفْظه

اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، یہ قرآن اس پر ایک ہی بار کیوں نہ نازل کردیا گیا؟ جس طرح تورات، انجیل اور زبور اتری ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح ہم نے درجہ بہ درجہ اتارا تا کہ ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا، خوب ٹھہر کر پڑھنا۔یعنی ایک حکم کے بعد دوسرا حکم نازل کیا تا کہ آپ کو سمجھنے اور یادرکھنے میں آسانی ہو۔

جس طرح توریت وانجیل وزبور میں سے ہرایک کتاب ایک ساتھ اتری تھی۔کفار کا یہ اعتراض بالکل فضول اور مہمل ہے کیونکہ قرآن کریم کا معجزہ وتحیّر ہونا ہر حال میں یکساں ہے چاہے یکبارگی نازل ہو یا بتدریج بلکہ بتدریج نازل فرمانے میں اس کے اعجاز کا اور بھی کامل اظہار ہے کہ جب ایک آیت نازل ہوئی اور تحدّی کی گئی اور خلق کا اس کے مثل بنانے سے عاجز ہونا ظاہر ہوا پھر دوسری اتری اسی طرح اس کا اعجاز ظاہر ہوا اس طرح برابر آیت آیت ہو کر قرآن پاک نازل ہوتا رہا اور ہر ہر دم اس کی بیمثالی اور خلق کی عاجزی ظاہر ہوتی رہی غرض کفار کا اعتراض محض لغو وبے معنی ہے، آیت میں اللہ تعالیٰ بتدریج نازل فرمانے کی حکمت ظاہر فرماتا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ○
اور وہ تیرے پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق اور بہترین تفسیر بھیج دیتے ہیں۔

کفار کے خدشات دور کرنے کیلئے اچھی تفسیر آنے کا بیان

"وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ" فِي إِبْطَال أَمْرك "إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ" الدَّافِع لَهُ "وَأَحْسَن تَفْسِيرًا" بَيَانًا

اور وہ آپ کا حکم باطل کرنے کیلئے آپ پاس کوئی مثال نہیں لاتے مگر ہم تیرے پاس حق یعنی اس کے سوال کو دور کرنے والا اور بہترین تفسیر بھیج دیتے ہیں۔ جو اچھا بیان ہے۔

قرآن اور حدیث دونوں سے احکام کے ثبوت کا بیان

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک پیٹ بھرا آدمی کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو (یعنی فقط قرآن ہی کو سمجھو اور اس پر عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے اللہ نے حرام کیا، خبردار تمہارے لئے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا۔

اور نہ کچلی رکھنے والے درندے اور نہ تمہارے لئے معاہد یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کا لقطہ حلال کیا ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند اس سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد) دارمی نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 160)

قرآن کا مثل " حدیث ہے یعنی جس طرح قرآن مجید مجھ پر نازل کیا گیا ہے اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت ہی سے عطا ہوئی ہے لیکن فرق یہی ہے کہ قرآن وحی ظاہر ہے اور حدیث وحی پوشیدہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی سب اچھی تفسیر حدیث ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا۠
وہ لوگ جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے وہی ٹھکانے میں بدترین اور راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔

چہروں کے بل اہل جہنم کے جمع ہونے کا بیان

هُمْ "الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوههمْ" أَيْ يُسَاقُونَ "إِلَى جَهَنَّم أُولَئِكَ شَرّ مَكَانًا" هُوَ جَهَنَّم "وَأَضَلّ سَبِيلًا" أَخْطَأ طَرِيقًا مِنْ غَيْرهمْ وَهُوَ كُفْرهمْ

وہ لوگ جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے وہی ٹھکانے میں بدترین اور راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہیں۔ اور وہ ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو دوسرے سے بھی زیادہ برا راستہ ہے اور وہ ان کا کفر ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن کافر اپنے منہ کے بل حشر کیے جائیں گے؟" آپ نے فرمایا: "جس پروردگار نے انسان کو دو پاؤں پر چلایا ہے کیا وہ اسے قیامت کے دن منہ کے بل نہیں چلا سکتا۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ
اِلَی الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ۝
اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو وزیر
بنایا۔ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے تو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر ڈالا۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کو پیغام حق دینے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ" التَّوْرَاة "وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُون وَزِيرًا" مُعِينًا، "فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا" أَيْ الْقِبْط فِرْعَوْن وَقَوْمه فَذَهَبَا إِلَيْهِمْ بِالرِّسَالَةِ فَكَذَّبُوهُمَا "فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا" أَهْلَكْنَاهُمْ إِهْلَاكًا،

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کی معاونت کے لئے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو وزیر بنایا۔ پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم یعنی قبطیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے پس وہ دونوں رسالت کے ساتھ گئے تو انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ (جب وہ ہماری تکذیب سے پھر بھی باز نہ آئے) تو ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر ڈالا۔ یعنی نیست ونابود کر دیا۔

یہاں آیات سے مراد غالباً وہ وحی تھی جو حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام پر نازل ہوئی تھی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے تو ان فرعونیوں کو ابھی اپنی طرف نازل شدہ کوئی وحی سنائی ہی نہ تھی۔ یا پھر آیت اللہ سے مراد کائنات میں ہر سو اللہ کی بکھری ہوئی نشانیاں ہیں جن سے غور وفکر کرنے والے اللہ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور فرعون ایسی نشانیوں سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے خود ہی خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝
اور نوح (علیہ السلام) کی قوم کو، جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں غرق کر ڈالا اور ہم نے انہیں لوگوں کے لئے
نشان عبرت بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

قوم نوح کی ہلاکت کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "قَوْم نُوح لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُل" بِتَكْذِيبِهِمْ نُوحًا لِطُولِ لُبْثه فِيهِمْ فَكَأَنَّهُ رُسُل أَوْ لِأَنَّ

تَكْذِيبه تَكْذِيب لِبَاقِي الرُّسُل لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيء بِالتَّوْحِيدِ "أَغْرَقْنَاهُمْ" جَوَاب لَمَّا "وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ" بَعْدهمْ "آيَة" عِبْرَة "وَأَعْتَدْنَا" فِي الْآخِرَة "لِلظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "عَذَابًا أَلِيمًا" مُؤْلِمًا سِوَى مَا يَحِلّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا

اورحضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی یاد کریں، جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا یعنی نوح علیہ السلام کا ان میں طویل عرصہ رہنے کے باوجود انہوں نے آپ کی تکذیب کی یہاں پر رسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے یعنی آپ کی تکذیب گویا بقیہ رسولان گرامی کی تکذیب ہوئی۔کیونکہ تمام رسولان گرامی توحید کا پیغام لے کر آنے میں مشترک ہیں۔تو ہم نے انہیں غرق کرڈالا ، یہ لما کا جواب ہے۔اور ہم نے انہیں دوسرے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا اور ہم نے ظالموں یعنی کافروں کے لئے آخرت میں دردناک عذاب تیار کررکھا ہے۔یہ عذاب اس عذاب کے سوا ہے جو دنیا میں ان کو دیا گیا۔

یعنی حضرت نوح اور حضرت ادریس کو اور حضرت شیث کو یا یہ بات ہے کہ ایک رسول کی تکذیب تمام رسولوں کی تکذیب ہے تو جب انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا تو سب رسولوں کو جھٹلایا۔ہم نے انہیں ہلاک کردیا کہ بعد والوں کے لئے عبرت ہوں۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ○ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ○
اور عاد اور ثمود کو اور کنویں والوں کو اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی۔اور ہم نے ہر ایک کے لئے مثالیں بیان کیں اور ہم نے ان سب کو نیست و نابود کردیا۔

قوم عاد، ثمود اور کنوئیں والی قوم کی ہلاکت کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "عَادًا" قَوْم هُود "وَثَمُودَا" قَوْم صَالِح "وَأَصْحَاب الرَّسّ" اسْم بِئْر وَنَبِيّهمْ قِيلَ شُعَيْب وَقِيلَ غَيْره كَانُوا قُعُودًا حَوْلهَا فَانْهَارَتْ بِهِمْ وَبِمَنَازِلِهِمْ "وَقُرُونًا" أَقْوَامًا "بَيْن ذَلِكَ كَثِيرًا" أَيْ بَيْن عَاد وَأَصْحَاب الرَّسّ

"وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَال" فِي إقَامَة الْحُجَّة عَلَيْهِمْ فَلَمْ نُهْلِكهُمْ إلَّا بَعْد الْإِنْذَار "وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا" أَهْلَكْنَا إهْلَاكًا بِتَكْذِيبِهِمْ أَنْبِيَاءَهُمْ

اور عاد وہ ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے ان کو اور کنویں والوں یعنی رس ایک کنوئیں کا نام ہے ان کے نبی سے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور ان کے سوا بھی کہا گیا ہے۔اور وہ لوگ کے گرد و نواح میں رہائش پذیر تھے۔پس ان کے مکانات اس کنوئیں سمیت زمین میں دھنس گئے۔ان کو یاد کریں اور اس کے درمیان یعنی اصحاب الرس اور قوم عاد کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی ہلاک کردیا۔اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کی نصیحت کے

لئے مثالیں بیان کیں تاکہ ان پر دلیل قائم کردی جائے کہ ہم عذاب کا ڈر سنانے کے بعد ہلاک کیا کرتے ہیں۔ اور (جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو) ہم نے ان سب کو نیست و نابود کردیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زمانے کے انبیائے کرام کی تکذیب کی تھی۔

یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو بت پرستی کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی انہوں نے سرکشی کی حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی اور آپ کو ایذا دی، ان لوگوں کے مکان کنوئیں کے گرد تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کیا اور یہ تمام قوم مع اپنے مکانوں کے اس کنوئیں کے ساتھ زمین میں دھنس گئی۔ اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔ یعنی قوم عاد و ثمود اور کنوئیں والوں کے درمیان میں بہت سی امتیں ہیں جن کو انبیاء کی تکذیب کرنے کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا۔ (تفسیر خازن، سورہ فرقان، بیروت)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِىْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ
بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ○
اور بلاشبہ یقیناً یہ لوگ اس بستی پر آ چکے، جس پر بارش برسائی گئی، بری بارش، تو کیا وہ اِسے دیکھا نہ کرتے تھے؟
بلکہ وہ کسی طرح اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے۔

پتھروں کی بارش سے ہلاک ہونے والی قوم لوط کا بیان

"وَلَقَدْ أَتَوْا" أَيْ مَرَّ كُفَّار مَكَّة "عَلَى الْقَرْيَة الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَر السَّوْء" مَصْدَر سَاءَ أَيْ بِالْحِجَارَةِ وَهِيَ عُظْمَى قُرَى قَوْم لُوط فَأَهْلَكَ اللَّه أَهْلهَا لِفِعْلِهِمْ الْفَاحِشَة "أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا" فِي سَفَرهمْ إِلَى الشَّام فَيَعْتَبِرُونَ وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ "بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ" يَخَافُونَ "نُشُورًا" بَعْثًا فَلَا يُؤْمِنُونَ

اور بلاشبہ یقیناً یہ لوگ یعنی کفار مکہ اس بستی پر آ چکے ہیں۔ جس پر بارش برسائی گئی، بری بارش، یہاں پر لفظ السوء یہ ساء کا مصدر ہے یعنی پتھروں کی بارش قوم لوط پر ہوئی پس اللہ نے ان کو بدکاری کرنے کے سبب ہلاک کردیا۔ تو کیا وہ اپنے شام کے اسفار میں اسے دیکھا نہ کرتے تھے؟ تاکہ نصیحت حاصل کرتے اور یہ استفہام تقریری ہے۔ بلکہ وہ کسی طرح اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے۔ یعنی وہ دوبارہ زندہ ہونے سے ڈرتے نہیں ہیں لہٰذا وہ ایمان بھی نہیں لاتے۔

اس بستی سے مراد سدوم ہے جو قوم لوط کی پانچ بستیوں میں سب سے بڑی بستی تھی ان بستیوں میں ایک سب سے چھوٹی بستی کے لوگ تو اس خبیث بدکاری کے عامل نہ تھے، جس میں باقی چار بستیوں کے لوگ مبتلا تھے اسی لئے انہوں نے نجات پائی اور وہ چار بستیاں اپنی بدعملی کے باعث آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کردی گئیں۔ ان کفار مکہ کے جو تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے اور واپس آتے ہیں تو یہ علاقہ ان کے راستہ میں پڑتا ہے اس علاقہ کی ویرانی اور خستہ حالی یہ کئی بار بچشم خود دیکھ چکے ہیں مگر یہ لوگ اس علاقہ کو محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر آگے چلے جاتے ہیں۔ اس سے کچھ بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝
اور (اے حبیب مکرّم!) جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں آپ کا مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہیں کرتے کیا یہی وہ ہے
جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ کی رسالت سے استہزاء کرنے کا بیان

"وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ" مَا "يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا " مَهْزُوءًا بِهِ يَقُولُونَ "أَهٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ رَسُولًا " فِي دَعْوَاهُ مُحْتَقِرِينَ لَهُ عَنِ الرِّسَالَةِ

اور (اے حبیب مکرّم!) جب بھی وہ آپ کو دیکھتے ہیں آپ کا مذاق اڑانے کے سوا کچھ نہیں کرتے اور یعنی بہ طور مذاق کہتے ہیں کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی آپ کو مقام رسالت سے کم جانتے ہیں۔

کیا یہ وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟ یعنی ان کی بابت کہتا ہے کہ وہ کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ اس حقیقت کا اظہار ہی مشرکین کے نزدیک ان کے معبودوں کی توہین تھی۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ
يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
بے شک یہ تو قریب تھا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے گمراہ ہی کر دیتا، اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم ان پر جمے رہے۔ اور عنقریب
وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے، کون راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہے۔

آخرت میں اپنی آنکھوں سے کفار کا عذاب دیکھ کر گمراہی کو سمجھ جانے کا بیان

"إِنْ" مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ : أَيْ إِنَّهُ "كَادَ لَيُضِلُّنَا" يَصْرِفُنَا "عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا" لَصَرَفَنَا عَنْهَا "وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ" عِيَانًا فِي الْآخِرَةِ "مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا" أَخْطَأُ طَرِيقًا أَهُمْ أَمِ الْمُؤْمِنُونَ

یہاں پر ان مخففہ من مثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ ہے۔ بے شک یہ تو قریب تھا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے گمراہ ہی کر دیتا، یعنی ان سے پھیر دیتا اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم ان پر جمے رہے۔ تو ہم بھی ان سے پھر جاتے۔ اور عنقریب وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے، یعنی آخرت میں جب اپنی آنکھوں سے عذاب سے دیکھیں گے، کون راستے کے اعتبار سے زیادہ گمراہ ہے۔ یعنی ان کا راستہ غلط ہے یا اہل ایمان کا راستہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور آپ کے اظہار معجزات نے کفار پر اتنا اثر کیا تھا اور دین حق کو اس

قدر واضح کر دیا تھا کہ خود کفار کو اقرار ہے کہ اگر وہ اپنی ہٹ پر جمے نہ رہتے تو قریب تھا کہ بت پرستی چھوڑ دیں اور دین اسلام اختیار کریں یعنی دین اسلام کی حقانیت ان پر خوب واضح ہو چکی تھی اور شکوک وشبہات مٹا ڈالے گئے تھے لیکن وہ اپنی ہٹ اور ضد کی وجہ سے محروم رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فرقان، لاہور)

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًاۙ
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟ تو کیا آپ اس پر نگہبان بنیں گے۔

خواہش نفس کو معبود بنا لینے کا بیان

"أَرَأَيْت" أَخْبِرْنِي "مَنْ اتَّخَذَ إلَهه هَوَاهُ" أَيْ مَهْوِيّه قُدِّمَ الْمَفْعُول الثَّانِي لِأَنَّهُ أَهَمّ وَجُمْلَة مَنْ اتَّخَذَ مَفْعُول أَوَّل لِرَأَيْت وَالثَّانِي "أَفَأَنْتَ تَكُون عَلَيْهِ وَكِيلًا" حَافِظًا تَحْفَظهُ عَنْ اتِّبَاع هَوَاهُ ؟ لَا

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنالیا ہے؟ یہاں پر مفعول ثانی کو اہمیت کے سبب مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ من اتخذ یہ جملہ رأیت کا مفعول اول ہے۔ اور وکیلا یہ مفعول ثانی ہے۔ تو کیا آپ اس پر نگہبان بنیں گے۔ کیا آپ ایسے شخص جو ہوائے نفس کی اتباع کرتا ہے اس کی اتباع سے اپنی حفاظت کریں گے یا نہیں؟

اصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے خواہش پرستی شروع کر رکھی ہے نفس وشیطان جس چیز کو اچھا ظاہر کرتا ہے یہ بھی اسے اچھی سمجھنے لگتے ہیں۔ بھلا ان کا ذمہ دار تو کیسے ٹھہر سکتا ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اسی کے سامنے جھکنے اور سجدے کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا تو اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (جامع البیان، سورہ فرقان، بیروت)

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود بھی پوجے جا رہے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جارہی ہو۔ (طبرانی)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا۠
کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ (نہیں) وہ تو چوپایوں کی مانند ہیں
بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔

دین حق کو نہ سمجھنے والوں کا جانوروں سے بدتر ہونے کا بیان

"أَمْ تَحْسَب أَنَّ أَكْثَرهمْ يَسْمَعُونَ" سَمَاع تَفَهُّم "أَوْ يَعْقِلُونَ" مَا تَقُول لَهُمْ "إنْ" مَا "هُمْ إلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلّ سَبِيلًا" أَخْطَأ طَرِيقًا مِنْهَا لِأَنَّهَا تَنْقَاد لِمَنْ يَتَعَهَّدهَا وَهُمْ لَا يُطِيعُونَ مَوْلَاهُمْ الْمُنْعِم عَلَيْهِمْ

کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ یعنی جو آپ ان کیلئے کہتے ہیں۔نہیں وہ تو چوپایوں کی مانند ہو چکے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ ہیں۔یعنی ان کا طریقہ جانوروں سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانوروں کی جو بندہ نگرانی کرتا ہے وہ اپنے مالک کی اطاعت کرتے ہیں جبکہ یہ اپنے منعم حقیقی کی اطاعت نہیں کرتا۔

کیونکہ چوپائے بھی اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور جو انہیں کھانے کو دے اس کے مطیع رہتے ہیں اور احسان کرنے والے کو پہچانتے ہیں اور تکلیف دینے والے سے گھبراتے ہیں، نافع کی طلب کرتے ہیں، مُضر سے بچتے ہیں، چراگاہوں کی راہیں جانتے ہیں، یہ کفاران سے بھی بدتر ہیں کہ نہ رب کی اطاعت کرتے ہیں نہ اس کے احسان کو پہچانتے ہیں، نہ شیطان جیسے دشمن کی ضرر رسانی کو سمجھتے ہیں، نہ ثواب جیسی عظیم المنفعت چیز کے طالب ہیں، نہ عذاب جیسے سخت مُضر مہلکہ سے بچتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ٥
ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ٥
کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ضرور ساکن کر دیتا، پھر ہم نے
سورج کو اس پر دلالت کرنے والا بنایا۔ پھر ہم آہستہ آہستہ اس کو اپنی طرف کھینچ کر سمیٹ لیتے ہیں۔

اشیاء کے سائے سے دلیل قدرت کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَنْظُر "إلَى" فِعْل "رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلّ" مِنْ وَقْت الْإِسْفَار إلَى وَقْت طُلُوع الشَّمْس "وَلَوْ شَاءَ" رَبّك "لَجَعَلَهُ سَاكِنًا" مُقِيمًا لَا يَزُول بِطُلُوعِ الشَّمْس "ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْس عَلَيْهِ" أَيْ الظِّلّ "دَلِيلًا" فَلَوْلَا الشَّمْس مَا عُرِفَ الظِّلّ، "ثُمَّ قَبَضْنَاهُ" أَيْ الظِّلّ الْمَمْدُود "إلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا" خَفِيًّا بِطُلُوعِ الشَّمْس

کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، اس نے کس طرح سائے کو پھیلا دیا یعنی اسفار سے طلوع آفتاب اور اگر وہ چاہتا تو اسے ضرور ساکن کر دیتا، یعنی جو طلوع آفتاب سے زائل نہ ہوتا۔پھر ہم نے سورج کو اس پر دلالت کرنے والا بنایا۔کیونکہ اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ پہچانا نہ جاتا۔پھر ہم آہستہ آہستہ اس سایہ کو اپنی طرف کھینچ کر سمیٹ لیتے ہیں۔یعنی طلوع آفتاب کے سبب بہ تدریج اس کو سمیٹ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر دلیلیں بیان ہو رہی ہے کہ مختلف اور متضاد چیزوں کو وہ پیدا کر رہا ہے۔سائے کو وہ بڑھاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ وقت صادق سے لے کر سورج کے نکلنے تک کا ہے اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی حالت پر رکھ دیتا۔جیسے فرمان ہے کہ اگر وہ رات ہی رات رکھے تو کوئی دن نہیں کر سکتا اور اگر دن ہی دن رکھے تو کوئی رات نہیں لا سکتا۔اگر سورج نہ نکلتا تو سائے کا حال ہی معلوم نہ ہوتا۔ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے سائے کے پیچھے دھوپ دھوپ کے پیچھے سایہ بھی قدرت کا انتظام ہے۔پھر

سہج سہج ہم اسے یعنی سائے کو یا سورج کو اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ایک گھٹتا جاتا ہے تو دوسرا بڑھتا جاتا ہے اور یہ انقلاب سرعت سے عمل میں آتا ہے کوئی جگہ سایہ دار باقی نہیں رہتی صرف گھروں کے چھپڑوں کے اور درختوں کے نیچے سایہ رہ جاتا ہے اور ان کے بھی اوپر دھوپ کھلی ہوئی ہوتی ہے۔آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا کر کے ہم اسے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝
اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پوشاک بنایا اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

دن رات کا انسان کیلئے نعمت ہونے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِى جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا" سَاتِرًا كَاللِّبَاسِ "وَالنَّوْمَ سُبَاتًا" رَاحَةً لِلْأَبْدَانِ بِقَطْعِ الْأَعْمَال "وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا" مَنْشُورًا فِيهِ لِابْتِغَاءِ الرِّزْقِ وَغَيْره

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پوشاک کی طرح ڈھانک لینے والا بنایا اور نیند تمہارے جسموں کے لئے آرام کا باعث بنایا کیونکہ اس میں کام ختم کر دیئے جاتے ہیں۔اور دن کو کام کاج کے لئے یعنی تلاش معاش وغیرہ کیلئے اٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

اسی نے رات کو تمہارے لیے لباس بنایا ہے کہ وہ تمہارے وجود پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانپ لیتی ہے جیسے فرمان ہے قسم ہے رات کی جب کہ ڈھانپ لے،اسی نے نیند کو سبب راحت وسکون بنایا کہ اس وقت حرکت موقوف ہو جاتی ہے۔اور دن بھر کے کام کاج سے جو تھکن چڑھ گئی تھی وہ اس آرام سے اتر جاتی ہے۔بدن کو اور روح کو راحت حاصل ہو جاتی ہے۔پھر دن کو اٹھ کھڑے ہوتے ہو پھیل جاتے ہو۔اور روزی کی تلاش میں لگ جاتے ہو۔جیسے فرمان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے رات دن مقرر کر دیا ہے کہ تم سکون وآرام بھی حاصل کرلو اور اپنی روزیاں بھی تلاش کرو۔

وَهُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۝
اور وہی ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری کے لیے بھیجا اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔

بارش سے پہلے خوشخبری دینے والی ہواؤں کا بیان

"وَهُوَ الَّذِى أَرْسَلَ الرِّيَاح " وَفِي قِرَاءَة الرِّيح "بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَته " مُتَفَرِّقَة قُدَّام الْمَطَر وَفِي قِرَاءَة بِسُكُونِ الشِّين تَخْفِيفًا وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَنُون مَفْتُوحَة مَصْدَر وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَضَمّ الْمُوَحَّدَة بَدَل النُّون : أَيْ مُبَشِّرَات وَمُفْرَد الْأُولَى نُشُور كَرَسُولٍ وَالْأَخِيرَة بَشِير "وَأَنْزَلْنَا مِنْ السَّمَاء مَاء طَهُورًا" مُطَهِّرًا،

یہاں پر ایک قرأت میں ریاح یہ ریح آیا ہے۔اور وہی ہے جس نے ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری کے لیے بھیجا یعنی

جو بارش سے پہلے پھیلتی ہوئی ہوائیں ہیں۔ یہاں پر لفظ بشرا، ایک قرأت میں شین کے سکون تخفیف کے ساتھ آیا ہے جبکہ دوسری قرأت میں نون مفتوحہ کے ساتھ مصدر ہے اور جبکہ ایک اور قرأت کے مطابق شین کے سکون اور نون کی بہ جائے باء کو ضمہ کے ساتھ یعنی بشرا لائے ہیں یعنی خوشخبری دینے والی ہیں۔ اور پہلی قرأت کے مطابق نشرا جس کا مفرد نشور ہے جس طرح رسل کا مفرد رسول ہے۔ جبکہ آخری قرأت میں بشرا کا مفرد بشیر ہے۔ اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔

ریاح کا لفظ ریح کی جمع ہے۔ جس کا معنی محض ہوا ہے خواہ وہ چل رہی ہو یا ساکن ہو اور اگر وہ حرکت میں ہو یعنی چل رہی ہو تو عربی زبان میں ہر سمت سے چلنے والی ہوا کے لئے الگ الگ لغت ہے۔ جو ہوا شمال سے جنوب کی طرف چل رہی ہو اس ہوا کو بھی شمال ہی کہتے ہیں اور یہ عموماً بارش ہوتی ہے اور جو جنوب سے شمال کو چلے اسے جنوب کہتے ہیں اور یہ عموماً بادلوں کو اڑا لے جانے والا ہوتی ہے جو مشرق سے مغرب کو عموماً صبح کے وقت چلتی ہے اسے صبا کہتے ہیں اور یہ دل کو فرحت بخشنے والی ہوتی ہے اور جو مغرب سے مشرق کو چلے اسے دبور کہتے ہیں۔ اسے منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ عاد کی قوم اسی ہوا سے ہلاک ہوئی تھی۔

لِّنُحْیِ ۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا۝
تاکہ ہم اس کے ذریعے ایک مردہ شہر کو زندہ کریں اور اسے اس میں سے جو ہم نے پیدا کی ہے، بہت سے
جانوروں اور انسانوں کو پینے کے لیے مہیا کریں۔

مردہ شہروں کو زندہ کرنے کا بیان

"لِنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَیْتًا" بِالتَّخْفِیفِ یَسْتَوِی فِیهِ الْمُذَكَّر وَالْمُؤَنَّث ذَكَّرَهُ بِاعْتِبَارِ الْمَكَان "وَنُسْقِیَهُ" أَیْ الْمَاء "مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا" إِبِلًا وَبَقَرًا وَغَنَمًا "وَأَنَاسِیَّ كَثِیرًا" جَمْع إِنْسَان وَأَصْله أَنَاسِین فَأُبْدِلَتْ النُّون یَاء وَأُدْغِمَتْ فِیهَا الْیَاء أَوْ جَمْع إِنْسِیّ

تاکہ ہم اس کے ذریعے ایک مردہ شہر کو زندہ کریں یہاں پر لفظ میتا یہ تخفیف کے ساتھ آیا ہے جس مین جگہ کے اعتبار سے مرد خواتین برابر ہیں۔ یعنی بلدۃ کی صفت کو مذکر اس لئے لایا گیا کہ بلدۃ کے مقام کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور اسے اس مخلوق میں سے جو ہم نے پیدا کی ہے، بہت سے جانوروں اور انسانوں کو پینے کے لیے مہیا کریں۔ جن میں اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں۔ اور اناسی یہ انسان کی جمع ہے۔ اس کی اصل اناسین ہے۔ پس نون کو یاء بدلہ اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا یا یہ انسی کی جمع ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بلدۃ میتا۔ موصوف، صفت، مردہ بستی۔ غیر آباد شہر، جہاں کوئی نباتات نہ ہو۔ بلدۃ بمعنی البلد ہے اور اسی وجہ سے میتا مذکر لایا گیا ہے۔ اناسی۔ یہ یا انسی کی جمع ہے جیسے کرسی کی جمع کراسی ہے یا یہ انسان کی جمع ہے اور اصل میں اناسین تھا جیسے سرحان کی جمع سراحین اور بستان کی جمع بساتین ہے نون کو یاء سے بدلا اور یاء کو یاء میں مدغم کیا۔

آیت میں یہ بتلایا ہے کہ آسمان سے نازل کردہ پانی سے اللہ تعالیٰ زمین کو بھی سیراب کرتا ہے اور جانوروں کو بھی اور بہت سے انسانوں کو بھی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جس طرح جانور سب کے سب اس پانی سے سیراب ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی سبھی اس پانی سے فائدہ اٹھاتے اور سیراب ہوتے ہیں۔ پھر ان میں یہ تخصیص کہ بہت سے انسانوں کو سیراب کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بہت سے انسان اس سیرابی سے محروم اور الگ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بہت سے انسانوں سے وہ جنگل کے رہنے والے لوگ مراد ہیں جن کا عموماً گزارہ بارش کے پانی پر ہوتا ہے۔ شہری آبادی والے تو نہروں کے کناروں پر کنوؤں کے قریب آباد ہوتے ہیں بارش کے منتظر نہیں رہتے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ○
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے ان کے درمیان پھیر پھیر کر بیان کیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، مگر اکثر لوگوں نے ناشکری
کرنے کے سوا کچھ نہیں مانا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیج دیتے۔

مختلف انداز میں نصیحت کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ" أَيْ الْمَاء "بَيْنهمْ لِيَذَّكَّرُوا" أَصْلـه يَتَذَكَّرُوا أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الذَّال وَفِي قِرَاءَة لِيَذْكُرُوا بِسُكُونِ الذَّال وَضَمّ الْكَاف : أَيْ نِعْمَة اللّٰه بِهِ "فَأَبَى أَكْثَر النَّاس إلَّا كُفُورًا" جُحُودًا لِلنِّعْمَةِ حَيْثُ قَالُوا : مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا، "وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلّ قَرْيَة نَذِيرًا" يُخَوِّف أَهْلهَا وَلَكِنْ بَعَثْنَاك إلَى أَهْل الْقُرَى كُلّهَا نَذِيرًا لِيَعْظُم أَجْرك،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اسے ان کے درمیان پھیر پھیر کر بیان کیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں، یہاں پر یذکروا اصل میں یتذکروا تھا تو تاء کا ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں لیذکروا سکون ذال کے اور کاف کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے ساتھ نصیحت حاصل کریں، مگر اکثر لوگوں نے ناشکری کرنے کے سوا کچھ نہیں مانا۔ اور کہا کہ فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش ہوئی ہے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں ایک ڈر سنانے والا بھیج دیتے۔ جو وہاں کی بستی والوں کو ڈراتا لیکن ہم نے تمام بستیوں کی طرف آپ کو ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تا کہ آپ کیلئے ثواب دیا ہو۔

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ، کہیں جلد کہیں بدیر، جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار وحکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اسلئے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنے استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

پس تو کافروں کا کہنا نہ مان اور تو اس کے ذریعے ان کے ساتھ بڑا جہاد کر۔

کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا بیان

"فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ" فِي هَوَاهُمْ "وَجَاهِدْهُمْ بِهِ" أَيْ الْقُرْآن

پس (اے مردِ مومن!) تو کافروں کی خواہشات میں ان کا کہنا نہ مان اور تو اس قرآن کی دعوت اور دلائل کے ذریعے ان کے ساتھ بڑا جہاد کریں۔

یہ آیت مکی ہے جبکہ احکام کفار سے قتال و جنگ کے نازل نہیں ہوئے تھے اسی لئے یہاں جہاد کو بہ کے ساتھ مقید کیا گیا، بہ کی ضمیر تو قرآن کی طرف راجع ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کے ذریعہ مخالفین اسلام سے جہاد کرو بڑا جہاد، قرآن کے ذریعہ اس جہاد کا حاصل اس کے احکام کی تبلیغ اور خلق خدا کو اس کی طرف توجہ دینے کی ہر کوشش ہے خواہ زبان سے ہو یا قلم سے دوسرے طریقوں سے اس سب کو یہاں جہاد کبیر فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا۔ یہ میٹھا نہایت شیریں ہے اور یہ کھاری نہایت تلخ ہے۔ اور اس نے ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط رکاوٹ بنا دی۔

پانی میں مٹھاس وکڑواہٹ کا بیان

"وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ" أَرْسَلَهُمَا مُتَجَاوِرَيْنِ "هَذَا عَذْب فُرَات" شَدِيد الْعُذُوبَة "وَهَذَا مِلْح أُجَاج" شَدِيد الْمُلُوحَة "وَجَعَلَ بَيْنهمَا بَرْزَخًا" حَاجِزًا لَا يَخْتَلِط أَحَدهمَا بِالْآخَرِ "وَحِجْرًا مَحْجُورًا" سِتْرًا مَمْنُوعًا بِهِ اخْتِلَاطهمَا

اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا کر جاری کر دیا ہے۔ یہ ایک میٹھا نہایت شیریں ہے یعنی میٹھا لذت والا ہے اور یہ دوسرا کھاری نہایت تلخ ہے۔ یعنی نمکین کڑوا ہے۔ اور اس نے ان دونوں کے درمیان ایک پردہ اور مضبوط رکاوٹ بنا دی۔ تا کہ ان میں سے ایک دوسرے میں مکس نہ ہو۔ یعنی ایسا مضبوط مانع رکھا ہے جس کے سبب ان کا مکس ہونا رک گیا ہے۔

اسی رب نے پانی کو دو طرح کا کر دیا ہے۔ میٹھا اور کھاری۔ نہروں چشموں اور کنوؤں کا پانی عموماً شیریں صاف اور خوش ذائقہ ہوتا ہے۔ بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہیے کہ اس نے میٹھے پانی کی چاروں طرف ریل پیل کر دی تا کہ لوگوں کو نہانے دھونے پینے اور کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔ مشرقوں اور

مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں، ادھر ادھر بہتے نہیں لیکن موجیں مار رہے ہیں، تلاطم پیدا کر رہے ہیں، بعض میں مدوجزر ہے، ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک آخر میں اپنی حالت پر آ جاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہ بھی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کیساتھ چڑھتا رہا پھر اترنا شروع ہوا ان تمام سمندروں کو اسی اللہ نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مر جاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اسکا مردہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ نے فرمایا اسکا پانی پاک ہے اور اسکا مردہ حلال ہے۔ مالک شافعی اور اہل سنن رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کی ہے اور اسناد بھی صحیح ہے پھر اسکی قدرت دیکھو کہ محض اپنی طاقت سے اور اپنے حکم سے ایک دوسرے سے جدا رکھا ہے نہ کھاری میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کھاری میں مل سکے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا۝
اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا، پھر اسے خاندان اور سسرال بنا دیا اور تیرا رب بے حد قدرت والا ہے۔

انسان کی تخلیق اور نسل انسانی کی بقاء کا بیان

"وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنْ الْمَاء بَشَرًا" مِنْ الْمَنِيّ إنْسَانًا "فَجَعَلَهُ نَسَبًا" ذَا نَسَب "وَصِهْرًا" ذَا صِهْر بِأَنْ يَتَزَوَّج ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى طَلَبًا لِلتَّنَاسُلِ "وَكَانَ رَبّك قَدِيرًا" قَادِرًا عَلَى مَا يَشَاء

اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر کو پیدا کیا، یعنی منی سے انسان بنایا پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنا دیا یعنی کہ وہ شادی کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت ہوتا کہ نسل حاصل کرے۔ اور تیرا رب بے حد قدرت والا ہے۔ یعنی وہ جسے چاہے اس پر قادر ہے۔

دیکھ لو! کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرہ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم کیے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے۔

نسب کی حفاظت کرنے کا بیان

حضرت امام مالک کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان

سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 533)

حدیث کے آخری جملہ میں حاملہ لونڈی کے استبراء کا حکم ہے کہ اگر کوئی لونڈی حمل کی حالت میں اپنی ملکیت میں آئے تو اس سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے تا کہ اس لونڈی کے رحم میں جو ایک دوسرے شخص کے نطفہ کا حمل ہے اس سے اپنے نطفہ و نسب کا اختلاط نہ ہو۔ غیر حائضہ لونڈی کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ جس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو اس کا استبراء یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر پورا ایک یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے اور بعض حضرات نے اس حدیث کے پیش نظر یہ کہا ہے کہ غیر حائضہ کا استبراء یہ ہے کہ اس سے اس وقت جماع کیا جائے جب کہ اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس پر تین مہینے یا اس سے زائد عرصہ گزر جائے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَ كَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ○
اور وہ اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع دیتی ہے اور نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہے اور
کافر ہمیشہ اپنے رب کے خلاف مدد کرنے والا ہے۔

کفار شیطان کی اتباع کرنے والے ہیں

"وَيَعْبُدُونَ" أَيْ الْكُفَّار "مِنْ دُونِ اللَّه مَا لَا يَنْفَعهُمْ" بِعِبَادَتِهِ "وَلَا يَضُرّهُمْ" بِتَرْكِهَا وَهُوَ الْأَصْنَام "وَكَانَ الْكَافِر عَلَى رَبّه ظَهِيرًا" مُعِينًا لِلشَّيْطَانِ بِطَاعَتِهِ

اور وہ کفار اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جو عبادت کرنے پر نہ انہیں نفع دیتی ہے اور عبادت چھوڑ دینے پر نہ انہیں نقصان پہنچاتی ہے اور وہ بت ہیں۔ اور کافر ہمیشہ اپنے رب کے خلاف مدد کرنے والا ہے۔ یعنی شیطان کی اتباع کر کے اس کی مدد کرنے والا ہے۔

مشرکوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ وہ بت پرستی کرتے ہیں اور بلا دلیل و حجت ان کی پوجا کرتے ہیں جو نہ نفع کے مالک نہ نقصان کے۔ صرف باپ دادوں کی دیکھا دیکھی نفسانی خواہشات سے انکی محبت و عظمت اپنے دل میں جمائے ہوئے ہیں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی اور مخالفت رکھتے ہیں۔ شیطانی لشکر میں شامل ہو گئے ہیں اور رحمانی لشکر کے مخالف ہو گئے ہیں لیکن یاد رکھیں کہ انجام کار غلبہ اللہ والوں کو ہی ہوگا۔ یہ خواہ مخواہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو رہے ہیں انجام کار مومنوں کے ہی ہاتھ رہے گا۔ دنیا اور آخرت میں ان کا پروردگار انکی امداد کرے گا۔ ان کفار کو تو شیطان صرف اللہ کی مخالفت پر ابھار دیتا ہے اور کچھ نہیں۔ سچے اللہ کی عداوت انکے دل میں ڈال دیتا ہے شرک کی محبت بٹھا دیتا ہے یہ اللہ کے احکام سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ○

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا مگر جو شخص اپنے رب تک راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے (کر لے)۔

نبی کریم ﷺ کے اوصاف بشیر ونذیر ہونے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا" بِالْجَنَّةِ "وَنَذِيرًا" مُخَوِّفًا مِنَ النَّارِ، "قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ" أَيْ عَلَى تَبْلِيغِ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ "مِنْ أَجْرٍ إِلَّا" لَكِنْ "مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا" طَرِيقًا بِإِنْفَاقِ مَالِهِ فِي مَرْضَاتِهِ تَعَالَى فَلَا أَمْنَعُهُ مِنْ ذَلِكَ،

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر جنت کی خوشخبری سنانے والا اور آگ سے ڈر سنانے والا بنا کر۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے مگر جو شخص اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے یعنی اپنا مال خرچ کر کے اس کی رضا حاصل چاہے تو میں اس کو روکنے والا نہیں ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں مومنوں کو خوشخبری سنانے والا اور کفار کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اطاعت گزاروں کو جنت کی بشارت دیجئے اور نافرمانوں کو جہنم کے عذابوں سے مطلع فرما دیجئے۔ لوگوں میں عام طور پر اعلان کر دیجئے کہ میں اپنی تبلیغ کا بدلہ اپنے وعظ کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا۔ میرا ارادہ سوائے اللہ کی رضا مندی کی تلاش کے اور کچھ نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو راہ راست پر آنا چاہے اس کے سامنے صحیح راستہ نمایاں کر دوں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ○

اور آپ اس زندہ رہنے والے پر بھروسہ کیجئے جو کبھی نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا بیان

"وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوت وَسَبِّحْ" مُتَلَبِّسًا "بِحَمْدِهِ" أَيْ قُلْ: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ "وَكَفَى بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا" عَالِمًا تَعَلَّقَ بِهِ بِذُنُوب

اور آپ اس ہمیشہ زندہ رہنے والے رب پر بھروسہ کیجئے جو کبھی نہیں مرے گا اور اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہئے، سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے۔ یہاں ذنوب یہ خبیرا کے متعلق ہے۔

اے پیغمبر اپنے تمام کاموں میں اس اللہ پر بھروسہ رکھئے جو ہمیشہ اور دوام والا ہے جو موت وفوت سے پاک ہے جو اول وآخر ظاہر و باطن اور ہر چیز کا عالم ہے جو دائم باقی سرمدی ابدی حی وقیوم ہے جو ہر چیز کا مالک اور رب ہے اسکو اپنا ماوی وملجا ٹھہرا لے۔ اسی کی ذات ایسی ہے کہ اس پر توکل کیا جائے ہر گھبراہٹ میں اسی کی طرف جھکا جائے۔ وہ کافی ہے وہی ناصر ہے۔

۟الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی
عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا۝
وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر بلند ہوا،
بے حد رحم والا ہے، سو اس کے متعلق کسی پورے باخبر

زمین وآسمان کی چھ دن میں تخلیق ہونے کا بیان

هُوَ "الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا فِي سِتَّة أَيَّام" مِنْ أَيَّام الدُّنْيَا : أَيْ فِي قَدْرهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ شَمْس وَلَوْ شَاءَ لَخَلَقَهُنَّ فِي لَمْحَة وَالْعُدُول عَنْهُ لِتَعْلِيمِ خَلْقه التَّثَبُّت "ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْش" هُوَ فِي اللُّغَة سَرِير الْمُلْك "الرَّحْمَن" بَدَل مِنْ ضَمِير اسْتَوَى : أَيْ اسْتِوَاء يَلِيق بِهِ "فَاسْأَلْ" أَيُّهَا الْإِنْسَان "بِهِ" بِالرَّحْمَنِ "خَبِيرًا" يُخْبِرك بِصِفَاتِهِ

وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، دنیا کے دنوں کے حساب چھ دنوں میں پیدا کیا، یعنی اتنی مقدار کیونکہ اس اس وقت سورج نہ تھا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ایک لحہ میں پیدا کر دیتا لیکن مخلوق کو تعلیم دینے سے عدول ہو جانا تھا۔ پھر عرش پر بلند ہوا، اور عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ بے حد رحم والا ہے، یہاں پر الرحمٰن یہ استویٰ کی ضمیر سے بدل ہے، اے انسان! اس کے متعلق کسی پورے باخبر سے پوچھیں جو اس کی صفات کی تجھے بتائے۔

یعنی اتنی مقدار میں کیونکہ لیل ونہار اور آفتاب تو تھے ہی نہیں اور اتنی مقدار میں پیدا کرنا اپنی مخلوق کو آہستگی اور اطمینان کی تعلیم کے لئے ہے ورنہ وہ ایک لحہ میں سب کچھ پیدا کر دینے پر قادر ہے۔

سلف کا مذہب یہ ہے کہ استواء اور اس کے امثال جو وارد ہوئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے اس کو اللہ جانے۔ بعض مفسرین استواء کو بلندی اور برتری کے معنی میں لیتے ہیں اور بعض استیلا کے معنی میں لیکن قول اول ہی اسلم واقویٰ ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا۝
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمان کیا ہے؟ کیا ہم اسی کو سجدہ کرنے لگ جائیں
جس کا آپ ہمیں حکم دے دیں اور اس نے انہیں نفرت میں اور بڑھا دیا۔

کفار مکہ کا رحمان کو سجدہ نہ کرنے کا بیان

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ" لِكُفَّارِ مَكَّة "اُسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَن أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرنَا" بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّة وَالْآمِر مُحَمَّد وَلَا نَعْرِفهُ ؟ لَا "وَزَادَهُمْ" هَذَا الْقَوْل لَهُمْ "نُفُورًا" عَنْ الْإِيمَان

اور جب ان کفار مکہ سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ (منکرینِ حق) کہتے ہیں کہ رحمان کیا (چیز) ہے؟ یہاں پر تأمر یاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے کیا ہم اسی کو سجدہ کرنے لگ جائیں جس کا آپ ہمیں حکم دے دیں یعنی جس کا حکم نبی کریم ﷺ دیں جبکہ ہم اس کو پہچانتے ہی نہیں؟ اور اس قول نے انہیں ایمان سے نفرت میں اور بڑھادیا۔

اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ رحمٰن کو جانتے نہیں اور یہ باطل ہے جو انہوں نے براہِ عناد کہا کیونکہ لغتِ عرب کا جاننے والا خوب جانتا ہے کہ رحمٰن کے معنی نہایت رحمت والا ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا○

بہت برکت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک روشنی کرنے والا چاند بنایا۔

آسمان میں بروج بنانے کا بیان

"تَبَارَكَ" تَعَاظَمَ "الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاء بُرُوجًا" اثْنَيْ عَشَر : الْحَمَل وَالثَّوْر وَالْجَوْزَاء وَالسَّرَطَان وَالْأَسَد وَالسُّنْبُلَة وَالْمِيزَان وَالْعَقْرَب وَالْقَوْس وَالْجَدْي وَالدَّلْو وَالْحُوت وَهِيَ مَنَازِل الْكَوَاكِب السَّبْعَة السَّيَّارَة الْمِرِّيخ وَلَهُ الْحَمَل وَالْعَقْرَب وَالزُّهَرَة وَلَهَا الثَّوْر وَالْمِيزَان وَعُطَارِد وَلَهُ الْجَوْزَاء وَالسُّنْبُلَة وَالْقَمَر وَلَهُ السَّرَطَان وَالشَّمْس وَلَهَا الْأَسَد وَالْمُشْتَرِي وَلَهُ الْقَوْس وَالْحُوت وَزُحَل وَلَهُ الْجَدْي وَالدَّلْو "وَجَعَلَ فِيهَا" أَيْضًا "سِرَاجًا" هُوَ الشَّمْس "وَقَمَرًا مُنِيرًا" وَفِي قِرَاءَة سُرُجًا بِالْجَمْعِ : أَيْ نَيِّرَات وَخُصَّ الْقَمَر مِنْهَا بِالذِّكْرِ لِنَوْعِ فَضِيلَة

بہت برکت یعنی عظمت والا ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے جو بارہ ہیں۔ جن کی تعداد بارہ ہے (۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزہ (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت۔

(۱) حمل کیلئے عقرب اور زہرہ ہیں۔ (۲) ثور کیلئے میزان اور عطارد ہیں (۳) جوزہ کیلئے سنبلہ اور قمر ہیں (۴) سرطان کیلئے سورج ہے (۵) اسد کیلئے مشتری ہے (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت

یہ برج سات بڑے سیاروں کی منزلیں ہیں جن کے نام ہیں مریخ، زہرہ، عطارد، قمر، شمس، مشتری اور زحل۔ اور ایک قرأت سرجا جمع کے ساتھ آیا ہے۔ روشن کواکب بنائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بروج سے کواکب سبعہ سیّارہ کے منازل مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بڑائی، قدرت، رفعت کو دیکھو کہ اس نے آسمان میں برج بنائے اس سے مراد یا تو بڑے بڑے ستارے ہیں یا چوکیداری کے برج ہیں۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ بڑے بڑے ستاروں سے مراد بھی یہی برج ہوں۔ اور آیت میں ہے آسمان دنیا کو ہم نے ستاروں کیساتھ مزین بنایا۔ سراج سے مراد سورج ہے جو چمکتا رہتا ہے اور مثل چراغ کے ہے۔ اسی طرح چاند ستارے وغیرہ دوسری خوبصورت روشنی والی اشیاء ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝
اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، اس کے لیے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے،
یا کچھ شکر کرنا چاہے۔

دن رات میں نیکی کرنے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِى جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَار خِلْفَة" أَىْ يَخْلُف كُلّ مِنْهُمَا الْآخَر "لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّر" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف كَمَا تَقَدَّمَ: مَا فَاتَهُ فِي أَحَدهمَا مِنْ خَيْر فَيَفْعَلهُ فِي الْآخَر "أَوْ أَرَادَ شُكُورًا" أَىْ شُكْرًا لِنِعْمَةِ رَبّه عَلَيْهِ فِيهِمَا

اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا، یعنی ہر ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ اس کے لیے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے، یہاں پر یذکر تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی ان دونوں یہ رات دن میں سے کسی ایک میں اگر کوئی نیکی کرنا رہ جائے تو وہ دوسرے میں کرے یا کچھ شکر کرنا چاہے۔ یعنی اپنے رب کی نعمتوں پر ان دونوں میں شکر ادا کرے۔

اس نے تمہارے لئے سورج چاند پے درپے آنے جانے والے بنائے ہیں۔ اور جگہ ہے رات دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور جلدی جلدی اسے طلب کرتی آتی ہے۔ نہ سورج چاند سے آگے بڑھ سکے نہ رات دن سے سبقت لے سکے۔ اسی سے اس کے بندوں کو اسکی عبادتوں کے وقت معلوم ہوتے ہیں رات کا فوت شدہ عمل دن میں پورا کرلیں۔ دن کا رہ گیا ہوا عمل رات کو ادا کرلیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن ضحیٰ کی نماز میں بڑی دیر لگادی۔ سوال پر فرمایا کہ رات کا میرا وظیفہ کچھ باقی رہ گیا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے پورا یا قضا کرلوں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی خلفۃ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی اور وہ ظلماتی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝
اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔

اللہ کے نیک بندے زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ" مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَه صِفَاتٌ لَهُ إِلَى أُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ غَيْرَ الْمُعْتَرِضِ فِيهِ "الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا" أَيْ بِسَكِيْنَةٍ وَتَوَاضُعٍ "وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ" بِمَا يَكْرَهُوْنَهُ "قَالُوْا سَلَامًا" أَيْ قَوْلًا يَسْلَمُوْنَ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ

یہاں پر عباد الرحمٰن مبتداء ہے اوراس کے بعد اولئك تک اس کی صفات ہیں۔اور جملہ معترضہ ہے۔اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں یعنی سکون اور عاجزی سے چلتے ہیں۔اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں جس کو وہ پسند نہ کرتے ہوں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔یعنی ایسا قول کہہ دیتے ہیں جس میں وہ گناہ سے بچ جاتے ہیں۔

یہ سلام متارکت ہے یعنی جاہلوں کے ساتھ مجادلہ کرنے سے اعراض کرتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ ایسی بات کہتے ہیں جو درست ہو اور اس میں ایذا اور گناہ سے سالم رہیں۔حسن بصری نے فرمایا کہ یہ تو ان بندوں کے دن کا حال ہے اور ان کی رات کا بیان آگے آتا ہے،مراد یہ ہے کہ ان کی مجلسی زندگی اور خلق کے ساتھ معاملہ ایسا پاکیزہ ہے اور ان کی خلوت کی زندگانی اور حق کے ساتھ رابطہ یہ ہے جو آگے بیان فرمایا جاتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے موطا کے حاشیہ میں لکھا ہے اور عبدالبر سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر میں فلاں آدمی سے سلام کروں اور اس سے ملنا جلنا رکھوں تو اس کی وجہ سے مجھے دینی یا دنیاوی نقصان برداشت کرنا پڑے گا اور میرا قیمتی وقت ضائع ہوگا وہ شخص اس سے کنارہ کشی کرلے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝
اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔

قیام وسجود میں رات بسر کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا" جَمْعُ سَاجِدٍ "وَقِيَامًا" بِمَعْنَى قَائِمِيْنَ يُصَلُّوْنَ بِاللَّيْلِ

اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔یہاں سجدا یہ ساجد کی جمع ہے اور قیاما بہ معنی قیام کرنے والے یعنی وہ رات کو نماز پڑھنے والے ہیں۔

یعنی نماز اور عبادت میں شب بیداری کرتے ہیں اور رات اپنے رب کی عبادت میں گزارتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے تھوڑی عبادت والوں کو بھی شب بیداری کا ثواب عطا فرماتا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس کسی نے بعد عشاء دو رکعت یا زیادہ نفل پڑھے وہ شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہے۔مسلم شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس نے عشاء کی نماز بجماعت ادا کی اس نے نصف شب کے قیام کا ثواب پایا اور جس نے فجر بھی باجماعت ادا کی

وہ تمام شب کے عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ اپنے سایہ میں سایہ عطا کرے گا۔ جس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ جوان جس کی پرورش اللہ کی عبادت میں ہوئی ہو، تیسرا وہ آدمی جس کا دل مساجد میں اٹکا ہوا ہو، چوتھے وہ دو آدمی جن کی دوستی اللہ کے لئے ہو اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں پانچواں وہ آدمی جس کو کوئی نسب و جمال والی عورت بلائے (برائی کی طرف) تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ آدمی جو صدقہ اس طرح چھپا کر دیتا ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے دینے کی خبر نہ ہو۔ ساتواں وہ آدمی جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2373)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝
اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے۔ بے شک اس کا عذاب ہمیشہ چمٹ جانے والا ہے۔
بے شک وہ بری ٹھہرنے کی جگہ اور اقامت کی جگہ ہے۔

اہل جہنم کا دوزخ کے مقام سے نکلنے کی پکار کا بیان

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا" أَيْ لَازِمًا، "إِنَّهَا سَاءَتْ" بِئْسَ "مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا" هِيَ: أَيْ مَوْضِع اسْتِقْرَار وَإِقَامَة

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے۔ بے شک اس کا عذاب ہمیشہ چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ بری ٹھہرنے کی جگہ اور اقامت کی جگہ ہے۔ یعنی جو جگہ ان کے ٹھہرنے اور قیام کی ہے۔

حضرت مالک بن حارث کا بیان ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنی مدت تک وہ نیچے ہی نیچے چلا جائے گا اسکے بعد جہنم کے ایک دروازے پر اسے روک دیا جائے گا اور کہا جائے گا تم بہت پیاسے ہو رہے ہو گے لو ایک جام تو نوش کرلو۔ یہ کہہ کر انہیں کالے ناگ اور زہریلے بچھوؤں کے زہر کا ایک پیالہ پلایا جائے گا جس کے پیتے ہی ان کی کھالیں الگ جھڑ جائیں گی بال الگ ہو جائیں گے رگیں الگ جا پڑیں گی ہڈیاں جدا جدا ہو جائیں گی۔

حضرت عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہنم میں گڑھے ہیں کنویں ہیں ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہ وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں، ہونٹوں پر سروں پر اور جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور پھکنے لگتے ہیں سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ فرقان، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝
اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

اعتدال کے ساتھ خرچ کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا" عَلَى عِيَالهمْ "لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا" بِفَتْحِ أَوَّله وَضَمّه : أَيْ يُضَيِّقُوا "وَكَانَ" إِنْفَاقهمْ "بَيْن ذَلِكَ" الْإِسْرَاف وَالْإِقْتَار "قَوَامًا" وَسَطًا

اور وہ جب اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں، یہاں پر یقترو ا پہلے کلمہ کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی وہ تنگی نہیں کرتے اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے انسانوں سے دوستی نصف عقل ہے اور خوبی کے ساتھ سوال کرنا آدھا علم ہے اس روایت کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 996)

حدیث کے پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی خرچ کرنے میں نہ تو اسراف کرنا اور نہ تنگی کرنا بلکہ میانہ روای اختیار کرنا زندگی کا آدھا سرمایہ ہے بایں طور کہ انسان کی معاشی زندگی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے ایک تو آمدنی دوسری خرچ اور ان دونوں کے درمیان توازن خوشحالی کی علامت ہے اور معیشت کے مستحکم ہونے کا ذریعہ بھی ہے لہٰذا جس طرح آمدنی کے توازن کا بگڑنا، خوش حالی کے منافی اور معشت کے عدم استحکام کا سبب ہے اسی طرح اگر اخراجات کا توازن بگڑ جائے تو نہ صرف خوش حالی مفقود ہوگی بلکہ معیشت کا سارا ڈھانچہ درہم برہم ہو جائے گا لہٰذا مصارف میں اعتدال کرنا میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف حصہ ہوا۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اولاد آدم! جو مال تمہاری حاجت و ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا تمہارے لئے دنیا وآخرت میں بہتر ہے۔

اور اسے روکے رکھنا یعنی خرچ نہ کرنا اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کے نزدیک بھی تمہارے لئے برا ہے! بقدر کفایت مال پر کوئی ملامت نہیں ہے اور جو مال تمہاری حاجت سے زائد ہو اسے خرچ کرنے کے سلسلے میں اپنے اہل وعیال سے ابتداء کرو۔

(مسلم بمشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 361)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝
اور وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیر حق مارنا
اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ بدکاری کرتے ہیں، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سزائے گناہ پائے گا۔

شرک، قتل اور زنا کا بڑے گناہ ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ" قَتْلَهَا "اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ" أَيْ وَاحِدًا مِنَ الثَّلَاثَةِ "يَلْقَ اَثَامًا" أَيْ عُقُوْبَةً،

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پوجا نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے اور نہ ہی بدکاری یعنی زنا کرتے ہیں، اور جو شخص یہ کام کرے گا یعنی تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کام بھی کرے تو وہ سزائے گناہ پائے گا۔ یعنی جو گناہ اس نے کیا ہے۔

سورہ فرقان آیت ۶۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کا شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اپنی اولاد کو اس لئے قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا نہ کھانے لگے یا تمہارے کھانے میں سے نہ کھانے لگے اور یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرو۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی

(وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا 68 يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا) 25۔ الفرقان : 68)

اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کو نہیں پکارتے اور اس شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے اور زنا نہیں کرتے اور جس شخص نے یہ کیا وہ گناہ میں جا پڑا، قیامت کے دن اسے دگنا عذاب ہوگا اور اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔ سفیان کی منصور اور اعمش سے منقول حدیث شعبہ کی واصل سے روایت حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ واصل کی سند میں ایک شخص زیادہ مذکور ہے۔ محمد بن مثنی محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے وہ واصل سے وہ ابووائل سے اور وہ عبداللہ سے نقل کرتے ہوئے عمرو بن شرحبیل کا ذکر نہیں کرتے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1131)

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝
اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دو گنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور
ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

کبائر گناہ کرنے والے کیلئے دوگنا عذاب کا بیان

"يُضَاعَفْ" وَفِيْ قِرَاءَةٍ يُضَعَّفْ بِالتَّشْدِيْدِ "لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُخَلَّدْ فِيْهِ" بِجَزْمِ الْفِعْلَيْنِ بَدَلًا

وَبِرَفْعِهِمَا اسْتِئْنَافًا "مُهَانًا" حَال، "إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" مِنْهُمْ "فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ" الْمَذْكُورَة "حَسَنَات" فِي الْآخِرَة "وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا" أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ،

یہاں پر ایک قرأت کے مطابق یضعف شد کے ساتھ آیا ہے۔اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں پر دونوں افعال یعنی یضاعف اور یخلد بدل ہونے کے سبب جزم کے ساتھ بھی آئے ہیں اور بہ وطور استیناف کے مرفوع بھی آئے ہیں۔اور مہانا یہ حال ہے۔مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں یعنی مذکورہ برائیوں کو آخرت میں نیکیوں سے بدل دے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔یعنی یہ ان صفات سے اس کا متصف رہنا دائمی ہے۔یعنی جو لوگ ایسے جرائم میں مبتلا ہیں۔ایک تو انہیں ان کی سزا مل کے رہے گی۔دوسرے ان کے عذاب میں کبھی وقفہ نہیں آئے گا۔اور تیسرے یہ کہ ان کے عذاب میں دم بدم اضافہ ہی کیا جاتا رہے گا۔پھر اس جہنم سے نکلنے کی بھی کوئی صورت اس کے لئے ممکن نہ ہوگی۔

توبہ کے سبب گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

یعنی بدی کرنے کے بعد نیکی کی توفیق دے کر یا یہ معنی کہ بدیوں کو توبہ سے مٹا دے گا اور ان کی جگہ ایمان وطاعت وغیرہ نیکیاں ثبت فرمائے گا۔(مدارک) مسلم کی حدیث میں ہے کہ روز قیامت ایک شخص حاضر کیا جائے گا ملائکہ بحکم الٰہی اس کے صغیرہ گناہ ایک ایک کر کے اس کو یاد دلاتے جائیں گے وہ اقرار کرتا جائے گا اور اپنے بڑے گناہوں کے پیش ہونے سے ڈرتا ہوگا اس کے بعد کہا جائے گا کہ ہر ایک بدی کے عوض تجھ کو نیکی دی گئی، یہ بیان فرماتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی اور اس کی شان کرم پر خوشی ہوئی اور چہرہ اقدس پر سرور سے تبسم کے آثار نمایاں ہوئے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ فرقان، لاہور)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ۙ
وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝
اور جس نے توبہ کر لی اور نیک عمل کیا تو اس نے اللہ کی طرف (وہ) رجوع کیا جو رجوع کا حق تھا۔اور وہ جو جھوٹ میں شریک
نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو باعزت گزر جاتے ہیں۔

توبہ اور نیک عمل کے سبب گناہ معاف ہونے کا بیان

"وَمَنْ تَابَ" مِنْ ذُنُوبه غَيْر مَنْ ذُكِرَ "وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوب إِلَى اللَّه مَتَابًا" أَيْ يَرْجِع إِلَيْهِ رُجُوعًا فَيُجَازِيه خَيْرًا، "وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّور" أَيْ الْكَذِب وَالْبَاطِل "وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ" مِنْ الْكَلَام الْقَبِيح وَغَيْره "مَرُّوا كِرَامًا" مُعْرِضِينَ عَنْهُ،

اور جس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور نیک عمل کیا تو اس نے اللہ کی طرف وہ رجوع کیا جو رجوع کا حق تھا۔یعنی وہ اسی

بارگاہ کی طرف لوٹ آیا ہے لہٰذا اس کو بھلائی کی جزاء دی جائے گی۔ اور وہ جو جھوٹ یعنی کذب اور باطل میں شریک نہیں ہوتے اور جب بے ہودہ کام یعنی برے کلام وغیرہ کرنے والوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو باعزت گزر جاتے ہیں۔ یعنی اس سے اعراض کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! ہم نے جو گناہ جاہلیت کے زمانہ میں کئے ہیں کیا ہم سے ان کا مواخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "جو شخص اسلام لایا پھر نیک عمل کرتا رہا اس سے جاہلیت کے گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ (بخاری۔ کتاب استتابہ المرتدین)

جھوٹ اور فضول چیزوں سے پرہیز کرنے والوں کا بیان

عباد الرحمٰن کے اور نیک اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے یعنی شرک نہیں کرتے، بت پرستی سے بچتے ہیں، جھوٹ نہیں بولتے فسق وفجور نہیں کرتے کفر سے الگ رہتے ہیں لغو اور باطل کاموں سے پرہیز کرتے ہیں گانا نہیں سنتے مشرکوں کی عیدیں نہیں مناتے خیانت نہیں کرتے بری مجلسوں میں نشست نہیں رکھتے شرابیں نہیں پیتے شراب خانوں میں نہیں جاتے اس کی رغبت نہیں کرتے حدیث میں بھی ہے کہ سچے مومن کو چاہئے کہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

بخاری ومسلم میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا ماں باپ کی نافرمانی کرنا اس وقت تک آپ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے سنو اور جھوٹی بات کہنا سنو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے۔ اللہ کے ان بزرگ بندوں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کے دل ہل جاتے ہیں ان کے ایمان اور توکل بڑھ جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فرقان، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝
اور وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے
ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور وفکر بھی کرتے ہیں)۔

قرآن کی آیات میں غور وفکر کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا" وُعِظُوا "بِآيَاتِ رَبِّهِمْ" أَيِ الْقُرْآن "لَمْ يَخِرُّوا" يَسْقُطُوا "عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا" بَلْ خَرُّوا سَامِعِينَ نَاظِرِينَ مُنْتَفِعِينَ

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں یعنی قرآن کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے بلکہ غور وفکر بھی کرتے ہیں تا کہ ان کو دیکھنے سننے والے فائدہ حاصل کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 621)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن سیکھے جیسا کہ سیکھنے کا حق ہے اور پھر دوسروں کو سکھائے تو وہ سب سے بہتر ہے کیونکہ جس طرح قرآن اور اس کے علوم دنیا کی تمام کتابوں اور علوم سے افضل اور اعلیٰ وارفع ہیں اسی طرح قرآنی علوم کو جاننے والا بھی دنیا کے افراد میں سب سے ممتاز اور کسی بھی علم کے جاننے والے سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ سیکھنے کا حق، سے مراد یہ ہے کہ قرآنی علوم میں غور وفکر کرے اور اس کے احکام ومعنی اور اس کے حقائق ودقائق کو پوری توجہ اور ذہنی وقلبی بیداری کے ساتھ سیکھے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝
اور وہ لوگ ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں
کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اپنی ازواج واولاد کیلئے بھلائی کی دعا مانگنے کا بیان

"وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجنَا وَذُرِّيَّاتنَا" بِالْجَمْعِ وَالْإِفْرَاد "قُرَّة أَعْيُن" لَنَا بِأَنْ نَرَاهُمْ مُطِيعِينَ لَك "وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إمَامًا" فِي الْخَيْر

اور وہ لوگ ہیں جو عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، تا کہ ہم انہیں تیری اطاعت کرنے والا دیکھیں۔ اور ہمیں بھلائی میں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔ یہاں پر لفظ ذریات جو جمع وافراد دونوں کیلئے آیا ہے۔

حضرت حسن بصری کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ کی اطاعت میں مشغول دیکھے یہی ایک انسان کے لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد وازواج کی ظاہری صحت وعافیت اور خوش حالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیبیوں کی بھی اصلاح اعمال واخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صالحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فرقان، بیروت)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا۝
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝

انہی لوگوں کو بلند ترین محلات ان کے صبر کرنے کی جزا کے طور پر بخشے جائیں گے اور وہاں دعائے خیر اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔ وہ ٹھہرنے اور رہنے کی اچھی جگہ ہے۔

اہل جنت کے بلند مقام واستقبال کا بیان

"أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ" الدَّرَجَة الْعُلْيَا فِي الْجَنَّة "بِمَا صَبَرُوا" عَلَى طَاعَة اللّٰه "وَيُلَقَّوْنَ" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف مَعَ فَتْح الْيَاء "فِيهَا" فِي الْغُرْفَة "تَحِيَّة وَسَلَامًا" مِنْ الْمَلَائِكَة، "خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا" مَوْضِع إِقَامَة لَهُمْ وَأُولَئِكَ وَمَا بَعْده خَبَر عِبَاد الرَّحْمَن الْمُبْتَدَأ

انہی لوگوں کو جنت میں بلند ترین محلات ان کے اللہ کی اطاعت پر صبر کرنے کی جزا کے طور پر بخشے جائیں گے اور وہاں دعائے خیر اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔ یہاں پر لفظ یلقون تشدید اور یاء کی فتحہ کے ساتھ تخفیف میں بھی آیا ہے۔ یعنی ایک مقام جہاں ان کیلئے سلامتی کی دعا کی جائے گی۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہیں۔ وہ ٹھہرنے اور رہنے کی اچھی جگہ ہے۔ یعنی ان کے ٹھہرنے کا مقام کتنا اچھا ہوگا۔ یہاں پر اولئک اور اس کا مابعد یہ عباد الرحمٰن مبتداء کی خبر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے کمرے ہوں گے جن کا اندرونی منظر باہر سے اور بیرونی منظر اندر سے نظر آئے گا۔

ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور عرض کیا وہ کس کے لئے ہوں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس کے لئے ہیں جس نے اچھی گفتگو کی، کھانا کھلایا ہمیشہ روزہ رکھا اور رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں اللہ کے لئے نماز پڑھی۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 427)

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا٥

فرما دیجئے: میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں اگر تم عبادت نہ کرو، پس واقعی تم نے جھٹلایا ہے تو اب یہ دائمی عذاب بنا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا لوگوں کی عبادت کا محتاج نہ ہونے کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّد لِأَهْلِ مَكَّة "مَا" نَافِيَة "يَعْبَأ" يَكْتَرِث "بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ" إِيَّاهُ فِي الشَّدَائِد فَيَكْشِفهَا "فَقَدْ" أَيْ فَكَيْفَ يَعْبَأ بِكُمْ وَقَدْ "كَذَّبْتُمْ" الرَّسُول وَالْقُرْآن "فَسَوْفَ يَكُون" الْعَذَاب "لِزَامًا" مُلَازِمًا لَكُمْ فِي الْآخِرَة بَعْد مَا يَحِلّ بِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَقُتِلَ مِنْهُمْ يَوْم بَدْر سَبْعُونَ وَجَوَاب لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلهَا،

یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل مکہ سے فرما دیجئے: میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ یہاں ماء نافیہ ہے۔ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو، یعنی اگر تم مصائب میں اس کو نہ پکارو تو وہ کیسے تم سے تکالیف کو دور کرے۔ لہٰذا اس کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے۔ پس واقعی تم نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو جھٹلایا ہے تو اب یہ جھٹلانا تمہارے لئے آخرت میں دائمی عذاب بنا رہے گا۔ جبکہ تم پر دنیا میں بھی عذاب

آیا جب یوم بدر تمہارے ستر آدمیوں کو قتل کیا گیا۔اور یہ لولا کا جواب ہے جو اپنے ماقبل پر دلالت کرنے والا ہے۔

اولین وآخرین جمع ہوکر بھی اللہ تعالیٰ کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اللہ عزوجل نے فرمایا اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے کہ جسے میں ہدایت دوں تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں کھلاؤں تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں پہناؤں تو تم مجھ سے لباس مانگو تو میں تمہیں لباس پہناؤں گا اے میرے بندو تم سب دن رات گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا اے میرے بندو تم مجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی ہرگز مجھے نفع پہنچا سکتے ہو۔

اے میرے بندو! اگر تم سب اولین وآخرین اور جن وانس اس آدمی کے دل کی طرح ہو جاؤ جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو تو بھی تم میری سلطنت میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر سب اولین اور آخرین اور جن وانس اس ایک آدمی کی طرح ہو جاؤ کہ جو سب سے زیادہ بدکار ہے تو پھر بھی تم میری سلطنت میں کچھ کمی نہیں کر سکتے اے میرے بندو اگر تم سب اولین اور آخرین اور جن اور انس ایک صاف چٹیل میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگنے لگو اور میں ہر انسان کو جو وہ مجھ سے مانگے عطا کر دوں تو پھر بھی میرے خزانوں میں اس قدر بھی کمی نہیں ہوگی جتنی کہ سمندر میں سوئی ڈال کر نکالنے سے۔اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنہیں میں تمہارے لئے اکٹھا کر رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو آدمی بہتر بدلہ پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو بہتر بدلہ نہ پائے تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے حضرت سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوادریس خولانی جب یہ حدیث بیان کرتے تھے تو اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2071)

سورہ فرقان کی تفسیر مصباحین جلد چہارم کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورہ فرقان کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الشُّعَرَآءِ

یہ قرآن مجید کی سورت الشعراء ہے

سورت شعراء کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الشُّعَرَاء (مَكِّيَّة إِلَّا آيَة 197 و224 إِلَى آخِرِ السُّورَة فَمَدَنِيَّة وَآيَاتهَا 227 آيَة نَزَلَتْ بَعْد الْوَاقِعَة)

سورہ شعراء مکیہ ہے سوائے آخری چار آیتوں کے جو(وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ، سے شروع ہوتی ہیں اس سورت میں گیارہ رکوع اور دوسو ستائیس آیات اور ایک ہزار دوسو اناسی کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس حروف ہیں۔ یہ سورہ واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت الشعراء کے زمانہ نزول کا بیان

اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں کہ اس سورے کا زمانہ نزول مکہ کا دور متوسط ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے سورہ طٰہٰ نازل ہوئی پھر واقعہ اور اس کے بعد الشعراء۔ اور سورہ طٰہٰ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ (روح المعانی جلد 19 صفحہ 64)

(1) طسم (2) تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ○
طٰسٓمّٓ کی مراد کو اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔

قرآن مجید کا حق کو باطل سے ظاہر کر دینے کا بیان

طسم " اللَّه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ "تِلْكَ" أَيْ هَذِهِ الْآيَات "آيَات الْكِتَاب " الْقُرْآن وَالْإِضَافَة بِمَعْنَى مِنْ "الْمُبِين" الْمُظْهِر الْحَق مِنْ الْبَاطِل،

طٰسٓمّٓ کی مراد کو اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔ یعنی اس کتاب جو قرآن ہے اس کی آیات واضح ہیں اور یہاں پر اضافت لفظ من کے معنی میں ہے۔ اور مبین سے مراد جو باطل سے حق کو ظاہر کرنے والی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تلک۔اسم اشارہ بعید ہے واحد مونث۔مشار الیہ السورۃ ہے۔یہ سورۃ۔ایت الکتب المبین: الکتب المبین موصوف و صفت مل کر مضاف الیہ ایات مضاف۔واضح کتاب کی آیات، یہ سورۃ واضح کتاب کی آیات (پر مشتمل) ہے یا یہ واضح کتاب کی آیات ہیں۔الکتب سے مراد القران ہے۔مبین اسم فاعل واحد مذکر بمعنی کھولنے والا۔ظاہر کرنے والا۔ابانۃ (افعال) سے بین مادہ باب تفعیل (تبیین) باب تفعل تبیین لازم بھی آتے ہیں متعدی بھی۔ظاہر ہونا یا ظاہر کرنا۔لہٰذا مبین کا معنی ظاہر بھی ہے اور ظاہر کرنے والا بھی۔(انوار البیان، سورہ شعراء)

کتاب سے مراد یہی خاص سورہ شعراء بھی ہوسکتی ہے اور پورا قرآن بھی۔کیونکہ قرآن کی ہر سورہ اپنی ذات میں جامع ہے، مکمل ہے اور مفصل کتاب ہے۔جیسا کہ پہلے اس کی وضاحت کی جا چکی ہے اور مبین سے مراد یہ ہے کہ یہ کتاب اپنا مدعا صاف صاف بیان کر رہی ہے اس میں کچھ ابہام نہیں جس کی کسی کو سمجھ نہ آسکے۔اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب کی آیات ہیں۔کسی انسان سے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی آیات پیش کر سکے۔

نبی کریم ﷺ کا حق و باطل میں فرق کر دینے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔تمہارے اس دوست یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے کہا، ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دستر خوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تا کہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔" (صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 141)

اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فرق کرنے والے ہیں۔ تشریح: اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر ملہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کی درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ
اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝
کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں
کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہ جائیں۔

نبی کریم ﷺ کا اپنی امت پر شفقت فرمانے کا بیان

"لَعَلَّكَ" يَا مُحَمَّد "بَاخِع نَفْسك" قَاتِلهَا غَمًّا مِنْ أَجْل "أَلَّا يَكُونُوا" أَيْ أَهْل مَكَّة "مُؤْمِنِينَ" وَلَعَلَّ هُنَا لِلْإِشْفَاقِ أَيْ أَشْفَقَ عَلَيْهَا بِتَخْفِيفِ هَذَا الْغَمّ "إِنْ نَشَأْ نُنَزِّل عَلَيْهِمْ مِنْ السَّمَاء آيَة فَظَلَّتْ" بِمَعْنَى الْمُضَارِع: أَيْ تَظَلّ, أَيْ تَدُوم "أَعْنَاقهمْ لَهَا خَاضِعِينَ" فَيُؤْمِنُونَ, وَلِمَا وَصَفَتْ الْأَعْنَاق بِالْخُضُوعِ الَّذِي هُوَ لِأَرْبَابِهَا جُمِعَتْ الصِّفَة مِنْهُ جَمْع الْعُقَلَاء،

یا محمد ﷺ کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ یعنی اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کے سبب آپ تقاضہ رحمت کے سبب شدید غمزدہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہاں پر لفظ لعل یہ اشفاق کے معنی میں ہے یعنی آپ اس غم میں اپنے اوپر شفقت فرمائیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی اتار دیں، یہاں پر ظلت یہ تظل کے معنی میں ہے یعنی تدوم جو مضارع ہیں۔ کہ ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہ جائیں۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔ یہاں پر وصف خضوع کی نسبت اعناق کی طرف کی گئی ہے۔ جو اہل اعناق کا وصف ہے۔ لہٰذا اسی لئے ذو العقول کیلئے یہ طور جمع لائی گئی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لعلک۔ لعل حرف مشبہ بالفعل۔ ک اس کا اسم۔ شاید تو۔ شاید کرتو۔ ہوسکتا ہے۔ کہ تو۔ باخع: بخع یبخع (فتح) بخع سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر۔ اپنے آپ کو ہلاک کردینے والا۔ غم یا غصہ سے اپنے آپ کو ہلاک کردینے والا۔ شاعر نے کہا ہے:۔

الا الھا الباخع الوجد نفسہ۔ اے غم کی وجہ سے خود کو ہلاک کرنے والے۔ اور جگہ قرآن میں آیا ہے: فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا، اگر وہ اس قرآن حکیم پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ اس غم میں ان کے پیچھے اپنی جان دیدیں گے۔

جو گدی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتی ہوئی گردن تک پہنچتی ہے اسے بخاع کہتے ہیں جب ذبح کرتے وقت چھری یہاں تک پہنچ جائے تو ذبح مکمل ہو جاتی ہے اسی سے باخع ماخوذ ہے یعنی ایسا ذبح کرنے والا جس نے چھری بخاع تک پہنچادی ہو۔

الا یکونوا مومنین: لا یکونوا مضارع منفی مجزوم مومنین اسم فاعل جمع مذکر منصوب یکونوا کی خبر۔ یہ ہلاکت کی وجہ ہے الا اصل میں ان لا ہے۔ای خیفۃ ان لا یومنوا بذلک الکتب المبین یہ اندیشہ کرتے ہوئے کہ وہ اس واضح کتاب پر ایمان نہ لائیں گے۔(انوار البیان، سورہ شعراء)

نشاء۔مضارع مجزوم بوجہ عمل ان جمع متکلم۔شاء یشاء(باب فتح)شیء مشیئۃ مصدر(اگر)ہم چاہیں۔ننزل۔مضارع مجزوم بوجہ جواب شرط۔جمع متکلم۔ہم اتاردیں۔ہم نازل کردیں۔

پہلی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا:۔ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی نازل کریں۔پھر ان کی گردنیں اس کے آگے بالکل جھک جائیں۔

دوسری صورت میں ترجمہ یوں ہوگا:۔ہم اگر چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی نازل کریں پھر ان کے اکابر عاجز و درماندہ ہو کر اس کے سامنے جھک جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے نور سے ایمان نصیب ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن وانس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا، لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آ گئی وہ راہ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شعاعوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الٰہی پر قلم خشک ہو چکا ہے، کہ اب تقدیر میں تغیر و تبدل ممکن نہیں۔(مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 97)

اندھیرے سے مراد نفس امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشات نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھا تھا لہٰذا جس کا قلب و دماغ ایمان واحسان کی روشنی سے منور ہو گیا اور اس نے طاعت الٰہی سے اللہ کی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو وہ نفس امارہ کے مکرو فریب اور اس کی ظلمت سے نکل کر اللہ پرستی و نیکوکاری کے لالہ زار میں آ گیا اور جو اپنے نفس کے مکروفریب میں پھنس کر طاعت الٰہی کے نور سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہ گیا۔

نشانی دیکھ کر اتباع کرنے کا بیان

علامہ زمخشری نے فرمایا کہ اصل کلام فظلوا لھا خاضعین ہے یعنی کفار اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جاویں اور جھک جائیں لیکن یہاں اعناق کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ موضوع خضوع ظاہر ہو جائے کیونکہ جھکنا وغیرہ اور عاجزی کرنا سب سے پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے۔

مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اپنی توحید اور قدرت کاملہ کی کوئی نشانی ظاہر کر دیں جس سے احکام

شرعیہ اور حقائق الٰہیہ بدیہی ہو کر سامنے آ جائیں اور کسی کو مجال انکار نہ رہے مگر حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ یہ احکام و معارف بدیہی نہ ہوں بلکہ نظری رہیں کہ غور و فکر پر موقوف رہیں اور یہی غور و فکر انسان کی آزمائش ہے اسی پر ثواب و عذاب مرتب ہے۔ بدیہی چیزوں کا اقرار تو ایک طبعی اور ضروری امر ہے اس میں تعبد اور اطاعت کی شان نہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شعراء، بیروت)

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ٥
فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ٥
اوران کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی جو نئی ہو، مگر وہ اس سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔
سو بیشک وہ جھٹلا چکے پس عنقریب انھیں اس امر کی خبریں پہنچ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

حق کا مذاق کرنے والوں کیلئے انجام قریب ہونے کا بیان

"وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ" قُرْآن "مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَث" صِفَة كَاشِفَة "فَقَدْ كَذَّبُوا" بِهِ "فَسَيَأْتِيهِمْ أَنْبَاء" عَوَاقِب "مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ"

اوران کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نصیحت یعنی قرآن سے نہیں آتی جو نئی ہو، یہاں پر محدث یہ ذکر کی صفت کاشفہ ہے مگر وہ اس سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔ سو بیشک وہ حق کو جھٹلا چکے پس عنقریب انھیں اس امر کی خبریں پہنچ جائیں گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ما یاتیھم میں ما نافیہ ہے۔ یاتی مضارع واحد مذکر غائب اتیان مصدر (باب ضرب) ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔ وہ ان کے پاس آتی ہے یا آ جائے گی۔ ما یاتیھم نہیں آتی ان کے پاس۔

من ذکر میں من زائدہ ہے محض تاکید کے لئے اور نفی کو زوردار بنانے کے لئے لایا گیا ہے یا یہ تبعیضیہ ہے لیکن اول الذکر زیادہ صحیح ہے۔ ذکر ای موعظۃ وتذکیر۔ یعنی پند و نصیحت یا تنبیہ کی کوئی بات۔ یا قرآن مجید کی کوئی آیت۔

محدث۔ اسم مفعول واحد مذکر۔ احداث (افعال) مصدر۔ تازہ۔ نو بنو، نئی۔ محدث و محدثۃ۔ نئی چیز جو اجنبی معلوم ہو۔ محدث صفت ہے ذکر کی۔ تازہ موعظت، تازہ فہمائش۔

معرضین۔ اسم فاعل جمع مذکر منصوب۔ اعراض (افعال) مصدر۔ منہ موڑنے والے۔ اعراض کرنے والے۔ روگردانی کرنے والے۔ عنہ میں ہ ضمیر واحد غائب ذکر کی طرف سے راجع ہے۔

عنقریب انھیں ایسی بھی خبریں ملتی رہیں گی۔ جس سے ان کو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ جن باتوں کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہی باتیں برحق اور درست تھیں۔ اس کی ایک شکل تو یہ تھی کہ ان کی تمام تر معاندانہ کوششوں کے باوجود اسلام کو غلبہ نصیب ہوتا

چلا گا اور یہ ہر ہر میدان میں مات کھاتے رہے اور ان کے لواحقین ایسی خبریں سنتے اور غم کے گھونٹ پیتے رہے اور پیتے رہیں گے اور دوسری صورت کی آخری منزل ان کی موت ہے۔ دنیا میں ہی جب یہ لوگ موت کی سرحد پر آن کھڑے ہوں گے تو ان پر ساری حقیقتیں منکشف ہوتی چلی جائیں گی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ○
اور کیا انہوں نے زمین کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس میں کتنی ہی نفیس چیزیں اگائی ہیں۔ بے شک اس میں یقیناً ایک
نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی تو غالب، مہربان ہے۔

زمین کی نشانیوں کا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا" يَنْظُرُوا "إِلَى الْأَرْض كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا" أَيْ كَثِيرًا "مِنْ كُلّ زَوْج كَرِيم" نَوْع حَسَن "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَة" دَلَالَة عَلَى كَمَال قُدْرَته تَعَالَى "وَمَا كَانَ أَكْثَرهمْ مُؤْمِنِينَ" فِي عِلْم اللَّه , وَكَانَ قَالَ سِيبَوَيْهِ : زَائِدَة"وَإِنَّ رَبّك لَهُوَ الْعَزِيز" ذُو الْعِزَّة يَنْتَقِم مِنْ الْكَافِرِينَ "الرَّحِيم" يَرْحَم الْمُؤْمِنِينَ

اور کیا انہوں نے زمین کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس میں کتنی یعنی کتنی ہی زیادہ نفیس چیزیں اگائی ہیں۔ یعنی جو اچھی ہیں بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

امام سیبویہ کے نزدیک یہاں پر کان زائدہ ہے۔ اور یقیناً آپ کا رب ہی تو غالب، یعنی عزت والا ہے جو کفار سے بدلہ لینے والا ہے۔ جبکہ اہل ایمان پر مہربان ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فقد کذبوا۔ منجملہ دیگر خواص کے قد ماضی کو ماضی قریب کے معنی میں کر دیتا ہے اور کبھی تحقیق کے معنی دیتا ہے۔ فقد کذبوا تحقیق یہ لوگ (پیام حق اور پیام برحق دونوں کو) جھٹلا چکے ہیں یا انہوں نے جھٹلا دیا ہے۔ یہاں حق سے انکار کی مختلف صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ اولا:۔ حق سے اعراض روگردانی۔ کبھی حق کو جادو کہہ کر۔ کبھی اس کو اساطیر الاولین گردان کر اور کبھی اس کو شعر گوئی بیان کر کے۔ پھر اس اعراض اور روگردانی کو آگے بڑھایا۔ اور کہہ دیا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ پھر اس پر ہی اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ خفیۃ واعلانا خلوت میں اور جلوت میں قولا فعلا اس کے استہزاء میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

فسیاتیھم: ف تعقیب کا ہے۔ س مضارع کو مستقبل قریب کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے بمعنی اب۔ ابھی۔ قریب۔ عنقریب۔ یاتی فعل مضارع واحد مذکر غائب ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔ پس وہ جلد ان پر آ جائے گا۔ پس وہ عنقریب ان کو آ لے گا۔ پس وہ

جلد ان کے پاس آجائے گا۔

انبوا۔ خبریں۔ حقیقتیں۔ نبا کی جمع۔ جس سے بڑا فائدہ اور یقین یا ظن غالب حاصل ہوا سے نبا کہتے ہیں۔ جس خبر میں یہ باتیں موجود نہ ہوں اس کو نبا نہیں بولتے کیونکہ کوئی خبر نبا کہلانے کی مستحق ہی نہیں جب تک کہ وہ شائبہ کذب سے پاک نہ ہو۔ جیسے وہ خبر جو بطریق تواتر ثابت ہو یا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے بیان کیا ہو۔

انبوا مضاف ہے اور اگلا جملہ ما کانوا بہ یستھزء ون ٥ مضاف الیہ ہے اس امر کی خبریں جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ انبوا بصیغہ جمع آیا ہے جس طرح اعراض وتکذیب واستہزاء کی مختلف صورتیں تھیں اسی طرح آخر کار ان کی حقیقت بھی بہت سی مختلف شکلوں میں انہیں معلوم ہوگی۔

ما موصولہ بمعنی الذی جس امر کا۔ جس بات کا۔ کانوا یستھزء ون ٥ ماضی استمراری جمع مذکر غائب۔ وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ استہزا کیا کرتے تھے یا اڑاتے رہے ہیں۔

ترجمہ پس عنقریب ان کو اس چیز کی حقیقت (مختلف طریقوں سے) معلوم ہو جائے گی جس کا یہ مذاق اڑاتے رہے ہیں۔

بعض کے نزدیک انبوا مراد عقوبات ہیں یعنی عنقریب ان کو اس استہزاء کی سزا مل جائے گی خواہ وہ شکست سے وہزیمت کی صورت میں ہو جیسے جنگ بدر وغیرہ میں خواہ ان کی توقعات کی موت کی شکل میں ہو کہ ان کی خواہشات وتوقعات کے علی الرغم کارحق کا غلبہ۔ (انوار البیان، سورہ شعراء)

نباتات میں اختلاف انواع سے استدلال قدرت کا بیان

اگر کسی معجزہ کی بات ہے تو یہ کیا کم معجزہ ہے کہ ایک ہی زمین میں، ایک ہی جیسا آسمان سے پانی برستا ہے۔ ایک ہی سورج سے نباتات کی نشوونما ہوتی ہے۔ لیکن نباتات ساری ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہزار ہا قسم کی نباتات ہوتی ہے۔ کہیں رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں، کہیں لہلہاتی کھیتیاں ہیں۔ ان کی خوشبوؤں سے زمین مہک اٹھتی ہے۔ پھر اس نباتات اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات میں ایک خاص مناسبت ہے۔ نباتات کی بے شمار انواع واقسام کے باوجود یہ بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے تحت ہی اگتی، بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے اور اس میں ایک خاص نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ نباتات میں غور وفکر کا اتنا وسیع میدان موجود ہے کہ یہ علم کی ایک شاخ بن چکا ہے۔ اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے قدرت کے نئے سے نئے عجائبات پیش کرتا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان عجائبات کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو اسے اللہ کی کوئی نشانی نظر بھی کیسے آسکتی ہے؟

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ٥
قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ٥
اور یاد کرو جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ۔ فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ ڈرتے نہیں

موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور سے نداء آنے کا بیان

"وَ" وَاذْكُرْ "إِذْ نَادَى رَبُّكَ مُوسَى" لَيْلَةَ رَأَى النَّارَ وَالشَّجَرَةَ "أَنْ" أَيْ : بِأَنْ "ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ" رَسُولًا

"قَوْمَ فِرْعَوْنَ" مَعَهُ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكُفْرِ بِاللَّهِ وَبَنِي إِسْرَائِيلَ بِاسْتِعْبَادِهِمْ "أَلَا" الْهَمْزَةُ لِلِاسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيّ "يَتَّقُونَ" اللَّهَ بِطَاعَتِهِ فَيُوَحِّدُونَهُ "قَالَ" مُوسَى، رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ،

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی یعنی جس رات انہوں نے آگ اور درخت کو دیکھا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ۔ جو فرعون کی قوم ہے۔ فرعون کی قوم کے پاس، کیونکہ فرعون نے اللہ کا انکار کر کے اور بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر ظلم کر رکھا تھا کیا وہ ڈرتے نہیں، یہاں پر ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی وہ اللہ کی اطاعت اختیار کرتے پس اس کی توحید بیان کرتے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وواو حرف عطف ہے معطوف علیہ کلام ماقبل ہے اور معطوف وہ کلام ہے جو آگے آ رہی ہے یہ عطف القصہ علی القصہ کی مثال ہیاذ نادی: ای واذ کر اذ نادی اور یاد کر جب پکارا (تیرے رب نے موسی علیہ السلام کو) یا واذ کر لقومک اذ نادی یاد دلا اپنی قوم کو جب پکارا (تیرے رب نے موسی علیہ السلام کو)۔ اذ۔ جب۔ نادی بمعنی پکارا۔ یا بمعنی امر۔ (حکم دیا)۔ ان۔ کہ۔ یہ کہ۔ یہ۔ یا تو مصدر یہ ہے اور اس کا مابعد بمنزلہ مصدر ہے یا یہ مفرہ ہے اور بمعنی ای ہے: کہائت۔ امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے تو آ۔ تو پہنچ۔ اتیان (ضرب) سے جانے کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ ملاحظہ ہو، ائتیا تم دونوں جاو۔ القوم الظلمین۔ موصوف وصفت۔ ظالم قوم۔ ظالم لوگ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول اور اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو حکم دیا تھا اسے بیان فرما رہے ہیں کہ طور کے دائیں طرف سے آپ کو آواز دی آپ سے سرگوشیاں کیں آپ کو اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور برگزیدہ بنایا اور آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جو ظلم پر کمر بستہ تھے۔ اور اللہ کا ڈر اور پرہیزگاری نام کو بھی ان میں نہیں رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی چند کمزوریاں جناب باری تعالیٰ کے سامنے بیان کی جو عنایت الٰہی سے دور کر دی گئیں جیسے سورۃ طہٰ میں آپ کے سوالات پورے کر دیئے گئے۔ یہاں آپ کے عذر یہ بیان ہوئے کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ میرا سینہ تنگ ہے میری زبان لکنت والی ہے، ہارون کو بھی میرے ساتھ نبی بنا دیا جائے۔ اور میں نے ان ہی میں سے ایک قبطی کو بلا قصور مار ڈالا تھا جس وجہ سے

میں نے مصر چھوڑا اب جاتے ہوئے ڈرلگتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے بدلہ نہ لے لیں۔ جناب باری تعالیٰ نے جواب دیا کہ کسی بات کا کھٹکا نہ رکھو۔ہم تیرے بھائی کو تیرا ساتھی بنا دیتے ہیں۔اور تمہیں روشن دلیل دیتے ہیں وہ لوگ تمہیں کوئی ایذاء نہ پہنچا سکیں گے میرا وعدہ ہے کہ تم کو غالب کرونگا۔تم میری آیتیں لے کر جاؤ تو سہی میری مدد تمہارے ساتھ رہے گی۔ میں تمہاری ان کی سب باتیں سنتا رہونگا۔ جیسے فرمان ہے میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں دیکھتا رہونگا۔ میری حفاظت میری مدد میری نصرت وتائید تمہارے ساتھ ہے۔تم فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کہ اس سے کہو کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اللہ کا فرستادہ ہے۔فرعون سے کہا کہ تو ہمارے ساتھ بنواسرائیل کو بھیج دے وہ اللہ کے مومن بندے ہیں تو نے انہیں اپنا غلام بنا رکھا ہے اور ان کی حالت زبوں کر رکھی ہے۔ ذلت کے ساتھ ان سے اپنا کام لیتا ہے اور انہیں عذابوں میں جکڑ رکھا ہے اب انہیں آزاد کردے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام کو فرعون نے نہایت حقارت سے سنا۔ اور آپ کو ڈانٹ کر کہنے لگا کہ کیا تو وہی نہیں کہ ہم نے تجھے اپنے ہاں پالا؟ مدتوں تک تیری خبر گیری کرتے رہے اس احسان کا بدلہ تو نے یہ دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو مار ڈالا اور ہماری ناشکری کی۔جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا یہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں جب کہ میں خود بے خبر تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرائت میں بجائے من الظالمین کے من الجاھلین ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی فرمایا کہ پھر وہ پہلا حال جاتا رہا دوسرا دور آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تیری طرف بھیجا اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا۔اس خطا کے بعد جب کہ میں تم میں سے بھاگ گیا اس کے بعد اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا اب پرانے قصہ یاد نہ کر۔ میری آواز پر لبیک کہہ۔سن اگر ایک مجھ پر تو نے احسان کیا ہے تو میری قوم کی قوم پر تو نے ظلم وتعدی کی ہے۔ان کو بری طرح غلام بنا رکھا ہے کیا میرے ساتھ کا سلوک اور انکے ساتھ کی یہ سنگدلی اور بدسلوکی برابر برابر ہو جائینگی؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ٥ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ٥
اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی سو ہارون (علیہ السلام) کی طرف بھیج دے اور ان کا
میرے اوپر ایک الزام بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کا بیان

"وَيَضِيقُ صَدْرِى" مِنْ تَكْذِيبِهِمْ لِي "وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي" بِأَدَاءِ الرِّسَالَةِ لِلْعُقْدَةِ الَّتِي فِيهِ "فَأَرْسِلْ إِلَى" أَخِي "هَارُونَ" مَعِي "وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْب" بِقَتْلِ الْقِبْطِيِّ مِنْهُمْ "فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِي" بِهِ

اور میرا سینہ تنگ ہو جاتا ہے کیونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے۔اور میری زبان پیغام حق پہنچانے کیلئے روانی سے نہیں چلتی

کیونکہ اس میں لکنت ہے۔لہٰذا میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کی طرف میرے ساتھ بھیج دے اور ان کا میرے اوپر قبطی کو مار ڈالنے کا ایک الزام بھی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

یعنی گفتگو کرنے میں کسی قدر تکلّف ہوتا ہے اس عقدہ کی وجہ سے جو زبان میں بایّام صِغرسنی منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لینے سے ہوگیا ہے۔تاکہ وہ تبلیغِ رسالت میں میری مدد کریں۔جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شام میں نُبوّت عطا کی گئی اس وقت حضرت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کے فصیح اللسان ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مدین سے واپسی پر نبوت عطا فرمائی تو ساتھ ہی حکم دیا کہ تمہیں فرعون اور قوم فرعون کے پاس جو اپنے ظلم کی وجہ سے مشہور ہو چکی ہے۔جا کر دعوت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سابقہ زندگی کے کئی واقعات آپ کی آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔اور کئی قسم کے خطرات سامنے آنے لگے۔جن میں سرفہرست یہ تھا کہ وہ میری دعوت الی الحق کو کیا اہمیت دے گا۔جبکہ میں اس قوم کا ایک فرد ہوں۔جسے اس نے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔اور خوب دبا کر رکھتا ہے۔پھر میں اس کا پروردہ بھی ہوں۔علاوہ ازیں میں ان کا مجرم بھی ہوں۔ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر جب اسے اللہ کا پیغام سنانے کا تصور کیا تو سینہ میں گھٹن سی محسوس ہوئی۔چنانچہ اللہ کے حضور یہ خطرات بیان بھی کر دیئے۔مگر انکار کی مجال نہ تھی۔اور یہی اولوالعزم انبیاء کی شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے ایسے فرمانبردار بندے ہوتے ہیں کہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھی اللہ کا پیغام پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔البتہ اتنی گزارش ضرور کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی نبوت عطا فرما کر میرے ہمراہ کر دیجئے۔جو اس کام میں میرا معاون و مددگار ہو اور ہم کم از کم ایک کے بجائے دو تو ہو جائیں گے جو ایک دوسرے کے غمگسار اور ہمدرد ہوں۔علاوہ ازیں میری زبان بھی روانی سے نہیں چلتی۔جبکہ میرا بھائی ہارون فصیح اللسان ہے۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ○ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
ارشاد ہوا: ہرگز نہیں، پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ بیشک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔پس تم دونوں فرعون
کے پاس جاؤ اور کہو: ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے رسول ہیں۔

فرعون کے پاس اپنی رسالت کا اعلان کرنے کے حکم کا بیان

"قَالَ" تَعَالَى "كَلَّا" لَا يَقْتُلُونَك "فَاذْهَبَا" أَيْ أَنْتَ وَأَخُوك , فَفِيهِ تَغْلِيب الْحَاضِر عَلَى الْغَائِب "بِآيَاتِنَا إنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ" مَا تَقُولُونَ وَمَا يُقَال لَكُمْ , أُجْرِيَا مَجْرَى الْجَمَاعَة "فَأْتِيَا فِرْعَوْن فَقُولَا إنَّا" كُلًّا مِنَّا "رَسُول رَبّ الْعَالَمِينَ" إلَيْك،

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ آپ کو قتل ہرگز نہیں کرے گا، پس تم دونوں یعنی آپ اور آپ کا بھائی۔یہاں پر غائب سے حاضر پر

تغلیب ہے۔ ہماری نشانیاں لے کر جاؤ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہر بات سننے والے ہیں۔یعنی جو تم کہتے ہو اور جو تم پر کیا جائے گا یہاں پر اس کا اطلاق جماعت پر کیا گیا ہے۔پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو: ہم سارے جہانوں کے پروردگار کے بھیجے ہوئے تیری طرف رسول ہیں۔

اندیشہ قتل ختم ہو جانے کا بیان

تمہیں قتل نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست منظور فرما کر حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبی کر دیا اور دونوں کو حکم دیا۔

فرعون کے محل تک پیغام رسالت پہنچانے کا بیان

تا کہ ہم انہیں سرزمین شام میں لے جائیں۔فرعون نے چار سو برس تک بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھا تھا اور اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تیس ہزار تھی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کی طرف روانہ ہوئے، آپ پشمینہ کا جبہ پہنے ہوئے تھے، دستِ مبارک میں عصا تھا، عصا کے سرے میں زنبیل لٹکی تھی جس میں سفر کا توشہ تھا، اس شان سے آپ مصر میں پہنچ کر اپنے مکان میں داخل ہوئے، حضرت ہارون علیہ السلام وہیں تھے آپ نے انہیں خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر فرعون کی طرف بھیجا ہے اور آپ کو بھی رسول بنایا ہے کہ فرعون کو خدا کی طرف دعوت دو یہ سن کر آپ کی والدہ صاحبہ گھبرائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگیں کہ فرعون تمہیں قتل کرنے کے لئے تمہاری تلاش میں ہے جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو تمہیں قتل کرے گا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے یہ فرمانے سے نہ رکے اور حضرت ہارون کو ساتھ لے کر شب کے وقت فرعون کے دروازے پر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا پوچھا آپ کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا میں ہوں موسیٰ رب العالمین کا رسول فرعون کو خبر دی گئی اور صبح کے وقت آپ بلائے گئے آپ نے پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رسالت ادا کی اور فرعون کے پاس جو حکم پہنچانے پر آپ مامور کئے گئے تھے وہ پہنچایا فرعون نے آپ کو پہچانا۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۝
یہ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن کی حالت میں پالا نہیں تھا اور
تم نے اپنی عمر کے کتنے ہی سال ہمارے اندر بسر کئے تھے۔

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو احسانات یاد دلانے کا بیان

"أَنْ" أَیْ : بِأَنْ "أَرْسِلْ مَعَنَا" إِلَی الشَّام "بَنِی إِسْرَائِیل" فَأَتَیَاهُ فَقَالَا لَهُ مَا ذُکِرَ "قَالَ" فِرْعَوْن لِمُوسَی "أَلَمْ نُرَبِّك فِینَا" فِی مَنَازِلنَا "وَلِیدًا" صَغِیرًا قَرِیبًا مِنْ الْوِلَادَة بَعْد فِطَامه "وَلَبِثْتَ فِینَا مِنْ عُمُرك سِنِینَ" ثَلَاثِینَ سَنَة یَلْبَس مِنْ مَلَابِس فِرْعَوْن وَیَرْکَب مِنْ مَرَاکِبه وَکَانَ یُسَمَّی ابْنه

یہاں پر لفظ اَن اصل میں باَن تھا۔ یہ کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ شام کی طرف بھیج دے۔ پس وہ دونوں ہستیاں آئیں اور انہوں نے وہی کہا جو ذکر کیا گیا ہے۔ تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں یعنی اپنے محل میں بچپن کی حالت میں پالا نہیں تھا یعنی وہ بچپن کی حالت جو ولادت کے بعد کی ہوتی ہے۔ اور تم نے اپنی عمر کے کتنے ہی سال ہمارے اندر بسر کیے تھے۔ یعنی تیس سال فرعون کے پہناوؤں سے لباس پہنا اور اس کی سواریوں پر سواری کی اور تمہیں جو ابن فرعون بھی کہا جاتا تھا۔

بنی اسرائیل" کا وطن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سبب سے مصر میں آرہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب ان کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون ان کو نہ چھوڑتا تھا کیونکہ ان سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ○ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ○
اور تم نے اپنا وہ کام کر ڈالا جو تم نے کیا تھا اور تم ناشکر گزاروں میں سے ہو (ہماری پرورش اور احسانات کو بھول گئے ہو۔
(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو احسانات کے جواب دینے کا بیان

"وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ" هِيَ قَتْله الْقِبْطِيّ "وَأَنْتَ مِنْ الْكَافِرِينَ" الْجَاحِدِينَ لِنِعْمَتِي عَلَيْك بِالتَّرْبِيَةِ وَعَدَم الِاسْتِعْبَاد

"قَالَ" مُوسَى "فَعَلْتهَا إِذًا" أَيْ حِينَئِذٍ "وَأَنَا مِنْ الضَّالِّينَ" عَمَّا آتَانِي اللّٰه بَعْدهَا مِنْ الْعِلْم وَالرِّسَالَة

اور پھر تم نے اپنا وہ کام کر ڈالا جو تم نے کیا تھا یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا اور تم ناشکر گزاروں میں سے ہو ہماری پرورش اور احسانات کو بھول گئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا میں بے خبر تھا (کہ کیا ایک گھونسے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد مجھے علم اور رسالت عطا فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی باتوں کا جواب دینے کا بیان

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جب فرعون جیسے جبار خدائی کے مدعی کو اس کے دربار میں دعوت حق پہنچائی تو اس نے مخالفانہ بحث کا آغاز اول دو ایسی باتوں سے کیا جن کا تعلق حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے تھا۔ جیسا ہوشیار مخالف عموماً جب اصل بات کے جواب پر قادر نہیں ہوتا تو مخاطب کی ذاتی کمزوریاں ڈھونڈا اور بیان کیا کرتا ہے تاکہ وہ کچھ شرمندہ ہو جائے اور لوگوں میں اس کی ہوا اکھڑ جائے، یہاں بھی فرعون نے دو باتیں کہیں۔ اول تو یہ کہ تم ہمارے پروردہ ہمارے گھر میں پل کر جوان ہوئے ہو۔ ہم نے تم پر احسانات کیے ہیں۔ تمہاری کیا مجال ہے کہ ہمارے سامنے بولو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے ایک قبطی شخص کو بلا وجہ قتل کر ڈالا ہے جو علاوہ ظلم کے حق ناشناسی اور ناشکری بھی ہے کہ جس قوم میں پلے اور جوان ہوئے اسی کے آدمی کو مار ڈالا۔ اس کے

بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب دیکھئے کہ اول تو جواب میں سوال کی ترتیب کو بدلا یعنی قبطی کے قتل کا قصہ جو فرعون نے بعد میں بیان کیا تھا اس کا جواب پہلے آیا اور خانہ پروردہ ہونے کے احسان کا ذکر جو پہلے کیا تھا اس کا جواب بعد میں۔ اس ترتیب بدلنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ واقعہ قبطی میں ایک اپنی کمزوری ضرور واقع ہوئی تھی آج کل کے مناظروں کے طرز پر تو ایسی چیز کے ذکر ہی کو رلا ملا دیا جاتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف توجہ پھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے رسول نے اسی کے جواب کو اولیت دی۔ اور جواب بھی فی الجملہ اعتراف کمزوری کے ساتھ دیا۔ اس کی قطعاً پروانہ کی کہ مخالف لوگ کہیں گے کہ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرکے ہار مان لی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس کا تو اعتراف کر لیا کہ اس قتل میں مجھ سے غلطی اور خطا ہوگئی مگر ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ یہ غلطی قصداً نہیں تھی ایک صحیح اقدام تھا جو اتفاقاً غلط انجام پر پہنچ گیا کہ مقصد تو قبطی کو اسرائیلی شخص پر ظلم سے روکنا تھا اسی قصد سے اس کو ایک ضرب لگائی تھی اتفاقاً وہ اسی سے مرگیا اس لئے یہ فعل خطا ہونے کے باوجود ہمارے اصل معاملہ یعنی نبوت کے دعوے اور اس کی حقانیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ مجھے اس غلطی پر تنبہ ہوا اور قانونی گرفت کے خوف سے شہر سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کرم فرمایا اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیا۔ غور کیجئے کہ اس وقت دشمن کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا سیدھا صاف جواب یہ تھا کہ مقتول قبطی کو واجب القتل ثابت کرتے، اس پر ایسے الزامات لگاتے جس سے اس کا واجب القتل ہونا ثابت ہوتا۔ کوئی دوسرا آدمی تکذیب کرنے والا بھی وہاں موجود نہ تھا جس سے تردید کا اندیشہ ہوتا اور اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوتا مگر وہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک اولوالعزم رسول صدق مجسم تھا جو حق و صدق اور حقیقت کے اظہار ہی کو اپنی فتح سمجھتا تھا۔ دشمن کے بھرے دربار میں اپنی خطا کا اعتراف بھی کر لیا اور اس سے جو نبوت و رسالت پر شبہ ہوسکتا تھا اس کا جواب بھی دیدیا۔

اس کے بعد پہلی بات یعنی خانہ پروردہ ہونے کے احسان جتلانے کے جواب کی طرف توجہ فرمائی تو اس کے اس ظاہری احسان کی اصل حقیقت کی طرف توجہ دلادی کہ ذرا سوچو، میں کہاں اور دربار فرعون کہاں؟ میری پرورش تمہارے گھر میں ہونے کے سبب پر غور کرو تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ تم جو پوری قوم بنی اسرائیل پر یہ خلاف انسانیت ظلم توڑ رہے تھے کہ ان کے بے گناہ معصوم لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے، بظاہر تو تمہارے اس ظلم وستم سے بچنے کے لئے میری والدہ نے مجھے دریا میں ڈالا اور تم نے اتفاقی طور پر میرا تابوت دریا سے نکال کر گھر میں رکھ لیا اور حقیقۃً یہ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ انتظام اور تمہارے ظلم کی غیبی سزا تھی کہ جس بچے کے خطرہ سے بچنے کے لئے تم نے ہزاروں بچے قتل کر ڈالے تھے قدرت نے اس بچے کو تمہارے ہی ہاتھوں پلوایا۔

اب سوچو کہ یہ میری پرورش تمہارا کیا احسان تھا۔ اسی پیغمبرانہ طرز جواب کا یہ اثر تو طبعی اور عقلی طور پر حاضرین پر ہونا ہی تھا کہ یہ بزرگ کوئی بات بنانے والے نہیں، سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے، اس کے بعد جب معجزات دیکھے تو اور زیادہ اس کی تصدیق ہوگئی اور گو اقرار نہیں کیا مگر مرعوب اتنا ہوگیا کہ یہ صرف دو آدمی جن کے آگے پیچھے کوئی تیسرا مددگار نہیں، دربار سارا اس کا، شہر اور ملک اس کا، مگر

یہ خوف اس پر طاری ہے کہ یہ دو آدمی ہمیں اپنے اس ملک و مملکت سے نکال دیں گے۔ یہ ہوتا ہے خداداد رعب اور صدق وحق اور سچائی کی ہیبت حضرات انبیاء علیہم السلام کے مجادلات و مناظرات بھی صدق و سچائی اور مخاطب کی دینی خیر خواہی کے جذبات سے پر ہوتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شعراء، بیروت)

مفسّرین نے کہا تیس برس اس زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرعون کے لباس پہنتے تھے اور اس کی سواریوں میں سوار ہوتے تھے اور اس کے فرزند مشہور تھے۔

فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسی ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسی علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃ اور قصد سے نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہاں "ضلال" کا مطلب "بے خبری" ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے۔ اس معنی کی تائید حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ " گمراہ" کرنا درست نہیں۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝
وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۝
پھر میں تمہارے سے نکل گیا جب میں تمہارے سے خوفزدہ ہوا پھر میرے رب نے مجھے حکم بخشا اور مجھے رسولوں میں
شامل فرما دیا۔ اور یہ کوئی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو بنی اسرائیل کی غلامی یاد دلانے کا بیان

"فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا " عِلْمًا "وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ،وَتِلْكَ نِعْمَة تَمُنّهَا عَلَيَّ " أَصْله تَمُنّ بِهَا عَلَيَّ "أَنْ عَبَّدْت بَنِي إسْرَائِيل " بَيَان لِتِلْكَ أَيْ اتَّخَذْتهمْ عَبِيدًا وَلَمْ تَسْتَعْبِدنِي لَا نِعْمَة لَك بِذَلِكَ لِظُلْمِك بِاسْتِعْبَادِهِمْ وَقَدَّرَ بَعْضهمْ أَوَّل الْكَلَام هَمْزَة اسْتِفْهَام لِلْإِنْكَارِ

پھر میں اس وقت تمہارے دائرہ اختیار سے نکل گیا جب میں تمہارے ارادوں سے خوفزدہ ہوا پھر میرے رب نے مجھے حکم یعنی علم بخشا اور (بالآخر) مجھے رسولوں میں شامل فرما دیا۔ اور یہ کوئی احسان ہے جو تو مجھ پر جتلا رہا ہے، یہاں پر لفظ تمنہا اصل میں تمن بہا تھا۔ کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ یہ جملہ ماقبل جملہ تلک نعمۃ کا بیان ہے۔ یعنی انہیں تو نے غلام بنا رکھا ہے جبکہ مجھے غلام نہیں بنایا یہ تیرا کوئی احسان نہیں ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں کلام کے شروع میں ہمزہ استفہام انکاری کو مقدر مانا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تـمـنـهـا: من بمعنی منا (نصر) سے صیغہ واحد مذکر حاضر ہے علی کے صلہ کے ساتھ اس کے معنی ہیں کسی کو کوئی احسان جتلانا ھا ضمیر واحد مونث غائب نعمۃ کی طرف راجع ہے۔

ان بمعنی لان ہے۔ ای انما صارت نعمة علی لان عبدت بنی اسرائیل لولم تفعل ذلك لكفلنی اهلی ولم یلقونی فی الیم یہ جو احسان تم مجھے جتلاتے ہو یہ سبب اس امر کے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے اگر تو ایسا نہ کرتا تو میرے اہل خانہ میری کفالت خود کرتے اور مجھے دریا میں نہ ڈالتے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ جو تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے یہ سب بوجہ تمہارے بنی اسرائیل کو غلامی کی سخت بندھنوں میں جکڑنے اور ان پر مظالم ڈھانے کے ہے اگر تو اسرائیل کے معصوم بچوں کو قتل کرنے کا سفاکانہ قانون نافذ کرتا تو میری ماں مجھے دریا میں کیوں ڈالتی اور مجھے تیرے گھر میں پرورش پانے کی ضرورت کہاں آتی اور پھر تیرے اس بزعم خود احسان کا کیا موقع تھا۔

فائدہ: پچھلی آیت میں ففـرت منـكـم اور لما خفتکم میں جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال ہوا ہے کیونکہ فرار اور خوف صرف فرعون ہی سے نہ تھا بلکہ اس سے اور اس کے سرداروں سے تھا جس کے متعلق خبر دینے والے نے بتایا تھا قـال یـموسی ان الـملا یاتمرون بك لیقتلوك، اس نے بتایا اے موسیٰ سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ آیت 22 میں تمنھا اور عبدت کا عمل فرعون کی ذات سے مختص ہے اس لئے یہاں واحد مذکر حاضر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ○ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ○
فرعون نے کہا اور رب العالمین کیا چیز ہے؟ کہا جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے،
اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

فرعون کا اللہ تعالیٰ کی معرفت بارے سوال کرنے کا بیان

"قَالَ فِرْعَوْن" لِمُوْسَى "وَمَا رَبّ الْعَالَمِينَ" الَّذِي قُلْت إِنَّك رَسُوله أَيْ : أَيّ شَيْء هُوَ وَلَمَّا لَمْ يَكُنْ سَبِيل لِلْخَلْقِ إِلَى مَعْرِفَة حَقِيقَته تَعَالَى وَإِنَّمَا يَعْرِفُونَهُ بِصِفَاتِهِ أَجَابَهُ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام بِبَعْضِهَا :

"قَالَ رَبّ السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا " أَيْ خَالِق ذَلِكَ "إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ " بِأَنَّهُ تَعَالَى خَالِقه فَآمِنُوا بِهِ وَحْده،

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اور رب العالمین کیا چیز ہے؟ یعنی جس کا تو نے اپنے آپ کو رسول کہا ہے۔ یعنی اس کی حقیقت کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو پہچاننے کا راستہ مخلوق کیلئے کوئی نہیں۔ لہٰذا اس ذات کو صفات سے ہی پہچانا جاتا ہے تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بعض صفات کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے، ان کا خالق ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔یعنی اگر تم اس کے خالق ہونے کا یقین رکھتے ہو تو اس کی توحید پر ایمان لاؤ۔

فرعون کا اپنی قوم کے سامنے جھوٹی خدائی کے بے تکے استدلال کا بیان

فرعون نے اپنی رعیت کو بہکا رکھا تھا اور انہیں یقین دلایا تھا کہ معبود اور رب صرف میں ہی ہوں میرے سوا کوئی نہیں اس لیے ان سب کا عقیدہ یہ تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو اس نے کہا کہ رب العالمین ہے کیا چیز؟ مقصد یہی تھا کہ میرے سوا کوئی رب ہے ہی نہیں تو جو کہہ رہا ہے محض غلط ہے۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اس نے پوچھا آیت (فمن ربکما یا موسیٰ) موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ اس کے جواب میں کلیم اللہ نے فرمایا جس نے ہر ایک کی پیدائش کی ہے اور جو سب کا ہادی ہے۔ یہاں پر یہ یاد رہے کہ بعض منطقیوں نے یہاں ٹھوکر کھائی ہے اور کہا ہے کہ فرعون کا سوال اللہ کی ماہیت سے تھا یہ محض غلط ہے اس لئے کہ ماہیت کو تو جب پوچھتا جب کہ پہلے وجود کا قائل ہوتا۔ وہ تو سرے سے اللہ کے وجود کا منکر تھا۔ اپنے اسی عقیدے کو ظاہر کرتا تھا اور ہر ایک ایک کو یہ عقیدہ گھونٹ گھونٹ کر پلا رہا تھا گو اس کے خلاف دلائل و براہین اس کے سامنے کھل گئے تھیں۔ پس اس کے اس سوال پر کہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ جو سب کا خالق ہے، سب کا مالک ہے، سب پر قادر ہے یکتا ہے اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ عالم علوی آسمان اور اس کی مخلوق عالم سفلی زمین اور اسکی کائنات اب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ ان کے درمیان کی چیزیں ہوا پرندہ وغیرہ سب اس کے سامنے ہیں اور اس کے عبادت گزار ہیں۔ اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے محروم نہیں اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ سن کر فرعون سے چونکہ کوئی جواب نہ بن سکا اس لئے بات کو مذاق میں ڈالنے کے لیے لوگوں کو اپنے سکھائے بتائے ہوئے عقیدے پر جمانے کے لیے انکی طرف دیکھ کر کہنے لگا لو اور سنو یہ میرے سوا کسی اور کو ہی اللہ مانتا ہے؟ تعجب کی بات ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسکی اس بے التفاتی سے گھبرائے نہیں اور وجود اللہ کے دلائل بیان کرنے شروع کر دیئے کہ وہ تم سب کا اور تمہارے اگلوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ آج اگر تم فرعون کو اللہ مانتے ہو تو ذرا اسے تو سوچو کہ فرعون سے پہلے جہان والوں کا اللہ کون تھا؟ اس کے وجود سے پہلے آسمان وزمین کا وجود تھا تو ان کا موجد کون تھا؟ بس وہی میرا رب ہے وہی تمام جہانوں کا رب ہے اسی کا بھیجا ہوا ہوں میں۔ فرعون دلائل کی تاب نہ لا سکا کوئی جواب بن نہ پڑا تو کہنے لگا اسے چھوڑو یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے سوا کسی اور کو رب کیوں مانتا۔ کلیم اللہ نے پھر بھی اپنی دلیلوں کو جاری رکھا۔ اس کے لغو کلام سے بےتعلق ہو کر فرمانے لگے کہ سنو میرا اللہ مشرق و مغرب کا مالک ہے اور وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج چاند ستارے مشرق سے چڑھاتا ہے۔ مغرب کی طرف اتارتا ہے اگر فرعون اپنی الوہیت کے دعوے میں سچا ہے تو ذرا ایک دن اس کا خلاف کر کے دکھادے یعنی انہیں مغرب سے نکالے اور مشرق کو لے جائے یہ بات خلیل علیہ السلام نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے بوقت مناظرہ کہی تھی

پہلے تو اللہ کا وصف بیان کیا کہ وہ جلاتا مارتا ہے لیکن اس بیوقوف نے جب کہ اس وصف کا اللہ کیساتھ مختص ہونے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں آپ نے باوجود اسی دلیل میں بہت سی گنجائش ہونے کے اس سے بھی واضح دلیل اس کے سامنے رکھی کہ اچھا میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال اب تو اسکے حواس گم ہو گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تابڑتوڑ ایسی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے وہ سمجھ گیا کہ اگر ایک میں نے نہ مانا تو کیا؟ یہ واضح دلیلیں ان سب لوگوں پر اثر کر جائیں گی اس لئے اب اپنی قوت کو کام میں لانے کا ارادہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈرانے دھمکانے لگا جیسے آگے آ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ٥ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ٥
اس نے ان لوگوں سے کہا جو اس کے ارد گرد تھے، کیا تم سنتے نہیں؟ کہا جو تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔

فرعون کا اپنے حواریوں کو متوجہ کرنے کا بیان

"قَالَ" فِرْعَوْن "لِمَنْ حَوْله" مِنْ أَشْرَاف قَوْمه "أَلَا تَسْتَمِعُونَ" جَوَابه الَّذِي لَمْ يُطَابِق السُّؤَال "قَالَ" مُوسَى "رَبّكُمْ وَرَبّ آبَائِكُمْ الْأَوَّلِينَ" وَهَذَا وَإِنْ كَانَ دَاخِلًا فِيمَا قَبْله يَغِيظ فِرْعَوْن وَلِذَلِكَ

اس نے یعنی فرعون نے ان لوگوں سے کہا جو اس کی قوم کے سرکردہ لوگ اس کے ارد گرد تھے، کیا تم سنتے نہیں؟ کہ اس کا جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔ یہ تعریف بھی اگرچہ پہلے جملے میں داخل ہے لیکن یہ فرعون کو غصہ دلانے والی تھی اسی لئے اس نے غصے میں آ کر کہہ دیا۔

اس وقت اس کے گرد اس کی قوم کے اشراف میں سے پانچ سو شخص زیوروں سے آراستہ زریں کرسیوں پر بیٹھے تھے ان سے فرعون کا یہ کہنا کیا تم غور سے نہیں سنتے بایں معنی تھا کہ وہ آسمان اور زمین کو قدیم سمجھتے تھے اور ان کے حدوث کے منکر تھے مطلب یہ تھا کہ جب یہ چیزیں قدیم ہیں تو ان کے لئے رب کی کیا حاجت اب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان چیزوں سے استدلال پیش کرنا چاہا جن کا حدوث اور جن کی فنا مشاہدہ میں آ چکی ہے۔

یعنی اگر تم دوسری چیزوں سے استدلال نہیں کر سکتے تو خود تمہارے نفوس سے استدلال پیش کیا جاتا ہے، اپنے آپ کو جانتے ہو، پیدا ہوئے ہو، اپنے باپ دادا کو جانتے ہو کہ وہ فنا ہو گئے تو اپنی پیدائش سے اور ان کی فنا سے پیدا کرنے اور فنا کر دینے والے کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

فرعون کا حق کو سمجھنے کی بجائے دیوانہ کہہ کر انکار کر دینے کا بیان

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ٥
(فرعون نے) کہا: بیشک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔

فرعون پھر موسیٰ علیہ السلام کے بجائے درباریوں کی طرف ہی متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ اس شخص کی حقیقت دیکھو اور اس کا مطالبہ دیکھو۔ اگر یہ رسول ہے بھی تب بھی اس کے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کس ہستی سے مخاطب ہے اور کیا مطالبہ کر رہا ہے؟

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ○
اس نے کہا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم سمجھتے ہو۔ کہا یقیناً
اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں گا۔

فرعون کا انکار کرتے ہوئے قید کی سزا سنانے کا بیان

"قَالَ" مُوسَى "رَبّ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب وَمَا بَيْنهمَا إنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ" أَنَّهُ كَذٰلِكَ فَآمِنُوا بِهِ وَحْده "قَالَ" فِرْعَوْن لِمُوسَى "لَئِنْ اتَّخَذْت إلٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّك مِنْ الْمَسْجُونِينَ" كَانَ سِجْنه شَدِيدًا يَحْبِس الشَّخْص فِي مَكَان تَحْت الْأَرْض وَحْده لَا يُبْصِر وَلَا يَسْمَع فِيهِ أَحَدًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور اس کا بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے، اگر تم سمجھتے ہو۔ لہٰذا تم اس کی توحید پر ایمان لاؤ۔ تو اس پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا یقیناً اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے ضرور ہی قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کر دوں گا۔ یعنی جو سخت قید ہے۔ کیونکہ وہ بندے کی زمین کے نیچے تنہائی میں قید کر دیتا جہاں سے وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور کچھ بھی نہ سن سکے۔

فرعون کو زمینی بادشاہت سے عاد دلا کر دلیل توحید قائم کرنے کا بیان

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جب یوں بوکھلایا ہوا دیکھا تو پھر سے اپنے دعویٰ پر زور دیتے ہوئے اور رب العالمین کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ روئے زمین پر جتنی بھی مخلوق آباد ہے۔ خواہ اس کا تعلق اس ملک مصر سے ہو یا مشرق سے ہو یا مغرب سے ہو یا کہیں سے بھی ہو ساری مخلوق کا پروردگار وہی رب العالمین ہے اب امید ہے تم لوگوں کو سمجھ آ ہی گئی ہوگی کہ رب العالمین کون ہے؟ اور میں کون ہوں؟ تم تو صرف زمین کے ایک چپہ بھر ملک کے فرمانروا ہو اور میں اس رب العالمین کا رسول ہوں جس کی فرمانروائی اس پوری زمین پر ہی نہیں پوری کائنات پر بھی ہے۔ لہٰذا تمہارے حق میں بہتری اسی بات میں ہے کہ تم فرمانروائے کائنات کے رسول کی بات مان لو۔

فرعون نے یہ اس لئے کہا کہ وہ اپنے سوا کسی معبود کے وجود کا قائل نہ تھا اور جو اس کے معبود ہونے کا اعتقاد نہ رکھے اس کو خارج از عقل کہتا تھا اور حقیقۃً اس طرح کی گفتگو عجز کے وقت آدمی کی زبان پر آتی ہے لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرضِ ہدایت وارشاد کوعلیٰ وجہ الکمال ادا کیا اوراس کی اس تمام لایعنی گفتگو کے باوجود پھر مزید بیان کی طرف متوجہ ہوئے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝
(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز لے آؤں۔ کہا: تم اسے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

فرعون کوحق سمجھانے کیلئے اظہار معجزہ کا بیان

"قَالَ" لَهُ مُوسَى "أَوَلَوْ" أَيْ : أَتَفْعَلُ ذَلِكَ وَلَوْ "جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِين" بُرْهَان بَيِّن عَلَى رِسَالَتِي "قَالَ" فِرْعَوْن لَهُ "فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْت مِنْ الصَّادِقِينَ" فِيهِ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح چیز بطور معجزہ بھی لے آؤں۔ یعنی ایسی برہان جو میری رسالت پردلالت کرے۔ فرعون نے آپ سے کہا: تم اسے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو۔

فرعون کی پہلی بحث تو اس امر میں تھی کہ رب تو میں خود ہوں یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے بار بار کے تکرار سے اسے یہ بات ذہین نشین کرادی کہ رب العالمین ہی وہ بالاتر ہستی ہے جو پوری کائنات کی خالق، مالک اور پرورش کنندہ ہے۔ حتیٰ کہ خود تمہارا بھی وہی پروردگار ہے۔ لہٰذا اسے ہی یہ حق سزاوار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اوراس کے ہر حکم کو بجالایا جائے۔ اب بحث اس بات میں رہ گئی تھی کہ آیا موسیٰ علیہ السلام اس بالاتر ہستی کے رسول ہیں بھی یا نہیں؟ اس بحث کا آغاز بھی خود موسیٰ علیہ السلام نے کیا اور کہا کہ اس ہستی نے مجھے اپنے دعویٰ رسالت کی تائید میں کچھ نشانیاں بھی دی ہیں اور میں وہ نشانیاں پیش کرسکتا ہوں۔ جس کے جواب میں فرعون نے کہا ہاں اگر تم اپنے دعویٰ کی صداقت میں کوئی نشانی پیش کرسکتے ہو تو کرو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ۝ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ۝
قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ۝
پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ واضح اژدہا تھی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔
اس نے ان سرداروں سے کہا جو اس کے اردگرد تھے، یقیناً یہ تو ایک بہت ماہر فن جادوگر ہے۔

فرعون کا معجزات کو جادو قرار دینے کا بیان

"فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَان مُبِين" حَيَّة عَظِيمَة "وَنَزَعَ يَده" أَخْرَجَهَا مِنْ جَيْبه "فَإِذَا هِيَ بَيْضَاء" ذَات شُعَاع "لِلنَّاظِرِينَ" خِلَاف مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنْ الْأُدْمَة "قَالَ" فِرْعَوْن "لِلْمَلَإِ حَوْله إِنَّ هَذَا لَسَاحِر عَلِيم" فَائِق فِي عِلْم السِّحْر

پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ واضح اژدہا تھی۔ یعنی بہت بڑا سانپ بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ اپنی آستین سے نکالا تو

اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکدار تھا۔ یعنی سابقہ آدمیوں والے رنگ کے خلاف تھا۔ تو فرعون نے ان سرداروں سے کہا جو اس کے ارد گرد تھے، یقیناً یہ تو ایک بہت ماہر فن جادوگر ہے۔ یعنی جو سحر میں فائق ہے۔

فرعون کا اپنے وزراء سے مشورہ طلب کرنے کا بیان

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝
یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے جادو سے تمہارے ملک سے باہر نکال دے پس تم کیا رائے دیتے ہو۔

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا مباحثہ

جب مباحثے میں فرعون ہار ادلیل و بیان میں غالب نہ آسکا تو قوت وطاقت کا مظاہرہ کرنے لگا اور سطوت وشوکت سے حق کو دبانے کا ارادہ کیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ علیہ السلام میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو جیل میں سڑا سڑا کر تیری جان لے لونگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ وعظ ونصیحت کر ہی چکے تھے آپ نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی اسے اور اس کی قوم کو دوسری طرح قائل کروں تو فرمانے لگے کیوں جی میں اگر اپنی سچائی پر کسی ایسے معجزے کا اظہار کروں کہ تمہیں بھی قائل ہونا پڑے تب؟ فرعون سوا اس کے کیا کر سکتا تھا کہ کہا اچھا اگر سچا ہے تو پیش کر۔ آپ نے سنتے ہی اپنی لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی، ہی اسے زمین پر ڈال دیا۔ بس اس کا زمین پر گرنا تھا کہ وہ ایک اژدہے کی شکل بن گئی۔ اور اژدہا بھی بہت بڑا تیز کچلیوں والا ہیبت ناک ڈراؤنی اور خوفناک شکل والا منہ پھاڑے ہوئے پھنکارتا ہوا۔ ساتھ ہی اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ فرعون کی قسمت چونکہ ایمان سے خالی تھی ایسے واضح معجزے دیکھ کر بھی اپنی بدبختی پر اڑا رہا اور تو کچھ بن نہ پڑا اپنے ساتھیوں اور درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تو جادو کے کرشمے ہیں۔ بیشک اتنا تو میں بھی مان گیا کہ یہ اپنے فن جادوگری میں استاد کامل ہے۔ پھر انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے ایک اور بات بنائی کہ یہ ایسے ہی شعبدے دکھا دکھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلے گا۔ اور جب کچھ لوگ اس کے ساتھی ہو جائیں گے تو یہ علم بغاوت بلند کردے گا پھر تمہیں مغلوب کر کے اس ملک میں قبضہ کرلے گا تو اس کے استحصال کی کوشش ابھی سے کرنی چاہئے۔ بتلاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟ اللہ کی قدرت دیکھو کہ فرعونیوں سے اللہ نے وہ بات کہلوائی جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عام تبلیغ کا موقعہ ملے اور لوگوں پر حق واضح ہو جائے۔ یعنی جادوگروں کو مقابلہ کے لئے بلوانا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝
وہ بولے کہ تو اسے اور اس کے بھائی کو مؤخر کردے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دے۔ وہ تیرے پاس ہر بڑے ماہر فن جادوگر کو لے آئیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جادوگروں کو لانے کا فیصلہ

"قَالُوا أَرْجِهِ وَأَخَاهُ" أَخِّرْ أَمْرَهُمَا "وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ" جَامِعِينَ "يَأْتُوك بِكُلِّ سَحَّار

عَلِیم" یَفْضُل مُوسَی فِی عِلْم السِّحْر

وہ بولے کہ تو اسے اور اس کے بھائی ہارون کے حکم سزا سنانے کو مؤخر کر دے اور تمام شہروں میں جادوگروں کو بلانے کے لئے ہرکارے بھیج دے۔ وہ تیرے پاس ہر بڑے ماہر فن جادوگر کو لے آئیں۔ یعنی علم سحر میں موسیٰ علیہ السلام پر برتری رکھتے ہوں

درباری حضرات عموماً جی حضور کہنے اور بڑی سرکار کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ اور اسی میں ان کی عافیت ہوتی ہے۔ فوراً کہنے لگے۔ واقعی یہ بہت بڑا جادوگر ہے اور ہمیں جادو کا مقابلہ جادو رہی سے کرنا چاہئے۔ آپ یوں کیجئے کہ جلدی میں کچھ فیصلہ نہ کیجئے۔ بلکہ ملک بھر کے چوٹی کے جادوگروں کو اپنے ہاں بلا لیجئے۔ جو اس کا مقابلہ کر سکیں۔ فرعون اپنے درباریوں سے ایسا ہی جواب سننا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ خود اپنے درباریوں اور اپنی رعایا کو اسی چکر میں ڈالنا اور یہی کچھ ذہین نشین کرانا چاہتا تھا کہ موسیٰ اور اس کا بھائی اللہ کے رسول نہیں بلکہ محض جادوگر ہیں۔ چنانچہ فرعون نے اپنے درباریوں سے مشورہ کے بعد تمام شہروں کے نامور جادوگروں کو اپنے ہاں طلب کر لیا۔

جو علم سحر میں بقول ان کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر ہو اور وہ لوگ اپنے جادو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مقابلہ کریں تا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حجت باقی نہ رہے اور فرعونیوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ یہ کام جادو سے ہو جاتے ہیں لہٰذا نبوت کی دلیل نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ۝
تو جادوگر ایک مقرر دن کے طے شدہ وقت کے لیے جمع کر لیے گئے۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہونے والے ہو؟
شاید ہم ان جادوگروں کے پیروکار بن جائیں، اگر وہی غالب رہیں۔

فرعون کا یوم عید کو لوگوں کو جمع کرنے کا بیان

"فَجُمِعَ السَّحَرَة لِمِیقَاتِ یَوْم مَعْلُوم " وَهُوَ وَقْت الضُّحَی مِنْ یَوْم الزِّینَة "وَقِیلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ" الِاسْتِفْهَام لِلْحَثِّ عَلَی الِاجْتِمَاع وَالتَّرَجِّی عَلَی تَقْدِیر غَلَبَتهمْ لِیَسْتَمِرُّوا عَلَی دِینهمْ فَلَا یَتَّبِعُوا مُوسَی

تو جادوگر ایک مقرر دن کے طے شدہ وقت کے لیے جمع کر لیے گئے۔ اور وہ یوم زینت میں چاشت کا وقت تھا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ یہاں پر استفہام لوگوں کی جمع کرنے کی ترغیب کیلئے جبکہ ترجی اس لئے ہے کہ جادوگر اپنے مذہب پر قائم رہیں اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع نہ کریں۔ شاید ہم ان جادوگروں کے پیروکار بن جائیں، اگر وہی غالب رہیں۔

عیدگاہ میں حق وباطل کے مقابلے کا بیان

مناظرہ زبانی ہو چکا۔ اب مناظرہ عملاً ہو رہا ہے اس مناظرہ کا ذکر سورۃ اعراف سورۃ طٰہٰ اور اس سورت میں ہے۔ قبطیوں کا ارادہ اللہ کے نور کے بجھانے کا تھا اور اللہ کا ارادہ اس کی نورانیت کے پھیلانے کا تھا۔ پس اللہ کا ارادہ غالب رہا۔ ایمان وکفر کا مقابلہ جب کبھی ہوا ایمان کفر پر غالب رہا۔ اللہ تعالیٰ حق کو غالب کرتا ہے باطل کا سر پھٹ جاتا ہے اور لوگوں کے باطل ارادے ہوا میں اڑ جاتے ہیں۔ حق آ جاتا ہے باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ ہوا ہر ایک شہر میں سپاہی بھیجے گئے۔ چاروں طرف سے بڑے بڑے نامی گرامی جادوگر جمع کئے گئے جو اپنے فن میں کامل اور استاد زمانہ تھے کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد بارہ یا پندرہ یا سترہ یا انیس یا کچھ اوپر تیس یا اسی ہزار کی یا اس سے کم وبیش تھی۔ صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان تمام کے استاد اور سردار چار شخص تھے۔ سابور عاذور حطحط اور مصفی۔ چونکہ سارے ملک میں شور مچ چکا تھا چاروں طرف سے لوگوں کے غول کے غول وقت مقررہ سے پہلے مصر میں جمع ہو گئے۔ چونکہ یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ رعیت اپنے بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے۔ سب کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ جادوگروں کے غلبہ کے بعد ہم تو ان کی راہ لگ جائیں گے۔ یہ کسی زبان سے نہ نکلا کہ جس طرف حق ہوگا ہم اسی طرف ہو جائیں گے اب موقعہ پر فرعون مع اپنے جاہ چشم کے نکال تمام امراء وروسا ساتھ تھے لشکر فوج پلٹن ہمراہ تھی جادوگروں کو اپنے دربار میں اپنے سامنے بلوایا۔ جادوگروں نے بادشاہ سے عہد لینا چاہا اس لئے کہا کہ جب ہم غالب آ جائیں تو بادشاہ ہمیں انعامات سے محروم نہیں رکھیں گے؟ فرعون نے جواب دیا واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے نہ صرف انعام بلکہ میں تو تمہیں اپنے خاص روسا میں شامل کرونگا اور تم ہمیشہ میرے پاس اور میرے ساتھ ہی رہا کرو گے۔ تم میرے مقرب بن جاؤ گے میری تمام تر توجہ تمہاری ہی طرف ہوگی۔ وہ خوشی خوشی میدان کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے۔ بولو تم پہلے اپنی استادی دکھاتے ہو؟ یا ہم دکھائیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے اپنی بھڑاس نکال لو تاکہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے یہ جواب پاتے ہی انہوں نے اپنی چھڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کی عزت سے ہمارا غلبہ رہے گا۔

سورۃ اعراف میں ہے جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ انہیں ہیبت میں ڈال دیا اور بڑا بھاری جادو ظاہر کیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ ان کی لاٹھیاں اور رسیاں ان کے جادو سے ہلتی جلتی معلوم ہونے لگیں۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں جو لکڑی تھی اسے میدان میں ڈال دیا جس نے سارے میدان میں ان کی جو کچھ نظر بندیوں کی چیزیں تھیں، سب کو ہضم کر لیا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور باطل دب گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ یہ کوئی ہلکی سی بات اور تھوڑی سی دلیل نہ تھی جادوگر تو اسے دیکھتے ہی مسلمان ہو گئے کہ ایک شخص اپنے استاد فن کے مقابلے میں آتا ہے اس کا حال جادوگروں کا سا نہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کرتا یقیناً ہمارا جادو صرف نگاہوں کا فریب ہے اور اس کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے وہ تو اسی وقت وہیں کے وہیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ اور اسی مجمع میں سب کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لا چکے۔ پھر اپنا قول

اور واضح کرنے کے لئے یہ بھی ساتھ ہی کہہ دیا کہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ رب ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اپنا رب کہتے ہیں۔ اتنا بڑا معجزہ اس قدر انقلاب فرعون نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن ملعون کی قسمت میں ایمان نہ تھا۔ پھر بھی آنکھیں نہ کھلی۔ اور دشمن جاں ہو گیا۔ اور اپنی طاقت سے حق کو کچلنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ ہاں میں جان گیا موسیٰ تم سب کے استاد تھے اسے تم نے پہلے سے بھیج دیا پھر تم بظاہر مقابلہ کرنے کے لئے آئے اور باطنی مشورے کے مطابق میدان ہار گئے اور اس کی بات مان گئے پس تمہارا یہ مکر کھل گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝
قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝
پھر جب جادوگر آ گئے تو انھوں نے فرعون سے کہا کیا واقعی ہمارے لیے ضرور کچھ صلہ ہوگا، اگر ہم ہی غالب ہوئے؟
کہا ہاں اور یقیناً تم اس وقت ضرور مقرب لوگوں سے ہوگے۔

جادوگروں کا غلبہ کی صورت میں انعام کا مطالبہ کرنے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِدْخَالِ أَلِف بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ "قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا" أَيْ حِينَئِذٍ،

پھر جب جادوگر آ گئے تو انھوں نے فرعون سے کہا کیا واقعی ہمارے لیے ضرور کچھ صلہ ہوگا، اگر ہم ہی غالب ہوئے؟ یہاں پر أ أن میں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورت میں ان دونوں کے درمیان اُلف بھی داخل کیا گیا ہے۔ کہا ہاں اور یقیناً تم اس وقت ضرور مقرب لوگوں سے ہوگے۔

تمہیں درباری بنایا جائے گا، تمہیں خاص اعزاز دیئے جائیں گے، سب سے پہلے داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی، سب سے بعد تک دربار میں رہو گے۔ اس کے بعد جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا حضرت پہلے اپنا عصا ڈالیں گے یا ہمیں اجازت ہے کہ ہم اپنا سامان سحر ڈالیں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ
فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝
موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: تم وہ چیزیں ڈال دو جو تم ڈالنے والے ہو۔ تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں
اور انھوں نے کہا فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم، یقیناً ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی
تو اچانک وہ ان چیزوں کو نگل رہی تھی جو وہ جھوٹ بنا رہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا جادوگروں کی شعبدہ باز چیزوں کو نگل جانے کا بیان

"قَالَ لَهُمْ مُوسَى " بَعْدَمَا قَالُوا لَهُ "إِمَّا أَنْ تُلْقِي وَإِمَّا أَنْ نَكُون نَحْنُ الْمُلْقِينَ " "أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ "
فَالْأَمْر فِيهِ لِلْإِذْنِ بِتَقْدِيمِ إِلْقَائِهِمْ تَوَسُّلًا بِهِ إِلَى إِظْهَار الْحَقّ
"فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَف" بِحَذْفِ إِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنْ الْأَصْل تَبْتَلِع "مَا يَأْفِكُونَ "
يَقْلِبُونَهُ بِتَمْوِيهِهِمْ فَيُخَيِّلُونَ حِبَالهمْ وَعِصِيّهمْ أَنَّهَا حَيَّات تَسْعَى

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے فرمایا: تم وہ جادو کی چیزیں ڈال دو جو تم ڈالنے والے ہو۔ تو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں یہاں پر امر پہلے اجازت دینے کے بیان میں ہے۔ کیونکہ ان کا پھینکنا یہ اظہار حق کا وسیلہ بن رہا تھا۔ اور انھوں نے کہا فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم، یقیناً ہم ہی غالب آنے والے ہیں۔ پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی، یہاں پر تلقف یہ دو تاؤں کے ساتھ آیا ہے اور ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ تو اچانک وہ ان چیزوں کو نگل رہی تھی جو وہ جھوٹ بنا رہے تھے۔ یعنی وہ نظر بندی کر کے لوگوں کو دھوکہ دے رہے تھے کیونکہ لوگوں کو وہ رسیاں اور لاٹھیاں زندہ چلتے پھرتے سانپ معلوم ہو رہے تھے۔

جوانہوں نے جادو کے ذریعہ سے بنائیں تھیں یعنی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو جادو سے اژدھے بن کر دوڑتے نظر آ رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اژدھا بن کر ان سب کو نگل گیا پھر اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک میں لیا تو وہ مثلِ سابق عصا تھا جب جادوگروں نے یہ دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ یہ جادو نہیں ہے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ○ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ○
پس سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے۔ انھوں نے کہا ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔
(جو) موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا رب ہے۔

جادوگروں کے ایمان کے اعلان کا بیان

"رَبّ مُوسَى وَهَارُونَ" لِعِلْمِهِمْ بِأَنَّ مَا شَاهَدُوهُ مِنْ الْعَصَا لَا يَتَأَتَّى بِالسِّحْرِ

پس سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے۔ انھوں نے کہا ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔ (جو) موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا رب ہے۔ کیونکہ انہوں نے عصا کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ وہ جادو والا نہیں ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فالقی السحرۃ سجدین ۔ سو جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔ یہاں صیغہ فعل مجہول لایا گیا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

(1) جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں یہ معجزہ دیکھا تو ان کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہ رہا سوائے سر تسلیم خم کر لینے کے اور وہ سجدہ کے لئے مجبور ہو گئے۔

(2) معجزہ کو دیکھ کر جب حقیقت ان پر عیاں ہوگئی اور ان کے دلوں پر سے جہالت وضلالت کے پردے ہٹ گئے تو فوراً شوق سے وہ جھٹ سجدہ میں گر پڑے۔ ان کی اندرونی کیفیت کی شدت کے اظہار کے لئے فعل مجہول لایا گیا ہے اس کی مثال سورۃ ھود میں ہے و جاء ہ قومہ یھرعون الیہ اور اس کے پاس اس کی قوم کے لوگ کھچے چلے آئے۔

فرعون کے جے پکارنے والے جادوگروں نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے بنا ہوا سانپ ان کے سانپ کو ہڑپ کر رہا ہے تو انھیں یقین ہوگیا تھا کہ یہ جادو کے فن سے ماورا کوئی اور چیز ہے۔ وہ کوئی معمولی قسم کے جادوگر نہ تھے۔ بلکہ ملک بھر کے چوٹی کے ماہر اور نامور جادوگر تھے۔ لہٰذا جب ان کے بنائے ہوئے سب سانپ میدان مقابلہ سے ختم ہوگئے تو انہوں نے اپنی شکست کا برملا اعتراف کرلیا پھر اسی پر اکتفانہ کیا۔ بلکہ اسی بھرے مجمع میں رب العالمین پر ایمان لانے کا اقرار کیا اور یہ بھی ساتھ ہی وضاحت کردی کہ رب سے مراد ہماری مراد فرعون نہیں بلکہ رب العالمین سے ہماری مراد وہ پروردگار ہے جو ہر چیز کا پرورش کنندہ ہے اور جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
کہا تم اس پر ایمان لے آئے، اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ضرور تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے،
سو یقیناً تم جلدی جان لوگے، میں ضرور ہر صورت تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا
اور یقیناً تم سب کو ضرور بری طرح سولی دوں گا۔

فرعون کا جادوگروں کو سولی پر چڑھانے کی سزا سنانے کا بیان

"قَالَ" فِرْعَوْن "آمَنْتُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا "لَهُ" لِمُوسَى "قَبْل أَنْ آذَن" أَنَا "لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمْ السِّحْر" فَعَلَّمَكُمْ شَيْئًا مِنْهُ وَغَلَبَكُمْ بِآخَر "فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ" مَا يَنَالكُمْ مِنِّي "لَأُقَطِّعَن أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلكُمْ مِنْ خِلَاف" أَيْ يَد كُلّ وَاحِد الْيُمْنَى وَرِجْله الْيُسْرَى

فرعون نے کہا تم اس پر یعنی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے، یہاں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کو الف سے بدلہ بھی گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ ضرور تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے، اور تم پر غالب آگیا، سو یقیناً تم جلدی جان لوگے، جو میری طرف تمہیں سزا ملے گی۔ میں ضرور ہر صورت تم میں سے ہر ایک کے ہاتھ اور تمہارے پاؤں یعنی ہر ایک کے پاؤں مخالف سمت سے بری طرح کاٹوں گا اور یقیناً تم سب کو ضرور بری طرح سولی دوں گا۔

جرأت و ہمت والے کامل الایمان لوگوں کا بیان

سبحان اللہ کیسے کامل الایمان لوگ تھے حالانکہ ابھی ہی ایمان میں آئے تھے لیکن ان کی صبر و ثبات کا کیا کہنا؟ فرعون جیسا ظالم

و جابر حاکم پاس کھڑا ڈرا دھمکا رہا ہے اور وہ نڈر بےخوف ہو کر اس کی منشا کے خلاف جواب دے رہے ہیں۔ حجاب کفر دل سے دور ہو گئے ہیں اس وجہ سے سینہ ٹھونک کر مقابلہ پر آ گئے ہیں اور مادی طاقتوں سے بالکل مرعوب نہیں ہوتے۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس اللہ کا دیا ہوا معجزہ ہے کسب کیا ہوا جادو نہیں۔ اسی وقت حق کو قبول کیا۔ فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم نے مجھے کوئی چیز ہی نہ سمجھا۔ مجھ سے باغی ہو گئے مجھ سے پوچھا ہی نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی مان لی؟ یہ کہہ کر پھر اس خیال سے کہ کہیں حاضرین مجلس پر ان کے ھار جانے بلکہ پھر مسلمان ہو جانے کا اثر نہ پڑے اس نے انہیں ذلیل سمجھا۔ ایک بات بنائی اور کہنے لگا کہ ہاں تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے تم سب خورد ہو اور یہ تمہار بزرگ ہے۔ تم سب کو اسی نے جادو سکھایا ہے اس مکابرہ کو دیکھو یہ صرف فرعون کی بے ایمانی اور دغا بازی تھی ورنہ اس سے پہلے نہ تو جادوگروں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو دیکھا تھا اور نہ ہی اللہ کے رسول ان کی صورت سے آشنا تھے۔ رسول اللہ تو جادو جانتے ہی نہ تھے کسی کو کیا سکھاتے؟ عقلمندی کے خلاف یہ بات کہہ کر پھر دھمکانا شروع کر دیا اور اپنی ظالمانہ روش پر اتر آیا کہنے لگا میں تمہارے سب کے ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹ دوں گا اور تمہیں ٹنڈے منڈے بنا کر پھر سولی دونگا کسی اور ایک کو بھی اس سزا سے نہ چھوڑونگا سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ راجا جی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ جو تم سے ہو سکے کر گزرو۔ ہمیں مطلق پرواہ نہیں ہمیں تو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہمیں اسی سے صلہ لینا ہے جتنی تکلیف تو ہمیں دے گا اتنا اجر و ثواب ہمارا رب ہمیں عطا فرمائے گا۔ حق پر مصیبت سہنا بالکل معمولی بات ہے جس کا ہمیں مطلق خوف نہیں۔ ہماری تو اب یہی ایک آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمارے اگلے گناہوں پر ہماری پکڑ نہ کرے جو مقابلہ تو نے ہم سے کروایا ہے۔ اس کا وبال ہم پر سے ہٹ جائے اور اسکے لئے ہمارے پاس سوائے اس کے کوئی وسیلہ نہیں کہ ہم سب سے پہلے اللہ والے بن جائیں ایمان میں سبقت کریں اس جواب پر وہ اور بھی بگڑا اور ان سب کو اس نے قتل کرا دایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
انہوں نے کہا کوئی نقصان نہیں، بیشک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب
ہماری خطائیں معاف فرما دے گا، اس وجہ سے کہ ہم ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

فرعون کے سامنے جادوگروں کی استقامت کا بیان

"قَالُوا لَا ضَيْر" لَا ضَرَر عَلَيْنَا فِي ذٰلِكَ "إِنَّا إِلَى رَبِّنَا" بَعْد مَوْتنَا بِأَيِّ وَجْه كَانَ "مُنْقَلِبُونَ" رَاجِعُونَ فِي الْآخِرَة "إِنَّا نَطْمَع" نَرْجُو "أَنْ يَغْفِر لَنَا رَبّنَا خَطَايَانَا أَنْ" أَيْ بِأَنْ "كُنَّا أَوَّل الْمُؤْمِنِينَ" فِي زَمَانِنَا

انہوں نے کہا اس میں ہم پر کوئی نقصان نہیں، بیشک ہم اپنی موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ یعنی آخرت کی طرف جانے والے ہیں۔ ہم قوی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں جو ہماری عمر میں ہوئی تھیں معاف فرما دے گا، اس وجہ سے کہ اب ہم ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

جب فرعون نے جادوگروں کو قبول ایمان پر قتل کی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانے کی دھمکی دی تو جادوگروں نے بڑی

بے پروائی سے یہ جواب دیا کہ تم جو کچھ کر سکتے ہو کر لو۔ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم قتل بھی ہوں گے تو اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے جہاں آرام ہی آرام ہے۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا، اس پر مزید فرعون کے دعویٰ خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف، فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا ہے۔ جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر (فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ) کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزہ عصا اور ید بیضاء سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسا انقلاب آ گیا کہ صرف مومن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○
اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ تم میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ بیشک تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو راتوں رات بحر قلزم کی طرف لے جانے کا بیان

"وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى" بَعْد سِنِين أَقَامَهَا بَيْنهمْ يَدْعُوهُمْ بِآيَاتِ اللّٰه إِلَى الْحَقّ فَلَمْ يَزِيدُوا إِلَّا عُتُوًّا "أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي" بَنِي إِسْرَائِيل وَفِي قِرَاءَة بِكَسْرِ النُّون وَوَصْل هَمْزَة أَسْرِ مِنْ سَرَى لُغَة فِي أَسْرَى أَيْ سِرْ بِهِمْ لَيْلًا إِلَى الْبَحْر "إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ" يَتْبَعكُمْ فِرْعَوْن وَجُنُوده فَيَلِجُونَ وَرَاءَكُمْ الْبَحْر فَأُنْجِيكُمْ وَأُغْرِقهُمْ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی یعنی جب آپ نے ان میں کئی سال قیام کیا آپ ان کو اللہ کی آیات کے ذریعے حق کی دعوت دیتے رہے مگر ان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا رہا کہ تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات یہاں سے لے جاؤ۔ یہاں پر ایک قرأت کے مطابق نون کے کسرہ اور اسریٰ کو ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور ایک لغت میں سری ہے یعنی ان کو راتوں رات بحر قلزم کی طرف لے جاؤ۔ بیشک تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے۔ پس وہ تمہارے پیچھے سمندر میں داخل ہو جائیں گے۔ پس ہم تمہیں نجات دیں گے جبکہ ان کو غرق کر دیں گے۔

فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کرنے کا بیان

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا بہت سارا زمانہ ان میں گزارا۔ اللہ کی آیتیں ان پر واضح کر دیں لیکن ان کا سر نیچا نہ ہوا ان کا

تکبر نہ ٹوٹا ان کی بد دماغی میں کوئی فرق نہ آیا۔ تو اب سوا اس کے کے کوئی چیز باقی نہ رہی کہ ان پر عذاب الٰہی آ جائے اور یہ غارت ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی وحی آئی کہ راتوں رات بنی اسرائیلیوں کو لے کر میرے حکم کے مطابق چل دو۔ بنو اسرائیل نے اس موقع پر قبطیوں سے بہت سے زیور بطور عاریت کے لئے اور چاند چڑھنے کے وقت چپ چاپ چل دیئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس رات چاند گہن تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستے میں دریافت فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟ بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا نے قبر بتلادی۔ آپ نے تابوت یوسف اپنے ساتھ اٹھالیا۔ کہا گیا کہ خود آپ نے ہی اسے اٹھایا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت تھی کہ بنی اسرائیل جب یہاں سے جانے لگیں تو آپ کا تابوت اپنے ہمراہ لیتے جائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تربت مبارک کی نشاندہی کرنے والی خاتون کا بیان

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے اس نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی واپسی میں آپ نے فرمایا کبھی ہم سے مدینے میں بھی مل لینا کچھ دنوں بعد اعرابی آپ کے پاس آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ چاہیے؟ اس نے کہاں ہاں ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو آپ نے فرمایا افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ وہ واقعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب حضرت کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گئے ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملتی۔ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا یہ کیا اندھیر ہے؟ تو علمائے بنی اسرائیل نے کہا بات یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آخری وقت ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ کے تابوت کو بھی یہاں سے اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی تربت کہاں ہے؟ سب نے انکار کر دیا ہم نہیں جانتے ہم میں سوائے ایک بڑھیا کے اور کوئی بھی آپ کی قبر سے واقف نہیں آپ نے اس بڑھیا کے پاس آدمی بھیج کر اس سے کہلوایا کہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر دکھا۔ بڑھیا نے کہا ہاں دکھاؤں گی لیکن پہلے اپنے حق لے لوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ مجھے میسر ہو۔ آپ پر اس کا یہ سوال بھاری پڑا اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو اور اسکی شرط منظور کر لو اب وہ آپ کو ایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کا رنگ بھی متغیر ہو گیا تھا کہا کہ اس کا پانی نکال ڈالو جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا اب یہاں کھودو۔ کھودنا شروع ہوا تو قبر ظاہر ہو گئی اسے ساتھ رکھ لیا اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ لگ گئے۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے بلکہ زیادہ قریب تو یہ ہے کہ یہ موقوف ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ لوگ تو اپنے راستے لگ گئے ادھر فرعون اور فرعونیوں کی صبح کے وقت جو آنکھ کھلتی ہے تو چوکیدار غلام وغیرہ کوئی نہیں۔ سخت پیچ و تاب کھانے لگے اور مارے غصے کے سرخ ہو گئے جب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل رات کو سب کے سب فرار ہو گئے ہیں تو اور بھی سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت اپنے لشکر جمع کرنے لگا۔ سب کو جمع کر کے ان سے کہنے لگا۔ کہ یہ بنی اسرائیل کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے محض ذلیل کمین اور قلیل لوگ ہیں ہر وقت ان سے ہمیں کوفت ہوتی رہتی ہے تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ اور پھر ہر وقت ہمیں ان کی

طرف سے دغدغہ ہی لگا رہتا ہے یہ معنی حاذرون کی قرأت پر ہیں سلف کی ایک جماعت نے اسے حذرون بھی پڑھا ہے یعنی ہم ہتھیار بند ہیں میں ارادہ کر چکا ہوں کہ اب انہیں ان کی سرکشی کا مزہ چکھا دوں۔ ان سب کو ایک ساتھ گھیر گھار کر گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈال دوں۔ اللہ کی شان یہی بات اسی پر لوٹ پڑی اور وہ مع اپنی قوم اور لاؤ لشکر کے یہ یک وقت ہلاک ہوا۔ لعنۃ اللہ علیہ وعلی من تبعہ۔ جناب باری کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی طاقت اور اکثریت کے گھمنڈ پر بنی اسرائیل کے تعاقب میں انہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے اس بہانے ہم نے انہیں ان کے باغات چشموں نہروں خزانوں اور بارونق مکانوں سے خارج کیا اور جہنم واصل کیا۔ وہ اپنے بلند و بالا شوکت و شان والے محلات ہرے بھرے باغات جاری نہریں خزانے سلطنت ملک تخت و تاج جاہ و مال سے چھوڑ کر بنی اسرائیل کے پیچھے مصر سے نکلے۔ اور ہم نے ان کی یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کو دلوا دیں جو آج تک پست حال تھے ذلیل و نادار تھے۔ چونکہ ہمارا ارادہ ہو چکا تھا کہ ہم ان کمزوروں کو ابھاریں اور ان گرے پڑے لوگوں کو برسر ترقی لائیں اور انہیں پیشوا اور وارث بنا دیں اور ارادہ ہم نے پورا کیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شعراء، بیروت)

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ o اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ o وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ o
تو فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دیے۔ بیشک یہ تھوڑی سی جماعت ہے۔ اور بلاشبہ یہ ہمیں یقیناً غصہ دلانے والے ہیں۔

بنی اسرائیل کے تعاقب کی تیاریوں کا بیان

"فَأَرْسَلَ فِرْعَوْن" حِين أُخْبِرَ بِسَيْرِهِمْ "فِي الْمَدَائِن" قِيلَ كَانَ لَهُ أَلْف مَدِينَة وَاثْنَا عَشَر أَلْف قَرْيَة "حَاشِرِينَ" جَامِعِينَ الْجَيْش قَائِلًا

"إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَة" طَائِفَة "قَلِيلُونَ" قِيلَ كَانُوا سِتّمِائَة أَلْف وَسَبْعِينَ أَلْفًا وَمُقَدَّمَة جَيْشه سَبْعمِائَة أَلْف فَقَلَّلَهُمْ بِالنَّظَرِ إِلَى كَثْرَة جَيْشه "وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ" فَاعِلُونَ مَا يَغِيظنَا

تو فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیج دیے۔ کہا گیا ہے اس کے شہروں کی تعداد ایک ہزار جبکہ بستیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اور کہا کہ بیشک یہ یعنی بنی اسرائیل تھوڑی سی جماعت ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ اور ستر ہزار افراد پر مشتمل تھی جبکہ اس کے مقدمہ جیش کی تعداد سات لاکھ تھی۔ لہٰذا اسی لئے اس نے اپنے لشکر کے مقابلے میں بنی اسرائیل کو قلیل قرار دیا اور بلاشبہ یہ ہمیں یقیناً غصہ دلانے والے ہیں۔ یعنی ایسا کام کرنے والے ہیں جس کے سبب ہمیں غصہ آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لغائظون۔ میں لام تاکید کا ہے۔ غائظون۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ غائظ واحد غیظ مادہ۔ الغیظ کے معنی سخت غصہ کے ہیں الغائظ غصہ دلانے والا۔ غضب پیدا کرانے والا۔ غیظ۔ انتہائی غضب کو کہتے ہیں: انهم لنا لغائظون۔ انہوں نے ہم کو بہت غصہ دلایا ہے۔

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہوسکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لیے کہیں۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۞ فَاَخْرَجْنٰـهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۞ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۞
اور یقیناً ہم سب مستعد اور چوکس ہیں۔ پس ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا۔
اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔

فرعون اور قوم فرعون کو آرامگاہوں سے باہر نکال لانے کا بیان

"وَإِنَّا لَجَمِيع حَاذِرُونَ" مُسْتَعِدُّونَ وَفِي قِرَاءَة حَاذِرُونَ مُتَيَقِّظُونَ "فَأَخْرَجْنَاهُمْ" أَيْ فِرْعَوْن وَقَوْمه مِنْ مِصْر لِيَلْحَقُوا مُوسَى وَقَوْمه "مِنْ جَنَّات" بَسَاتِين كَانَتْ عَلَى جَانِبَيْ النِّيل "وَعُيُون" أَنْهَار جَارِيَة فِي الدُّور مِنْ النِّيل "وَكُنُوز" أَمْوَال ظَاهِرَة مِنْ الذَّهَب وَالْفِضَّة , وَسُمِّيَتْ كُنُوزًا لِأَنَّهُ لَمْ يُعْطِ حَقّ اللَّه تَعَالَى مِنْهَا "وَمَقَام كَرِيم" مَجْلِس حَسَن لِلْأُمَرَاءِ وَالْوُزَرَاء يَحُفّهُ أَتْبَاعهمْ

اور یقیناً ہم سب بھی مستعد اور چوکس ہیں۔ یہاں پر ایک قرأت کے مطابق حاذرون متیقظون ہے۔ پس ہم نے اس فرعون اور فرعونیوں کو مصر کے باغوں یعنی ایسے باغات جو نیل کے دونوں کنارے تھے۔ اور چشموں یعنی جو نیل سے ان کے گھروں کی جانب جاری تھیں وہاں سے نکال باہر کیا۔ تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے جا ملیں۔ اور خزانوں یعنی جو سونے چاندی کے ظاہری اموال تھے۔ اور ان کا نام کنوز اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتے تھے۔ اور بہترین قیام گاہوں سے نکال لائے۔ یعنی ان کے اعلیٰ رہنے کے وہ مقامات جن کو ان کے نوکر چاکر سجایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ وہاں آرام فرما ہوں۔

چند دنوں میں فرعون نے بنی اسرائیل کے تعاقب اور ان سے نپٹنے کے لئے ایک لشکر جرار اکٹھا کر لیا اور ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ چند دنوں میں ہم انھیں گرفتار کر کے واپس لے آئیں گے اور جو مقابلہ پر آئیں گے انھیں قتل کر ڈالیں گے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ جن محلوں اور باغوں سے نکل کر وہ ان کے تعاقب میں جا رہے ہیں ان محلوں اور باغوں کو دوبارہ دیکھنا بھی ان کے نصیب میں نہ ہوگا۔ اور بنی اسرائیل کا شکار کرنے والا یہ لشکر خود موت کے ہاتھوں شکار بن جائے گا۔

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰـهَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۞ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۞
ایسے ہی ہوا اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ تو انھوں نے سورج نکلتے ان کا پیچھا کیا۔

آرامگاہوں سے نکل کر ڈوبنے والے فرعونیوں کا بیان

"كَذَلِكَ" أَيْ إِخْرَاجنَا كَمَا وَصَفْنَا "وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيل" بَعْد إِغْرَاق فِرْعَوْن وَقَوْمه :

"فَأَتْبَعُوهُمْ" لَحِقُوهُمْ "مُشْرِقِينَ" وَقْتَ شُرُوقِ الشَّمْسِ

ایسے ہی ہوا یعنی اسی طرح ہم نے نکال دیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو وارث بنایا۔تو انھوں نے سورج نکلتے ان کا پیچھا کیا۔یعنی جس وقت سورج کی روشنی ہوتی ہے۔

مصر میں بنی اسرائیل کے وارث ہونے کا بیان

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ مصر میں بھی رہ گئے تھے سارے کے سارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ روانہ نہیں ہوئے تھے۔جب فرعون اور اس کے جملہ اعیان سلطنت غرق ہو کر ہلاک ہو گئے تھے۔تو ساتھ ہی آل فرعون کا اقتدار بھی ختم ہو گیا تھا اور یہی پیچھے رہنے والے بنی اسرائیل ان کے محلوں اور باغات پر قابض ہو گئے تھے۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے کچھ حصہ پر قابض ہوئے ہوں۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں اس عہد کی طرف اشارہ ہو۔جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت مصر تک پھیل گئی اور بنی اسرائیل ہی فرعونیوں کے محلات اور باغات پر قابض ہو گئے تھے۔

اس آیت میں بظاہر یہ تصریح ہے کہ قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی املاک اور جائیداد، باغات وخزائن اما لک غرق فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا، لیکن اس میں ایک تاریخی اشکال یہ ہے کہ خود قرآن کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر کی طرف نہیں لوٹے بلکہ اپنے اصلی وطن ارض مقدس شام کی طرف روانہ ہوئی، وہیں ان کو ایک کافر قوم سے جہاد کر کے ان کے شہر کو فتح کرنے کا حکم ملا، جس کی تعمیل سے بنی اسرائیل نے انکار کر دیا اس پر بطور عذاب کے اس کھلے میدان میں جس میں بنی اسرائیل موجود تھے ایک قدرتی جیل خانہ بنا دیا گیا کہ وہ اس میدان سے نکل نہیں سکتے تھے اسی حالت میں چالیس سال گذرے اور اسی وادی تیہ میں ان کے دونوں پیغمبروں حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی وفات ہو گئی۔اس کے بعد بھی کتب تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت بنی اسرائیل اجتماعی اور قومی صورت سے مصر میں داخل ہوئی ہوں کہ قوم فرعون کی جائیداد وخزائن پر ان کا قبضہ ہوا ہو۔

تفسیر روح المعانی میں سورہ شعراء کی اسی آیت کے تحت اس کے دو جواب ائمہ تفسیر حضرت حسن وقتادہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں حضرت حسن کا ارشاد ہے کہ آیت مذکورہ میں بنی اسرائیل کو فرعونی متروکہ جائیداد کا وارث بنانے کا ذکر ہے مگر یہ کہیں مذکور نہیں کہ یہ واقعہ ہلاک فرعون کے فوراً بعد ہو جائے گا، وادی تیہ کے واقعہ اور چالیس پچاس سال کے بعد بھی اگر وہ مصر میں داخل ہوئی ہوں تو آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا۔رہا یہ امر کہ تاریخ سے ان کا اجتماعی داخلہ مصر ثابت نہیں، تو یہ اعتراض اس لئے قابل التفات نہیں ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ یہود ونصاری کی لکھی ہوئی اکاذیب سے بھر پور ہے جو کسی طرح قابل اعتماد نہیں، اس کی وجہ سے آیت قرآن میں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس واقعہ کے مطابق جتنی آیات قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آئی ہیں مثلاً سورہ اعراف آیت

نمبر 128 و نمبر 137 اور سورہ قصص آیت نمبر 5 اور سورہ دخان کی آیات 25 تا 28 اور سورۃ شعرا کی آیت مذکورہ نمبر 59 ان سب کے ظاہر سے اگرچہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خاص انہیں باغات اور جائیدادوں کا مالک بنایا گیا تھا جو قوم فرعون نے ارض مصر میں چھوڑی تھیں جس کے لئے بنی اسرائیل کا مصر کی طرف لوٹنا ضروری ہے لیکن ان سب آیتوں کے الفاظ میں اس کی بھی واضح گنجائش موجود ہے کہ مراد ان سے یہ ہو کہ بنی اسرائیل کو اسی طرح کے خزائن اور باغات وغیرہ کا مالک بنا دیا گیا جس طرح کے باغات قوم فرعون کے پاس تھے۔ جس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ارض مصر ہی میں پہنچ کر حاصل ہوں بلکہ ارض شام میں بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔

اور سورہ اعراف کی آیت میں الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا کے الفاظ سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارض شام مراد ہے کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں بارکنا وغیرہ کے الفاظ اکثر ارض شام ہی کے بارے میں آئی ہیں۔

اس لئے حضرت قتادہ کا قول یہ ہے کہ بلا ضرورت آیات قرآن کو ایسے محمل پر محمول کرنا جو تاریخ عالم سے متصادم ہو درست نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اگر واقعات سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہلاک فرعون کے بعد کسی وقت بھی بنی اسرائیل اجتماعی صورت سے مصر پر قابض نہیں ہوئے تو حضرت قتادہ کی تفسیر کے مطابق ان تمام آیات میں ارض شام اور اس کے باغات و خزائن کا وارث ہونا مراد لیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، وغیرہ بہ تصرف، سورہ شعراء، بیروت)

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ ۝ قَالَ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ۝
پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا بے شک ہم یقیناً پکڑے جانے والے ہیں
کہا ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مجھے ضرور راستہ بتائے گا۔

بحر قلزم کے کنارے فرعونیوں کا بنی اسرائیل تک پہنچ جانے کا بیان

"فَلَمَّا تَرَاءَ ی الْجَمْعَانِ" رَأٰی کُلٌّ مِنْهُمَا الْاٰخَرَ "قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ" یُدْرِکُنَا جَمْعُ فِرْعَوْنَ وَلَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ "قَالَ" مُوْسٰی "کَلَّا" اَیْ لَنْ یُدْرِکُوْنَا "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" بِنَصْرِهٖ "سَیَهْدِیْنِ" طَرِیْقَ النَّجَاةِ

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا بے شک ہم یقیناً پکڑے جانے والے ہیں یہاں پر مدرکون جمع آیا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ ہمیں ہرگز نہیں پکڑ سکیں گے کیونکہ میرے ساتھ میرا رب یعنی اس کی مدد ہے، وہ مجھے ضرور نجات کا راستہ بتائے گا۔

بنی اسرائیل اور فرعونیوں کا ایک دوسرے کو دیکھ لینے کا بیان

فرعون اپنے تمام لاؤ لشکر اور تمام رعایا کو مصر اور بیرون کے لوگوں کو اپنے والوں کو اور اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر بڑے طمطراق اور

ٹھاٹھ سے بنی اسرائیل کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے چلا بعض کہتے ہیں ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی تھی۔ان میں سے ایک لاکھ تو صرف سیاہ رنگ کے گھوڑوں پر سوار تھے لیکن یہ خبر اہل کتاب کی ہے جو تامل طلب ہے۔کعب سے تو مروی ہے کہ آٹھ لاکھ تو ایسے گھوڑوں پر سوار تھے۔ہمارا تو خیال ہے کہ یہ سب بنی اسرائیل کی مبالغہ آمیز روایتیں ہیں۔اتنا تو قرآن سے ثابت ہے کہ فرعون اپنی کل جماعت کو لے کر چلا مگر قرآن نے ان کی تعداد بیان نہیں فرمائی نہ اس کو علم ہمیں کچھ نفع دینے والا ہے طلوع آفتاب کے وقت یہ ان کے پاس پہنچ گیا۔کافروں نے مومنوں اور مومنوں نے کافروں کو دیکھ لیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ موسیٰ اب بتاؤ کیا کریں۔پکڑا لیے گئے آگے بحر قلزم ہے پیچھے فرعون کا ٹڈی دل لشکر ہے۔نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ظاہر ہے کہ نبی اور غیر نبی کا ایمان یکساں نہیں ہوتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ٹھنڈے دل سے جواب دیتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تمہیں کوئی ایذاء نہیں پہنچا سکتی میں اپنی رائے سے تمہیں لے کر نہیں نکلا بلکہ احکم الحکمین کے حکم سے تمہیں لے کر چلا ہوں۔وہ وعدہ خلاف نہیں ہے ان کے اگلے حصے پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے انہی کے ساتھ حضرت یوشع بن نون تھے یہ آل فرعون کا مومن شخص تھا۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لشکر کے اگلے حصے میں تھے۔گھبراہٹ کے مارے اور راہ نہ ملنے کی وجہ سے سارے بنو اسرئیل ہکا بکا ہو کر ٹھہر گئے اور اضطراب کے ساتھ جناب کلیم اللہ سے دریافت فرمانے لگے کہ اسی راہ پر چلنے کا اللہ کا حکم تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔اتنی دیر میں تو فرعون کا لشکر سر پر آ پہنچا۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شعراء، بیروت)

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ
كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝
پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو، پس دریا پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا زبردست پہاڑ کی
مانند ہو گیا۔اور وہیں ہم دوسروں کو قریب لے آئے۔

فرعون اور قوم فرعون کا غرق ہونے کے قریب آ جانے کا بیان

"فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْر" فَضَرَبَهُ "فَانْفَلَقَ" فَانْشَقَّ اثْنَيْ عَشَر فِرْقًا "فَكَانَ كُلّ فِرْق كَالطَّوْدِ الْعَظِيْم" الْجَبَل الضَّخْم بَيْنهمَا مَسَالِك سَلَكُوهَا لَمْ يَبْتَلّ مِنْهَا سُرُج الرَّاكِب وَلَا لِبْده "وَاَزْلَفْنَا" قَرَّبْنَا "ثَمَّ" هُنَاكَ "الْاٰخَرِيْنَ" فِرْعَوْن وَقَوْمه حَتّٰى سَلَكُوا مَسَالِكهمْ

پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو، تو آپ نے اپنا عصا دریا پر مارا پس دریا بارہ حصوں میں پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا زبردست پہاڑ کی مانند ہو گیا۔یعنی مضبوط پہاڑ جن کے درمیان ان کے چلنے کے راستے تھے۔اور اس دوران کسی گھوڑے کی زین یا نمدہ تک تر نہ ہوا۔اور وہیں ہم دوسروں کو قریب لے آئے۔یعنی فرعون اور اس کی قوم کو قریب لائے یہاں تک کہ وہ بھی انہی راستوں پر چلنے لگے۔

بنی اسرائیل کیلئے بحر قلزم سے بارہ راستے بن جانے کا بیان

اسی وقت پروردگار کی وحی آئی کہ اے نبی! اس دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ اور پھر میری قدرت کا کرشمہ دیکھو، آپ نے لکڑی ماری جس کے لگتے ہی بحکم اللہ پانی پھٹ گیا اس پریشانی کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی۔ وہ ابن ابی حاتم میں ان الفاظ سے مروی ہے۔ دعا (یا من کان قبل کل شئی المکون لکل شئی والکائن بعد کل شئی اجعل لنا مخرجا) یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ اللہ کی وحی آئی کہ دریا پر اپنی لکڑی مارو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس رات اللہ تعالیٰ نے دریا کی طرف پہلے ہی سے وحی بھیج دی تھی کہ جب میرے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام آئیں اور تجھے لکڑی ماریں تو تو ان کی بات سننا اور ماننا پس سمندر میں رات بھر تلاطم رہا اس کی موجیں ادھر ادھر سر ٹکراتی پھیریں کہ نہ معلوم حضرت علیہ السلام کب اور کدھر سے آ جائیں اور مجھے لکڑی ماردیں ایسا نہ ہو کہ مجھے خبر نہ لگے اور میں ان کے حکم کی بجا آوری نہ کرسکوں جب بالکل کنارے پہنچ گئے تو آپ کے ساتھی حضرت یوشع بن نون رحمۃ اللہ نے فرمایا اے اللہ کے نبی! اللہ کا آپ کو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا یہی کہ میں سمندر میں لکڑی ماروں۔ انہوں نے کہا پھر دیر کیا ہے؟ چنانچہ آپ نے لکڑی مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے تو پھٹ اور مجھے چلنے کا راستہ دے دے۔ اسی وقت وہ پھٹ گیا راستے بیچ میں صاف نظر آنے لگے اور اس کے آس پاس پانی بطور پہاڑ کے کھڑا ہوگیا۔ اس میں بارہ راستے نکل آئے بنواسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔ پھر قدرت الٰہی سے ہر دو فریق کے درمیان جو پہاڑ حائل تھا اسمیں طاق سے بن گئے تا کہ ہر ایک دوسرے کو سلامت روی سے آتا ہوا دیکھے۔ پانی مثل دیواروں کے ہوگیا۔ اور ہوا کو حکم ہوا کہ اس نے درمیان سے پانی کو اور زمین کو خشک کر کے راستے صاف کر دیئے پس اس خشک راستے سے آپ مع اپنی قوم کے بیکھٹکے جانے لگے۔ پھر فرعونیوں کو اللہ تعالیٰ نے دریا سے قریب کر دیا پھر موسیٰ اور بنواسرائیل اور سب کو تو نجات مل گئی۔ اور باقی سب کافروں کو ہم نے ڈبو دیا نہ ان میں سے کوئی بچا۔ نہ ان میں سے کوئی ڈوبا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ فرعون کو جب بنواسرائیل کے بھاگ جانے کی خبر ملی تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کہا اس کی کھال اترنے سے پہلے چھ لاکھ کا لشکر جمع ہو جانا چاہئے۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام بھاگم بھاگ دریا کے کنارے جب پہنچ گئے تو دریا سے فرمانے لگے تو پھٹ جا کہیں ہٹ جا اور ہمیں جگہ دے دے اس نے کہا یہ کیا تکبر کی باتیں کر رہے ہو؟ کیا میں اس سے پہلے بھی کبھی پھٹا ہوں؟ اور ہٹ کر کسی انسان کو جگہ دی ہے جو تجھے دوں گا؟ آپ کے ساتھ جو بزرگ شخص تھے انہوں نے کہا اے نبی کیا یہی راستہ اور یہی جگہ اللہ کی بتلائی ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی انہوں نے کہا پھر نہ تو آپ جھوٹے ہیں نہ آپ سے غلط فرمایا گیا ہے۔ آپ نے دوبارہ یہی کہا لیکن پھر بھی کچھ نہ ہوا۔ اس بزرگ شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا اسی وقت وحی اتری کہ سمندر پر اپنی لکڑی مار۔ اب آپ کو خیال آیا اور لکڑی ماری لگتے ہی سمندر نے راستہ دے دیا۔ بارہ راہیں ظاہر ہو گئیں ہر فرقہ اپنے راستے کو پہچان گیا اور اپنی راہ پر چل دیا اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے با اطمینان تمام چل دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لے کر پار نکل گئے اور فرعونی ان کے تعاقب میں سمندر میں آ گئے کہ اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی جیسا تھا ویسا ہو گیا اور سب کو ڈبو دیا۔ جب سب سے آخری بنی اسرائیلی نکلا اور سب سے

آخری قبطی سمندر میں آ گیا اسی وقت جناب باری تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی ایک ہو گیا اور سارے کے سارے قبطی ایک ایک کر کے ڈبو دیئے گئے۔ اس میں بڑی عبرتناک نشانی ہے کہ کس طرح گنہگار برباد ہوتے ہیں اور نیک کردار شاد ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان جیسی دولت سے محروم ہیں۔ بیشک تیرا رب عزیز و رحیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ۝

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نجات بخشی اور ان سب لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

فرعون اور قوم فرعون کے غرق ہو جانے کا بیان

"وَاَنْجَيْنَا مُوسَى وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ" بِإِخْرَاجِهِمْ مِنْ الْبَحْر عَلَى هَيْئَته الْمَذْكُورَة "ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ" فِرْعَوْن وَقَوْمه بِإِطْبَاقِ الْبَحْر عَلَيْهِمْ لَمَّا تَمَّ دُخُولهمْ فِي الْبَحْر وَخُرُوج بَنِي إِسْرَائِيل مِنْهُ

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی نجات بخشی اور ان سب لوگوں کو بھی جو ان کے ساتھ تھے۔ یعنی ان کو اسی ذکر کردہ حالت میں سمندر سے باہر نکال لیا۔ پھر ہم نے دوسروں یعنی فرعون اور فرعونیوں کو غرق کر دیا۔ کیونکہ جب وہ سارے سارے سمندر میں داخل ہوئے تو بنی اسرائیل کے وہاں سے نکل کے جانے کے بعد پانی آپس میں مل گیا۔

یعنی فرعون اور اس کی قوم کو اس طرح کہ جب بنی اسرائیل کل کے کل دریا سے باہر ہو گئے اور تمام فرعونی دریا کے اندر آ گئے تو دریا بحکم الٰہی مل گیا اور مثلِ سابق ہو گیا اور فرعون مع اپنی قوم کے ڈوب گیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝

بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب رحمت والا ہے۔

کفار کیلئے ہلاکت جبکہ اہل ایمان کیلئے نجات کا بیان

"إِنَّ فِي ذَلِكَ" إِغْرَاق فِرْعَوْن وَقَوْمه "لَآيَة" عِبْرَة لِمَنْ بَعْدهمْ "وَمَا كَانَ أَكْثَرهمْ مُؤْمِنِينَ" بِاَللَّهِ لَمْ يُؤْمِن مِنْهُمْ غَيْر آسِيَة امْرَأَة فِرْعَوْن وحزقيل مُؤْمِن آل فِرْعَوْن وَمَرْيَم بِنْت ناموصى الَّتِي دَلَّتْ عَلَى عِظَام يُوسُف عَلَيْهِ السَّلَام

"وَإِنَّ رَبّك لَهُوَ الْعَزِيز" فَانْتَقَمَ مِنْ الْكَافِرِينَ بِإِغْرَاقِهِمْ "الرَّحِيم" بِالْمُؤْمِنِينَ فَأَنْجَاهُمْ مِنْ الْغَرَق

بے شک اس میں یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے میں یقیناً ایک نشانی ہے جو ان کے بعد والوں کیلئے عبرت ہے۔ اور ان کے اکثر اللہ پر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ سوائے حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کے جو فرعون کی زوجہ تھیں اور حزقیل کے فرعون کی قوم سے مومن تھے۔ اور مریم بنت ناموصی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسد مبارک کی طرف رہنمائی کی تھی۔ اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب یعنی کفار کو غرق کر کے ان سے انتقام لینے والا ہے۔ جبکہ اہل ایمان کو غرق ہونے سے بچا کر رحمت کرنے

والا ہے۔

یعنی اہل مصر میں صرف آسیہ فرعون کی بی بی اور حزقیل جن کو مؤمنِ آلِ فرعون کہتے ہیں وہ اپنا ایمان چھپائے رہتے تھے اور فرعون کے چچازاد تھے اور مریم جس نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کا نشان بتایا تھا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے تابوت کو دریا سے نکالا۔

لہٰذا مسلمانوں کو بتا دیں کہ جس طرح فرعون مصر بنی اسرائیل کے تعاقب میں گیا اور بحر قلزم میں غرق ہو گیا اسی طرح کفار مکہ بھی مسلمانوں کے تعاقب میں آئیں گے اور میدان بدر میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

(69) وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ(71) قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ(72) قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ
إِذْ تَدْعُونَ(73) أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ○ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا
عٰكِفِيْنَ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ○ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ○
اور آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ (چچا آزر) سے اور اپنی قوم
سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور ہم انہی کے لئے جمے رہنے
والے ہیں۔ فرمایا: کیا وہ تمہیں سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں۔

بتوں کے نفع ونقصان سے متعلق ان کی پرستش کی تردید کا بیان

"وَاتْلُ عَلَيْهِمْ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "نَبَأ" خَبَر "إِبْرَاهِيم" وَيُبْدَل مِنْهُ "قَالُوا نَعْبُد أَصْنَامًا" صَرَّحُوا بِالْفِعْلِ لِيَعْطِفُوا عَلَيْهِ "فَنَظَلّ لَهَا عَاكِفِينَ" نُقِيم نَهَارًا عَلَى عِبَادَتهَا زَادُوهُ فِي الْجَوَاب افْتِخَارًا بِهِ "قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ" حِين "أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ" إِنْ عَبَدْتُمُوهُمْ "أَوْ يَضُرُّونَ" كُمْ إِنْ لَمْ تَعْبُدُوهُمْ

اور آپ ﷺ ان لوگوں یعنی کفار مکہ کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ یہاں پر اذ قال لابیہ یہ نبأ ابراہیم سے بدل ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی عبادت کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا: ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں، یہاں پر فعل کو صراحت سے ذکر کیا ہے تا کہ اس پر "فَنَظَلّ لَهَا عَاكِفِينَ" کا عطف ڈالا جائے۔ کہ ہم دن کو ان کی عبادت میں بسر کرتے ہیں اور اس پر نظل کا اضافہ یہ جواب میں زیادتی ہے کہ انہوں نے بتوں کی پوجا کیلئے فخر کیا ہے اور ہم انہی کی عبادت و خدمت کے لئے جمے رہنے والے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا وہ تمہیں سنتے ہیں جب تم ان کو پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں جب تم ان کی عبادت کرتے ہو یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب تم ان کی عبادت نہیں کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دعوت توحید کا بیان

تمام موحدوں کے باپ اللہ کے بندے اور رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کا واقعہ بیان ہورہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہورہا ہے کہ آپ اپنی امت کو یہ واقعہ سنادیں۔ تاکہ وہ اخلاص توکل اور اللہ واحد کی عبادت اور شرک اور مشرکین سے بیزاری میں آپ کی اقتدا کریں۔ آپ اول دن سے اللہ کی توحید پر قائم تھے اور آخر دن تک اسی توحید پر جمے رہے۔ اپنی قوم سے اور اپنے چچا سے فرمایا کہ یہ بت پرستی کیا کررہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پرانے وقت سے ان بتوں کی مجاوری اور عبادت کرتے چلے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکی اس غلطی کو ان پر وضح کرکے ان کی غلط روش بےنقاب کرنے کے لئے ایک بات اور بھی بیان فرمائی کہ تم جو ان سے دعائیں کرتے ہو اور دور نزدیک سے انہیں پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ یا جس نفع کے حاصل کرنے کے لئے تم انہیں بلاتے ہو وہ نفع تمہیں وہ پہنچا سکتے ہیں؟ یا اگر تم انکی عبادت چھوڑ دو تو کیا وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس کا جواب جو قوم کی جانب سے ملا وہ صاف ظاہر ہے کہ انکے معبودان کاموں میں سے کسی کام کو نہیں کرسکتے۔ انہوں نے صاف کہا کہ ہم تو اپنے بڑوں کی وجہ سے بت پرستی پر جمے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے ان سے اور ان کے معبودان باطلہ سے اپنی برات اور بیزاری کا اعلان کردیا۔ صاف فرمادیا کہ تم اور تمہارے معبود سے میں بیزار ہوں، جن کی تم اور تمہارے باپ دادا پرستش کرتے رہے۔ ان سب سے میں بیزار ہوں وہ سب میرے دشمن ہیں میں صرف سچے رب العلمین کا پرستار ہوں۔ میں موحد مخلص ہوں۔ جاؤ تم سے اور تمہارے معبودوں سے جو ہوسکے کرلو۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا تم اور تمہارے سارے معبود مل کر اگر میرا کچھ بگاڑ سکتے ہوں تو کمی نہ کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا میں تم سے اور تمہارے اللہ کے سوا باقی معبودوں سے بیزار ہوں تم سب اگر مجھے نقصان پہنچا سکتے ہو تو جاؤ پہنچالو۔ میرا بھروسہ اپنے رب کی ذات پر ہے تمام جاندار اسکے ماتحت ہیں وہ سیدھی راہ والا ہے اسی طرح خلیل الرحمٰن علیہ صلوات الرحمٰن نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ڈر تو تمہیں میرے رب سے رکھنا چاہئے۔ جو سچا ہے آپ نے اعلان کردیا تھا کہ جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ مجھ میں تم میں عداوت ہے۔ میں اے باپ تجھ سے اور تیری قوم سے اور تیرے معبودوں سے بری ہوں۔ صرف اپنے رب سے میری آرزو ہے کہ وہ مجھے راہ راست دکھلائے اسی کو یعنی لا الہ الا اللہ کو انہوں نے کلمہ بنالیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ○ قَالَ اَفَرَءَ يْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ○
انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کہ وہ ایسے ہی کرتے تھے۔ کہا تو کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے۔
تم اور تمہارے اگلے آباء واجداد (الغرض کسی نے بھی سوچا)

شرک میں باپ دادا کی تقلید کرنے کا بیان

"قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَ نَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ" أَيْ مِثْلَ فِعْلِنَا

انھوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کہ وہ ایسے ہی کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم کی قوم آپ کے سوالوں کا تو کوئی جواب دے نہیں سکتی تھی۔ لے کے ان کے پاس جو جواب ہو سکتا تھا یہ تھا کہ چونکہ ہمارے آباء واجداد ایسا کرتے آئے ہیں اور مدتوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے لہٰذا ہم بھی یہ کام چھوڑ نہیں سکتے۔ ہمارے آباء و اجداد ہم سے زیادہ سمجھدار زیادہ بزرگ اور زیادہ نیک تھے۔ آخر انہوں نے ان بتوں کی پرستش میں کچھ فائدہ دیکھا ہوگا۔ تبھی تو انہوں نے یہ کام شروع کیا تھا آخر ان کے پاس بھی کوئی دلیل تو ہوگی؟

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ۝
وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ وہ جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے ہدایت فرماتا ہے۔

وصف تخلیق کے ذریعے استدلال عبادت کا بیان

"فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي" لَا أَعْبُدهُمْ "إِلَّا" لَكِنْ "رَبّ الْعَالَمِينَ" فَإِنِّي أَعْبُدهُ، "الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ" إِلَى الدِّين

وہ سب میرے دشمن ہیں کیونکہ میں ان کی عبادت نہیں کرتا۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ پس میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے دین کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ یہ میرے دشمن ہیں۔ تاکہ قوم کے لوگ چڑ نہ جائیں اور ضد بازی پر نہ اتر آئیں۔ اوران کے دشمن ہونے کا ذکر سورہ مریم کی آیت نمبر ۸۲ میں موجود ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اور ان کے معبودوں کو آمنے سامنے لا حاضر کرے گا تو یہی معبود خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان، اپنے عبادت کرنے والوں کے دشمن بن جائیں گے اور کہیں گے کہ احمقو! تمہیں ہم کب نے کب کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر ہماری عبادت کیا کرو۔ یہ تو آخرت میں دشمنی ہوئی اور آج یہ میرے دشمن ہیں۔ لہٰذا یہ میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہیں میں حاضر ہوں، میں دیکھوں گا کہ میرا یہ کیا نقصان کر سکتے ہیں اور ان کے دشمن ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ میں بھی ان کا دشمن ہوں۔ یعنی جہاں تک مجھ سے بن پڑا میں بھی ان سے دو دو ہاتھ کروں گا۔

رزق وشفاء اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے کا بیان

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۝
اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔ اور وہی مجھے موت دے گا

پھر وہی مجھے (دوبارہ) زندہ فرمائے گا۔

انبیاء معصوم ہیں، گناہ ان سے صادر نہیں ہوتے، ان کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور امت کے لئے طلب مغفرت کی تعلیم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان صفاتِ الٰہیہ کو بیان کرنا اپنی قوم پر اقامتِ حُجت ہے کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جس کی یہ صفات ہوں۔

قرآن مجید میں آیات شفاء کا بیان

حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا، ایک مرتبہ میرا بچہ سخت بیمار ہوا یہاں تک کہ ہم سب اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے اسی دوران میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بچے کی بیماری کے بارے میں عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آیات شفا سے بے خبر کیوں ہو؟ پھر جب میں بیدار ہوا اور قرآن کریم سے آیات شفا کی تلاش شروع کی یہاں تک کہ میں نے قرآن میں چھ جگہوں پر آیات شفا پائیں جو یہ ہیں۔

آیت (1)(وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ) 9 ۔التوبہ : 14) آیت (2)(وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ) 10 ۔یونس : 57) ایت 3)) (شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُه فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ) 16 ۔النحل : 69) ایت (4)(وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ) 17 ۔الاسراء : 82) آیت 5)) (وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ) 26 ۔الشعرا : 80) آیت (6)(قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ) 41 ۔فصلت : 44) (مشکوۃ شریف: جلد چهارم: حدیث نمبر 461)

چنانچہ میں نے ان آیات کو لکھا اور پانی میں دھو کر بچے کو پلا دیا جس سے وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا کہ جیسے ان کے پیروں کا بند کھول دیا گیا ہے۔ قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں ان آیات شفا کی طرف اشارہ کیا ہے، اسی طرح سعد حلیبی نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ان آیات شفا کا تعین کرتے ہوئے ابوالقاسم قشیری کی مذکورہ بالا حکایات کو نقل کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے، ان آیات کو پڑھ کر مریض پر دم کرنے اور ان کو چینی کے برتن پر لکھ کر اور اس کو دھو کر مریض کو پلانے کا ذکر کیا ہے

نیز حضرت شیخ تاج الدین سبکی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا کہ وہ بیماریوں سے شفا حاصل کرنے کے لئے ان آیات کو لکھا کرتے تھے۔ رہی یہ بات کہ حصول شفا کے لئے ان آیات کے صرف مذکورہ بالا اجزاء کو لکھا جائے یا پوری آیتیں لکھی جائیں تو اس سلسلہ میں نقل کرنے والوں نے اکابر و مشائخ کا جو عمل دیکھا ہے وہ صرف ان ہی مذکورہ اجزاء کو لکھا جانا ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت وہ میری خطائیں معاف فرمادے گا۔ اے میرے رب! مجھے علم و عمل میں کمال عطا فرما اور مجھے اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں شامل فرمالے۔

نیک لوگوں کی معیت طلب کرنے کا بیان

"وَالَّذِی أَطْمَع " أَرْجُو "أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّين " الْجَزَاء "رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا" عِلْمًا "وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ" النَّبِيِّينَ

اوراسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت وہ میری خطائیں معاف فرمادے گا۔اے میرے رب! مجھے علم وعمل میں کمال عطافرمااور مجھے اپنے قرب خاص کے سزاواروں یعنی انبیائے کرام میں شامل فرمالے۔

حکم سے مراد علم عقل الوہیت کتاب اور نبوت ہے۔آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مجھے یہ چیزیں عطافرما کر دنیا اور آخرت میں نیک لوگوں میں شامل رکھ۔چنانچہ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخری وقت میں دعا مانگی تھی کہ اے اللہ اعلیٰ رفیقوں میں ملادے تین بار یہی دعا کی۔ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی مروی ہے۔(اللھم احینا مسلمین و امتنا مسلمین و الحقنابالصالحین غیر خزایا و لامبدلین) ۔ یعنی اے اللہ! ہمیں اسلام پر زندہ رکھ اور مسلمانی کی حالت میں ہی موت دے اور نیکوں میں ملادے۔درآنحالیکہ نہ رسوائی ہو نہ تبدیلی۔پھر اور دعا کرتے ہیں کہ میرے بعد بھی میرا ذکر خیر لوگوں میں جاری رہے۔لوگ نیک باتوں میں میری اقتدا کرتے رہیں۔اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا ذکر پچھلی نسلوں میں باقی رکھا۔ہر ایک آپ پر سلام بھیجتا ہے اللہ کسی نیک بندے کی نیکی اکارت نہیں کرتا۔ایک جہان ہے جن کی زبانیں آپ کی تعریف وتوصیف سے تر ہیں۔دنیا میں بھی اللہ نے انہیں اونچائی اور بھلائی دی۔عموماً ہر مذہب وملت کے لوگوں خلیل اللہ علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔اور دعا کرتے ہیں کہ میرا ذکر جمیل جہاں میں باقی رہے وہاں آخرت میں بھی جنتی بنایا جاؤں۔

نماز میں صالحین کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھتے تو (قعدہ میں التحیات کی بجائے) یہ پڑھا کرتے تھے۔"السلام علی اللہ قبل عبادہ السلام علی جبرائیل السلام علی میکائیل السلام علی فلان" اللہ پر سلام ہے، میکائیل پر سلام ہے اس کے بندوں پر سلام بھیجے سے پہلے جبرائیل پر سلام ہے اور فلاں (یعنی فرشتوں میں سے کسی فرشتے پر یا انبیاء میں سے کسی نبی پر سلام ہے۔" چنانچہ (ایک دن) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز پڑھ کر) فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اللہ پر سلام" نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (تو خود) سلام ہے یعنی پروردگار کی ذات تمام آفات ونقصانات سے محفوظ وسالم ہے وہ بندوں کو تمام ظاہری و باطنی آفات ونقصانات سے سلامتی دیتا ہے اور چونکہ اس کے لئے اور اس کی طرف سے سلامتی ثابت ہے اس لئے سلامتی کے لئے دعا تو اس کے لئے کرنی چاہئے جس کو نقصانات وآفات کا خوف ہو اور جو اس کی سلامتی کا محتاج ہو لہٰذا جب تم میں سے کوئی نماز (کے قعدہ) میں بیٹھے تو یہ کہے "التحیات للہ و الصلوات و الطیبات اسلام علیك ایھا النبی و رحمة اللہ وبر کا تہ السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین " سب تعریفیں اور بدنی عبادتیں (یعنی نماز وغیرہ اور مالی عبادتیں (یعنی زکوۃ وغیرہ) اللہ ہی کے لئے ہے۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ہوں۔

ہم پر بھی سلام اور اللہ کے سب نیک بندوں پر سلام ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی ان کلمات کو کہتا ہے تو اس کی برکت زمین وآسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچتی ہے۔ (اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو شہادتین پر ختم فرمایا جو تمام اعمال کی اصل اور خلاصہ ہے۔ چنانچہ فرمایا۔" اشھد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمدا عبده و رسوله " میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر فرمایا اس کے بعد بندے کو جو دعا اچھی لگے اسے اختیار کرے اور اللہ کے سامنے دست سوال دراز کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 873)

ابن ملک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حاصل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں باریاب ہوئے تو اللہ جل شانہ کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات زبان سے ادا فرمائے: التحیات اللہ والصلوات والطیبات ۔ " تمام تعریفیں اور مالی وبدنی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔" اس کے جواب میں بارگاہ الوہیت سے فرمایا گیا۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله و بركاته ۔ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی برکتیں ورحمتیں!۔" اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علینا وعلی عباد اللّٰه الصالحین ۔ ہم پر بھی سلام اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام۔" تب جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده و رسوله ۔ "میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔" بہر حال السلام علینا و علی عباد الله الصالحین میں "نیک بندوں" کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ بد بخت وبدکار بندوں پر سلام بھیجنا یا ان کو سلام کہنا مناسب نہیں ہے۔ اس کی سعادت کے حقدار اور لائق تو وہی بندے ہیں جو اپنے عقیدہ وفکر اور اعمال و کردار کے اعتبار سے اللہ اور اللہ کے رسول کی نظر میں پسندیدہ ہیں جنہیں "صالح" کہا جاتا ہے اور "بندہ صالح" وہی ہے جو حقوق اللہ وحقوق العباد دونوں کی رعایت کو مدنظر رکھتا ہے اور دونوں کو پورا کرتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ "صالح" دراصل اس حالت کا نام ہے جس میں بندے کے ذاتی ونفسانی ارادے وخواہشات موت کے گھاٹ اتر جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مراد ومقصد پر قائم رہے (جس کی وجہ سے وہ بند صالح کہلانے کا مستحق ہو) لہٰذا بندے کو چاہئے کہ وہ پروردگار کی رضا وخواہش پر اس کیفیت کے ساتھ راضی اور اپنے تمام امور کو خداوند عالم کی طرف اس طرح سونپنے والا ہو جائے جیسا کہ نومولود بچہ دایہ کے ہاتھ میں یا میت نہلانے والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ "جب بندہ اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے اور اس کا جذبہ بندگی واطاعت اس قدر لطیف وپاکیزہ ہو جاتا ہے تو وہ یقینی طور پر تمام دنیاوی وجسمانی اور نفسانی آفات اور بلاؤں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ آخر میں۔ اتنی بات اور سمجھتے چلے کہ التحیات کو دونوں قعدوں میں پڑھنا چاہئے اور یہ کہ درمیان کا قعدہ (یعنی جب دو رکعتوں کے بعد بیٹھتے ہیں) واجب ہے اور آخری قعدہ (جس میں سلام پھیرا جاتا ہے) فرض ہے۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝

اور میرے لئے بعد میں آنے والوں میں ذکرِ خیر اور قبولیت جاری فرما۔ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔

اور میرے باپ کو بخش دے بیشک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے رسوانہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قیامت تک باقی رہ جانے کا بیان

"وَاجْعَلْ لِي لِسَان صِدْق" ثَنَاء حَسَنًا "فِي الْآخِرِينَ" الَّذِينَ يَأْتُونَ بَعْدِي إِلَى يَوْم الْقِيَامَة "وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَة جَنَّة النَّعِيم" مِمَّنْ يُعْطَاهَا

"وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنْ الضَّالِّينَ" بِأَنْ تَتُوب عَلَيْهِ فَتَغْفِر لَهُ وَهَذَا قَبْل أَنْ يَتَبَيَّن لَهُ أَنَّهُ عَدُوّ لِلَّهِ كَمَا ذُكِرَ فِي سُورَة بَرَاءَة "وَلَا تُخْزِنِي" تَفْضَحنِي "يَوْم يُبْعَثُونَ" النَّاس

اور میرے لئے بعد میں آنے والوں میں یعنی جو میرے بعد قیامت تک آنے والے ہیں، ان بھی ذکرِ خیر یعنی اچھی تعریف اور قبولیت جاری فرما۔ اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنادے۔ یعنی جن کو تو جنت عطا کرے گا۔ اور میرے باپ (چچا آزر) کو بخش دے بیشک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ یعنی تو اس کو توبہ کی توفیق عطا فرما اور ان کی بخشش کردے اور یہ حکم اس سے پہلے سے تھا کہ جب ان پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جس طرح سورۃ برأت میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور مجھے اس دن رسوانہ کرنا جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

نیک عمل میں دوام اختیار کرنے کا بیان

ابن عربی نے فرمایا کہ آیتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جس نیک عمل سے لوگوں میں تعریف ہوتی ہو اس نیک عمل کی طلب و خواہش جائز ہے اور امام غزالی نے فرمایا کہ دنیا میں عزت و جاہ کی محبت تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ اول یہ ہے کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو بڑا اور اس کے بالمقابل دوسرے کو چھوٹا یا حقیر قرار دینا نہ ہو بلکہ آخرت کے فائدہ کے لئے ہو کہ لوگ میرے معتقد ہوکر نیک اعمال میں میرا اتباع کریں۔ دوسرے یہ کہ جھوٹی ثناء خوانی مقصود نہ ہو کہ جو صفت اپنے اندر نہیں ہے لوگوں سے اس کی خواہش رکھے کہ وہ اس صفت میں اس کی تعریف کریں۔ تیسرے یہ کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے کسی گناہ یا دین کے معاملے میں مداہنت اختیار نہ کرنی پڑے۔ (تفسیر ابن عربی، کیمیائے سعادت، لاہور)

یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکرِ جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہر مذہب کے لوگ کرتے ہیں، کسی کو بھی ان کی عظمت و تکریم سے انکار نہیں ہے۔

تمام مخلوق کے سامنے میرا مؤ اخذہ کر کے یا عذاب سے دوچار کر کے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد (چچا آزر) کو برے حال میں دیکھیں گے، تو ایک مرتبہ پھر اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے مغفرت کی درخواست کریں گے اور فرمائیں گے یا اللہ! اس سے زیادہ میرے لئے رسوائی اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے جنت کافروں پر حرام کردی ہے۔ پھر ان کے باپ (چچا آزر) کو نجاست میں لتھڑے ہوئے بجو کی شکل میں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝
جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا۔ مگر وہی شخص، جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اللہ کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہونے کا بیان

قَالَ تَعَالَى فِيهِ "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ" "أَحَدًا" "إِلَّا" لَكِنْ "مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" مِنَ الشِّرْكِ وَالنِّفَاقِ وَهُوَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْفَعُهُ ذَٰلِكَ

جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا۔ مگر وہی شخص نفع مند ہوگا۔ جو اللہ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔ یعنی شرک و منافقت سے جو پاک ہو اور وہ مؤمن کا دل ہے کیونکہ وہ اس کو فائدہ دینے والا ہے۔

قیامت کے دن اہل ایمان کے اموال واولاد کے کام آنے کا بیان

صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئے گا جس کو قلب سلیم سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور مشہور تفسیر اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ استثناء متصل ہے اور معنے یہ ہیں کہ مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اس شخص کے جس کا قلب سلیم ہے یعنی وہ مومن ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب چیزیں قیامت میں بھی مفید و نافع ہو سکتی ہیں مگر صرف مومن کے لئے نفع بخش ہوں گی کافر کو کچھ نفع نہ دیں گی۔ یہاں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَّلَا بَنُوْنَ فرمایا جس کے معنے نرینہ اولاد کے ہیں عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی سے ہو سکتی ہے لڑکیوں سے کسی مصیبت کے وقت امداد ملنے کا تو یہاں بھی احتمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اس لئے قیامت میں بالتخصیص لڑکوں کے غیر نافع ہونے کا ذکر کیا گیا جن سے دنیا میں توقع نفع کی رکھی جاتی تھی۔ مال واولاد اور خاندانی تعلقات آخرت میں بھی بشرط ایمان نفع پہنچا سکتے ہیں۔ آیت مذکورہ کی مشہور تفسیر کے مطابق معلوم ہوا کہ انسان کا مال قیامت کے روز بھی اس کے کام آ سکتا ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں اپنا مال اللہ کی راہ اور نیک کاموں میں خرچ کیا تھا یا کوئی صدقہ جاریہ کر کے چھوڑا تھا۔ اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا محشر میں مومنین کی فہرست میں داخل ہوا تو یہاں کا خرچ کیا ہوا مال اور صدقہ جاریہ کا ثواب اس کو میدان حشر اور میزان حساب میں بھی کام آوے گا اور اگر یہ شخص مسلمان نہیں تھا یا خدانخواستہ مرنے سے پہلے ایمان سے

نکل گیا تو اب دنیا میں کیا ہوا کوئی نیک عمل اس کے کام نہ آوے گا اور اولاد کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر یہ شخص مسلمان ہے تو آخرت میں بھی اس کو اولاد کا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اس طرح سے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے لئے دعائے مغفرت کرے یا ایصال ثواب کرے، اور اس طرح بھی کہ اس نے اولاد کو نیک بنانے کی کوشش کی تھی اس لئے ان کے نیک عمل کا ثواب اس کو بھی خود بخود ملتا رہا اور اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہا اور اس طرح بھی کہ اولاد محشر میں اس کی شفاعت کر کے بخشوالے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ایسی شفاعت کرنا اور اس کا قبول ہونا ثابت ہے خصوصاً نابالغ اولاد کا۔ اسی طرح اولاد کو ماں باپ سے بھی آخرت میں بشرط ایمان یہ نفع پہنچے گا کہ اگر یہ مسلمان ہوئے مگر ان کے اعمال صالحہ ماں باپ کے درجے کو نہیں پہنچے تو اللہ تعالیٰ ان کے باپ دادا کی رعایت کر کے ان کو بھی اسی مقام بلند میں پہنچادیں گے جو ان کے باپ دادا کا مقام ہے۔

حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں (تشہد کے بعد) یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَ الْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاتَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ، اے پروردگار! میں تجھ سے دین میں ثابت قدمی اور راہ راست کے قصد کا سوال کرتا ہوں اور میں تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں اور تجھ سے قلب سلیم اور سچی زبان مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ بھلائی چاہتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور اس برائی سے پناہ مانگتا ہوں جس کو تو جانتا ہے اور معافی چاہتا ہوں ان گناہوں سے جن کو تو جانتا ہے۔

(سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 920)

یہ دعا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مقدس سے تعلیم امت کے پیش نظر ارشاد ہوئی ہے کہ امت کے لوگ اس طرح دعا مانگا کریں۔ ورنہ تو جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تمام بھلائیاں اور سعادتیں حاصل تھیں جن کی طرف اس دعا میں اشارہ کیا گیا ہے اور تمام گناہوں سے آپ محفوظ تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخشے جا چکے تھے۔ "راہ راست کے قصد" کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تو نے ہدایت کا جو راستہ دکھلایا ہے اس پر ہمیشہ ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہوں اور ہدایت کو اپنی زندگی کے لئے لازم پکڑوں۔ "تجھ سے تیری نعمت کے شکر اور تیری عبادت کے حسن کی درخواست کرتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے اس بات کی توفیق عنایت فرما کہ تیری ان نعمتوں کو جن سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے تیری اطاعت وفرمانبرداری میں اس طرح صرف کروں کہ تیرے احکام و فرمان کا پابند رہوں اور جن چیزوں سے تو نے منع کیا ہے ان سے بچتا رہوں اور تیری عبادت کو اس کی پوری شرائط و آداب اور پورے ارکان کے ساتھ ادا کروں۔

قلب سلیم کے مفہوم کا بیان

" قلب سلیم " اس دل کو کہتے ہیں جو برے عقائد، کمزور خیالات اور غلط اعتقادات ونظریات سے پاک وصاف ہو اور خواہشات نفسانی کی طرف اس کا میلان نہ ہو نیز یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے خالی ہو۔ دعا کے جملے وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ میں لفظ ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور عائد محذوف ہے۔ اسی طرح اس جملہ میں لفظ من زائد ہے یا بیانیہ اور مبین محذوف ہے۔ گویا اصل میں یہ عبارت اس طرح ہے اسالك شيئا هو خير ما تعلم یعنی میں تجھ سے اس اچھی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے یعنی میں ایسی چیز کی درخواست نہیں کرتا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اچھی چیز ہے کیونکہ بندہ تو کسی چیز کو اچھی سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وہی چیز مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک اچھی ہے۔ اسی طرح (واعوذبك من شر ما تعلم) کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اس بری چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک بری اور جس کے بارے میں تیرا فیصلہ ہے کہ یہ بندے کے حق میں برائی کا باعث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا ہے۔ کافر کا دل بیمار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ۝ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ۝
اور جنت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔
اور ان سے کہا جائے گا: وہ (بت) کہاں ہیں جنہیں تم پوجتے تھے۔

قیامت کے دن جنت ودوزخ کے قریب ہو جانے کا بیان

"وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ" قُرِّبَتْ "لِلْمُتَّقِينَ" فَيَرَوْنَهَا "وَبُرِّزَتْ الْجَحِيم" أُظْهِرَتْ "لِلْغَاوِينَ" الْكَافِرِينَ

اور اس دن جنت پرہیز گاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ لہذا وہ اس کو دیکھیں گے۔ اور دوزخ گمراہوں یعنی کافر کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔ اور ان سے کہا جائے گا: وہ (بت) کہاں ہیں جنہیں تم پوجتے تھے۔

نیک لوگ کیلئے جنت کے سج کر قریب ہونے کا بیان

جن لوگوں نے نیکیاں کی تھیں برائیوں سے بچے تھے جنت اس دن ان کے پاس ہی ان کے سامنے ہی زیب وزینت کے ساتھ موجود ہوگی۔ اور سرکشوں کے لئے اسی طرح جہنم ظاہر ہوگی اس میں سے ایک گردن نکل کھڑی ہوگی جو گنہگاروں کی طرف غضبناک تیوروں سے نظر ڈالے گی اور اس طرح شور مچائے گی کہ دل اڑ جائیں گے اور مشرکوں سے ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ فرمایا جائے گا کہ تمہارے معبودان باطل جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہاں ہیں۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرتے ہیں؟ یا خود اپنی مدد کر سکتے

ہیں؟ نہیں نہیں بلکہ عابد و معبود سب دوزخ میں الٹے لٹک رہے ہیں اور جل بھن رہے ہیں۔ تابع و متبوع سب اوپر تلے جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے ساتھ ہی ابلیس کے کل لشکری بھی اول سے لے کر آخر تک۔ وہاں سفلے لوگ بڑے لوگوں سے جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زندگی بھر تمہاری مانی۔ آج تم ہمیں عذابوں سے کیوں نہیں چھڑاتے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم ہی بالکل گمراہ تھے راہ سے دور ہو گئے تھے کہ تمہارے احکام کو اللہ کے احکام کے مثل سمجھ بیٹھے تھے اور رب العلمین کے ساتھ ہی تمہاری بھی عبادت کرتے رہے گویا کہ تمہیں رب کے برابر سمجھے ہوئے تھے۔ افسوس ہمیں اس غلط اور خطرناک راہ پر مجرموں نے لگائے رکھا۔ اب تو ہماری کوئی سفارشی بھی نہیں رہا۔ آپس میں پوچھیں گے کہ کیا کوئی ہمارا شفیع ہے جو ہماری شفاعت کرے؟ یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں اور وہاں جا کر اب تک کئے ہوئے اعمال کے خلاف عمل کریں؟ جہاں ہمارا کوئی سفارشی ہمیں نظر نہیں آتا وہاں کوئی قریبی سچا دوست بھی نہیں دکھائی دیتا کہ وہی ہماری ہمدردی و غم خواری کرے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی صالح شخص سے ہماری دوستی ہوتی تو وہ آج ضرور ہمیں نفع دیتا اور اگر کوئی ہمارا دلی محب ہوتا تو وہ ضرور ہماری شفاعت کے لئے آگے بڑھتا اور اگر ہمیں پھر سے دنیا میں جانا ملتا تو ہم آپ اپنے ان بداعمال کا تدارک کر لیتے اپنے رب کی ہی مانتے اور اسی کی عبادتیں کرتے۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ یہ بدبخت ازلی اگر دوبارہ بھی لائیں جائیں تو وہی بداعمالیاں پھر سے شروع کر دیں۔ سورۃ ص میں بھی ان دوزخیوں کے جھگڑے کا بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کا یہ جھگڑا یقیناً ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ فرمایا اور جو دلیلیں انہیں دیں اور ان پر توحید کی وضاحت کی اس میں یقیناً اللہ کی الوہیت پر اور اس کی یکتائی پر صاف برہان موجود ہے لیکن پھر بھی اکثر لوگ ایمان سے محروم ہیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تیرا پالنہار پروردگار پورے غلبے اور قوت والا ساتھ ہی بخشش و رحم والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ○ ۙ
اللہ کے سوا، کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا خود اپنی مدد کر سکتے ہیں؟ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ اس میں اوندھے منہ پھینک دیے جائینگے۔

کفار کا جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیئے جانے کا بیان

"مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره مِنْ الْأَصْنَام "هَلْ يَنْصُرُونَكُمْ" بِدَفْعِ الْعَذَاب عَنْكُمْ "أَوْ يَنْتَصِرُونَ" بِدَفْعِهِ عَنْ أَنْفُسهمْ , لَا "فَكُبْكِبُوا" أُلْقُوا

اللہ کے سوا یعنی بت وغیرہ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں کہ وہ تم سے عذاب کو دور کر دیں یا خود اپنی مدد کر سکتے ہیں؟ یعنی اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکیں۔ پھر وہ اور تمام گمراہ لوگ اس میں اوندھے منہ پھینک دیے جائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فکبکبوا: ف تعقیب کا ہے کبکبوا ماضی مجہول جمع مذکر غائب الکب کے معنی کسی کو منہ کے بل گرانے کے ہیں جیسے کہ دوسری

جگہ قرآن مجید میں آیا ہے فکبت وجوههم فی النار، تو ان کو منہ کے بل اوندھا آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ الکبکبۃ کسی چیز کو اوپر سے لڑھکا کر گڑھے میں پھینک دینا۔ کب ثلاثی مجرد۔ کبکب رباعی مجرد۔ دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں لیکن رباعی مجرد میں آکر معانی میں مبالغہ کا عنصر پایا جاتا ہے۔ کبکبوا فیھا ۔ ای القوافی الجحیم علی وجوههم مرة بعد اخری الی ان یستقروا فیھا کے معنی ہوئے کہ ان کو بار بار منہ کے بل دوزخ میں گرایا جائے گا۔ تا آنکہ اس کی گہرائی میں جا ٹکیں گے۔ فیہا میں ھا ضمیر واحد مونث غائب الجحیم کی طرف راجع ہے۔

ھم: ای الاصنام۔ بت۔ جھوٹے معبود (ما کنتم تعبدون من دون اللہ۔ جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے تھے)۔ الغاوون۔ گمراہ۔ کج رو۔ (انوار البیان، سورہ شعراء)

اوندھے منہ جہنم میں ڈالے جانے کے مفہوم کا بیان

حضرت جندب قسری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا و آخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد و امان میں مواخذہ کیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) کہ اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (صحیح مسلم) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 592)

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس آدمی سے بدسلوکی نہ کریں، اس کو قتل نہ کریں۔ اس کا مال نہ چھینیں، اس کی غیبت نہ کریں اور اس کو بے آبروئی نہ کریں۔ اگر کسی آدمی نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں خلل ڈالا لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے سخت مواخذہ کرے گا اور جس بدنصیب سے اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ یا پھر "عہد و امان" سے مراد نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں امن دینے کا وعدہ کر لیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبح کی نماز ہرگز قضا نہ کریں ورنہ ان کے اور پروردگار کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا اور اس کے مواخذے سے بچانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
اور ابلیس کی ساری فوجیں وہ اس میں باہم جھگڑا کرتے ہوئے کہیں گے۔ اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں تھے۔

ابلیس اور اس کے متبعین کو جہنم میں ڈال دینے کا بیان

"وَجُنُود إِبْلِيس" أَتْبَاعه , وَمَنْ أَطَاعَهُ مِنَ الْجِنّ وَالْإِنْس "قَالُوا" أَيْ الْغَاوُونَ "وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ"

مَعَ مَعْبُودِیهِمْ "تَاللّٰهِ اِنْ" مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِیلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَیْ إِنَّهُ "كُنَّا لَفِی ضَلَالٍ مُّبِینٍ" بَیِّنٍ،

اور ابلیس کی ساری فوجیں جو انسان و جن اس کی اتباع کرتے تھے وہ بھی واصل جہنم ہوں گی۔ وہ گمراہ لوگ اس دوزخ میں باہم اپنے معبودوں سے متعلق جھگڑا کرتے ہوئے کہیں گے۔ اللہ کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ یہاں پر لفظ ان یہ ثقیل سے مخففہ ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی یہ انہ ہے۔ کہ یقیناً ہم کھلی گمراہی میں تھے۔

اہل دوزخ کو دوزخ میں پھینکنے کا طریقہ یہ ہوگا پہلے ایک دوزخ کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینکا جائے گا، اوپر سے دوسرے کو، پھر اوپر سے تیسرے کو، گویا ان کو دوزخ میں اس بیدردی سے پھینکا جائے جیسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو پھینکا جاتا ہے۔ اور دوزخ میں یوں پھینکے جانے والے لوگ تین طرح کے ہوں گے ایک مشرک لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے، دوسرے ان کے معبود، خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان تا کہ مشرکوں کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔ اور۔۔۔ ابلیس کے لشکر جو ان کی گمراہیوں کا اصل سبب بنے تھے۔

اہل جہنم کے باہمی جھگڑے کا بیان

وهم فيها يختصمون ۔ میں واو حالیہ ہے فیہا میں ھا ضمیر جحیم کی طرف راجع ہے اور ہم ضمیر جمع مذکر غائب گمراہ پجاریوں اور شیاطین کی طرف راجع ہے۔ یا گمراہ پجاریوں اور معبوان باطل کی طرف راجع ہے۔ یا ان تینوں گروہوں کے لئے ہے۔ یختصمون مضارع جمع مذکر غائب وہ جھگڑا کرتے ہوں گے اختصام (افتعال) سے یہ جملہ حالیہ ہے یعنی جب یہ اصنام اور ان کے پجاری اور شیاطین دوزخ اوندھے بل گرا دیئے جائیں گے تو وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔

اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ○ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ○ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ○
جب ہم تمہیں سب جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے۔ اور ہم کو مجرموں کے سوا کسی نے گمراہ نہیں کیا۔
لہٰذا نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے۔ اور نہ کوئی گرم جوش دوست ہے۔

قیامت کے دن کفار کیلئے کوئی سفارش نہ ہونے کا بیان

"إِذْ" حَیْثُ "نُسَوِّیكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِینَ" فِی الْعِبَادَةِ "وَمَا أَضَلَّنَا" عَنِ الْهُدَى "إِلَّا الْمُجْرِمُونَ" أَیْ الشَّیَاطِینُ أَوْ أَوَّلُونَا الَّذِینَ اقْتَدَیْنَا بِهِمْ "فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِینَ" كَمَا لِلْمُؤْمِنِینَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِیِّینَ وَالْمُؤْمِنِینَ "وَلَا صَدِیقٍ حَمِیمٍ" یُهِمُّهُ أَمْرُنَا

جب ہم تمہیں عبادت میں سب جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے۔ اور ہم کو ان مجرموں کے سوا کسی نے ہدایت سے گمراہ نہیں کیا۔ یعنی شیاطین نے یا ان پہلے لوگوں نے جنہوں نے ہماری اقتداء کی ہے۔ لہٰذا آج نہ کوئی ہماری سفارش کرنے والا ہے۔ جس طرح اہل ایمان کیلئے فرشتے اور انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین ہیں۔ اور نہ کوئی گرم جوش دوست ہے۔ جس کو ہماری

حالت کا احساس ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

حمیم: الحمیم کے معنی سخت گرم پانی کے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے وسقوا ماء حمیما اوران کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا۔ گہرے اور قریبی دوست کو بھی حمیم کہا جاتا ہے کہ اپنے دوست کی حمایت میں بھڑک اٹھتا ہے اور گرم جوشی دکھاتا ہے چنانچہ اور جگہ قرآن مجید میں ہے ولا یسئل حمیم حمیما اور کوئی دوست کسی دوست کا پرساں حال نہ ہوگا۔ صدیق حمیم۔ گہرا دوست، گرم جوش دوست۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ۝
پس کاش ہمیں ایک بار پلٹنا ہوجاتا تو ہم مومن ہوجاتے۔ بیشک اس میں بڑی نشانی ہے، اوران کے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔
اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب رحمت والا ہے۔نوح (علیہ السلام) کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

کفار کا دنیا میں لحہ بھر کیلئے آنے کی تمنا کرنے کا بیان

"فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً" رَجْعَةً إِلَى الدُّنْيَا "فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" لَوْ هُنَا لِلتَّمَنِّي وَنَكُون جَوَابه "إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ قِصَّة إِبْرَاهِيم وَقَوْمه

"كَذَّبَتْ قَوْم نُوح الْمُرْسَلِينَ" بِتَكْذِيبِهِمْ لَهُ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْمَجِيء بِالتَّوْحِيدِ , أَوْ لِأَنَّهُ لِطُولِ لُبْثه فِيهِمْ كَأَنَّهُ رُسُل وَتَأْنِيث قَوْم بِاعْتِبَارِ مَعْنَاهُ وَتَذْكِيره بِاعْتِبَارِ لَفْظه

پس کاش ہمیں ایک بار دنیا میں پلٹنا نصیب ہوجاتا تو ہم مومن ہوجاتے۔ یہاں پر لفظ لو یہ تمنا کیلئے آیا ہے اور نکون سے اس کا جواب ہے۔ بیشک اس ذکر کردہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام میں قدرت الٰہیہ کی بڑی نشانی ہے، اوران کے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب رحمت والا ہے۔نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ کیونکہ وہ ان کیلئے توحید لیکر آئے جبکہ انہوں نے اس میں شریک ٹھہرانے شروع کردیئے۔ یا آپ ان میں طویل مدت رہے کہ آپ کوئی رسولان گرامی کے قائم مقام تھے۔ یہاں پر لفظ قوم یہ معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے جبکہ لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے۔

اہل کفر وشرک، قیامت کے روز دوبارہ دنیا میں آنے کی آرزو کریں گے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ کو خوش کرلیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اگر انہیں دوبارہ بھی دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہی کچھ کریں گے جو پہلے کرتے رہے تھے۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۝
جب ان سے ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار
رسول ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو توحید کی دعوت دینے کا بیان

"اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ" نَسَبًا "نُوح أَلَا تَتَّقُونَ" اللّٰه "إِنِّي لَكُمْ رَسُول أَمِين" عَلَى تَبْلِيغ مَا أُرْسِلْت بِهِ "فَاتَّقُوا اللّٰه وَأَطِيعُونِ" فِيمَا آمُركُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِيد اللّٰه وَطَاعَته

جب ان سے ان کے قومی بھائی نوح علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول بن کر آیا ہوں۔ یعنی جس رسالت کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس کا امانتدار ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ یعنی اس چیز میں جس میں تمہیں اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

بت پرستی کے آغاز کا بیان

زمین پر سب سے پہلے جو بت پرستی شروع ہوئی اور لوگ شیطانی راہوں پر چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوالعزم رسولوں کے سلسلے کو حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کیا جنہوں نے آ کر لوگوں کو اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اسکی سزاؤں سے انہیں آگاہ کیا لیکن وہ اپنے ناپاک کرتوتوں سے باز نہ آئے غیر اللہ کی عبادت نہ چھوڑی بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کو جھوٹا کہا ان کے دشمن بن گئے اور ایذاء رسانی کے درپے ہو گئے حضرت نوح علیہ السلام کا جھٹلانا گویا تمام پیغمبروں سے انکار کرنا تھا اس لئے آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نوح نے نبیوں کو جھٹلایا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے تو انہیں اللہ کا خوف کرنے کی نصیحت کی کہ تم جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو اللہ کے عذاب کا تمہیں ڈر نہیں؟ اس طرح توحید کی تعلیم کے بعد اپنی رسالت کی تلقین کی اور فرمایا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں اور میں امانت دار بھی ہوں اس کا پیغام ہو بہو وہی ہے جو تمہیں سنا رہا ہوں۔ پس تمہیں اپنے دلوں کو اللہ کے ڈر سے پر کھنا چاہئے اور میری تمام باتوں کو بلا چوں وچرا مان لینا چاہئے۔ اور سنو میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا مقصد اس سے صرف یہی ہے کہ میرا رب مجھے اس کا بدلہ اور ثواب عطا فرمائے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو میری سچائی میری خیر خواہی تم پر خوب روشن ہے۔ ساتھ ہی میری دیانت داری اور امانت داری بھی تم پر واضح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ۝
قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۝

اور میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف سب جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ وہ بولے: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں حالانکہ تمہاری پیروی انتہائی نچلے اور حقیر لوگ کر رہے ہیں۔

قوم نوح کا اہل ایمان کو حقیر جاننے کا بیان

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ " عَلَى تَبْلِيغه "مِنْ أَجْر إِنْ" مَا "أَجْرِيَ" أَيْ ثَوَابِي "فَاتَّقُوا اللّٰه وَأَطِيعُونِ " كَرَّرَهُ تَأْكِيدًا

"قَالُوا أَنُؤْمِنُ " نُصَدِّق "لَكَ" لِقَوْلِك "وَاتَّبَعَكَ" وَفِي قِرَاءَة وَأَتْبَاعك جَمْع تَابِع مُبْتَدَأ "الْأَرْذَلُونَ" السَّفَلَة كَالْحَاكَةِ وَالْأَسَاكِفَة

اور میں تم سے اس تبلیغِ حق پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر یعنی ثواب تو صرف سب جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اس کو بہ طور تاکید مکرر لایا گیا ہے۔ وہ بولے: کیا ہم تم پر ایمان لے آئیں یعنی تمہاری تصدیق کریں حالانکہ تمہاری پیروی معاشرے کے انتہائی نچلے اور حقیر طبقات کے لوگ کر رہے ہیں۔ ایک قرأت میں اُتباعک آیا ہے جو تابع کی جمع ہے اور مبتداء ہے۔ اور ارزلون سے کمتر جس طرح جولاہے اور موچی ہوتے ہیں۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ میں بالکل مخلص اور بے غرض ہو کر تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ نہ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد ہے اور نہ ہی تم سے کسی معاوضہ کا، اجرت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میں جو بات کہتا ہوں بالکل بے لوث ہو کر اور تمہاری بھلائی کی خاطر کہتا ہوں۔ پھر بھی تم میرے درپے آزار بنے ہوئے ہو۔ اس معاملہ میں بھی تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ ظلم وزیادتی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوا کرتا۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ○

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

فرمایا: میرے علم کو ان کے کاموں سے کیا سروکار، ان کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمے ہے، اگر تم سمجھو۔ اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں تو فقط کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا غریب اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کرنے کا بیان

"قَالَ وَمَا عِلْمِي " أَيْ عِلْم لِي "إِنْ" مَا "حِسَابهمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي " فَيُجَازِيهِمْ "لَوْ تَشْعُرُونَ " تَعْلَمُونَ ذَٰلِكَ مَا عَبَدْتُمُوهُمْ "إِنْ" مَا "أَنَا إِلَّا نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرے علم کو ان کے پیشہ وارانہ کاموں سے کیا سروکار، ان کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمے ہے، جس پر انہیں جزاء دی جائے گی۔ اگر تم سمجھو یعنی جان لیتے تو کبھی ان بتوں کی عبادت نہ کرتے۔ اور میں ایمان والوں کو

نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں تو فقط کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

اس آیت میں اول مشرکین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ کے ماننے والے سارے رذیل لوگ ہیں ہم عزت دار شریف ان میں کیسے مل جائیں؟ نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے اعمال کا حال معلوم نہیں۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ تم لوگ جو خاندانی شرافت یا مال و دولت اور عزت و جاہ کو شرافت کی بنیاد سمجھتے ہو یہ غلط ہے بلکہ مدار عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا دراصل اعمال و اخلاق پر ہے۔ تم نے جن پر یہ حکم لگا دیا کہ یہ سب رذیل ہیں، یہ تمہاری جہالت ہے چونکہ ہم ہر شخص کے اعمال و اخلاق کی حقیقت سے واقف نہیں، اس لئے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقۃً کون رذیل ہے کون شریف۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شعراء، بیروت)

مؤمن کو رذیل کہنے کی ممانعت کا بیان

یہ بات انہوں نے غرور سے کہی غُرباء کے پاس بیٹھنا انھیں گوارا نہ تھا اس میں وہ اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے اس لئے ایمان جیسی نعمت سے محروم رہے۔ کمینے سے مراد ان کی غُرباء اور پیشہ ور لوگ تھے اور ان کو رذیل اور کمین کہنا یہ کفار کا متکبرانہ فعل تھا ورنہ درحقیقت صنعت اور پیشہ حیثیت دین سے آدمی کو ذلیل نہیں کرتا۔ غنا اصل میں دینی غنا ہے اور نسب تقویٰ کا نسب۔ مؤمن کو رذیل کہنا جائز نہیں خواہ وہ کتنا ہی محتاج و نادار ہو یا وہ کسی نسب کا ہو۔ (تفسیر مدارک تنزیل، سورہ شعراء، بیروت)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝
وہ بولے: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں یقیناً سنگ سار کر دیا جائے گا۔ عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔

قوم نوح کا اپنے نبی مکرم علیہ السلام کو برا بھلا کہنے کا بیان

"قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوح" عَمَّا تَقُول لَنَا "لَتَكُونَن مِنْ الْمَرْجُومِينَ" بِالْحِجَارَةِ أَوْ بِالشَّتْمِ "قَالَ" نُوح

وہ بولے: اے نوح! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے جو تم کہتے ہو تو تمہیں یقیناً سنگ سار کر دیا جائے گا۔ یا گالی گلوچ کی جائے گی۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا۔

لمبی مدت تک جناب نوح علیہ السلام ان میں رہے دن رات چھپے کھلے انہیں اللہ کی راہ کی دعوت دیتے رہے لیکن جوں جوں آپ علیہ السلام اپنی نیکی میں بڑھتے گئے وہ اپنی بدی میں سوار ہوتے گئے بالآخر زور باندھتے باندھتے صاف کہہ دیا کہ اگر اب ہمیں اپنے دین کی دعوت دی تو ہم تجھ پر پتھراؤ کر کے تیری جان لے لیں گے۔ آپ کے ہاتھ بھی جناب باری میں اٹھ گئے قوم کی تکذیب کی شکایت آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ اور آپ نے فتح کی دعا کی فرمایا کہ اے اللہ! میں مغلوب اور عاجز ہوں میری مدد کر میرے ساتھ میرے ساتھیوں کو بھی بچالے۔ پس جناب باری عزوجل نے آپ کی دعا قبول کی۔ انسانوں جانوروں اور سامان اسباب سے

کچھا کچھ بھری ہوئی کشتی میں سوار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ یقیناً یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے لیکن اکثر لوگ بے یقین ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب بڑے غلبے والا لیکن وہ مہربان بھی بہت ہے۔

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ٥
فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ٥
پس تو میرے اوران کے درمیان فیصلہ فرمادے اور مجھے اوران مومنوں کو جو میرے ساتھ ہیں نجات دے دے۔
پس ہم نے ان کو اور جوان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دے دی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کیلئے نجات کا بیان

"فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا" أَيْ اُحْكُمْ "فَاَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ" الْمَمْلُوْءِ مِنَ النَّاسِ وَالْحَيَوَانِ وَالطَّيْرِ

پس تو میرے اوران کے درمیان فیصلہ فرمادے اور مجھے اوران مومنوں کو جو میرے ساتھ ہیں نجات دے دے۔ پس ہم نے ان کو اور جوان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں لوگ، حیوانات اور پرندے سوار تھے نجات دے دی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

افتح۔ امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر تو فیصلہ کر دے۔ الفتح کے معنی کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنے کے ہیں خواہ اس ازالہ کا ادراک ظاہری آنکھ سے ہو سکے یا اس کا ادراک بصیرت سے ہو مثلاً ولما فتحوا متاعهم ، اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا۔ یا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض ، تو ہم نے ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیئے۔ یعنی ان کو ہر طرح آسودگی اور فارغ البالی کی نعمت سے نوازتے۔

افتح القضية فتاحا یعنی اس نے معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔ اور اس سے مشکل اور پیدگی کو دور کر دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق ، اے ہمارے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اسی سے الفتاح العليم ہے یعنی خوب فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا۔

الفاتحہ ہر چیز کے مبداء کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مابعد کو شروع کیا جائے اسی وجہ سے سورۃ الفاتحہ کو فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے افتح فلان کذا فلاں نے یہ کام شروع کیا۔ نجنی۔ امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر نی ضمیر مفعول واحد متکلم۔ تو مجھے بجات دے۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ٥ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ٥ كَذَّبَتْ عَادُ ٌ الْمُرْسَلِيْنَ٥ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ٥ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ٥ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ٥

قوم نوح کی طوفان نوح میں ہلاکت کا بیان

"ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ" بَعْدَ إِنْجَائِهِمْ "الْبَاقِينَ" مِنْ قَوْمِهِ

پھر اس کے بعد ہم نے ان کی قوم کے باقی ماندہ لوگوں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان کے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب رحمت والا ہے۔ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

یہ تفصیلات کچھ پہلے بھی گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ بھی آئیں گی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سالہ تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے لوگ بداخلاقی اور اعراض پر قائم رہے، بالآخر حضرت نوح علیہ السلام نے دعائے ضرر کی، اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا اور اس میں مومن انسانوں، جانوروں اور ضروری ساز و سامان رکھنے کا حکم دیا اور یوں اہل ایمان کو بچالیا گیا اور باقی سب لوگوں کو حتی کہ بیوی اور بیٹے کو بھی، جو ایمان نہیں لائے تھے، غرق کر دیا گیا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا بیان

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے عادیوں کو جو احقاف کے رہنے والے تھے اللہ کی طرف بلایا۔ احقاف ملک یمن میں حضر موت کے پاس ریتلی پہاڑیوں کے قریب ہے ان کا زمانہ نوح علیہ السلام کے بعد کا ہے۔ سورۃ اعراف میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ انہیں قوم نوح کا جانشین بنایا گیا اور انہیں بہت کچھ کشادگی اور وسعت دی گئی۔ ڈیل ڈول دیا بڑی قوت طاقت دی پورے مال اولاد کھیت باغات پھل اور اناج دیا۔ بکثرت دولت اور زر بہت سی نہریں اور چشمے جابجا دیئے۔ الغرض ہر طرح کی آسائش اور آسانی مہیا کی لیکن رب کی تمام نعمتوں کی ناقدری کرنے والے اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں نے اپنے نبی کو جھٹلایا۔ یہ انہی میں سے تھے نبی نے انہیں سمجھایا بجھایا ڈرایا دھمکایا اپنا رسول ہونا ظاہر فرمایا۔ اپنی اطاعت اور اللہ کی عبادت و وحدانیت کی دعوت دی جیسے کہ نوح علیہ السلام نے دی تھی۔ اپنا بیلاگ ہونا طالب دنیا نہ ہونا بیان فرمایا۔ اپنے خواص کا بھی ذکر کیا یہ جو فخر وریا کے طور پر اپنے مال برباد کرتے تھے اور اونچے اونچے مشہور ٹیلوں پر اپنی قوت کے اور مال کے اظہار کے لئے بلند وبالا علامتیں بناتے تھے اس فعل عبث سے انہیں ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام نے روکا کیونکہ اس میں بیکار دولت کا کھونا وقت کا برباد کرنا اور مشقت اٹھانا ہے جس سے دین دنیا کا کوئی فائدہ نہ مقصود ہوتا ہے نہ متصور۔ بڑے بڑے پختہ اور بلند برج اور مینار بناتے تھے جس کے بارے میں ان کے نبی نے نصیحت کی کہ کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ یہیں ہمیشہ رہو گے محبت دنیا نے تمہیں آخرت بھلا دی ہے لیکن یاد رکھو تمہاری یہ چاہت بیسود ہے۔ دنیا زائل ہونے والی ہے تم خود فنا ہونے والے ہو۔ ایک قرأت میں کانکم خالدون ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب مسلمانوں نے غوطہ میں محلات اور باغات کی تعمیر اعلیٰ پیمانے پر ضرورت سے زیادہ شروع کر دی تو حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے دمشق کے رہنے والو سنو! لوگ سب جمع ہو گئے تو آپ نے

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی تم خیال نہیں کرتے کہ تم نے وہ جمع کرنا شروع کر دیا جسے تم کھا نہیں سکتے۔ تم نے وہ مکانات بنانے شروع کر دیئے جو تمہارے رہنے سہنے کے کام نہیں آتے تم نے وہ دور دراز کی آرزوئیں کرنی شروع کر دیں جو پوری ہونی محال ہیں۔ کیا تم بھول گئے تم سے اگلے لوگوں نے بھی جمع جتھا کر کے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ بڑے اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محلات تعمیر کئے تھے بڑی بڑی آرزوئیں باندھی تھیں لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھوکے میں رہ گئے ان کی پونجی برباد ہوگئی ان کے مکانات اور بستیاں اجڑ گئیں۔

عادیوں کو دیکھو کہ عدن سے لے کر عمان تک ان کے گھوڑے اور اونٹ تھے لیکن آج وہ کہاں ہیں؟ ہے کوئی ایسا بیوقوف کہ قوم عاد کی میراث کو دو درہموں کے بدلے بھی خریدے انکے مال ومکانات کا بیان فرما کر ان کی قوت وطاقت کا بیان فرمایا کہ بڑے سرکش، متکبر اور سخت لوگ تھے۔ نبی علیہ صلوات اللہ نے انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا کہ عبادت رب کی کرو اطاعت اس کے رسول کی کرو پھر وہ نعمتیں یاد دلائیں جو اللہ نے ان پر انعام کی تھیں جنہیں وہ خود جانتے تھے۔ مثلاً چوپائے جانور اور اولاد وباغات اور دریا پھر اپنا اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم نے میری تکذیب کی اور میری مخالفت پر جمے رہے تو تم پر عذاب اللہ برس پڑے گا لالچ اور ڈر دونوں دکھائے مگر بیسود رہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ شعراء، بیروت)

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اور میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو فقط تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔

پیغام حق پہنچانے میں کسی معاوضہ کا سوال نہ کرنے کا بیان

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ" مَا،

اور میں تم سے اس تبلیغِ حق پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو فقط تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝
کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار تعمیر کرتے ہو تفاخر اور فضول مشغلوں کے لئے۔ اور تم مضبوط محلات بناتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو سخت ظالم وجابر بن کر گرفت کرتے ہو۔

دنیا میں لمبے چوڑے محلات بنانے والوں کیلئے نصیحت کا بیان

"أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ" مَكَان مُرْتَفِع "آيَة" بِنَاء عَلَمًا لِلْمَارَّةِ "تَعْبَثُونَ" بِمَنْ يَمُرّ بِكُمْ وَتَسْخَرُونَ مِنْهُمْ وَالْجُمْلَة حَال فِي ضَمِير تَبْنُونَ

"وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِع" لِلْمَاءِ تَحْت الْأَرْض "لَعَلَّكُمْ" كَأَنَّكُمْ "تَخْلُدُونَ" فِيهَا لَا تَمُوتُونَ "وَإِذَا بَطَشْتُمْ" بِضَرْبٍ أَوْ قَتْل "بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ" مِنْ غَيْر رَأْفَة

کیا تم ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار تعمیر کرتے ہو جو مسافروں کیلئے بہ طور علم ہو محض تفاخر اور فضول مشغلوں کے لئے۔یعنی جو وہاں سے گزرے ان کا مذاق اڑاتے ہو۔یہاں پر تبعثون یہ جملہ ہو کر تبنون کی ضمیر سے حال ہے۔اور تم زمین کے نیچے تالابوں والے مضبوط محلات بناتے ہو اس امید پر کہ تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔اور جب تم مارنے یا قتل سے کسی کی گرفت کرتے ہو تو بغیر کسی نرمی کے سخت ظالم و جابر بن کر گرفت کرتے ہو۔

محض کھیل کود اور بے فائدہ عمارت بنانے کا بیان

ریع، ریعۃ، کی جمع ہے۔ٹیلہ، بلند جگہ، پہاڑ، درہ یا گھاٹی یہ ان گزرگاہوں پر کوئی عمارت تعمیر کرتے جو بلندی پر ایک نشانی مشہور ہوتی۔لیکن اس کا مقصد اس میں رہنا نہیں ہوتا بلکہ صرف کھیل کود ہوتا تھا۔حضرت ہود علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ تم ایسا کام کرتے ہو، جس میں وقت اور وسائل کا بھی ضیاع ہے اور اس کا مقصد بھی ایسا ہے جس سے دین اور دنیا کا کوئی مفاد وابستہ نہیں بلکہ صرف کھیل کود ہوتا ہے بیکار محض بے فائدہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ان کی ضرورت بھی تھی۔ان کے قد بھی بہت لمبے ہوتے تھے اور عمریں بھی بہت دراز ہوتی تھیں اور اگر وہ معمولی قسم کا میٹریل عمارتوں میں استعمال کرتے وہ میٹریل ان کی زندگی میں ساتھ نہیں دیتا تھا اس صورت میں ہر شخص کو اپنی زندگی میں کئی بار مکان بنانے کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔قرآن نے ان کی اس عادت پر سخت۔۔۔فرمائی۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکانوں کی تعمیر میں مضبوطی اور بلندی میں بہت مبالغہ سے کام لیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شاندار تا ابد انھیں ان مکانات میں رہنا ہے۔جب یہ قوم اللہ کے عذاب سے تباہ ہوئی تو بعد میں ان کی یہ مضبوط عمارتیں بھی کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں اور آج وہ کھنڈرات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

ان لوگوں کی آسودہ حالی، عالیشان عمارات، اور جسمانی مضبوطی اور توانائی نے انتہائی متکبر بنا دیا تھا۔انسان اور نرمی کا برتاؤ ان کی سرشت سے معدوم ہو چکا تھا۔وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے میں بہت دلیر اور جری تھے۔اپنے معاشرہ کے بھی کمزور اور ضعیف طبقہ پر بھی ظلم و ستم ڈھاتے تھے اور آس پاس کے علاقوں میں بھی ان کا رویہ جابرانہ اور تاپرانہ ہوتا تھا۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ○ وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ○
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ○ وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ○
پس تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری اختیار کرو۔اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جو تم جانتے ہو۔
اس نے چوپاؤں اور بیٹوں کے ساتھ تمھاری مدد کی۔اور باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی۔

تقویٰ و اطاعت اختیار کرنے کا بیان

"فَاتَّقُوا اللّٰه" فِي ذٰلِكَ "وَأَطِيعُونِ" فِيمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ "وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ" أَنْعَمَ عَلَيْكُمْ

"وَجَنّٰت" بَسَاتِين "وَعُيُون" أَنْهَار،

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری اختیار کرو۔ جس کے ساتھ میں تمہیں حکم دوں اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی یعنی تم نعمتوں کا انعام کیا۔ جو تم جانتے ہو۔ اس نے چوپاؤں اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری مدد کی۔ اور باغوں اور چشموں یعنی نہروں سے تمہاری امداد کی۔

حضرت ہود علیہ السلام نے شرک کے انجام سے ڈرایا اور ان تینوں قسم کے کاموں کی قباحت بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے کا طرز عمل سیکھو اور خوب سمجھ لو کہ تمہیں یہاں ہمیشہ رہنا کبھی میسر نہ آئے گا۔ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور تمہارے ان تمام افعال واعمال کی تم سے باز پرس بھی ہوگی۔ لہٰذا تمہارے لئے بہترین راستہ یہ ہے کہ میری بات مان لو اور جس طرح میں کہہ رہا ہوں اسی طرح کرتے جاؤ۔

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ○ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَوَعَظْتَ
اَمْ لَمْ تَکُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ○ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ○
بیشک میں تم پر ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ وہ بولے: ہمارے حق میں برابر ہے خواہ تم نصیحت کرو
یا نصیحت کرنے والوں میں نہ بنو۔ یہ تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔

کفار کا عقیدہ آخرت کو جھٹلانے کا بیان

"إِنِّي أَخَاف عَلَيْكُمْ عَذَاب يَوْم عَظِيم" فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة إِنْ عَصَيْتُمُونِي "قَالُوا سَوَاء عَلَيْنَا" مُسْتَوٍ عِنْدنَا "أَوَعَظْت أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنْ الْوَاعِظِينَ" أَصْلًا أَيْ لَا نَرْعَوِي لِوَعْظِك

"إِنْ" مَا "هَذَا" الَّذِي خَوَّفْتنَا بِهِ "إِلَّا خُلُق الْأَوَّلِينَ" اخْتِلَاقهمْ وَكَذِبهمْ وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الْخَاء وَاللَّام أَيْ مَا هَذَا الَّذِي نَحْنُ عَلَيْهِ مِنْ إنْكَار لِلْبَعْثِ إلَّا خَلْق الْأَوَّلِينَ أَيْ طَبِيعَتهمْ وَعَادَتهمْ

اگر تم نے میری نافرمانی کی تو بیشک میں تم پر دنیا اور آخرت میں ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں۔ وہ بولے: ہمارے حق میں برابر ہے خواہ تم نصیحت کرو یا نصیحت کرنے والوں میں نہ بنو۔ یعنی ہمیں تمہارے وعظ کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ ڈرانا دھمکانا تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔ یعنی ان کا کذب ہے۔ یہاں لفظ خلق ایک قرأت میں خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی یہ بات ہم پر کچھ نہیں ہے۔ کہ ہم بعث کا انکار نہ کریں۔ بلکہ یہ تو پہلے لوگوں کی طبیعت وعادت تھی۔ کہ وہ ایسی باتیں کرتے تھے۔

قوم عاد پر ہوا کے ذریعے عذاب آنے کا بیان

حضرت ہود علیہ السلام کے موثر بیانات نے اور آپ کے رغبت اور ڈر بھرے خطبوں نے قوم پر کوئی اثر نہیں کیا اور انہوں نے

صاف کہہ دیا کہ آپ ہمیں وعظ سنائیں یا نہ سنائیں نصیحت کریں یا نہ کریں ہم تو اپنی روش کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم آپ کی بات مان کر اپنے معبودوں سے دست بردار ہو جائیں یہ یقیناً محال ہے ہمارے ایمان سے آپ مایوس ہو جائیں ہم آپ کی نہیں مانیں گے۔ فی الوقع کافروں کا یہی حال ہے کہ انہیں سمجھانا بیسود رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماں ﷺ سے بھی یہی فرمایا کہا ان ازلی کفار پر آپ کی نصیحت مطلق اثر نہیں کرے گی یہ نصیحت کرنے اور ہوشیار کردینے کے بعد بھی ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے تھے۔ یہ تو قدرتی طور پر ایمان سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ جن پر تیرے رب کی بات صادق آنے والی ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے والا۔ خُلُقُ الاولین کی دوسری قرأت خَلقُ الاولین بھی ہے یعنی جو باتیں تو ہمیں کہتا ہے یہ تو اگلوں کی کہی ہوئی ہیں جیسے قریشیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو صبح شام تمہارے سامنے پڑھی جاتی ہیں۔ یہ ایک بہتان ہے جسے تو نے گھڑ لیا ہے اور کچھ لوگ اپنے طرفدار کر لئے ہیں۔

مشہور قراء کی بنا پر معنی یہی ہوئے کہ جس پر ہم ہیں وہی ہمارے پرانے باپ دادوں کا مذہب ہے ہم تو انہیں کی راہ چلیں گے اور اسی روش پر رہیں گے جئیں گے پھر مر جائیں گے جیسے وہ مر گئے۔ یہ محض لاف ہے کہ پھر ہم اللہ کے ہاں زندہ کئے جائیں گے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ہمیں عذاب کیا جائے گا آخر شان کی تکذیب اور مخالفت کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ سخت تیز و تند آندھی ان پر بھیجی گئی اور یہ برباد کر دیئے گئے یہ عاد اولی تھے۔ جنہیں آیت (اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ)-89 الفجر:7) بھی کہا گیا۔

یہ ارم سام بن نوح علیہ السلام کی نسل میں سے تھے۔ عمد میں یہ رہتے تھے ارم حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا نام ہے نہ کہ کسی شہر کا۔ گو بعض لوگوں سے یہ بھی مروی ہے لیکن اس کے قائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان سے سن سنا کر اوروں نے بھی یہ کہہ دیا حقیقت میں اسکی کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ اسی لئے قرآن نے ارم کا ذکر کرتے ہی فرمایا کہ آیت (لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ) -89 الفجر:8)۔ ان جیسا اور کوئی شہروں میں پیدا نہیں کیا گیا۔ اگر اس سے مراد شہر ارم ہوتا تو یوں فرمایا جاتا کہ اس جیسا اور کوئی شہر بنایا نہیں گیا۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے آیت (فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً 15)-41 فصلت:15) عادیوں نے زمین میں تکبر کیا اور نعرہ لگایا کہ ہم سے بڑھ کر قوت والا کون ہے؟ کیا وہ اسے بھی بھول گئے ان کا پیدا کرنے والا ان سے زیادہ قوی ہے دراصل انہیں ہماری آیتوں سے انکار تھا یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان پر صرف بیل کے نتھنے کے برابر ہوا چھوڑی گئی تھی۔

جس نے ان کو ان کے شہروں کا ان کے مکانات کا نام ونشان مٹا دیا جہاں سے گزر گئی صفایا کر دیا شائیں شائیں کرتی تمام چیزوں کا ستیاناس کرتی چلی تھی۔ تمام قوم کے سر الگ ہو گئے اور دھڑ الگ ہو گئے۔ عذاب الٰہی کو ہوا کی صورت آتا دیکھ کر قلعوں میں محلات میں محفوظ مکانات میں گھس گئے تھے۔ زمین میں گڑھے کھود کھود کر آدھے آدھے جسم ان میں ڈال کر محفوظ ہوئے تھے لیکن بھلا عذاب اللہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ وہ ایک منٹ کے لئے بھی کسی کو مہلت اور دم لینے دیتا ہے؟ سب چٹ پٹ کر دیئے گئے اور اس واقعہ کو بعد میں آنے والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ ان میں سے پھر بھی اکثر لوگ بے ایمان ہی رہے اللہ کا غلبہ اور رحم

دونوں مسلم تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

قوم ہود کی ہلاکت کا بیان

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝
اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا۔ سو انہوں نے اس کو (یعنی ہود علیہ السلام کو) جھٹلا دیا پس ہم نے انھیں ہلاک کر ڈالا،
بیشک اس میں بڑی نشانی ہے، اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

آٹھ دن رات تک ہوا کے عذاب کے جاری رہنے کا بیان

جب انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ ہم تو اپنا آبائی دین نہیں چھوڑیں گے، تو اس میں عقیدہ آخرت کا انکار بھی تھا۔ اس لئے انہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کا بھی انکار کیا۔ کیونکہ عذاب الٰہی کا اندیشہ تو اسے ہوتا ہے جو اللہ کو مانتا اور روز جزا کو تسلیم کرتا ہے۔ جب ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو اور وعدہ عذاب کو جھٹلانے میں حد کر دی اور ان پر حجت تمام ہوگئی تو ان پر اللہ کا عذاب آ گیا۔ یہ عذاب قہر الٰہی بن کر نازل ہوا۔ تند و تیز آندھی چلی جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی۔ آندھی اتنی تیز تھی کہ کھڑے آدمیوں کو ان کے پاؤں سے اکھاڑ اکھاڑ کر ایک دوسرے پر پھینک رہی تھی۔ یہ آندھی ان کے مضبوط اور عالی شان گھروں میں گھس گھس کر ان کے ایک ایک فرد کو تباہ کر رہی تھی۔ اس عذاب کے وقت ان کے یہ مضبوط اور عالی شان مکان کسی بھی کام نہ آ سکے۔ اور یہ سرکش اور متکبر قوم پوری کی پوری تباہ و برباد کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے پہلے ہی ہود علیہ السلام کو وحی کر دی تھی۔ چنانچہ وہ عذاب سے پہلے اپنے پیروکاروں کو ساتھ لے کر وہاں سے ہجرت کر کے نکل گئے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ
صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ۝
اور بیشک آپ کا رب ہی یقیناً غالب رحمت والا ہے۔ ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے ہم قوم صالح نے فرمایا
کیا ڈرتے نہیں۔ بیشک میں تمہارے لیے اللہ کا امانتدار رسول ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قوم ثمود کا رسولان گرامی کی تکذیب کرنے کا بیان

"فَكَذَّبُوْهُ" بِالْعَذَابِ "فَاَهْلَكْنَاهُمْ" فِي الدُّنْيَا بِالرِّيحِ

پس جب انہوں نے عذاب کی تکذیب کی تو ہم نے ہوا کے ذریعے انہیں دنیا میں ہلاک کر دیا۔ قوم عاد اولیٰ کے بعد یہی قوم ثمود، جسے عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں، نامور ہوئی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ قوم موسیٰ کا ذکر فرمایا، پھر قوم ابراہیم کا، پھر قوم نوح کا، پھر قوم عاد اولیٰ کا اور پانچویں نمبر پر قوم عاد ثانیہ کا ذکر ہے۔ اس قوم کے مسکن کو الحجر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ تین چار سو کلومیٹر لمبا اور تقریباً سو

کلومیٹر چوڑا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے اور اس راستہ پر واقع ہے جو مدینہ سے تبوک جاتا ہے۔ اس قوم کے رنگ ڈھنگ تقریباً وہی تھے جو عاد اولیٰ کے تھے۔ اسی طرح کے تندمند اور قدآور اور مضبوط جسموں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل ضرور تھے مگر شرک کی امراض میں بری طرح مبتلا تھے۔

بڑی متکبر اور سرکش قوم تھی۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اعلیٰ درجہ کے انجینئر اور بہترین قسم کے سنگ تراش تھے۔ وہ اپنے فن کا مظاہرہ یوں کرتے کہ پہاڑوں میں پتھر تراش تراش کر اپنے عالی شان مکان بنا لیتے تھے۔ اسی طرح پہاڑوں کے اندر ہی اندر انہوں نے بستیوں کی بستیاں آباد کر رکھی تھیں۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا
هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ○ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ○ وَّزُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ○
اور میں تم سے اس پر کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف سارے جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔ کیا تم ان چیزوں میں جو
یہاں ہیں، بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہوتے ہیں۔

نعمتوں پر بے خوف چھوڑ دیئے جانے کا بیان

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْر إنْ" مَا "أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا" مِنْ الْخَيْرَات "وَزُرُوع وَنَخْل طَلْعهَا هَضِيم" لَطِيف لَيِّن

اور میں تم سے اس تبلیغ حق پر کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف سارے جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔ کیا تم ان چیزوں میں جو یہاں ہیں، بے خوف چھوڑ دیے جاؤ گے۔ باغوں اور چشموں میں۔ اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہوتے ہیں۔

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ○ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ○
اور تم پہاڑوں سے تراش کر گھر بناتے ہو، اس حال میں کہ خوب ماہر ہو۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا کہنا نہ مانو۔

پہاڑوں سے تراش کر مہارت سے گھر بنانے والوں کا بیان

"وَتَنْحِتُونَ مِنْ الْجِبَال بُيُوتًا فَارِهِينَ" بَطِرِينَ وَفِي قِرَاءَة فَارِهِينَ حَاذِقِينَ "فَاتَّقُوا اللّٰه وَأَطِيعُونِ" فِيمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ

اور تم پہاڑوں سے تراش کر گھر بناتے ہو، یعنی مہارت سے گھر بناتے ہو اس حال میں کہ خوب ماہر ہو۔ ایک قرأت میں

فارھین حاذقین آیا ہے۔ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کا کہنا نہ مانو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مُسرفین سے مراد مشرکین۔ بعض مفسرین نے کہا کہ مُسرفین سے مراد وہ نو شخص ہیں جنہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

قوم ثمود کی برباد بستیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ "تم ان لوگوں کے مکانات (کے کھنڈرات) میں نہ گھسنا جنہوں نے (کفر اختیار کر کے اور اپنی طرف بھیجے گئے اللہ کے پیغمبر علیہم السلام کو جھٹلا کر) خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے الا یہ کہ تم رونے والے ہو (یعنی اگر تم ان کھنڈرات کی صورت میں اس بدنصیب قوم کا المناک انجام دیکھ کر اور ان لوگوں کے سیاہ کارناموں کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا چاہو۔ تو اس جگہ کو دیکھ سکتے ہو نیز تم اس جگہ سے غفلت ولا پرواہی کے ساتھ نہ گزرو) کہ مبادا تم پر بھی وہی مصیبت نازل ہو جائے جو ان پر نازل ہوئی تھی (کیونکہ ایسی جگہوں سے غفلت و بے پروائی کے ساتھ گزرنا اور عبرت نہ پکڑنا قساوت قلبی اور خوف اللہ کے فقدان کی علامت ہے اور یہ چیز عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا باعث بن سکتی ہے،

یا یہ مراد ہے کہ تم یہاں اللہ کا خوف کھاؤ اور اور عبرت پکڑو کہ مبادا تم سے بھی وہی اعمال صادر ہونے لگیں جو اس قوم کے لوگوں کا شیوہ تھے اور پھر تمہیں بھی سزا بھگتنی پڑے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر سے اپنا سر ڈھانک لیا اور تیز تیز چل کر اس علاقہ سے گزر گئے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1049)

حجر اس جگہ کا نام ہے جو مشہور پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا مسکن تھی! حجاز کے شمالی علاقہ میں، جس کا نام مدین ہے، ایک تاریخی وادی ہے جس کا نام وادی قری ہے اسی وادی میں تبوک سے تقریبا چار میل کے فاصلہ پر یہ جگہ واقع ہے یہاں قوم ثمود کی بستیاں تھیں، اس قوم نے جب طغیانی و سرکشی میں حد سے تجاوز کیا اور اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے بنائے ہوئے راستہ پر چلنے کے بجائے ان کو جھٹلایا، ان کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو اس قوم پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور ان کی ساری بستیاں تباہ کر دی گئیں، ان بستیوں کے آثار و کھنڈرات اب بھی موجود ہیں اور زبان حال سے عبرت پذیر لوگوں کو قوموں کے عروج و زوال کی داستان سناتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ کے لئے تبوک جا رہے تھے یا غزوہ سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر اسی علاقہ سے ہوا۔

چنانچہ اس حدیث کا تعلق اسی وقت سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے سر پر چادر ڈال کر اس جگہ سے جلدی گزرنا جیسا کہ کسی جگہ سے کوئی خوفزدہ شخص جلد سے جلد گزر جاتا ہے، اس وجہ سے تھا تا کہ آپ کی نظر مبارک اس تباہ شدہ قوم کے مکانات کھنڈرات پر نہ پڑے۔ اور حقیقت میں آپ کا یہ عمل مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے تھا تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی پیروی کریں، چنانچہ آپ نے پہلے تو قول کے ذریعہ لوگوں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا اور پھر از راہ تاکید اپنے فعل کے ذریعہ بھی توجہ دلائی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں سے اس طرح گزرنا اس بناء پر تھا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوف اللہ کا نہایت غلبہ رہتا تھا اور عذاب الٰہی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ لرزاں کر دیا کرتے تھے جیسا کہ ایک ارشاد میں فرمایا۔ انا اعلمکم باللہ و اخشاکم ۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس جگہ نہ تو کچھ کھائیں اور نہ وہاں کا پانی پئیں۔ بہرحال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سرکش بندوں اور ظالموں کے مکانات اور ان کی جگہوں میں نہ تو رہائش اختیار کی جائے اور نہ ان کے علاقوں کو اپنا وطن بنایا جائے۔

الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ۝
وہ جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ بولے کہ تم تو فقط جادوزدہ لوگوں میں سے ہو۔

گناہوں کے ذریعے زمین میں فساد کرنے والوں کا بیان

"الَّذِینَ یُفْسِدُونَ فِی الْأَرْض" بِالْمَعَاصِی "وَلَا یُصْلِحُونَ" بِطَاعَةِ اللّٰه "قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنْ الْمُسَحَّرِینَ" الَّذِینَ سَحَرُوا کَثِیرًا حَتّٰی غَلَبَ عَلٰی عَقْلهمْ

وہ جو گناہوں کے ذریعے زمین میں فساد کرتے ہیں جبکہ اللہ کی اطاعت کے ذریعے اصلاح نہیں کرتے۔ وہ بولے کہ تم تو فقط جادوزدہ لوگوں میں سے ہو۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو بہت زیادہ جادو کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ جادو ان کی عقلوں پر غالب آ جاتا ہے۔

ایمان لا کر اور عدل قائم کر کے اور اللہ کے مطیع ہو کر۔ معنی یہ ہیں کہ ان کا فساد ٹھوس ہے جس میں کسی طرح نیکی کا شائبہ بھی نہیں اور بعض مفسدین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کچھ فساد بھی کرتے ہیں کچھ نیکی بھی ان میں ہوتی ہے مگر یہ ایسے نہیں۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۝
تم تو محض ہمارے جیسے بشر ہو، پس تم کوئی نشانی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

رسالت کی صداقت پر دلیل طلب کرنے کا بیان

"مَا أَنْتَ" أَیْضًا "إِلَّا بَشَر مِثْلنَا فَأْتِ بِآیَةٍ إِنْ کُنْت مِنْ الصَّادِقِینَ" فِی رِسَالَتك

تم تو محض ہمارے جیسے بشر ہو، پس تم کوئی نشانی لے آؤ اگر تم اپنی رسالت میں سچے ہو۔

یعنی اگر نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کر کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے

یہ نشان دکھلا دیا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ○

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○

فرمایا: یہ اونٹنی ہے پانی کا ایک وقت اس کے لئے ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی کی باری ہے۔ اور اسے کسی برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمھیں ایک بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔

معجزہ کے طور پر پیدا ہونے والی اونٹنی کے ادب کا بیان

"قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ " نَصِيب مِنْ الْمَاء "وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذكُمْ عَذَاب يَوْم عَظِيم " بِعِظَمِ الْعَذَاب

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا: وہ نشانی یہ اونٹنی ہے پانی کا ایک وقت اس کے لئے مقرر ہے یعنی پانی کا حصہ مقرر ہے۔ اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی کی باری ہے۔ اور اسے کسی برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمھیں ایک بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔ یعنی بڑا عذاب پکڑ لے گا۔

صالح علیہ السلام نے ان سے پوچھا: کونسی نشانی چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ سامنے والا پہاڑ پھٹے اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہو۔ پھر وہ حاملہ اونٹنی ہمارے سامنے بچہ جنے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا۔ پہاڑ پھٹا جس سے ایک عظیم الجثہ اور دیوہیکل اونٹنی پیدا ہوئی۔ جس نے ان لوگوں کے سامنے بچہ جنا۔ جب قوم کا مطلوبہ معجزہ ظہور میں آ گیا۔ تو یہ ان لوگوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔ کیونکہ اونٹنی اگر کسی کنوئیں یا چشمے پر پانی پینے جاتی تو قوم کے دوسرے جانور اس اونٹنی کے قدوقامت اور ڈیل ڈول سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔

اس میں اس سے مزاحمت نہ کرو۔ یہ ایک اونٹنی تھی جو ان کے معجزہ طلب کرنے پر ان کے حسب خواہش بدعائے حضرت صالح علیہ السلام پتھر سے نکلی تھی اس کا سینہ ساٹھ گز کا تھا جب اس کے پینے کا دن ہوتا تو وہ وہاں کا تمام پانی پی جاتی اور جب لوگوں کے پینے کا دن ہوتا تو اس دن نہ پیتی۔ (تفسیر مدارک تنزیل، سورہ شعراء، بیروت)

دوسری بات انھیں یہ کہی گئی کہ اس اونٹنی کو کوئی بری نیت سے ہاتھ نہ لگائے، نہ اسے نقصان پہنچایا جائے۔ چنانچہ یہ اونٹنی اسی طرح ان کے درمیان رہی۔ گھاٹ سے پانی پیتی اور گھاس چارہ کھا کر گزارہ کرتی۔ کہا جاتا ہے کہ قوم ثمود اس کا دودھ دوہتی اور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہوں نے اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ○ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

تو انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، پھر پشیمان ہو گئے۔ لہٰذا انھیں عذاب نے آ پکڑا، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے،

اوران میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

اونٹنی کو ہلاک کرنے کے سبب عذاب آنے کا بیان

"فَعَقَرُوهَا" عَقَرَهَا بَعْضهمْ بِرِضَاهُمْ "فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ" عَلَى عَقْرهَا "فَأَخَذَهُمْ الْعَذَاب" الْمَوْعُود بِهِ فَهَلَكُوا،

تو انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں، یعنی ان میں بعض نے ان کی رضامندی کے مطابق اس اونٹنی کو ہلاک کردیا پھر پشیمان ہوگئے۔ سوانھیں عذاب نے آ پکڑا، جس کے سبب وہ ہلاک ہوگئے۔ بیشک اس واقعہ میں بڑی نشانی ہے، اوران میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

عبداللہ بن زمعہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا تو آپ نے اونٹنی کا اور اس شخص کا ذکر کیا۔ جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس قوم کا بدبخت شخص اٹھا اس کے لئے وہ شخص اٹھا جو اپنے قبیلہ میں مفسد اور ابوزمعہ کی طرح قوی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑا مارنے کا قصد کرتا ہے اور پھر اسی دن شام کو اس کے ساتھ ہم بستر ہوتا ہے پھر گوز سے ہنسنے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی اور فرمایا کہ کیوں تم میں سے ایک شخص اس چیز پر ہنستا ہے جو خود کرتا ہے اور ابومعاویہ نے کہا کہ ہم سے ہشام نے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے عبداللہ بن زمعہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوزمعہ کی طرح جو زبیر بن العوام کے چچا تھے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2168)

اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں) پاؤں کی رگیں (تلوار وغیرہ کے حملہ کر کے کاٹ ڈالیں۔ اونٹنی نے ایک زور کی چیخ ماری اور اسی پہاڑ میں جا کر غائب ہوگئی۔ اسی طرح اس کا بچہ بھی اسی پہاڑ میں جا کر غائب ہوگیا۔ اب ان لوگوں کو عذاب کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ جب حالات تشویشناک ہو جائیں تو عموماً انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اور وہ الٹا سوچنے لگتی ہے۔ چنانچہ ان بدبختوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو بھی ٹھکانے لگانے کے لئے خفیہ مشورے شروع کردیئے۔ ان کی عقل نے یہی کام کیا کہ اگر صالح بھی نہ رہے تو شائد عذاب نہیں آئے گا ان حالات کا صالح علیہ السلام کو علم ہوگیا تو آپ نے انھیں بحکم الہی تین دن کا الٹی میٹم دے دیا کہ تین دن مزے اڑالو۔ اعد میں تم پر عذاب آجائے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی کل تعداد ایک سو بیس تھی۔ آپ انھیں ساتھ لے کر۔۔۔ کی طرف ہجرت کر گئے اور رملہ کے قریب جا کر آباد ہوگئے۔ اسی مقام پر حضرت صالح علیہ السلام نے وفات پائی۔

اس قوم پر زبردست زلزلے کا عذاب آیا۔ جس نے پہاڑوں تک جڑیں ہلادیں۔ ان میں شگاف پڑ گئے اور پتھر پر پتھر گرنے لگے جس سے ان کے بیشتر مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہوگئے اس دوران بڑی خوفناک اور کانوں کو پھاڑنے والی آوازیں بھی نکلتی تھیں۔ چنانچہ اس دوہرے عذاب سے یہ بدبخت قوم صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردی گئی۔

قوم ثمود کی تباہی بھی اللہ کی سنت کے عین مطابق واقع ہوئی۔ اور اس میں بھی عبرت کے کئی اسباب پوشیدہ ہیں۔ کاش! یہ لوگ اس واقعہ سے ہی سبق حاصل کریں۔ مگر ان لوگوں کی اکثریت ایسی ہی ہے جو ایمان لانے کی طرف نہیں آتی۔

قوم لوط کا رسولان گرامی کی تکذیب کرنے کا بیان

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ○ کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ نِالْمُرْسَلِیْنَ○ اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ
لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ○ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ○ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ○
اور بیشک آپ کا رب ہی بڑا غالب رحمت والا ہے۔ قوم لوط علیہ السلام نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے
ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔
پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت اختیار کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا بیان

اب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان فرما رہا ہے۔ ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا۔ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا۔ یہ لوگ سدوم اور اس کے پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی اللہ کے عذابوں میں پکڑے گئے سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی باقی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے ان لوگوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ آپ نے انہیں اللہ کی معصیت چھوڑنے اور اپنی تابعداری کرنے کی ہدایت کی۔ اپنا رسول ہو کر آنا ظاہر کیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اللہ کی باتیں مان لینے کو فرمایا۔ اعلان کر دیا کہ میں تمہارے پیسے ٹکے کا محتاج نہیں۔ میں صرف اللہ کے واسطے تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں، تم اپنے اس خبیث فعل سے باز آؤ یعنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے حاجت روائی کرنے سے رک جاؤ لیکن انہیں نے اللہ کے رسول علیہ السلام کی نہ مانی بلکہ ایذائیں پہنچانے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ○
اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔
کیا تم سارے جہان والوں میں سے صرف مردوں ہی کے پاس آتے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو برائی سے منع کرنے کا بیان

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ" مَا "الْعَالَمِينَ" النَّاس

اور میں تم یعنی لوگوں سے اس تبلیغ حق پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔کیا تم سارے جہان والوں میں سے صرف مردوں ہی کے پاس (اپنی شہوانی خواہشات پوری کرنے کے لئے) آتے ہو۔

وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ۝
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ۝
اور اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔
وہ بولے: اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور شہر بدر کئے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قوم لوط کی برائی کا بیان

"وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ " أَيْ أَقْبَالِهِنَّ "بَلْ أَنْتُمْ قَوْم عَادُونَ" مُتَجَاوِزُونَ الْحَلَال إِلَى الْحَرَام "قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوط" عَنْ إِنْكَارك عَلَيْنَا "لَتَكُونَن مِنْ الْمُخْرَجِينَ" مِنْ بَلْدَتنَا

اور اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں، یعنی ان کی اَقبال کو تمہارے لئے حلال کیا بلکہ تم سرکشی میں حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔یعنی حلال سے حرام کی طرف بڑھنے والے ہو۔وہ بولے: اے لوط! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے یعنی ہمیں منع کرنے سے باز نہ آئے۔تو تم ضرور شہر بدر کئے جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔یعنی ہمارے شہر سے نکل جاؤ گے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو انکی خاص بدکاری سے روکا کہ تم مردوں کے پاس شہوت سے نہ آؤ۔ہاں اپنی حلال بیویوں سے اپنی خواہش پوری کر جنہیں اللہ نے تمہارے لئے جوڑا بنا دیا ہے۔رب کی مقرر حدوں کا ادب واحترام کرو۔اس کا جواب ان کے پاس یہی تھا کہ اے لوط علیہ السلام اگر تو باز نہ آیا تو ہم تجھے جلاوطن کر دیں گے انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان پاکبازوں لوگوں کو تو الگ کر دو۔یہ دیکھ کر آپ نے ان سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان کر دیا۔اور فرمایا کہ میں تمہارے اس برے کام سے ناراض ہوں میں اسے پسند نہیں کرتا میں اللہ کے سامنے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔پھر اللہ سے ان کی لئے بددعا کی اور اپنی اور اپنے گھرانے کی نجات طلب کی۔اللہ تعالیٰ نے سب کو نجات دی مگر آپ کی بیوی نے اپنی قوم کا ساتھ دیا اور انہی کے ساتھ تباہ ہوئی جیسے کہ سورۃ اعراف، سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں بالتفصیل بیان گزر چکا ہے۔آپ اپنے والوں کو لے کر اللہ کے فرمان کے مطابق اس بستی سے چل کھڑے ہوئے حکم تھا کہ آپ کے نکلتے ہی ان پر عذاب آئے گا اس وقت پلٹ کر ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔پھر ان سب پر عذاب برسا اور سب برباد کر دیئے گئے۔ان پر آسمان سے سنگ باری ہوئی۔اور انکا انجام بد ہوا۔یہ بھی عبرتناک واقعہ ہے ان میں سے بھی اکثر بے ایمان تھے۔رب کے غلبے میں اس کے رحم میں کوئی شک نہیں۔

لواطت کی سزا میں بعض فقہی مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کسی شخص کو قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 731)

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اغلام کی حد کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول اور صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ فاعل اغلام کرنے والے کی حد وہی ہے جو زانی کی حد ہے یعنی اگر وہ محصن ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ ایک جماعت کا رجحان اس طرف ہے کہ اغلام کرنے والے کو بہر صورت سنگسار کیا جائے خواہ محصن ہو یا غیر محصن ہو حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا قول بھی یہی ہے حضرت امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل ومفعول اغلام کرنے والے اور اغلام کرانے والے دونوں ہی کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ اس حدیث کے ظاہر مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے قتل کا طریقہ کیا ہو تو بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں پر مکان گرا دیا جائے تا کہ وہ اس کے نیچے دب کر مر جائیں اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ان کو پہاڑ کے اوپر لے جا کر وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔ اس بارے میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اغلام کی سزا کے تعین کا اختیار حاکم وقت کے سپرد ہے کہ اگر وہ چاہے تو اغلام کرنے والے کو قتل کر دے جب کہ یہ برائی اس کی عادت بن چکی ہو، نیز چاہے اس کو مارے اور چاہے قید خانہ میں ڈال دے۔

قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِکُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ○ رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ○
لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو
اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔

قوم لوط کے عمل سے سخت نفرت ہونے کا بیان

"قَالَ" لُوط "اِنِّی لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِینَ" اَلْمُبْغِضِینَ "رَبِّ نَجِّنِی وَأَهْلِی مِمَّا یَعْمَلُونَ" أَیْ مِنْ عَذَابه

لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ یعنی میں اس پر غضب ناک ہوں اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے یعنی عذاب سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔

اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے۔ سورہ تحریم میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط کی بیویوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا، یہ دونوں عورتیں ہمارے دو صالح بندوں کے گھر میں تھیں مگر انہوں نے ان کے ساتھ خیانت کی"۔ یعنی دونوں ایمان سے خالی تھیں اور اپنے نیک شوہروں کا ساتھ دینے کے بجائے ان

دونوں نے اپنی کافر قوم کا ساتھ دیا۔ اسی بنا پر جب اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ فرمایا اور حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے اہل وعیال کو لے کر اس علاقے سے نکل جائیں تو ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمادی کہ اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جاؤ، فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ (ھود آیت 81)۔ "پس تو کچھ رات رہے اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھے۔ مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جا، اس پر وہی کچھ گزرنی ہے جو ان لوگوں پر گزرنی ہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝
پس ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات عطا فرمادی۔ سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو پیچھے
رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

قوم لوط کی طرف ہلاکت والے عذاب کے آنے کا بیان

"اِلَّا عَجُوْزًا" امْرَاَتَه "فِي الْغَابِرِيْنَ" الْبَاقِيْنَ اَهْلَكْنَاهَا "ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِيْنَ" اَهْلَكْنَاهُمْ

پس ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات عطا فرمادی۔ سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔ یعنی ہم نے انہیں نیست ونابود کر دیا۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝
اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش۔ پس ان لوگوں کی بارش بری تھی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس میں یقیناً
ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی بڑا غالب رحمت والا ہے۔

قوم لوط پر پتھروں کی بارش ہونے کا بیان

"وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا" حِجَارَةً مِنْ جُمْلَةِ الْإِهْلَاكِ "فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ" مَطَرُهُمْ

اور ہم نے ان پر بارش برسائی، زبردست بارش۔ یعنی پتھروں کی بارش کے ذریعے ان کو ہلاک کر دیا۔ پس ان لوگوں کی بارش بری تھی جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی بڑا غالب رحمت والا ہے۔

آج کے ایٹم بم اس وقت کے پتھروں کی بارش

سورج کے نکلنے کے وقت اللہ کا عذاب ان پر آ گیا۔ ان کی بستی سدوم نامی تہ وبالا ہوگئی۔ عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک

لیا۔ آسمان سے پکی مٹی کے پتھر ان پر برسنے لگے۔ جو سخت، وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس کے نام کا پتھر تھا اسی پر گرتا تھا۔ وہ مثل طوق کے تھے جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا، کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھالیا یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں۔ آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا۔ ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیا اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے اکے دکے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے اور محض بینام و نشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں۔ ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آکر وعظ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے یہ چیزیں کچھ ان سے دور نہ تھیں۔ سنن کی حدیث میں ہے کسی اگر تم لواطت کرتا ہوا پاؤ تو اوپر والے نیچے والے دونوں کو قتل کردو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ہود، بیروت)

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ الۡـئَيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ۞ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ۞
باشندگان ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

اصحاب ایکہ کا رسولان گرامی کی تکذیب کرنے کا بیان

"كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ" وَفِي قِرَاءَةٍ بِحَذْفِ الْهَمْزَةِ وَإِلْقَاءِ حَرَكَتِهَا عَلَى اللَّامِ وَفَتْحِ الْهَاءِ : هِيَ غَيْضَةُ شَجَرٍ قُرْبَ مَدْيَنَ "إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ" لَمْ يَقُلْ أَخُوهُمْ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْهُمْ

باشندگان ایکہ یعنی جنگل کے رہنے والوں نے بھی رسولان گرامی کو جھٹلایا۔ ایک قرأت کے مطابق ایکہ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت نقل کر کے لام کلمہ کو دی اور ۃ کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہ مدین کے قریب درختوں کی جھاڑی تھی۔ جب ان سے شعیب علیہ السلام نے فرمایا: یہاں پر اخوہم کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ آپ ان میں سے نہیں تھے۔ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا بیان

یہ لوگ مدین کے رہنے والے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی ان ہی میں تھے آپ کو ان کا بھائی صرف اس لئے نہیں کہا گیا کہ اس آیت میں ان لوگوں کی نسبت ایکہ کی طرف کی ہے۔ جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ ایکہ ایک درخت تھا یہی وجہ ہے کہ جیسے اور نبیوں کی ان کی امتوں کا بھائی فرمایا گیا انہیں ان کا بھائی نہیں کہا گیا ورنہ یہ لوگ بھی انہی کی قوم میں سے تھے۔ بعض لوگ جن کے

ذہن کی رسائی اس نکتے تک نہیں ہوئی وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی قوم میں سے نہ تھے۔اس لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو انکا بھائی فرمایا گیا یہ اور ہی قوم تھی۔شعیب علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور ان لوگوں کی طرف بھی۔بعض کہتے ہیں کہ ایک تیسری امت کی طرف بھی آپ کی بعثت ہوئی تھی۔

حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ نہیں بھیجا سوائے حضرت شعیب علیہ السلام کے کہ ایک مرتبہ انہیں مدین والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ سے انہیں ایک چنگھاڑ کے ساتھ ہلاک کر دیا۔اور دوبارہ انہیں ایکہ والوں کی طرف بھیجا اور ان کی تکذیب کی وجہ ان پر سائے والے دن کا عذاب آیا اور وہ برباد ہوئے۔لیکن یاد رہے کہ اس کے راویوں میں ایک راوی اسحاق بن بشر کاہلی ہے جو ضعیف ہے۔قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اصحاب رس اور اصحاب ایکہ قوم شعیب ہے اور ایک بزرگ فرماتے ہیں اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین ایک ہی ہے۔

ابن عساکر میں ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اصحاب مدین اور اصحاب ایکہ دو قومیں ہیں ان دونوں نے امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تھا لیکن یہ حدیث غریب ہے اور اسکے مرفوع ہونے میں کلام ہے بہت ممکن ہے کہ یہ موقوف ہی ہو۔صحیح امر یہی ہے کہ یہ دونوں ایک ہی امت ہے۔دونوں جگہ ان کے وصف الگ الگ بیان ہوئے ہیں مگر وہ ایک ہی ہے۔اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ دونوں قصوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کا وعظ ایک ہی ہے دونوں کو ناپ تول صحیح کرنے کا حکم دیا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شعراء، بیروت)

منصب رسالت کی امانت کا بیان

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ○فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ○
بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔پس تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری اختیار کرو۔

دلوں کو اطاعت کی جانب پھیرنے کی دعا کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام انسانوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کی درمیان اس طرح ہیں جیسے ایک انسان کا دل ہے اور وہ (اپنی انگلیوں سے) جس طرح چاہتا ہے قلوب کو گردش میں لاتا ہے" اس کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے طور پر یہ فرمایا۔"اے دلوں کو گردش میں لانے والے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 86)

اس حدیث سے اللہ کے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے اور سب پر متصرف ہے یہاں تک کہ قلوب کے رخ اور دل کی دھڑکنیں تک بھی اسی کے اختیار میں ہیں۔اللہ تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا استعمال یہاں مجازا ہوا ہے کیونکہ اس کی پاک وصاف ذات مادیات اور اجسام کی ثقالت سے پاک ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام قلوب اللہ کے قبضہ وتصرف

میں ہیں، وہ جس طرف چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ و معصیت اور بدکاری کی طرف مائل کر دینا بھی اسی کی صفت ہے اور کسی قلب کو عصیان و سرکشی کے جال سے نکال کر اطاعت و فرمانبرداری اور نیکوکاری کے راستہ پر بھی اسی کا کام ہے وہ جس طرح چاہتا ہے گمراہی و ضلالت کے اندھیرے میں پھینک دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت و راستی کے مرغزاروں میں چھوڑ دیتا ہے۔

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝
اور میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔ تم پیمانہ پورا بھرا کرو
اور نقصان پہنچانے والے نہ بنو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔

ناپ تول میں کمی وخیانت کی ممانعت کا بیان

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ" مَا "أَوْفُوا الْكَيْلَ" أَتِمُّوهُ "وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ" النَّاقِصِينَ "وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ" الْمِيزَان السَّوِيّ

اور میں تم سے اس تبلیغ حق پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف تمام جہانوں کے رب کے ذمہ ہے۔ تم پیمانہ پورا بھرا کرو یعنی پورا تول کر دیا کرو اور لوگوں کے حقوق کو نقصان پہنچانے والے نہ بنو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یعنی جو ترازو برابر ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کررہے ہیں۔ ڈنڈی مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے سے روکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کسی کو کوئی شے ناپ کر دو تو پورا پیمانہ بھر کر دو اس کے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح دوسرے سے جب لو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ کیا کہ لینے کے وقت پورا لو اور دینے کے وقت کم دو؟ لین دین دونوں صاف اور پورا رکھو۔ ترازو اچھی رکھو جس میں تول صحیح آئے۔ بٹے بھی پورے رکھو تول میں عدل کرو ڈنڈی نہ مارو کم نہ تولو کسی کو اسکی چیز کم نہ دو۔ کسی کی راہ نہ مارو چوری چکاری لوٹ مار غارتگری رہزنی سے بچو لوگوں کو ڈرا دھمکا کر خوفزدہ کر کے ان سے مال نہ لوٹو۔ اس اللہ کے عذابوں کا خوف رکھو جس نے تمہیں اور سب اگلوں کو پیدا کیا ہے۔ جو تمہارے اور تمہارے بڑوں کا رب ہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝
وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝
اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور زمین میں فساد مت مچایا کرو۔
اور اس سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی امتوں کو پیدا فرمایا۔

زمین میں فساد سے ممانعت کا بیان

"وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ " لَا تُنْقِصُوهُمْ مِنْ حَقِّهِمْ شَيْئًا "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ "
بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَةِ أَفْسَدَ وَمُفْسِدِينَ حَالٌ مُؤَكِّدَةٌ لِمَعْنَى عَامِلِهَا
"وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ" الْخَلِيقَةَ

اورلوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو یعنی چیزوں کو ان کے حق سے کم نہ دیا کرو اور اور قتل وغیرہ کے ذریعے زمین میں فساد مت مچایا کرو۔ یہاں تعثوا یہ عثی کسر مثلثہ کے ساتھ آیا ہے۔ جو افسد کے معنی میں ہے۔ اور مفسدین یہ اپنے عامل معنا سے حال تاکیدی ہے اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو اور پہلی امتوں کو پیدا فرمایا۔

یہ لوگ صرف ناپ اور تول میں ہی کمی بیشی نہ کرتے تھے۔ بلکہ تجارتی بددیانتوں کے سارے سر اور رموز سے اور فریب کاریوں سے واقف تھے۔ عیب دار مال کا عیب چھپا کر فروخت کرنا، جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر مال بیچنا، ایسا ماحول پیدا کر دینا کہ چیز کا مالک کم سے کم قیمت پر اپنی چیز فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اسی طرح اپنی چیز فروخت کرنے کے لئے ایسا ماحول بنا دینا کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقم دینے پر مجبور ہو جائے۔ غرض ہر طریقہ جس سے دوسروں کے حقوق غصب کئے جا سکتے ہوں وہ جانتے تھے۔ اور یہی وہ فساد فی الارض یا شریفانہ قسم کے ڈاکہ زنی ہے۔ جس سے شعیب علیہ السلام نے انھیں منع کیا تھا۔ اور انھیں یہ نصیحت فرمائی تھی کہ میرے خیال کے مطابق تو تم سب اچھے بھلے کھاتے پیتے لوگ ہو۔ لہٰذا اگر ایسی بددیانتیاں چھوڑ دو اور حلال طریقے سے روزی کماؤ تو تمہارے گزارے کے لئے حلال کا رزق بھی بہت کافی ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا چھوڑ دو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝
فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
وہ کہنے لگے: (اے شعیب!) تم تو محض جادو زدہ لوگوں میں سے ہو۔ اور تم فقط ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اور ہم تمہیں یقیناً
جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پس تم ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے ہو۔

آسمان گرانے کا مطالبہ کرنے کا بیان

"وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ " مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَحْذُوفٌ أَيْ إِنَّهُ "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا"
بِسُكُونِ السِّينِ وَفَتْحِهَا قِطَعًا "مِنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ" فِي رِسَالَتِكَ

وہ کہنے لگے اے شعیب علیہ السلام تم تو محض جادو زدہ لوگوں میں سے ہو۔ اور تم فقط ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو یہاں پر لفظ ان یہ ثقل سے مخفف ہے جس کا اسم محذوف ہے یعنی اصل میں انہ ہے۔ اور ہم تمہیں یقیناً جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پس تم

ہمارے اوپر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو، یہاں پر لفظ کسفا یہ سین کے سکون اور اس کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے۔ اگر تم اپنی رسالت میں سچے ہو۔

اس کے جواب میں قوم نے کہا۔ تمہاری عقل ٹھیک کام نہیں کرتی۔ تم تجارت کے گر اور راز کیا جانو۔ اگر ہم تمہاری باتوں پر لگ جائیں تو چند ہی دنوں میں اس میدان میں مات کھا جائیں اور سرمایہ بھی ہاتھ سے گنوا بیٹھیں کیونکہ مقابلہ بڑا سخت ہے۔ اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تمہارا یہ نبوت کا دعویٰ بھی بس ایک فریب ہی ہے۔ تم ہی ہمارے جیسے ایک محتاج انسان ہی ہو۔ تم میں ہم سے زائد کونسی خصوصیت ہے کہ ہم تمہیں ہی سمجھ لیں۔ اور تم اپنے آپ کو اپنے اس دعویٰ نبوت میں سچا سمجھتے ہو کہ جس عذاب سے ہمیں ڈراتے دھمکاتے رہتے ہو وہ عذاب ہم پر لے آ ؤ۔ اور آسمان کا کوئی ٹکڑا ہی ہم پر گرادو۔

واضح رہے کہ قریش مکہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی قسم کے عذاب کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۲ میں گزر چکا ہے۔ اور کفار مکہ کو بتلایا جارہا ہے کہ تم سے پہلے بھی ایک قوم ایسے عذاب کا مطالبہ کر چکی ہے۔ پھر جو حشر اس قوم کا ہوا تھا وہی یا اس سے ملتا جلتا تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

قَالَ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ○
فرمایا: میرا رب ان کو خوب جاننے والا ہے جو تم انجام دے رہے ہو۔ سوانہوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلا دیا
پس انھیں سائبان کے دن کے عذاب نے آ پکڑا، بیشک وہ زبردست دن کا عذاب تھا۔

آسمانی بدلی سے آگ برسنے کے عذاب کا بیان

"قَالَ رَبِّي أَعْلَم بِمَا تَعْمَلُونَ " فَيُجَازِيكُمْ بِهِ "فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَاب يَوْم الظُّلَّة " هِيَ سَحَابَة أَظَلَّتْهُمْ بَعْد حَرّ شَدِيد أَصَابَهُمْ فَأَمْطَرَتْ عَلَيْهِمْ نَارًا فَاحْتَرَقُوا

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میرا رب ان کارستانیوں کو خوب جاننے والا ہے پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔ جو تم انجام دے رہے ہو۔ سوانہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلا دیا پس انھیں سائبان کے دن کے عذاب نے آ پکڑا، یعنی وہ ایک بدلی تھی جس سخت گرمی کے بعد ان پر سایہ کرتے ہوئے آئی تو اس نے ان پر آگ کی بارش کردی جس سے وہ سارے جل کر خاک ہو گئے۔ بیشک وہ زبردست دن کا عذاب تھا۔

انہوں نے بھی کفار مکہ کی طرح آسمانی عذاب مانگا تھا، اللہ نے اس کے مطابق ان پر عذاب نازل فرمادیا اور وہ اس طرح کے بعض روایات کے مطابق سات دن تک ان پر سخت گرمی اور دھوپ مسلط کردی، اس کے بعد بادلوں کا ایک سایہ آیا اور یہ سب گرمی اور دھوپ کی شدت سے بچنے کے لئے اس سائے تلے جمع ہو گئے اور کچھ سکھ کا سانس لیا لیکن چند لمحے بعد ہی آسمان سے آگ کے شعلے برسنے شروع ہو گئے، زمین زلزلے سے لرز اٹھی اور ایک سخت چنگھاڑ نے انھیں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا یوں تین قسم کا

عذاب ان پر آیا اور یہ اس دن آیا جس دن ان پر بادل سایہ فگن ہوا، اس لئے فرمایا کہ سائے والے دن کے عذاب نے انھیں پکڑ لیا۔

واقعات عذاب میں اہل ایمان کیلئے نشانیاں ہونے کا بیان

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝
بے شک اس میں یقیناً ایک نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان والے نہیں تھے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی بڑا غالب رحمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر میں معیار علم کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے (یعنی قیامت کی علامتیں، قدرت کی کرشمہ سازیوں کی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کی صفات قہر یہ وجلالیہ جس طرح میرے سامنے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں اس طرح نہ تمہارے سامنے ہیں اور نہ تم انہیں دیکھتے ہو، نیز احوال آخرت کے اسرار واخبار، قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب کی شدت وسختی کی باتوں کو جس طرح میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے) آسمان میں سے آواز نکلتی ہے اور اس میں سے آواز کا نکلنا بجا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ کے حضور اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں، اللہ کی قسم اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم بہت کم ہنسو اور زیادہ رونے لگو۔

اور بستروں پر اپنی عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو اور یقیناً تم اللہ سے نالہ وفریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ جیسا کہ رنج اٹھانے والوں اور غموں سے تنگ آ جانے والوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور صحرا صحرا جنگل جنگل گھومتے پھرتے ہیں تا کہ زمین کا بوجھ کم ہو اور دل کچھ ٹھکانے لگے۔ حضرت ابوذر نے یہ حدیث بیان کر کے ارادہ حسرت ودردنا کی کہا کہ کاش میں درخت ہوتا جس کو کاٹا جاتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1277)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝
بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝
اور بے شک یہ یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ آپ کے قلب پر تا کہ آپ ڈر
سنانے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف عربی زبان میں ہے۔ اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔

نزول قرآن کے مقصد انذار کا بیان

"وَاِنَّهٗ" أَيْ الْقُرْآن "نَزَلَ بِهِ الرُّوح الْأَمِين" جِبْرِيل "بِلِسَانٍ عَرَبِيّ مُبِين" بَيِّن وَفِي قِرَاءَة بِتَشْدِيدِ نَزَّلَ وَنَصْب الرُّوح وَالْفَاعِل اللّٰه

"وَاِنَّهٗ" ذِکر الْقُرْآن الْمُنَزَّل عَلَى مُحَمَّد "لَفِي زُبُر" كُتُب "الْاَوَّلِيْنَ" كَالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيل

اور بے شک یہ قرآن یقیناً رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔اسے روح الامین جبرائیل علیہ السلام لے کر اترا ہے۔آپ کے قلب انور پر تا کہ آپ نافرمانوں کو ڈر سنانے والوں میں سے ہو جائیں۔صاف عربی زبان میں ہے۔یہاں پر ایک قرأت کے مطابق نزل تشدید اور لفظ روح منصوب آیا ہے جس کا فاعل لفظ اللہ ہے۔اگلے نبیوں کی کتابوں میں بھی اس قرآن کا تذکرہ ہے۔جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔پہلی کتابوں سے مراد تورات وانجیل ہیں۔

نزول قرآن کی نسبت نبی کریم ﷺ کے قلب انور کی طرف کرنے کا بیان

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کیسی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رمضان میں اور دوسرے مہینوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتوں سے زیادہ کبھی نہ پڑھتے تھے،چار رکعت ایسی پڑھتے کہ ان کی اچھائی اور درازی سے تو پوچھو نہیں کہ کیسی عمدہ اور طویل نماز ہوتی تھی،پھر چار رکعتیں پڑھتے اور یہ نہ پوچھو کہ کیسی عمدہ اور طویل رکعتیں ہوتی تھیں،پھر تین رکعت نماز پڑھتے،حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب نہیں سوتا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1099)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے ہم سے رات کی کیفیت بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کعبہ سے معراج ہوئی وحی نازل ہونے سے پیشتر تین شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سو رہے تھے تو ان تین شخصوں میں سے ایک نے کہا کہ وہ کون شخص ہیں دوسرے نے کہا جو درمیان میں ہیں وہی سب سے بہتر ہیں اور تیسرے نے کہا جو ان سب میں بہتر ہو۔اسی کو لو پس اتنی ہی باتیں ہوئی تھیں کہ وہ غائب ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نہیں دیکھا پھر دوسری رات کو وہ آئے اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب جاگ رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری آنکھیں سو جاتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب نہیں سوتا تھا تمام انبیاء کا یہی حال ہے کہ ان کی آنکھیں سو جاتی ہیں اور ان کے قلب نہیں سوتے پھر جبرائیل علیہ السلام نے پورا انتظام واہتمام اپنے ذمہ لیا اس کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آسمان کی طرف چڑھا لے گئے۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 824)

نبی کریم ﷺ کی فصاحت وبلاغت کی تعریف کا بیان

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس سے روح الامین بولے اسے زمین نہیں کھاتی۔اس بزرگ بامرتبہ فرشتے نے جو فرشتوں کا سردار ہے تیرے دل پر اس پاک اور بہتر کلام اللہ کو نازل فرمایا ہے جو ہر طرح کے میل کچیل سے کمی زیادتی سے نقصان اور کجی سے پاک ہے۔تا کہ تو اللہ کے مخالفین کو گنہگاروں کو اللہ کی سزا سے بچاؤ کرنے کی رہبری کر سکے۔اور تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی

مغفرت و رضوان کی خوشخبری پہنچا سکے۔ یہ کھلی فصیح عربی زبان میں ہے۔ تا کہ ہر شخص سمجھ سکے پڑھ سکے۔ کسی کا عذر باقی نہ رہے اور ہر ایک پر قرآن کریم اللہ کی حجت بن جائے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے نہایت فصاحت سے ابر کے اوصاف بیان کئے جسے سن کر صحابہ کہہ اٹھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کمال درجے کے فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھلا میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہوگی، قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے فرمان ہے آیت (بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ،

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا۔ قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی ہاں جنتیوں کی زبان عربی ہوگی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ شعراء، بیروت)

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝
اور کیا ان کیلئے یہ دلیل نہیں ہے کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء جانتے ہیں۔ اور اگر ہم اسے غیر عربی لوگوں میں سے کسی پر نازل کرتے۔

قرآن و نبوت کی صداقت کا علم بنی اسرائیل کے علماء کو ہونے کا بیان

"أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ " لِكُفَّارِ مَكَّة "آيَة" عَلَى ذَلِكَ وَيَكُنْ بالتحتانية وَنَصْب آيَة وبالفوقانية وَرَفْع آيَة "أَنْ يَعْلَمهُ عُلَمَاء بَنِي إسْرَائِيل " كَعَبْدِ اللَّه بْن سَلَام وَأَصْحَابه مِنْ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْبِرُونَ بِذَلِكَ،"وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَى بَعْض الْأَعْجَمِينَ" جَمْع أَعْجَم،

اور کیا ان کے لئے یعنی کفار مکہ کیلئے صداقتِ قرآن اور صداقتِ نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اسے بنی اسرائیل کے علماء بھی جانتے ہیں۔ یہاں پر لفظ یکن یاء اور تاء دونوں طرح اور آیۃ یہ بھی نصب اور رفع دونوں طرح آیا ہے۔ اور علمائے بنی اسرائیل جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب ہیں۔ جو ایمان والوں کو بتایا کرتے تھے۔ اور اگر ہم اسے غیر عربی لوگوں یعنی عجمیوں میں سے کسی پر نازل کرتے۔ یہ لفظ اعجم کی جمع ہے۔

اپنی کتابوں سے اور لوگوں کو خبریں دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ نے یہودِ مدینہ کے پاس اپنے معتمدین کو یہ دریافت کرنے بھیجا کہ کیا نبی آخر الزمان سید کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ان کی کتابوں میں کوئی خبر ہے؟ اس کا جواب علماء یہود نے یہ دیا کہ یہی ان کا زمانہ ہے اور ان کی نعت و صفت توریت میں موجود ہے۔ علماء یہود میں سے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ابن یامین اور ثعلبہ اور اسد اور اُسید یہ حضرات جنہوں نے توریت میں حضور ﷺ کے اوصاف پڑھے تھے حضور ﷺ پر ایمان لائے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝
پس وہ اسے ان پر پڑھتا تو بھی وہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ اسی طرح ہم نے یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دی۔

کفار مکہ کا قرآن مجید کی تکذیب کرنے کا بیان

"فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ" كُفَّار مَكَّة "مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ" أَنَفَة مِنْ اتِّبَاعه "كَذَلِكَ" أَيْ مِثْل إِدْخَالنَا التَّكْذِيب بِهِ بِقِرَاءَةِ الْأَعْجَمِيّ "سَلَكْنَاهُ" أَدْخَلْنَا التَّكْذِيب بِهِ "فِي قُلُوب الْمُجْرِمِينَ" كُفَّار مَكَّة بِقِرَاءَةِ النَّبِيّ

پس آپ اسے ان پر یعنی کفار مکہ پر پڑھتے تو بھی وہ تکبر کرتے ہوئے اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔اسی طرح ہم نے یہ بات مجرموں کے دلوں میں داخل کر دی۔یعنی جس طرح عجمی کے پڑھنے کو انہوں نے جھٹلانا تھا اسی طرح طرح یہ صاحب عربی سے پڑھے ہوئے کی بھی تکذیب کرتے ہیں۔لہٰذا کفار مکہ بھی اسی طرح نبی کریم ﷺ کی قرأت کی تکذیب کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت سے استدلالت تصدیقکا بیان

معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ قرآن کریم ایک فصیح بلیغ عربی نبی پر اتارا جس کی فصاحت اہل عرب کو مسلّم ہے اور وہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم مُعجز ہے اور اس کی مثل ایک سورت بنانے سے بھی تمام دنیا عاجز ہے علاوہ بریں علماء اہل کتاب کا اتفاق ہے کہ اس کے نزول سے قبل اس کے نازل ہونے کی بشارت اور اس نبی کی صفت ان کی کتابوں میں انھیں مل چکی ہے، اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ نبی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور یہ کتاب اس کی نازل فرمائی ہوئی ہے اور کفار جو طرح طرح کی بیہودہ باتیں اس کتاب کے متعلق کہتے ہیں سب باطل ہیں اور خود کُفّار بھی متحیر ہیں کہ اس کے خلاف کیا بات کہیں، اس لئے کبھی اس کو پہلوں کی داستانیں کہتے ہیں، کبھی شعر، کبھی سحر اور کبھی یہ کہ معاذ اللہ اس کو خود سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی غلط نسبت کر دی ہے اس طرح کے بیہودہ اعتراض معانِد ہر حال میں کر سکتا ہے حتّٰی کہ اگر بالفرض یہ قرآن کسی غیر عربی شخص پر نازل کیا جاتا جو عربی کی مہارت نہ رکھتا اور باوجود اس کے وہ ایسا مُعجز قرآن پڑھ کر سُناتا جب بھی لوگ اسی طرح کفر کرتے جس طرح انہوں نے اب کفر و انکار کیا کیونکہ ان کے کفر و انکار کا باعث عناد ہے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ شعراء، لاہور)

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ o فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ o
فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ o
وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔پس وہ ان پر اچانک آ پڑے اور وہ سوچتے بھی نہ ہوں
تو وہ کہیں کیا ہم مہلت دیے جانے والے ہیں۔

ایمان کیلئے مہلت مانگنے والوں کا بیان

"فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ" لِنُؤْمِن فَيُقَال لَهُمْ : لَا , قَالُوا : مَتَى هَذَا الْعَذَاب

وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔پس وہ ان پر اچانک آ پڑے اور وہ سوچتے بھی نہ ہوں

تو وہ کہیں کیا ہم مہلت دیے جانے والے ہیں۔تا کہ ہم ایمان لے آئیں۔تو ان کیلئے کہا جائے گا نہیں۔انہوں نے کہا کہ یہ عذاب کب آئے گا۔

نزول عذاب کے بعد کوئی مہلت نہ ہونے کا بیان

تکذیب وکفر انکار وعدم تسلیم کو ان مجرموں کے دل میں بٹھا دیا ہے۔یہ جب تک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔اس وقت اگر ایمان لائے بھی تو محض بیسود ہوگا ان پر لعنت برس چکی ہوگی۔ برائی مل چکی ہوگی۔نہ پچھتانا کام آئے نہ معذرت نفع دے۔عذاب اللہ آئیں گے اور اچانک ان کی بیخبری میں ہی آ جائیں گے اس وقت ان کی تمنائیں اگر ذرا سی بھی مہلت پائیں تو نیک بن جائیں بیسود ہونگی۔ایک انہی پر کیا موقوف ہے ہر ظالم، فاجر، فاسق، کافر بدکار عذاب کو دیکھتے ہی سیدھا ہو جاتا ہے، نادم ہوتا ہے توبہ تلافی کرتا ہے مگر سب لا حاصل۔فرعون ہی کو دیکھئے حضرت موسیٰ نے اس کے لئے دعائے ضرر کی جو قبول ہوئی عذاب کو دیکھ کر ڈوبتے ہوئے کہنے لگا کہ اب میں مسلمان ہوتا ہوں لیکن جواب ملا کہ یہ ایمان بیسود ہے۔اسی طرح ایک اور آیت میں ہے کہ ہمارا عذاب دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا۔پھر ان کی ایک اور بدبختی بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے کہتے تھے اگر سچے ہو تو عذاب اللہ لاؤ۔اگر چہ ہم انہیں مہلت دیں اور کچھ دنوں تک کچھ مدت تک انہیں عذاب سے بچائے رکھیں۔پھر ان کے پاس ہمارا مقررہ عذاب آ جائے۔ان کا حال ان کی نعمتیں ان کی جاہ وحشمت غرض کوئی چیز انہیں ذرا سا بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اس وقت تک یہی معلوم ہوگا کہ شاید ایک صبح یا ایک شام ہی دنیا میں رہے۔جیسے ایک اور آیت میں ہے آیت (يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ 96)-2البقرۃ:96)ان میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ وہ ہزار ہزار سال جئے لیکن اتنی عمر بھی اللہ کے عذاب ہٹا نہیں سکتی۔یہی یہاں بھی فرمایا کہ اسباب ان کے کچھ کام نہ آئیں گے الٹا عذاب میں مبتلا ہوتے وقت ان کی تمام طاقتیں اور اسباب یونہی رکھے رکھے رہ جائیں گے۔چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ کافر کو قیامت کے دن لایا جائے گا، پھر آگ میں ایک غوطہ دلا کر پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی راحت بھی اٹھائی ہے تو کہے گا کہ اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی راحت نہیں دیکھی اور ایک اس شخص کو لایا جائے گا جس نے پوری عمر واقعی کوئی راحت چکھی ہی نہ ہو۔اسے جنت کی ہوا کھلا کر لایا جائے گا اور سوال ہوگا کہ کیا تو نے عمر بھر کبھی کوئی برائی دیکھی ہے؟ تو وہ کہے گا اے اللہ تیری ذات پاک کی قسم میں نے کبھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ جب تو اپنی مراد کو پہنچ گیا تو گویا تو نے کبھی کسی تکلیف کا نام بھی نہیں سنا۔اللہ عزوجل اس کے بعد اپنے عدل کی خبر دیتا ہے کہ کبھی اس نے حجت ختم ہونے سے پہلے کبھی کسی امت کو ختم نہیں کیا۔رسولوں کو بھیجتا کتابیں اتارتا ہے خبریں دیتا ہے ہوشیار کرتا ہے پھر نہ ماننے والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔پس فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ انبیائے کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم نے کسی امت پر عذاب بھیج دئے ہوں۔ڈرانے والے بھیج کر نصیحت کر کے عذر ہٹا کر پھر نہ ماننے پر عذاب ہوتا ہے جیسے فرمایا تیرا رب کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی بستیوں کی صدر بستی

میں کسی رسول نہ بھیج دے جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝
مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝
کیا یہ ہمارے عذاب میں جلدی کے طلب گار ہیں۔ بھلا بتایئے اگر ہم انھیں برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں۔ پھر ان کے پاس
وہ آ پہنچے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ چیزیں کیا کام آئیں گی جن سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے تھے۔

برسوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے باوجود عذاب آجانے کا بیان

"أَفَرَأَيْتَ" أَخْبِرْنِي "ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ" مِنَ الْعَذَابِ "مَا" اسْتِفْهَامِيَّة بِمَعْنَى : أَيّ شَيْء "أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمَتَّعُونَ" فِي دَفْع الْعَذَاب أَوْ تَخْفِيفه أَيْ : لَمْ يُغْنِ

کیا یہ ہمارے عذاب میں جلدی کے طلب گار ہیں۔ بھلا بتایئے اگر ہم انھیں برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں۔ پھر ان کے پاس وہ عذاب آ پہنچے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ تو وہ چیزیں ان سے عذاب کو دفع کرنے میں کیا کام آئیں گی، یہاں پر لفظ ما استفہامیہ ہے۔ جن سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے تھے۔ یعنی وہ نفع اٹھانا ان سے عذاب کو دور کرنے یا اس میں کمی کرنے کے کیا وہ کام آئے گا؟

یعنی آج انھیں مہلت ملی ہوئی ہے تو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ پھر جب عذاب دیکھ لیں گے تو اس وقت مہلت کا مطالبہ کریں گے۔ حالانکہ نہ ان کا پہلا مطالبہ درست تھا اور نہ دوسرا درست ہوگا اس لئے کہ عذاب الٰہی کے لئے بھی ایک ضابطہ مقرر ہے اس کا دارومدار کسی کے مطالبہ کرنے یا نہ کرنے پر نہیں ہے۔ پھر جب معین وقت پر عذاب آجاتا ہے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہو سکتی۔ نہ کسی کے مطالبہ پر مزید مہلت مل سکتی ہے۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝
اور ہم نے سوائے ان بستیوں کے جن کے لئے ڈرانے والے آچکے تھے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا۔ نصیحت کے لئے
اور ہم ظالم نہ تھے۔ اور شیطان اس کو لے کر نہیں اترے۔

عذاب کی وعید کے بعد عذاب کے نازل ہونے کا بیان

"وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَة إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ" رُسُل تُنْذِر أَهْلهَا "ذِكْرَى" عِظَة لَهُمْ "وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ" فِي إِهْلَاكهمْ بَعْد إِنْذَارهمْ وَنَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِ الْمُشْرِكِينَ "وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ" بِالْقُرْآنِ "الشَّيَاطِين"

اور ہم نے سوائے ان بستیوں کے جن کے لئے انہیں ڈرسنانے والے رسولان گرامی آچکے تھے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا۔ اور

یہ بھی نصیحت کے لئے ہے اور ہم ظالم نہ تھے۔ یعنی ہم نے انہیں عذاب سے ڈرانے کے بعد ہلاک کیا اور یہ حکم مشرکین کے قول کی تردید کیلئے نازل ہوا ہے۔ اور شیطان اس قرآن کو لے کر نہیں اترے۔

قرآن مجید کا روح الامین کے ذریعے نزول کا بیان

یہ کتاب عزیز جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا جو اللہ کی طرف سے اتری ہے جس کو روح الامین جو قوت و طاقت والے ہیں لے کر آئیں ہیں اسے شیاطین نہیں لائے پھر ان کے نہ لانے پر تین وجوہات بیان کی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس کے لائق نہیں۔ ان کا کام مخلوق کو بہکانا ہے نہ کہ راہ راست پر لانا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو اس کتاب کی شان ہے اس کے سراسر خلاف ہے۔ یہ نور یہ ہدایت ہے یہ برہان ہے اور شیاطین ان تینوں چیزوں سے چڑتے ہیں وہ ظلمت کے دلدادہ اور ضلالت کے ہیرو ہیں۔ وہ جہالت کے شیدا ہیں پس اس کتاب میں اور ان میں تو تباین اور اختلاف ہے۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں اس کے اہل نہیں وہاں ان میں اس کو اٹھانے اور لانے کی طاقت بھی نہیں۔ یہ تو وہ ذی عزت والا کام ہے کہ اگر کسی بڑے سے بڑے پہاڑ بھی اترے تو اس کو بھی چکنا چور کر دے۔ پھر تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ تو اس کے نزول کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے انہیں تو سننا بھی نہیں ملا۔ تمام آسمان پر سخت پہرہ چوکی تھی یہ سننے کے لئے چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھیں۔ اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا۔ تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے پر اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے اور آپ کی وساطت سے مخلوق الہی کو پہنچے۔ جیسے سورہ جن میں خود جنات کا مقولہ بیان ہوا ہے کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرچوکی سے بھرپور پایا اور جگہ جگہ شعلے متعین پائے پہلے تو ہم بیٹھ کر اکا دکا بات اڑا لایا کرتے تھے لیکن اب تو کان لگاتے ہی شعلہ لپکتا ہے اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَمَا يَنۢبَغِىْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝
فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝
اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ یہ کر سکتے ہیں۔ بیشک وہ سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔ پس تو اللہ کے ساتھ
کسی دوسرے معبود کو نہ پوجا کر ورنہ تو عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔

غیر اللہ کی پوجا کے سبب عذاب کا بیان

"وَمَا يَنْبَغِي" يَصْلُح "لَهُمْ" أَنْ يَنْزِلُوا بِهِ "وَمَا يَسْتَطِيعُونَ" ذَلِكَ "إِنَّهُمْ عَنْ السَّمْع" لِكَلَامِ الْمَلَائِكَة "لَمَعْزُولُونَ" بِالشُّهُبِ "فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّه إلَهًا آخَر فَتَكُون مِنْ الْمُعَذَّبِينَ" إنْ فَعَلْت ذَلِكَ الَّذِي دَعَوْك إلَيْهِ

اور نہ یہ ان کے لائق یعنی مناسب ہے اور نہ وہ یہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ اس کو لیکر نازل ہوں بیشک وہ اس کلام کو ملائکہ کے ذریعے

سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کو آگ کے شعلوں نے روک دیا۔ پس تو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پوجا کرو، ورنہ تو عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہو جائے گا۔ یعنی اگر ایسا کیا جس کی طرف تجھے بلایا گیا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ٥
اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

بنو ہاشم و بنو مطلب کو عذاب الٰہی سے ڈرسنانے کا بیان

"وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ " وَهُمْ بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِب "وَقَدْ أَنْذَرَهُمْ جِهَارًا " رَوَاهُ الْبُخَارِيّ وَمُسْلِم،

اور (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈرائیے۔ اور وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں جنہیں عام طور پر ڈرایا گیا۔ اور اس کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب آیت (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) ، اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرا)۔ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صفیہ بنت عبدالمطلب اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اے بنو عبدالمطلب! میں (ازخود) تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں میرے مال میں سے جو تم چاہو طلب کر سکتے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ وکیع اور کئی راوی بھی یہ حدیث ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔

بعض حضرات اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں، اس سند میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہیں اور اس باب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1132)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ، الآیہ۔ نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جمع کیا۔ نیز خصوصی اور عمومی طور پر سب کو نصیحت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ، میں تم لوگوں کے لئے اللہ کی بارگاہ میں ازخود نفع یا تکلیف کا اختیار نہیں رکھتا۔ اے بنو عبد مناف! اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، میں تم لوگوں کے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قصی بنو عبدالمطلب اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پکارا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، میں (ازخود) تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ (اے فاطمہ!) بے شک تمہاری قرابت کا مجھ پر حق ہے اور میں اس حق کو دنیا ہی میں پورا کروں گا۔ باقی رہی آخرت تو اس میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔ یہ حدیث شعیب سے وہ عبدالملک سے وہ موسیٰ بن طلحہ سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے ہم معنی نقل کرتے

ہیں ۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1133)

نبی کریم ﷺ کا قریش کو دعوت اسلام دینے کا بیان

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا اے بنی عبد مناف میں تو صرف چوکنا کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے عزیزوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبر دار ہو جائیں ۔ (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کر لیا یہ تیس شخص تھے جب یہ کھا پی چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے ۔ اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے وہ جنت میں بھی مرا ساتھی اور میری اہل میں خلیفہ ہوگا ۔ تو ایک شخص نے کہا آپ تو سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟ تین دفعہ آپ نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں اس کے لئے تیار ہوں ۔ (مسند احمد)

ایک اور سند میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد المطلب کو جمع کیا یہ ایک جماعت کی جماعت تھی اور بڑے کھاؤ تھے ایک شخص ایک ایک بکری کا بچہ کھا جاتا تھا اور ایک بڑا بدھنا دودھ کا پی جاتا تھا آپ نے ان سب کے کھانے کے لئے صرف تین پاؤ کے قریب کھانا پکوایا لیکن اللہ نے اسی میں اتنی برکت دی کہ سب پیٹ بھر کر کھا چکے اور خوب آسودہ ہو کر پی چکے لیکن نہ تو کھانے میں کمی نظر آئی تھی نہ پینے کی چیز گھٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی ۔ پھر آپ نے فرمایا اے اولاد عبد المطلب میں تمہاری طرف خصوصا اور تمام لوگوں کی طرف عموما نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔ اس وقت تم ایک معجزہ بھی میرا دیکھ چکے ہو ۔ اب تم میں سے کون تیار ہے کہ مجھ سے بیعت کرے وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہوگا لیکن ایک شخص بھی مجمع سے کھڑا نہ ہوا سوائے میرے اور میں اس وقت عمر کے لحاظ سے ان سب سے چھوٹا تھا آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ تین مرتبہ آپ نے یہی فرمایا اور تینوں مرتبہ بجز میرے اور کوئی کھڑا نہ ہوا ۔ تیسری مرتبہ آپ نے میری بیعت لی ۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں لائے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا اگر میں اپنی قوم کے سامنے ابھی ہی اسے پیش کروں گا تو وہ نہ مانیں گے ۔ اور ایسا جواب دیں گے جو مجھ پر گراں گزرے پس آپ خاموش ہو گئے اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے تعمیل ارشاد میں تاخیر کی تو ڈر ہے کہ آپ کو سزا ہوگی اسی وقت آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ واروں کو ڈراووں میں نے یہ خیال کر کے اگر پہلے ہی سے ان سے کہا گیا تو یہ مجھے ایسا جواب دیں گے جس سے مجھے ایذاء پہنچے میں خاموش رہا لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تجھے عذاب ہوگا تو اب اے علی تم ایک بکری ذبح کر کے گوشت پکالو ۔ اور کوئی تین سیر اناج بھی تیار کر لو اور ایک بدھنا دودھ کا بھی بھر لو ۔ اور اولاد عبد المطلب کو بھی جمع کر لو میں نے ایسا ہی کیا اور سب کو دعوت دے دی چالیس

آدمی جمع ہوئے یا ایک آدھ کم یا ایک آدھ زیادہ ان میں آپ کے چچا بھی تھے۔ ابو طالب، حمزہ، عباس، اور ابولہب کافر خبیث۔ میں نے سالن پیش کیا تو آپ نے اس میں سے ایک بوٹی لے کر کچھ کھائی پھر اسے ہنڈیا میں ڈال دیا اور فرمایا لو اللہ کا نام لو اور کھانا شروع کرو سب نے کھانا شروع کیا یہاں تک کہ پیٹ بھر گئے لیکن اللہ کی قسم گوشت اتنا ہی تھا جتنا رکھتے وقت رکھا تھا صرف ان کی انگلیوں کے نشانات تو تھے مگر گوشت کچھ بھی نہ گھٹا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا گوشت تو کھالیتا تھا۔ پھر مجھ سے فرمایا اے علی انہیں پلاؤ۔ میں وہ بدھنا لایا سب نے باری باری شکم سیر ہو کر پیا اور خوب آسودہ ہو گئے لیکن دودھ بالکل کم نہ ہوا۔ حالانکہ ان میں سے ایک ایک اتنا دودھ پی لیا کرتا تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمانا چاہا لیکن ابولہب جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا لو صاحب اب معلوم ہوا کہ یہ تمام جادوگری محض اس لئے تھی۔ چنانچہ مجمع اسی وقت اکھڑ گیا اور ہر ایک اپنی راہ لگ گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت و تبلیغ کو موقعہ نہ ملا دوسرے روز آپ نے حضرت علی سے فرمایا آج پھر اسی طرح ان سب کی دعوت کرو کیونکہ کل اس نے مجھے کچھ کہنے کا وقت ہی نہیں دیا۔ میں نے پھر اسی طرح کا انتظام کیا سب کو دعوت دی آئے کھایا پیا پھر کل کی طرح آج بھی ابو لہب نے کھڑے ہو کر وہی بات کہی اور اسی طرح سب تتر بتر ہو گئے۔ تیسرے دن پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے یہی فرمایا آج جب سب کھا پی چکے تو حضور نے جلدی سے اپنی گفتگو شروع کر دی اور فرمایا اے بنو عبدالمطلب واللہ کوئی نوجوان شخص اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر بھلائی نہیں لایا، جو میں تمہارے پاس لایا ہوں میں دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اب بتاؤ تم میں سے کون میرے ساتھ اتفاق کرتا ہے اور کون مرا ساتھ دیتا ہے؟ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ پہلے میں تمہیں اسکی دعوت دوں جو آج میری مان لے گا وہ میرا بھائی ہوگا اور یہ درجے ملیں گے۔ لوگ سب خاموش ہو گئے لیکن حضرت علی جو اس وقت اس مجمع میں سب سے کم عمر تھے اور دکھتی آنکھوں والے اور موٹے پیٹ والے اور بھری پنڈلیوں والے تھے، بول اٹھے یارسول اللہ ﷺ اس امر میں آپ کی وزارت میں قبول کرتا ہوں آپ نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ میرا بھائی ہے اور ایسی فضیلتوں والا ہے تم اس کی سنو اور مانو۔ یہ سن کر وہ سب لوگ ہنستے ہوتے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے لے اب تو اپنے بچے کی سن اور مان لے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○
اور آپ اپنا بازو ئے ان مومنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں
تو آپ فرما دیجئے کہ میں ان اعمال سے بیزار ہوں جو تم انجام دے رہے ہو۔

اتباع کرنے والے اہل ایمان کیلئے رحمت ہونے کا بیان

"وَاخْفِضْ جَنَاحك " أَلِنْ جَانِبك "لِمَنْ اتَّبَعَك مِنْ الْمُؤْمِنِينَ " الْمُوَحِّدِينَ "فَإِنْ عَصَوْك " عَشِيرَتك "فَقُلْ" لَهُمْ "إِنِّي بَرِيء مِمَّا تَعْمَلُونَ" مِنْ عِبَادَة غَيْر اللَّه

اور آپ اپنا بازوئے رحمت وشفقت ان مومنوں کے لئے بچھا دیجئے جنہوں نے آپ کی پیروی اختیار کر لی ہے۔یعنی جنہوں نے توحید کا اقرار کیا ہے۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں یعنی آپ کا خاندان آپ کی نافرمانی کرے، تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں ان اعمال سے بیزار ہوں جو تم انجام دے رہے ہو۔یعنی جو تم غیر اللہ کی عبادت کر رہے ہو۔

اسلام کی ابتداء وانتہاء غرباء کی جانب ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا لہٰذا غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔" (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 156)

مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہٰذا ان غرباء کے لئے جن کے قلوب ایمان واسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی وسعادت ہے۔اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب وسنت کے علوم ومعارف سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝
اور بڑے غالب مہربان پر بھروسہ رکھیے۔جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ قیام کرتے ہیں۔اور سجدہ گزاروں میں آپ کا پلٹنا دیکھتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شان نماز کا بیان

"وَتَوَكَّلْ" بِالْوَاوِ وَالْفَاء "عَلَى الْعَزِيز الرَّحِيم " اللَّه أَيْ فَوِّضْ إلَيْهِ جَمِيع أُمُورك "الَّذِي يَرَاك حِين تَقُوم" إلَى الصَّلَاة

"وَتَقَلُّبك" فِي أَرْكَان الصَّلَاة قَائِمًا وَقَاعِدًا وَرَاكِعًا وَسَاجِدًا "فِي السَّاجِدِينَ" الْمُصَلِّينَ

اور بڑے غالب مہربان پر بھروسہ رکھیے۔یہاں پر لفظ وتوکل یہ واؤ اور فاء دونوں طرح آیا ہے۔رحیم یعنی جس نے تمام امور آپ کے حوالے کر دیئے ہیں۔جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ نماز کیلئے قیام کرتے ہیں۔اور سجدہ گزاروں میں آپ کا پلٹنا دیکھتا ہے۔یعنی جب ارکان نماز میں قیام وقعود اور رکوع سجود کرتے ہیں۔

جب تم اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے احوال ملاحظہ فرمانے کے لئے شب کو دورہ کرتے ہو۔بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ جب تم امام ہو کر نماز پڑھاتے ہو اور قیام ورکوع وسجود وقعود میں گزرتے ہو۔بعض مفسرین نے کہا معنی یہ ہیں کہ وہ آپ کی گردش چشم کو دیکھتا ہے نمازوں میں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس وپیش یکساں ملاحظہ فرماتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے بخدا مجھ پر تمہارا خشوع ورکوع مخفی نہیں میں تمہیں اپنے پس پشت دیکھتا ہوں۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ

اس آیت میں ساجدین سے مؤمنین مراد ہیں اور معنی یہ ہیں کہ زمانہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام سے لے کر حضرت عبداللہ وآمنہ خاتون تک مؤمنین کی اصلاب وارحام میں آپ کے دورے کو ملاحظہ فرماتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام اصول آباء و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مؤمن ہیں۔ (تفسیر مدارک وجمل، سورہ شعراء، بیروت)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ۝ هَلۡ اُنَبِّئُكُمۡ عَلٰى مَنۡ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيۡنُ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ۝
بیشک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر زبردست
جھوٹے، سخت گنہگار پر اترتے ہیں۔

کاہنوں پر شیاطین کے وسواس کے نزول کا بیان

"هَلۡ أُنَبِّئُكُمۡ" يَا كُفَّار مَكَّة "عَلَى مَنۡ تَنَزَّل الشَّيَاطِين" بِحَذۡفِ إِحۡدَى التَّاءَيۡنِ مِنَ الۡأَصۡل "تَنَزَّل عَلَى كُلّ أَفَّاك" كَذَّاب "أَثِيم" فَاجِر مِثۡل مُسَيۡلِمَة وَغَيۡره مِنَ الۡكَهَنَة

بیشک وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے کفار مکہ! کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں۔ یہاں پر تنزل میں اصل میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ وہ ہر زبردست جھوٹے، سخت گنہگار پر اترتے ہیں۔ یعنی فاجر جس طرح مسلیمہ کذاب وغیرہ جیسے کاہنوں سے ہیں۔

شیاطین اور جادوگروں کے کارناموں کا بیان

مشرکین کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا یہ قرآن برحق نہیں۔ اس نے اسکو خود گھڑ لیا ہے یا اس کے پاس جنوں کا کوئی سردار آتا ہے جو اسے یہ سکھا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس اعتراض سے پاک کیا اور ثابت کیا کہ آپ جس قرآن کو لائے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے اسی کا اتارا ہوا ہے۔ بزرگ امین طاقتور فرشتہ اسے لایا ہے۔ یہ کسی شیطان یا جن کی طرف سے نہیں شیاطین تو تعلیم قرآن سے چڑتے ہیں اس کی تعلیمات ان کے یکسر خلاف ہیں۔ انہیں کیا پڑی کہ ایسا پاکیزہ اور راہ راست پر لگانے والا قرآن وہ لائیں اور لوگوں کو نیک راہ بتائیں وہ تو اپنے جیسے انسانی شیطانوں کے پاس آتے ہیں جو پیٹ بھر کر جھوٹ بولنے والے ہوں۔ بدکردار اور گناہگار ہوں۔ ایسے کاہنوں اور بدکرداروں اور جھوٹے لوگوں کے پاس جنات اور شیاطین پہنچتے ہیں کیونکہ وہ بھی جھوٹے اور بداعمال ہیں۔ اچٹتی ہوئی کوئی ایک آدھ بات سنی سنائی پہنچاتے ہیں اور وہ ایک جو آسمان سے چھپے چھپائے سن لی تو سو جھوٹ اس میں ملا کر کاہنوں کے کان میں ڈال دی۔ انہوں نے اپنی طرف سے پھر بہت سی باتیں شامل کر کے لوگوں میں ڈینگیں مار دیں۔ اب ایک آدھ بات تو سچی نکلی لیکن لوگوں نے ان کی اور سو جھوٹی باتیں بھی سچی مان لیں اور تباہ ہوئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ لوگوں نے کاہنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ کوئی چیز نہیں ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور کبھی کبھی تو ان کی کوئی بات کھری بھی نکل آتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ وہی بات ہوتی ہے جو جنات

آسمان سے اڑا لاتے ہیں اور ان کے کان میں کہہ کر جاتے ہیں پھر اسکے ساتھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمان پر کرتا ہے تو فرشتے باادب اپنے پر جھکا دیتے ہیں۔ ایسی آواز آتی ہے جیسے کسی چٹان پر زنجیر بجائی جاتی ہو جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور ہوتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ رب کا کیا حکم صادر ہوا ہے؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ رب نے یہ فرمایا اور وہ عالی شان اور بہت بڑی کبرائی والا ہے۔ کبھی کبھی امر الٰہی سے چوری چھپے سننے والے کسی جن کے کان میں بھنک پڑ جاتی ہے۔

جو اس طرح ایک پر ایک پر ہو کر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت سفیان نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر اس پر دوسرا ہاتھ اس طرح رکھ کر انہیں ہلا کر بتایا کہ اس طرح اب اوپر والا نیچے والے کو اور وہ اپنے سے نیچے والے کو وہ بات بتلا دیتا ہے یہاں تک کہ جادوگر اور کاہن کو وہ پہنچا دیتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات پہنچاتے اس سے پہلے شعلہ پہنچ جاتا ہے اور کبھی اس کے پہلے ہی وہ پہنچا دیتے ہیں اس میں کاہن و جادوگر اپنے سو جھوٹ شامل کر کے مشہور کرتا ہے چونکہ وہ ایک بات سچی نکلتی ہے لوگ سب باتوں کو ہی سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ ؕ
وہ سنی ہوئی بات لا ڈالتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں۔ اور شاعروں کی پیروی بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔

گمراہ کن شاعری کی مذمت کا بیان

"يُلْقُونَ" الشَّيَاطِين "السَّمْع" مَا سَمِعُوهُ مِنْ الْمَلَائِكَة إلَى الْكَهَنَة "وَأَكْثَرهمْ كَاذِبُونَ" يَضُمُّونَ إلَى الْمَسْمُوع كَذِبًا كَثِيرًا وَكَانَ هَذَا قَبْل أَنْ حُجِبَتْ الشَّيَاطِين عَنْ السَّمَاء

"وَالشُّعَرَاء يَتَّبِعهُمْ الْغَاوُونَ" فِي شِعْرهمْ فَيَقُولُونَ بِهِ وَيَرْوُونَهُ عَنْهُمْ فَهُمْ مَذْمُومُونَ

وہ شیاطین سنی ہوئی بات لا ڈالتے ہیں یعنی جس بات کو فرشتوں سے سن لیتے ہیں وہ کاہنوں کو بتا دیتے ہیں۔ اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں۔ کیونکہ وہ سنی ہوئی باتوں میں ملاوٹ کر دیتے ہیں۔ اور یہ بیان واقعہ شیاطین کے آسمانوں پر چڑھنے سے روک دیئے جانے سے پہلے کا ہے۔ اور شاعروں کی پیروی ان کے شعروں میں بہکے ہوئے لوگ ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں اور نقل کر دیتے ہیں اور پس وہ اسی معاملہ میں برے ہیں۔

سورہ شعراء آیت ۲۲۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت شعراءِ کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں اور ان کی قوم کے گمراہ لوگ ان سے ان اشعار کو نقل کرتے تھے۔ ان لوگوں کی آیت میں مذمت فرمائی گئی۔

شیطانی شاعری کی مذمت و برائی کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کے دوران عرج میں تھے کہ اچانک ایک شاعر سامنے سے نمودار ہوا جو اشعار پڑھنے میں مشغول تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس شیطان کو پکڑلو یا یہ فرمایا کہ اس شیطان کو جانے دو یعنی اس کو شعر پڑھنے سے روک دیا، یاد رکھو! انسان کا اپنے پیٹ کو پیپ سے بھرنا اس میں اشعار بھرنے سے بہتر ہے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 745)

عرج، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان راستہ میں پڑنے والی ایک گھاٹی کا نام ہے جہاں ایک چھوٹی سی بستی بھی ہے اس راستے پر چلنے والے قافلے یہاں منزل کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سفر ہجرت اور حجۃ الوداع میں اس جگہ سے گزرے تھے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حجۃ الوداع کے سفر کے دوران کا ہے۔ بہرحال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ شعر پڑھنے میں بری طرح مشغول ہے یہاں تک کہ اس کو وہاں موجود مسلمانوں کی طرف بھی کوئی التفات نہیں ہے بلکہ ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں سے صرف نظر کئے ہوئے بے محابا چلا جارہا ہے۔ اور اس کو شوق شعر و شاعری نے اس درجہ بے باک بنادیا ہے کہ وہ انسانی اور اخلاقی تقاضوں اور آداب زندگی کو فراموش کر بیٹھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے رگ و پے میں صرف شعر و شاعری ہی سرایت کئے ہوئے اور وہ پرلے درجے کا بے حیاء و بے ادب بن گیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شیطان فرمایا جس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ شخص رحمت الٰہی اور قرب الٰہی سے بعد اختیار کئے ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس سے صورت حال کا صدور محض اس لئے ہوا کہ وہ اپنی شعر و شاعری کے غرور نخوت میں مبتلا تھا اس لئے آپ نے شعر کی مذمت کی۔

گمراکن شاعری اور شیطانی وسواس کا بیان

کافر شاعروں کی اتباع گمراہ لوگ کرتے یں۔ عرب کے شاعروں کا دستور تھا کسی کی مذمت اور ہجو میں کچھ کہہ ڈالتے تھے لوگوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہوجاتی تھی اور اسکی ہاں میں ہاں ملانے لگتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کیساتھ عرج میں جارہے تھے راستے میں ایک شاعر شعر خوانی کرتے ہوئے ملا۔ آپ نے فرمایا اس شیطان کو پکڑلو یا فرمایا روکو۔ تم میں سے کوئی شخص خون اور پیپ سے اپنا پیٹ بھرلے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے اپنا پیٹ بھرے۔ انہیں ہر جنگل کی ٹھوکریں کھاتے کسی نے نہیں دیکھا؟ ہر لغو میں یہ گھس جاتے ہیں۔ کلام کے ہر فن میں بولتے ہیں۔ کبھی کسی کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ کبھی کسی کی مذمت میں آسمان و زمین سر پر اٹھاتے ہیں جھوٹی خوشامد جھوٹی برائیاں گھڑی ہوئی بدیاں ان کے حصے میں آئی ہیں۔ یہ زبان کے بھانڈ ہوتے ہیں لیکن کام کے کاہل ایک انصاری اور ایک دوسری قوم کے شخص نے ہجو کا مقابلہ کیا جس میں دنوں کے قوم کے بڑے بڑے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ پس اس آیت میں یہی ہے کہ ان کا ساتھ دینے والے گمراہ لوگ ہیں۔ وہ وہ باتیں بکا کرتے ہیں جنہیں کسی نے کبھی کیا نہ ہو۔ اسی لئے علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اگر

کسی شاعر نے اپنے شعر میں کسی ایسے گناہ کا اقرار کیا ہو جس پر حد شرع واجب ہوتی ہو تو آیا وہ حد اس پر جاری کی جائے گی یا نہیں؟ دونوں طرف علماء گئے۔ واقعی وہ فخر و غرور کے ساتھ ایسی باتیں بک دیتے ہیں کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا حالانکہ نہ کچھ کیا ہو اور نہ ہی کر سکتے ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ○ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ○
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

تخیلات کی وادیوں میں حیران پھرنے والے شعراء کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ" مِنْ اَوْدِيَةِ الْكَلَام وَفُنُونه "يَهِيمُونَ" يَمْضُونَ فَيُجَاوِزُونَ الْحَدّ مَدْحًا وَهِجَاء "وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ" فَعَلْنَا "مَا لَا يَفْعَلُونَ" يَكْذِبُونَ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ یعنی یہی لوگ کلام اور اس فنون کی وادیوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ تضمین ملاتے ہیں اور تعریف وہجو میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور یہ کہ بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ یعنی وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حضرت نعمان بن عدی بن فضلہ کو بصرے کے شہر بیسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ کیا حسینوں کو یہ اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب بیسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں میں دور شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں نے گانے اور ان کے رقص و سرور مہیا ہیں ہاں اگر میرے کسی دوست سے ہو سکے تو اس بڑے اور بھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ اللہ کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار سچ مچ حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ گئے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا۔ اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ کے بعد حم کی تین آیتیں (الیہ المصیر) تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار سے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کیا کہ امیر المومنین واللہ نہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ وگانا بجانا دیکھا، نہ سنا۔ یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی۔ آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دو۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شعروں میں کسی جرم کے اعلان پر اگر چہ وہ قابل حد ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی اس لئے کہ وہ جو کہتے ہیں سو کرتے نہیں ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو لہو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بدتر ہے۔ مطلب یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نہ تو شاعر ہیں، نہ ساحر، نہ کاہن، نہ مفتری ہیں۔ آپ کا ظاہر حال ہی آپ کے ان عیوب سے براءت کا بہت بڑا عادل گواہ ہے جیسے فرمان ہے کہ تو ہم نے انہیں شعر گوئی سکھائی ہے نہ اس کے لائق ہے یہ تو صرف نصیحت اور قرآن مبین ہے۔ اور آیت میں ہے یہ رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا نہیں تم میں ایمان کی کمی ہے یہ کسی کاہن کا قول نہیں۔ تم میں نصیحت ماننے کا مادہ کم ہے یہ تو رب العلمین کی اتاری ہوئی کتاب ہے اس سورت میں بھی یہی فرمایا گیا کہ یہ رب العلمین کی طرف سے اتری ہے۔ روح الامین نے تیرے دل پر نازل فرمائی ہے عربی زبان میں ہے اس لیے کہ تو لوگوں کو آگاہ کر دے اسے شیاطین لے کر نہیں آئے نہ یہ ان کے لائق ہے نہ ان کی بس کی بات ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی الگ کر دیئے گئے ہیں۔ جو جھوٹے مفتری اور بدکردار ہوتے ہیں ان کے پاس شیاطین آتے ہیں جو اچٹتی باتیں سن سنا کر ان کے کانوں میں آکر ڈال جاتے ہیں۔ محض جھوٹ بولنے والے یہ خود ہوتے ہیں شاعروں کی پشت پناہی اوباشوں کا کام ہے وہ تو ہر وادی میں سرگرداں ہوتے ہیں زبانی باتیں بناتیں ہیں عمل سے کورے رہتے ہیں اس کے بعد جو فرمان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا
مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝
سوائے ان (شعراء) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے
کے بعد انتقام لیا، اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا عنقریب جان لیں گے کہ وہ کونسی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں۔

ایمان وصالح عمل والے اہل ایمان کی شاعری کا وعید سے مستثنیٰ ہونے کا بیان

"إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" "مِنْ الشُّعَرَاء" "وَذَكَرُوا اللَّه كَثِيرًا" "لَمْ يَشْغَلهُمْ الشِّعْر عَنْ الذِّكْر" "وَانْتَصَرُوا" بِهَجْوِهِمْ الْكُفَّار "مِنْ بَعْد مَا ظُلِمُوا" بِهَجْوِ الْكُفَّار لَهُمْ فِي جُمْلَة الْمُؤْمِنِينَ فَلَيْسُوا مَذْمُومِينَ قَالَ اللَّه تَعَالَى: "لَا يُحِبّ اللَّه الْجَهْر بِالسُّوءِ مِنْ الْقَوْل إِلَّا مَنْ ظُلِمَ" وَقَالَ تَعَالَى: "فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ" "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا" مِنْ الشُّعَرَاء وَغَيْرهمْ "أَيّ مُنْقَلَب" مَرْجِع "يَنْقَلِبُونَ" يَرْجِعُونَ بَعْد الْمَوْت،

سوائے ان شعراء کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہے۔ یعنی شاعری نے ان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کیا۔ (یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدح خواں بن گئے) اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد ظالموں سے بزبان شعر کفار کی ہجو کر کے انتقام لیا اور ان کفار کا جملہ اہل ایمان کی ہجو کرنے کے سبب ان سے انتقام لینے والے مؤمنین کیلئے یہ بات کوئی قابل ندامت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ وہ برائی کے ساتھ بلند آواز کو پسند نہیں کرتا ہاں البتہ جس پر ظلم کیا گیا اس کو اجازت ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اسی مثل پر زیادتی کر سکتے

ہو۔اور وہ لوگ جنہوں نے شاعری وغیرہ سے ظلم کیا عنقریب جان لیں گے کہ وہ مرنے کے بعد کونسی پلٹنے کی جگہ پلٹ کر جاتے ہیں۔

سورہ شعراء آیت ۲۲۷ کے سبب نزول کا بیان

جب اللہ نے قرآن کریم کی یہ آیت (وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ) 26 ۔ الشعراء:224)، نازل فرمائی اور اس کے ذریعہ شعر وشاعری کی برائی اور اپنے احوال کے ذریعہ ان پر ظاہر فرمایا کہ شعر وشاعری بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ اس میں برائی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کو غیر شرعی باتوں اور نامناسب مضامین کے اظہار کا ذریعہ بنایا جائے اور چونکہ عام طور پر شعراء فکر وخیال کی گمراہی اور زبان کلام کی بے اعتدالیوں کا شکار ہوتے ہیں اس لئے اللہ نے اس کی مذمت میں مذکورہ آیت نازل فرمائی ورنہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کوئی شخص اپنے اشعار کو حق وصداقت کے اظہار باطل وناحق کی تردید کا ذریعہ بنائے تو اس کی شعر وشاعری اس آیت کا محمول نہیں ہوگی بلکہ جو شعراء اپنے اشعار کے ذریعہ اللہ اور اللہ کے رسول کی خاطر کفار کا شعری مقابلہ کرتے ہیں اور ان کی ہجو کا جواب ہجو دے کر گویا دین اسلام کی تائید کرتے ہیں وہ دراصل جہاد کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا تمہیں یہ اطمینان رکھنا چاہیے کہ نہ تمہارے اشعار اس آیت کی روشنی میں قابل مذمت ہیں اور نہ تم ان شعراء میں داخل ہو جن کی برائی ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی گئی ہے کیونکہ خود اللہ نے تم جیسے شعراء کو اپنے اس قول کے ذریعہ مذکورہ آیت کے حکم سے باہر رکھا ہے کہ۔آیت (إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا،

اسکا شان نزول یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت جس میں شاعروں کی مذمت ہے جب اتری تو دربار رسول کے شعراء حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم روتے ہوئے دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعروں کی تو یہ گت بنی اور ہم بھی شاعر ہیں اسی وقت آپ نے یہ دوسری آیت تلاوت فرمائی کہ ایمان لانے والے اور نیک عمل کرنے والے تم ہو ذکر اللہ بکثرت کرنے والے تم ہو مظلوم ہو کر بدلہ لینے والے تم ہو پس تم ان سے مستثنیٰ ہو۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شعراء، بیروت)

صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ابوسفیان صخر بن حرب جب مسلمان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا مجھے تین چیزیں عطا فرمایئے ایک تو یہ کہ میرے لڑکے معاویہ کو اپنا کاتب بنا لیجیے۔دوسرے مجھے کافروں سے جہاد کے لئے بھیجئے اور میرے ساتھ کوئی لشکر دیجیے تاکہ جس طرح کفر میں مسلمانوں سے لڑا کرتا تھا اب اسلام میں کافروں کی خبر لوں۔آپ نے دونوں باتیں قبول فرمائیں ایک تیسری درخواست بھی کی جو قبول کی گئی۔پس ایسے لوگ اس آیت کے حکم سے اس دوسری آیت سے الگ کر لئے گئے۔ذکر اللہ خواہ وہ اپنے شعروں میں بکثرت کریں خواہ اور طرح اپنے کلام میں یقیناً وہ اگلے گناہوں کا بدلہ اور کفارہ ہے۔ اپنی مظلومی کا بدلہ لیتے ہیں۔یعنی کافروں کی ہجو کا جواب دیتے ہیں۔خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا تھا ان کفار کی ہجو کرو جبرائیل تمہارے ساتھ ہیں۔

حضرت کعب بن مالک شاعر نے جب شعراء کی برائی قرآن میں سنی تو حضور سے عرض کیا آپ نے فرمایا تم ان میں نہیں ہو

مومن تو جس طرح اپنی جان سے جہاد کرتا ہے اپنی زبان سے بھی جہاد کرتا ہے۔ واللہ تم لوگوں کے اشعار تو انہیں مجاہدین کے تیروں کی طرح چھید ڈالتے ہیں۔ پھر فرمایا ظالموں کو اپنا انجام ابھی معلوم ہو جائے گا۔ انہیں عذر معذرت بھی کچھ کام نہ آئیگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ظالم سے بچو اس سے میدان قیامت میں اندھیروں میں رہ جاؤ گے۔ آیت عام ہے خواہ شاعر ہوں خواہ شاعر نہ ہوں سب شامل ہیں۔ حضرت حسن نے ایک نصرانی کے جنازے کو جاتے ہوئے دیکھ کر یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ آپ جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ روم میں جب حضرت فضالہ بن عبید تشریف لے گئے اس وقت ایک صاحب نماز پڑھ رہے تھے جب انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا اس سے مراد بیت اللہ کی بربادی کرنے والے ہیں کہا گیا کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں، یہ بھی مروی ہے کہ مراد مشرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت عام ہے سب پر مشتمل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت اپنی وصیت صرف دو سطروں میں لکھی۔

جو یہ تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ ہے وصیت ابوبکر بن ابی قحافہ کی۔ اس وقت کی جب کہ وہ دنیا چھوڑ رہے تھے۔ جس وقت کافر بھی مومن ہو جاتا، فاجر بھی توبہ کر لیتا تب کاذب کو بھی سچا سمجھتا ہے میں تم پر اپنا خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنا جا رہا ہوں۔ اگر وہ عدل کرے تو بہت اچھا اور میرا گمان بھی ان کے ساتھ یہی ہے اور اگر وہ ظلم کرے اور کوئی تبدیلی کر دے تو میں غیب نہیں جانتا۔ ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس لوٹنے کی جگہ وہ لوٹتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شعراء، بیروت)

سورہ الشعراء کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الشعراء کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَةُ النَّمْلِ

یہ قرآن مجید کی سورت نمل ھے

سورت نمل کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ النَّمْلِ (مَكِّيَّة وَ آيَاتهَا 93 أو 94 أو 95 آية نَزَلَتْ بَعْد سُوْرَةِ الشُّعَرَاء)

سورہ نمل مکی ہے اس میں سات رکوع اور ترانوے آیات اور ایک ہزار تین سوسترہ کلمات اور چار ہزار سات سو ننانوے حروف ہیں۔ یہ سورت شعراء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ نمل کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشاہدہ نمل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے تین میل کے فاصلہ سے چیونٹی کا اپنے چیونٹیوں سے خطاب کرتے ہوئے اس کی بات کو سن لیا۔ تو اسی واقعہ کی مناسبت سے اس سورت کو سورہ نمل کہا جاتا ہے۔

چیونٹی کو مارنے کے بارے میں حکم کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے جو) انبیاء (پہلے گزر چکے ہیں ان میں سے کسی نبی (کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، انہوں نے چیونٹیوں کے بل کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو جلا دیا جائے، چنانچہ بل کو جلا دیا گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی کہ تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تم نے جماعتوں میں سے ایک جماعت کو جلا ڈالا جو تسبیح میں مشغول رہتی تھی۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 60)

چنانچہ بل کو جلا دیا گیا" کے بارے میں بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی نے اس درخت کو جلانے کا حکم دیا تھا جس میں چیونٹیوں کا بل تھا، چنانچہ اس درخت کو جلا ڈالا گیا۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان نبی علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا تھا کہ (پروردگار! تو کسی آبادی کو اس کے باشندوں کے گناہوں کے سبب عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہ پوری آبادی تہس نہس ہو جاتی ہے، درآنحالیکہ اس آبادی میں مطیع وفرمانبردار لوگوں کی بھی کچھ تعداد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرلیا کہ ان کی عبرت کے لئے کوئی مثال پیش ہونی چاہئے۔ چنانچہ ان نبی علیہ السلام پر سخت ترین گرمی مسلط کر دی گئی، یہاں تک کہ وہ اس گرمی سے نجات پانے کے لئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے چلے گئے، وہاں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور وہ سو رہے تھے تو

ایک چیونٹی نے ان کو کاٹ لیا، انہوں نے حکم دیا کہ ساری چیونٹیوں کو جلا دیا جائے، کیونکہ ان کے لئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ اس خاص چیونٹی کو پہچان کر جلواتے جس نے ان کو کاٹا تھا یا یہ کہ ان کے نزدیک ساری چیونٹیاں موذی تھیں اور موذی کی پوری جنس کو مار ڈالنا جائز ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ قریۂ نمل " سے چیونٹیوں کا بل مراد ہے۔ " اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی الخ " یہ گویا ان نبی پر حق تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ نبی علیہ السلام کی شریعت میں چیونٹیوں کو مار ڈالنا یا جلا ڈالنا جائز تھا اور عتاب اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے ایک چیونٹی سے زیادہ کو جلایا۔ لیکن واضح رہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی بھی حیوان و جانور کو جلانا جائز نہیں ہے اگرچہ جوئیں اور کھٹل وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں، نیز موذی جانوروں کے علاوہ دوسرے جانوروں کو مار ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی جاندار کو مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ وہ ایذاء پہنچانے والا ہو۔ مطالب المؤمنین میں محمد بن مسلم سے چیونٹی کا مار ڈالنے کے بارے میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ اگر چیونٹی نے تمہیں ایذاء پہنچائی ہے تو اس کو مار ڈالو اور اگر اس نے کوئی ایذاء نہیں پہنچائی ہے تو مت مارو، چنانچہ فقہاء نے کہا ہے کہ ہم اسی قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اسی طرح چیونٹی کو پانی میں ڈالنا بھی مکروہ ہے۔ نیز کسی ایک چیونٹی کو (جس نے ایذاء پہنچائی ہو) مار ڈالنے کے لئے ساری چیونٹیوں کے بل کو نہ جلایا جائے اور نہ تباہ کیا جائے۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
طا،سین (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ قرآن اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔
ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے۔

قرآن کی تصدیق کرنے والوں کیلئے جنت ہونے کا بیان

"طس" اللّٰهُ أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ "تِلْكَ" هٰذِهِ الْآيَات "آيَات الْقُرْآن" آيَات مِنْهُ "وَكِتَاب مُبِين" مُظْهِر لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِل عَطْف بِزِيَادَةِ صِفَةٍ هُوَ "هُدًى" هَادٍ مِنَ الضَّلَالَة "وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ" الْمُصَدِّقِينَ بِهِ بِالْجَنَّةِ

طا،سین (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)، یہ قرآن یعنی قرآن کی آیات اور روشن کتاب کی آیات ہیں۔ جو باطل سے حق کو ظاہر کر دینے والی ہیں۔ صفت کی زیادتی کے ساتھ قرآن پر عطف ہے۔ جو گمراہی سے ہدایت ہے اور ایسے ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ یعنی اس کی تصدیق کرنے والوں کیلئے جنت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی کلام اللہ کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے۔ (مسلم، مشکوۃ، حدیث نمبر 627)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے بایں طور کہ دنیا میں تو اسے عزت و وقار کی زندگی عطا فرماتا ہے اور عقبیٰ میں ان لوگوں کے ساتھ رکھتا ہے جن پر اس نے اپنا انعام کیا ہے اس طرح جو شخص نہ قرآن پڑھتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے اس کا درجہ پست کر دیتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○
وہ جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین بھی وہی رکھتے ہیں۔

نماز وزکوٰۃ اور عقیدہ آخرت کا بیان

"الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاة " يَأْتُونَ بِهَا عَلَى وَجْههَا "وَيُؤْتُونَ" يُعْطُونَ "الزَّكَاة وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ" يَعْلَمُونَهَا بِالِاسْتِدْلَالِ وَأُعِيدهُمْ لَمَّا فَصَلَ بَيْنه وَبَيْن الْخَبَر

وہ جو نماز قائم کرتے یعنی اس کے ارکانوں کے ساتھ اس کو ادا کرتے ہیں۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین بھی وہی رکھتے ہیں۔ یہاں پر لفظ ھم یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر یوقنون کے درمیان فصل کرنے کیلئے ھم کو دوبارہ لایا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول اس بات کا دل سے اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوم پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، سوم زکوۃ دینا، چہارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 3)

اسلام" کی تشبیہ "عمارت" سے دی جاسکتی ہے کہ جس طرح کوئی بلند بالا اور خوشنما عمارت اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کے نیچے بنیادی ستون نہ ہوں، اسی طرح اسلام کے بھی پانچ بنیادی ستون ہیں جن کے بغیر کوئی آدمی اپنے اسلام کو وجود و بقا نہیں دے سکتا، ان ہی پانچ ستونوں کو اس حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور وہ ہیں: عقیدہ توحید و رسالت، نماز، زکوۃ، حج اور روزہ۔ جو آدمی خود کو مومن و مسلمان بنانا اور قائم رکھنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی اعتقادی و فکری اور عملی و اخلاقی زندگی کی اساس ان پانچوں ستونوں کو قرار دے۔ پھر جس طرح کسی عمارت کی شان و شوکت اور دیدہ زیبی و خوشنمائی در و دیوار کے نقش و نگار اور طاق و محراب کی آرائش و زیبائش پر منحصر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کے حسن و کمال کا انحصار بھی ان اعمال پر ہے جن کو واجبات و مستحبات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں چونکہ اسلام کی بنیادی چیزوں کا ذکر مقصود تھا اس لئے اس موقع پر ان واجبات و مستحبات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ○
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ○

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے ہیں، پس وہ حیران پھرتے ہیں

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور یہی لوگ آخرت میں زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

کفار کیلئے دنیا میں برے کاموں کے مزین ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ " الْقَبِيحَة بِتَرْكِيبِ الشَّهْوَة حَتَّى رَأَوْهَا حَسَنَة "فَهُمْ يَعْمَهُونَ" يَتَحَيَّرُونَ فِيهَا لِقُبْحِهَا عِنْدنَا،

"أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوء الْعَذَاب" أَشَدّه فِي الدُّنْيَا الْقَتْل وَالْأَسْر "وَهُمْ فِي الْآخِرَة هُمْ الْأَخْسَرُونَ" لِمَصِيرِهِمْ إلَى النَّار الْمُؤَبَّدَة عَلَيْهِمْ،

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے ہیں، یعنی خواہش نفس کے سبب وہ برے کاموں کا اچھا سمجھتے ہیں۔ پس وہ حیران پھرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے نزدیک برے کام ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے دنیا میں برا عذاب ہے جو قتل و قید ہے۔ اور یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا جو ان کا دائمی ٹھکانہ ہے۔

مردار دنیا کا کفار کیلئے مزین ہونے کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے دونوں طرف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا اسے مرا ہوا دیکھا آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2917)

وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ○

اور بیشک آپ کو قرآن بڑے حکمت والے، علم والے کی طرف سے سکھایا جا رہا ہے۔

قرآن اور علوم قرآن کا نبی کریم ﷺ کو دیئے جانے کا بیان

"وَإِنَّك" خِطَاب لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَتُلَقَّى الْقُرْآن" يُلْقَى عَلَيْك بِشِدَّةٍ "مِنْ لَدُنْ" مِنْ عِنْد "حَكِيم عَلِيم" فِي ذَلِكَ

اور بیشک آپ یعنی نبی کریم ﷺ کو یہ قرآن بڑے حکمت والے، علم والے رب کی طرف سے سکھایا جارہا ہے۔ یعنی مشقت کے ساتھ آپ کو یہ قرآن دیا جارہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ہدایت وشریعت کی مثال کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین وشریعت) اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں بغیر کسی غرض کے ڈرسنانے والا ہوں، للہٰذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پالی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا صبح کو لشکر نے آکر ان کو پکڑلیا اور ہلاک کرڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کردیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس آدمی کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی اور اس آدمی کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین وشریعت میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 145)

ننگا ڈرانے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا تا کہ لوگ خبردار ہو جائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کرسکیں۔ اسی کو ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب المثل بن گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مثال بالکل صحیح وصادق تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانبردار اور اطاعت گزار کو جنت اور رضاء مولیٰ کی خوشخبری اور نافرمانبردار وسرکش جماعت کو اللہ کے عذاب وغضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○
جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، عنقریب میں تمہارے پاس
اس میں سے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہیں کوئی چمکتا ہوا انگارا لا دیتا ہوں تا کہ تم تپ اٹھو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کیلئے جانے کا بیان

اُذْكُر "اِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ" زَوْجَته عِنْد مَسِيره مِنْ مَدْيَن إِلَى مِصْر "إِنِّي آنَسْت" أَبْصَرْت مِنْ بَعِيد "نَارًا سَآتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ" عَنْ حَال الطَّرِيق وَكَانَ قَدْ ضَلَّهَا "أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَس" بِالْإِضَافَةِ لِلْبَيَانِ وَتَرْكهَا أَيْ شُعْلَة نَار فِي رَأْس فَتِيلَة أَوْ عُود "لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ" وَالطَّاء بَدَل مِنْ تَاء

الافتعال مِنْ صَلِیَ بِالنَّارِ بِکَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا : تَسْتَدْفِئُونَ مِنَ الْبَرْدِ

وہ واقعہ یاد کریں جب موسیٰ (علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے فرمایا جب وہ مدین سے مصر کے جانب جا رہے تھے کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے یعنی میں نے دور سے آگ دیکھی ہے۔عنقریب میں تمہارے پاس اس میں سے کوئی خبر لاتا ہوں جو راستے سے متعلق ہو کیونکہ راستہ ان سے دور ہو گیا تھا۔یا تمہیں بھی اس میں سے کوئی چمکتا ہوا انگارا لا دیتا ہوں۔یہاں پر شہاب قبس یہ اضافت بیانیہ اور عدم اضافت کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی رسی یا لکڑی کے سرے پر آگ لگا کر لے آؤں۔تا کہ تم بھی اس کی حرارت سے تپ اٹھو۔لفظ تصطلون میں تائے افتعال کو طاء سے بدلہ ہوا ہے۔جو صلی بالنار لام کے کسرہ اور فتحہ سے مشتق ہے تا کہ تم سردی سے بچاؤ کر سکو۔

سبز درخت میں آگ نظر آنے کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد دلا رہا ہے کہ اللہ نے انہیں کس طرح بزرگ بنایا اور ان سے کلام کیا اور انہیں زبردست معجزے عطا فرمائے اور فرعون اور فرعونیوں کے پاس اپنا رسول بنا کر بھیجا لیکن کفار نے آپ کا انکار کیا اپنے کفر وتکبر سے نہ ہٹے آپ کی اتباع اور پیروی نہ کی۔فرماتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی اہل کو لے کر چلے اور راستہ بھول گئے رات آ گئی اور وہ بھی سخت اندھیرے والی۔تو آپ نے دیکھا کہ ایک جانب سے آگ کا شعلہ سا دکھائی دیتا ہے آپ نے اپنی اہل سے فرمایا کہ تم تو یہیں ٹھہرو۔میں اس روشنی کے پاس جاتا ہوں کیا عجب کہ وہاں سے جو ہو اس سے راستہ معلوم ہو جائے یا میں وہاں کچھ آگ لے آؤں کہ تم اسے ذرا سینک تاپ کر لو۔ایسا ہی ہوا کہ آپ وہاں سے ایک بڑی خبر لائے اور بہت بڑا نور حاصل کیا فرماتا ہے کہ جب وہاں پہنچے اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے دیکھتے ہیں کہ سرسبز درخت ہے اس پر آگ لپٹی رہی شعلے تیز ہو رہے ہیں اور درخت کی سرسبزی اور بڑھ رہی ہے۔اونچی نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔فی الواقع وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا اور نور بھی وحدہ لاشریک کا۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ
وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ یٰمُوْسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ○
پھر جب وہ اس کے پاس آ پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے،
اور اللہ پاک ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔اے موسیٰ! بیشک وہ میں ہی اللہ ہوں جو نہایت غالب حکمت والا ہے۔

آگ سے آنے والی آواز کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ" أَيْ بِأَنْ "بُورِكَ" أَيْ بَارَكَ اللّٰه "مَنْ فِي النَّار" أَيْ مُوسَى "وَمَنْ حَوْلهَا" أَيْ الْمَلَائِكَة أَوْ الْعَكْس وَبَارَكَ يَتَعَدَّى بِنَفْسِهِ وَبِالْحَرْفِ وَيُقَدَّر بَعْد فِي مَكَان "وَسُبْحَان اللّٰه رَبّ

الْعَالَمِينَ" مِنْ جُمْلَةِ مَا نُودِيَ وَمَعْنَاهُ تَنْزِيه اللّٰه مِنَ السُّوءِ "يَا مُوسَى إِنَّهُ" أَيْ الشَّأْن

پھر جب وہ اس کے پاس آ پہنچے تو آواز دی گئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ میں ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور وہ بھی جو اس کے آس پاس فرشتے یا اس کا عکس ہے، یہاں پر لفظ بارک یہ متعدی بہ نفسہ ہے یا متعدی بہ حرف ہے اور فی کے ظرف مکان مقدر ہے اور اللہ (ہر قسم کے جسم ومثال سے) پاک ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ یعنی وہ تمام جملے جو بیان کیے گئے ہیں جس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات بے عیب ہے۔ اے موسیٰ! بیشک وہ (جلوہ فرمانے والا) میں ہی اللہ ہوں جو نہایت غالب حکمت والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ پر تعجب کرنے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہ یکا یک ایک آواز آتی ہے کہ اس نور میں جو کچھ ہے وہ پاکی والا اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سوتا نہیں اور نہ اسے سونا لائق ہے وہ ترازو کو پست کرتا ہے اور اونچی کرتا ہے رات کے کام اس کی طرف دن سے پہلے اور دن کے کام رات سے پہلے چڑھ جاتے ہیں۔ اسکا حجاب نور یا آگ ہے اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلی ہر چیز کو جلا دیں جس پر اسکی نگاہ پہنچ رہی ہے یعنی کل کائنات کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ راوی حدیث نے یہ حدیث بیان فرما کر یہی آیت تلاوت کی۔

یہ الفاظ ابن ابی حاتم کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں۔ اس کی مصنوعات میں سے کوئی چیز کسی کے احاطے میں نہیں۔ وہ بلند و بالا ہے ساری مخلوق سے الگ ہے زمین وآسمان اسے گھیر نہیں سکتے وہ احد وصمد ہے وہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے پھر خبر دی کہ خود اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرما رہا ہے وہی اسی وقت سرگوشیاں کر رہا ہے جو سب پر غالب ہے سب اس کے ماتحت اور زیر حکم ہیں۔ وہ اپنے اقوال وافعال میں حکمت والا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ
يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۖ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
اور اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ سانپ کی مانند تیز حرکت کر رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور
پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ! خوف نہ کرو بیشک پیغمبر میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانے کا بیان

"وَاَلْقِ عَصَاكَ" فَأَلْقَاهَا "فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزّ" تَتَحَرَّك "كَأَنَّهَا جَانّ" حَيَّة خَفِيفَة "وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّب" يَرْجِع "يَا مُوسَى لَا تَخَفْ" مِنْهَا "إِنِّي لَا يَخَاف لَدَيَّ" عِنْدِي "الْمُرْسَلُونَ" مِنْ حَيَّة وَغَيْرهَا،

اور اے موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے لاٹھی کو زمین پر ڈالنے کے بعد اسے دیکھا کہ سانپ کی

مانند تیز حرکت کر رہی ہے گویا وہ زندہ سانپ ہو تو فطری ردِ عمل کے طور پر پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، ارشاد ہوا اے موسیٰ! خوف نہ کرو بیشک پیغمبر میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔ خواہ کوئی سانپ ہو یا اس کے سوا کوئی چیز ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا بیان

اس کے بعد جناب باری عزوجل نے حکم دیا کہ اے موسیٰ اپنی لکڑی کو زمین پر ڈال دو تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد سنتے ہی لکڑی کو زمین پر گرایا۔ اسی وقت وہ ایک پھن اٹھائے پھنکارتا ہوا سانپ بن گئی اور بہت بڑے جسم کا سانپ بڑی ڈراؤنی صورت اس موٹاپے پر تیز تیز چلنے والا۔ ایسا جیتا جاگتا چلتا پھرتا زبردست اژدہا دیکھ کر حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے جان کا لفظ قرآن کریم میں ہے یہ ایک قسم کے سانپ ہیں جو بہت تیزی سے حرکت کرنے والے اور کنڈلی لگانے والے ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جناب موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر رے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے اس آیت میں انسان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے کہ جس نے بھی کوئی برائی کا کام کیا ہو پھر وہ اس پر نادم ہو جائے اس کام کو چھوڑ دے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی 82-20طہ:82) جو بھی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور راہ راست پر چلے میں اس کے گناہوں کو بخشنے والا ہوں اور فرمان ہے آیت (وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۱۱۰) -4النسآء:110) جو شخص کسی برائی کا مرتکب ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔

اس مضمون کی آیتیں کلام الٰہی میں اور بھی بہت ساری ہیں۔ لکڑی کے سانپ بن جانے کے معجزے کے ساتھ ہی کلیم اللہ کو اور معجزہ دیا جاتا ہے کہ آپ جب بھی اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالیں گے تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہو کر نکلے گا یہ دو معجزے ان نو معجزوں میں سے ہے کہ جن سے میں تیری وقتاً فوقتاً تائید کرتا رہونگا۔ تا کہ فاسق فرعون اور اس کی فاسق قوم کے دلوں میں تیری نبوت کا ثبوت جگہ پکڑ جائے یہ نو معجزے وہ تھے جن کا ذکر آیت (وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا، الاسراء:101) میں ہے جس کی پوری تفسیر بھی اس آیت کے تحت میں گزر چکی ہے جب یہ واضح ظاہر صاف اور کھلے معجزے فرعونیوں کو دکھائے گئے تو وہ اپنی ضد میں آ کر کہنے لگے یہ تو جادو ہے لو ہم اپنے جادوگروں کو بلا لیتے ہیں مقابلہ کر لو اس مقابلہ میں اللہ نے حق کو غالب کیا اور سب لوگ زیر ہو گئے مگر پھر بھی نہ مانے۔

گو دلوں میں اس کی حقانیت جم چکی تھی۔لیکن ظاہر مقابلہ سے ہٹے۔صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر حق کو جھٹلاتے رہے اب تو دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کس طرح حیرتناک اور کیسا کچھ عبرت ناک ہوا؟ ایک ہی مرتبہ ایک ہی ساتھ سارے کے سارے دریابرد کر دئیے گئے۔پس اے آخری نبی الزمان ﷺ کے جھٹلانے والو تم اس نبی کو جھٹلا کر مطمئن نہ بیٹھو۔کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اشرف وافضل ہیں ان کی دلیلیں اور معجزے بھی ان کی دلیلوں اور معجزوں سے بڑے ہیں خود آپ کا وجود آپ کے عادات واخلاق اور اگلی کتابوں کی اور اگلے نبیوں کی آپ کی نسبت بشارتیں اور ان سے اللہ کا عہد پیمان یہ سب چیزیں آپ میں ہیں پس تمہیں نہ مان کر نڈر اور بےخوف نہ رہنا چاہئے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ شعراء، بیروت)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○
مگر جس نے ظلم کیا پھر برائی کے بعد نیکی سے بدل دیا تو بیشک میں بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہوں۔

توبہ کے سبب معافی ہو جانے کا بیان

"اِلَّا" لٰكِنْ "مَنْ ظَلَمَ " نَفْسه "ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا " أَتَاهُ "بَعْد سُوء " أَيْ تَابَ "فَـاِنِّي غَفُور رَحِيم" أَقْبَل التَّوْبَة وَأَغْفِر لَهُ،

مگر جس نے اپنی جان پر ظلم کیا پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا یعنی اس نے توبہ کی تو بیشک میں بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہوں۔یعنی میں اس کی توبہ قبول کروں گا اور میں اس کو معاف کر دوں گا۔

حضرت ابوسعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کو ہمیشہ گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسم میں ہیں! پروردگار عزوجل نے فرمایا قسم ہے اپنی عزت اور بزرگی کی اور اپنے مرتبہ کی بلندی کی، میرے بندے جب تک مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی ہمیشہ ان کو بخشتا رہوں گا۔(احمد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 876)

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ○فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ○
اور تم اپنا ہاتھ اپنے گریبان کے اندر ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمکدار نکلے گا، نو نشانیوں میں ہیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس
جاؤ۔بیشک وہ نافرمان قوم ہیں۔پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں واضح اور روشن ہو کر پہنچ گئیں تو وہ کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ ید بیضاء کا بیان

"وَأَدْخِلْ يَدك فِي جَيْبك" طَوْق قَمِيصك "تَخْرُج" خِلَاف لَوْنهَا مِنْ الْأُدْمَة "بَيْضَاء مِنْ غَيْر سُوء " —

بَرَص لَهَا شُعَاع يُغْشِي الْبَصَر آيَة "فِي تِسْع آيَات" مُرْسَلًا بِهَا "فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَتنَا مُبْصِرَة" مُضِيئَة وَاضِحَة "قَالُوا هَذَا سِحْر مُبِين" بَيِّن ظَاهِر،

اورتم اپنا ہاتھ اپنے گریبان یعنی قمیص کے گریبان کے اندر ڈالووہ بغیر کسی عیب کے یعنی اپنی آدمی رنگ کے سفید چمک دار ہوکر نکلے گا، یعنی برص وغیرہ کے بغیر اس میں ایسی شعاع ہوگی جو آنکھوں کو خیرہ کردینے والی ہوگی۔نو نشانیوں میں سے ہیں انہیں لے کر فرعون اوراس کی قوم کے پاس جاؤ۔بیشک وہ نافرمان قوم ہیں۔پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں واضح اورروشن ہوکر پہنچ گئیں تو وہ کہنے لگے کہ یہ کھلا جادو ہے۔

سورہ اعراف میں ان نو معجزوں کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے: (۱) لاٹھی جو اژدھا بن جاتی تھی۔(۲) ہاتھ بغل سے سورج کی طرح چمکتا ہوا نکلتا تھا۔(۳) جادوگروں کو برسرعام شکست دینا۔(۴) موسیٰ علیہ السلام کے پیشگی اعلان کے مطابق سارے ملک میں قحط سالی۔(۵) طوفان۔(۶) ٹڈی دل۔(۷) تمام غلے کے ذخیروں میں سرسریاں اور انسان و حیوان میں جوئیں۔(۸) مینڈکوں کا طوفان۔(۹) پانی کا لہو ہوجانا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۠
اورانہوں نے ظلم اور تکبّر کے طور پر ان کا سراسر انکار کردیا حالانکہ ان کے دل ان کا یقین کرچکے تھے۔
پس آپ دیکھئے کہ فساد بپا کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ظلم وتکبر کے سبب ایمان نہ لانے کا بیان

"وَجَحَدُوا بِهَا" لَمْ يُقِرُّوا "وَ" قَدْ "اسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسهمْ" أَيْ تَيَقَّنُوا أَنَّهَا مِنْ عِنْد اللَّه "ظُلْمًا وَعُلُوًّا" تَكَبُّرًا عَنْ الْإِيمَان بِمَا جَاءَ بِهِ مُوسَى رَاجِع إلَى الْجَحْد "فَانْظُرْ" يَا مُحَمَّد "كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الْمُفْسِدِينَ" الَّتِي عَلِمْتهَا مِنْ إهْلَاكهمْ،

اورانہوں نے ظلم اور تکبّر کے طور پر ان کا سراسر انکار کردیا کیونکہ انہوں نے اقرار نہیں کیا حالانکہ ان کے دل ان نشانیوں کے حق ہونے کا یقین کرچکے تھے۔کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں۔یہاں پر جملہ بما جاء الخ یہ جحد کی طرف لوٹنے والا ہے، پس آپ یعنی یا محمد ﷺ دیکھئے کہ فساد بپا کرنے والوں کا کیسا بُرا انجام ہوا۔یعنی ان کی ہلاکت آپ کے علم میں ہے۔

جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھلا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کررہے تھے، پھر کیا ہوا چندروز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھالیا، کسی کو گوروکفن بھی نصیب نہ ہوا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا کیا، اور دونوں نے کہا کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں
جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے علم کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُد وَسُلَيْمَان " ابْنه "عِلْمًا" بِالْقَضَاءِ بَيْن النَّاس وَمَنْطِق الطَّيْر وَغَيْر ذَلِكَ "وَقَالَا" شُكْرًا لِلَّهِ "الْحَمْد لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا" بِالنُّبُوَّةِ وَتَسْخِير الْجِنّ وَالْإِنْس وَالشَّيَاطِين

اور بیشک ہم نے داؤد اور ان کے بیٹے سلیمان (علیہما السلام) کو علم عطا کیا، جس سے وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے اور پرندوں وغیرہ کی زبان جانتے تھے۔ اور دونوں نے کہا کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں نبوت اور جن وانس اور شیاطین کو ہمارے لئے مسخر کیا، اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت بخشی ہے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پر خصوصی انعامات کا بیان

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کی خبر دے رہا ہے جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فرمائی تھیں کہ کس طرح دونوں جہان کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا۔ ان نعمتوں کے ساتھ ہی اپنے شکریئے کی بھی توفیق دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ کی نعمتوں پر اس کی شکر گزاری کیا کرتے تھے اور اس کی تعریفیں بیان کرتے رہتے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ نکتہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل نعمت کیا ہوگی۔

بعض جاہلوں نے کہا ہے کہ اس وقت پرند بھی انسانی زبان بولتے تھے۔ یہ محض ان کی بے علمی ہے بھلا سمجھو تو سہی اگر واقعی یہی بات ہوتی تو پھر اس میں حضرت سلیمان کی خصوصیت ہی کیا تھی جسے آپ اس فخر سے بیان فرماتے کہ ہمیں پرندوں کی زبان سکھا دی گئی پھر تو ہر شخص پرند کی بولی سمجھتا اور حضرت سلیمان کی خصوصیت جاتی رہتی۔ یہ محض غلط ہے پرند اور حیوانات ہمیشہ سے ہی ایسے ہی رہے ان کی بولیاں بھی ایسی ہی رہیں۔ یہ خاص اللہ کا فضل تھا کہ حضرت سلیمان ہر چرند پرند کی زبان سمجھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ نعمت بھی حاصل ہوئی تھی۔ کہ ایک بادشاہت میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت نے مہیا کر دی تھیں۔ یہ تھا اللہ کا کھلا احسان آپ پر۔

مسند امام احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کر جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی

دیر بعد ایک بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں حیران ہوگئیں اور دوسروں کو دکھایا۔ آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ کہاں سے آ گئے؟ اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دروازہ روک نہ سکے وہ کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پرواہ نہ کرے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا مرحبا آپ ملک الموت ہیں اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ۝
اور سلیمان (علیہ السلام)، داؤد (علیہ السلام) کے جانشین ہوئے اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی
سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ بیشک یہ واضح فضل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے منطق طیر کا علم ہونے کا بیان

"وَوَرِثَ سُلَيْمَان دَاوُود" النُّبُوَّة وَالْعِلْم دُون بَاقِي أَوْلَاده "وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاس عُلِّمْنَا مَنْطِق الطَّيْر" أَيْ : فَهْم أَصْوَاته "وَأُوتِينَا مِنْ كُلّ شَيْء" تُؤْتَاهُ الْأَنْبِيَاء وَالْمُلُوك "إِنَّ هَذَا" الْمُؤْتَى "لَهُوَ الْفَضْل الْمُبِين" الْبَيِّن الظَّاهِر،

اور حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے نبوت وعلم میں جانشین ہوئے جبکہ باقی اولاد نہیں۔ اور انہوں نے کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے یعنی ان کی آوازوں کو سمجھ لیتے ہیں۔ اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یعنی انبیائے کرام اور بادشاہوں کو عطا کی جاتی ہے۔ بیشک یہ اللہ کا بہت ہی واضح عطا کردہ فضل ہے۔

انبیائے کرام کی وراثت سے مراد وراثت علم ہونے کا بیان

حضرت ابوالدرداء سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و

سلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکمت جنات اور دحوش وطیور تک عام کردی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا۔ ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ نمل، بیروت)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہود یہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال کا بتلاتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر ہوئی ہے۔ حضرت داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک ونبوت کی وراثت ہے۔ اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ انبیاء کی مال کی میراث نہیں بٹتی۔ چنانچہ سید الانبیاء علیہ السلام کا ارشاد ہے ہم جماعت انبیاء ہیں ہمارے ورثے تقسیم نہیں ہوا کرتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہے حضرت سلیمان اللہ کی نعمتیں یاد کرتے فرماتے ہیں یہ پورا ملک اور یہ زبردست طاقت کہ انسان جن پرند سب تابع فرمان ہیں پرندوں کی زبان بھی سمجھ لیتے ہیں یہ خاص اللہ کا فضل وکرم ہے۔ جو کسی انسان پر نہیں ہوا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نمل، بیروت)

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝
اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جمع کیے گئے، جو جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے تھے، پھر وہ الگ الگ تقسیم کیے جاتے تھے۔

جن وانس اور پرندوں کو سفر کیلئے جمع کرنے کا بیان

"وَحُشِرَ" جُمِعَ "لِسُلَيْمَان جُنُوده مِنْ الْجِنّ وَالْإِنْس وَالطَّيْر" فِي مَسِير لَهُ "فَهُمْ يُوزَعُونَ" يَجْمَعُونَ ثُمَّ يُسَاقُونَ

اور سلیمان کے لیے اس کے لشکر جمع کیے گئے، جو جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے تھے، جو سفر میں آپ کے ساتھ ہوں پھر وہ الگ الگ تقسیم کیے جاتے تھے۔

سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا پھر حکم دیا کہ ایک ایک کر کے اپنے سب پروں کو سمیٹ لو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرندوں نے پھر پر کیسے سمیٹے؟ آپ نے فرمایا اپنا ہاتھ سمیٹ کر بتلایا کہ اس طرح۔ اس پر اس دن سرخ رنگ گدھ غالب آ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر جمع ہوا جس میں انسان جن پرند سب تھے۔ آپ سے قریب انسان تھے پھر جن تھے پرند آپ کے سروں پر رہتے تھے۔ گرمیوں میں سایہ کر لیتے تھے۔ سب اپنے اپنے مرتبے پر قائم تھے۔ جس کی جو جگہ مقرر تھی وہ وہیں رہتا۔ جب ان لشکروں کو لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام چلے۔ ایک جنگل پر گذر ہوا جہاں چیونٹیوں کا لشکر تھا۔ لشکر سلیمان کو دیکھ کر ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ جاؤ اپنے اپنے

سوراخوں میں چلی جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر سلیمان چلتا ہوا تمہیں روند ڈالے اور انہیں علم بھی نہ ہو۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل نہ دیں اور وہ شعور نہ رکھتے ہوں۔

ایک چیونٹی کا اپنی چیونٹیوں سے خطاب کرنے کا بیان

"حَتّٰى إِذَا أَتَوْا عَلٰى وَادِی النَّمْل " هُوَ بِالطَّائِفِ أَوْ بِالشَّامِ نَمْلَة صِغَار أَوْ كِبَار "قَالَتْ نَمْلَة " مَلِكَة النَّمْل وَقَدْ رَأَتْ جُنْد سُلَيْمَان "يَا أَيُّهَا النَّمْل اُدْخُلُوا مَسَاكِنكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ " يَكْسِرَنَّكُمْ "سُلَيْمَان وَجُنُوده وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" نَزَّلَ النَّمْل مَنْزِلَة الْعُقَلَاء فِي الْخِطَاب بِخِطَابِهِمْ

یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے۔ وہ طائف تھا یا شام تھا اور نملہ چھوٹی یا بڑی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ تو ایک چیونٹی نے کہا جو چیونٹیوں کی ملکہ تھی۔ کیونکہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ لیا تھا۔ اے چیونٹیو! اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، کہیں سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل نہ دیں یعنی کہیں تمہیں توڑ نہ دیں۔ اور وہ شعور نہ رکھتے ہوں۔ یہاں پر لفظ نمل کو ذوالعقول کے حکم میں لاتے ہوئے خطاب کیا گیا ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں اس چیونٹی کا نام حرس تھا یہ بنوشعبان کے قبیلے سے تھی۔ تھی بھی لنگڑی بقدر بھیڑیئے کے اسے خوف ہوا کہیں سب روندی جائیں گی اور پس جائیں گی یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو تبسم بلکہ ہنسی آ گئی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی ان نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنا الہام کر جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں مثلاً پرندوں اور حیوانوں کی زبان سکھا دینا وغیرہ۔ نیز جو نعمتیں تو نے میرے والدین پر انعام کی ہیں کہ وہ مسلمان مومن ہوئے وغیرہ۔ اور مجھے نیک عمل کرنے کی توفیق دے جن سے تو خوش ہو اور جب میری موت آ جائے تو مجھے اپنے نیک بندوں اور بلند رفقاء میں ملا دے جو تیے دوست ہیں۔

مفسین کا قول ہے کہ یہ وادی شام میں تھی۔ بعض اور جگہ بتاتے ہیں۔ یہ چیونٹی مثل مکھوں کے پردار تھی۔ اور بھی اقوال ہیں نوف بکالی کہتے ہیں یہ بھیڑیئے کے برابر تھی۔ ممکن ہے اصل میں لفظ ذباب ہو یعنی مکھی کے برابر اور کاتب کی غلطی وہ ذیاب لکھ دیا گیا ہو یعنی بھیڑیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے اس کی بات کو بھی سمجھ گئے اور بے اختیار ہنسی آ گئی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام استسقاء کے لئے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی الٹی لیٹی ہوئی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے دعا کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم بھی تیری مخلوق ہیں پانی برسنے کی محتاجی ہمیں بھی ہے۔ اگر پانی نہ برسا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے یہ دعا اس چیونٹی کی سن کر آپ نے لوگوں میں اعلان کیا لوٹ چلو کسی اور ہی کی دعا

سے تم پانی پلائے گئے۔ حضور فرماتے ہیں نبیوں میں سے کسی نبی کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے چیونٹیوں کے سوراخ میں آگ لگانے کا حکم دے دیا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے پیغمبر محض ایک چونٹی کے کاٹنے پر تو نے ایک گروہ کے گروہ کو جو ہماری تسبیح خواں تھا۔ ہلاک کر دیا۔ تجھے بدلہ لینا تھا تو اسی سے لیتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی بات کو سن لینے کا بیان

جب حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور وہاں کی خلق آپ کی گرویدہ ہوئی تو آپ نے لوگوں سے کہا جو چاہو دریافت کرو؟ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت نوجوان تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی مادہ تھی یا نر؟ حضرت قتادہ ساکت ہو گئے تو امام صاحب نے فرمایا کہ وہ مادہ تھی آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا قرآن کریم میں ارشاد ہوا "قَالَتْ نَمْلَةٌ" اگر نر ہوتی تو قرآن شریف میں "قَالَ نَمْلَةٌ" وارد ہوتا (سبحان اللہ اس سے حضرت امام کی شان علم معلوم ہوتی ہے) غرض جب اس چیونٹی کی ملکہ نے حضرت سلیمان کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگی۔ یہ اس نے اس لئے کہا کہ وہ جانتی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں صاحب عدل ہیں جبر اور زیادتی آپ کی شان نہیں ہے اس لئے اگر آپ کے لشکر سے چیونٹیاں کچل جائیں گی تو بے خبری ہی میں کچل جائیں گی کہ وہ گزرتے ہوں اور اس طرف التفات نہ کریں چیونٹی کی یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے سُن لی۔

اور ہوا ہر شخص کا کلام آپ کے سمع مبارک تک پہنچاتی تھی جب آپ چیونٹیوں کی وادی پر پہنچے تو آپ نے اپنے لشکروں کو ٹھہرنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو گئیں سیر حضرت سلیمان علیہ السلام کی اگرچہ ہوا پر تھی مگر بعید نہیں ہے کہ یہ مقام آپ کا جائے نزول ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل، لاہور)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ
وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ٥
تو وہ اس کی بات سے ہنسی کے ساتھ مسکرائے اور عرض کیا: اے پروردگار! مجھے اپنی توفیق سے اس بات پر قائم رکھ کہ میں
تیری اس نعمت کا شکر بجالاتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی ہے اور میں ایسے نیک عمل کرتا رہوں
جن سے تو راضی ہوتا ہے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے خاص قرب والے نیکوکار بندوں میں داخل فرمالے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا چیونٹیوں کی وادیوں میں رک جانے کا بیان

"فَتَبَسَّمَ" سُلَيْمَان ابْتِدَاء "ضَاحِكًا" انْتِهَاء "مِنْ قَوْلهَا" وَقَدْ سَمِعَهُ مِنْ ثَلَاثَة أَمْيَال حَمَلَتْهُ إِلَيْهِ الرِّيح فَحَبَسَ جُنْده حِين أَشْرَفَ عَلَى وَادِيهِمْ حَتَّى دَخَلُوا بُيُوتهمْ وَكَانَ جُنْده رُكْبَانًا وَمُشَاة فِي هَذَا السَّيْر "وَقَالَ رَبّ أَوْزِعْنِي" أَلْهِمْنِي "أَنْ أَشْكُر نِعْمَتك الَّتِي أَنْعَمْت" بِهَا "عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ

أَعْمَل صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِك فِي عِبَادك الصَّالِحِينَ" الْأَنْبِيَاء وَالْأَوْلِيَاء

تو وہ یعنی سلیمان علیہ السلام اس چیونٹی کی بات سے ہنسی کے ساتھ مسکرائے یعنی پہلے تبسم فرمایا پھر آخر میں آپ مسکرا دیئے۔ کیونکہ آپ نے تین میل کے فاصلے سے دور اس چیونٹی کی آواز کو سن لیا تھا جو ہوا نے اس کی آواز کو آپ تک پہنچا دیا تھا۔ تو آپ نے اپنے لشکر کو رکنے کا حکم دیا جب آپ اس وادی میں آئے یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے گھروں میں داخل ہو گئیں۔ اس سفر میں آپ کا لشکر سوار اور پیدل تھا۔ اور عرض کیا: اے پروردگار! مجھے اپنی توفیق سے اس بات پر قائم رکھ یعنی مجھے الہام کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاتا رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی ہے اور میں ایسے نیک عمل کرتا رہوں جن سے تو راضی ہوتا ہے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے خاص قرب والے نیکوکار بندوں یعنی انبیائے کرام اور اولیاء میں داخل فرمالے۔

عمل صالح اور اس کے قبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے بھروسہ پر جنت میں داخل نہیں ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی لیکن مجھے میرے خدا کی رحمت اور فضل گھیرے ہوئے ہے۔ (روح المعانی، سورہ نمل، بیروت)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ○
اور سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا یا وہ غائب ہو گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہدہد کو لشکر سے غائب جاننے کا بیان

"وَتَفَقَّدَ الطَّيْر " لِيَرَى الْهُدْهُد الَّذِي يَرَى الْمَاء تَحْت الْأَرْض وَيَدُلّ عَلَيْهِ بِنَقْرِهِ فِيهَا فَتَسْتَخْرِجهُ الشَّيَاطِين لِاحْتِيَاجِ سُلَيْمَان إلَيْهِ لِلصَّلَاةِ فَلَمْ يَرَهُ "فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُد" أَيْ أَعَرَضَ لِي مَا مَنَعَنِي مِنْ رُؤْيَته ؟ "أَمْ كَانَ مِنْ الْغَائِبِينَ" فَلَمْ أَرَهُ لِغَيْبَتِهِ فَلَمَّا تَحَقَّقَهَا

اور سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تا کہ ہدہد کو دیکھیں کیونکہ وہ زمین کے نیچے پانی کو دیکھ لیتا ہے۔ اور اپنی جونچ زمین پر مار کر اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو نماز کیلئے ضرورت ہوتی تو شیاطین پانی کو نکال لاتے پس جب آپ نے اس کو نہ دیکھا تو کہنے لگے مجھے کیا ہوا ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ پا رہا یعنی کونسی چیز مانع ہوگئی کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا یا وہ واقعی غائب ہو گیا ہے۔ پس میں نے اس کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ غائب ہو چکا ہے۔ پس جب اس کا غائب ہونا ثابت ہو گیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں ہدہد کی ذمہ داری کا بیان

ہدہد فوج سلیمان میں مہندس کا کام کرتا تھا وہ بتلاتا تھا کہ پانی کہاں ہے؟ زمین کے اندر کا پانی اس کو اسطرح نظر آتا تھا جیسے کہ

زمین کے اوپر کی چیز لوگوں کو نظر آتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام جنگل میں ہوتے اس سے دریافت فرماتے کہ پانی کہاں ہے؟ یہ بتا دیتا کہ فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچا ہے اتنا اونچا ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی وقت جنات کو حکم دیتے اور کنواں کھود لیا جاتا پانی کی تلاش کا حکم دیا اتفاق سے وہ موجود نہ تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا آج ہدہد نظر نہیں آتا کیا پرندوں میں کہیں وہ چھپ گیا جو مجھے نظر نہ آیا۔ یا واقع میں وہ حاضر نہیں؟

زمین کے نیچے چیزوں کا مشاہدہ اور ہدہد کا بیان

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ تفسیر سن کر نافع بن ارزق خارجی نے اعتراض کیا تھا یہ بکواسی ہر وقت حضرت عبداللہ کی باتوں پر بیجا اعتراض کیا کرتا تھا کہنے لگا آج تو تم ہار گئے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا آپ جو یہ فرماتے ہو کہ ہدہد زمین کے تلے کا پانی دیکھ لیتا تھا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ایک بچہ جال بچھا کر اسے مٹی سے ڈھک کر دانہ ڈال کر ہدہد کا شکار کر لیتا ہے اگر وہ زمین کے اندر کا پانی دیکھتا ہے تو زمین کے اوپر کا جال اسے کیوں نظر نہیں آتا؟

آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تو یہ سمجھ جائے گا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاجواب ہو گیا تو مجھے جواب کی ضرورت نہ تھی سن جس وقت قضا آجاتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور عقل جاتی رہتی ہے۔ نافع لاجواب ہو گیا اور کہا واللہ اب میں آپ پر اعتراض نہ کروں گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

حضرت عبداللہ برزی اور ان کی آنکھ جانے کے واقعہ کا بیان

حضرت عبداللہ برزی ایک ولی کامل شخص تھے پیر جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے اس کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گذر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے آخر تنگ آکر فرمایا لو سن لو میرے پاس لولو خراسانی برزہ میں (جو دمشق کے پاس ایک شہر ہے) آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں میں انہیں وہاں لے گیا۔ انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی۔ اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہو گئی۔ لیکن بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اسکی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے ہماری سال بھر محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا میں نے ان سے منت سماجت کی بہ مشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا انہوں نے مجھے کہا چل اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلے میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور

ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکالی اور اسے پھینک دیا۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں چھوڑ کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقا وہاں سے ایک قافلہ گذرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کر دیا اور میں چلا آیا یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا۔ (تاریخ ابن عساکر، بیروت)

چار جانوروں کو مارنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان) چار جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا ہے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور کلچڑی۔ (ابوداؤد، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 82)

چیونٹی کو مارنے سے منع کرنے کی مراد یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک نہ مارا جائے جب تک کہ وہ نا کاٹے، اگر وہ کاٹے تو پھر اس کو مارنا جائز ہوگا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جس چیونٹی کو مارنے سے منع فرمایا گیا ہے اس سے وہ بڑی چیونٹی مراد ہے جس کے پیر لمبے لمبے ہوتے ہیں اور اس کو مارنا ممنوع اس لئے ہے کہ اس کے کاٹنے سے ضرر نہیں پہنچتا۔ شہد کی مکھی کو مارنا اس لئے ممنوع ہے کہ اس سے انسان کو بہت زیادہ فوائد پہنچتے ہیں بایں طور کہ شہد اور موم اسی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ "ہدہد" ایک پرندہ ہے جس کو کھٹ بڑھئی کہتے ہیں، صرد" بھی ایک پرندہ ہے جو بڑے سر، بڑی چونچ اور بڑے بڑے پروالا ہوتا ہے، وہ آدھا سیاہ ہوتا ہے اور آدھا سفید اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ شکاری پرندہ ہوتا ہے جو چڑیوں کا شکار کرتا ہے، ان دونوں پرندوں کو مارنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ ان کا گوشت کھانا حرام ہے اور جو جانور و پرندہ کھایا نہ جاتا ہو اس کو مارنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہدہد میں بد بو ہوتی ہے اس لئے وہ جلالہ کے حکم میں ہوگا۔ اہل عرب ہدہد اور صرد کے آوازوں کو منحوس اور بدفالی سمجھتے تھے، اس لئے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مارنے سے منع فرمایا کہ لوگوں کے دلوں سے ان کی نحوست کا اعتقاد نکل جائے

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○
میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا اسے ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس واضح دلیل لائے گا۔

ہدہد کی غیر حاضری پر اس کیلئے سخت سزا کا بیان

قَالَ "لَاُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا" "تَعْذِيبًا" "شَدِيدًا" بِنَتْفِ رِيشه وَذَنَبه وَرَمْيه فِي الشَّمْس فَلَا يَمْتَنِع مِنْ الْهَوَامّ "أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ" بِقَطْعِ حُلْقُومه "أَوْ لَيَأْتِيَنِّي" بِنُونٍ مُشَدَّدَة مَكْسُورَة أَوْ مَفْتُوحَة يَلِيهَا نُون مَكْسُورَة "بِسُلْطَانٍ مُبِين" بِبُرْهَانٍ بَيِّن ظَاهِر عَلَى عُذْره

میں اسے بغیر اجازت غائب ہونے پر ضرور سخت سزا دوں گا یعنی اس کے پروں نوچتے ہوئے دم کو اکھاڑتے ہوئے اس کو دھوپ میں ڈال دوں گا جس کی وجہ سے وہ کیڑے مکوڑوں سے بچ نہیں سکے گا یا اس کا گلہ کاٹ کر ضرور ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس اپنے بے قصور ہونے کی واضح دلیل لائے گا۔ یہاں پر لفظ لیاتینی نون مشددہ مکسورہ یا مفتوحہ جو نون مکسورہ سے ملا ہوا اس کے

ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی ایسی دلیل جو اس کے عذر کو ظاہر کرنے والی ہو۔

حضرت سلیمان کے اس ہدہد کا نام عنبر تھا،آپ فرماتے ہیں اگر فی الواقع وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا اسکے پر نچوا دوں گا اور اس کو پھینک دوں گا کہ کیڑے مکوڑے کھا جائیں یا میں اسے حلال کر دونگا۔یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی کوئی معقول وجہ پیش کر دے۔اتنے میں ہدہد آ گیا جانوروں نے اسے خبر دی کہ آج تیری خیر نہیں۔بادشاہ سلامت عہد کر چکے ہیں کہ وہ تجھے مار ڈالیں گے۔اس نے کہا یہ بیان کرو کہ آپ کے الفاظ کیا تھے؟ انہوں نے بیان کئے تو خوش ہو کر کہنے لگا پھر تو میں بچ جاؤں گا۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں اس کے بچاؤ کی وجہ اس کا اپنی ماں کے ساتھ سلوک تھا۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ٥
پس وہ کچھ دیر ٹھہرا، جو زیادہ نہ تھی، پھر اس نے کہا میں نے اس بات کا احاطہ کیا ہے جس کا احاطہ تو نے نہیں کیا
اور میں تیرے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدہد کا خبر لانے کا بیان

"فَمَكَثَ" بِضَمِّ الْكَاف وَفَتْحهَا "غَيْر بَعِيد" يَسِيرًا مِنْ الزَّمَن وَحَضَرَ لِسُلَيْمَان مُتَوَاضِعًا بِرَفْعِ رَأْسه وَإِرْخَاء ذَنَبه وَجَنَاحَيْهِ فَعَفَا عَنْهُ وَسَأَلَهُ عَمَّا لَقِيَ فِي غَيْبَته "فَقَالَ أَحَطْت بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ" أَيْ : اطَّلَعْت عَلَى مَا لَمْ تَطَّلِع عَلَيْهِ "وَجِئْتُك مِنْ سَبَإٍ" بِالصَّرْفِ وَتَرْكه قَبِيلَة بِالْيَمَنِ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدّ لَهُمْ بِاعْتِبَارِهِ صُرِفَ "بِنَبَإٍ" خَبَر

پس وہ کچھ دیر ٹھہرا، یہاں پر لفظ مکث یہ میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔جو زیادہ نہ تھی،یعنی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہدہد عاجزی کے ساتھ بازو اور دم لٹکائے ہوئے اور بہ طور عجز سر اٹھائے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا تو غیر حاضر رہنے کا سبب پوچھا، پھر اس نے کہا میں نے اس بات کا احاطہ کیا ہے جس کا احاطہ تو نے نہیں کیا یعنی خبر لایا ہوں جس کی آپ کو اطلاع نہیں ہوئی۔اور میں تیرے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ یہاں پر لفظ سبأ یہ منصرف و غیر منصرف دونوں طرح آیا ہے۔اور سبأ ایک قبیلے کا نام ہے جو ان کے بڑے دادا کے نام سے رکھا گیا ہے اور اسی سبب سے یہ منصرف ہے۔اور نبأ کا معنی خبر ہے۔

ہدہد کی غیر حاضری کے سبب کا بیان

ہدہد کی غیر حاضری کی تھوڑی سی دیر گزری تھی جو وہ آ گیا۔اس نے کہا کہ اے نبی اللہ جس بات کی آپ کو خبر بھی نہیں میں اس کی ایک نئی خبر لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔میں سبا سے آ رہا ہوں اور پختہ یقینی خبر لایا ہوں۔ان کے سبا حمیر تھے اور یہ یمن کے بادشاہ تھے۔ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے اس کا نام بلقیس بنت شرجیل تھا یہ سب کی ملکہ تھی۔قتادہ کہتے ہیں۔اس کی ماں

جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے اس کی ماں کا نام رفاعہ تھا ابن جریج کہتے ہیں ان کے باپ کا نام ذی سرخ تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا لاکھوں کا اس کا لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کے ہاتھ میں ہے اسکے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے اس کی زمین کا نام مارب ہے یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے یہی قول قرین قیاس ہے اس کا اکثر حصہ مملکت یمن ہے۔

ہر قسم کا دنیوی ضروری اسباب اسے مہیا ہے اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے۔ یہ اسی ہاتھ اونچا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھے بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے مشرقی حصہ میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں۔ اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ٥
میں نے ایک ایسی عورت کو پایا ہے جو ان پر حکومت کرتی ہے اور اسے ہر ایک چیز بخشی گئی ہے اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔

ہدہد کا ملکہ بلقیس کی حکومت و تخت کے بارے میں اطلاع دینے کا بیان

"اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ" اَیْ: هِیَ مَلِكَةٌ لَهُمْ اسْمُهَا بِلْقِیْسُ "وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ" یَحْتَاج اِلَیْهِ الْمُلُوك مِنْ الْاٰلَة وَالْعُدَّة "وَلَهَا عَرْش" سَرِیْر "عَظِیْم" طُوله ثَمَانُوْنَ ذِرَاعًا وَعَرْضه اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَارْتِفَاعه ثَلَاثُوْنَ ذِرَاعًا مَضْرُوْب مِنْ الذَّهَب وَالْفِضَّة مُكَلَّل بِالدُّرّ وَالْیَاقُوْت الْاَحْمَر وَالزَّبَرْجَد الْاَخْضَر وَالزُّمُرُّد وَقَوَائِمه مِنْ الْیَاقُوْت الْاَحْمَر وَالزَّبَرْجَد الْاَخْضَر وَالزُّمُرُّد عَلَیْهِ سَبْعَة اَبْوَاب عَلٰی كُلّ بَیْت بَاب مُغْلَق .

میں نے وہاں ایک ایسی عورت کو پایا ہے جو ان یعنی ملک سبا کے باشندوں پر حکومت کرتی ہے اور ان کی اس ملکہ کا نام بلقیس ہے۔ اور اسے ملکیت و اقتدار میں ہر ایک چیز بخشی گئی ہے جن آلات و ساز و سامان کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔ جس کی لمبائی اسی گز ہے اور اس کی چوڑائی چالیس گز ہے اور اس کی بلندی تیس گز ہے۔ اور جو سونے چاندی سے جڑا ہوا ہے اور موتیوں، یاقوت، زبرجد اور زمرد وغیرہ سے سجایا ہوا ہے اور اس کے پائے یاقوت اور زمرجد اخضر سے بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ مقفل ہے۔

عرش کے لفظی معنے تخت سلطنت کے ہیں۔ حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ عرش بلقیس کا طول اسی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ اور بلندی تیس ہاتھ تھی جس پر موتی اور یاقوت احمر، زبرجد، اخضر کا کام تھا اور اس کے پائے موتیوں اور جواہرات

کے تھے اور پردے ریشم اور حریر کے، اندر باہر کے بعد دیگر سات مقفل عمارتوں میں محفوظ تھا۔

وَجَدْتُّهَا وَ قَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ○
میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین
کر دیے ہیں، پس انھیں اصل راستے سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت نہیں پاتے۔

قوم سبا کی سورج پرستی کا بیان

"وَجَدْتُهَا وَقَوْمهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُون اللّٰه وَزَيَّنَ لَهُمْ الشَّيْطَان أَعْمَالهمْ فَصَدَّهُمْ عَنْ السَّبِيل" طَرِيق الْحَق

میں نے اسے اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے ہیں، پس انھیں اصل راستے سے روک دیا ہے، پس وہ ہدایت یعنی حق نہیں پاتے۔

اہل دربار صبح و شام اس کو سجدہ کرتے۔ راجا پر جا سب آفتاب پرست تھے اللہ کا عابد ان میں ایک بھی نہ تھا شیطان نے برائیاں انہیں اچھی کر دکھائی تھیں اور ان پر حق کا راستہ بند کر رکھا تھا وہ راہ راست پر آتے ہی نہ تھے۔ راہ راست یہ ہے کہ سورج چاند اور ستاروں کی بجائے صرف اللہ ہی کی ذات کو سجدے کے لائق مانا جائے۔ جیسے فرمان قرآن ہے کہ رات دن سورج چاند سب قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں۔ تمہیں سورج چاند کو سجدہ نہ کرنا چاہئے سجدہ صرف اسی اللہ کو کرنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○
کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کرنے کا بیان

"أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ" أَيْ : أَنْ يَسْجُدُوا لَهُ فَزِيدَتْ لَا وَأُدْغِمَ فِيهَا نُون أَنْ كَمَا فِي قَوْله تَعَالَى : "لِئَلَّا يَعْلَم أَهْل الْكِتَاب" وَالْجُمْلَة فِي مَحَلّ مَفْعُول يَهْتَدُونَ بِإِسْقَاطِ إلَى "الَّذِي يُخْرِج الْخَبْء" مَصْدَر بِمَعْنَى الْمَخْبُوء مِنْ الْمَطَر وَالنَّبَات "فِي السَّمَوَات وَالْأَرْض وَيَعْلَم مَا تُخْفُونَ" فِي قُلُوبهمْ "وَمَا تُعْلِنُونَ" بِأَلْسِنَتِهِمْ

کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو، یہاں پر حرف اَن پر لام کو زیادہ کیا گیا ہے۔ اور اس میں نون کا ادغام کیا گیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَاب" یہاں پر جملہ حرف الی کو حذف کر کے یہتدون کی جگہ مفعول پر ہے۔ جو نکالتا ہے

آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں، لفظ الخباء المخبوء مصدر کے معنی میں ہے یعنی بارش و نباتات نکالتا ہے۔ اور جانتا ہے جو کچھ تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور جو اپنی زبانوں پر ظاہر کرتے ہو۔

عطائے رزق سے استدلال سجدہ کا بیان

خب معنی پوشیدہ اور مخفی خزانہ (مفردات القرآن) اور اس سے مراد ایسا پوشیدہ اور مخفی خزانہ ہے جس کا پہلے سے کسی کو علم نہ ہو اور خبا بمعنی کسی چیز کو چھپا رکھنا اور خابا بمعنی کسی سے چیستان، پہیلی یا معمہ پوچھنا اور خب الارض بمعنی زمین کی نباتات جو ابھی ظہور میں نہ آ ئی ہو۔ قوت روئیدگی اور خب السماء بمعنی بارش اور آ کر حب السماء خب الارض بمعنی آسمان کی بارش نے زمین پر روئیدگی پیدا کی اور پودوں کو اگایا۔ اسی طرح زمین میں سے اگر کہیں سے تیل یا جلنے والی گیسیں یا معدنیات وغیرہ نکل آئیں تو یہ سب چیزیں خب الارض میں شمار ہوں گی۔

اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لائق تو وہ ذات ہے جو زمین و آسمان سے ان کی پوشیدہ چیزوں اور مخفی قوتوں کو روئے کار لا کر ان کی روزی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ نہ کہ سورج اور اس جیسی دوسری بے جان یا مخلوق و محتاج اشیاء نیز سجدہ کے لائق وہ ذات ہے جس کا علم اتنا وسیع ہو جو صرف زمین و آسمان ہی کی پوشیدہ قوتوں اور اشیاء کو جانتا ہے بلکہ وہ تمہارے بھی سب ظاہری اور پوشیدہ اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝
اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے۔ (سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: ہم ابھی دیکھتے ہیں کیا
تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں سے ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملکہ بلقیس کو اسلام کی دعوت کا خط لکھنے کا بیان

"اللَّه لَا إلَه إلَّا هُوَ رَبّ الْعَرْش الْعَظِيم" اسْتِئْنَاف جُمْلَة ثَنَاء مُشْتَمِل عَلَى عَرْش الرَّحْمَن فِي مُقَابَلَة عَرْش بِلْقِيس وَبَيْنهمَا بَوْن عَظِيم

"قَالَ" سُلَيْمَان لِلْهُدْهُدِ "سَنَنْظُرُ أَصَدَقْت" فِيمَا أَخْبَرْتنَا بِهِ "أَمْ كُنْت مِنْ الْكَاذِبِينَ" أَيْ مِنْ هَذَا النَّوْع فَهُوَ أَبْلَغ مِنْ أَمْ كَذَبْت فِيهِ ثُمَّ دَلَّهُمْ عَلَى الْمَاء فَاسْتَخْرَجَ وَارْتَوَوْا وَتَوَضَّئُوا وَصَلَّوْا ثُمَّ كَتَبَ سُلَيْمَان كِتَابًا صُورَته (مِنْ عَبْد اللَّه سُلَيْمَان بْن دَاوُد إلَى بِلْقِيس مَلِكَة سَبَأ بِسْمِ اللَّه الرَّحْمَن الرَّحِيم السَّلَام عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْد فَلَا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ثُمَّ طَبَعَهُ بِالْمِسْكِ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِهِ ثُمَّ قَالَ لِلْهُدْهُدِ

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے۔ یہ جملہ مستأنفہ ہے یہاں پر رحمٰن کے تخت کی تعریف کی گئی ہے

جو بلقیس کے تخت کے مقابلہ میں ہے حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے فرمایا: ہم ابھی دیکھتے ہیں کیا تو سچ کہہ رہا ہے جو تو نے خبر دی ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں سے ہے۔یعنی اسی جھوٹ کی قسم سے ہے۔جس طرح یہاں پر ام کذبت فیہ یہ جملہ زیادہ بلیغ ہے۔اس کے بعد اس نے پانی کی نشاندہی کی تو آپ نے وہ پانی نکلوایا جس سے سب سیراب ہوئے اور انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ایک خط لکھا جس کا متن یہ ہے۔

مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ إِلَى بِلْقِيسَ مَلِكَةِ سَبَأٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَلَا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ثُمَّ طَبَعَهُ بِالْمِسْكِ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِهِ ثُمَّ قَالَ لِلْهُدْهُدِ

یہ خط اللہ کے بندے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی جانب سے قوم سبأ کی ملکہ بلقیس کے نام ہے۔اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔اما بعد پس تم مجھ پر سرکشی نہ کرنا بلکہ مسلمان ہو آجاؤ اس کے بعد آپ نے اس پر مہر لگائی اور مسک کے ساتھ بند کر کے ہدہد کو دیتے ہوئے کہا۔

ہدہد کے قول کی صداقت اور بلقیس کیلئے خط کا بیان

ہدہد کی خبر سنتے ہی حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق شروع کر دی کہ اگر یہ سچا ہے تو قابل معافی اور اگر جھوٹا ہے تو قابل سزا ہے۔اسی سے فرمایا کہ میرا یہ خط بلقیس کو جو وہاں کی فرمانروا ہے دے آ۔اس خط کو چونچ میں لے کر یا پر سے بندھوا کر ہدہد اڑا۔وہاں پہنچ کر بلقیس کے محل میں گیا وہ اس وقت خلوت خانہ میں تھی۔اس نے ایک طاق میں سے وہ خط اسکے سامنے رکھا اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔اسے سخت تعجب معلوم ہوا حیرت ہوئی اور ساتھ ہی کچھ خوف و دہشت بھی ہوئی۔خط کو اٹھا کر مہر توڑ کر خط کھول کر پڑھا اس کے مضمون سے واقف ہو کر اپنے امراء وزراء و سردار اور رؤسا کو جمع کیا اور کہنے لگی کہ ایک باوقعت خط میرے سامنے ڈالا گیا ہے اس خط کا باوقعت ہونا اس پر اس سے بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ ایک جانور اسے لاتا ہے وہ ہوشیاری اور احتیاط سے پہنچاتا ہے۔سامنے باادب رکھ کر ایک طرف ہو جاتا ہے تو جان گئی تھی کہ یہ خط مکرم ہے اور کسی باعزت شخص کا بھیجا ہوا ہے۔پھر خط کا مضمون سب کو پڑھ کر سنایا کہ یہ خط حضرت سلیمان کا ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے ساتھ ہی مسلمان ہونے اور تابع فرمان بننے کی دعوت ہے۔اب سب نے پہچان لیا کہ یہ اللہ کے پیغمبر کا دعوت نامہ ہے اور ہم میں سے کسی میں انکے مقابلے کی تاب و طاقت نہیں۔پھر خط کی بلاغت اختصار اور وضاحت نے سب کو حیران کر دیا یہ مختصر سی عبارت بہت سی باتوں سے سوا ہے۔دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے علماء کرام کا مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے کسی نے خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔

ایک غریب اور ضعیف حدیث ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے فرمایا میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں جو مجھ سے پہلے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی پر نہیں اتری میں نے کہا حضور وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد سے جانے سے پہلے ہی میں تجھے بتادوں گا اب آپ نکلنے لگے

ایک پاؤں مسجد سے باہر رکھ بھی دیا میرے جی میں آیا شاید آپ بھول گئے۔ اتنے میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اور روایت میں ہے کہ جب تک یہ آیت نہیں اتری تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا (باسمك اللهم) تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا شروع کیا خط کا مضمون صرف اسی قدر تھا کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو مجھے مجبور نہ کرو میری بات مان لو تکبر سے کام نہ لو موحد مخلص مطیع بن کر میرے پاس چلی آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ○
میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

خط دیکھ کر ملکہ بلقیس کے پریشان ہو جانے کا بیان

"اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَأَلْقِهِ إِلَيْهِمْ" أَيْ بِلْقِيس وَقَوْمهَا "ثُمَّ تَوَلَّ" انْصَرِفْ "عَنْهُمْ" وَقِفْ قَرِيبًا مِنْهُمْ "فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ" يَرُدُّونَ مِنْ الْجَوَاب فَأَخَذَهُ وَأَتَاهَا وَحَوْلهَا جُنْدهَا وَأَلْقَاهَا فِي حِجْرهَا فَلَمَّا رَأَتْهُ ارْتَعَدَتْ وَخَضَعَتْ خَوْفًا ثُمَّ وَقَفَتْ عَلَى مَا فِيهِ

میرا یہ خط لے جا اور اسے ان کی یعنی ملکہ بلقیس اور اس کی قوم کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے ہٹ آ اور قریب ہی ٹھہر کر دیکھ وہ کس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی جو وہ جواب دے اس کو لے آنا۔ چنانچہ ہدہد وہ خط لیکر گیا جبکہ اس کے ارد گرد فوج تھی۔ تبھی اس نے اس کی گود میں ڈال دیا جب اس نے دیکھا تو وہ پریشان ہوگئی۔ اور خوف زدہ ہو کر اٹھی بیٹھی جس میں وہ تھی۔

چنانچہ ہدہد وہ مکتوب گرامی لے کر بلقیس کے پاس پہنچا اس وقت بلقیس کے گرد اس کے أعیان و وزراء کا مجمع تھا ہدہد نے وہ مکتوب بلقیس کی گود میں ڈال دیا اور وہ اس کو دیکھ کر خوف سے لرز گئی اور پھر اس پر مہر دیکھ کر۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
کہا: اے سردارو! میری طرف ایک نامہ بزرگ ڈالا گیا ہے۔ بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے
اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے، جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

ملکہ بلقیس کا خط کی اطلاع شرفائے قوم کو دینے کا بیان

ثُمَّ "قَالَتْ" لِأَشْرَافِ قَوْمهَا "يَا أَيُّهَا الْمَلَأ إِنِّي" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة بِقَلْبِهَا وَاوًا مَكْسُورَة "كَرِيم" مَخْتُوم "إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَان وَإِنَّهُ" أَيْ مَضْمُونه،

ملکہ نے کہا: اے میری قوم کے سردارو! میری طرف ایک نامہ بزرگ ڈالا گیا ہے۔ یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل کے ساتھ بھی جس کو واؤ مکسورہ کے ساتھ بدلہ گیا ہے۔ بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے جس کا مضمون یہ ہے

اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے، جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں۔ جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل واشرف ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ نمل، بیروت)

جس وقت نامہ بر ہدہد نے یہ خط دربار میں ملکہ سبا کے سامنے پھینکا اس وقت وہ سورج کی عبادت کے لئے تیار کر رہی تھی۔ اس خط نے اسے عجیب قسم کی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ کیونکہ یہ خط کئی پہلوؤں سے بہت اہم تھا۔ مثلاً ایک یہ کہ یہ خط اسے غیر معمولی طریقہ سے ملا۔ یعنی یہ خط کسی ملک کے سفارت خانہ کی معرفت نہیں بلکہ ایک نامہ بر پرندہ کے ذریعہ ملا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ خط کسی معمولی درجہ کے حاکم سے نہیں بلکہ شام وفلسطین کے عظیم فرمانروا کی طرف سے موصول ہوا تھا۔ تیسرا یہ کہ یہ خط رحمٰن اور رحیم کے نام سے شروع کیا گیا تھا کہ ان ناموں سے یہ لوگ قطعاً متعارف نہ تھے۔ اور چوتھے یہ کہ اس انتہائی مختصر سے خط میں ملکہ سے مکمل اطاعت کا اور پھر اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ میرے مقابلہ میں سرکشی کا راہ اختیار نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ پانچویں یہ کہ انداز خطاب ایسا تھا جس میں کسی قسم کی کوئی لچک نہ پائی جاتی تھی۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۝
یہ کہ میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار بن کر میرے پاس آ جاؤ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دعوت اسلام دینے کا بیان

اس آیت میں واتونی مسلمین کے الفاظ آئے ہیں۔ مسلمین کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میرے فرمانبردار بن کر میرے ہاں آؤ۔ اور یہ حکم آپ کی فرمانروائی سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسلام لا کر یا مسلمان ہو کر میرے ہاں آؤ اور سورج پرستی چھوڑ دو۔ اور یہ حکم آپ کی نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور آپ چونکہ بادشاہ بھی تھے اور نبی بھی۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اپنے سرکاری امیروں، وزیروں سے مشورہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ اس نے سب کو اکٹھا کر کے اس خط کے وصول ہونے اور اس کی مختلف پہلوؤں سے اہمیت سے آگاہ کیا پھر اسے پوچھا کہ تم لوگ مجھے اس خط کے جواب کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ اور یہ تو جانتے ہی ہو کہ میں سلطنت کے ایسے اہم کاموں میں پہلے بھی تم سے مشورہ کرتی رہی ہوں۔ اور از خود میں نے کبھی مشورہ کے بغیر کسی کام کا فیصلہ نہیں کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡهَدُوۡنِ ۝ قَالُوۡا نَحۡنُ اُولُوۡا قُوَّةٍ وَّ اُولُوۡا بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ ۙ وَّ الۡاَمۡرُ اِلَیۡكِ فَانۡظُرِیۡ مَاذَا تَاۡمُرِیۡنَ ۝

(اس کا مضمون یہ ہے) کہ تم لوگ مجھ پر سر بلندی مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ کہا: اے دربار والو! تم مجھے میرے معاملہ میں مشورہ دو، میں کسی کام کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں یہاں تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو کر گواہی دو۔ انہوں نے کہا: ہم طاقتور اور سخت جنگ جُو ہیں مگر حکم آپ کے اختیار میں ہے سو آپ غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں۔

ملکہ بلقیس کا رؤسائے مملکت سے مشورہ کرنے کا بیان

"قَالَتۡ یَا اَیُّهَا الۡمَلَاُ اَفۡتُونِی" بِتَحۡقِیقِ الۡهَمۡزَتَیۡنِ وَتَسۡهِیل الثَّانِیَة بِقَلۡبِهَا وَاوًا اَیۡ اَشِیرُوا عَلَیَّ "فِی اَمۡرِی مَا کُنۡت قَاطِعَةً اَمۡرًا" قَاضِیَته "حَتّٰی تَشۡهَدُونَ" تَحۡضُرُونَ،

"قَالُوا نَحۡنُ اُولُوا قُوَّة وَاُولُوا بَاۡس شَدِید " اَیۡ : اَصۡحَاب شِدَّة فِی الۡحَرۡب "وَالۡاَمۡر اِلَیۡكِ فَانۡظُرِی مَاذَا تَاۡمُرِینَ" تَاۡمُرِینَنَا نُطِعۡك،

اس کا مضمون یہ ہے کہ تم لوگ مجھ پر سر بلندی کی کوشش مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ ملکہ نے کہا: اے دربار والو! یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل کے ساتھ بھی جس کو واؤ مکسورہ کے ساتھ بدلہ گیا ہے۔ تم مجھے میرے اس معاملہ میں مشورہ دو، میں کسی کام کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں یہاں تک کہ تم میرے پاس حاضر ہو کر (اس اَمر کے موافق یا مخالف) گواہی دو۔ انہوں نے کہا: ہم طاقتور اور سخت جنگ جُو ہیں یعنی جنگ بڑی کرنے والے ہیں مگر حکم آپ کے اختیار میں ہے سو آپ خود ہی غور کر لیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں۔ لہٰذا جو حکم آپ نے دینا ہے ہم اسی کی اطاعت کریں گے۔

رؤسائے مملکت سے تجویز کر کے تحائف بھیجنے کا بیان

بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط انہیں سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ تم جانتے ہو جب تک تم سے میں مشورہ نہ کر لوں، تم موجود نہ ہو تو میں چونکہ کسی امر کا فیصلہ تنہا نہیں کرتی اس بارے میں بھی تم سے مشورہ طلب کرتی ہوں بتاؤ کیا رائے ہے؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہماری جنگی طاقت بہت کچھ ہے اور ہماری طاقت مسلم ہے۔ اس طرف سے تو اطمینان ہے آگے جو آپ کا حکم ہو۔ ہم تابعدراری کے لئے موجود ہیں۔ اسمیں ایک حد تک سرداران لشکر نے لڑائی کی طرف اور مقابلے کی طرف رغبت دی تھی لیکن بلقیس چونکہ سمجھدار عاقبت اندیش تھی اور ہدہد کے ہاتھوں خط کے ملنے کا ایک کھلا معجزہ دیکھ چکی تھی یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضرت سلیمان کی طاقت کے مقابلے میں، میں میرا لاؤ لشکر کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر لڑائی کی نوبت آ گئی تو علاوہ ملک کی بربادی کے میں بھی سلامت نہ رہ سکوں گی اس لئے اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے کہا بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اجاڑ دیتے ہیں۔ وہاں کے ذی عزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ سرداران لشکر اور حکمران

شہر خصوصی طور پر انکی نگاہوں میں پڑھ جاتے ہیں۔ جناب قاری نے اسکی تصدیق فرمائی کہ فی الواقع یہ صحیح ہے وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔اس کی بعد اسنے جو ترکیب سوچی کہ ایک چال چلے اور حضرت سلیمان سے موافقت کر کے صلح کر لے وہ اس نے انکے سامنے پیش کی کہا کہ اس وقت تو میں ایک گراں بہا تحفہ انہیں بھیجتی ہوں دیکھتی ہوں اس کے بعد وہ میرے قاصدوں سے کیا فرماتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اسے قبول فرمالیں اور ہم آئندہ بھی انہیں یہ رقم بطور جزیے کے بھیجتے رہیں اور انہیں ہم پر چڑھائی کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔اسلام کی قبولیت میں اسی طرح اس نے ہدیے بھیجنے میں نہایت دانائی سے کام لیا۔وہ جانتی تھی کہ روپیہ پیسہ وہ چیز ہے فولاد کو بھی نرم کر دیتا ہے۔نیز اسے یہ بھی آزمانا تھا کہ دیکھیں وہ ہمارے اس مال کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔؟اگر قبول کر لیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک بادشاہ ہیں پھر ان سے مقابلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر واپس کر دیا تو انکی نبوت میں کوئی شک نہیں پھر مقابلہ سراسر بیسود بلکہ مضر ہے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ نمل،بیروت)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝
کہا: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو
ذلیل ورسوا کر ڈالتے ہیں اور یہ اسی طرح کریں گے۔

بادشاہوں کا بستیوں کو ہلاک کر دینے کا بیان

"قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَة أَفْسَدُوهَا " بِالتَّخْرِيبِ "وَجَعَلُوا أَعِزَّة أَهْلهَا أَذِلَّة وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ" أَيْ : مُرْسِلُو الْكِتَاب

ملکہ نے کہا: بیشک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تخریب کاری سے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل ورسوا کر ڈالتے ہیں اور یہ لوگ بھی یعنی خط لکھنے والے بھی اسی طرح کریں گے۔

خط کے انداز خطاب سے ملکہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سلیمان عام فرمانرواؤں کی طرح نہیں بلکہ ان کی پشت پر کوئی غیر معمول طاقت ہے اور یہ بھی معلوم ہو رہا تھا کہ اگر ملکہ اور اس کے کارپرداز مطیع فرمان بن کر سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر نہ ہوئے تو حضرت سلیمان ان کی سرکوبی کے لئے ضرور ان پر چڑھائی کریں گے۔حضرت سلیمان یہ تو گوارا کر سکتے تھے کہ یہ لوگ سورج پرستی چھوڑ کر راہ راست پر آجائیں تو ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔مگر یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے پاس اسباب ووسائل موجود ہونے کے باوجود ان کے قرب وجوار میں اس طرح علانیہ ملکی سطح پر شرک اور سورج پرستی ہوتی رہے۔لہٰذا ملکہ کے خطرات کچھ موہوم خطرات نہ تھے۔اس نے ٹھیک اندازہ کر لیا تھا کہ ایک تو حضرت سلیمان ان کی سرتابی کی صورت میں ضرور ان پر چڑھائی کریں گے اور دوسرے اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت سلیمان کے لشکروں کے مقابلہ میں ان میں مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔لہٰذا اس نے سترہ بی یا خاموشی کے انجام سے اپنے مشیریوں کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں اکثر یوں ہی ہوتا آیا ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی

ملک کو فتح کرتا ہے تو سب سے پہلے اس ملک کے وسائل معاش پر قبضہ کر کے اس ملک کو مفلس و قلاش بنا دیتا ہے۔ پھر وہاں کے سرکردہ لوگوں کو کچل کر ان کا زور ختم کر دیتا ہے تاکہ وہ دوبارہ کبھی اس کے مقابلہ کی بات بھی نہ سوچ سکے۔ اس طرح وہ اس مفتوحہ ملک کے تمام سیاسی، تمدنی اور معاشی وسائل پر قبضہ کر کے اس ملک کی طاقت کو عملاً ختم کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کر لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکابرین مملکت یا تو موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں یا پھر انہیں ذلیل و رسوا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ لوٹ گھسوٹ اور قتل و غارت عام ہوتا ہے اور بسا اوقات شہروں کو آگ لگا دی جاتی ہے اور عام حالات میں ایسے ہی نتائج متوقع ہیں۔

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ۝
اور بیشک میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھتی ہوں قاصد کیا جواب لے کر واپس لوٹتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے قریب سونے چاندی کی دیواروں کا بیان

"وَاِنِّی مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنَاظِرَة بِمَ یَرْجِع الْمُرْسَلُوْنَ" مِنْ قَبُول الْهَدِیَّة أَوْ رَدّهَا إِنْ كَانَ مَلِكًا قَبِلَهَا أَوْ نَبِیًّا لَمْ یَقْبَلهَا فَأَرْسَلَتْ خَدَمًا ذُكُورًا وَإِنَاثًا أَلْفًا بِالسَّوِیَّةِ وَخَمْسمِائَةِ لَبِنَة مِنْ الذَّهَب وَتَاجًا مُكَلَّلًا بِالْجَوَاهِرِ وَمِسْكًا وَعَنْبَرًا وَغَیْر ذَلِكَ مَعَ رَسُول بِكِتَابٍ فَأَسْرَعَ الْهُدْهُد إِلَى سُلَیْمَان یُخْبِرهُ الْخَبَر فَأَمَرَ أَنْ تُضْرَب لَبِنَات الذَّهَب وَالْفِضَّة وَأَنْ تُبْسَط مِنْ مَوْضِعه إِلَى تِسْعَة فَرَاسِخ مَیْدَانًا وَأَنْ یَبْنُوا حَوْله حَائِطًا مُشْرَفًا مِنْ الذَّهَب وَالْفِضَّة وَأَنْ یُؤْتَى بِأَحْسَن دَوَابّ الْبَرّ وَالْبَحْر مَعَ أَوْلَاد الْجِنّ عَنْ یَمِین الْمَیْدَان وَشِمَاله

اور بیشک میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجنے والی ہوں پھر دیکھتی ہوں قاصد کیا جواب لے کر واپس لوٹتے ہیں۔ یعنی وہ ہدیہ قبول کرتے ہیں یا نہیں اگر بادشاہ ہے تو ہدیہ قبول کرے گا اور اگر وہ نبی ہیں تو وہ ہدیہ قبول نہیں کریں گے۔ پس اس نے ایک ہزار خدمت کیلئے جن میں پانچ سو لڑکے اور پانچ سو لڑکیاں تھیں۔ اور سونے کی پانچ سو اینٹیں بھیجیں۔ ان کو سونے کا ایک تاج جو جواہر اور مسک اور عنبر وغیرہ کے ساتھ قاصد کو بھیجا تو وہ ہدہد جلدی سے یہ خبر لیکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور اس کی خبر دی تو آپ نے حکم دیا۔ کہ سونے چاندی کی اینٹیں بنائی جائیں۔ جن کو آپ کے محل سے نو فرسخ تک میدان کے طور پر بچھا دیا جائے۔ اور ان کے اردگرد سونے چاندی کی دیوار بنائی جائے۔ اور خشکی و تری کے بہترین جانور اور ان کے بچوں کو اور بعض جنات کے بچوں کو دائیں بائیں بہ طور خدمت گار کھڑا کیا جائے۔

ملکہ بلقیس کا تحائف کے ذریعے آزمائش کا بیان

اس سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بادشاہ ہیں یا نبی کیونکہ بادشاہ عزت و احترام کے ساتھ ہدیہ قبول کرتے ہیں اگر وہ بادشاہ ہیں تو ہدیہ قبول کر لیں گے اور اگر نبی ہیں تو ہدیہ قبول نہ کریں گے اور سوا اس کے کہ ہم ان کے دین کا اتباع کریں وہ اور کسی بات سے راضی

نہ ہوں گے تو اس نے پانچ سو غلام اور پانچ سو باندیاں بہترین لباس اور زیوروں کے ساتھ آراستہ کر کے زرنگار زینوں پر سوار کر کے بھیجے اور پانچ سو اینٹیں سونے کی اور جواہر سے مرصّع تاج اور مشک و عنبر وغیرہ مع ایک خط کے اپنے قاصد کے ساتھ روانہ کئے ہُد ہُد یہ دیکھ کر چل دیا اور اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سب خبر پہنچائی آپ نے حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں بنا کر نو فرسنگ کے میدان میں بچھا دی جائیں اور اس کے گرد سونے چاندی سے احاطہ کی بلند دیوار بنا دی جائے اور بر و بحر کے خوبصورت جانور اور جنات کے بچے میدان کے دائیں بائیں حاضر کئے جائیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل، لاہور)

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَا اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ○
تو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اس نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے
وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔

حکمرانوں کا دنیاوی زیب و زینت پر فخر کرنے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَ" الرَّسُول بِالْهَدِيَّةِ وَمَعَهُ أَتْبَاعه "سُلَيْمَان قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِي اللَّه" مِنْ النُّبُوَّة وَالْمُلْك "خَيْر مِمَّا آتَاكُمْ" مِنْ الدُّنْيَا "بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ" لِفَخْرِكُمْ بِزَخَارِف الدُّنْيَا

تو جب وہ سلیمان کے پاس ہدیہ اور دوسری چیزیں لے کر آیا تو اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کیا تم مال کے ساتھ میری مدد کرتے ہو؟ تو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے یعنی جو نبوت و بادشاہت دی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تمھیں دنیا میں دیا ہے، بلکہ تم ہی اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو۔ یعنی تم دنیاوی سجاوٹوں پر فخر کرنے والے ہو۔

لڑکے اور لڑکیوں کے منہ دھونے سے پہچان کا بیان

بلقیس نے بہت ہی گراں قدر تحفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ سونا موتی جواہر وغیرہ سونے کی کثیر مقدار اینٹیں سونے کے برتن وغیرہ۔ بعض کے مطابق کچھ بچے عورتوں کے لباس میں اور کچھ عورتیں لڑکوں کے لباس میں بھیجیں اور کہا کہ اگر وہ انہیں پہچان لیں تو اسے نبی مان لینا چاہیے۔ جب یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو آپ نے سب کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ لڑکیوں نے برتن سے پانی بہا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور لڑکوں نے برتن میں ہی ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔ اس سے آپ نے دونوں کو الگ الگ پہچان کر علیحدہ کر دیا کہ یہ لڑکیاں ہیں اور یہ لڑکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس طرح پہچانا کہ لڑکیوں نے تو پہلے اپنے ہاتھ کیے اندرونی حصہ کو دھویا اور لڑکوں نے انکے برخلاف بیرونی حصے کو پہلے دھویا یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اس کے برخلاف ہاتھ کی انگلیوں سے شروع کر کے کہنی تک لے گئے۔ ان میں سے کسی میں نفی کا امکان نہیں، واللہ اعلم۔ یہ بھی مذکور ہے کہ بلقیس نے ایک برتن بھیجا تھا کہا اسے ایسے پانی سے پر کر دو جو نہ زمین کا ہو نہ آسمان کا تو آپ نے گھوڑے دوڑائے اور ان کے پسینوں سے وہ برتن بھر دیا۔ اسنے کچھ خرمہرے اور ایک لڑی بھیجی تھی آپ نے انہیں لڑی میں پرو دیا۔ یہ سب اقوال عموماً بنی اسرائیل

کی روایتوں سے لئے جاتے ہیں۔

البتہ بظاہر الفاظ قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رانی کیے تحفے کی طرف مطلقاً التفات ہی نہیں کیا۔ اور اسے دیکھتے ہی فرمایا کہ کیا تم مجھے مالی رشوت دے کر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو؟ یہ محض ناممکن ہے مجے رب نے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ ملک، مال، لاؤ لشکر سب میرے پاس موجود ہے۔ تم سے پر طرح بہتر حالت میں میں ہوں فالحمدللہ۔ تم ہی اپنے اس ہدیے سے خوش رہو یہ کام تم ہی کو سونپا کہ مال سے راضی ہو جاؤ اور تحفہ تمہیں جھکا دے یہاں تو دو ہی چیزیں ہیں یا شرک چھوڑ دیا تلوار روکو۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس سے پہلے کہ اسکے قاصد پہنچیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا اور انہوں نے سونے چاندی کے ایک ہزار محل تیار کردئے۔ جس وقت قاصد پائے تخت میں پہنچے ان محلات کو دیکھ کر ہوش جاتے رہے اور کہنے لگے یہ بادشاہ تو ہمارے اس تحفے کو اپنی حقارت سمجھے گا۔ یہاں تو سونا مٹی کی وقعت بھی نہیں رکھتا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بادشاہوں کو یہ جائز ہے کہ بیرونی لوگوں کے لیے کچھ تکلفات کرے اور قاصدوں کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

پھر آپ نے قاصدوں سے فرمایا کہ یہ ہدیے انہیں کو واپس کر دو اور ان سے کہد و مقابلے کی تیاری کر لیں یاد رکھو میں وہ لشکر لے کر چڑھائی کروں گا کہ وہ سامنے آ ہی نہیں سکتے۔ انہیں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت ہی نہیں۔ ہم انہیں انکی سلطنت سے بیک بینی و دو گوش ذلت و حقارت کے ساتھ نکال دیں گے ان کے تخت و تاج کو روند دیں گے۔ جب قاصد اس تحفے کو واپس لے پہنچے اور شاہی پیغام بھی سنا دیا۔ بلقیس کو آپ کی نبوت کا یقین ہو گیا فوراً خود بھی اور تمام لشکر اور رعایا مسلمان ہو گئے اور اپنے لشکروں سمیت وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے جب آپ نے اس کا قصد معلوم کیا تو بہت خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝
ان کے پاس واپس جا، اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں
اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔

ملکہ بلقیس کا بارہ ہزار سرداروں کے ساتھ روانہ ہونے کا بیان

"ارْجِعْ إِلَيْهِمْ" بِمَا أَتَيْت مِنْ الْهَدِيَّة "فَلَنَأْتِيَنَّهم بِجُنُودٍ لَا قِبَل " لَا طَاقَة "لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِنْهَا" مِنْ بَلَد سَبَأ سُمِّيَتْ بِاسْمِ أَبِي قَبِيلَتهمْ "أَذِلَّة وَهُمْ صَاغِرُونَ" إنْ لَمْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ فَلَمَّا رَجَعَ إلَيْهَا الرَّسُول بِالْهَدِيَّةِ جَعَلَتْ سَرِيرهَا دَاخِل سَبْعَة أَبْوَاب دَاخِل قَصْرهَا وَقَصْرهَا دَاخِل سَبْعَة قُصُور وَغَلَّقَتْ الْأَبْوَاب وَجَعَلَتْ عَلَيْهَا حَرَسًا وَتَجَهَّزَتْ لِلْمَسِيرِ إلَى سُلَيْمَان لِتَنْظُر مَا يَأْمُرهَا بِهِ فَارْتَحَلَتْ فِي اثْنَيْ عَشَر أَلْف قِيلَ مَعَ كُلّ قَيْل أُلُوف كَثِيرَة إلَى أَنْ قَرُبَتْ مِنْهُ عَلَى فَرْسَخ شَعَرَ بِهَا

ان کے پاس واپس جا، یعنی ہدیہ بھیجنے والوں کے پاس ہدیہ واپس لے جاؤ۔ اب ہر صورت ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلے کی ان میں کوئی طاقت نہیں اور ہر صورت انھیں اس سے اس حال میں ذلیل کر کے نکالیں گے کہ وہ حقیر ہوں گے۔ یعنی شہر سبأ سے نکال دیں گے جو ابو قبیلہ کے نام پر شہر کا نام سبأ رکھا گیا ہے۔ پس جب وہ قاصد ہدیہ کے ساتھ واپس لوٹ آیا تو بلقیس نے اپنے تخت کو اپنے محل کے اندر رکھوایا جس کے سات دروازے تھے۔ اور سات کمروں کے اندر اس کو بند کروایا اور ان کو مکفل کیا۔ اور ان پر پہرے داروں کو بٹھایا اور وہ خود وہ سلیمان علیہ السلام کی طرف چلی یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اس کو کیا حکم دیتے ہیں وہ ملکہ بلقیس بارہ ہزار سرداروں کے ساتھ روانہ ہوئی اور ایک سردار کے ساتھ ہزاروں لوگ تھے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریب پہنچ گئی حتیٰ کہ ایک فرسخ کا فاصلہ باقی رہ گیا۔

یعنی اگر وہ میرے پاس مسلمان ہو کر حاضر نہ ہوئے تو یہ انجام ہوگا، جب قاصد ہدیئے لے کر بلقیس کے پاس واپس گئے اور تمام واقعات سنائے تو اس نے کہا بیشک وہ نبی ہیں اور ہمیں ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں اور اس نے اپنا تخت اپنے سات محلوں میں سے سب سے پچھلے محل میں محفوظ کر کے تمام دروازے مقفل کر دیئے اور ان پر پہرہ دار مقرر کر دیئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا انتظام کیا تا کہ دیکھے کہ آپ اس کو کیا حکم فرماتے ہیں اور وہ ایک لشکرِ گراں لے کر آپ کی طرف روانہ ہوئی جس میں بارہ ہزار نواب تھے اور ہر نواب کے ساتھ ہزاروں لشکری جب اتنے قریب پہنچ گئی کہ حضرت سے صرف ایک فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا۔ (تفسیر خازن، سورہ نمل، بیروت)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝
فرمایا: اے درباروالو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ملکہ بلقیس کے تخت کو طلب کرنے کا بیان

"قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأ أَيُّكُمْ " فِي الْهَمْزَتَيْنِ مَا تَقَدَّمَ "يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْل أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ " مُنْقَادِينَ طَائِعِينَ فَلِي أَخْذه قَبْل ذَلِكَ لَا بَعْده

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباروالو! یہاں پر دونوں ہمزے وہی ہیں جن کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ تم میں سے کون اس ملکہ کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں۔ یعنی ان کے مسلمان ہو کر آنے سے پہلے میرے پاس پہنچا دے کیونکہ پہلے اس کا معائنہ مناسب ہوگا جبکہ بعد میں نہیں۔

اس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ اس کا تخت حاضر کر کے اس کو اللہ تعالیٰ کے قدرت اور اپنی نبوت پر دلالت کرنے والا معجزہ دکھاویں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ نے چاہا کہ اس کے آنے سے قبل اس کی وضع بدل دیں اور اس سے اس کی عقل کا امتحان فرمائیں کہ پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝

ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بیشک میں اس پر طاقتور امانت دار ہوں۔

عفریت جن کا تخت کو لانے پر تیار ہو جانے کا بیان

"قَالَ عِفْرِيت مِنْ الْجِنّ " هُوَ الْقَوِيّ الشَّدِيد "أَنَا آتِيك بِهِ قَبْل أَنْ تَقُوم مِنْ مَقَامك" الَّذِي تَجْلِس فِيهِ لِلْقَضَاءِ وَهُوَ مِنْ الْغَدَاة إلَى نِصْف النَّهَار "وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيّ" أَيْ عَلَى حَمْله "أَمِين" عَلَى مَا فِيهِ مِنْ الْجَوَاهِر وَغَيْرهَا قَالَ سُلَيْمَان أُرِيد أَسْرَع مِنْ ذَلِكَ

ایک قوی ہیکل جن جو بڑی قوت والا تھا اس نے عرض کیا: میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں یعنی آپ مجلس قضاء کے برخاست ہونے سے پہلے جس کا وقت صبح سے لیکر نصف دن تک ہے اور بیشک میں اس کے لانے یعنی اس کو اٹھانے پر طاقتور اور امانت دار ہوں۔ یعنی جو اس میں جواہر وغیرہ ہیں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ مجھے اس سے بھی پہلے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ یقیناً جن ہی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں غیر معمولی قوتوں سے نوازا ہے کیونکہ کسی انسان کے لیے چاہے وہ کتنا ہی زور آور ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بیت المقدس سے مآرب یمن جائے اور پھر وہاں سے تخت شاہی اٹھا لائے اور ڈیڑھ ہزار میل کا یہ فاصلہ جس شمار کیا جائے تو تین ہزار میل بنتا ہے۔ تین یا چار گھنٹے میں طے کر لے ایک طاقتور سے طاقتور انسان بھی اول تو اتنے بڑے تخت کو اٹھا نہیں سکتا اور اگر وہ مختلف لوگوں یا چیزوں کا سہارا لے کر اٹھوا بھی لے تو اتنی قلیل مدت میں اتنا سفر کیوں کر ممکن ہے۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۫ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے، پھر جب اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری، اور جس نے شکر ادا کیا سو وہ محض اپنی ہی ذات کے فائدہ کے لئے شکر مندی کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بیشک میرا رب بے نیاز، کرم فرمانے والا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت کے آجانے کا بیان

"قَالَ الَّذِی عِنْدہ عِلْم مِنَ الْکِتَاب " الْمُنَزَّل وَهُوَ آصف ابْن برخیا کَانَ صِدِّیقًا یَعْلَم اسْم اللّٰه الْأَعْظَم الَّذِی إذَا دَعَا بِهِ أُجِیبَ "أَنَا آتِیك بِهِ قَبْل أَنْ یَرْتَدّ إلَیْك طَرْفك" إذَا نَظَرْت بِهِ إلَی شَیْء فَقَالَ لَهُ اُنْظُرْ إلَی السَّمَاء فَنَظَرَ إلَیْهَا ثُمَّ رَدَّ بِطَرْفِهِ فَوَجَدَهُ مَوْضُوعًا بَیْن یَدَیْهِ فَفِی نَظَرِهِ إلَی السَّمَاء دَعَا آصف بِالِاسْمِ الْأَعْظَم أَنْ یَأْتِی اللّٰه بِهِ فَحَصَلَ بِأَنْ جَرَی تَحْت الْأَرْض حَتَّی نَبَعَ تَحْت کُرْسِیّ سُلَیْمَان "فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا" سَاکِنًا "عِنْده قَالَ هَذَا" أَیْ الْإِتْیَان لِی بِهِ "مِنْ فَضْل رَبِّی لِیَبْلُوَنِی" لِیَخْتَبِرنِی "أَأَشْکُرُ" بِتَحْقِیقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَإِبْدَال الثَّانِیَة أَلِفًا وَتَسْهِیلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَیْن الْمُسَهَّلَة الْأُخْرَی وَتَرْکه "أَمْ أَکْفُر" النِّعْمَة "وَمَنْ شَکَرَ فَإِنَّمَا یَشْکُر لِنَفْسِهِ" أَیْ لِأَجْلِهَا لِأَنَّ ثَوَاب شُکْره لَهُ "وَمَنْ کَفَرَ" النِّعْمَة "فَإِنَّ رَبِّی غَنِیّ" عَنْ شُکْره "کَرِیم" بِالْإِفْضَالِ عَلَی مَنْ یَکْفُرهَا

پھر ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس آسمانی کتاب کا کچھ علم تھا۔ اور وہ آصف بن برخیا تھا جو صدیق تھا اور اللہ کے اسم اعظم کو جانتا تھا اور جب وہ اسم اعظم کے ذریعے دعا مانگتا تھا وہ قبول ہوتی تھی۔ کہ میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے لے آؤں گا۔ جب کسی چیز کی طرف نظر کریں گے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر اس کو واپس لائے تو دیکھا کہ تخت سامنے موجود ہے کیونکہ آپ کے نظر اٹھانے کے دوران آصف بن برخیا نے اسم اعظم کے ذریعے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا کی پس وہ تخت زمین کے نیچے نیچے چلتا ہوا آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے آکر سامنے ہوا۔ پھر جب سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر گزاری کرتا ہوں، یہاں پر بھی دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدلہ گیا اور دونوں ہمزوں کی تسہیل جبکہ دوسرے سہیلیہ کے درمیان الف داخل کیا گیا۔ اور اسی طرح ترک کے ساتھ بھی قرأت میں آیا ہے۔ یا نعمت کی ناشکری کی، اور جس نے اللہ کا شکر ادا کیا سو وہ محض اپنی ہی ذات کے فائدہ کے لئے شکر مندی کرتا ہے کیونکہ اس کے شکر کرنے کا ثواب اسی کیلئے ہے۔ اور جس نے نعمت کی ناشکری کی تو بیشک میرا رب اس کے شکریے سے بے نیاز، کرم فرمانے والا ہے۔ یعنی اس کو بھی عطا فرمانے والا ہے جس نے اس کی نعمتوں کی ناشکری کی۔

آصف بن برخیا کا تخت بلقیس کو پلک بھر میں لانے کا بیان

جب قاصد پہنچتا ہے اور بلقیس کو دوبارہ پیغام نبوت پہنچاتا ہے تو وہ سمجھ لیتی ہے اور کہتی ہے واللہ یہ سچے پیغمبر ہیں ایک پیغمبر کا مقابلہ کر کے کوئی پنپ نہیں سکتا۔ اسی وقت دوبارہ قاصد بھیجا کہ میں اپنی قوم کے سرداروں سمیت حاضر خدمت ہوتی ہوں تاکہ خود آپ سے مل کر دینی معلومات حاصل کروں اور آپ سے اپنی تشفی کرلوں یہ کہلوا کر یہاں اپنا نائب ایک کو بنایا۔ سلطنت کے انتظامات اس کے سپرد کئے اپنا لاجواب بیش قیمت جڑاؤ تخت جو سونے کا تھا سات محلوں میں مقفل کیا اور اپنے نائب کو اسکی حفاظت کی خاص

تاکید کی اور بارہ ہزار سردار جن میں سے ہر ایک کے تحت ہزاروں آدمی تھے۔ اپنے ساتھ لئے اور ملک سلیمان کی طرف چل دی۔ جنات قدم قدم اور دم دم کی خبریں آپ کو پہنچاتے رہتے تھے۔ جب آپکو معلوم ہوا کہ وہ قریب پہنچ چکی ہے تو آپ نے اپنے دربار میں جس میں جن وانس سب موجود تھے فرمایا کوئی ہے جو اسکے تخت کو اسکے پہنچنے سے پہلے یہاں پہنچا دے؟

کیونکہ جب وہ یہاں آ جائیں گی اور اسلام میں داخل ہو جائیں پھر اس کا مال ہم پر حرام ہوگا۔ یہ سن کر ایک طاقتور سرکش جن جس کا نام کوزن تھا اور جو مثل ایک بڑے پہاڑ کے تھا بول پڑا کہ اگر آپ مجھے حکم دیں تو آپ دربار برخواست کریں اس سے پہلے میں لا دیتا ہوں۔ آپ لوگوں کے فیصلے کرنے اور جھگڑے چکانے اور انصاف دینے کو صبح سے دوپہر تک دربار عام میں تشریف رکھا کرتے تھے۔ اس نے کہا میں اس تخت کے اٹھالانے کی طاقت رکھتا ہوں اور ہوں بھی امانت دار۔ اس میں کوئی چیز نہیں چراؤں گا: حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں اس سے بھی پہلے میرے پاس وہ پہنچ جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اللہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی تخت کے منگوانے سے عرض یہ تھی کہ اپنے ایک زبردست معجزے کا اور پوری طاقت کا ثبوت بلقیس کو دکھائیں کہ اس کا تخت جسے اس نے سات مقفل مکانوں میں رکھا تھا وہ اس کے آنے سے پہلے دربار سلیمانی میں موجود ہے۔

حضرت سلیمان کے اس جلدی کے تقاضے کو سن کر جس کے پاس کتابی علم تھا وہ بولا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ آصف تھے حضرت سلیمان کے کاتب تھے ان کے باپ کا نام برخیا تھا یہ ولی اللہ تھے اسم اعظم جانتے تھے۔ پکے مسلمان تھے بنو اسرائیل میں سے تھے مجاہد کہتے ہیں ان کا نام اسطوم تھا۔ بلیخ بھی مروی ہے ان کا لقب ذوالنور تھا۔ عبداللہ لھیعہ کا قول ہے یہ خضر تھے لیکن یہ قول بہت ہی غریب ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنی نگاہ دوڑائیے جہاں تک پہنچے نظر کیجئے ابھی آپ دیکھ ہی رہے ہوں گے کہ میں اسے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمان نے یمن کی طرف جہاں اس کا تخت تھا نظر کی ادھر یہ کھڑے ہو کر وضو کر کے دعا میں مشغول ہوئے اور کہا دعا (یا ذالجلال والاکرام یا فرمایا یا الھنا والہ کل شی الھا واحدا لا الہ الاانت ائتنی بعرشھا) اسی وقت تخت بلقیس سامنے آ گیا۔ اتنی ذرا سی دیر میں یمن سے بیت المقدس میں وہ تخت پہنچ گیا اور لشکر سلیمان کے دیکھتے ہوئے زمین میں سے نکل آیا۔

جب سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے موجود دیکھ لیا تو فرمایا یہ صرف میرے رب کا فضل ہے کہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری؟ جو شکر کرے وہ اپنا ہی نفع کرتا ہے اور جو ناشکری کرے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کی بندگی سے بے نیاز ہے اور خود بندوں سے بھی اس کی عظمت کسی کی محتاج نہیں۔ جیسے فرمان ہے آیت (من عمل صالحا فلنفسہ الخ)؛ جو نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے لئے اور جو برائی کرتا ہے وہ اپنے لئے۔ اور جگہ ہے جو نیکی کرتے ہیں وہ اپنے لئے ہی اچھائی جمع کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا تم اور روئے زمین کے سب انسان بھی اگر اللہ سے کفر کرنے لگو تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑو گے۔ وہ غنی ہے اور حمید ہے صحیح مسلم شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو اگر تمہارے سب اگلے

پچھلے انسان جنات بہتر سے بہتر اور نیک بخت سے نیک بخت ہو جائیں تو میرا ملک بڑھ نہیں جائے گا اور اگر سب کے سب بد بخت اور برے بن جائیں تو میرا ملک گھٹ نہیں جائے گا یہ تو صرف تمہارے اعمال ہیں جو جمع ہونگے اور تم کو ہی ملیں گے جو بھلائی پائے تو اللہ کا شکر کرے اور جو برائی پائے تو صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ○
فرمایا: اس کے لئے اس کے تخت کی صورت اور ہیئت بدل دو ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ راہ پاتی ہے یا
ان میں سے ہوتی ہے جو سوجھ بوجھ نہیں رکھتے۔

تخت بلقیس میں آزمائش کیلئے تبدیلی کرنے کا بیان

"قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشهَا" أَيْ غَيِّرُوهُ إِلَى حَال تَنَكَّره إِذَا رَأَتْهُ "نَنْظُر أَتَهْتَدِي" إِلَى مَعْرِفَته "أَمْ تَكُون مِنْ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ" إِلَى مَعْرِفَة مَا يُغَيِّر عَلَيْهِمْ قَصَدَ بِذَلِكَ اخْتِبَار عَقْلهَا لَمَّا قِيلَ إِنَّ فِيهِ شَيْئًا فَغَيَّرُوهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نَقْص وَغَيْر ذَلِكَ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اس ملکہ کے امتحان کے لئے اس کے تخت کی صورت اور ہیئت بدل دو تا کہ وہ دیکھے تو اس کا انکار کردے ہم دیکھیں گے کہ آیا وہ پہچان کی راہ پاتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو سوجھ بوجھ نہیں رکھتے۔ یعنی اس کی عقل کی آزمائش کیلئے اس تخت میں تغیر و تبدل کردو اور جب کہ یہ بھی کہا گیا کہ اس میں کمی وبیشی وغیرہ کے ساتھ تبدیلی کردو۔

یہاں نکروا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نکر میں جو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں (۱) اجنبیت اور (۲) ناگواری، اور تنکیر کی ضد تعریف ہے۔ تعریف کے معنی کسی کو پہچان لینا اور تنکیر کے معنی کسی کو نہ پہچاننا اور اجنبیت محسوس کرنا۔ گویا نکروکا معنی اس تحت میں ایسی تبدیلی لانا ہے جس سے وہ پوری طرح پہچانا نہ جاسکے اور اس سے حضرت سلیمان بلقیس کی عقل کا امتحان لینا چاہتے تھے کہ اس کی عقل کہاں تک کام کرتی ہے پھر اس سے وہ یہ نتیجہ بھی اخذ کرنا چاہتے تھے کہ آیا وہ اتنی عقلمند ہے کہ شرک اور توحید میں تمیز کر سکے؟ چنانچہ آپ کے کاریگروں نے اس کے تخت میں اتنی تبدیلی کی ایک جگہ کے جواہر وہاں سے اکھار کر کسی دوسرے جگہ فٹ کردیئے۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ○
پھر جب وہ آئی تو اس سے کہا گیا کیا تمہارا تخت اسی طرح کا ہے، وہ کہنے لگی، گویا یہ وہی ہے اور ہمیں اس سے پہلے
ہی علم ہو چکا تھا اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔

ملکہ بلقیس کا اپنے تخت کو پہچان لینے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ" لَهَا "أَهَكَذَا عَرْشك" أَيْ أَمِثْل هَذَا عَرْشك "قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ" فَعَرَفَتْهُ وَشَبَّهَتْ عَلَيْهِمْ كَمَا شَبَّهُوا عَلَيْهَا إِذْ لَمْ يَقُلْ أَهَذَا عَرْشك وَلَوْ قِيلَ هَذَا قَالَتْ : نَعَمْ قَالَ سُلَيْمَان : لَمَّا رَأَى

لَهَا مَعْرِفَةً وَعِلْمًا،

پھر جب وہ ملکہ آئی تو اس سے کہا گیا: کیا تمہارا تخت اسی طرح کا ہے، یعنی اس کی مثل تخت ہے؟ وہ کہنے لگی: گویا یہ وہی ہے یعنی اس نے اس کو پہچان لیا۔ اور یہ تخت ان پر مشابہ ہوگا جس طرح اس ملکہ پر مشابہ ہوا تھا کیونکہ یہ نہیں کہا گیا کہ کیا یہ تیرا تخت ہے کیونکہ اگر اس طرح کہا جاتا تو وہ ہاں کہہ دیتی۔ لہٰذا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی معرفت اور علم کا پتہ چل چکا اور ہمیں اس سے پہلے ہی (نبوت سلیمان کے حق ہونے کا) علم ہو چکا تھا اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔

بلقیس کا تخت آنے کے بعد

اس تخت کے آ جانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس میں قدرے تغیر و تبدل کر ڈالو۔ پس کچھ ہیرے جواہر بدل دیئے گئے۔ رنگ و روغن میں بھی تبدیلی کر دی گئی نیچے اور اوپر سے بھی کچھ بدل دیا گیا۔ کچھ کمی زیادتی بھی کر دی گئی تا کہ بلقیس کی آزمائش کریں کہ وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا نہیں؟ جب وہ پہنچی تو اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت یہ ہی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہو بہو اسی جیسا ہے۔ اس جواب سے اس کی دور بینی عقلمندی زیرکی دانائی ظاہر ہے کہ دونوں پہلو سامنے رکھے دیکھا کہ تخت بالکل میرے تخت جیسا ہے مگر بظاہر اس کا یہاں پہنچنا ناممکن ہے تو اس نے بیچ کی بات کہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے پہلے ہی ہمیں علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے بلقیس کو اللہ کے سوا اوروں کی عبادت نے اور اس کے کفر نے توحید اللہ سے روک دیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا اس سے پہلے کافروں میں سے تھے۔ لیکن پہلے قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ ملکہ نے قبول اسلام کا اعلان محل میں داخل ہونے کے بعد کیا ہے۔ جیسے عنقریب بیان ہوگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ہاتھوں ایک محل بنوایا تھا جو صرف شیشے اور کانچ کا تھا اور اس کے نیچے پانی سے لبالب حوض تھا شیشہ بہت ہی صاف شفاف تھا۔ آنے والا شیشے کا امتیاز نہیں کر سکتا تھا بلکہ اسے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ پانی ہی پانی ہے۔ حالانکہ اس کے اوپر شیشے کا فرش تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس صنعت سے غرض حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ تھی کہ آپ اس سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سنا تھا کہ اس کی پنڈلیاں بہت خراب ہیں اور اس کے ٹخنے چوپایوں کے کھروں جیسے ہیں اس کی تحقیق کے لئے آپ نے ایسا کیا تھا۔ جب وہ یہاں آنے لگی تو پانی کے حوض کو دیکھ کر اپنے پائنچے اٹھائے آپ نے دیکھ لیا کہ جو بات مجھے پہنچائی گئی ہے غلط ہے۔ اس کی پنڈلیاں اور پیر بالکل انسانوں جیسے ہی ہیں۔ کوئی ناہموارت یا بدصورتی نہیں ہے چونکہ بیناکاح تھی پنڈلیوں پر بال بڑے بڑے تھے۔ آپ نے استرے سے منڈوا ڈالنے کا مشورہ دیا لیکن اس نے کہا اس کی برداشت مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ آپ نے جنوں سے کہا کہ کوئی اور چیز بناؤ جس سے یہ بال جاتے رہیں۔ پس انہوں نے ہڑتال پیش کی یہ دوا سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہی تلاش کی گئی۔

محل میں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ملک سے اپنے دربار سے اپنی رونق سے اپنے ساز و سامان سے اپنے لطف و عیش سے

خود اپنے سے بڑی ہستی دیکھ لے اور اپنا جاہ حشم نظروں سے گر جائے جس کے ساتھ ہی تکبر تجبر کا خاتمہ بھی یقینی تھا۔ یہ جب اندر آنے لگی اور حوض کی حد پر پہنچی تو اسے لہلاتا ہوا دریا سمجھ کر پائنچے اٹھائے۔ اس وقت کہا گیا کہ آپ کو غلطی لگی یہ تو شیشہ منڈھا ہوا ہے۔ آپ اسی کے اوپر سے بغیر قدم تر کئے آ سکتی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہی اس کے کان میں آپ نے صدائے توحید ڈالی اور سورج پرستی کی مذمت سنائی۔ اس محل کو دیکھتے ہی اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہی دربار کے ٹھاٹھ دیکھتے ہی اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ میرا ملک تو اسکے پاسنگ میں بھی نہیں۔ نیچے پانی ہے اور اوپر شیشہ ہے بیچ میں تخت سلیمانی ہے اور اوپر سے پرندوں کا سایہ ہے جن وانس سب حاضر ہیں اور تابع فرمان۔ جب اسے توحید کی دعوت دی گئی تو بیدینوں کی طرح اس نے بھی زندیقانہ جواب دیا جس سے اللہ کی جناب میں گستاخی لازم آتی تھی۔ اسے سنتے ہی سلیمان علیہ السلام اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور آپ کو دیکھ کر آپ کا سارا لشکر بھی۔ اب وہ بہت ہی نادم ہوگئی ادھر سے حضرت نے ڈانٹا کہ کیا کہہ دیا؟ اسنے کہا مجھ سے غلطی ہوئی۔ اور اسی وقت رب کی طرف جھک گئی اور کہنے لگی اے اللہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئی۔ چنانچہ سچے دل سے مسلمان ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

واقعہ ہدہد سے متعلق ایک اثر کا بیان

ابن ابی شیبہ میں یہاں پر ایک غریب اثر ابن عباس سے وارد کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر متمکن ہوتے تو اس کے پاس کی کرسیوں پر انسان بیٹھتے اور اس کے پاس والی کرسیوں پر جن بیٹھتے پھر ان کے بعد شیاطین بیٹھتے پھر ہوا اس تخت کو لے اڑتی اور معلق تھما دیتی پھر پرند آ کر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے پھر آپ ہوا کو حکم دیتے اور وہ پرواز کر کے صبح صبح مہینے بھر کے فاصلے پر پہنچا دیتی اسی طرح شام کو مہینے بھر کی دوری طے ہوتی ایک مرتبہ اسی طرح آپ جا رہے تھے پرندوں کی دیکھ بھال جو کی تو ہدہد کو غائب پایا بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کیا وہ جمگھٹے میں مجھے نظر نہیں پڑتا یا سچ مچ غیر حاضر ہے؟ اگر واقعی وہ غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دونگا بلکہ ذبح کر دونگا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کر دے ایسے موقعہ پر آپ پرندوں کے پر نچوا کر آپ زمین پر ڈلوا دیتے تھے کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں خود حاضر ہوتا ہے اپنا سبا جانا اور وہ انکی خبر لانا بیان کرتا ہے۔ اپنی معلومات کی تفصیل سے آگاہ کرتا ہے حضرت سلیمان اس کی صداقت کی آزمائش کے لئے اسے ملکہ سبا کے نام ایک چھٹی دے کر اسے دوبارہ بھیجتے ہیں جس میں ملکہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ میری نافرمانی نہ کرو اور مسلمان ہو کر میرے پاس آ جاؤ۔ اس خط کو دیکھتے ہی ملکہ کے دل میں خط کی اور اس کے لکھنے والے کی عزت سما جاتی ہے۔ وہ اپنے درباریوں سے مشورہ کرتی ہے وہ اپنی قوت وطاقت فوج کی ٹھاٹھ بیان کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ہم تیار ہیں صرف اشارے کی دیر ہے لیکن یہ برے وقت اور اپنے شکست کے انجام کو دیکھ کر اس ارادے سے باز رہتی ہے۔ اور دوستی کا سلسلہ اس طرح شروع کرتی ہے کہ تحفے اور ہدیے حضرت سلیمان کے پاس بھیجتی ہے۔ جسے حضرت سلیمان علیہ السلام واپس کر دیتے ہیں اور چڑھائی کی دھمکی دیتے ہیں اب یہ اپنے ہاں سے چلتی ہے جب قریب پہنچ جاتی ہے اور اس کے لشکر کی گرد کو حضرت سلیمان علیہ السلام دیکھ لیتے ہیں تب فرماتے ہیں

کہ اس کا تختہ اٹھا لاؤ۔ ایک جن کہتا ہے کہ بہتر میں ابھی لاتا ہوں آپ یہاں سے اٹھیں اس سے پہلے ہی اسے دیکھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے بھی جلد ممکن ہے؟ اس پر تو یہ خاموش ہو گیا لیکن اللہ کے علم والے نے کہا ابھی ایک آنکھ جھپکتے ہی۔ اتنے میں تو دیکھا کہ جس کرسی پر پاؤں رکھ کر حضرت سلیمان اپنے تخت پر چڑھتے ہیں وہاں بلقیس کا تخت نمایا ہوا۔ آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور لوگوں کو نصیحت کی اور اس میں کچھ تبدیلی کا حکم دیا اس کے آتے ہی اس سے اس تخت کے بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ گویا یہ وہی ہے۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے دو چیزیں طلب کیں ایک تو ایسا پانی جو نہ زمین سے نکلا ہو اور نہ آسمان سے برسا ہو۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کسی چیز کی ضرورت پڑتی تو اول انسانوں سے پھر جنوں سے پھر شیطانوں سے دریافت فرماتے اس سوال کے جواب میں شیطانوں نے کہا کہ یہ کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔

گھوڑے دوڑایئے اور ان کے پسینے سے اس کو پیالہ بھر دیجئے اس سوال کے پورا ہونے کے بعد اس نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ کا رنگ کیسا ہے؟ اسے سن کر آپ اچھل پڑے اور اسی وقت سجدے میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ باری تعالیٰ اس نے ایسا سوال کیا کہ میں اسے تجھ سے دریافت ہی نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ بیفکر ہو جاؤ میں نے کفایت کر دیا آپ سجدے سے اٹھے اور فرمایا تو نے کیا پوچھا تھا اس نے کہا پانی کے بارے میں میرا سوال تھا جو آپ نے پورا کیا اور تو میں نے کچھ نہیں پوچھا یہ خود اور اس کا لشکر اس دوسرے سوال ہی کو بھول گئے۔ آپ نے لشکریوں سے بھی پوچھا کہ اس نے دوسرا سوال کیا کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا بجز پانی کے اس نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔ شیطانوں کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلیمان علیہ السلام نے اسے پسند کر لیا اور اسے اپنی نکاح میں لے لیا اور اولاد بھی ہو گئی تو یہ ہم سے ہمشہ کے لئے گئے اس لئے انہوں نے حوض بنایا پانی سے پر کیا۔ اور اوپر سے بلور کا فرش بنا دیا اس صفت سے کہ دیکھنے والے کو وہ معلوم ہی نہ دے وہ تو پانی ہی سمجھے جب بلقیس دربار میں آئی اور وہاں سے گزرنا چاہا تو پانی جان کر اپنے پائچے اٹھا لئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ○
اور اسے اس چیز نے روکے رکھا جس کی عبادت وہ اللہ کے سوا کرتی تھی، بلاشبہ وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔

غیر اللہ کی عبادت کے سبب کفر کا بیان

"وَصَدَّهَا" عَنْ عِبَادَة اللّٰه "مَا كَانَتْ تَعْبُد مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره

اور اسے اللہ کی عبادت سے اس چیز نے روکے رکھا جس کی عبادت وہ اللہ کے سوا کرتی تھی، بلاشبہ وہ کافر لوگوں میں سے تھی۔

(۴۱) اس آیت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سمجھا جائے۔ جیسا کہ ترجمہ میں بیان ہوا ہے اس لحاظ سے اس کا معنی یہ ہوگا کہ چونکہ اسے ماحول کافرانہ اور مشرکانہ ملا تھا۔ لہٰذا وہ بھی قوم کی دیکھا دیکھی سورج کی پرستش کرنے لگی تھی۔ ورنہ اگر وہ کچھ بھی عقل سے کام لیتی تو ایسے شرک میں مبتلا نہ ہوتی۔ اور دوسرا مطلب ہے کہ اس جملہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا فعل تسلیم کیا جائے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو ان تمام چیزوں کی پرستش سے روک دیا جن

کی وہ اپنے زمانہ کفر میں پرستش کیا کرتی تھی۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اس سے کہا گیا: اس محل کے صحن میں داخل ہو جا، پھر جب ملکہ نے اس کو دیکھا تو اسے گہرے پانی کا تالاب سمجھا اور اس نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا: یہ تو محل کا شیشوں جڑا صحن ہے، اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان (علیہ السلام) کی معیت میں اس اللہ کی فرمانبردار ہوگئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

ملکہ بلقیس کا اسلام کو قبول کر لینے کا بیان

"قِيلَ لَهَا" أَيْضًا "ادْخُلِي الصَّرْحَ" هُوَ سَطْح مِنْ زُجَاج أَبْيَض شَفَّاف تَحْته مَاء عَذْب جَارٍ فِيهِ سَمَك اصْطَنَعَهُ سُلَيْمَان لَمَّا قِيلَ لَهُ إِنَّ سَاقَيْهَا وَقَدَمَيْهَا كَقَدَمَيْ الْحِمَار "فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّة" مِنْ الْمَاء "وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا" لِتَخُوضَهُ وَكَانَ سُلَيْمَان عَلَى سَرِيره فِي صَدْر الصَّرْح فَرَأَى سَاقَيْهَا وَقَدَمَيْهَا حِسَانًا "قَالَ" لَهَا "إِنَّهُ صَرْح مُمَرَّد" مُمَلَّس "مِنْ قَوَارِير" مِنْ زُجَاج وَدَعَاهَا إِلَى الْإِسْلَام "قَالَتْ رَبّ إِنِّي ظَلَمْت نَفْسِي" بِعِبَادَةِ غَيْرك "وَأَسْلَمْت" كَائِنَة "مَعَ سُلَيْمَان لِلَّهِ رَبّ الْعَالَمِينَ" وَأَرَادَ تَزَوُّجهَا فَكَرِهَ شَعْر سَاقَيْهَا فَعَمِلَتْ لَهُ الشَّيَاطِين النُّورَة فَأَزَالَتْهُ بِهَا فَتَزَوَّجَهَا وَأَحَبَّهَا وَأَقَرَّهَا عَلَى مُلْكهَا وَكَانَ يَزُورهَا فِي كُلّ شَهْر مَرَّة وَيُقِيم عِنْدهَا ثَلَاثَة أَيَّام وَانْقَضَى مُلْكهَا بِانْقِضَاءِ مُلْك سُلَيْمَان رُوِيَ أَنَّهُ مَلَكَ وَهُوَ ابْن ثَلَاث عَشْرَة سَنَة وَمَاتَ وَهُوَ ابْن ثَلَاث وَخَمْسِينَ سَنَة فَسُبْحَان مَنْ لَا انْقِضَاء لِدَوَامِ مُلْكه

اس ملکہ سے کہا گیا: اس محل کے صحن میں داخل ہو جا جس کے نیچے نیلگوں پانی کی لہریں چلتی تھیں اس میں مچھلیاں بھی تھیں اور یہ شیشے کا محل یا حوض تھا۔ یہ اس وجہ بنوایا گیا تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ اس کی دونوں پنڈلیاں اور پاؤں گدھے جیسے ہیں۔ پھر جب ملکہ نے اس مزین بلوریں فرش کو دیکھا تو اسے گہرے پانی کا تالاب سمجھا اور اس نے پائینچے اٹھا کر اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں، تا کہ وہ اس میں داخل ہو جائے جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام سامنے تخت پر جلوہ فرما تھے اور آپ نے اس کی دونوں پنڈلیوں اور قدموں کو خوبصورتی میں دیکھا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو محل کا شیشوں جڑا صحن ہے، اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اس ملکہ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! (میں اسی طرح فریب نظر میں مبتلا تھی) بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اس اللہ کی فرمانبردار ہوگئی ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا تو اس کی پنڈلیوں کے بالوں کے سبب ناپسند کیا تو شیاطین نورہ کے ذریعے کام کیا جس ان ملکہ

نے بالوں کو صاف کیا تو آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس کو پسند کیا اور اس کے ملک کو برقرار رکھا۔ اور آپ مہینے میں ایک بار اس سے ملاقات کرتے تھے۔ اور اس کے ہاں تین دن قیام کرتے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت مکمل ہوئی تو اس کے ساتھ ہی اس کی بادشاہت بھی مکمل ہوگئی روایت کیا گیا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ سال تھی اور جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کی عمر مبارک ۵۳ سال تھی۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کی بادشاہت کو زوال نہیں بلکہ دوام ہی ہے۔

حضرت سلیمان نے پنڈلیوں کے بال دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ اسے زائل کرنے کی کوشش کرو تو کہا گیا کہ استرے سے مونڈ سکتے ہیں آپ نے فرمایا اس کا نشان مجھے ناپسند ہے کوئی اور ترکیب بتاؤ پس شیاطین نے طلا بنایا جس کے لگاتے ہی بال اڑ گئے۔ پس اول اول بال صفا طلا حضرت سلیمان کے حکم سے ہی تیار ہوا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے اس قصے کو نقل کر کے لکھا ہے یہ کتنا اچھا قصہ ہے۔ اور ہر بلند عمارت کو صرح کہتے ہیں۔ چنانچہ فرعون ملعون نے بھی اپنے وزیر ہامان سے یہی کہا تھا۔ آیت (یا ھامان ابن لی صرحا)۔

یمن کے ایک خاص اور بلند محل کا نام بھی صرح تھا۔ اس سے مراد ہر وہ بنا ہے جو محکم مضبوط استوار اور قوی ہو۔ یہ بنا بلور اور صاف شفاف شیشے سے بنائی گئی تھی۔ دومۃ الجندل میں ایک قلعہ ہے اسکا نام بھی مادر ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ جب اس ملکہ نے حضرت سلیمان کی یہ رفعت، یہ عظمت، یہ شوکت، یہ سلطنت دیکھی اور اس میں غور وفکر کے ساتھ ہی حضرت سلیمان کی سیرت ان کی نیکی اور ان کی دعوت سنی تو یقین آ گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اسی وقت مسلمان ہوگئی اپنے اگلے شرک وکفر سے توبہ کر لی اور دین سلیمان کی مطیع بن گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ٥
اور بیشک ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے (قومی) بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو
تو اس وقت وہ دو فرقے ہو گئے جو آپس میں جھگڑتے تھے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا قوم کو عقیدہ توحید کی دعوت دینے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُود أَخَاهُمْ" مِنْ الْقَبِيلَة "صَالِحًا أَنْ" أَيْ بِأَنْ "اُعْبُدُوا اللَّه" وَحْدُوهُ "فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ" فِي الدِّين فَرِيق مُؤْمِنُونَ مِنْ حِين إِرْسَاله إِلَيْهِمْ وَفَرِيق كَافِرُونَ

اور بیشک ہم نے قوم ثمود کے پاس ان کے قومی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید پر ایمان لے آؤ۔ تو اس وقت وہ دو فرقے ہو گئے جو آپس میں جھگڑتے تھے۔ یعنی دین میں ایک فرقہ اہل ایمان کا تھا جو حضرت صالح علیہ السلام کی ان کی جانب بعثت کے وقت سے تھا۔ جبکہ دوسرا فرقہ کفار کا تھا۔

صالح علیہ السلام کی ضدی قوم کا بیان

حضرت صالح علیہ السلام جب اپنی قوم ثمود کے پاس آئے اور اللہ کی رسالت ادا کرتے ہوئے انہیں دعوت توحید دی تو ان میں دو فریق بن گئے ایک جماعت مومنوں کی دوسرا گروہ کافروں کا۔ یہ آپس میں گتھ گئے جیسے اور جگہ ہے کہ متکبروں نے عاجزوں سے کہا کہ کیا تم صالح کو رسول اللہ مانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم کھلم کھلا ایمان لا چکے ہیں انہوں نے کہا بس تو ہم ایسے ہی کھلم کھلا کافر ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوگیا بجائے رحمت کے عذاب مانگ رہے ہو؟ تم استغفار کرو تا کہ نزول رحمت ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا تو یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں کا باعث تو ہے اور تیرے ماننے والے۔ یہی فرعونیوں نے کلیم اللہ سے کہا تھا کہ جو بھلائیاں ہمیں ملتی ہیں ان کے لائق تو ہم ہیں لیکن جو برائیاں پہنچتی ہیں وہ سب تیری اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہیں

ہم تو آپ سے بدشگونی لیتے ہیں اگر تم لوگ باز نہ رہے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور سخت دیں گے۔ نبیوں نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو ہر وقت تمہارے وجود میں موجود ہے۔ یہاں ہے کہ حضرت صالح نے جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے یعنی وہی تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ بلکہ تم تو فتنے میں ڈالے ہوئے لوگ ہو تمہیں آزمایا جا رہا ہے اطاعت سے بھی اور معصیت سے بھی اور باوجود تمہاری معصیت کے تمہیں ڈھیل دی جا رہی ہے یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے اس کے بعد پکڑے جاؤ گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝
فرمایا: اے میری قوم! تم لوگ بھلائی سے پہلے برائی میں کیوں جلدی چاہتے ہو؟
تم اللہ سے بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مطالبہ عذاب میں جلدی کرنے والوں کا بیان

"قَالَ" لِلْمُكَذِّبِيْنَ "يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ" أَيْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ الرَّحْمَةِ حَيْثُ قُلْتُمْ إِنْ كَانَ مَا أَتَيْتَنَا بِهِ حَقًّا فَأْتِنَا بِالْعَذَابِ "لَوْلَا" هَلَّا "تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ" مِنَ الشِّرْكِ "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" فَلَا تُعَذَّبُوْنَ

حضرت صالح علیہ السلام نے تکذیب کرنے والوں سے فرمایا: اے میری قوم! تم لوگ بھلائی یعنی رحمت سے پہلے برائی یعنی عذاب میں کیوں جلدی چاہتے ہو؟ کیونکہ تم نے کہا کہ اگر عذاب برحق ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ۔ تم شرک سے بچنے کیلئے اللہ سے بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ پس تمہیں عذاب نہ دیا جائے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا۔ ہر طرح فرمائش کی اور آخر میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے اگر تو

سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ الٹے برائی طلب کرنے میں جلدی مچار ہے ہو۔ برا وقت آپڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ واستغفار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ط قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ○
وہ کہنے لگے: ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے اوران لوگوں سے جو تمہارے ساتھ ہیں۔
فرمایا: تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہو۔

خیر اور شر کے ذریعے آزمائش کا بیان

"قَالُوا اطَّيَّرْنَا" أَصْلُهُ تَطَيَّرْنَا أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الطَّاء وَاجْتُلِبَتْ هَمْزَة الْوَصْل أَيْ تَشَاءمْنَا "بِكَ وَبِمَنْ مَعَكَ" الْمُؤْمِنِينَ حَيْثُ قَحَطُوا الْمَطَر وَجَاعُوا "قَالَ طَائِرُكُمْ" شُؤْمكُمْ "عِنْد اللّٰه" أَتَاكُمْ بِهِ "بَلْ أَنْتُمْ قَوْم تُفْتَنُونَ" تُخْتَبَرُونَ بِالْخَيْرِ وَالشَّرّ

وہ کہنے لگے: ہمیں تم سے بھی نحوست پہنچی ہے یہاں پر لفظ اطیرنا اصل میں تطیرنا تھا۔ اورتاء کا طاء میں ادغام کیا گیا ہے۔ ابتداء بہ سکون کے التزام کے سبب شروع میں ہمزہ وصلی لے کر آئے۔ اوران لوگوں سے بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ کیونکہ قوم قحط اور بھوک کا شکار ہو چکی ہے۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری نحوست کا سبب اللہ کے پاس لکھا ہوا ہے بلکہ تم لوگ فتنہ میں مبتلا کئے گئے ہو۔ یعنی تمہیں خیر اور شر کے ذریعے آزمایا گیا ہے۔

کفر و سرکشی کے سبب وقوع قحط کا بیان

حضرت صالح علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور قوم نے تکذیب کی اس کے باعث بارش رک گئی قحط ہو گیا، لوگ بھوکے مرنے لگے اس کو انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری کی طرف نسبت کیا اور آپ کی آمد کو بدشگونی سمجھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ بدشگونی جو تمہارے پاس آئی یہ تمہارے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی۔ عرب جب کسی کام کا یا سفر کا ارادہ کرتے تو پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب اڑتا تو اسے نیک شگون سمجھتے اور وہ کام کر گزرتے یا سفر پر روانہ ہو جاتے اور اگر بائیں جانب اڑتا تو بدشگونی سمجھتے اور اس کام یا سفر سے رک جاتے۔ اسلام میں یہ بدشگونی اور نیک شگونی جائز نہیں ہے البتہ فال نکالنا جائز ہے اہل ایمان نحوست کا باعث نہیں ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو بلکہ اس کا اصل سبب اللہ ہی کے پاس ہے کیونکہ قضا و تقدیر اسی کے اختیار میں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو نحوست پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا سبب تمہارا کفر ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ نمل، بیروت)

وَ كَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ○

اور شہر میں نو سر کردہ آدمی تھے ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

قوم ثمود کے ۹ فسادی افراد کا بیان

"وَكَانَ فِي الْمَدِينَة " مَدِينَة ثَمُود "تِسْعَة رَهْط" أَيْ رِجَال "يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْض " بِالْمَعَاصِي مِنْهَا قَرْضهمْ الدَّنَانِير وَالدَّرَاهِم "وَلَا يُصْلِحُونَ" بِالطَّاعَةِ

اور قوم ثمود کے شہر میں نو سر کردہ آدمی تھے جو گناہوں کے ذریعے ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اسی فساد میں سے دراہم ودنانیر کو کاٹنا بھی آتا ہے جبکہ وہ اطاعت کے ذریعے اصلاح نہیں کرتے تھے۔

رھط بمعنی ایک ہی خاندان کے لوگوں کی مختصر سی جماعت جن کی تعداد دس سے کم ہو اور ان میں کوئی عورت نہ ہو۔ نیز اس کے جماعت کے سردار یا سرغنہ کو بھی رھط کہتے ہیں۔) مفردات (اور یہ لفظ عموماً بڑے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اور رھط کی۔۔۔ کسی عدد کی طرف ہو تو اس سے اشخاص مراد لئے جاتے ہیں۔) منجد (اسی لئے ہم نے رھط کا ترجمہ سرغنہ کیا ہے یعنی کسی اوباش اور بدکردار چھوٹی سی جماعت کا لیڈر۔ قوم ثمود کی معروف بستی کا نام حجر ہے۔ اور اسے ام القریٰ بھی کہتے ہیں یہ مکہ سے شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے اسی شہر میں ایسے نو سرغنے تھے یا بدمعاش تھے اور ان سب میں سر کردہ قدار تھا یعنی سب سے بڑا بدبخت یہی قدار ہی تھا جس نے اللہ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ اور باقی آٹھ سرغنے اسی قدار کے مدد و معاون ساتھی تھے۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ○

انھوں نے کہا آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور ہی اس پر اور اس کے گھر والوں پر رات حملہ کریں گے، پھر ضرور ہی

اس کے وارث سے کہہ دیں گے ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں۔

فسادیوں کا رات کے وقت خفیہ حملہ کرنے کی سازش کا بیان

"قَالُوا" أَيْ قَالَ بَعْضهمْ لِبَعْضٍ "تَقَاسَمُوا" أَيْ احْلِفُوا "بِاَللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ" بِالنُّونِ وَالتَّاء وَضَمّ التَّاء الثَّانِيَة "وَأَهْله" أَيْ مَنْ آمَنَ بِهِ أَيْ نَقْتُلهُمْ لَيْلًا "ثُمَّ لَنَقُولَنَّ " بِالنُّونِ وَالتَّاء وَضَمّ اللَّام الثَّانِيَة "لِوَلِيِّهِ" لِوَلِيّ دَمه "مَا شَهِدْنَا" حَضَرْنَا "مَهْلِك أَهْله" بِضَمِّ الْمِيم وَفَتْحهَا أَيْ إهْلَاكهمْ أَوْ هَلَاكهمْ فَلَا نَدْرِي مَنْ قَتَلَهُمْ

انھوں نے ایک دوسرے سے کہا آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور ہی اس پر اور اس کے گھر والوں پر رات حملہ کریں گے، یہاں پر لفظ نبیتنہ، نون اور تاء اور تائے ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور اہل سے مراد جو آپ پر ایمان لائے ہیں ان کو قتل کر دیں گے۔ پھر ضرور ہی اس کے وارث سے کہہ دیں گے، یہاں پر نقولن یہ نون اور تاء اور لام ثانیہ کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے ہم

اس کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے، یہاں پر لفظ مہلک یہ میم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی ان کے ہلاک ہونے یا انہیں ہلاک کرنے کے وقت کا ہمیں نہیں معلوم کہ انہیں کس نے قتل کیا ہے۔اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں۔

اونٹنی کے قتل اور وقوع عذاب کا بیان

ثمود کے شہر میں نو فسادی شخص تھے جن کی طبعیت میں اصلاح تھی ہی نہیں یہی ان کے رؤسا اور سردار تھے انہی کے مشورے اور حکم سے اونٹنی کو مار ڈالا ان کے نام یہ ہیں رعی، رغم، ھرم، ھریم، داب، صواب، مطع، قدار بن سالف یہ آخری شخص وہ ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح فساد ہے چنانچہ ابو داؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلاضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے۔اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح کو اور اسکے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب الٰہی ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصا جب انہوں نے حضرت صالح کی اونٹنی کو قتل کیا۔اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ علیہ السلام کے قتل پر آمادہ ہوئے۔مشورے کئے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اسے کے بال بچوں اور اس کے والی وارثوں کو ہلاک کر دو اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو اس ارادے سے چلے راہ ہی میں تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے ان کے مشوروں میں جو اور جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور واپس نہیں آئے تو یہ خبر لینے چلے دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔

انہوں نے حضرت صالح پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے نکلے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگے دیکھو اس نے تم سے کہا کہ تین دن میں عذاب اللہ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گذرنے دو۔اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے اللہ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔فی الواقع ان سے نبی اللہ حضرت صالح علیہ السلام نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم اب تین دن تک مزے اڑا لو پھر اللہ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سب سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت سے کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی۔

اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے

اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ میں اس طرح ٹھہر گیا کہ غار کا منہ بالکل بند ہو گیا۔ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور باایمان لوگوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں اللہ کے عذابوں میں گنوا دیں۔ انہوں نے مکر کیا اور ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا۔ اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا۔ انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ یہ ہیں ان کی بستیاں جو سنسان پڑی ہیں انکے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دئے گئے ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم نے ایمان دار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے خفیہ تدبیر فرمائی اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔

فسادی کفار کی خفیہ سازش پر عذاب آ جانے کا بیان

"وَمَكَرُوا" فِي ذَلِكَ "مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا" أَيْ جَازَيْنَاهُمْ بِتَعْجِيلِ عُقُوبَتهمْ

اور انہوں نے خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی اس کے توڑ کے لئے خفیہ تدبیر فرمائی یعنی جلد عذاب کی پکڑ میں لا کر سزا دے دی اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔

ان کا مکر یہی تھا کہ انہوں نے باہم حلف اٹھایا کہ رات کی تاریکی میں اس منصوبہ قتل کو بروئے کار لائیں اور تین دن پورے ہونے سے پہلے ہی ہم صالح علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو ٹھکانے لگا دیں۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
تو آپ دیکھئے کہ ان کی سازش کا انجام کیسا ہوا، بیشک ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔

پتھروں کی بارش کے سبب قوم ثمود کی ہلاکت کا بیان

"فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَتْ عَاقِبَة مَكْرهمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ" أَهْلَكْنَاهُمْ "وَقَوْمهمْ أَجْمَعِينَ" بِصَيْحَةِ جِبْرِيل أَوْ بِرَمْيِ الْمَلَائِكَة بِحِجَارَةٍ يَرَوْنَهَا وَلَا يَرَوْنَهُمْ

تو آپ دیکھئے کہ ان کی مکارانہ سازش کا انجام کیسا ہوا، بیشک ہم نے ان سرداروں کو اور ان کی ساری قوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ یعنی جبرائیل کی چیخ یا فرشتوں کے پتھر مارنے سے ان کو ہلاک کر دیا وہ پتھروں کو دیکھتے تھے جبکہ فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝

وَ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝

تو یہ ہیں ان کے گھر گرے ہوئے، اس کے باعث جوانھوں نے ظلم کیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو جانتے ہیں۔ اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کونجات دی۔

قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"فَتِلْكَ بُيُوتهمْ خَاوِيَة " أَيْ خَالِيَة وَنَصْبه عَلَى الْحَال وَالْعَامِل فِيهَا مَعْنَى الْإِشَارَة "بِمَا ظَلَمُوا" بِظُلْمِهِمْ أَيْ كُفْرهمْ "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَة " لَعِبْرَة "لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ" قُدْرَتنَا فَيَتَّعِظُونَ،وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا" بِصَالِحٍ وَهُمْ أَرْبَعَة آلَاف "وَكَانُوا يَتَّقُونَ" الشِّرْك

تو یہ ہیں ان کے گھر گرے ہوئے، یہاں پر لفظ خاویہ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور عامل اس میں معنی اشارہ یعنی اشیر ہے۔ اس کے باعث جوانھوں نے ظلم یعنی کفر کیا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو جانتے ہیں۔ یعنی ہماری قدرت کی نشانی ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہم نے حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو نجات دی۔ جن کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور شرک سے بچنے والوں کو نجات دی۔

جب یہ لوگ اس منصوبہ پر قسمیں کھا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حصرت صالح علیہ السلام کو وحی کر دی کہ وہ اپنے خاندان اور ایمان والوں کو لے کر فوراً اس بستی سے ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپ چار ہزار افراد کو اپنے ہمراہ لے کر فلسطین کی طرف چلے گوے اور رملہ کے قریب آ گئے۔ آپ کے اس بستی سے نکلنے کی دیر تھی کہ اس شہر بلکہ قوم ثمود کے پورے علاقہ میں شدید زلزلہ کا عذاب آیا اور اس سے دل دہلانے والی آوازیں اور چیخیں بھی پیدا ہوتی تھیں۔ زلزلہ اتنا شدید تھا جس نے ان کے پہاڑوں میں بنے ہوئے مکانوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور خود بھی یہ قوم اسی عذاب سے ہلاک ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شب حضرت صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے فرشتے بھیجے تو وہ نو شخص ہتھیار باندھ کر تلواریں کھینچ کر حضرت صالح علیہ السلام کے دروازے پر آئے فرشتوں نے ان کے پتھر مارے وہ پتھر لگتے تھے اور مارنے والے نظر نہ آتے تھے اس طرح ان نو کو ہلاک کیا۔ (تفسیر خازن، سورہ نمل، بیروت)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۝ اَئِنَّكُمْ

لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۝

اور لوط (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ کیا بے شک

تم واقعی عورتوں کو چھوڑ کر شہوت سے مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت برتتے ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو برائی سے منع کرنے کا بیان

"وَلُوطًا" مَنْصُوب بِاذْكُرْ مُقَدَّرًا قَبْله وَيُبْدَل مِنْهُ "إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَة" أَيْ اللِّوَاط "وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ" أَيْ يُبْصِر بَعْضكُمْ بَعْضًا انْهِمَاكًا فِي الْمَعْصِيَة

"أَإِنَّكُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ "لَتَأْتُونَ الرِّجَال شَهْوَة مِنْ دُون النِّسَاء بَلْ أَنْتُمْ قَوْم تَجْهَلُونَ" عَاقِبَة فِعْلكُمْ

یہاں پر لفظ لوط یہ اذکر مقدر ماقبل کے سبب منصوب ہے۔ اور اذ قال لقومہ الخ اس سے بدل ہے۔ اور لوط (علیہ السلام کو یاد کریں جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: کیا تم بے حیائی یعنی لواطت کا ارتکاب کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے بھی ہو۔ یعنی ایک دوسرے کو گناہ میں منہمک بھی دیکھتے ہو۔ کیا بے شک تم واقعی عورتوں کو چھوڑ کر شہوت سے مردوں کے پاس آتے ہو، یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ جبکہ دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں کے درمیان الف کو داخل کیا گیا ہے۔ بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ جہالت برتتے ہو۔ یعنی اپنے فعل کے انجام سے بے خبر ہو۔

قوم لوط کی برائی اور ہلاکت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی امت یعنی اپنی قوم کو اس کے نالائق فعل پر جس کا فاعل ان سے پہلے کوئی نہ ہوا تھا۔ یعنی اغلام بازی پر ڈرایا۔ تمام قوم کی یہ حالت تھی کہ مرد مردوں سے عورت عورتوں سے شہوت رانی کر لیا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی اتنے بے حیا ہو گئے تھے کہ اس پاجی فعل کو پوشیدہ کرنا بھی کچھ ضروری نہیں جانتے تھے۔ اپنے مجمعوں میں واہی فعل کرتے تھے۔ عورتوں کو چھوڑ مردوں کے پاس آتے تھے اس لئے آپ نے فرمایا کہ اپنی اس جہالت سے باز آ جاؤ تم تو ایسے گئے گزرے اور اتنے نادان ہوئے کہ شرعی پاکیزگی کے ساتھ ہی تم سے طبعی بھی جاتی رہی۔ جیسے دوسری آیت میں ہے کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور عورتوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑ بنائے ہیں چھوڑتے ہو؟ بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔ قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جب لوط اور لوط والے تمہارے اس فعل سے بیزار ہیں اور نہ وہ تمہاری مانتے ہیں نہ تم ان کی۔ تو پھر ہمیشہ کی اس بحث و تکرار کو ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو دیس نکالا دے کر ان کے روزمرہ کے کچوکوں سے نجات حاصل کر لو۔ جب کافروں نے پختہ ارادہ کر لیا اور اس پر جم گئے اور اجماع ہو گیا تو اللہ نے انہیں کو ہلاک کر دیا اور اپنے پاک بندے حضرت لوط کو اور ان کی اہل کو ان سے جو عذاب ان پر آئے ان سے بچا لیا۔ ہاں آپ کی بیوی جو قوم کے ساتھ ہی تھی وہ پہلے سے ہی ان ہلاک ہونے والوں میں لکھی جا چکی تھی وہ یہاں باقی رہ گئی اور عذاب کے ساتھ تباہ ہوئی کیونکہ یہ انہیں ان کے دین اور ان کے طریقوں میں مدد دیتی تھی انکی بداعمالیوں کو پسند کرتی تھی۔ اسی نے حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر قوم کو دی تھی۔ لیکن یہ خیال رہے کہ معاذ اللہ ان کی اس فحش کاری میں یہ شریک نہ تھی۔ اللہ کے نبی علیہ السلام کی بزرگی

کے خلاف ہے کہ ان کی بیوی بدکار ہو۔اس قوم پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جن پر ان کے نام کندہ تھے ہر ایک پر اسی کے نام پتھر آیا اور ایک بھی ان میں سے بچ نہ سکا۔ظالموں سے اللہ کی سزا دور نہیں۔ان پر حجت ربانی قائم ہو چکی تھی۔انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا۔تبلیغ رسالت کافی طور پر ہو چکی تھی۔لیکن انہوں نے مخالفت میں جھٹلانے میں اور اپنی بے ایمانی پر اڑنے میں کمی نہیں کی۔ نبی اللہ علیہ السلام کو تکلیفیں پہنچائیں بلکہ انہیں نکال دینے کا ارادہ کیا اس وقت اس بدترین بارش نے یعنی سنگ باری نے انہیں فنا کر دیا۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ نمل،بیروت)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ○
تو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: تم لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔

قوم لوط کا لوط علیہ السلام کے اہل کو بستی سے نکلوانے کا بیان

"فَمَا كَانَ جَوَاب قَوْمه إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آل لُوط " أَهْله "مِنْ قَرْيَتكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاس يَتَطَهَّرُونَ " مِنْ أَدْبَار الرِّجَال

تو ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: تم لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ بڑے پاک باز بنتے ہیں۔یعنی ادبار سے متعلق بڑے نیک بنے پھرتے ہیں۔

بجائے اس کے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت پر کچھ اپنی اصلاح کرتے وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو ازراہ تمسخر پاکبازی کا طعنہ دیں۔پھر انھیں اپنے شہر سے نکال دینے کی دھمکی بھی دینے لگے کہ تم جیسے پاکباز ہم گندے لوگوں میں کیونکر رہ سکتے ہیں ۔لہٰذا تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ٘ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ○
تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی۔ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں میں طے کر دیا تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل کی نجات کا بیان

"فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْله إِلَّا امْرَأَته قَدَّرْنَاهَا" جَعَلْنَاهَا بِتَقْدِيرِنَا "مِنْ الْغَابِرِينَ" الْبَاقِينَ فِي الْعَذَاب

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو بچا لیا مگر اس کی بیوی۔یعنی ہم نے اپنی تقدیر کے مطابق اس کو عذاب میں رہنے دیا۔ ہم نے اسے پیچھے رہنے والوں یعنی عذاب میں رہنے والوں میں طے کر دیا تھا۔

وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ○
اور ہم نے ان پر بارش برسائی،زبردست بارش،سو بری بارش تھی ان لوگوں کی جو ڈرائے گئے تھے۔

پتھروں کی بارش سے قوم لوط کی ہلاکت کا بیان

"وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا" هُوَ حِجَارَة السِّجِّيل فَأَهْلَكَتْهُمْ "فَسَاءَ" بِئْسَ "مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ" بِالْعَذَابِ مَطَرهمْ

اور ہم نے ان پر بارش برسائی، یعنی کنکریوں والے پتھر تھے جنہوں نے ان کو ہلاک کر دیا۔ زبردست بارش، سو بری بارش تھی ان لوگوں کیلئے تھی جو عذاب سے ڈرائے گئے تھے۔

اس سورہ میں تین انبیاء حضرت سلیمان، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کے حالات کا ذکر ہوا ہے۔ اور ان کے حالات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں کوئی نہ کوئی مشابہت کا پہلو ضرور پایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو یہ چیلنج کیا تھا کہ اگر تم مطیع فرمان بن کر حاضر ہو جاؤ تو بہتر ورنہ ہم ایسے لشکر سے تم پر حملہ کریں گے جس کے مقابلہ کی تم تاب نہ لاسکو گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین مکہ پر ایسا ہی لشکر لائے تھے۔ جس کے مقابلہ کی ان میں تاب نہ تھی۔ حضرت صالح کو ان کی قوم نے بلوا کی صورت میں شبخون مار کر قتل کرنا چاہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں نجات دی۔ قریش مکہ نے بھی آپ سے یہی سلوک کرنا چاہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی اس سازش سے بال بال بچالیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو ان کی قوم نے شہر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ جبکہ قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عملاً شہر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے منتخب بندوں پر سلامتی ہو، کیا اللہ ہی بہتر ہے
یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ کے مصطفیٰ بندوں پر سلام ہونے کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّد "الْحَمْد لِلّٰهِ" عَلَى هَلَاك الْكُفَّار مِنْ الْأُمَم الْخَالِيَة "وَسَلَام عَلَى عِبَاده الَّذِينَ اصْطَفَى" هُمْ "آللّٰه" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه "خَيْر" لِمَنْ يَعْبُدهُ "أَمَّا يُشْرِكُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء أَيْ أَهْل مَكَّة بِهِ الْآلِهَة خَيْر لِعَابِدِيهَا

یا محمد ﷺ آپ فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں یعنی جس نے سابقہ قوموں کو ہلاک کر دیا اور اس کے منتخب برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو، جن اللہ نے چن لیا ہے۔ یہاں لفظ آللہ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے ہمزے کو الف سے تبدیل کیا گیا اور ان دونوں کی تسہیل جبکہ ان کے درمیان الف کو داخل کیا جائے اور دونوں کو عدم تسہیل کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ کیا اللہ ہی

بہتر ہے یا وہ معبودان باطلہ جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یشرکون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے یعنی اے اہل مکہ عابدین کیلئے اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ بہتر ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام پر سلام بھیجنے کا بیان

انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے کچھ حالات اور ان پر عذاب آنے کے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد یہ جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالی کا شکر ادا کریں کہ آپ کی امت کو دنیا کے عذاب عام سے مامون کر دیا گیا ہے اور انبیاء سابقین اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجئے۔ جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض نے اس کا مخاطب بھی حضرت لوط علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ اس آیت میں الَّذِیْنَ اصْطَفٰی کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ،

حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام امور حضرت ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالی کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ نمل، بیروت)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ
بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝
بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے
تازہ اور خوش نما باغات اُگائے؟ تمہارے لئے ممکن نہ تھا کہ تم ان کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟
بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ راست سے ہٹ رہے ہیں۔

اللہ تعالی کے معبود برحق ہونے پر دلائل کا بیان

"اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوَات وَالْاَرْض وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنْ السَّمَاء مَاء فَاَنْبَتْنَا" فِيهِ الْتِفَات مِنْ الْغَيْبَة إلَى التَّكَلُّم "بِهِ حَدَائِق" جَمْع حَدِيقَة وَهُوَ الْبُسْتَان الْمَحُوط "ذَات بَهْجَة" حُسْن "مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرهَا" لِعَدَمِ قُدْرَتكُمْ عَلَيْهِ "أَإِلَه" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي مَوَاضِعه السَّبْعَة "مَعَ اللّٰه" أَعَانَهُ عَلَى ذٰلِكَ أَيْ لَيْسَ مَعَهُ إلَه "بَلْ هُمْ قَوْم يَعْدِلُونَ" يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ غَيْره

بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی سے تازہ اور خوش نما باغات اُگائے؟ یہاں پر غیبت سے تکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے لفظ حدائق یہ حدیقہ کی جمع ہے۔اور وہ باغ ہے جس کے چاروں طرف دیوار کی گئی ہو۔اور وہ تمہارے لئے ممکن نہ تھا کیونکہ تمہیں اس پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ کہ تم ان باغات کے درخت اُگا سکتے۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ یہاں پر أالہ یہ دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان الف کو داخل کر کے ساتوں مقامات پر ایسا ہی کیا گیا ہے۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں یعنی اس پر اعانت کرتے ہیں حالانکہ اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے۔جو راہِ حق سے پرے ہٹ رہے ہیں۔یعنی اللہ کے ساتھ شریک وغیرہ ٹھہراتے ہیں۔

تخلیق خلائق سے استدلال قدرت و توحید کا بیان

بیان کیا جارہا ہے کہ کل کائنات کا رچلانے والا، سب کا پیدا کرنے والا، سب کو روزیاں دینے والا، سب کی حفاظتیں کرنے والا، تمام جہان کی تدبیر کرنے والا، صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ان بلند آسمانوں کو چمکتے ستاروں کو اسی نے پیدا کیا ہے اس بھاری بوجھل زمین کو ان بلند چوٹیوں والے پہاڑوں کو ان پھیلے ہوئے میدانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے۔کھیتیاں، باغات، پھل، پھول، دریا، سمندر، حیوانات، جنات، انسان، خشکی اور تری کے عام جاندار اسی ایک کے بنائے ہوئے ہیں۔آسمانوں سے پانی اتارنے والا وہی ہے۔اسے اپنی مخلوق کو روزی دینے کا ذریعہ اسی نے بنایا، باغات کھیت سب وہی اگاتا ہے۔جو خوش منظر ہونے کے علاوہ بہت مفید ہیں۔خوش ذائقہ ہونے کے علاوہ زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں۔تم میں سے یا تمہارے معبودان باطل میں سے کوئی بھی نہ کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے نہ کسی درخت اگانے کی۔بس وہی خالق ورازق ہے اللہ کی خالقیت اور اس کی روزی پہنچانے کی صفت کو مشرکین بھی مانتے تھے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ
بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے بھاری پہاڑ بنائے۔
اور دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔

دو سمندروں کے پانی کا باہم اختلاط نہ ہونے کا بیان

"أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْض قَرَارًا" لَا تَمِيد بِأَهْلِهَا "وَجَعَلَ خِلَالهَا" فِيمَا بَيْنهَا "أَنْهَار وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِي" جِبَالًا أَثْبَتَ بِهَا الْأَرْض "وَجَعَلَ بَيْن الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا" بَيْن الْعَذْب وَالْمِلْح لَا يَخْتَلِط أَحَدهمَا بِالْآخَرِ "أَإِلَه مَعَ اللَّه بَلْ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" تَوْحِيده

بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا ہے جو اپنے اہل کو لیکر ڈگمگانے والی نہیں ہے۔ اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے ٹھہراؤ کیلئے بھاری پہاڑ بنائے۔ اور کھاری اور شیریں دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے میں اختلاط (مکسنگ) نہیں کرتا۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ اس کی توحید سے بے علم ہیں۔

کائنات کے مظاہر سے استدلال قدرت وتوحید کا بیان

زمین کو اللہ تعالیٰ نے ٹھہری ہوئی اور ساکن بنایا تاکہ دنیا آرام سے اپنی زندگی بسر کر سکے اور اس پھیلے ہوئے فرش پر راحت پا سکے۔ جیسے اور آیت میں ہے آیت (اللہ الذی جعل لکم الأرض قرارا الخ)، اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی ساکن بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے زمین پر پانی کے دریا بہادیئے جو ادھر ادھر بہتے رہتے ہیں اور ملک ملک پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت باغ وغیرہ اگیں۔ اس نے زمین کی مضبوطی کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑھ دیں تاکہ وہ تمہیں متزلزل نہ کر سکے ٹھہری رہے۔ اسکی قدرت دیکھو کہ ایک کھاری سمندر ہے اور دوسرا میٹھا ہے۔ دونوں بہہ رہے ہیں بیچ میں کوئی روک آڑ پردہ حجاب نہیں لیکن قدرت نے ایک کو ایک سے الگ کر رکھا ہے اور نہ کڑوا میٹھے میں مل سکے نہ میٹھا کڑوے میں۔ کھاری اپنے فوائد پہنچاتا رہے میٹھا اپنے فوائد دیتا رہے اس کا نتھرا ہوا خوش ذائقہ مسرور کن خوش ہضم پانی لوگ پئیں اپنے جانوروں کو پلائیں کھتیاں باڑیاں باغات وغیرہ میں یہ پانی پہنچائیں نہائیں دھوئیں وغیرہ۔ کھاری پانی اپنی فوائد سے لوگوں کو سود مند کرے یہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے تاکہ ہوا خراب نہ ہو۔ اور اس آیت میں بھی ہے ان دونوں کا بیان موجود ہے آیت (وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ، الفرقان:53) یعنی ان دونوں سمندروں کا جاری کرنے والا اللہ ہی ہے اور اسی لئے ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کر رکھی ہے۔ یہاں یہ قدرتیں اپنی جتا کر۔ پھر سوال کرتا ہے کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کیے ہوں یا کر سکتا ہو؟ تاکہ وہ بھی لائق عبادت سمجھا جائے۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ عبادتوں کے لائق صرف وہی ایک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝
بلکہ وہ کون ہے جو بیقرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں
وارث وجانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔

مجبور و پریشان شخص سے مصائب کو دور کرنے کا بیان

"اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ" اَلْمَكْرُوْبُ الَّذِیْ مَسَّهُ الضُّرُّ "اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ" عَنْهُ وَعَنْ غَیْرِهٖ

"وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ " الْإِضَافَة بِمَعْنَى فِي أَيْ يَخْلُف كُلّ قَرْن الْقَرْن الَّذِي قَبْله "أَإِلَه مَعَ اللَّه قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ" تَتَّعِظُونَ بِالْفَوْقَانِيَّة وَالتَّحْتَانِيَّة وَفِيهِ إِدْغَام التَّاء فِي الذَّال وَمَا زَائِدَة لِتَقْلِيلِ الْقَلِيل

بلکہ وہ کون ہے جو بیقرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے یعنی وہ مجبور شخص جو پریشانی میں گھرا ہوا ہو۔ جب وہ اسے پکارے اور وہ اس سے اور اس کے غیر سے تکلیف کو دور فرماتا ہے۔ اور تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا وارث و جانشین بناتا ہے؟ یہاں پر اضافت بہ معنی لفظ فی ہے۔ یعنی ہر زمانے کے زمانے میں جو ان سے پہلے تھا وہ جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہاں پر تذکرون کا تاء اور یاء دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور اس میں تاء کا ذال میں ادغام ہے اور ماء زائدہ ہے۔ جو قلیل کی بھی قلت کو بیان کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اخلاص سے پکارنے والے کا بیان

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرمادیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایہ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دیدیں تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دعا، دوسرے مسافر کی دعا، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش وعزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اس طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو۔ (تفسیر قرطبی، معارف، سورہ نمل، بیروت)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

یا وہ جو تمھیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راہ دکھاتا ہے اور وہ جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

خشکی وسمندروں میں رہنمائی کا توحید باری پر دلیل ہونے کا بیان

"أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ" يُرْشِدكُمْ إلَى مَقَاصِدكُمْ "فِي ظُلُمَات الْبَرّ وَالْبَحْر" بِالنُّجُومِ لَيْلًا وَبِعَلَامَاتِ الْأَرْض نَهَارًا "وَمَنْ يُرْسِل الرِّيَاح بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَته" قُدَّام الْمَطَر "أَإِلَه مَعَ اللَّه تَعَالَى اللَّه عَمَّا يُشْرِكُونَ" بِهِ غَيْره

یا وہ جو تمھیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راہ دکھاتا ہے یعنی تمہارے مقاصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو رات ستاروں کے ذریعے جبکہ دن کو زمین کے معروف مقامات کے ذریعے راہ دیکھاتا ہے۔ اور وہ جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے بارش سے پہلے خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بہت بلند ہے اللہ اس سے جو وہ اس کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

رات کی تاریکیوں میں راہ معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چاند اور ستارے بنا دیئے۔ جن کی گردش کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ضابطے مقرر فرما دیئے ہیں کہ وہ سیارے ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اور اس قدرتی نظام کو انسان کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ ان سے یہ بھی معلوم کر سکتا ہے کہ رات کا کتنا حصہ گزر چکا ہے اور یہ بھی اس وقت وہ کون سی سمت میں سفر کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں اسے ان سیاروں کی روشنی سے راستے نظر بھی آنے لگتے ہیں۔ اور آج کل جو قطب نما کا آلہ ایجاد ہوا تو یہ بھی سیاروں ہی کا مرہون منت ہے۔ اگر یہ ستارے اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا، یا ان کے نظام گردش میں باقاعدگی نہ ہوتی یا یہ بے نور ہوتے تو انسان رات کی تاریکیوں میں سفر کر ہی نہ سکتا تھا۔ خواہ یہ سفر خشکی کا ہوتا یا سمندر کا اور سمندر کا سفر تو اس کے لئے موت کا باعث بن سکتا تھا۔ یہ سارا نظام تو اللہ نے بنایا جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن اللہ کی عبادت کے وقت تو تم اسے بھول جاتے ہو۔ یا دوسروں کو بھی اس کا ہمسر قرار دے کر انھیں بھی مستحق عبادت سمجھنے لگتے ہو۔

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

یا وہ جو پیدائش کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دہراتا ہے اور جو تمھیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ فرما دیجئے کہ لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔

ابتدائے خلق سے توحید باری پر دلیل ہونے کا بیان

"أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ" فِي الْأَرْحَام مِنْ نُطْفَة "ثُمَّ يُعِيدهُ" بَعْد الْمَوْت وَإِنْ لَمْ تَعْتَرِفُوا بِالْإِعَادَةِ لِقِيَامِ الْبَرَاهِين عَلَيْهَا "وَمَنْ يَرْزُقكُمْ مِنْ السَّمَاء" بِالْمَطَرِ "وَالْأَرْض" بِالنَّبَاتِ "أَإِلَه مَعَ اللَّه" أَيْ لَا يَفْعَل شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ إِلَّا اللَّه وَلَا إِلَه مَعَهُ "قُلْ" يَا مُحَمَّد "هَاتُوا بُرْهَانكُمْ" حُجَّتكُمْ "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" أَنَّ مَعِي إِلَهًا فَعَلَ شَيْئًا مِمَّا ذُكِرَ وَسَأَلُوهُ عَنْ وَقْت قِيَام السَّاعَة فَنَزَلَ،

یا وہ جو رحموں میں نطفہ کے ذریعے پیدائش کی ابتدا کرتا ہے، پھر موت کے بعد اسے دہراتا ہے اگرچہ تمہیں اس کے لوٹانے کا اعتراف نہ تھا لیکن اس پر قطعی دلائل قائم ہو گئے۔ اور جو تمہیں بارش کے ذریعے آسمان سے اور زمین سے نباتات کے ذریعے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ یعنی کوئی چیز نہیں ہے جس کو اللہ کے سوا ذکر کیا جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ یا محمد ﷺ آپ فرما دیں کہ لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔ یعنی اس بات پر دلیل لاؤ کہ میرے ساتھ کوئی معبود ہے جس نے مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام کیا ہو؟ اور جب انہوں نے قیام قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آئندہ آیت نازل ہوئی۔

کمالات قدرت سے استدلال وجود باری تعالیٰ کا بیان

اس کی موت کے بعد اگرچہ موت کے بعد زندہ کئے جانے کے کفار مقر و معترف نہ تھے لیکن جب کہ اس پر براہین قائم ہیں تو ان کا اقرار نہ کرنا کچھ قابلِ لحاظ نہیں بلکہ جب وہ ابتدائی پیدائش کے قائل ہیں تو انہیں اعادے کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ ابتداء اعادے پر دلالت قویہ کرتی ہے تو اب ان کے لئے کوئی جائے عذر و انکار باقی نہیں رہی۔ اپنے اس دعویٰ میں کہ اللہ کے سوا اور بھی معبود ہیں تو بتاؤ جو صفات و کمالات اُوپر ذکر کئے گئے وہ کس میں ہیں اور جب اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں تو پھر کسی دوسرے کو کس طرح معبود ٹھہراتے ہو یہاں هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فرما کر ان کے عجز و بطلان کا اظہار منظور ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل، بیروت)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝
فرما دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذات ہے)
اور نہ ہی وہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

قیام قیامت کے علم کو علوم غیبیہ میں شمار کرنے کا بیان

"قُلْ لَا يَعْلَم مَنْ فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض" مِنْ الْمَلَائِكَة وَالنَّاس "الْغَيْب" أَيْ مَا غَابَ عَنْهُمْ "إِلَّا" لَكِنَّ "اللَّه" يَعْلَمهُ "وَمَا يَشْعُرُونَ" أَيْ كُفَّار مَكَّة كَغَيْرِهِمْ "أَيَّانَ" وَقْت

فرما دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں فرشتے اور انسان ہیں (از خود) غیب کا علم نہیں رکھتے سوائے اللہ کے (وہ عالم بالذات ہے) اور نہ ہی وہ یعنی کفار مکہ یہ خبر رکھتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھائے جائیں گے۔

سورہ نمل آیت ۶۵ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا تھا۔

اللہ تعالی کی عطاء سے انبیائے کرام کے پاس علم غیب ہونے کا بیان

وہی جاننے والا ہے غیب کا اس کو اختیار ہے جسے چاہے بتائے چنانچہ اپنے پیارے انبیاء کو بتاتا ہے جیسا کہ سورہ آلِ عمران میں ہے۔(وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ، آل عمران:179)یعنی اللہ کی شان نہیں کہ تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اور بکثرت آیات میں اپنے پیارے رسولوں کو غیبی علوم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا اور خود اسی پارے میں اس سے اگلے رکوع میں وارد ہے(وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ، النمل:75)یعنی جتنے غیب ہیں آسمان اور زمین کے سب ایک بتانے والی کتاب میں ہیں۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل لاہور)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ٥
بلکہ ان کا علم آخرت کے بارے میں ختم ہو گیا ہے، بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

قیام قیامت کے بارے میں شک کرنے والے کفار کا بیان

"بَلْ" بِمَعْنَى هَلْ "ادّٰرَكَ" بِوَزْنِ أَكْرَمَ وَفِي قِرَاءَة أُخْرَى ادَّارَكَ بِتَشْدِيدِ الدَّال وَأَصْله تَدَارَكَ أُبْدِلَتْ التَّاء دَالًا وَأُدْغِمَتْ فِي الدَّال وَاجْتُلِبَتْ هَمْزَة الْوَصْل أَيْ بَلَغَ وَلَحِقَ أَوْ تَتَابَعَ وَتَلَاحَقَ "عِلْمهمْ فِي الْآخِرَة" أَيْ بِهَا حَتَّى سَأَلُوا عَنْ وَقْت مَجِيئِهَا لَيْسَ الْأَمْر كَذَلِكَ "بَلْ هُمْ فِي شَكّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ" مِنْ عَمَى الْقَلْب وَهُوَ أَبْلَغ مِمَّا قَبْله وَالْأَصْل عَمِيُونَ اُسْتُثْقِلَتْ الضَّمَّة عَلَى الْيَاء فَنُقِلَتْ إِلَى الْمِيم بَعْد حَذْف كَسْرَتهَا

یہاں پر لفظ بل بہ معنی ھل ہے۔اور ادرک اکرم کے وزن اور ایک دوسری قرأت میں ادارک دال کی تشدید اور اس کی اصل تدارک ہے تو تاء کو دال سے بدلہ گیا ہے۔اور دال کا دال میں ادغام کیا گیا ہے۔اور ابتدائے ساکن کے الزام کے سبب شروع میں ہمزہ وصلی لایا گیا ہے۔پہلی قرأت کے مطابق بلغ ولحق کے معنی میں ہے جبکہ دوسری قرأت کے مطابق تتابع اور تلاحق کے معنی میں ہے۔ بلکہ ان کا علم آخرت کے بارے میں ختم ہو گیا ہے، کیونکہ اس کے آنے کے وقت کے بارے میں سوال کیا حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔یعنی ان کے دل اندھے ہیں یہ ماقبل سے زیادہ بلیغ ہے۔اور اس کی اصل عمیون ہے یا پر ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے اس کو حذف کسرہ کے بعد میم کی طرف نقل کر دیا گیا ہے۔

لفظ اڈرَک میں قرائتیں بھی مختلف ہیں اور اس کے معنی میں بھی کئی قول ہیں۔ اہل علم اس کی تفصیل تفاسیر میں دیکھ سکتے ہیں، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اڈرَک کے معنے بعض مفسرین نے تکامل کے کئے ہیں اور فی الاخرہ کو اڈرَک سے متعلق کر کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ آخرت میں ان کا علم اس معاملہ میں مکمل ہو جائے گا کیونکہ اس وقت ہر چیز کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی مگر اس وقت علم ہونا ان کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا میں وہ آخرت کی تکذیب کرتے رہے تھے اور بعض مفسرین نے لفظ اڈرَک کے معنے ضل وغاب کے لئے اور فی الاخرہ کو علمہم سے متعلق کیا کہ آخرت کے معاملہ میں ان کا علم غائب ہو گیا اس کو نہ سمجھ سکے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ○ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ
وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ لا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ○
اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا واقعی ہم ضرور نکالے جانے والے
ہیں؟ بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے ہم سے یہ وعدہ کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی، یہ نہیں ہیں مگر پہلے لوگوں کی فرضی کہانیاں ہیں۔

کفار کا دوبارہ زندہ ہونے پر انکار کرنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا" أَيْضًا فِي إِنْكَار الْبَعْث "أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَإِنَّا لَمُخْرَجُونَ" مِنْ الْقُبُور "لَقَدْ وُعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْل إِنْ" مَا "هَذَا إِلَّا أَسَاطِير الْأَوَّلِينَ" جَمْع أُسْطُورَة بِالضَّمِّ أَيْ مَا سَطَرَ مِنْ الْكَذِب

اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے بعث کا انکار کیا، کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا واقعی ہم ضرور قبروں سے نکالے جانے والے ہیں؟ بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے ہم سے یہ وعدہ کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی، یہ نہیں ہیں مگر پہلے لوگوں کی فرضی کہانیاں ہیں۔ یہاں پر لفظ اساطیر یہ اسطورہ کی جمع ہے اور ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ یعنی جو جھوٹ سے لکھا ہے۔

حیات ثانی کے منکرین کے باطل نظریات کا بیان

یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ منکرین قیامت کی سمجھ میں اب تک بھی نہیں آیا کہ مرنے اور سڑ گل جانے کے بعد مٹی اور راکھ ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے پیدا کئے جائیں گے؟ وہ اس پر سخت متعجب ہیں۔ کہتے ہیں مدتوں سے اگلے زمانوں سے یہ سنتے چلے آتے ہیں لیکن ہم نے تو کسی کو مرنے کے بعد جیتا ہوا دیکھا نہیں۔ سنی سنائی باتیں ہیں انہوں نے اپنے اگلوں سے انہوں نے اپنے سے پہلے والوں سے سنیں ہم تک پہنچیں لیکن سب عقل سے دور ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو جواب بتاتا ہے کہ ان سے کہو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھیں کہ رسولوں کو جھوٹا جاننے والوں اور قیامت کو نہ ماننے والوں کا کیسا دردناک حسرت ناک انجام ہوا؟ ہلاک اور تباہ ہو گئے اور نبیوں اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ یہ نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے۔ پھر اپنے نبی کو تسلی دیتے ہیں کہ یہ تجھے

اور میرے کلام کو جھٹلاتے ہیں لیکن تو ان پر افسوس اور رنج نہ کر۔ ان کے پیچھے اپنی جان کو روگ نہ لگا۔ یہ تیرے ساتھ جوڑ توڑ بازیاں کر رہے ہیں اور جو چالیں چل رہے ہیں ہمیں خوب علم ہے تو بےفکر رہ۔ تجھے اور تیرے دن کو ہم عروج دینے والے ہیں۔ دنیا جہاں پر تجھے ہم بلندی دیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ٥
فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

زمین میں عبرت کیلئے سیر و سیاحت کرنے کا بیان

"قُلْ سِيْرُوا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ" بِاِنْكَارِهِمْ وَهِيَ هَلَاكُهُمْ بِالْعَذَابِ

فرما دیجئے: تم زمین میں سیر و سیاحت کرو پھر دیکھو مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔ یعنی ان کے انکار کے سبب انہیں عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔

ان دو آیات میں کافروں کا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ مر کر مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ تو ہمارے آباء و اجداد کو بھی دیا گیا تھا پہلے لوگ بھی ایسی باتیں کرتے رہے اور آج بھی ایسی ہی باتیں ہو رہی ہیں حالانکہ جو مر گیا ان میں کوئی شخص بھی آج تک زندہ ہو کر نہیں آیا۔ یہ تو بس ایک افسانوی سی بات ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں۔ اور کافروں کے اس قول کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ زمین میں ذرا چل پھر کر تو دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا تھا؟ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اس قول اور اس کے جواب میں کوئی ربط نہیں۔ حالانکہ اس قول اور اس کے جواب میں گہرا ربط ہے اور ایک بہت بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو قومیں بھی اللہ کے عذاب سے تباہ ہوئیں سب کی سب قیامت اور بعث بعد الموت کی منکر تھیں۔ اور جو شخص یا جو قوم بھی آخرت کے دن اور اللہ کے حضور اپنے اعمال کی باز پرس کی منکر ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کبھی راہ راست پر نہیں رہ سکتی۔ اور وہ دنیا میں شتر بے مہار کی طرح زندگی گزارتا ہے کہ جس کام میں اس نے اپنا فائدہ دیکھا اسی کو اپنا لیا۔ خواہ اس سے دوسروں کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو رہا ہو۔ ایسے ہی لوگ فساد فی الارض کے مرتکب ہو کر مجرمانہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور ایسے مجرموں کو تباہ کر دینا ہی اللہ کی سنت جاریہ ہے تا کہ باقی لوگ ایسے لوگ کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ٥
اور آپ ان پر غم زدہ نہ ہوا کریں اور نہ اس مکر و فریب کے باعث جو وہ کر رہے ہیں تنگ دلی میں ہوں۔

نبی کریم ﷺ کے خلاف سازش کی سزا اللہ کی طرف سے آنے کا بیان

"وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ" تَسْلِيَةً لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ عَلَيْكَ فَإِنَّا نَاصِرُوكَ عَلَيْهِمْ

اور (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ ان کی باتوں پر غم زدہ نہ ہوا کریں اور نہ اس مکر وفریب کے باعث جو وہ کر رہے ہیں تنگ دلی میں (ابتلاء) ہوں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہے۔ یعنی آپ ان کے فریب پر غمزدہ نہ ہوں جو وہ آپ کے خلاف کرتے ہیں کیونکہ ہم آپ کی مدد کرنے والے ہیں۔

یعنی جو کافر آپ پر ایمان لانے کے بجائے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے میں مصروف ہیں ان کی ایسی سرگرمیوں سے آپ پریشان اور غمزدہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کسی چال کو کامیاب نہ ہونے دے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ○
اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ فرما دیجئے: کچھ بعید نہیں کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے
نزدیک ہی آ پہنچا ہو جسے تم بہت جلد طلب کر رہے ہو۔

کفار ومنکرین آخرت کا جلدی عذاب طلب کرنے کا بیان

"وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْد " بِالْعَذَابِ "إنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِيهِ "قُلْ عَسَى أَنْ يَكُون رَدِفَ" قَرُبَ "لَكُمْ بَعْض الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ" فَحَصَلَ لَهُمْ الْقَتْل بِبَدْرٍ وَبَاقِي الْعَذَاب يَأْتِيهِمْ بَعْد الْمَوْت

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو بتاؤ یہ عذاب آخرت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ فرما دیجئے: کچھ بعید نہیں کہ اس عذاب کا کچھ حصہ تمہارے نزدیک ہی آ پہنچا ہو جسے تم بہت جلد طلب کر رہے ہو۔ پس انہوں غزوہ بدر میں قتل کی صورت میں آیا جبکہ بقیہ عذاب موت کے بعد ان پر آئے گا۔

قیامت کے منکرین کے مطالبہ عذاب کا بیان

مشرک چونکہ قیامت کے آنے کے قائل ہی نہیں۔ جرات سے اسے جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ کب آئے گی۔ جناب باری کی طرف سے بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب مل رہا ہے کہ ممکن ہے وہ بالکل ہی قریب آ گئی ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے (عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا، الإسراء: 51) اور جگہ ہے یہ عذابوں کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جہنم تو کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں۔ لکم کا لام ردف کے عجل کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ○
وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○
اور بیشک آپ کا رب لوگوں پر فضل والا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور بیشک آپ کا رب ان کو

ضرور جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جو یہ آشکار کرتے ہیں۔

لوگوں پر اللہ کا فضل ہونے کا بیان

"وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاس " وَمِنْهُ تَأْخِير الْعَذَاب عَنْ الْكُفَّار "وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ لَا يَشْكُرُونَ" فَالْكُفَّار لَا يَشْكُرُونَ تَأْخِير الْعَذَاب لِإِنْكَارِهِمْ وُقُوعه "وَإِنَّ رَبّك لَيَعْلَم مَا تُكِنّ صُدُورهمْ" تُخْفِيه "وَمَا يُعْلِنُونَ" بِأَلْسِنَتِهِمْ

اور بیشک آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور کفار سے عذاب کی تاخیر بھی اسی میں سے ہے۔لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔یعنی عذاب کے مؤخر ہونے پر شکر ادا نہیں کرتے کیونکہ وہ اس عذاب کے وقوع کا انکار کرنے والے ہیں۔اور بیشک آپ کا رب ان باتوں کو ضرور جانتا ہے جو ان کے سینے اندر چھپائے ہوئے ہیں اور ان باتوں کو بھی جو یہ اپنی زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔

حضرت مجاہد سے مروی ہے پھر فرمایا کہ اللہ کے تو انسانوں پر بہت ہی فضل وکرم ہیں۔ان کی بیشمار نعمتیں ان کے پاس ہیں تاہم ان میں کے اکثر ناشکرے ہیں۔جس طرح تمام ظاہر امور اس پر آشکارا ہیں اسی طرح تمام باطنی امور بھی اس پر ظاہر ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عداوت رکھنا اور آپ کی مخالفت میں مکاریاں کرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ اس کی سزا دے گا۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝

اور آسمان وزمین میں کوئی غائب چیز نہیں مگر وہ ایک واضح کتاب میں موجود ہے۔بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔اور بیشک یہ ہدایت ہے اور مومنوں کے لئے رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی چیز کے بھی مخفی نہ ہونے کا بیان

"وَمَا مِنْ غَائِبَة فِي السَّمَاء وَالْأَرْض" الْهَاء لِلْمُبَالَغَةِ : أَيّ شَيْء فِي غَايَة الْخَفَاء عَلَى النَّاس "إلَّا فِي كِتَاب مُبِين" بَيِّن هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ وَمَكْنُون عِلْمه تَعَالَى وَمِنْهُ تَعْذِيب الْكُفَّار

"إنَّ هَذَا الْقُرْآن يَقُصّ عَلَى بَنِي إسْرَائِيل" الْمَوْجُودِينَ فِي زَمَان نَبِيّنَا "أَكْثَر الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ" أَيْ بِبَيَانِ مَا ذُكِرَ عَلَى وَجْهه الرَّافِع لِلِاخْتِلَافِ بَيْنهمْ لَوْ أَخَذُوا بِهِ وَأَسْلَمُوا

"وَإِنَّهُ لَهُدًى" مِنْ الضَّلَالَة "وَرَحْمَة لِلْمُؤْمِنِينَ" مِنْ الْعَذَاب

اور آسمان وزمین میں کوئی غائب چیز نہیں، یہاں لفظ غائبہ میں ۃ مبالغہ کی ہے۔یعنی وہ چیز جو لوگوں سے انتہائی پوشیدہ ہے مگر

وہ ایک واضح کتاب میں موجود ہے۔جس کا بیان لوح محفوظ میں ہے اور اس کا ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی علم میں ہے کفار کو عذاب دینے کا علم بھی ہے۔بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جو ہمارے زمانے میں موجود ہیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔یعنی ان میں مذکور اختلاف کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کرلیں اور اس کا تھام لیں تو ان کے باہمی اختلاف دور ہو جائیں۔اور بیشک یہ گمراہی سے ہدایت ہے اور مومنوں کو عذاب سے بچانے کے لئے رحمت ہے۔

حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب کا بیان

قرآن پاک کی ہدایت بیان ہو رہی ہے۔کہ اس میں جہاں رحمت ہے وہاں فرقان بھی ہے اور بنی اسرائیل حاملان تورات وانجیل کے اختلافات کا فیصلہ بھی ہے۔جیسے حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہودیوں نے منہ پھٹ بات اور نری تہمت رکھ دی تھی اور عیسائیوں نے انہیں ان کی حد سے آگے بڑھا دیا تھا۔قرآن نے فیصلہ کیا اور افراط وتفریط کو چھوڑ کر حق بات بتادی کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں ان کی والدہ نہایت پاکدامن تھی۔صحیح اور بیشک وشبہ بات یہی ہے۔اور یہ قرآن مومنوں کے دل کی ہدایت ہے۔اور ان کے لیے سراسر رحمت ہے۔قیامت کے دن انکے فیصلے کرے گا جو بدلہ لینے میں غالب ہے اور بندہ کے اقوال وافعال کا عالم ہے۔تجھے اسی پر کام بھروسہ رکھنا چاہئے۔اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔تو تو سراسر حق پر ہے مخالفین شقی ازلی ہیں۔ان پر تیرے رب کی بات صادق آچکی ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔گو تو انہیں تمام معجزے دکھا دے۔تو مردوں کو نفع دینے والی سماعت نہیں دے سکتا۔اسی طرح یہ کفار ہیں کہ ان کے دلوں پر پردے ہیں ان کے کانوں میں بوجھ ہیں۔یہ بھی قبولیت کا سننا نہیں سنیں گے۔اور نہ تو بہروں کو اپنی آواز سنا سکتا ہے جب کہ وہ پیٹھ موڑے منہ پھیرے جارہے ہوں۔اور تو اندھوں کو انکی گمراہی میں بھی رہنمائی نہیں کرسکتا تو صرف انہیں کو سنا سکتا ہے۔یعنی قبول صرف وہی کریں گے جو کان لگا کر سنیں اور دل لگا کر سمجھیں ساتھ ہی ایمان واسلام بھی ان میں ہو۔اللہ کے رسول کے ماننے والے ہوں دین اللہ کے قائل وحامل ہوں۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نمل، بیروت)

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝
اور بیشک آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا، اور وہ غالب ہے بہت جاننے والا ہے۔
پس آپ اللہ پر بھروسہ کریں بیشک آپ صریح حق پر ہیں۔

قیامت کے دن فیصلہ ہو جانے کا بیان

"إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ" كَغَيْرِهِمْ يَوْم الْقِيَامَة "بِحُكْمِهِ" أَيْ عَدْله "وَهُوَ الْعَزِيز" الْغَالِب "الْعَلِيم" بِمَا يَحْكُم بِهِ فَلَا يُمَكِّن أَحَدًا مُخَالَفَته كَمَا خَالَفَ الْكُفَّار فِي الدُّنْيَا أَنْبِيَاءَهُ
"فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّه" ثِقْ بِهِ "إِنَّك عَلَى الْحَقّ الْمُبِين" الدِّين الْبَيِّن فَالْعَاقِبَة لَك بِالنَّصْرِ عَلَى الْكُفَّار ثُمَّ

ضَرَبَ أَمْثَالًا لَهُمْ بِالْمَوْتَى وَالصُّمِّ وَبِالْعُمْيِ

اور بیشک آپ کا رب ان دوسروں کی طرح ان کے درمیان اپنے حکم یعنی عدل سے فیصلہ فرمائے گا، اور وہ غالب ہے بہت جاننے والا ہے۔ وہ ایسا فیصلہ فرمائے گا جس میں کسی کو بھی مخالفت کرنا ممکن نہ ہوگی جس طرح یہ کفار دنیا میں انبیائے کرام کی مخالفت کرتے تھے۔ پس آپ اللہ پر بھروسہ کریں بیشک آپ صریح حق پر ہیں۔ یعنی آپ واضح دین پر ہیں بالآخر کفار پر فتح وکامیابی آپ ہی کی ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کفار کی مردوں، بہروں اور اندھوں کے ساتھ مثالوں کو بیان کرتا ہے۔

یعنی قیامت میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کر کے حق کو باطل سے ممتاز کر دے گا اور اس کے مطابق جزا وسزا کا اہتمام فرمائے گا یا انہوں نے اپنی کتابوں میں جو تعریفیں کی ہیں، دنیا میں ہی ان کا پردہ چاک کر کے ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ٥
بیشک آپ نہ تو ان مردوں (یعنی حیات ایمانی سے محروم کافروں) کو اپنی پکار سناتے ہیں اور نہ ہی بہروں کو،
جب کہ وہ پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں۔

حیات ایمانی سے محروم کفار کا دنیا وموت کے بعد بھی حق کو نہ سن سکنے کا بیان

"إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَة بَيْنَهَا وَبَيْن الْيَاء

بیشک آپ نہ تو ان مردوں (یعنی حیات ایمانی سے محروم کافروں) کو اپنی پکار سناتے ہیں اور نہ ہی بہروں کو، جب کہ وہ آپ ہی سے پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں۔ یہاں اذا کی دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل بھی جبکہ ان دونوں کے درمیان یاء کو داخل کیا جائے۔

کفار کے اندھا، بہرہ اور نابینا ہونے کا بیان

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ پھر فرمایا اے مشرکو! تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا بے شک تم نے وہ پا لیا پھر فرمایا یہ لوگ اس وقت میرا کہنا سن رہے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا کہ اب معلوم ہو گیا جو میں ان سے کہتا تھا وہ سچ تھا پھر انہوں نے سورت نمل کی یہ آیت پڑھی (اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَاتُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ، النمل) آخر تک یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1210)

مُردوں سے مراد یہاں کفار ہیں جن کے دل مردہ ہیں چنانچہ اسی آیت میں ان کے مقابل اہل ایمان کا ذکر فرمایا۔ (اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ، الروم:53) جو لوگ اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کرتے ہیں ان کا استدلال غلط ہے چونکہ یہاں مردہ کفار کو فرمایا گیا اور ان سے بھی مطلقاً ہر کلام کے سننے کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ پند و موعظت اور کلام ہدایت کے بسمعِ قبول سننے کی نفی ہے اور مراد یہ ہے کہ کافر مردہ دل ہیں کہ نصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ اس آیت کے معنی یہ بتانا کہ مردے نہیں سنتے بالکل غلط ہے صحیح احادیث سے مردوں کا سننا ثابت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل، لاہور)

حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیلسم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام (ذکره ابن کثیر فی تفسیره مصححا عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالی اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں، آپ تو انہی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر
ایمان لے آتے ہیں سو وہی لوگ مسلمان ہیں (اور وہی زندہ کہلانے کے حق دار ہیں)۔

مردہ دل کفار کا حق کو نہ سمجھ سکنے کا بیان

"وَمَا أَنْتَ بِهَادِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ إِنْ" مَا "تُسْمِع" سَمَاع إِفْهَام وَقَبُول "إِلَّا مَنْ یُؤْمِن بِآیَاتِنَا" الْقُرْآن "فَهُمْ مُسْلِمُونَ" مُخْلِصُونَ بِتَوْحِیدِ اللّٰه

اور نہ ہی آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر ہدایت دینے والے ہیں، یعنی سننے سے مراد اس کو سمجھنا اور قبول کرنا ہے آپ تو فی الحقیقت انہی کو سناتے ہیں جو آپ کی دعوت قبول کر کے ہماری آیتوں پر ایمان لے آتے ہیں سو وہی لوگ مسلمان ہیں (اور وہی زندہ کہلانے کے حق دار ہیں)۔ یعنی جو اللہ تعالی کی توحید کے ساتھ مخلص ہیں۔

جن کے پاس سمجھنے والے دل ہیں اور جو علم الٰہی میں سعادت ایمان سے بہرہ اندوز ہونے والے ہیں۔

(بیضاوی و کبیر و ابوالسعود و مدارک، سورہ نمل)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۝
اور جب ان پر فرمان پورا ہونے کا وقت آ جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے

گفتگو کرے گا کیونکہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

جانور کا خروج کے بعد لوگوں سے عربی میں کلام کرنے کا بیان

"وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ " حَقّ الْعَذَاب أَنْ يَنْزِل بِهِمْ فِي جُمْلَة الْكُفَّار "أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّة مِنْ الْأَرْض تُكَلِّمهُمْ " أَيْ تُكَلِّم الْمَوْجُودِينَ حِين خُرُوجهَا بِالْعَرَبِيَّةِ تَقُول لَهُمْ مِنْ جُمْلَة كَلَامهَا عَنَّا "إِنَّ النَّاس " كُفَّار مَكَّة وَعَلَى قِرَاءَة فَتْح هَمْزَة إِنَّ تُقَدَّر الْبَاء بَعْد تُكَلِّمهُمْ "كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ " لَا يُؤْمِنُونَ بِالْقُرْآنِ الْمُشْتَمِل عَلَى الْبَعْث وَالْحِسَاب وَالْعِقَاب وَبِخُرُوجِهَا يَنْقَطِع الْأَمْر بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْي عَنْ الْمُنْكَر وَلَا يُؤْمِن كَافِر كَمَا أَوْحَى اللَّه إِلَى نُوح "أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِن مِنْ قَوْمك إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ"

اور جب ان پر عذاب کا فرمان پورا ہونے کا وقت آجائے گا جو سب کفار پر نزال کیا جائے گا۔ تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے گفتگو کرے گا یعنی وہ زمین میں موجودہ لوگوں سے عربی میں کلام کرے گا اور وہ ان سے ہماری طرف یہ حکایت کلام کرتے ہوئے کہے گا۔ یہاں پر ایک قرأت کے مطابق اَن فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جب اس سے پہلے باء مقدر ہو۔ کیونکہ لوگ یعنی کفار مکہ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔ یعنی وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے جو بعث وحساب اور عذاب کے احکام پر مشتمل ہے اور اس جانور کے خروج کے بعد امر بہ معروف اور نہی عن منکر کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اور کوئی کافر ایمان نہ لائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ کی قوم سے کوئی کافر ایمان نہ لائے گا مگر وہی جو ایمان لا چکا ہے۔

دابۃ الارض" سے مراد ایک عجیب الخلقت اور نادر شکل کا جانور ہے، جو مسجد حرام میں کوہ صفاو مروہ کے درمیان سے برآمد ہوگا اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ واخرجنا لھم دابۃ من الارض کے ذریعہ کیا گیا ہے! علماء نے لکھا ہے کہ وہ جانور چوپایہ کی صورت میں ہوگا جس کی درازی ساٹھ گز کی ہوگی اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح پاؤں اونٹ کی طرح گردن گھوڑے کی طرح سرین ہرن کی طرح سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہوں گے! نیز اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے، یکا یک زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا، اس کے ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان کی انگشتری ہوگی تمام شہروں اور علاقوں میں اتنی تیزی کے ساتھ دورہ کرے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا جہاں جہاں جائے گا ہر شخص پر نشان لگاتا جائے گا جو صاحب ایمان ہوگا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر " مومن " لکھ دے گا اور جو کافر ہوگا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا! بعض حضرات نے کہا ہے کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا

قرب قیامت دابہ الارض کے خروج کا بیان

صحابہ کرام ایک مرتبہ بیٹھے قیامت کا ذکر کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے آئے۔ ہمیں ذکر میں مشغول دیکھ کر فرمانے لگے کہ قیامت قائم نہ ہوگی کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دھواں، دابتہ الارض، یاجوج ماجوج، عیسی بن مریم کا ظہور، اور دجال کا نکلنا اور مغرب، مشرق اور جزیرہ عرب میں تین خسف ہونا، اور ایک آگ کا عدن سے نکلنا جو لوگوں کا حشر کرے گی۔ انہی کے ساتھ رات گزارے گی اور انہی کے ساتھ دوپہر کا سونا سوئے گی۔ (مسلم وغیرہ)

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ دابتہ الارض تین مرتبہ نکلے گا دور دراز کے جنگل سے ظاہر ہوگا اور اس کا ذکر شہر یعنی مکہ تک نہ پہنچے گا پھر ایک لمبے زمانے کے بعد دوبارہ ظاہر ہوگا اور لوگوں کی زبانوں پر اس کا قصہ چڑھ جائے گا یہاں تک کہ مکہ میں بھی اس کی شہرت پہنچے گی۔ پھر جب لوگ اللہ کی سب سے زیادہ حرمت وعظمت والی مسجد مسجد حرام میں ہوں گے اسی وقت اچانک دفعتا دابتہ الارض انہیں وہی دکھائی دے گا کہ رکن مقام کے درمیان اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہوگا۔ لوگ اس کو دیکھ کر ادھر ادھر ہونے لگیں گے یہ مومنوں کی جماعت کے پاس جائے گا اور ان کے منہ کو مثل روشن ستارے کے منور کر دے گا اس سے بھاگ کر نہ کوئی بچ سکتا ہے اور نہ چھپ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص اس کو دیکھ کر نماز کو کھڑا ہو جائے گا یہ اس کو کہے گا اب نماز کو کھڑا ہوا ہے؟ پھر اس کے پیشانی پر نشان کر دے گا اور چلا جائے گا اس کے ان نشانات کے بعد کافر مومن کا صاف طور امتیاز ہو جائے گا یہاں تک کہ مومن کافر سے کہے گا کہ اے کافر! میرا حق ادا کر اور کافر مومن سے کہے گا اے مومن! میرا حق ادا کر یہ روایت حذیفہ بن اسید سے موقوفا بھی مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگا جب کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہونگے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دابتہ الارض کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے۔ ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے آپ نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا، دھویں کا آنا، دجال کا آنا، اور دابتہ الارض کا آنا تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ دابتہ الارض کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی لکڑی اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دستر خوان بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہونگے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے، مروی ہے کہ کافروں کے ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

ابن ماجہ میں حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر مکہ کے پاس ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے ارد گرد ریت ہے۔ فرمانے لگے یہیں سے دابتہ الارض نکلے گا۔ ابن بریدہ کہتے ہیں اس

کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہونگے صفا کے کھڈ سے نکلے گا بہت تیزی سے خروج کرے گا جیسے کہ کوئی تیز رفتار گھوڑا ہو لیکن تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے جب اس کی بابت پوچھا گیا تو فرمانے لگے جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا میں اگر وہاں ہوتا تو تمہیں وہ چٹان دکھا دیتا۔ یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس شور سے جائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی۔ پھر شام کی طرف جائے گا وہاں بھی چیخ لگا کر، پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا۔

حضرت عزیر کے ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا۔ اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن ہو جائیں گے حکمت جل جائی گی علم اٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی انسان کی وہ تمنائیں ہونگی کہ جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہو۔ اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس کے جسم پر سب رنگ ہونگے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ موٹے نیزے کی اور بھالے کی طرح کا ہوگا۔ حضرت علی فرماتے ہیں اس کے بال ہونگے کھر ہونگے ڈاڑھی ہوگی دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابو زبیر کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہونگی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے، سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی، شتر مرغ جیسی گردن ہوگی، شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا بلی جیسی کمر ہوگی مینڈھے جیسی دم ہوگی اونٹ جیسے پاؤں ہونگے ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔

حضرت موسیٰ کی لکڑی اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ساتھ ہوگی ہر مومن کے چہرے پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کرے گا جو پھیل جائے گا اور چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشانی لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسروں کو اے مومن اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنائے گا۔ یہی معنی و مطلب اس آیت کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نمل، بیروت)

وَ یَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّكَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک جماعت اکٹھی کریں گے، ان لوگوں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے،

پھر ان کی قسمیں بنائی جائیں گی۔

قیامت کے دن جھوٹے رہنماؤں کے ساتھ گمراہ لوگوں کو جمع کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "يَوْمَ نَحْشُرِ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا" جَمَاعَةً "مِمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا" وَهُمْ رُؤَسَاؤُهُمْ الْمُتَّبِعُونَ "فَهُمْ يُوزَعُونَ" أَيْ يُجْمَعُونَ بِرَدِّ آخِرِهِمْ إِلَى أَوَّلِهِمْ ثُمَّ يُسَاقُونَ

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک جماعت اکٹھی کریں گے، ان لوگوں سے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے، اور ان کے امیر لوگ انہی کے پیشوا ہوں گے۔ پھر ان کی قسمیں بنائی جائیں گی۔ یعنی ان کے دوسروں کو پہلوں کی طرف جمع کیا جائے اور پھر انہیں ہانک دیا جائے گا۔

اس آیت میں میدان محشر کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے۔ مجرموں کی ان کے جرائم کے لحاظ سے الگ الگ جماعتیں بنا دی جائیں گی۔ جیسے مثلاً مشرکوں کی الگ جماعت ہوگی۔ کافروں کی الگ، منافقوں کی الگ، اور بعض مفسرین نے اس سے یہ مراد لی ہے کہ مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے گا۔ جیسا کہ انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ وزع کا بنیادی معنی صرف روک دینا یا روکے رکھنا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی میں دونوں طرح مطالب کی گنجائش موجود ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

یہاں تک کہ جب وہ آجائیں گے تو فرمائے گا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا، حالانکہ تم نے ان کا پورا علم حاصل نہ کیا تھا، یا کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے؟

علمی احاطہ کیے بغیر کفار کا انبیائے کرام وآیات کی تکذیب کرنے کا بیان

"حَتّٰى إِذَا جَاءُوا" مَكَانَ الْحِسَابِ "قَالَ" تَعَالَى لَهُمْ "أَكَذَّبْتُمْ" أَنْبِيَائِي "بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا" مِنْ جِهَةِ تَكْذِيبِكُمْ "بِهَا عِلْمًا أَمَّا" فِيهِ إِدْغَامُ مَا الِاسْتِفْهَامِيَّةِ "ذَا" مَوْصُولٌ أَيْ مَا الَّذِي "كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" مِمَّا أُمِرْتُمْ بِهِ

یہاں تک کہ جب وہ مقام حساب پر آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کیا تم نے میرے انبیاء کو میری آیات کے سبب جھٹلا دیا، حالانکہ تم نے ان کا پورا علم حاصل نہ کیا تھا، یعنی تمہاری تکذیب کی جہت کا احاطہ بھی نہیں کیا، یہاں پر لفظ اَمّا میں لفظ ام کو ماء استفہامیہ میں ادغام کیا گیا ہے۔ اور ذا موصولہ ہے یعنی اصل میں ماالذی ہے۔ یا کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے؟ یعنی جن کاموں کا تمہیں حکم دیا کرتے تھے۔

میری آیات کے انکار کے سلسلہ میں تمہارے پاس کوئی معقول وجہ یا دلیل موجود نہیں تھی۔ الا یہ کہ وہ باتیں تمہارے علم کی

گرفت یا سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ پھر بجائے اس کے کہ تم غور وفکر کرکے ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے تم نے سرے سے انکار ہی کر دیا تھا۔ تمہارا معمول ہی یہ بن گیا تھا کہ بلا سوچے سمجھے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا جائے۔ اگر یہ بات نہیں تو بتلاؤ اور تم کیا کام کرتے رہے ہو؟ کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ تم نے تحقیق کے بعد ان آیات کو جھوٹا ہی پایا تھا۔ اور تم میں یہ قطعی علم حاصل ہو گیا تھا کہ جو کچھ ان آیات میں مذکور ہے وہ درست نہیں ہے۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ۝ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ
لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝
اور ان پر بات واقع ہو جائے گی، اس کے بدلے جو انھوں نے ظلم کیا، پس وہ نہیں بولیں گے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے
رات بنائی تا کہ وہ اس میں آرام کر سکیں اور دن کو روشن بنایا، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

اہل ظلم وشرک کیلئے وقوع عذاب کے برحق ہونے کا بیان

"وَوَقَعَ الْقَوْل" حُقَّ الْعَذَاب "عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا" أَيْ أَشْرَكُوا "فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ" إِذْ لَا حُجَّة لَهُمْ "أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا" خَلَقْنَا "اللَّيْل لِيَسْكُنُوا فِيهِ" كَغَيْرِهِمْ "وَالنَّهَار مُبْصِرًا" بِمَعْنَى يُبْصِر فِيهِ لِيَتَصَرَّفُوا فِيهِ "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات" دَلَالَات عَلَى قُدْرَته تَعَالَى "لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" خُصُّوا بِالذِّكْرِ لِانْتِفَاعِهِمْ بِهَا فِي الْإِيمَان بِخِلَافِ الْكَافِرِينَ

اور ان پر بات یعنی عذاب کا وقوع ثابت ہو جائے گا، اس کے بدلے جو انھوں نے ظلم یعنی شرک کیا، پس وہ نہیں بولیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تا کہ وہ اس میں دوسروں کی طرح آرام کر سکیں اور دن کو روشن (یعنی اشیاء کو دکھانے اور سجھانے والا) بنایا، یہاں پر مبصر بہ معنی یبصر فیہ ہے تا کہ وہ اس میں کام کاج کر سکیں بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی اللہ کی قدرت پر دلائل ہیں۔ جو ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں اہل ایمان کے ذکر کو خاص اس لئے کیا ہے کیونکہ وہ ایمان کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ کفار ایسا نہیں کرتے۔

کہ ان کے لئے کوئی حجت اور کوئی گفتگو باقی نہیں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عذاب ان پر اس طرح چھا جائے گا کہ وہ بول نہ سکیں گے۔

یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے، پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ اول بدل ہی میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعث بعد الموت، سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط ومحکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے اور جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لیے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اجالا کیا، کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لیے اوہام واہواء کی تاریکیوں میں معرفت وہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات

کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔اس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر ادھر ادھر پھرنے لگے۔اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا لے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔غرض یقین کرنے والوں کے لیے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ○
اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، گھبرا جائے گا مگر جسے اللہ نے چاہا
اور وہ سب اس کے پاس ذلیل ہو کر آئیں گے۔

صور پھونکنے کے سبب گھبراہٹ پیدا ہو جانے کا بیان

"وَيَوْمَ يُنْفَخ فِي الصُّور " الْقَرْن النَّفْخَة الْأُولَى مِنْ إسْرَافِيل "فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَات وَمَنْ فِي الْأَرْض" خَافُوا الْخَوْف الْمُفْضِي إلَى الْمَوْت كَمَا فِي آيَة أُخْرَى فَصَعِقَ وَالتَّعْبِير فِيهِ بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وُقُوعه "إلَّا مَنْ شَاءَ اللَّه" أَيْ جِبْرِيل وَمِيكَائِيل وَإِسْرَافِيل وَمَلَك الْمَوْت وَعَنْ ابْن عَبَّاس هُمْ الشُّهَدَاء إذْ هُمْ أَحْيَاء عِنْد رَبّهمْ يُرْزَقُونَ "وَكُلّ" تَنْوِينه عِوَض عَنْ الْمُضَاف إلَيْهِ أَيْ وَكُلّهمْ بَعْد إحْيَائِهِمْ يَوْم الْقِيَامَة "أَتَوْهُ" بِصِيغَةِ الْفِعْل وَاسْم الْفَاعِل "دَاخِرِينَ" صَاغِرِينَ وَالتَّعْبِير فِي الْإِتْيَان بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وُقُوعه

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا یعنی جب پہلی بار اسرافیل صور پھونکیں گے۔تو جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، گھبرا جائے گا یعنی موت کی جانب چلے جانے کے سبب خوف زدہ ہو جائیں گے اور ایک دوسری آیت میں صعق کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ ماضی وقوع میں متحقق ہوتی ہے۔مگر جسے اللہ نے چاہا یعنی وہ جبرائیل ومکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ شہداء ہیں جو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور وہ رزق کھاتے ہیں۔ یہاں پر لفظ کل کی تنوین مضاف الیہ کے بدلے میں آئی ہے یعنی وہ سارے زندہ ہونے کے بعد قیامت کے دن آئیں گے۔یہاں پر لفظ اتوہ میں فعل اور اسم فاعل دونوں درست ہیں۔داخرین کا معنی صاغرین یعنی اور وہ سب اس کے پاس ذلیل ہو کر آئیں گے۔اور آنے کو ماضی کے ساتھ لانے کا سبب اس کے وقوع کے متحقق ہونے کی وجہ سے ہے۔

نفخ صور کی درمیانی مدت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دونوں نفخوں (یعنی ایک مرتبہ مارنے کے

لئے اور دوسری مرتبہ جلانے کے لئے دونوں مرتبہ پھونکے جانے والے صور کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے (یہ سن کر) پوچھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا چالیس دن مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں ؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم۔

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ (یعنی انسان اور تمام جاندار) اس طرح اگیں کہ جیسے سبزہ اگتا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان کے جسم و بدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہو جاتی ہو (یعنی گل سڑ کر ختم نہ ہو جاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب دینا کہ مجھے نہیں معلوم، اس بنا پر تھا کہ یا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اسی طرح مجملاً سنا تھا یا سنا تو مفصل تھا مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "چالیس" کے بعد کیا فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ واضح کیا کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ "چالیس" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال بہر حال اس حدیث میں چالیس کا لفظ مجمل نقل ہوا ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ چالیس برس ہے پس دونوں نفخوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ چالیس سال کے برابر ہوگا۔ "عجب الذنب" اس ہڈی کو کہتے ہیں جو ریڑھ کے نیچے دونوں کولھوں کے درمیان ہوتی ہے جہاں جانور کی دم کا جوڑ ہوتا ہے اور عام طور پر اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض روایتوں میں عجب الذنب میں "عجب" کے بجائے "عجم" کا لفظ ہے ویسے جوڑ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عجب الذنب یا عجم الذنب ہے حاصل یہ کہ ریڑھ کی ہڈی گویا انسان کا بیج ہے کہ اسی سے ابتدائی تخلیق ہوتی ہے اور قیامت کے دن دوبارہ اسی کے ذریعہ تمام اعضاء جسمانی کو از سر نو ترتیب دیا جائے گا بس مرنے کے بعد انسان یا کوئی بھی جاندار گل سڑ کر نابود ہو جاتا ہے اور اس کے پورے جسم کی ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی نہ تو گلتی سڑتی ہے اور نہ اس کو مٹی کھاتی ہے واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کے بدن گل سڑ جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا سارا بدن محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے، یہی بات ان لوگوں کے حق میں کہی جاسکتی ہے جو اس بارے میں انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء اور اولیاء اللہ اور وہ مؤذن جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اذان دیتے ہیں چنانچہ یہ سب لوگ اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اس دنیا میں زندہ لوگ ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ
صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ○

اورتو پہاڑوں کو دیکھے گا، انھیں گمان کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے،

اس اللہ کی کاری گری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ یقیناً وہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

قیامت کے دن بادلوں کی طرح اڑتے ہوئے پہاڑوں کا گردوغبار بن جانے کا بیان

"وَتَرَى الْجِبَال " تُبْصِرهَا وَقْت النَّفْخَة "تَحْسَبهَا" تَظُنّهَا "جَامِدَة" وَاقِفَة مَكَانهَا لِعِظَمِهَا "وَهِيَ تَمُرّ مَرّ السَّحَاب" الْمَطَر إذَا ضَرَبَتْهُ الرِّيح أَيْ تَسِير سَيْره حَتَّى تَقَع عَلَى الْأَرْض فَتَسْتَوِي بِهَا مَبْثُوثَة ثُمَّ تَصِير كَالْعِهْنِ ثُمَّ تَصِير هَبَاء مَنْثُورًا "صُنْع اللَّه " مَصْدَر مُؤَكِّد لِمَضْمُونِ الْجُمْلَة قَبْله أُضِيفَ إلَى فَاعِله بَعْد حَذْف عَامِله أَيْ صَنَعَ اللَّه ذَلِكَ صَنِعًا "الَّذِي أَتْقَنَ " أَحْكَمَ "كُلّ شَيْء " صَنْعَهُ "إنَّهُ خَبِير بِمَا تَفْعَلُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء أَيْ أَعْدَاؤُهُ مِنْ الْمَعْصِيَة وَأَوْلِيَاؤُهُ مِنْ الطَّاعَة

اورتو پہاڑوں کو دیکھے گا، یعنی صورت کے وقت آپ انہیں دیکھیں گے انھیں گمان کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں، یعنی اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہیں۔ حالانکہ وہ بادلوں کے چلنے کی طرح چل رہے ہوں گے، یعنی جب بارش کیلئے ہوا بادلوں کو چلاتی ہے یہ پہاڑ اسی طرح چلیں گے یہاں تک زمین پر گر جائیں گے اور اس کے برابر ہو جائیں گے اس کے بعد وہ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے اور اس کے بعد گردوغبار کی طرح ہو جائیں گے۔ اس اللہ کی کاری گری سے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا۔ یہاں پر لفظ صنع یہ ماقبل جملہ کے مضمون کی تاکید کیلئے آیا ہے جس کی اضافت حذف عامل کے بعد فاعل کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی اللہ نے ان کو کمال حکمت صنعت کے ساتھ بنایا ہے۔ یقیناً وہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ یہاں پر تفعلون کو یاء اور تاء دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی وہ اپنے دشمنوں جو معصیت کرتے ہیں اور اپنے اولیاء کو جو اطاعت کرتے ہیں ان کو خوب جانتا ہے۔

معنی یہ ہیں کہ نفخہ کے وقت پہاڑ دیکھنے میں تو اپنی جگہ ثابت وقائم معلوم ہوں گے اور حقیقت میں وہ مثل بادلوں کے نہایت تیز چلتے ہوں گے جیسے کہ بادل وغیرہ بڑے جسم چلتے ہیں متحرک نہیں معلوم ہوتے یہاں تک کہ وہ پہاڑ زمین پر گر کر اس کے برابر ہو جائیں گے پھر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ○

جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ ہے اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔

قیامت کے دن نیکی لانے والے کیلئے اچھا بدلہ ہونے کا بیان

"مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ " أَيْ لَا إلَه إلَّا اللَّه يَوْم الْقِيَامَة "فَلَهُ خَيْر " ثَوَاب "مِنْهَا" أَيْ بِسَبَبِهَا وَلَيْسَ لِلتَّفْضِيلِ إذْ لَا فِعْل خَيْر مِنْهَا وَفِي آيَة أُخْرَى "عَشْر أَمْثَالهَا " "وَهُمْ" الْجَاءُونَ بِهَا "مِنْ فَزَع يَوْمئِذٍ" بِالْإِضَافَةِ وَكَسْر الْمِيم وَفَتْحهَا وَفَزَع مُنَوَّنًا وَفَتْح الْمِيم،

جو شخص نیکی لے کر آئے گا یعنی قیامت کے دن "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" کے ساتھ آئے گا۔ تو اس کے لیے اس سے بہتر بدلہ یعنی ثواب ہے یہاں پر لفظ خیر یہ اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اسے دس گنا ثواب ہوگا۔ اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔ یعنی اس دن کے خوف سے مأمون ہوں گے۔ یہاں پر لفظ یومئذ میں اضافت کے ساتھ جو میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق فزع یہ تنوین اور میم کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

یہ حشر ونشر اور حساب کتاب کے بعد پیش آنے والے انجام کا ذکر ہے اور حسنہ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے (کما قال ابراہیم) یا اخلاص ہے۔ اور بعض حضرات نے مطلق اطاعت کو اس میں داخل قرار دیا ہے۔ معنے یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور ہر تکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزاء دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (تفسیر مظہری، سورہ نمل، لاہور)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝
اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو ان کے منہ آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے۔ بس تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن اہل شرک کے چہروں کو آگ کے حوالے کر دینے کا بیان

"وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ" أَيْ الشِّرْك "فَكُبَّتْ وُجُوههمْ فِي النَّار " بِأَنْ وَلِيَتْهَا وَذُكِرَتْ الْوُجُوه لِأَنَّهَا مَوْضِع الشَّرَف مِنْ الْحَوَاسّ فَغَيْرهَا مِنْ بَاب أَوْلَى وَيُقَال لَهُمْ تَبْكِيتًا "هَلْ" مَا "تُجْزَوْنَ إِلَّا" جَزَاء "مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" مِنْ الشِّرْك وَالْمَعَاصِي قُلْ لَهُمْ

اور جو شخص برائی یعنی شرک لے کر آئے گا تو ان کے منہ دوزخ کی آگ میں اوندھے ڈالے جائیں گے۔ یعنی چہروں کو آگ کے سپرد کر دیا جائے گا کیونکہ بقیہ حواس میں یہی چہرہ سب سے زیادہ معزز مقام ہے۔ لہٰذا دوسرے اعضاء بہ درجہ اولیٰ اس کے حقدار ہوں گے۔ اور ایسا انہیں لاجواب کرنے کی غرض سے کیا جائے گا۔ بس تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یعنی جو تم شرک ومعصیت وغیرہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کیلئے کہا جائے گا۔

دوزخ میں اوندھے منہ گرا دینے کا بیان

حضرت جندب قسری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ (دنیا وآخرت میں) اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے عہد میں کچھ مواخذہ کرے کیونکہ جس سے اس نے عہد وامان میں مواخذہ کیا تو کہ اسے پکڑ کر دوزخ کی آگ میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔ (صحیح مسلم) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں قسری کے بجائے قشیری ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 592)

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس آدمی سے بدسلوکی نہ کریں، اس کو قتل نہ کریں۔ اس کا مال نہ چھینیں، اس کی غیبت نہ کریں اور اس کو بے آبروئی نہ کریں۔ اگر کسی آدمی نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی یا اس کے ساتھ کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جو اس کی جان و مال اور اس کی آبرو کے لئے نقصان دہ ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے عہد وامان میں خلل ڈالا لہٰذا اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے سخت مواخذہ کرے گا اور جس بدنصیب سے اللہ تعالیٰ نے مواخذہ کیا اس کے لئے نجات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا۔ یا پھر "عہد وامان" سے مراد نماز ہے کہ صبح کی نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں امن دینے کا وعدہ کرلیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صبح کی نماز ہرگز قضا نہ کریں ورنہ ان کے اور پروردگار کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا جس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا اور اس کے مواخذے سے بچانے کی کوئی ہمت بھی نہیں کرسکتا۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ٘ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝
مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی اور اسی کے لیے ہر چیز ہے
اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔

حرم شریف کا باعث برکت ونعمت ہونے کا بیان

"إِنَّمَا أُمِرت أَنْ أَعْبُد رَبّ هَذِهِ الْبَلْدَة" أَيْ مَكَّة "الَّذِي حَرَّمَهَا" جَعَلَهَا حَرَمًا آمِنًا لَا يُسْفَك فِيهَا دَم إِنْسَان وَلَا يُظْلَم فِيهَا أَحَد وَلَا يُصَاد صَيْدهَا وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَذَلِكَ مِنْ النِّعَم عَلَى قُرَيْش أَهْلهَا فِي رَفْع اللَّه عَنْ بَلَدهمْ الْعَذَاب وَالْفِتَن الشَّائِعَة فِي جَمِيع بِلَاد الْعَرَب "وَلَهُ" تَعَالَى "كُلّ شَيْء" فَهُوَ رَبّه وَخَالِقه وَمَالِكه "وَأُمِرْت أَنْ أَكُون مِنْ الْمُسْلِمِينَ" لِلَّهِ بِتَوْحِيدِهِ

مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر یعنی مکہ کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت دی یعنی امن والا حرم بنایا ہے جس میں کیس انسان کا خون نہیں بہایا جاتا اور نہ اس پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ ہی حرم کا شکار کیا جاتا ہے اور نہ وہاں کی گھاس کو کاٹا جاتا ہے اور یہ قریش کیلئے انعامات ہیں جو وہاں رہنے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے شہروں سے عذاب کو دور کردیا ہے۔ پھیلنے والے فتنوں کو دور کردیا ہے۔ اور اسی اللہ کے لیے ہر چیز ہے وہی اس کا رب، اس کا خالق و مالک ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اسی کی توحید کے ساتھ فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔

یعنی مکہ مکرمہ کے اور اپنی عبادت اس رب کے ساتھ خاص کروں مکہ مکرمہ کا ذکر اس لئے ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وطن اور وحی کا جائے نزول ہے۔ کہ وہاں نہ کسی انسان کا خون بہایا جائے نہ کوئی شکار مارا جائے نہ وہاں کی گھانس کاٹی جائے۔

وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ○

نیز یہ کہ میں قرآن پڑھ کرسناتا رہوں سو جس شخص نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ راست اختیار کی،

اور جو بہکا رہا تو آپ فرمادیں کہ میں تو صرف ڈرسنانے والوں میں سے ہوں۔

تلاوت قرآن کے ذریعے دعوت ایمان دینے کا بیان

"وَأَنْ أَتْلُو الْقُرْآن" عَلَيْكُمْ تِلَاوَة الدَّعْوَى إِلَى الْإِيمَان "فَمَنْ اهْتَدَى" لَهُ "فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ" أَيْ لِأَجْلِهَا فَإِنَّ ثَوَاب اهْتِدَائِهِ لَهُ "وَمَنْ ضَلَّ" عَنْ الْإِيمَان وَأَخْطَأَ طَرِيق الْهُدَى "فَقُلْ" لَهُ "إِنَّمَا أَنَا مِنْ الْمُنْذِرِينَ" الْمُخَوِّفِينَ فَلَيْسَ عَلَيَّ إِلَّا التَّبْلِيغ وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ

نیز یہ کہ میں قرآن پڑھ کر سناتا رہوں یعنی تمہیں تلاوت کے ذریعے ایمان کی طرف بلاتا رہوں سو جس شخص نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لئے راہِ راست اختیار کی، کیونکہ اس ہدایت کی وجہ سے ثواب اسی کیلئے ہوا ہے۔اور جو ایمان سے بہکا رہا اور راہ ہدایت سے بھٹک گیا۔تو آپ اس کیلئے فرمادیں کہ میں تو صرف ڈرسنانے والوں میں سے ہوں۔یعنی اس کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور مجھ پر صرف حق کا پیغام پہنچادینا ہے۔اور یہ حکم، جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصف نذیر کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اور اس چیز کی مثال جسے دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے (یعنی دین وشریعت) اس آدمی کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا، اے قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں بغیر کسی غرض کے ڈرسنانے والا ہوں، لہٰذا تم اپنی نجات کو تلاش کرو، چنانچہ اس کی قوم کی ایک جماعت نے اس کی فرمانبرداری کی اور راتوں رات آہستہ آہستہ نکل گئی اور نجات پالی ان میں سے ایک گروہ نے اس کو جھٹلایا اور صبح تک اپنے گھروں میں رہا صبح کو لشکر نے آکر ان کو پکڑ لیا اور ہلاک کرڈالا (یہاں تک کہ) ان کی جڑیں کھود ڈالیں یعنی ان کی نسل تک کا خاتمہ کردیا، چنانچہ یہی مثال ہے اس آدمی کی جس نے میری فرمانبرداری کی اور جو (احکام) میں لایا ہوں ان کی پیروی کی اور اس آدمی کی بھی یہی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق بات (یعنی دین وشریعت میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 145)

ننگا ڈرانے والے کی اصل یہ ہے کہ عرب میں قاعدہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی لشکر کو اپنی قوم پر حملہ کے لئے آتا ہوا دیکھتا تو کپڑے اتار کر سر پر رکھ لیتا اور بالکل ننگا ہو کر چلاتا ہوا اپنی قوم کی طرف آتا تاکہ لوگ خبردار ہوجائیں اور دشمن کی اچانک آمد سے بچاؤ کی شکل پیدا کرسکیں۔اسی کو ننگا ڈرانے والا کہا جاتا تھا،اس کے بعد سے یہ کسی ناگہانی اور خوفناک حادثہ کے پیش آنے میں صرف ایک ضرب المثل بن گیا۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مثال بالکل صحیح وصادق تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانبردار اور

اطاعت گزار کو جنت اور رضاء مولیٰ کی خوشخبری اور نافرمانبردار و سرکش جماعت کو اللہ کے عذاب وغضب کی خبر دینے میں بالکل سچے تھے۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
اور آپ فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا سو تم انہیں پہچان لو گے،
اور آپ کا رب ان کاموں سے بیخبر نہیں جو تم انجام دیتے ہو۔

کفار کی دنیا و آخرت میں رسوائی پر اللہ کیلئے حمد ہونے کا بیان

"وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِه فَتَعْرِفُونَهَا" فَأَرَاهُمُ اللّٰهُ يَوْم بَدْر الْقَتْل وَالسَّبْي وَضَرْبَ الْمَلَائِكَة وُجُوههمْ وَأَدْبَارهمْ وَعَجَّلَهُمْ اللّٰه إِلَى النَّار "وَمَا رَبّك بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء وَإِنَّمَا يُمْهِلهُمْ لِوَقْتِهِمْ

اور آپ فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا سو تم انہیں پہچان لو گے، پس اللہ نے انہیں بدر کے دن قتل وقید اور فرشتوں کا ان کے چہروں اور ادبار پر مارنا دیکھایا اور اللہ انہیں جلدی آگ میں لے گیا۔ اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم انجام دیتے ہو۔ یہاں پر لفظ تعملون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور یقیناً وہ انہیں ایک وقت تک کیلئے مہلت دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی مثال کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس چیز کی مثال جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند ہے جو زمین پر بوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اس سے بہت زیادہ خشک وہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہٰذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 147)

اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کیے گئے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے،

اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، پہلا وہ آدمی جو عالم بھی ہو اور عابد و فقیہ اور معلم بھی۔اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔اسی طرح اس آدمی نے علم دین سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔دوسرا وہ آدمی ہے جو عالم و معلم ہو مگر عابد و فقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں تفقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین کے اس حصہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔یا پھر زمین کا وہ حصہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی منتفع ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔اور زمین کے اس حصہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا آدمی وہ ہے جس نے ازراہ غرور و تکبر اللہ کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ والتفات کی اور نہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسول کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ علم کی روشنی دوسروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہوا اور یا کافر ہو، اس کی مثال زمین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھ اگایا۔

دین اسلام کے احکام کے واضح ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہود کی حدیثیں سنتے ہیں اور وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو لکھ لیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بھی اسی طرح حیران ہو جس طرح یہود اور نصاریٰ حیران ہیں۔(جان لو کہ) بلاشبہ میں تمہارے پاس صاف و روشن شریعت لایا ہوں، اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی پر مجبور ہوتے۔(مسند احمد بن حنبل، بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 172)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ حیران ہیں کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو اور اپنے پیغمبر کی حقیقی تعلیم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنے خود غرض و لالچی علماء کی خواہشات کے مطیع ہو گئے ہیں، کیا اسی طرح تم بھی متحیر ہو کہ اپنے دین کو ناقص و نامکمل سمجھ کر دوسروں کے دین و شریعت کے محتاج ہو رہے ہو، حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اتنی مکمل اور واضح ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری شریعت کے پابند اور میرے احکام کے مطیع ہوتے۔

سورہ نمل کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورہ نمل کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی،ہدایت کی پختگی،تیری نعمت کا شکرادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ مین تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما،امین،بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ الْقَصَصِ

یہ قرآن مجید کی سورت قصص ھے

سُورَةُ الْقَصَص (مَكِّيَّة إِلَّا مِنْ آيَة 52 إِلَى آيَة 55 فَمَدَنِيَّة وَآيَة 85 فَبِالْجُحْفَةِ نَزَلَتْ أَثْنَاء الْهِجْرَة وَآيَاتها 88) نَزَلَتْ بَعْد النَّمْل

(ف 1) سورہ قصص مکیہ ہے۔سوائے چار آیتوں کے جو (اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ سے شروع ہو کر (لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ، القصص:55) پر ختم ہوتی ہیں اور اس سورت میں ایک آیت (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، القصص:85) ایسی ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی اس سورت میں نو رکوع اٹھاسی آیات چار سو اکتالیس ۴۴۱ کلمے اور پانچ ہزار آٹھ سو حروف ہیں۔ اور یہ سورہ نمل کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ قصص کی وجہ تسمیہ کا بیان

وَ قَصَّ عَلیه القَصَصَ، یعنی وہ سورۃ جس میں القصص کا لفظ آیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے قصص کے معنی ترتیب وار واقعات بیان کرنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لفظ باعتبار معنی بھی اس سورۃ کا عنوان ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں حضرت موسیٰ کا مفصل قصہ بیان ہوا ہے۔

طٰسٓمّٓ○ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ○ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ○
طا، سین، میم کے معانی کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ (اے حبیب مکرم!) ہم آپ
پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کے حقیقت پر مبنی حال میں سے ان لوگوں کے لئے کچھ پڑھ کر سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

قصص انبیاء علیہم السلام سے ایمان والوں کا فائدہ حاصل کرنے کا بیان

"طسم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ "تِلْكَ" أَيْ هَذِهِ الْآيَات "آيَات الْكِتَاب" الْإِضَافَة بِمَعْنَى مِنْ "الْمُبِين" الْمُظْهِر الْحَقّ مِنْ الْبَاطِل "نَتْلُو" نَقُصّ "عَلَيْك مِنْ نَبَإِ" خَبَر "مُوسَى وَفِرْعَوْن بِالْحَقِّ" الصِّدْق "لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" لِأَجْلِهِمْ لِأَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُونَ بِهِ

طا،سین،میم کے معانی کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ یہ یعنی یہ آیات روشن کتاب کی آیات ہیں۔ یہاں پر اضافت بہ معنی من ہے۔ جو باطل سے حق کو ظاہر کرنے والی ہے۔ (اے حبیب مکرم ﷺ) ہم آپ پر موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کے حقیقت پر مبنی حال میں سے ان لوگوں کے لئے کچھ پڑھ کر سناتے ہیں یعنی صداقت وحق کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان قصص سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ
اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝
بے شک فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنادیا، جن میں سے ایک گروہ کو وہ نہایت کمزور
کررہا تھا، ان کے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں سے تھا۔

فرعون کا مصر میں بچوں کو قتل کرنے کا بیان

"اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا" تَعَظَّمَ "فِي الْأَرْضِ" أَرْض مِصْر "وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا" فِرَقًا فِي خِدْمَته "يَسْتَضْعِف طَائِفَة مِنْهُمْ" هُمْ بَنُو إِسْرَائِيل "يُذَبِّح أَبْنَاءَهُمْ" الْمَوْلُودِينَ "وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ" يَسْتَبْقِيهِنَّ أَحْيَاء لِقَوْلِ بَعْض الْكَهَنَة لَهُ : إِنَّ مَوْلُودًا يُولَد فِي بَنِي إِسْرَائِيل يَكُون سَبَب زَوَال مُلْكك "إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ" بِالْقَتْلِ وَغَيْره

بے شک فرعون نے زمین یعنی مصر میں سرکشی وتکبر کیا اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہ بنادیا، یعنی خدمت کیلئے فرقے بنائے جن میں سے ایک گروہ کو وہ نہایت کمزور کررہا تھا، جو بنی اسرائیل تھے۔ ان کے پیدا ہونے والے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ یعنی ان کی بچیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کیونکہ اس کو کاہنوں نے یہ بتلادیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمہاری مملکت کے زوال کا سبب بنے گا۔ بلاشبہ وہ قتل وغیرہ کی وجہ سے فساد کرنے والوں سے تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں کیونکہ وحی الٰہی کے بغیر صدیوں قبل کے واقعات بالکل اس طریقے سے بیان کردینا جس طرح پیش آتے ناممکن ہے، تاہم اس کے باوجود اس سے فائدہ اہل ایمان ہی کو ہوگا کیونکہ وہی آپ کی باتوں کی تصدیق کریں گے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝
اور ہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں نہایت کمزور کردیا گیا اور انھیں پیشوا بنائیں اور انھی کو وارث بنائیں۔

بنی اسرائیل کیلئے مصر کا وارث ہونے کا بیان

"وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْض وَنَجْعَلهُمْ أَئِمَّة" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال

الثَّانِیَۃ یَاء : یُقْتَدٰی بِھِمْ فِی الْخَیْرِ "وَنَجْعَلَھُمُ الْوَارِثِیْنَ" مِلْکَ فِرْعَوْن

اورہم چاہتے تھے کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جنھیں زمین میں نہایت کمزور کردیا گیا اورانھیں پیشوابنائیں یہاں پرلفظ أئمہ یہ دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کو یاء سے تبدیل کیا گیا ہے۔یعنی بھلائی میں انہیں وارث بنایا گیا ہے۔اورانھی کوفرعون کی مملکت کاوارث بنائیں۔

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے،اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کوقوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔جس قوم کوفرعونیوں نے ذلیل غلام بنارکھا تھاان ہی کے سر پر دین کی امامت اوردنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کراکر اس مظلوم وستم رسیدہ قوم سے زمین کوآباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی اس مظلوم ومقہورقوم کے حوالے کی جائے۔

یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کوذبح کرڈالا تھا۔ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ ان کے سامنے آئے۔فرعون نے امکانی کوشش کردیکھی اور پورے زورخرچ کرلیے کہ کسی طرح اسرائیلی بچہ سے مامون ہوجائے۔جس کے ہاتھ پراس کی تباہی مقدرتھی،لیکن تقدیرالٰہی کہاں ٹلنے والی تھی۔خداوندقدیر نے اس بچہ کواسی کی گود میں اسی کے بستر پراسی کے محلات کے اندرشاہانہ نازونعم سے پرورش کرایا۔اوردکھلادیا کہ خدا جوانتظام کرنا چاہے،کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔

فرعون اوراس کی ہلاکت کے واقعہ کابیان

یہ آیتیں ہیں واضح جلی روشن صاف اور کھلے قرآن کی تمام کاموں کی اصلیت اب گذشتہ اورآئندہ کی خبریں اس میں ہیں اور سب سچی اور کھلی۔ہم تیرے سامنے موسیٰ اورفرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں۔جیسے اورآیت میں ہے ہم تیرے سامنے بہترین واقعہ بیان کرتے ہیں۔اس طرح کہ گویا تو اس کے ہونے کے وقت وہیں موجود تھا۔فرعون ایک متکبر سرکش اور بددماغ انسان تھا۔اس نے لوگوں پر بری طرح قبضہ جمارکھا تھا اورانہیں آپس میں لڑوالڑوا کران میں پھوٹ اوراختلاف ڈلوا کرانہیں کمزورکرکے خود ان پرجبروتعدی کے ساتھ سلطنت کررہا تھا۔خصوصا بنی اسرائیل کوتو اس ظالم نے نیست ونابود کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔اوردن رات یہ بیچارے بیکار میں گھسیٹے جاتے تھے۔اس پر بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا یہ ان کی نرینہ اولاد کوقتل کرواڈالتا تھا۔تاکہ یہ افرادی قوت سے محروم رہیں قوت والے نہ ہوجائیں اوراس لئے بھی کہ یہ ذلیل وخوار رہیں اوراس لئے بھی کہ اسے ڈرتھا کہ ان میں سے ایک بچے کے ہاتھوں میری سلطنت تباہ ہونے والی ہے۔بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی بیوی صاحبہ حضرت سارہ کے جارہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہ کولونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا جنہیں اللہ نے اس کافر سے محفوظ رکھا اوراسے آپ پردست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی تو اس وقت حضرت ابراہیم نے بطورپیش گوئی فرمایا تھا کہ تیری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے لڑکے کے ہاتھوں ملک مصراس قوم سے جاتا رہے گا اورانکا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔چونکہ یہ روایت چلی آرہی تھی اوران کے درس میں ذکر ہوتا رہتا تھا جسے

قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم تھی، انہوں نے دربار میں مخبری کی جب سے فرعون نے یہ ظالمانہ اور سفاکانہ قانوں بنادیا کہ بنو اسرائیل کے بچے قتل کردیئے جائیں اوران کی بچیاں چھوڑ دی جائیں۔لیکن رب کو جو منظور ہوتا ہے وہ اپنے وقت پر ہو کر ہی رہتا ہے حضرت موسیٰ زندہ رہ گئے اور اللہ نے آپ کے ہاتھوں اس عاری سرکش کو ذلیل وخوار کیا، فالحمدللہ چنانچہ فرمان ہے کہ ہم نے ان ضعیفوں اور کمزوروں پر رحم کرنا چاہا۔ظاہر ہے کہ اللہ کی چاہت کا پورا ہونا یقینی ہے۔جیسے فرمایا آیت (وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ۱۳۷)-7الاعراف:137) آپ نے اس گری پڑی قوم کوان کی تمام چیزوں کا مالک بنادیا۔فرعون نے اپنی تمام تر طاقت کا مظاہرہ کیا لیکن اسے اللہ کی طاقت کا اندازہ ہی نہ تھا۔آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا اور جس ایک بچے کی خاطر ہزاروں بیگناہ بچوں کا خون ناحق بہایا تھا۔اس بچے کو قدرت نے اسی کی گود میں پلوایا، پروان چڑھایا، اور اسی کے ہاتھوں اسکا اسکے لشکر کا اور اسکے ملک ومال کا خاتمہ کرایا تاکہ وہ جان لے اور مان لے کہ وہ اللہ کا ذلیل مسکین بیدست و پا غلام تھا اور رب کی چاہت پر کسی کی چاہت غالب نہیں آ سکتی۔حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ نے مصر کی سلطنت دی اور فرعون جس سے خائف تھا وہ سامنے آ گیا اور تباہ و برباد ہوا۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ۝
اور ہم انھیں ملک میں حکومت واقتدار بخشیں اور فرعون اور ہامان اوران دونوں کی فوجوں کو وہ (انقلاب)
دکھادیں جس سے وہ ڈرا کرتے تھے۔

مصر اور شام میں اقتدار دیئے جانے کا بیان

"وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ" أَرْض مِصْر وَالشَّام "وَنُرِیَ فِرْعَوْن وَهَامَان وَجُنُودهمَا" وَفِی قِرَاءَة وَیَرَى بِفَتْحِ التَّحْتَانِیَّة وَالرَّاء وَرَفْع الْاَسْمَاء الثَّلَاثَة "مِنْهُمْ مَا كَانُوا یَحْذَرُونَ" یَخَافُونَ مِنْ الْمَوْلُود الَّذِی یَذْهَب مُلْكهمْ عَلَى یَدَیْهِ

اور ہم انھیں ملک یعنی مصر اور شام میں حکومت واقتدار بخشیں اور فرعون اور ہامان اوران دونوں کی فوجوں کو وہ دکھادیں۔یہاں پر لفظ نری ایک قرأت کے مطابق یری ہے۔یعنی یاء اور راء کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے تاکہ تینوں اسماء یعنی فرعون، ہامان اور جنود کو رفع دینے والا ہے۔جس سے وہ ڈرا کرتے تھے۔یعنی وہ اس بچے سے خوف زدہ تھے جس کے ہاتھوں ان کی مملکت کو زوال پذیر ہونا تھا۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ
وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۝
اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس پر ڈرے تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور

نہ غم کر، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لانے والے ہیں اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کا بیان

"وَأَوْحَيْنَا" وَحْي إلْهَام أَوْ مَنَام "إلَى أُمّ مُوسَى" وَهُوَ الْمَوْلُود الْمَذْكُور وَلَمْ يَشْعُر بِوِلَادَتِهِ غَيْر أُخْته "أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خِفْت عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمّ" الْبَحْر أَيْ النِّيل "وَلَا تَخَافِي" غَرَقه "وَلَا تَحْزَنِي" لِفِرَاقِهِ "إنَّا رَادُّوهُ إلَيْك وَجَاعِلُوهُ مِنْ الْمُرْسَلِينَ" فَأَرْضَعَتْهُ ثَلَاثَة أَشْهُر لَا يَبْكِي وَخَافَتْ عَلَيْهِ فَوَضَعَتْهُ فِي تَابُوت مَطْلِيّ بِالْقَارِ مِنْ الدَّاخِل مُمَهَّد لَهُ فِيهِ وَأَغْلَقَتْهُ وَأَلْقَتْهُ فِي بَحْر النِّيل لَيْلًا

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی یعنی الہام کیا یا حالت نیند میں بتایا اور ذکر کردہ بچہ سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ابھی تک ان کی بہن کے سوا کسی کو ان کے میلاد کا پتہ نہیں تھا۔ کہ اسے دودھ پلا، پھر جب تو اس پر ڈرے تو اسے دریائے نیل میں ڈال دے اور اس کے ڈوبنے سے نہ ڈر اور اس کے فراق کا غم نہ کرنا، بے شک ہم اسے تیرے پاس واپس لانے والے ہیں اور اسے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ پس آپ کی والدہ نے تین ماہ آپ کو دودھ پلایا اس حال میں کہ آپ کبھی بھی رویا نہیں کرتے تھے اور جب انہیں اندیشہ ہوا کہ تو انہوں نے آپ ایک تابوت جو اندر سے روغن تارکول والا تھا اس بچھے ہوئے پنگھوڑے میں رکھ دیا اور اس کو مکفل کر کے دریائے نیل میں رات کے وقت ڈال دیا۔

بچوں کا قتل اور بنی اسرائیل کا بیان

مروی ہے کہ جب بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچے قتل ہو چکے تو قبطیوں کو اندیشہ ہوا کہ اگر بنو اسرائیل ختم ہو گئے تو جتنے ذلیل کام اور بیہودہ خدمتیں حکومت ان سے لے رہی ہیں کہیں ہم سے نہ لینے لگیں۔ تو دربار میں میٹنگ ہوئی اور یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال مار ڈالے جائیں اور دوسرے سال قتل نہ کئے جائیں۔ حضرت ہارون اس سال تولد ہوئے جس سال بچوں کو قتل نہ کیا جاتا تھا لیکن حضرت موسیٰ اس سال پیدا ہوئے جس سال بنی اسرائیل کے لڑکے عام طور پر تہ تیغ ہو رہے تھے۔ عورتیں گشت کرتی رہتی تھی اور حاملہ عورتوں کا خیال رکھتی تھی۔ ان کے نام لکھ لیے جاتے تھے۔ وضع حمل کے وقت یہ عورتیں پہنچ جاتی تھی اگر لڑکی ہوئی تو واپس چلی جاتی تھی اور اگر لڑکا ہوا تو فوراً جلادوں کو خبر کر دیتی تھی۔ یہ لوگ تیز چھرے لئے اسی وقت آ جاتے تھے اور ماں باپ کے سامنے اسی وقت ان کے بچوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چلے جاتے تھے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ کا جب حمل ہوا تو عام حمل کی طرح اس کا پتا نہ چلا اور جو عورتیں اس کام پر مامور تھی اور جتنی دائیاں آتی تھی کسی کو حمل کا پتہ نہ چلا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ تولد بھی ہو گئے آپ کی والدہ سخت پریشان ہونے لگی اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگیں اور اپنے بچے سے محبت بھی اتنی تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے سے اتنی نہ ہوگی۔ ایک ماں پر ہی کیا موقوف اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کا چہرہ ہی ایسا بنایا تھا۔ کہ جس کی نظر پڑ جاتی تھی اس کے دل میں ان کی محبت بیٹھ جاتی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ولادت کے بعد مکفل دریا میں ڈال دینے کا بیان

پس جب کہ والدہ موسیٰ ہر وقت کبیدہ خاطر، خوفزدہ اور رنجیدہ رہنے لگیں تو اللہ نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ اسے دودھ پلاتی رہے اور خوف کے موقعہ پر انہیں دریائے نیل میں بہادے جس کے کنارے پر ہی آپ کا مکان تھا۔ چنانچہ یہی کیا کہ ایک پیٹی کی وضع کا صندوق بنالیا اس میں حضرت موسیٰ کو رکھ دیا دودھ پلادیا کرتیں اور اس میں سلادیا کرتیں۔ جہاں کوئی ایسا ڈراؤنا موقعہ آیا تو اس صندوق کو دریا میں بہادیتیں اور ایک ڈوری سے اسے باندھ رکھا تھا خوف ٹل جانے کے بعد اسے کھینچ لیتیں۔

ایک مرتبہ ایک ایسا شخص گھر میں آنے لگا جس سے آپ کی والدہ صاحبہ کو بہت دہشت ہوئی دوڑ کر بچے کو صندوق میں لٹا کر دریا میں بہادیا اور جلدی اور گھبراہٹ میں ڈوری باندھنی بھول گئیں صندوق پانی کی موجوں کے ساتھ زور سے بہنے لگا اور فرعون کے محل کے پاس گزرا تو لونڈیوں نے اسے اٹھالیا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں راستے میں انہوں نے اسے ڈر کے مارے کھولا نہ تھا کہ کہیں تہمت ان پر نہ لگ جائے جب فرعون کی بیوی کے پاس اسے کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں تو ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا صحیح سالم بچہ لیٹا ہوا ہے جسے دیکھتے ہی ان کا دل مہر محبت سے بھر گیا اور اس بچہ کی پیاری شکل دل میں گھر کر گئی۔ اس میں بھی رب کی مصلحت تھی کہ فرعون کی بیوی کو راہ راست دکھائے اور فرعون کے سامنے اس کا ڈر لائے اور اسے اور اس کے غرور کو ڈھائے تو فرماتا ہے کہ آل فرعون نے اس صندوق کو اٹھالیا اور انجام کار وہ ان کی دشمنی اور ان کے رنج وملال کا باعث ہوا۔

محمد بن اسحاق وغیرہ فرماتے ہیں لیکون کا لام لام عاقبت ہے لام تعلیل نہیں۔ اس لئے کہ ان کا ارادہ نہ تھا بظاہر یہ ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن معنی کو دیکھتے ہوئے لام کو لام تعلیل سمجھنے میں بھی کوئی حرج نہیں اتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس صندوقچے کا اٹھانے والا اس لئے بنایا تھا کہ اللہ اسے ان کے لئے دشمن بنادے اور ان کے رنج وغم کا باعث بنائے بلکہ اس میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ جس سے وہ بچنا چاہتے تھے وہ ان کے سر چڑھ گیا۔ اس لئے اس کے بعد ہی فرمایا گیا کہ فرعون ہامان اور ان کے ساتھی خطا کار تھے۔ (سیرت ابن اسحاق)

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـئِيْنَ ○
پھر فرعون کے گھر والوں نے انھیں اٹھالیا تا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم ثابت ہوں، بیشک فرعون اور
ہامان اور ان دونوں کی فوجیں سب خطا کار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دینے کا بیان

"فَالْتَقَطَهُ" بِالتَّابُوتِ صَبِيحَة اللَّيْل "آل" أَعْوَان "فِرْعَوْن" فَوَضَعُوهُ بَيْن يَدَيْهِ وَفُتِحَ وَأُخْرِجَ مُوسَى مِنْهُ وَهُوَ يَمُصّ مِنْ إبْهَامه لَبَنًا "لِيَكُونَ لَهُمْ" فِي عَاقِبَة الْأَمْر "عَدُوًّا" يَقْتُل رِجَالهمْ "وَحَزَنًا" يَسْتَعْبِد نِسَاءَهُمْ وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الْحَاء وَسُكُون الزَّاي لُغَتَانِ فِي الْمَصْدَر وَهُوَ هُنَا بِمَعْنَى اسْم الْفَاعِل

مِنْ حَزَّنَهُ كَأَحْزَنَهُ "إِنَّ فِرْعَوْن وَهَامَان" وَزِيره "وَجُنُودهمَا كَانُوا خَاطِئِينَ" مِنَ الْخَطِيئَة أَيْ عَاصِينَ فَعُوقِبُوا عَلَى يَدَيْهِ

پھر فرعون کے گھر والوں یعنی اس کے خدمتگاروں نے انہیں تابوت سمیت اسی رات کی صبح کو دریا سے اٹھالیا اور فرعون کے سامنے لائے اور اس کو کھولا تو موسیٰ علیہ السلام کو باہر نکالا جبکہ آپ اس وقت اپنے مبارک انگشت سے دودھ پی رہے تھے۔ تاکہ وہ مشیئتِ الٰہی سے ان کے لئے دشمن یعنی ان کے مردوں کے قتل کے سبب اور باعثِ غم ثابت ہوں، یعنی ان کی عورتوں کو باندیاں بنا کر باعث غم ثابت ہو۔ یہاں پر لفظ حزنا یہ حاء کے ضمہ اور زاء کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے اس لفظ میں دو لغات ہیں۔ ایک یہ مصدر ہے اور مصدر بنی یا اسم فاعل ہے۔ اور دوسرا یہ مصدر حزنہ ہے جیسے احزنہ آتا ہے۔ بیشک فرعون اور ہامان جو اس کا وزیر تھا اور ان دونوں کی فوجیں سب خطا کار تھے۔ یہاں پر لفظ خاطئین یہ خطیئہ سے مشتق ہے جس کا معنی غلطی و نافرمانی کرنا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو آپ کے ہاتھوں سزا دی گئی۔

چنانچہ ام موسیٰ نے وحی کے مطابق اس بچہ کو کسی تابوت یا ٹوکرے میں رکھ کر دریائے نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا۔ یہ تابوت موجوں پر سفر کرتے کرتے جب اس مقام پر پہنچا جہاں فرعون کے محلات تھے تو فرعون کے اہل کاروں نے اسے دیکھ لیا اور اسے پکڑ کر فرعون اور اس کی بیوی کے پیش کر دیا۔ یا ممکن ہے کہ فرعون اور اس کی بیوی سیر و تفریح کی غرض سے محل سے نکل کر دریا کے کنارے آئے ہوئے ہوں اور انہوں نے خود یہ تابوت دیکھ کر اسے نکال لانے کا حکم دیا ہو۔ چنانچہ فرعون اور اس کی بیوی اس بچہ کو اپنے ہاں لے آئے۔ جو ان کا دشمن اور ان کی تباہی کا باعث بننے والا تھا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ
اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ میری اور تیری آنکھ کے لئے ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے
یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور وہ بے خبر تھے۔

فرعون کے ارادہ قتل کے باوجود قتل نہ ہوسکنے کا بیان

"وَقَالَتْ امْرَأَة فِرْعَوْن" وَقَدْ هَمَّ مَعَ أَعْوَانه بِقَتْلِهِ هُوَ "قُرَّة عَيْن لِي وَلَك لَا تَقْتُلُوهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعنَا أَوْ نَتَّخِذهُ وَلَدًا" فَأَطَاعُوهَا "وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" بِعَاقِبَةِ أَمْرهمْ مَعَهُ،

اور فرعون کی بیوی نے (موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر) کہا جبکہ فرعون اپنی حواریوں کے ہمراہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر چکا تھا اس وقت کہا یہ بچہ میری اور تیری آنکھ کے لئے ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں تاکہ وہ ان کی اطاعت کرے۔ اور وہ بے خبر تھے۔ یعنی وہ اپنے ساتھ ہونے والے معاملے کے انجام سے بے خبر تھے۔

حضرت آسیہ فرماتی ہے شاید ہمیں نفع پہنچائے۔ان کی امید اللہ نے پوری کی دنیا میں حضرت موسیٰ ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے اور آخرت میں جنت میں جانے کا۔اور کہتی ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بچہ بنالیں۔ان کی کوئی اولاد نہ تھی تو چاہا کہ حضرت موسیٰ کو متبنیٰ بنالیں۔ان میں سے کسی کو شعور نہ تھا کہ قدرت کس طرح پوشیدہ اپنا ارادہ پورا کر رہی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قدریہ کو جو لوگ کہ تقدیر کے منکر ہیں ایک خط میں لکھا کہ موسیٰ کے سابق علم میں فرعون کے دشمن اور اس کے لئے باعث رنج وغم تھے جیسے قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے لیکن تم کہتے ہو کہ فرعون چاہتا تو موسیٰ اس کے مددگار اور دوست ہوتے۔پھر فرماتا ہے کہ اس بچے کو دیکھتے ہی فرعون بدکا کہ ایسا نہ ہو کسی اسرائیلی عورت نے اسے پھینک دیا ہو اور کہیں یہ وہی نہ ہو جس کے قتل کرنے کے لئے ہزاروں بچوں کو فنا کر چکا ہوں۔یہ سوچ کر اس نے انہیں بھی قتل کرنا چاہا لیکن اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کی سفارش کی۔فرعون کو اس کے ارادے سے روکا اور کہا اسے قتل نہ کیجئے بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو مگر فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو لیکن مجھے تو آنکھوں کی ٹھنڈک کی ضرورت نہیں۔اللہ کی شان دیکھئے کہ یہی ہوا کہ حضرت آسیہ کو اللہ نے اپنا دین نصیب فرمایا اور حضرت موسیٰ کی وجہ سے انہوں نے ہدایت پائی اور اس متکبر کو اللہ نے اپنے نبی کے ہاتھوں ہلاک کیا۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ قصص، بیروت)

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
اور موسیٰ کی ماں کا دل خالی ہو گیا۔یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے اس کے دل پر
بند باندھ دیا تھا، تا کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے صبر کا بیان

"وَأَصْبَحَ فُؤَاد أُمّ مُوسَى " لَمَّا عَلِمَتْ بِالْتِقَاطِهِ "فَارِغًا" مِمَّا سِوَاهُ "إِنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف أَيْ إِنَّهَا "كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ " أَيْ بِأَنَّهُ ابْنهَا "لَوْلَا أَنْ رَبَطْنَا عَلَى قَلْبهَا" بِالصَّبْرِ أَيْ سَكَّنَّاهُ "لِتَكُونَ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ" الْمُصَدِّقِينَ بِوَعْدِ اللَّه وَجَوَاب لَوْلَا دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلهَا،

اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل خالی ہو گیا۔یعنی جب ان کو معلوم ہوا کہ فرعون نے اٹھالیا ہے۔یہاں پر لفظ اِن یہ ثقل سے مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہا ہے۔یقیناً وہ قریب تھی کہ اسے ظاہر کر ہی دیتی، کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے اس کے دل پر صبر کا بند باندھ دیا تھا، لہٰذا وہ خاموش ہو گئیں۔تا کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو۔تا کہ وہ اللہ کے وعدہ کی تصدیق کریں۔یہ جملہ لولا کا جواب ہے جس پر اس کے ماقبل کی دلالت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدہ پر الہامی تسلی کا بیان

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب ان کو صندوقچہ میں ڈال کر دریا میں بہادیا تو بہت پریشان ہوئیں اور سوائے اللہ کے سچے

رسول اور اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا۔ صبر و سکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر اللہ کی طرف سے ان کی دلجمعی نہ کردی جاتی تو وہ تو بے صبری میں راز فاش کردیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہوگیا۔ لیکن اللہ نے اس کا دل ٹھہرا دیا ڈھارس دی اور تسکین دے دی کہ تیرا بچہ تجھے ضرور ملے گا۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
اور اس نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ پس وہ اسے ایک طرف سے دیکھتی رہی اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا بہ طور حفاظت نگرانی کرنے کا بیان

"وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ" مَرْيَم "قُصِّيْهِ" اتَّبِعِي أَثَره حَتَّى تَعْلَمِي خَبَره "فَبَصُرَتْ بِهٖ" أَبْصَرَتْهُ "عَنْ جُنُب" مِنْ مَكَان بَعِيد اخْتِلَاسًا "وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" أَنَّهَا أُخْته وَأَنَّهَا تَرْقُبهُ

اور اس نے اس کی بہن مریم سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ یہاں تک اس کے بارے میں معلوم رکھے۔ پس وہ دور جگہ سے اسے ایک طرف سے دیکھتی رہی اور وہ شعور نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اس بچے کی بہن ہے۔

والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھ دار تھیں فرمایا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظر جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا انجام ہوتا ہے؟ مجھے بھی خبر کرنا تو یہ دور سے اسے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ اس کا خیال رکھتی ہوئی اس کے ساتھ جا رہی ہے۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں اس کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا۔ ہر ایک نے بشری محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم الٰہی حضرت موسیٰ نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا۔ آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھوں اسے باہر بھیجا کہ کسی دایہ کو تلاش کرو جس کا دودھ یہ پیے اس کو لے آؤ۔ چونکہ رب العلمین کو یہ منظور نہ تھا کہ اس کا اپنی والدہ کے سوا کسی اور کا دودھ پیے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں آپ کو لے کر جب باہر نکلیں تو آپ کی بہن نے آپ کو پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ خود انہیں کوئی پتہ چل سکا آپ کی بہن تو پہلے بہت پریشان تھی لیکن اس کے بعد اللہ نے انہیں صبر و سکون دے دیا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ○
اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ (علیہ السلام) پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا سو (موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے) کہا:
کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کردیں اور وہ اس کے خیر خواہ ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا محل فرعون سے واپس گھر آنے کا بیان

"وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ " أَيْ قَبْلَ رَدِّهِ إِلَى أُمِّهِ أَيْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَبُولِ ثَدْيِ مُرْضِعَةٍ غَيْرِ أُمِّهِ فَلَمْ يَقْبَلْ ثَدْيَ وَاحِدَةٍ مِنَ الْمَرَاضِعِ الْمُحْضَرَةِ لَهُ "فَقَالَتْ" أُخْتُهُ "هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ بَيْتٍ " لَمَّا رَأَتْ حُنُوَّهُمْ عَلَيْهِ "يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ " بِالْإِرْضَاعِ وَغَيْرِهِ "وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ " وَفَسَّرَتْ ضَمِيرَ لَهُ بِالْمَلِكِ جَوَابًا لَهُمْ فَأُجِيبَتْ فَجَاءَتْ بِأُمِّهِ فَقَبِلَ ثَدْيَهَا وَأَجَابَتْهُمْ عَنْ قَبُولِهِ بِأَنَّهَا طَيِّبَةُ الرِّيحِ طَيِّبَةُ اللَّبَنِ فَأُذِنَ لَهَا فِي إِرْضَاعِهِ فِي بَيْتِهَا فَرَجَعَتْ بِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى :

اورہم نے پہلے ہی سے موسیٰ علیہ السلام پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا یعنی آپ کو اپنی والدہ کی طرف لوٹانے سے پہلے یعنی آپ نے اپنی والدہ کے سوا کسی عورت کے پستان سے دودھ پینا پسند نہیں کیا۔لہٰذا جتنی دایاں تھیں کسی سے بھی دودھ کو پینا پسند نہیں کیا، پس موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا: کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کی نشاندہی کروں۔ جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کردیں جب انہوں نے اس پر شفقت کو دیکھا کہ وہ رضاعت وکفالت وغیرہ کریں گے اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ یہاں پر لہ ضمیر کو بادشاہ کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ جو ان کیلئے جواب ہے۔لہٰذا اس کی بات کو قبول کیا گیا۔تو وہ اپنی والدہ کو لے آئیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دودھ پینا قبول کرلیا۔اور آپ کی والدہ نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ عمدہ خوشبو پاکیزہ دودھ والی ہیں۔لہٰذا ان کو گھر میں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔پس موسیٰ علیہ السلام کی والدہ آپ کو لیکر گھر لوٹ آئیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

بہن نے انکو کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا یہ بچہ کسی دائیہ کا دودھ نہیں پیتا اور ہم اس کے لئے دایہ کی تلاش میں ہیں۔یہ سن کر ہمشیرہ موسیٰ نے فرمایا اگر تم کہو تو تمہیں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے بچہ ان کا دودھ پی لئے اور اسکی پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔یہ سن کر انہیں کچھ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت ہے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کرلیا اور پوچھا تمہیں کیا معلوم کہ وہ عورت اسکی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا سبحان اللہ۔کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو۔انعام واکرام کی خاطر کون اس سے ہمدردی نہ کریگا۔ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا یہ انہیں لیکر اپنے گھر لے آئیں اور اپنی والدہ کی طرف اشارہ کرکے کہا انہیں دیجئے۔سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ دودھ پینے لگا۔فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام واکرام کیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ فقط اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ نے ان کا دودھ پیا تھا وہ ان سے بہت خوش ہوئیں۔کچھ دنوں تک تو یونہی کام چلتا رہا۔آخرکار ایک روز حضرت آسیہ نے فرمایا میری خوشی ہے کہ تم محل میں آجاؤ یہیں رہو سہو اور اسے دودھ پلاتی رہو۔ام موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا میں بال بچوں والی ہوں میرے میاں بھی ہیں میں انہیں دودھ پلا دیا کرونگی پھر آپ کے ہاں بھیج دیا کرونگی۔یہ طے

ہوا اور اس پر فرعون کی بیوی بھی رضامند ہو گئیں ام موسیٰ کا خوف امن سے، فقیری امیری سے، بھوک آسودگی سے، دولت عزت میں بدل گئی۔ روزانہ انعام واکرام پاتیں۔ کھانا، کپڑا، شاہی طریق پر ملتا اور اپنے پیارے بچے کو اپنی گود میں پالتیں۔ ایک ہی رات یا ایک ہی دن یا ایک دن ایک رات کے بعد ہی اللہ نے اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیا۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝
پس ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہوں
اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدت رضاعت تک والدہ کے پاس رہنے کا بیان

"فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّه كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا" بِلِقَائِهِ "وَلَا تَحْزَنَ" حِينَئِذٍ "وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْد اللّه" بِرَدِّهِ إِلَيْهَا "حَقّ وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ" أَيْ النَّاس "لَا يَعْلَمُونَ" بِهَذَا الْوَعْد وَلَا بِأَنَّ هَذِهِ أُخْته وَهَذِهِ أُمّه فَمَكَثَ عِنْدهَا إِلَى أَنْ فُطِمَ وَأُجْرِيَ عَلَيْهَا أُجْرَتهَا لِكُلِّ يَوْم دِينَار وَأَخَذَتْهَا لِأَنَّهَا مَال حَرْبِيّ فَأَتَتْ بِهِ فِرْعَوْن فَتَرَبَّى عِنْده كَمَا قَالَ تَعَالَى حِكَايَة عَنْهُ فِي سُورَة الشُّعَرَاء "أَلَمْ نُرَبِّك فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْت فِينَا مِنْ عُمُرك سِنِينَ"

پس ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے کیونکہ اس نے آپ کی طرف آپ کے بیٹے کو لوٹا دیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس وعدے کو نہیں جانتے۔ کیونکہ انہیں نہیں پتہ کہ یہ آپ کی بہن ہے اور یہ آپ کی ماں ہے۔ پس آپ اپنی والدہ کے ہاں دودھ چھڑوانے کی مدت تک رہے۔ اس دوران فرعون کی جانب سے آپ کو روزانہ کا ایک دینار بہ طور اجرت دیا جاتا تھا۔ آپ نے اس کو وصول کیا کیونکہ وہ حربی کا مال تھا۔ اس کے بعد آپ کو فرعون کے پاس لایا گیا اور اسی کے ہاں آپ کی تربیت کی گئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بہ طور حکایت سورہ شعراء میں بیان کیا ہے۔ "أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ"

حدیث شریف میں ہے جو شخص اپنا کام دھندا کرے اور اسمیں اللہ کا خوف اور میری سنتوں کا لحاظ کرے اسکی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔ اللہ کی ذات پاک ہے اسی کے ہاتھ میں تمام کام ہے اسی کا چاہا ہوا ہوتا ہے اور جس کام کو وہ نہ چاہے ہرگز نہیں ہوتا۔ یقیناً وہ ہر اس شخص کی مدد کرتا ہے جو اس پر توکل کرے۔ اس کی فرمانبرداری کرنے والے کا دستگیر وہی ہے۔ وہ اپنے نیک بندوں کے آڑے وقت کام آتا ہے اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے اور ان کی تنگی کو فراخی سے بدلتا ہے۔ اور ہر رنج کے بعد راحت عطا فرماتا ہے۔ فسبحانہ ما اعظم شانہ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسکی ماں کی طرف واپس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور اسے اپنے بچے کا صدمہ نہ رہے۔ اور وہ اللہ کے وعدوں کو بھی سچا سمجھے اور یقین مان لے کہ وہ ضرور نبی اور رسول بھی ہونے والا ہے، اب آپ کی والدہ اطمینان سے آپ کی پرورش میں مشغول ہو گئیں اور اسی طرح پرورش

کی جس طرح ایک بلند درجہ نبی کی ہونی چاہیے۔ ہاں رب کی حکمتیں بیعلموں کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ وہ اللہ کے احکام کی غایت کو اور فرمانبرداری کے نیک انجام کو نہیں سوچتے۔ ظاہری نفع نقصان کے پابند رہتے ہیں۔ اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں سوجھتا کہ ممکن ہے جسے وہ برا سمجھ رہے ہیں اچھا ہو اور بہت ممکن ہے کہ جسے وہ اچھا سمجھ رہے ہیں وہ برا ہو یعنی ایک کام برا جانتے ہوں مگر کیا خبر کہ اس میں قدرت نے کیا فوائد پوشیدہ رکھیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤی اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۝
اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور پورا طاقتور ہو گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا
اور اسی طرح نیکی کرنے والوں کو ہم بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم عطاء ہونے کا بیان

"وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ" وَهُوَ ثَلَاثُونَ سَنَة أَوْ وَثَلَاث "وَاسْتَوَىٰ" أَيْ بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَة "آتَيْنَاهُ حُكْمًا" حِكْمَة "وَعِلْمًا" فِقْهًا فِي الدِّين قَبْل أَنْ يُبْعَث نَبِيًّا "وَكَذَٰلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُ "نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ" لِأَنْفُسِهِمْ

اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر یعنی ۳۰ یا ۳۳ سال کی عمر کو پہنچے اور پورا ۴۰ سال میں پورے طاقتور ہو گئے تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا یعنی بعثت نبوت سے پہلے دین میں فقہ عطا کی اور اسی طرح نیکی کرنے والوں کو ان کیلئے ہم بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے مراد احکام الٰہیہ شرعیہ کا علم ہے۔

(تفسیر روح المعانی، سورہ قصص، بیروت)

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ٞ هٰذَا
مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ
فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ٞ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ۝
اور وہ شہر میں اس کے رہنے والوں کی کسی قدر غفلت کے وقت داخل ہوا تو اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ لڑ رہے ہیں، یہ اس کی قوم
سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں میں سے ہے۔ تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی جو اس کے دشمنوں
سے تھا، تو موسیٰ نے اسے گھونسا مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے کام سے ہے، یقیناً وہ کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسہ سے قبطی کے قتل ہو جانے کا بیان

"وَدَخَلَ" مُوسَى "الْمَدِينَةَ" مَدِينَةَ فِرْعَوْن وَهِيَ مَنْف بَعْد أَنْ غَابَ عَنْهُ مُدَّة "عَلَى حِين غَفْلَة مِنْ أَهْلهَا" وَقْت الْقَيْلُولَة "فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَته" أَيْ إِسْرَائِيلِيّ "وَهَذَا مِنْ عَدُوّهُ" أَيْ قِبْطِيّ يُسَخِّر إِسْرَائِيلِيًّا لِيَحْمِل حَطَبًا إِلَى مَطْبَخ فِرْعَوْن "فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَته عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوّهُ" فَقَالَ لَهُ مُوسَى خَلِّ سَبِيله فَقِيلَ إِنَّهُ قَالَ لِمُوسَى لَقَدْ هَمَمْت أَنْ أَحْمِلهُ عَلَيْك "فَوَكَزَهُ مُوسَى" أَيْ ضَرَبَهُ بِجَمْعِ كَفّه وَكَانَ شَدِيد الْقُوَّة وَالْبَطْش "فَقَضَى عَلَيْهِ" قَتَلَهُ وَلَمْ يَكُنْ قَصَدَ قَتْله وَدَفَنَهُ فِي الرَّمْل "قَالَ هَذَا" قَتْله "مِنْ عَمَل الشَّيْطَان" الْمُهَيِّج غَضَبِي "إِنَّهُ عَدُوّ" لِابْنِ آدَم "مُضِلّ" لَهُ "مُبِين" بَيِّن الْإِضْلَال

اور وہ شہر یعنی فرعون کے شہر جس کا نام منف تھا ایک مدت دور رہنے کے بعد اس میں اس کے رہنے والوں کی کسی قدر غفلت کے وقت داخل ہوا، کیونکہ وہ اس وقت قیلولہ کر رہے تھے۔ تو اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ لڑ رہے ہیں، یہ اس کی قوم یعنی بنی اسرائیل سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں یعنی قبطیوں میں سے ہے۔ تو قبطی اسرائیلی کو مجبور کر رہا تھا کہ وہ لکڑیوں کو فرعون کے باورچی خانے تک لے جائے۔ تو جو اس کی قوم سے تھا اس نے اس سے اس کے خلاف مدد مانگی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے جو اس کے دشمنوں سے تھا، کہا میں اس سے لکڑیاں اٹھوانے کا ارادہ کر چکا ہوں تو موسیٰ نے اسے گھونسا مارا یعنی اپنے ہاتھ کی پوری ہتھیلی سے جو بڑی طاقت سے ہتھیلی سے مارا جاتا ہے۔ مارا تو اس کا کام تمام کر دیا۔ یعنی وہ قتل ہو گیا حالانکہ آپ نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اور اس کو ریت میں دفن کر دیا کہا یہ قتل ہو جانا شیطان کے کام سے ہے، جو میرے غصے کو بھڑکانے والا ہے۔ یقیناً وہ اولاد آدم کو کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔

المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا۔ آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجے میں کچھ لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے۔

(تفسیر قرطبی، سورہ قصص، بیروت)

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡلِیۡ فَغَفَرَلَہٗ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ○
(موسیٰ علیہ السلام) عرض کرنے لگے: اے میرے رب! بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرما دے
پس اس نے انھیں معاف فرما دیا، بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائے بخشش مانگنے کا بیان

"قَالَ" نَادِمًا "رَبِّ إِنِّی ظَلَمْت نَفْسِی" بِقَتْلِهِ "فَاغْفِرْ لِی فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُور الرَّحِيم" أَيْ الْمُتَّصِف بِهِمَا أَزَلًا وَأَبَدًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام ندامت سے عرض کرنے لگے: اے میرے رب! بیشک میں نے اس کے قتل کی وجہ سے اپنی جان پر ظلم کیا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے پس اس نے انھیں معاف فرما دیا، بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔یعنی تو ان دونوں صفات سے ازلی وابدی متصف ہے۔

یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بطریق تواضع ہے کیونکہ آپ سے کوئی معصیت سرزد نہیں ہوئی اور انبیاء معصوم ہیں ان سے گناہ نہیں ہوتے۔ قبطی کا مارنا آپ کا دفعِ ظلم اور امدادِ مظلوم تھی یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں پھر بھی اپنی طرف تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار چاہنا یہ مقربین کا دستور ہی ہے۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں تاخیر اولیٰ تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ترک اولیٰ کو زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ قصص، لاہور)

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَہِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ○
موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں
سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنے کا بیان

"قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْت" بِحَقِّ إنْعَامك "عَلَيَّ" بِالْمَغْفِرَةِ اعْصِمْنِي "فَلَنْ أَكُون ظَهِيرًا" عَوْنًا "لِلْمُجْرِمِينَ" الْكَافِرِينَ بَعْد هَذِهِ إنْ عَصَمْتنِي،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر بڑے بڑے انعامات فرمائے ہیں یعنی تیرے انعامات کا مجھ پر برحق ہیں۔لہٰذا معافی کے ساتھ تو مجھے بچالے سو کبھی میں مجرموں یعنی کفار کی مدد نہ کروں گا۔یعنی اگر تو نے مجھے اس واقعہ سے بچالیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا

دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑالو ہے، جھگڑا لڑائی اس کی عادت ہے اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا اور حضرت ابن عباس سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً ایسا ہی فرمایا ہے اس تفسیر کی بنا پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی امداد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

اول یہ کہ مظلوم اگر چہ کافر یا فاسق ہی ہو اس کی امداد کرنا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی ان کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ قصص، بیروت)

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ
قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝
پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی اس انتظار میں کی کہ دفعتہً وہی شخص جس نے آپ سے گزشتہ روز
مدد طلب کی تھی آپ کو امداد کے لئے پکار رہا ہے تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اس سے کہا: بیشک تو صریح گمراہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرے روز قبطی کے خلاف مدد نہ کرنے کا بیان

"فَأَصْبَحَ فِی الْمَدِینَةِ خَائِفًا یَتَرَقَّب" یَنْتَظِر مَا یَنَالُهُ مِنْ جِهَة الْقَتِیل "فَإِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ یَسْتَصْرِخهُ" یَسْتَغِیث بِهِ عَلَی قِبْطِیّ آخَر "قَالَ لَهُ مُوسَی إِنَّك لَغَوِیّ مُبِین" بَیِّن الْغَوَایَة لِمَا فَعَلْته بِالْأَمْسِ وَالْیَوْم

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شہر میں ڈرتے ہوئے صبح کی اس انتظار میں کہ اب کیا ہوگا؟ کیونکہ آپ کو انتظار تھا کہ اس قتل کے بدلے میں کیا ہونے والا ہے۔ تو دفعتہً وہی شخص جس نے آپ سے گزشتہ روز مدد طلب کی تھی آپ کو دوبارہ قبطی کے خلاف امداد کے لئے پکار رہا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا: بیشک تو صریح گمراہ ہے۔ یعنی گمراہی میں کیونکہ جو تو نے کل کیا ہے آج بھی وہی ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فرعون کی قوم کے لوگوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ کسی بنی اسرائیل نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے اس پر فرعون نے کہا کہ قاتل اور گواہوں کو تلاش کرو فرعونی گشت کرتے پھرتے تھے اور انھیں کوئی ثبوت نہیں ملتا تھا دوسرے روز جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہی بنی اسرائیل جس نے ایک روز پہلے ان سے مدد چاہی تھی آج پھر ایک فرعونی سے لڑ رہا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے فریاد کرنے لگا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ روز لوگوں سے لڑتا ہے اپنے آپ کو بھی مصیبت و پریشانی میں ڈالتا ہے اور اپنے مددگاروں کو بھی کیوں ایسے

موقعوں سے نہیں بچتا اور کیوں احتیاط نہیں کرتا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رحم آیا اور آپ نے چاہا کہ اس کو فرعونی کے پنجہ ظلم سے رہائی دلائیں۔(تفسیر خازن، سورہ قصص، بیروت)

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ
نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝
پس جب انہوں نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے تو وہ بول اٹھا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے (بھی)
قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔تم صرف یہی چاہتے ہو کہ ملک میں بڑے جابر بن جاؤ
اور تم یہ نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔

موسیٰ علیہ السلام کے فعل قتل کی اطلاع فرعون کو ہو جانے کا بیان

"فَلَمَّا أَنْ" زَائِدَة "أَرَادَ أَنْ يَبْطِش بِالَّذِي هُوَ عَدُوّ لَهُمَا" لِمُوسَى وَالْمُسْتَغِيث بِهِ "قَالَ" الْمُسْتَغِيث ظَانًّا أَنَّهُ يَبْطِش بِهِ لَمَّا قَالَ لَهُ "يَا مُوسَى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلنِي كَمَا قَتَلْت نَفْسًا بِالْأَمْسِ إنْ" مَا "تُرِيد إلَّا أَنْ تَكُون جَبَّارًا فِي الْأَرْض وَمَا تُرِيد أَنْ تَكُون مِنْ الْمُصْلِحِينَ" فَسَمِعَ الْقِبْطِيّ ذَلِكَ فَعَلِمَ أَنَّ الْقَاتِل مُوسَى فَانْطَلَقَ إلَى فِرْعَوْن فَأَخْبَرَهُ بِذَلِكَ فَأَمَرَ فِرْعَوْن الذَّبَّاحِينَ بِقَتْلِ مُوسَى فَأَخَذُوا فِي الطَّرِيق إلَيْهِ،

پس جب انہوں نے ارادہ کیا یہاں پر لفظ اَن زائدہ ہے کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اسرائیلی کا دشمن ہے تو وہ مدد طلب کرنے والا بول اٹھا: اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔ کیونکہ اس نے گمان کیا شاید آج موسیٰ علیہ السلام مجھے پکڑنا چاہتے ہیں۔تم صرف یہی چاہتے ہو کہ ملک میں بڑے جابر بن جاؤ اور تم یہ نہیں چاہتے کہ اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔ پس اس بات کو قبطی نے سن لیا اور کہ کل والے آدمی کا قاتل موسیٰ ہے۔تو اس نے یہ خبر فرعون کو بتائی تو فرعون نے جلادوں کو موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔تو انہوں نے آپ کو تلاش کرنے کا راستہ اختیار کیا۔

تفسیر مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ سبطی کو اس طرح ملامت کرنے کے بعد موسیٰ نے ارادہ کیا کہ قبطی کو پکڑ کر اس سبطی کو اس سے نجات دلائیں۔مگر سبطی یہ سمجھا کہ موسیٰ نے چونکہ آج مجھے ہی ملامت کی ہے۔لہٰذا مجھی پر یہ ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں۔لہٰذا وہ فوراً بک اٹھا اور کہنے لگا کہ موسیٰ کیا تم مجھے اسی طرح موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو جس طرح کل تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھگڑے کی صورت میں کسی نہ کسی کو مار ڈالنا ہی جانتے ہو۔ان کا مقدمہ سن کر ان میں صلح یا سمجھوتہ کرانا نہیں جانتے۔قبطی نے جب سبطی کے منہ سے یہ بات سنی تو اس نے لڑائی جھگڑا تو وہیں چھوڑا اور ایک دم بھاگ کر فرعون اور اس کے

اہلکاروں کو یہ اطلاع دے دی کہ کل جو قبطی قتل ہوا ہے اس کا قاتل موسیٰ ہے۔ گویا جس راز پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ اسے اسی احمق سبطی نے فاش کر ڈالا جس کی حمایت میں آپ نے قبطی کو مارا تھا۔ جب فرعون کے اہلکاروں کو قتل کے مجرم کا پتا چل گیا تو موسیٰ کی گرفتاری کا حکم صادر ہو گیا۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ
لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ۝
اور ایک آدمی شہر کے سب سے دور کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک سردار تیرے بارے میں
مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، پس نکل جا، یقیناً میں تیرے لیے خیر خواہوں سے ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے خروج کے متعلق اطلاع دینے والے مؤمن آدمی کا بیان

"وَجَاءَ رَجُل " هُوَ مُؤْمِن آل فِرْعَوْن "مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَة" آخِرهَا "يَسْعَى" يُسْرِع فِي مَشْيه مِنْ طَرِيق أَقْرَب مِنْ طَرِيقهمْ "قَالَ يَا مُوسَى إِنَّ الْمَلَأ" مِنْ قَوْم فِرْعَوْن "يَأْتَمِرُونَ بِك" يَتَشَاوَرُونَ فِيك "لِيَقْتُلُوك فَاخْرُجْ" مِنْ الْمَدِينَة "إِنِّي لَك مِنْ النَّاصِحِينَ" فِي الْأَمْر بِالْخُرُوجِ

اور ایک آدمی شہر کے سب سے دور کنارے سے دوڑتا ہوا آیا، جو فرعون کے قوم سے مؤمن تھا۔ جو فرعونی جلادوں کی بہ نسبت مختصر راستے سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا اے موسیٰ! بے شک قوم فرعون کے سردار تیرے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں، پس آپ شہر سے نکل جائیں یقیناً میں اس خروج کے مشورہ میں تیرے لیے خیر خواہوں سے ہوں۔

فرعون کے درباریوں کو اب اس امر میں کچھ شبہ نہ رہا تھا کہ موسیٰ شاہی خاندان کا فرد ہونے کے باوجود بنی اسرائیل کا ساتھ دیتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے باہمی مشورے کے بعد یہی طے کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دیا جائے۔ درباریوں میں سے ہی ایک آدمی حضرت موسیٰ کا دل سے خیر خواہ تھا۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھا اور دوڑتا ہوا موسیٰ کے پاس پہنچا اور کہا: جتنی جلدی ہو سکے اس شہر سے نکل جاؤ کیونکہ تمہارے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں اور میں صرف اس خیال سے بھاگ کر یہاں پہنچا ہوں کہ تمہیں بروقت صحیح صورت حال سے مطلع کر دوں۔ لہٰذا دیر نہ کرو اور فوراً یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝
پس موسیٰ علیہ السلام وہاں سے خوف زدہ ہو کر انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے، عرض کیا: اے رب!
مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون سے نجات پانے کی دعا کا بیان

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّب " لُحُوق طَالِب أَوْ غَوْث اللّٰه إِيَّاهُ "قَالَ رَبّ نَجِّنِي مِنْ الْقَوْم الظَّالِمِينَ "

قَوْمِ فِرْعَوْن

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے تلاش کرنے والوں کے اندیشہ سے خوف زدہ ہو کر مدد الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے نکل کھڑے ہوئے، عرض کیا: اے رب! مجھے ظالم قوم یعنی قوم فرعون سے نجات عطا فرما۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت مصر کا بیان

فرعون اور فرعونیوں کے ارادے جب اس شخص کی زبانی آپ کو معلوم ہو گئے تو آپ وہاں سے تن تنہا چپ چاپ نکل کھڑے ہوئے۔ چونکہ اس سے پہلے کی زندگی کے ایام آپ کے شہزادوں کی طرح گزر رہے تھے سفر بہت کڑا معلوم ہوا لیکن خوف و ہراس کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے سیدھے چلے جا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے جا رہے تھے کہ اے اللہ! ان ظالموں سے یعنی فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہبری کے واسطے ایک فرشتہ بھیجا تھا جو گھوڑے پر آپ کے پاس آیا اور آپ کو راستہ دکھا گیا واللہ اعلم۔ تھوڑی دیر میں آپ جنگلوں اور بیابانوں سے نکل کر مدین کے راستے پر پہنچ گئے تو خوش ہوئے اور فرمانے لگے مجھے ذات باری سے امید ہے کہ وہ راہ راست پر ہی لے جائے گا۔ اللہ نے آپ کی امید بھی پوری کی۔ اور آخرت کی سیدھی راہ نہ صرف بتائی بلکہ اوروں کو بھی سیدھی راہ بتانے والا بنایا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝
اور جب وہ مَدیَن کی طرف رخ کر کے چلے، کہنے لگے: امید ہے میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھا دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر کرنے کا بیان

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ " قَصَدَ بِوَجْهِهِ "تِلْقَاءَ مَدْيَنَ " جِهَتَهَا وَهِيَ قَرْيَة شُعَيْب مَسِيرَة ثَمَانِيَة أَيَّام مِنْ مِصْر سُمِّيَتْ بِمَدْيَن بْن إِبْرَاهِيم وَلَمْ يَكُنْ يَعْرِف طَرِيقهَا "قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاء السَّبِيل " أَيْ قَصْد الطَّرِيق أَيْ الطَّرِيق الْوَسَط إِلَيْهَا فَأَرْسَلَ اللّٰه مَلَكًا بِيَدِهِ عَنَزَة فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَيْهَا

اور جب وہ مَدیَن کی طرف رخ کر کے یعنی ارادہ کر کے چلے۔ اسی جہت حضرت شعیب علیہ السلام کی بستی مدین ہے جو مصر سے آٹھ دن کی مسافت پر واقع ہے جس کا نام مدین اس لئے رکھا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام مدین تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس کا راستہ نہ جانتے تھے۔ تو کہنے لگے: امید ہے میرا رب مجھے منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے سیدھی راہ دکھا دے گا۔ یعنی درمیانی راستے کو قصد کیا۔ پس اللہ نے آپ کی طرف فرشتے کو بھیجا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا تو اس نے آپ کو مدین کی راہ چلایا۔

مدیَن وہ مقام ہے جہاں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف رکھتے تھے اس کو مدیَن ابن ابراہیم کہتے ہیں مصر سے یہاں تک آٹھ روز کی مسافت ہے یہ شہر فرعون کے حدود قلمرو سے باہر تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا رستہ بھی نہ دیکھا تھا، نہ

کوئی سواری ساتھ تھی، نہ توشہ، نہ کوئی ہمراہی، راہ میں درختوں کے پتوں اور زمین کے سبزے کے سوا خوراک کی اور کوئی چیز نہ ملتی تھی

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ
قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ○
اور جب وہ مَدْیَنَ کے پانی پر پہنچے تو انہوں نے اس پر لوگوں کا ایک ہجوم پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ ایک
جانب دو عورتیں دیکھیں جو روکے ہوئے تھیں فرمایا: تم دونوں اس حال میں کیوں ہو؟ دونوں بولیں کہ ہم (اپنی بکریوں کو)
پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے واپس لے جائیں، اور ہمارے والد عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کے کنوئیں پر پہنچ جانے کا بیان

"وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ" بِئْر فِيهَا أَيْ وَصَلَ إِلَيْهَا "وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً" جَمَاعَة "مِنَ النَّاس يَسْقُونَ" مَوَاشِيهمْ "وَوَجَدَ مِنْ دُونهمْ" سِوَاهُمْ "امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ" تَمْنَعَانِ أَغْنَامهَا عَنْ الْمَاء "قَالَ" مُوسَى لَهُمَا "مَا خَطْبُكُمَا" مَا شَأْنُكُمَا لَا تَسْقِيَانِ "قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِر الرِّعَاء" جَمْع رَاعٍ أَيْ يَرْجِعُونَ مِنْ سَقْيهمْ خَوْف الزِّحَام فَنَسْقِي وَفِي قِرَاءَة يُصْدَر مِنْ الرُّبَاعِيّ أَيْ يَصْرِفُوا مَوَاشِيهمْ عَنْ الْمَاء "وَأَبُونَا شَيْخ كَبِير" لَا يَقْدِر أَنْ يَسْقِي

اور جب وہ مَدْیَنَ کے پانی کے کنویں پر پہنچے تو انہوں نے اس پر لوگوں کا ایک ہجوم پایا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ ایک جانب دو عورتیں دیکھیں جو اپنی بکریوں کو پانی پلانے سے روکے ہوئے تھیں موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں اس حال میں کیوں کھڑی ہو؟ یعنی تم دونوں پانی کیوں نہیں پلاتیں، دونوں بولیں کہ ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں یہاں تک کہ چرواہے اپنے مویشیوں کو واپس لے جائیں، یہاں پر لفظ رعاء یہ راع کی جمع ہے۔ یعنی جب وہ پانی پلا کر لوٹ آئیں کیونکہ ہمیں ہجوم کا اندیشہ ہے۔ تو پھر ہم پانی پلاتی ہیں۔ یہاں پر لفظ نسقی ایک قرأت کے مطابق رباعی سے یعنی جانوروں سے پانی سے پھیر لیں۔ اور ہمارے والد عمر رسیدہ بزرگ ہیں۔ جو پانی پلانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

مدین کے پاس کے کنویں پر آئے تو دیکھا کہ چرواہے پانی کھینچ کھینچ کر اپنے اپنے جانوروں کو پلا رہے ہیں۔ وہیں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو ان جانوروں کے ساتھ پانی پینے سے روک رہی ہیں تو آپ کو ان بکریوں پر اور ان عورتوں کی اس حالت پر کہ بیچاریاں پانی نکال کر پلا نہیں سکتیں اور ان چرواہوں میں سے کوئی اس کا روادار نہیں کہ اپنے کھینچے ہوئے پانی میں سے ان کی بکریوں کو بھی پلا دے تو آپ کو رحم آیا ان سے دریافت فرمایا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پانی نکال نہیں سکتیں جب یہ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گی۔ ہمارے والد صاحب ہیں لیکن وہ بہت ہی بوڑھے ہیں۔

فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ○

پس انہوں نے دونوں (کے ریوڑ) کو پانی پلا دیا پھر سایہ کی طرف پلٹ گئے اور عرض کیا: اے رب!

میں ہر اس بھلائی کا جو تو میری طرف اتارے محتاج ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وزنی پتھر کو تنہا اٹھا پھینکنے کا بیان

"فَسَقٰی لَهُمَا" مِنْ بِئْرٍ اُخْرٰی بِقُرْبِهِمَا رَفَعَ حَجَرًا عَنْهَا لَا یَرْفَعُهُ اِلَّا عَشَرَةُ اَنْفُسٍ "ثُمَّ تَوَلّٰی" انْصَرَفَ "اِلَی الظِّلِّ" لِسَمُرَةٍ مِنْ شِدَّةِ حَرِّ الشَّمْسِ وَهُوَ جَائِعٌ "فَقَالَ رَبِّ اِنِّی لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ" طَعَامٍ "فَقِیرٌ" مُحْتَاجٌ فَرَجَعَتَا اِلٰی اَبِیهِمَا فِی زَمَنٍ اَقَلَّ مِمَّا کَانَتَا تَرْجِعَانِ فِیهِ فَسَاَلَهُمَا عَنْ ذٰلِکَ فَاَخْبَرَتَاهُ بِمَنْ سَقٰی لَهُمَا فَقَالَ لِاِحْدَاهُمَا : اُدْعِیهِ لِی،

لہٰذا انہوں نے دونوں کے ریوڑ کو پانی پلا دیا۔یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس کنوئیں کے قریبی ایک اور کنوئیں سے ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور آپ نے تنہا وہاں سے پتھر کو اٹھایا جس کو دس آدمی بھی مشکل سے اٹھا سکتے تھے۔پھر سایہ کی طرف پلٹ گئے کیونکہ سورج کی دھوپ بڑی تیز تھی اور آپ کو بھوک بھی تھی۔اور عرض کیا: اے رب! میں ہر اس بھلائی کا جو تو میری طرف اتارے محتاج ہوں۔یعنی کھانے کی ضرورت ہے۔پس وہ دونوں بچیاں اسی وقت اپنے والد گرامی کی طرف لوٹ گئیں جو ان کے پہلے لوٹ کر جانے والے وقت سے بہت کم وقت تھا۔تو والد گرامی نے ان بچیوں سے جلدی آنے کا سبب پوچھا تو ان دونوں نے پانی پلانے کے واقعہ کی خبر دی۔تو شعیب علیہ السلام نے ان میں سے ایک حکم دیا کہ وہ اس کو بلا کر لائے۔

بکریوں کو پانی پلانے کا بیان

آپ نے خود ہی ان جانوروں کو پانی کھینچ کر پلا دیا۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کنوئیں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا۔جس چٹان کو دو آدمی مل کر سرکا سکتے تھے آپ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ڈول نکالا تھا جس میں اللہ نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں شکم سیر ہو گئیں۔اب آپ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے۔پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھونس کھاتے رہے تھے۔پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ ترسے ہوئے تھے حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ اللہ کے نزدیک آپ تھے صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے اللہ کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔لوگوں ایک درخت کی طرف اشارہ کیا میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس

نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم اللہ کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کے لئے گئے تھے جس سے اللہ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آگے آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سدی فرماتے ہیں یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں۔ عطاء کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بھوک کے امتحان کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا ملاحظہ فرمائے پورا ہفتہ گزر چکا تھا اس درمیان میں ایک لقمہ نہ کھایا تھا شکمِ مبارک پشتِ اقدس سے مل گیا تھا اس حالت میں اپنے رب سے غذا طلب کی اور باوجودیکہ بارگاہ الٰہی میں نہایت قرب ومنزلت رکھتے ہیں اس عجز و انکسار کے ساتھ روٹی کا ایک ٹکڑا طلب کیا اور جب وہ دونوں صاحب زادیاں اس روز بہت جلد اپنے مکان واپس ہو گئیں تو ان کے والد ماجد نے فرمایا کہ آج اس قدر جلد واپس آ جانے کا کیا سبب ہوا؟ عرض کیا کہ ہم نے ایک نیک مرد پایا اس نے ہم پر رحم کیا اور ہمارے جانوروں کو سیراب کر دیا اس پر ان کے والد صاحب نے ایک صاحبزادی سے فرمایا کہ جاؤ اور اس مردِ صالح کو میرے پاس بلا لاؤ۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ قصص، لاہور)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ
فَلَمَّا جَآءَهٗ وَ قَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٙ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝
پھر ان کے پاس ان دونوں میں سے ایک (لڑکی) آئی جو شرم وحیاء (کے انداز) سے چل رہی تھی۔ اس نے کہا:
میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ وہ آپ کو اس کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے (بکریوں کو) پانی پلایا ہے۔
سو جب موسیٰ (علیہ السلام) ان (لڑکیوں کے والد شعیب علیہ السلام) کے پاس آئے اور ان سے واقعات بیان کئے
تو انہوں نے کہا: آپ خوف نہ کریں آپ نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کا بیان

"فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاء " أَيْ وَاضِعَة كُمّ دِرْعهَا عَلَى وَجْههَا حَيَاء مِنْهُ "قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوك لِيَجْزِيَك أَجْر مَا سَقَيْت لَنَا " فَأَجَابَهَا مُنْكِرًا فِي نَفْسه أَخْذ الْأُجْرَة كَأَنَّهَا قَصَدَتْ الْمُكَافَأَة إِنْ كَانَ مِمَّنْ يُرِيدهَا فَمَشَتْ بَيْن يَدَيْهِ فَجَعَلَتْ الرِّيح تَضْرِب ثَوْبهَا فَتَكْشِف سَاقَيْهَا فَقَالَ لَهَا : امْشِي خَلْفِي وَدُلِّينِي عَلَى الطَّرِيق فَفَعَلَتْ إِلَى أَنْ جَاءَ أَبَاهَا وَهُوَ شُعَيْب عَلَيْهِ السَّلَام وَعِنْده عَشَاء فَقَالَ : اجْلِسْ فَتَعَشَّ وَقَالَ : أَخَاف أَنْ يَكُون عِوَضًا مِمَّا سَقَيْت لَهُمَا وَإِنَّا أَهْل بَيْت لَا نَطْلُب عَلَى عَمَل خَيْر عِوَضًا قَالَ : لَا عَادَتِي وَعَادَة آبَائِي نَقْرِي الضَّيْف وَنُطْعِم الطَّعَام فَأَكَلَ

وَأَخْبَرَهُ بِحَالِهِ "فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ" مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الْمَقْصُوصِ مِنْ قَتْلِهِ الْقِبْطِيَّ وَقَصْدِهِمْ قَتْلَهُ وَخَوْفِهِ مِنْ فِرْعَوْنَ "قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ" إِذْ لَا سُلْطَانَ لِفِرْعَوْنَ عَلَى أَهْلِ مَدْيَنَ

پھر تھوڑی دیر بعد ان کے پاس ان دونوں میں سے ایک لڑکی آئی جو شرم وحیاء کے انداز سے چل رہی تھی۔ یعنی کرتے کی آستین کو اپنے چہرے پر رکھتے ہوئے اس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ وہ آپ کو اس محنت کا معاوضہ دیں جو آپ نے ہمارے لئے بکریوں کو پانی پلایا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے دل میں اجرت کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی ان کی بات کو قبول کیا گویا اس بچی کا مقصد اجرت کو بدلے میں دینا تھا یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام اجرت لینا چاہیں پس وہ آپ سے آگے آگے چلنے لگی تو ہوا اس کے کپڑے کو اڑانے لگی جس سے ان کی پنڈلی ظاہر ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم میرے پیچھے چلو اور مجھے راستہ بتاؤ۔ تو اس بچی نے ایسا ہی کیا یہاں تک وہ اپنے والد گرامی شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی۔ اور وہ شعیب علیہ السلام تھے اور ان کے پاس شام کا کھانا تیار تھا فرمایا بیٹھیے اور کھانا تناول فرمائیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے فعل بکریوں کو پانی پلانے کی اجرت میں نہ ہو جبکہ میرا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو عمل خیر پر بدلہ طلب نہیں کرتے تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں ایسا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ میرے آباؤ واجداد کا طریقہ یہ ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا بھی کھلاتے ہیں تو آپ نے کھانا کھلایا۔ جب موسیٰ علیہ السلام ان لڑکیوں کے والد شعیب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے پچھلے واقعات بیان کئے یہاں پر لفظ قصص یہ مصدر مبنی بہ مفعول بہ معنی مقصوص ہے یعنی قبطی کا قتل اور ان فرعونیوں کے قتل کا ارادہ اور فرعون کا خوف، تو انہوں نے کہا: آپ خوف نہ کریں آپ نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔ کیونکہ اہل مدین پر فرعون کی کوئی بادشاہت نہیں ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ○
دونوں میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، کیونکہ سب سے بہتر شخص
جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قوی وامین ہونے کا بیان

"قَالَتْ إِحْدَاهُمَا" وَهِيَ الْمُرْسَلَةُ الْكُبْرَى أَوْ الصُّغْرَى "يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ" اتَّخِذْهُ أَجِيرًا يَرْعَى غَنَمَنَا بَدَلَنَا "إِنَّ خَيْرَ مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ" أَيْ اسْتَأْجِرْهُ لِقُوَّتِهِ وَأَمَانَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ فَأَخْبَرَتْهُ بِمَا تَقَدَّمَ مِنْ رَفْعِهِ حَجَرَ الْبِئْرِ وَمِنْ قَوْلِهِ لَهَا : امْشِي خَلْفِي وَزِيَادَةُ أَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْهُ وَعَلِمَ بِهَا صَوَّبَ رَأْسَهُ فَلَمْ يَرْفَعْهُ فَرَغِبَ فِي إِنْكَاحِهِ

ان دونوں میں سے ایک نے کہا اور وہ تھی جس کو بھیجا تھا خواہ بڑی تھی یا چھوٹی تھی، اے میرے باپ! اسے اجرت پر رکھ لے، لہٰذا ہماری جگہ پر یہی بکریوں کو چرائے گا۔ کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔ یعنی قوت

وامانتداری کے سبب اس کو اجرت پر رکھ لیں۔ تو شعیب علیہ السلام نے پوچھا تو اس بچی نے ماقبل بیان کردہ واقعات بتائے جو کنوئیں سے پتھر کو نکالنا تھا اور آپ کا یہ قول کہ تم میرے پیچھے چلو اور نیز یہ بھی تھا کہ جب میں ان کو میرے آنے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے سر جھکا لیا اور اپنے سر کو اٹھایا نہیں۔ پس شعیب علیہ السلام نے نکاح میں رغبت جانی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی سے دریافت کیا کہ تمہیں ان کی قوت و امانت کا کیا علم؟ انہوں نے عرض کیا کہ قوت تو اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تنہا کنوئیں پر سے وہ پتھر اٹھالیا جس کو دس سے کم آدمی نہیں اٹھا سکتے اور امانت اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے ہمیں دیکھ کر سر جھکا لیا اور نظر نہ اٹھائی اور ہم سے کہا کہ تم پیچھے چلو ایسا نہ ہو کہ ہوا سے تمہارا کپڑا اڑے اور بدن کا کوئی حصہ نمودار ہو یہ سن کر حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ
عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○
اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس پر کہ تو آٹھ سال
میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر
مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آٹھ سال بکریوں کو چرانے کا بیان

"قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ" وَهِيَ الْكُبْرَى أَوْ الصُّغْرَى "عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي" تَكُونَ أَجِيرًا لِي فِي رَعْي غَنَمِي "ثَمَانِيَةَ حِجَجٍ" أَيْ سِنِينَ "فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا" أَيْ رَعْي عَشْر سِنِينَ "فَمِنْ عِنْدِكَ" التَّمَام "وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ" بِاشْتِرَاطِ الْعَشْر "سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّه" لِلتَّبَرُّكِ "مِنَ الصَّالِحِينَ" الْوَافِينَ بِالْعَهْدِ

اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اور وہ چھوٹی تھی یا بڑی تھی اس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، یعنی آٹھ سال میرے ہاں بکریوں کو چرائے گا۔ پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے مکمل ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر دس سال کی مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا یہ کلمہ بہ طور تبرک کہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔ یعنی عہد کو پورا کرنے والوں سے پائے گا۔

قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ○
کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان ہے، ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں تو مجھ پر
کوئی زیادتی نہ ہوگی اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو عصا دینے کا بیان

"قَالَ" مُوسَى "ذَلِكَ" الَّذِي قُلْته "بَيْنِي وَبَيْنك أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ" الثَّمَان أَوْ الْعَشْر وَمَا زَائِدَة أَيْ رَعِيَّة "قَضَيْت" بِهِ أَيْ فَرَغْت مِنْهُ "فَلَا عُدْوَان عَلَيَّ" بِطَلَبِ الزِّيَادَة عَلَيْهِ "وَاَللَّه عَلَى مَا نَقُول" أَنَا وَأَنْتَ "وَكِيل" حَفِيظ أَوْ شَهِيد فَتَمَّ الْعَقْد بِذَلِكَ وَأَمَرَ شُعَيْب ابْنَته أَنْ تُعْطِي مُوسَى عَصَا يَدْفَع بِهَا السِّبَاع عَنْ غَنَمه وَكَانَتْ عِصِيّ الْأَنْبِيَاء عِنْده فَوَقَعَ فِي يَدهَا عَصَا آدَم مِنْ آس الْجَنَّة فَأَخَذَهَا مُوسَى بِعِلْمِ شُعَيْب

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ بات میرے درمیان اور تیرے درمیان طے ہے، یعنی جو آپ نے کہا ہے ان دونوں میں سے جو مدت میں پوری کردوں یعنی آٹھ یا دس، اور یہاں لفظ ماء زائدہ ہے۔ تب میں اس ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں گا تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی یعنی اس سے زیادہ طلب نہ کیا جائے گا اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔ پس اس طرح عقد مکمل ہو گیا۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی سے کہا کہ موسیٰ کو کوئی عصا دے دو جس وہ بکریوں کی درندوں سے حفاظت کرے اور شعیب علیہ السلام کے پاس انبیائے کرام علیہم السلام کے عصاء تھے۔ تو بچی کے ہاتھ میں حضرت آدم علیہ السلام کا عصا آیا جو جنت کے درخت مورد کا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کو بتلا کر وہ عصا لے لیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کے کئی عصاء تھے صاحبزادی صاحبہ کا ہاتھ حضرت آدم علیہ السلام کے عصاء پر پڑا جو آپ جنت سے لائے تھے اور انبیاء اس کے وارث ہوتے چلے آئے تھے اور وہ حضرت شعیب علیہ السلام کو پہنچا تھا حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ عصاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ
اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۝
پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے مقررہ مدت پوری کر لی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے۔ انہوں نے طور کی جانب سے
ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے لئے
اس سے کچھ خبر لاؤں یا آتش کی کوئی چنگاری تا کہ تم بھی تپ اٹھو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کیلئے جانب طور جانے کا بیان

"فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَل" أَيْ رَعْيه وَهِيَ ثَمَان أَوْ عَشْر سِنِينَ وَهُوَ الْمَظْنُون بِهِ "وَسَارَ بِأَهْلِهِ" زَوْجَته بِإِذْنِ أَبِيهَا نَحْو مِصْر "آنَسَ" أَبْصَرَ مِنْ بَعِيد "مِنْ جَانِب الطُّور" اسْم جَبَل "نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ اُمْكُثُوا" هُنَا "إِنِّي آنَسْت نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ" عَنْ الطَّرِيق وَكَانَ قَدْ أَخْطَأَهَا "أَوْ جَذْوَة"

بِتَثْلِيثِ الْجِيمِ قِطْعَة وَشُعْلَة "مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ" تَسْتَدْفِئُونَ وَالطَّاء بَدَل مِنْ تَاء الِافْتِعَال مِنْ صَلِيَ بِالنَّارِ بِكَسْرِ اللَّام وَفَتْحهَا،

پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر لی یعنی بکریوں کو چرانے کے آٹھ یا دس سال پورے ہو گئے۔ جبکہ غالب گمان دس سال کا ہے۔ اور اپنی اہلیہ کو ان کے والد گرامی حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے مصر لے کر چلے تو انہوں نے طور پہاڑ کی جانب دور سے ایک آگ دیکھی، انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم یہیں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے لئے اس آگ سے کچھ راستے کی خبر لاؤں کیونکہ راستہ آپ سے دور ہو چکا تھا۔ یا آتش کی کوئی چنگاری لا دوں، یہاں پر لفظ جذوہ پر تینوں اعراب جائز ہیں۔ جس کا معنی آگ کا شعلہ ہے۔ تا کہ تم بھی تپ اٹھو۔ یعنی تم سردی کو دور کرو۔ یہاں تصطلون میں طاء یہ تائے افتعال سے بدلی ہوئی ہے۔ اور یہ من صلی سے مشتق ہے جو لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے مصر جانے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال پورے کئے تھے۔ قرآن کے اس لفظ الاجل سے بھی اس کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔ بلکہ حضرت مجاہد کا تو قول ہے کہ دس سال یہ اور دس سال اور بھی گزرے۔ اس قول میں یہ صرف تنہا ہے۔ واللہ اعلم۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال اور شوق پیدا ہوا کہ چپ چاپ وطن میں جاؤں اور اپنے والوں سے مل آؤں چنانچہ آپ اپنی بیوی صاحبہ کو اور اپنی بکریوں کو لے کر وہاں سے چلے رات کو بارش ہونے لگی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں اور سخت اندھیرا ہو گیا۔ آپ ہر چند چراغ جلاتے تھے مگر روشنی نہیں ہوتی تھی۔ سخت متعجب اور حیران تھے اتنے میں دیکھتے ہیں کہ کچھ دور آگ روشن ہے تو اپنی اہلیہ صاحبہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو وہاں کچھ روشنی دکھائی دیتی ہے میں وہاں جاتا ہوں اگر کوئی وہاں ہوا تو اس سے راستہ بھی دریافت کر لونگا اس لئے کہ ہم راہ بھولے ہوئے ہیں۔ یا میں وہاں سے کچھ آگ لے آؤنگا جس سے تم تاپ لو اور جاڑے کا علاج ہو جائے۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب کے مغربی پہاڑ سے آواز سنائی دی۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے (وما کنت بجانب الغربی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ آگ کے قصد سے قبلہ کی طرف چلے تھے اور مغربی پہاڑ آپ کے دائیں طرف تھا اور ایک سرسبز ہرے بھرے درخت میں آگ نظر آ رہی تھی جو پہاڑ کے دامن میں میدان کے متصل تھی۔ یہ وہاں جا کر اس حالت کو دیکھ کر حیران و ششدرہ رہ گئے کہ ہرے اور سبز درخت میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن آگ کسی چیز میں جلتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، اسی وقت اللہ کی طرف سے آواز آئی۔

کلیم اللہ نے سنا کہ آواز آ رہی ہے کہ اے موسیٰ میں ہوں رب العالمین۔ جو اس وقت تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ میرے سوا کوئی رب ہے میں اس سے پاک ہو کہ کوئی مجھ جیسا ہو مخلوق میں سے کوئی بھی میرا شریک نہیں میں یکتا اور بیمثل ہوں اور وحدہ لاشریک ہوں۔ میری ذات، میری صفات، میرے افعال میرے اقوال میں میرا کوئی شریک ساجھی ساتھی نہیں۔ میں ہر طرح پاک اور نقصان سے دور ہوں۔ اسی ضمن میں فرمان ہوا کہ اپنی لکڑی

زمین پر گرادو اور میری قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

فَلَمَّآ اَتٰـهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ
اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۝
تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے اس بابرکت قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے آواز دی گئی
کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام سننے والی جگہ کا بقعہ مبارکہ ہونے کا بیان

"فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِیَ مِنْ شَاطِئِ " جَانِب "الْوَادِی الْأَیْمَن " لِمُوسَى "فِی الْبُقْعَة الْمُبَارَكَة " لِمُوسَى لِسَمَاعِهِ كَلَام اللّٰه فِیهَا "مِنْ الشَّجَرَة" بَدَل مِنْ شَاطِئ بِإِعَادَةِ الْجَار لِنَبَاتِهَا فِیهِ وَهِیَ شَجَرَة عُنَّاب أَوْ عَلِیق أَوْ عَوْسَج "أَنْ" مُفَسِّرَة لَا مُخَفَّفَة

تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے اس بابرکت قطعہ میں وادی کے دائیں کنارے سے ایک درخت سے آواز دی گئی، یہ میدان بقعہ مبارکہ اس لئے ہوا کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سنا تھا، یہاں پر من الشجرۃ یہ اعادہ جار کے سبب وادی سے بدل ہے۔ کیونکہ اس میدان میں درخت کے اگنے کا سبب ہے اور وہ عناب یا امر بیل یا جھاڑی کا درخت تھا اور یہاں پر لفظ اَن مخففہ نہیں ہے بلکہ مفسرہ ہے۔ کہ اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں، جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس درخت کو جس میں سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی دیکھا ہے وہ سرسبز و شاداب ہرا بھرا درخت ہے جو چمک رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ علیق کا درخت تھا اور بعض کہتے ہیں یہ عوسج کا درخت تھا اور آپ کی لکڑی بھی اسی درخت کی تھی۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ
یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۟ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ۝
اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اسے دیکھا کہ وہ تیز لہراتی تڑپتی ہوئی حرکت کر رہی ہے گویا وہ سانپ
ہو، تو پیٹھ پھیر کر چل پڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ! سامنے آؤ اور خوف نہ کرو، بیشک تم امان یافتہ لوگوں میں سے ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانے کا بیان

"وَأَنْ أَلْقِ عَصَاك " فَأَلْقَاهَا "فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزّ " تَتَحَرَّك "كَأَنَّهَا جَانّ " وَهِیَ الْحَیَّة الصَّغِیرَة مِنْ سُرْعَة حَرَكَتهَا "وَلَّى مُدْبِرًا" هَارِبًا مِنْهَا "وَلَمْ یُعَقِّب" أَیْ یَرْجِع فَنُودِیَ

اور یہ کہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو، تو آپ نے عصا کو زمین پر ڈال دیا پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا کہ وہ تیز لہراتی تڑپتی ہوئی حرکت کر رہی ہے جس طرح کہ اس میں جان ہے گویا وہ چھوٹا سانپ ہو، تو پیٹھ پھیر کر چل پڑے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، یعنی واپس نہیں لوٹے تو ندا آئی اے موسیٰ! سامنے آؤ اور خوف نہ کرو، بیشک تم امان یافتہ لوگوں میں سے ہو۔

اس خوفناک سانپ کو جو باوجود بہت بڑا اور بہت موٹا ہونے کے تیر کی طرح ادھر ادھر جا رہا تھا منہ کھولتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی نگل جائے گا۔ جہاں سے گزرتا تھا پتھر ٹوٹ جاتے تھے اسے دیکھ کر حضرت موسیٰ سہم گئے اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے الٹے پیروں بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ وہیں اللہ کی طرف سے آواز آئی موسیٰ ادھر آ ڈر نہیں تو میرے امن میں ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل ٹھہر گیا۔ اطمینان سے بیخوف ہو کر وہیں اپنی جگہ آ کر باادب کھڑے ہو گئے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ز وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝
اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید چمک دار ہو کر نکلے گا اور خوف سے اپنا بازو اپنے طرف سکیڑ لو،
پس تمہارے رب کی جانب سے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف ہیں، بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ ید بیضاء کا بیان

"اُسْلُكْ" أَدْخِلْ "يَدَكَ" الْيُمْنَى بِمَعْنَى الْكَفِّ "فِي جَيْبِكَ" هُوَ طَوْقُ الْقَمِيصِ وَأَخْرِجْهَا "تَخْرُجْ" خِلَافَ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْأُدْمَةِ "بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ" أَيْ بَرَصٍ فَأَدْخَلَهَا وَأَخْرَجَهَا تُضِيءُ كَشُعَاعِ الشَّمْسِ تُغْشِي الْبَصَرَ "وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهَبِ" بِفَتْحِ الْحَرْفَيْنِ وَسُكُونِ الثَّانِي مِنْ فَتْحِ الْأَوَّلِ وَضَمِّهِ أَيِ الْخَوْفِ الْحَاصِلِ مِنْ إِضَاءَةِ الْيَدِ بِأَنْ تُدْخِلَهَا فِي جَيْبِكَ فَتَعُودَ إِلَى حَالَتِهَا الْأُولَى وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْجَنَاحِ لِأَنَّهَا لِلْإِنْسَانِ كَالْجَنَاحِ لِلطَّائِرِ "فَذَانِكَ" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ أَيِ الْعَصَا وَالْيَدُ وَهُمَا مُؤَنَّثَانِ وَإِنَّمَا ذُكِّرَ الْمُشَارُ بِهِ إِلَيْهِمَا الْمُبْتَدَأُ لِتَذْكِيرِ خَبَرِهِ "بُرْهَانَانِ" مُرْسَلَانِ

اپنا دایاں ہاتھ یہاں پر ہاتھ بہ معنی ہتھیلی ہے اپنے گریبان میں ڈالو، وہ قمیص کا طوق ہے۔ یعنی ہاتھ کو نکالیے جو اپنی حالت آدمیت کے خلاف نکلے گا، وہ بغیر کسی عیب یعنی برص کے سفید چمک دار ہو کر نکلے گا پس آپ نے ہاتھ کو سکیڑ لیا اور جب اس کو نکالا تو اس سے شعاع نکلی جس طرح سورج سے شعاع نکلتی ہے۔ جو بصارت کو ڈھانپ لینے والی تھی۔ اور خوف دور کرنے کی غرض سے اپنا بازو اپنے سینے کی طرف سکیڑ لو، یہاں پر لفظ رھب دونوں حروف کی فتحہ کے ساتھ اور دوسرے کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے اور پہلے کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی خوف یعنی جو ہاتھ کی روشنی ہے جب اس کو آستین میں داخل کرو گے تو وہ اپنی پہلی حالت کی

طرح لوٹ جائے گا۔اور اس کو جناح سے تعبیر کیا کیونکہ جس طرح انسان کے جناح ہوتے ہیں اسی طرح پرندے کے جناح بھی ہوتے ہیں۔یہاں پر لفظ ذانک یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔پس تمہارے رب کی جانب سے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف ہیں، یہاں پر عصا اور یدہ دونوں مؤنث ہیں اور جن کی طرف ان دونوں کا اشارہ ہے وہ مذکر ہے۔وہ مبتداء ہے اور خبر کی رعایت کے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں۔

یہ معجزہ عطا فرما کر پھر دوسرا معجزہ یہ دیا کہ حضرت موسیٰ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگتا اور بہت بھلا معلوم ہوتا یہ نہیں کہ کوڑھ کے داغ کی طرح سفید ہو جائے۔یہ بھی بحکم الٰہی آپ نے وہی کیا اور اپنے ہاتھ کو مثل چاند منور دیکھ لیا۔پھر حکم دیا کہ تمہیں اس سانپ سے یا کسی گھبراہٹ ڈر خوف رعب سے دہشت معلوم ہو تو اپنے بازو اپنے بدن سے ملا لو ڈر خوف جاتا رہے گا۔اور یہ بھی ہے کہ جو شخص ڈر اور دہشت کے وقت اپنا ہاتھ اپنے دل پر اللہ کے اس فرمان کے ماتحت رکھ لے تو انشاء اللہ اس کا خوف ڈر جاتا رہے گا۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضرت موسیٰ کے دل پر فرعون کا بہت خوف تھا آپ جب اسے دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔دعا (اللھم انی ادرا بک فی نحرہ واعوذ بک من شرہ)۔اے اللہ میں تجھے اس کے مقابلہ میں کرتا ہوں۔اور اس کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب وخوف ہٹالیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا پھر تو اسکا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا تھا۔یہ دونوں معجزے یعنی عصائے موسیٰ اور ید بیضاء دے کر اللہ نے فرمایا کہ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے کر جاؤ اور بطور دلیل یہ معجزہ پیش کرو اور ان فاسقوں کو اللہ کی راہ دکھاؤ۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ٥
عرض کیا: اے پروردگار! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے پاس جانے سے قبل عذر عرض کرنے کا بیان

"قَالَ رَبّ إِنِّي قَتَلْت مِنْهُمْ نَفْسًا" هُوَ الْقِبْطِيّ السَّابِق "فَأَخَاف أَنْ يَقْتُلُونِي" بِهِ،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے پروردگار! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا یعنی وہی سابقہ قبطی ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون سے اندیشہ کے سبب جب ہجرت کر گئے تھے۔جب اللہ تعالیٰ نے وہیں اسی کے پاس نبی بن کر جانے کو فرمایا تو آپ کو وہ سب یاد آ گیا اور عرض کرنے لگے اے اللہ ان کے ایک آدمی کی جان میرے ہاتھ سے نکل گئی تھی تو ایسا نہ ہو کہ وہ بدلے کا نام رکھ کر میرے قتل کے در پے ہو جائیں۔

وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ٥
اور میرے بھائی ہارون (علیہ السلام)، وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں سو انہیں میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج

دے کہ وہ میری تصدیق کر سکیں میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا فصیح اللسان ہونے کا بیان

"وَأَخِي هَارُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا" أَبْيَنَ "فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا" مُعِينًا وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ الدَّالِ بِلَا هَمْزَةٍ "يُصَدِّقُنِي" بِالْجَزْمِ جَوَابُ الدُّعَاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ وَجُمْلَتُهُ صِفَةُ رِدْءًا

اور میرے بھائی ہارون علیہ السلام، وہ زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں یعنی ان کا بیان واضح ہے۔ پس انھیں میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے یہاں پر لفظ رداء یہ ایک قرأت کے مطابق دال کے فتحہ کے ساتھ ہمزہ کے بغیر ہے۔ کہ وہ میری تصدیق کر سکیں، یہاں پر یصدقنی یہ لفظ جزم کے ساتھ آیا کیونکہ یہ دعا کا جواب ہے۔ اور ایک قرأت کے مطابق مرفوع آیا ہے۔ جو رداء کی صفت ہو کر جملہ ہوا ہے۔ میں اس بات سے بھی ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔

حضرت موسیٰ نے بچپن کے زمانے میں جب کہ آپ کے سامنے بطور تجربہ کے ایک آگ اور ایک کھجور یا یک موتی رکھا تھا تو آپ نے انگارہ پکڑ لیا تھا اور منہ میں ڈال لیا تھا اس واسطے آپ کی زبان میں کچھ کسر رہ گئی تھی اور اسی لیے آپ نے اپنی زبان کی بابت اللہ سے دعا مانگی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اس سے میرا بازو مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر تا کہ نبوت و رسالت کا فریضہ ادا ہو اور تیرے بندوں کو تیری کبریائی کی دعوت دے سکیں۔ یہاں بھی آپ کی دعا منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ ہی اپنا رسول بنا کر بھیجیں وہ میرا معین و وزیر ہو جائے۔ وہ میری باتوں کو باور کرے تا کہ میرا بازو مضبوط رہے دل بڑھا ہوا رہے۔ اور یہ بھی بات ہے کہ دو آوازیں بہ نسبت ایک آواز کے زیادہ مضبوط اور با اثر ہوتی ہیں۔ میں اکیلا رہا تو ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں اور ہارون ساتھ ہوا تو میری باتیں بھی لوگوں کو سمجھا دیا کرے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

ارشاد فرمایا: ہم تمہارا بازو تمہارے بھائی کے ذریعے مضبوط کر دیں گے۔ اور ہم تم دونوں کے لئے ہیبت و غلبہ پیدا کئے دیتے ہیں۔ سو وہ ہماری نشانیوں کے سبب سے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے، تم دونوں اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے غالب رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہارون علیہ السلام کے ذریعے مدد کرنے کا بیان

"قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ" نُقَوِّيك "بِأَخِيك وَنَجْعَل لَكُمَا سُلْطَانًا" غَلَبَة "فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا" بِسُوءٍ اِذْهَبَا "بِآيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنْ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ" لَهُمْ

ارشاد فرمایا: ہم تمہارا بازو تمہارے بھائی کے ذریعے مضبوط کر دیں گے یعنی طاقت دیتے ہیں۔ اور ہم تم دونوں کے لئے

(لوگوں کے دلوں میں اور تمہاری کاوشوں میں) ہیبت و غلبہ پیدا کئے دیتے ہیں۔ سو وہ ہماری نشانیوں کے سبب سے تم تک گزند پہنچانے کے لئے نہیں پہنچ سکیں گے، تم دونوں اور جو لوگ تمہاری پیروی کریں گے وہ ان پر غالب آنے والے ہیں۔

جناب باری ارحم الراحمین نے جواب دیا کہ تیری مانگ منظور ہے ہم تیرے بھائی کو تجھ کو سہارا دیں گے اور اسے بھی تیرے ساتھ نبی بنا دیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے (قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰي، موسیٰ تیرا سوال پورا کر دیا گیا۔ اور آیت میں ہے ہم نے اپنی رحمت سے اسے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ اسی لئے بعض اسلاف کا فرمان ہے کہ کسی بھائی نے اپنے بھائی پر وہ احسان نہیں کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون پر کیا کہ اللہ سے دعا کر کے انہیں نبی بنوا دیا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بڑی بزرگی کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی دعا بھی رد نہ کی۔ واقعی آپ اللہ کے نزدیک بڑے ہی مرتبہ والے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم تم دونوں کو زبردست دلیلیں اور کام حجتیں دیں گے فرعونی تمہیں کوئی ایذاء نہیں دے سکتے۔ کیونکہ تم میرا پیغام میرے بندوں کے نام پہنچانے والے ہو۔ ایسوں کو میں خود دشمنوں سے سنبھالتا ہوں۔ ان کا مددگار اور مؤید میں خود بن جاتا ہوں۔ انجام کار تم اور تمہارے ماننے والے ہی غالب آئیں گے۔ جیسے فرمان ہے اللہ لکھ چکا ہے میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے اللہ تعالیٰ قوت والا عزت والا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰي بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○
پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) ان کے پاس ہماری واضح اور روشن نشانیاں لے کر آئے تو وہ لوگ کہنے لگے کہ
یہ تو مَن گھڑت جادو کے سوا نہیں ہے۔ اور ہم نے یہ باتیں اپنے پہلے آباء و اجداد میں نہیں سنی تھیں۔

کفار کا آیات حق کو جادو قرار دینے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا بَيِّنَات" وَاضِحَات حَال "قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْر مُفْتَرًى" مُخْتَلَق "وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا" كَائِنًا "فِي" أَيَّام

پھر جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری واضح اور روشن نشانیاں لے کر آئے، یہاں پر لفظ بینات یہ حال ہے۔ تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو مَن گھڑت جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ہم نے یہ باتیں اپنے پہلے آباء و اجداد کے دنوں میں کبھی نہیں سنی تھیں۔

فرعونی قوم کا پیغام توحید کو سن کر جادو کہہ دینے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام خلعت نبوت سے اور کلام الٰہی سے ممتاز ہو کر بحکم اللہ مصر میں پہنچے اور فرعون اور فرعونیوں کو اللہ کی وحدت اور اپنی رسالت کی تلقین کے ساتھ ہی جو معجزے اللہ نے دیئے تھے انہیں دکھایا۔ سب کو مع فرعون کے یقین کامل ہو گیا کہ بیشک حضرت موسیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن مدتوں کا غرور اور پرانا کفر سر اٹھائے بغیر نہ رہا اور زبانیں دل کے خلاف کر کے کہنے لگے یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے۔ اب فرعونی اپنے دبدبے اور قوت و طاقت سے حق کے مقابلے پر جم گئے اور اللہ کے نبیوں کا سامنا

کرنے پر تل گئے اور کہنے لگے کبھی ہم نے تو نہیں سنا کہ اللہ ایک ہے اور ہم تو کیا ہمارے اگلے باپ دادوں کے کان بھی آشنا نہیں تھے۔ ہم سب کے سب مع اپنے بڑے چھوٹوں کے بہت سے معبودوں کو پوجتے رہے۔ یہ نئی باتیں لے کر کہاں سے آ گیا؟ کلیم اللہ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ مجھے اور تم کو اللہ خوب جانتا ہے وہی ہم تم میں فیصلہ کرے گا ہم میں سے ہدایت پر کون ہے؟ اور کون نیک انجام پر ہے؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے وہ فیصلہ کر دے گا اور تم عنقریب دیکھ لو گے کہ اللہ کی تائید کس کا ساتھ دیتی ہے؟ ظالم یعنی مشرک کبھی خوش انجام اور شادکام نہیں ہوئے وہ نجات سے محروم ہیں۔ (جامع البیان، سورہ قصص، بیروت)

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے اور
اس کو جس کے لئے آخرت کے گھر کا انجام ہوگا، بیشک ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہدایت کے ساتھ مبعوث ہونے کا بیان

"وَقَالَ" بِوَاوٍ وَبِدُونِهَا "مُوسَى رَبِّي أَعْلَم" عَالِم "بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَى مِنْ عِنْده" الضَّمِير لِلرَّبِّ "وَمَنْ" عَطْف عَلَى مَنْ قَبْلهَا "تَكُون" بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّة "لَهُ عَاقِبَة الدَّار" أَيْ الْعَاقِبَة الْمَحْمُودَة فِي الدَّار الْآخِرَة أَيْ هُوَ أَنَا فِي الشِّقَّيْنِ فَأَنَا مُحِقّ فِيمَا جِئْت بِهِ "إِنَّهُ لَا يُفْلِح الظَّالِمُونَ" الْكَافِرُونَ

یہاں پر لفظ قال واؤ اور بغیر واؤ کے بھی آیا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا ہے۔ یہاں پر لفظ عندہ کی ضمیر رب کی طرف لوٹنے والی ہے۔ اور ''وَمَنْ" عَطْف عَلَى مَنْ قَبْلهَا'' اور اس کو بھی جس کے لئے آخرت کے گھر کا انجام بہتر ہوگا، یہاں پر لفظ تکون یہ یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی آخرت میں انجام بہتر ہوگا اور وہ دونوں احوال میں میرے لئے بہتر ہے پس جو میں لایا ہوں وہی حق ہے۔ بیشک ظالم یعنی کفار فلاح نہیں پائیں گے۔

یعنی تم نے مجھے ایک جادوگر سمجھا ہے حالانکہ میرا پروردگار میرے حال سے خوب واقف ہے کہ ہر شخص کے کاموں کے انجام کا فیصلہ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے بہر حال ایک بات تو یقینی ہے اور وہ یہ ہے کہ ظالم اور بے انصاف لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ اگر میں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگا دیا ہے تو میرا انجام کبھی بخیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر میں اللہ کی طرف سچا رسول ہوں اور تم مجھے جادوگر کہہ کر دوسرے حیلے بہانوں سے مجھے جھٹلاؤ گے تو تمہارا بھی کبھی انجام بخیر نہ ہوگا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جانتا۔ اے ہامان! میرے لئے گارے کو
آگ لگا دے، پھر میرے لئے ایک اونچی عمارت تیار کر، شاید میں موسیٰ کے خدا تک رسائی پاسکوں،
اور میں تو اس کو جھوٹ بولنے والوں میں گمان کرتا ہوں۔

فرعون کا ہامان کو اونچی دیوار بنانے کا حکم دینے کا بیان

"وَقَالَ فِرْعَوْن يَا أَيُّهَا الْمَلَأ مَا عَلِمْت لَكُمْ مِنْ إِلَه غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَان عَلَى الطِّين" فَاطْبُخْ لِي الْآجُرّ "فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا" قَصْرًا عَالِيًا "لَعَلِّي أَطَّلِع إِلَى إِلَه مُوسَى" أَنْظُر إِلَيْهِ وَأَقِف عَلَيْهِ "وَإِنِّي لَأَظُنّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ" فِي ادِّعَائِهِ إِلَهًا آخَر وَأَنَّهُ رَسُوله

اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں جانتا۔ اے ہامان! میرے لئے گارے کو آگ لگا کر کچھ اینٹیں پکا دے، پھر میرے لئے ان سے ایک اونچی عمارت تیار کر، شاید میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا تک رسائی پا سکوں، اور میں تو اس کو جھوٹ بولنے والوں میں گمان کرتا ہوں۔ یعنی جو اس نے دوسرے معبود اور اپنے رسول ہونے کا دعویٰ کر رکھا ہے۔

جبرائیل امین نے فرعون کی اونچی عمارت کو گرا دیا

فرعون نے بہت اونچا بلند محل تیار کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے وزیر ہامان کو اس کی تیاری کے لئے پہلے یہ حکم دیا کہ مٹی کی اینٹوں کو پکا کر پختہ کیا جائے کیونکہ کچی اینٹوں پر کوئی بڑی اور اونچی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا سب سے پہلے فرعون نے یہ ایجاد کرائی۔ تاریخی روایات میں ہے کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کے لئے پچاس ہزار معمار جمع کیے مزدور اور لکڑی لوہے کا کام کرنے والے ان کے علاوہ تھے اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اس زمانے میں اس سے زیادہ بلند کوئی تعمیر نہیں تھی۔ پھر جب یہ تیاری مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا، انہوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قصص، بیروت)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ○
اور اس نے خود اور اس کی فوجوں نے ملک میں ناحق تکبر و سرکشی کی اور یہ گمان کر بیٹھے کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے جائیں گے۔

فرعون اور اس کے لشکر کا زمین مصر میں سرکشی کرنے کا بیان

"وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوده فِي الْأَرْض" أَرْض مِصْر "بِغَيْرِ الْحَقّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يَرْجِعُونَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ

اور اس فرعون نے خود اور اس کی فوجوں نے ملک یعنی زمین مصر میں ناحق تکبر و سرکشی کی اور یہ گمان کر بیٹھے کہ وہ ہماری طرف

نہیں لوٹائے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ یرجعون معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔

انھیں اللہ نے زمین کے تھوڑے سے حصہ میں چند دن کے لئے اقتدار بخشا تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ ان سے اوپر کوئی ہستی ہے نہیں جوان سے یہ اقتدار چھین بھی سکتی ہے۔ نہ ہی انھیں کبھی یہ خیال آیا تھا کہ مرنے کے بعد ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور ہمارے ایک ایک کام سے متعلق ہم سے باز پرس ہونے والی ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ٥
پس ہم نے اس کو اور اس کی فوجوں کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا، تو آپ دیکھئے کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔

فرعون اور اس کے لشکر کے غرق ہونے کا بیان

"فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُوده فَنَبَذْنَاهُمْ" طَرَحْنَاهُمْ "فِي الْيَمّ" الْبَحْر الْمَالِح فَغَرِقُوا "فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الظَّالِمِينَ" حِين صَارُوا إلَى الْهَلَاك

پس ہم نے اس کو اور اس کی فوجوں کو عذاب میں پکڑ لیا اور ان کو دریائے شور میں پھینک دیا، تو وہ ڈوب گئے تو آپ دیکھئے کہ ظالموں کا انجام کیسا عبرت ناک ہوا۔ یعنی جس وقت وہ ہلاکت کی جانب گئے۔

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا کہ یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ٥
اور ہم نے انھیں پیشوا بنا دیا کہ وہ دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

دوزخ کی جانب بلانے والے گمراہ رہنماؤں کا بیان

"وَجَعَلْنَاهُمْ" فِي الدُّنْيَا "أَئِمَّة" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة يَاء رُؤَسَاء فِي الشِّرْك "يَدْعُونَ إلَى النَّار" بِدُعَائِهِمْ إلَى الشِّرْك "وَيَوْم الْقِيَامَة لَا يُنْصَرُونَ" بِدَفْعِ الْعَذَاب عَنْهُمْ

اور ہم نے انھیں دنیا میں دوزخیوں کا پیشوا بنا دیا یہاں پر لفظ ائمہ یہ دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ابدال ثانی کیلئے آیا ہے یعنی جو شرک میں ان کے پیشوا تھے۔ کہ وہ لوگوں کو دوزخ یعنی شرک کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کہ ان سے عذاب دور ہو سکے۔

گمراہ کرنے والے سکالروں سے بچنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے اخیر زمانے میں ایسے

لوگ ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کیا کریں گے جن کو نہ تم اور نہ ہی تمہارے آباؤ اجداد نے اس سے پہلے سنا ہوگا لہٰذا ان لوگوں سے جس قدر ہو سکے دور رہنا۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 17)

وَاَتْبَعْنٰـهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰـمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝
اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن وہ دور دفع کیے گئے لوگوں سے ہوں گے۔

گمراہ لوگوں کیلئے دنیا و آخرت میں رسوائی کا بیان

"وَاَتْبَعْنَاهُمْ فِی هَذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَة" خِزْیًا "وَیَوْم الْقِیَامَة هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِینَ" الْمُبْعَدِینَ

اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت یعنی رسوائی لگا دی ہے اور قیامت کے دن وہ دور دفع کیے گئے لوگوں سے ہوں گے۔ یعنی بارگاہ سے نکالے ہوئے لوگوں سے ہوں گے۔

یعنی فرعون اور آل فرعون پر بعد میں آنے والی دنیا لعنت ہی بھیجتی رہے گی اور انھیں برے لفظوں میں یاد کیا جاتا رہا گا۔ اور قیامت کے دن تو ان کی بڑی درگت بنائی جائے گی اور ان کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ
وَهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝
اور بیشک ہم نے اس کے بعد کہ ہم پہلی قوموں کو ہلاک کر چکے تھے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی جو
لوگوں کے لئے بصیرت اور ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوسَی الْكِتَاب" التَّوْرَاة "مِنْ بَعْد مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُون الْأُولَی" قَوْم نُوح وَعَادٍ وَثَمُود وَغَیْرهمْ "بَصَائِر لِلنَّاسِ" حَال مِنْ الْكِتَاب جَمْع بَصِیرَة وَهِیَ نُور الْقَلْب أَیْ أَنْوَارًا لِلْقُلُوبِ "وَهُدًی" مِنْ الضَّلَالَة لِمَنْ عَمِلَ بِهِ "وَرَحْمَة" لِمَنْ آمَنَ بِهِ "لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُونَ" یَتَّعِظُونَ بِمَا فِیهِ مِنْ الْمَوَاعِظ

اور بیشک ہم نے اس کے بعد کہ ہم پہلی نافرمان قوموں یعنی قوم نوح، عاد اور ثمود وغیرہ کو ہلاک کر چکے تھے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی توارت عطا کی جو لوگوں کے لئے خزانہ بصیرت اور ہدایت و رحمت تھی، یہاں پر لفظ بصائر للناس یہ الکتاب سے حال ہے جو بصیرت کی جمع ہے۔ اور دلوں کے نور میں سے ایک نور ہے۔ اور گمراہی سے ہدایت ہے جس نے اس کتاب پر عمل کیا اور جو ایمان لایا اس کیلئے رحمت ہے۔ تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ یعنی اس میں وعظ حاصل کرنے والوں کیلئے وعظ ہے۔

پہلی اقوام کی ہلاکتوں کا بیان

پہلی نسلوں سے مراد اقوام سابقہ ہیں۔ مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب اور قوم فرعون وغیرہ۔ یہ سب لوگ اللہ کے نافرمان اور سرکش لوگ تھے ان سب اقوام نے دنیا کی تکذیب کا نتیجہ بھگت لیا اور فرعون اور ان کے ساتھیوں کا جو انجام ہوا وہ بھی سب کے سامنے ہے۔ اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو تورات عطا کی جس میں انہی تباہ شدہ اقوام سے متعلق بصیرت افروز دلائل بھی تھے اور آئندہ کے لئے بھی انسانیت کی ہدایت کے واضح ہدایات دی گئیں۔ اور یہ لوگوں پر اللہ کی خاص مہربانی تھی اور ان سب باتوں کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت آئندہ صحیح راہ پر گامزن ہو جائے اور اس کا نیا دور شروع ہو۔ اس صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے تورات نازل کر[illegible] بعد پھر کسی قوم کو آسمان کے عذاب سے تباہ نہیں کیا البتہ ایک بستی کے لوگ (اصحاب السبت) بندر بنائے گئے تھے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
اور آپ مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف حکم بھیجا تھا، اور نہ آپ گواہی دینے والوں میں سے تھے۔

نبی کریم ﷺ کو واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطلاع دینے کا بیان

"وَمَا كُنْتَ" يَا مُحَمَّد "بِجَانِبِ" الْجَبَل أَوْ الْوَادِي أَوْ الْمَكَان "الْغَرْبِيّ" مِنْ مُوسَى حِين الْمُنَاجَاة "إِذْ قَضَيْنَا" أَوْحَيْنَا "إِلَى مُوسَى الْأَمْر" بِالرِّسَالَةِ إِلَى فِرْعَوْن وَقَوْمه "وَمَا كُنْتَ مِنْ الشَّاهِدِينَ" لِذَلِكَ فَتَعْلَمهُ فَتُخْبِر بِهِ

اور یا محمد ﷺ آپ اس وقت طور پہاڑ یا وادی یا اس جگہ کے مغربی جانب تو موجود نہیں تھے جس وقت موسیٰ علیہ السلام مناجات کرتے۔ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم رسالت بھیجا تھا، کہ وہ فرعون کو اور اس کی قوم کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ اور نہ ہی آپ گواہی دینے والوں میں سے تھے۔ اسی لیے ہم نے یہ سب کچھ غائب کا علم آپ کو دیا ہے تا کہ آپ اس کو بیان کر دیں۔

سابقہ اقوام کے واقعات اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صداقت کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل دیتا ہے کہ ایک وہ شخص جو امی ہو جس نے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو جو اگلی کتابوں سے محض نا آشنا ہو جس کی قوم علمی مشاغل سے اور گذشتہ تاریخ سے بالکل بے خبر ہو وہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ کام فصاحت وبلاغت کے ساتھ بالکل سچے ٹھیک اور صحیح گذشتہ واقعات کو اس طرح بیان کرے جیسے کہ اس کے اپنے چشم دید ہوا اور جیسے کہ وہ ان کے ہونے کے وقت وہیں موجود ہو کیا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے تلقین کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود اپنی وحی کے ذریعہ سے انہیں وہ تمام باتیں بتاتا ہے۔ حضرت مریم صدیقہ کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے بھی قرآن نے اس چیز کو پیش کیا ہے اور فرمایا ہے آیت (ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ 44۔ 3-آل عمران: 44) جب کہ وہ حضرت مریم کے پالنے کے

لیے قلمیں ڈال کر فیصلے کر رہے تھے اس وقت تو ان کے پاس موجود نہ تھا اور نہ تو اس وقت تھا جب کہ وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے پس باوجود عدم موجودگی اور بےخبری کے آپ کی نبوت کی کھری دلیل ہے اور صاف نشانی ہے اس امر پر کہ وحی الٰہی سے یہ کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح نوح نبی کا واقعہ بیان فرما کر فرمایا ہے آیت (تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ 49)-11 ھود:49) یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تم تک پہنچا رہے ہیں تو اور تیری ساری قوم اس وحی سے پہلے ان واقعات سے محض بےخبر تھی۔ اب صبر کے ساتھ دیکھتا رہ اور یقین مان کہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہی نیک انجام ہوتے ہیں۔

سورۃ یوسف کے آخر میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی کے تیرے پاس بھیج رہے ہیں تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب کہ برادران یوسف نے اپنا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اپنی تدبیروں میں لگ گئے تھے۔ سورۃ طٰہٰ میں عام طور پر فرمایا آیت (كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا 99) -20طه:99) اسی طرح ہم تیرے سامنے پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں۔

پس یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ان کی نبوت کی ابتداء وغیرہ اول سے آخر تک بیان فرما کر فرمایا کہ تم اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مغربی پہاڑ کی جانب جہاں کے مشرقی درخت میں سے جو وادی کے کنارے تھے اللہ نے اپنے کلیم سے باتیں کیں موجود نہ تھے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے آپ کو یہ سب معلومات کرائیں۔ تاکہ یہ آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہو جائے ان زمانوں پر جو مدتوں سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ کی باتوں کو وہ بھول بھال چکے ہیں۔ اگلے نبیوں کی وحی ان کے ہاتھوں سے گم ہو چکی ہے اور نہ تو مدین میں رہتا تھا کہ وہاں کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی حالت بیان کرتا جو ان میں اور ان کے قوم میں واقع ہوئے تھے۔ بلکہ ہم نے بذریعہ وحی یہ خبریں تمہیں پہنچائیں اور تمام جہان کی طرف تجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ اور نہ تو طور کے پاس تھا جب کہ ہم نے آواز دی۔ نسائی شریف میں حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اس سے پہلے مجھ سے مانگو میں نے تمہیں دے دیا اور اس سے پہلے تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کر چکا۔

مقاتل کہتے ہیں کہ ہم نے تیری امت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ قتادہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی یہی زیادہ مشابہ اور مطابق ہے کیونکہ اوپر بھی یہی ذکر ہے۔ اوپر عام طور بیان تھا یہاں خاص طور سے ذکر کیا جیسے اور آیت میں ہے (وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ، الشعراء:10) کو آواز دی اور آیت میں ہے کہ وادی مقدس میں اللہ نے اپنے کلیم کو پکارا۔ اور آیت میں ہے کہ طور ایمن کی طرف سے ہم نے اسے پکارا اور سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے اپنا قرب عطا فرمایا۔

پھر فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک واقعہ بھی نہ تیری حاضری کا ہے نہ تیرا چشم دید ہے بلکہ یہ اللہ کی وحی ہے جو وہ اپنی رحمت سے تجھ پر فرما رہے ہیں اور یہ بھی اس کی رحمت ہے کہ اس نے تجھے اپنے بندوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ کہ تو ان لوگوں کو آگاہ اور ہوشیار

کردے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تا کہ نصیحت حاصل کریں اور ہدایت پائیں۔اوراس لیے بھی کہ ان کی دلیل باقی نہ رہ جائے اور کوئی عذر ان کے ہاتھ میں نہ رہے اور یہ اپنے کفر کی وجہ سے عذابوں کو آتا دیکھ کر یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کوئی رسول آیا ہی نہ تھا جو انہیں راہ راست کی تعلیم دیتا اور جیسے کہ اپنی مبارک کتاب قرآن کریم کے نزول کو بیان فرما کر فرمایا کہ یہ اس لئے ہے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کی دونوں جماعت پر اتری تھی لیکن ہم تو اس کی درس وتدریس سے بالکل غافل تھے اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو یقیناً ہم ان سے زیادہ راہ راست پر آ جاتے۔اب بتاؤ کہ خود تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی دلیل اور ہدایت ورحمت آ چکی۔اور آیت میں ہے رسول ہیں خوشخبریاں دینے والے ڈرانے والے تا کہ ان رسولوں کے بعد کسی کی کوئی حجت اللہ پر باقی نہ رہ جائے۔اور آیت میں فرمایا(يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰي فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ 19)-5 المآئدہ:19)اے اہل کتاب اس زمانہ میں جو رسولوں کی عدم موجودگی کا چلا آ رہا تھا ہمارا رسول تمہارے پاس آ چکا اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر نہیں پہنچا لو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آ پہنچا۔اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت ہیں غرض رسول آ چکے اور تمہارا یہ عذر کٹ گیا کہ اگر رسول آتے تو ہم اس کی مانتے اور مومن ہو جاتے۔

(تفسیر ابن کثیر،سورہ قصص،بیروت)

وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ
تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ○
لیکن ہم نے کئی قومیں پیدا فرمائیں پھران پر طویل مدت گزر گئی،اور نہ آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ
آپ ان پر ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں لیکن ہم ہی مبعوث فرمانے والے ہیں۔

سابقہ امتوں کے واقعات کی وحی آنے کا بیان

"وَلٰكِنَّا اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا" اُمَمًا مِنْ بَعْد مُوسَى "فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُر" طَالَتْ أَعْمَارهمْ فَنَسُوا الْعُهُود. وَانْدَرَسَتْ الْعُلُوم وَانْقَطَعَ الْوَحْي فَجِئْنَا بِك رَسُولًا وَأَوْحَيْنَا إلَيْك خَبَر مُوسَى وَغَيْره "وَمَا كُنْت ثَاوِيًا" مُقِيمًا "فِي أَهْل مَدْيَن تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتنَا" خَبَر ثَانٍ فَتَعْرِف قِصَّتهمْ فَتُخْبِر بِهَا "وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسَلِينَ" لَك وَإِلَيْك بِأَخْبَارِ الْمُتَقَدِّمِينَ

لیکن ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد یکے بعد دیگرے کئی قومیں پیدا فرمائیں پھران پر طویل مدت گزر گئی،اور وہ کیے عہدوں کو بھی بھول گئے۔اور علم ختم ہو گئے اور وحی منقطع ہو چکی۔پس ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے آپ کی طرف موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی وحی کی ہے۔اور نہ ہی آپ اہل مدین میں مقیم تھے کہ آپ ان پر ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں یہاں پر تتلو علیھم یہ ماکنت کی خبر ثانی ہے۔تا کہ آپ ان کے واقعہ کو جانیں اور اس کو بیان کریں۔لیکن ہم ہی (آپ کو اخبار غیب سے سرفراز

فرما کر) مبعوث فرمانے والے ہیں۔ یعنی پہلے لوگوں کی خبروں کو آپ کی جانب بھیجنے والے ہیں۔

تو وہ اللہ کا عہد بھول گئے اور انہوں نے اس کی فرمانبرداری ترک کی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے سید عالم حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اور آپ پر ایمان لانے کے متعلق عہد لئے تھے جب دراز زمانہ گزرا اور اُمتوں کے بعد اُمتیں گزرتی چلی گئیں تو وہ لوگ ان عہدوں کو بھول گئے اور اس کی وفا ترک کر دی۔ تو ہم نے آپ کو علم دیا اور پہلوں کے حالات پر مطلع کیا۔ (تفسیر خازن، سورہ قصص، بیروت)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ
قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○
اور نہ تو پہاڑ کے کنارے پر تھا جب ہم نے آواز دی اور لیکن تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے، تا کہ تو ان لوگوں کو
ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اہل مکہ کیلئے نصیحت کرنے کا بیان

"وَمَا كُنْت بِجَانِبِ الطُّور" الْجَبَل "إِذْ" حِين "نَادَيْنَا" مُوسَى أَنْ خُذْ الْكِتَاب بِقُوَّةٍ "وَلَكِنْ" أَرْسَلْنَاك "رَحْمَة مِنْ رَبّك لِتُنْذِر قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِير مِنْ قَبْلك" وَهُمْ أَهْل مَكَّة "لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ

اور نہ تو آپ طور پہاڑ کے کنارے پر تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں اور لیکن تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے، تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا، اور وہ اہل مکہ ہیں۔ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

گویا ان تین واقعات کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے آپ کی نبوت کی صداقت کے طور پر پیش فرمایا۔ ایک وہ وقت جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو معجزات عطا کر کے انھیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا اور امر رسالت تفویض کیا تھا۔ دوسرے مدین کے حالات کے تفصیل اور تیسرے وہ وقت جب موسیٰ رستہ بھول کر آگ لینے کی غرض سے آئے تھے۔ تو ہم نے خود انھیں پکار کر رسالت بھی عطا کی تھی اور ہم کلامی کا شرف بھی بخشا تھا۔ اور یہ واقعات آپ کی نبوت پر دلیل اس طرح ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ کہ آپ نے کسی کتاب سے پڑھ کر یہ حالات معلوم کر لئے ہوں اور لوگوں کو سنا دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ آپ کا کوئی استاد ہی نہ تھا جس کے آگے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو اور اس نے آپ کو ان واقعات سے مطلع کر دیا ہو۔ اب تیسری صورت یہی باقی رہ جاتی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہوں اور اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو ان حالات سے مطلع کر دیا ہو۔ پھر ان سابقہ کتب میں یا موجودہ میں انہی واقعات سے متعلق بے شمار جزوی اختلاف موجود تھے۔ اللہ نے جو حالات آپ کو وحی کے ذریعہ

بتلائے یہ حالات اصل حقائق کے ٹھیک مطابق ہیں۔

یعنی اہل حجاز کے لئے اس دو ہزار سال میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا ان لوگوں کا ان واقعات سے متعلق ذریعہ معلومات بس وہی خبریں تھیں جو ادھر ادھر سے وہ سن لیتے تھے اور ان خبروں میں بھی کافی اختلافات تھے۔ اب ہم نے ان لوگوں میں آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تاکہ انھیں صحیح حالات کا علم ہو جائے۔ اور وہ امم سابقہ کے انجام سے متنبہ ہو کر سبق حاصل کریں۔ اور اللہ سے شرک اور سرکشی کی راہ چھوڑ کر راہ راست پر آ جائیں تاکہ ان کا انجام بھی ویسا ہی نہ ہو جیسا کہ مذکور امتوں کا ہوا تھا۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ
اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچے ان کے اعمال بد کے باعث جو انہوں نے خود انجام دیئے
تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی
کرتے اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔

عذاب میں جلدی و تاخیر کی حکمت کا بیان

"وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ" عُقُوبَةٌ "بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ" مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهِ "فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا" هَلَّا "أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ" الْمُرْسَلَ بِهَا "وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" وَجَوَابُ لَوْلَا مَحْذُوفٌ وَمَا بَعْدَهُ مُبْتَدَأٌ وَالْمَعْنَى لَوْلَا الْإِصَابَةُ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا قَوْلُهُمْ أَوْ لَوْلَا قَوْلُهُمْ الْمُسَبَّبُ عَنْهَا لَعَاجَلْنَاهُمْ بِالْعُقُوبَةِ وَلَمَّا أَرْسَلْنَاكَ إِلَيْهِمْ رَسُولًا

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب انھیں کوئی مصیبت یعنی سزا پہنچے ان کے اعمال بد یعنی کفر وغیرہ کے باعث جو انہوں نے خود انجام دیئے تو وہ یہ نہ کہنے لگیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے جو ہماری طرف بھیجی جاتیں۔ اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔ یہ جملہ لولا محذوف کا جواب ہے اور اس کا مابعد مبتداء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مصیبت کا پہنچنا جو کہ کفار کے قول "لولا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا" سبب ہے یہ نہ ہوتا تو ہم ان کو عذاب دینے میں جلدی کرتے یا پھر ان کو قول "لولا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا، الخ" جو مسبب ہے یہ نہ ہوتا تو ہم آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر مبعوث نہ کرتے۔

معنیٰ آیت کے یہ ہیں کہ رسولوں کا بھیجنا ہی الزام حجت کے لئے ہے کہ انھیں یہ عذر کرنے کی گنجائش نہ ملے کہ ہمارے پاس رسول نہیں بھیجے گئے اس لئے گمراہ ہو گئے اگر رسول آتے تو ہم ضرور مطیع ہوتے اور ایمان لاتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝

پھر جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو انھوں نے کہا اسے اس جیسی چیزیں کیوں نہ دی گئیں جو موسیٰ کو دی گئیں؟ تو کیا انھوں نے اس سے پہلے ان چیزوں کا انکار نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی تھیں۔ انھوں نے کہا یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں اور کہنے لگے ہم تو ان سب سے منکر ہیں۔

کفار کا انبیائے کرام کی ہدایت کو جادو قرار دینے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ" مُحَمَّد "مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا" هَلَّا "أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَى" مِنْ الْآيَات كَالْيَدِ الْبَيْضَاء وَالْعَصَا وَغَيْرهمَا أَوْ الْكِتَاب جُمْلَة وَاحِدَة "أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَى مِنْ قَبْل" حَيْثُ "قَالُوا" فِيهِ وَفِي مُحَمَّد "سَاحِرَانِ" وَفِي قِرَاءَة سِحْرَانِ أَيْ الْقُرْآن وَالتَّوْرَاة "تَظَاهَرَا" تَعَاوَنَا "وَقَالُوا إنَّا بِكُلٍّ" مِنْ النَّبِيَّيْنِ وَالْكِتَابَيْنِ

پھر جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق یعنی حضرت محمد ﷺ آ گئے تو انھوں نے کہا اسے اس جیسی چیزیں کیوں نہ دی گئیں جو موسیٰ کو دی گئیں؟ جس طرح ید بیضاء اور عصا وغیرہ اور ایک بار کتاب دینا ہے۔ تو کیا انھوں نے اس سے پہلے ان چیزوں کا انکار نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی تھیں۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کہا یہ دونوں مجسم جادو ہیں، یہاں ایک قرأت کے مطابق یہ لفظ سحران آیا ہے یعنی قرآن اور تورات، جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں اور کہنے لگے ہم تو ان سب یعنی انبیائے کرام اور کتابوں سے منکر ہیں۔

یعنی انھیں قرآن کریم یکبارگی کیوں نہیں دیا گیا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری توریت ایک ہی بار میں عطا کی گئی تھی یا یہ معنی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عصا اور ید بیضا جیسے معجزات کیوں نہ دیئے گئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

یہود نے قریش کو پیغام بھیجا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سے معجزات طلب کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ جن یہود نے یہ سوال کیا ہے کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور جو انھیں اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے اس کے منکر نہ ہوئے۔

یعنی توریت کے بھی اور قرآن کے بھی ان دونوں کو انہوں نے جادو کہا اور ایک قراءت میں ساحران ہے اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ دونوں جادوگر ہیں یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ہ (تفسیر خزائن العرفان، قصص)

سورہ قصص آیت ۴۸ کے شان نزول کا بیان

مشرکینِ مکہ نے یہود مدینہ کے سرداروں کے پاس قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کتب

سابقہ میں کوئی خبر ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں حضور ﷺ کی نعت وصفت ان کی کتاب توریت میں موجود ہے جب یہ خبر قریش کو پہنچی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام وسید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کہنے لگے کہ وہ دونوں جادوگر ہیں ان میں ایک دوسرے کا معین ومددگار ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (تفسیر مدارک، سورہ قصص، بیروت)

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
آپ فرمادیں کہ تم اللہ کے حضور سے کوئی کتاب لے آؤ جوان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو۔

کفار کو کتاب ہدایت لانے میں چیلنج کرنے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰه هُوَ أَهْدَى مِنْهُمَا" مِنَ الْكِتَابَيْنِ "أَتَّبِعهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِي قَوْلكُمْ،

آپ ان سے فرمادیں کہ تم اللہ کے حضور سے کوئی اور کتاب لے آؤ جوان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم اپنے قول میں سچے ہو۔

آپ ان کفار مکہ کو یہ جواب دیجئے کہ میں تو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کی کتاب کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تمہارے پاس تورات اور قرآن سے بہتر کوئی ہدایت کی کتاب موجود ہے تو اسے چھپا کیوں رکھا ہے؟ وہ لاؤ سب سے پہلے میں اس کی پیروی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب اس لئے بتلایا کہ وہ تورات اور قرآن دونوں کو جادو کہتے ہیں اور جادو ایسی چیز ہے جس کا مقابلہ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس سے بہتر قسم کا جادو لایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ کتابیں جادو ہیں تو تم اس سے بہتر چیز کیوں پیش نہیں کرتے۔

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ
بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
پھر اگر وہ آپ کا ارشاد قبول نہ کریں تو آپ جان لیں وہ محض اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون
ہوسکتا ہے جو اللہ کی جانب سے ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

کفار کا اپنے کفر کی پیروی کرنے کا بیان

"فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَك" دُعَاءَك بِالْإِتْيَانِ بِكِتَابٍ "فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ" فِي كُفْرهمْ "وَمَنْ أَضَلّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰه" أَيْ لَا أَضَلّ مِنْهُ "إِنَّ اللّٰه لَا يَهْدِي الْقَوْم الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ

پھر اگر وہ آپ کا ارشاد یعنی کتاب لانے کے دعویٰ میں قبول نہ کریں تو آپ جان لیں وہ محض اپنی خواہشات یعنی اپنے کفر کی پیروی کرتے ہیں، اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی جانب سے ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ یعنی اس جیسا تو گمراہ ہی کوئی نہیں ہے۔ بیشک اللہ ظالم قوم یعنی کفار کو ہدایت نہیں فرماتا۔

یعنی ان کی باتوں اور ان کے اعتراضات سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ یہ لوگ قطعاً ہدایت کے طالب نہیں ہیں بلکہ یہ صرف ایسی کتاب کی پیروی کرسکتے ہیں جو ان کے مشرکانہ مذہب اور ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ گویا یہ لوگ اپنی ہی خواہشات کے پیرو اور پرستار ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو ہدایت کیسے نصیب ہوسکتی ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝
اور در حقیقت ہم ان کے لئے پے در پے فرمان بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔

قرآن مجید کے فرامین کا بہ طور نصیحت ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ وَصَّلْنَا" بَيَّنَّا "لَهُمُ الْقَوْل" الْقُرْآن "لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ فَيُؤْمِنُونَ

اور در حقیقت ہم ان کے لئے پے در پے قرآن کے فرمان بھیجتے رہے تا کہ وہ نصیحت قبول کریں۔ یعنی نصیحت حاصل کرکے ایمان لے آئیں۔

تبلیغ ودعوت کے بعض آداب کا بیان

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار وتکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق کو اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، پھر بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے کسی کے دل میں ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ ودعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝
وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔

انصاف پسند علمائے یہود ونصاریٰ کے اسلام قبول کرنے کا بیان

"اَلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَاب مِنْ قَبْله " أَيْ الْقُرْآن "هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ " أَيْضًا نَزَلَتْ فِي جَمَاعَة أَسْلَمُوا مِنَ الْيَهُود كَعَبْدِ اللَّه بْن سَلَّام وَغَيْره وَمِنْ النَّصَارَى قَدِمُوا مِنَ الْحَبَشَة وَمِنَ الشَّام

وہ لوگ جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب یعنی قرآن دیا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ آیت یہود کے ان علماء کے بارے میں

نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔اوران نصاریٰ کے بارے میں جو حبشہ اور شام سے آئے تھے۔

سورہ قصص آیت ۵۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مؤمنینِ اہل کتاب حضرت عبداللہ بن سلام اوران کے اصحاب کے حق میں نازل ہوئی اورایک قول یہ ہے کہ یہ ان اہل انجیل کے حق میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آ کر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے یہ چالیس حضرات تھے جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ آئے جب انہوں نے مسلمانوں کی حاجت اور تنگی معاش دیکھی تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ ہمارے پاس مال ہیں حضور اجازت دیں تو ہم واپس جا کر اپنے مال لے آئیں اوران سے مسلمانوں کی خدمت کریں حضور نے اجازت دی اوروہ جا کر اپنے مال لے آئے اوران سے مسلمانوں کی خدمت کی۔ان کے حق میں یہ آیات (وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، البقرة:3) تک نازل ہوئیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیتیں اسی ۸۰ اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئیں جن میں چالیس نجران کے اور بتیس حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ قصص،لاہور)

یہود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا بیان

حضرت صفوان بن عسال (صفوان بن عسال مرادی کی نسبت سے مشہور ہیں حضرت علی المرتضیٰ کے دور خلافت میں آپ کا انتقال ہوا)۔فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ایک (یہودی) ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا! انہیں نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن یا (کہ یہودی بھی مجھے نبی فرماتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے) بہر حال وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نو واضح احکام کے بارہ میں سوال کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کا ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے (اس پر غلط الزام عائد کر کے) حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ پاک دامن عورت کو (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے۔کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں (حکم الٰہی سے) تجاوز نہ کرو، راوی فرماتے ہیں کہ (یہ سن کر) دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر چوم لئے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی نبی ہیں۔سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو) میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے لہٰذا ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 53)

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝
اور جب ان پر پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ ہمارے رب کی جانب سے حق ہے،
حقیقت میں تو ہم اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔

نزول قرآن سے قبل لوگوں کا اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا بیان

"وَإِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ" الْقُرْآن "قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقّ مِنْ رَبّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْله مُسْلِمِينَ" مُوَحِّدِينَ

اور جب ان پر قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بیشک یہ ہمارے رب کی جانب سے حق ہے، حقیقت میں تو ہم اس سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ یعنی اہل توحید ہیں۔

یعنی نزول قرآن سے قبل ہی ہم حبیب خدا محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے کہ وہ نبی برحق ہیں کیونکہ توریت وانجیل میں ان کا ذکر ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝
یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے
دفع کرتے ہیں اور اس عطا میں سے جو ہم نے انھیں بخشی خرچ کرتے ہیں۔

اہل کتاب کا اسلام قبول کرنے کی صورت میں دوگنا ثواب ہونے کا بیان

"أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرهمْ مَرَّتَيْنِ" بِإِيمَانِهِمْ بِالْكِتَابَيْنِ "بِمَا صَبَرُوا" بِصَبْرِهِمْ عَلَى الْعَمَل بِهِمَا. "وَيَدْرَءُونَ" يَدْفَعُونَ "بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَة" أَيْ يَدْفَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَة مِنْهُمْ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" يَتَصَدَّقُونَ

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا کیونکہ وہ دو کتابوں پر ایمان لائے ہیں۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان دونوں پر عمل کرنے پر صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں یعنی نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں۔ اور اس عطا میں سے جو ہم نے انھیں بخشی خرچ کرتے ہیں۔ یعنی وہ صدقہ کرتے ہیں۔

تین قسم کے اہل ایمان کیلئے دوہرا ثواب ہونے کا بیان

شعبی ابو بردہ سے روایت کرتے ہیں ابو بردہ نے اپنے والد سے سنا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دوگنا ثواب ملے گا ایک وہ جو اپنی لونڈی کو اچھی طرح تعلیم دے اور اس کو ادب سکھائے اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے خود نکاح کر لے اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور ایک وہ مومن اہل کتاب جو پہلے سے مومن تو تھا لیکن پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا اس کو بھی دوہرا ثواب ملے گا اور ایک وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کی بھی خیر خواہی کرتا ہے پھر

شعبی نے کہا یہ حدیث میں نے تم کو تم سے کچھ لئے بغیر سنائی ہے۔ حالانکہ اس سے کم مضمون کی حدیث سننے کے لئے آدمی مدینہ منورہ جاتا تھا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 279)

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○
اور جب وہ لغوبات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور
تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔

سلام متارکت کا بیان

"وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْو " الشَّتْم وَالْأَذَى مِنْ الْكُفَّار "أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالنَا وَلَكُمْ أَعْمَالكُمْ سَلَام عَلَيْكُمْ" سَلَام مُتَارَكَة : أَيْ سَلِمْتُمْ مِنَّا مِنْ الشَّتْم وَغَيْره "لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ" لَا نَصْحَبهُمْ

اور جب وہ لغوبات یعنی کفار کی طرف سے تکلیف دہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ سلام ہے تم پر، یہ سلام متارکہ ہے یعنی ہماری طرف سے گالی سے سلامتی میں رہو۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔ یعنی ہم ناسمجھ لوگوں کی مصاحبت سے بچنا چاہتے ہیں۔

یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ خصلت یہ ہے کہ جب یہ کسی جاہل دشمن سے لغویات سنتے ہیں تو اس کا جواب دینے کے بجائے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام لو ہم جاہل لوگوں سے الجھنا پسند نہیں کرتے۔ امام جصاص نے فرمایا کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک سلام تحیہ جو مسلمان باہم ایک دوسرے کو کرتے ہیں، دوسرا سلام مسالمت و متارکت یعنی اپنے حریف کو یہ کہہ دینا کہ ہم تمہاری لغوبات کا کوئی انتقام تم سے نہیں لیتے، یہاں سلام سے یہی دوسرے معنے مراد ہیں۔ (احکام القرآن، سورہ قصص، بیروت)

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○
حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ چاہتے ہیں اسے راہ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے راہ ہدایت پر چلا دیتا ہے،
اور وہ راہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔

ہدایت کی حقیقی نسبت کا بیان

"إِنَّك لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْت" هِدَايَته وَنَزَلَ فِي حِرْصه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِيمَان عَمّه أَبِي طَالِب "وَلَكِنَّ اللَّه يَهْدِي مَنْ يَشَاء وَهُوَ أَعْلَم" عَالِم،

حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ چاہتے ہیں اسے راہ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے، یہ آیت اس وقت نازل ہوا جب نبی کریم ﷺ ابوطالب کے ایمان لانے پر حریص تھے۔ بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہ ہدایت پر چلا دیتا ہے، اور وہ راہ ہدایت

پانے والوں سے خوب واقف ہے۔یعنی وہ زیادہ جاننے والا ہے۔

سورہ قصص آیت ۵۶ کے سبب نزول کا بیان

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کو ان کے پاس موجود پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے چچا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه کا کلمہ کہہ دو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی گواہی دوں گا ابوجہل اور ابن امیہ کہنے لگے کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر رہے ہو؟ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار کلمہ توحید اپنے چچا ابو طالب کے سامنے پیش کرتے رہے اور یہی بات دھراتے رہے بالآخر ابو طالب نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے انکار کر دیا اور آخری الفاظ یہ کہے کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے روکا نہیں جائے گا میں تو برابر دعائے مغفرت کرتا رہوں گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ، التوبہ:113) نازل فرمائی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنوں کے لئے یہ بات مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو گیا ہو کہ وہ دوزخی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی (اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ، القصص:56) یعنی بے شک تو ہدایت نہیں کر سکتا جسے تو چاہے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے۔(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 135)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کے بیان میں

ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو بھی کچھ فائدہ پہنچایا کیونکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لوگوں پر غضبناک ہو جاتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ دوزخ کے اوپر کے حصہ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا یعنی ان کے لئے دعا نہ کرتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہوتے۔(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 510)

ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لوگوں پر غصے ہوتے تھے تو کیا ان باتوں کی وجہ سے ان کو کوئی فائدہ ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں میں نے انہیں آگ کی شدت میں پایا تو میں انہیں ہلکی آگ میں نکال کر لے آیا۔(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 511)

نبی کریم ﷺ ہدایت عطاء کا بیان

بعض خارجی عناصر نبی کریم ﷺ کی ہدایت کا ہی انکار کر بیٹھتے ہیں اور مذکورہ آیت سے استدلال کرنے کی بیکار کوشش کرتے

ہیں۔ جبکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ بعض سارے اختیار کی حقیقی ومجازی نسبت کا خیال رکھنا لازم ہے۔ کہیں یہ اختیارات بہ طور حقیقت استعمال ہوتے ہیں اور کہیں بہ طور مجاز یعنی عطاء کے استعمال ہوتے ہیں۔ تمام اختیار کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے کیونکہ اس کی جانب عطاء کی نسبت کرنا ہی باطل ہے ورنہ الوہیت کا مفہوم باطل ہو جائے گا۔ جبکہ مخلوق کے اختیارات سب عطائی ہوتے ہیں۔ یہاں نبی کریم ﷺ سے نفی ہدایت حقیقی پر محمول ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کو سراپا ہدایت بنا کر اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں تصریح موجود ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس چیز کی مثال جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند سے جو زمین پر ہوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اس سے بہت زیادہ خشک وہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہٰذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 147)

اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کیے گئے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے، اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔ ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں، پہلا وہ آدمی جو عالم بھی ہو اور عابد وفقیہ اور معلم بھی۔ اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔ اسی طرح اس آدمی نے علم دین سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔ دوسرا وہ آدمی ہے جو عالم ومعلم ہو مگر عابد وفقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں تفقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین کے اس حصہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یا پھر زمین کا وہ حصہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی متمتع ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔ اور زمین کے اس حصہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا آدمی وہ ہے جس نے ازراہ غرور وتکبر اللہ کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ والتفات کی اور نہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ علم کی روشنی دوسروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہو اور یا کافر

ہو، اس کی مثال زمین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھ اگایا۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى
اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
اور انھوں نے کہا اگر ہم تیرے ہمراہ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔
اور کیا ہم نے انھیں ایک باامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں،
ہماری طرف سے روزی کے لیے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔

حرم شریف کے باعث امن ہونے کا بیان

"وَقَالُوا" قَوْمه "إِنْ نَتَّبِع الْهُدَى مَعَك نُتَخَطَّف مِنْ أَرْضنَا " نُنْتَزَع مِنْهَا بِسُرْعَةٍ "أَوَلَمْ نُمَكِّن لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا" يَأْمَنُونَ فِيهِ مِنْ الْإِغَارَة وَالْقَتْل الْوَاقِعِينَ مِنْ بَعْض الْعَرَب عَلَى بَعْض "تُجْبَى" بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَالتَّحْتَانِيَّة "إِلَيْهِ ثَمَرَات كُلّ شَيْء " أَيْ مِنْ كُلّ أَوْب "رِزْقًا" لَهُمْ "مِنْ لَدُنَّا" عِنْدنَا "وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" أَنَّ مَا نَقُولهُ حَقّ

اور انھوں نے یعنی آپ کی قوم نے کہا اگر ہم تیرے ہمراہ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔ یعنی جلدی سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کیا جائے گا۔ اور کیا ہم نے انھیں ایک بہ امن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس میں وہ قتل و غارت سے امن میں ہیں جو قتل و غارت اہل عرب کی ایک دوسرے کے بارے میں تھی۔ جس کی طرف ہر چیز کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں، یہاں پر لفظ تجبیٰ تاء اور یا دونوں طرح آیا ہے۔ ہماری طرف سے روزی ان کے لیے ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔ کہ جو ہم کہتے ہیں وہی حق ہے۔

سورہ قصص آیت ۵۷ کے شان نزول کا بیان

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ آیت حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف کے حق میں نازل ہوئی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ یہ تو ہم یقین سے جانتے ہیں کہ جو آپ فرماتے ہیں وہ حق ہے لیکن اگر ہم آپ کے دین کا اتباع کریں تو ہمیں ڈر ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں شہر بدر کر دیں گے اور ہمارے وطن میں نہ رہنے دیں گے۔ اس آیت میں ان کے اس وہم کا جواب دیا گیا ہے۔ (زاد المیسر، سورہ قصص، بیروت)

قیصر کا قاصد جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قیصر کا خط خدمت نبوی میں پیش کیا تو آپ نے اسے اپنی گود میں رکھ کر فرمایا تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے کہا تیرج قبیلے کا آدمی ہوں آپ نے فرمایا کہ تیرا قصد ہے کہ تو اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آ جائے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جس قوم کا قاصد ہوں جب تک ان کے پیغام کا جواب انہیں نہ پہنچا

دوں ان کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تو آپ نے مسکرا کر اپنے صحابہ کی طرف دیکھ کر یہی آیت پڑھی۔ مشرکین اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ہم آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو مان لیں تو ہمیں ڈر لگتا ہے کہ اس دین کے مخالف جو ہمارے چاروں طرف ہیں اور تعداد میں مال میں ہم سے زیادہ ہیں۔ وہ ہمارے دشمن بن جائیں گے اور ہمیں تکلیفیں پہنچائیں گی اور ہمیں برباد کر دیں گے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ حیلہ بھی ان کا غلط ہے اللہ نے انہیں حرم محترم میں رکھا ہے جہاں شروع دنیا سے اب تک امن وامان رہا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حالت کفر میں تو یہاں امن سے رہیں اور جب اللہ کے سچے دین کو قبول کریں تو امن اٹھ جائے؟ یہی تو وہ شہر ہے کہ طائف وغیرہ مختلف مقامات سے پھل فروٹ سامان اسباب مال تجارت وغیرہ کی آمد ورفت بکثرت رہتی ہے۔ تمام چیزیں یہاں کھنچی چلی آتی ہیں اور ہم انہیں بیٹھے بیٹھائے روزیاں پہنچا رہے ہیں لیکن ان میں اکثر بے علم ہیں۔ اسی لیے ایسے رکیک حیلے اور بیجا عذر پیش کرتے ہیں مروی ہے کہ یہ کہنے والا حارث بن عامر بن نوفل تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ
مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ○
اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو برباد کر ڈالا جو اپنی خوشحال معیشت پر غرور و ناشکری کر رہی تھیں، تو یہ ان کے مکانات ہیں
جو ان کے بعد کبھی آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور ہم ہی وارث و مالک ہیں۔

سابقہ اقوام کی تباہ شدہ بستیوں کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا" عَيْشَهَا وَأُرِيدَ بِالْقَرْيَةِ أَهْلُهَا "فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا" لِلْمَارَّةِ يَوْمًا أَوْ بَعْضَهُ "وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ" مِنْهُمْ

اور ہم نے کتنی ہی ایسی بستیوں کو برباد کر ڈالا جو اپنی خوشحال معیشت پر غرور و ناشکری کر رہی تھیں، یہاں پر لفظ قریہ سے مراد اس میں رہنے والے ہیں۔ تو یہ ان کے تباہ شدہ مکانات ہیں جو ان کے بعد کبھی آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، جو مسافروں کیلئے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہیں اور آخر کار ہم ہی وارث و مالک ہیں۔

یعنی پچھلی قوموں کی جن بستیوں کو عذاب الٰہی سے برباد کیا گیا تھا اب تک بھی ان میں آبادی نہیں ہوئی بجز قدر قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقامات قلیلہ لئے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان تباہ شدہ بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہوسکا بجز عدد قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدر قلیل سے مقامات اور مکانات قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زمان سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لئے جیسے کوئی راہ گیر مسافر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائے جس کو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جاسکتا۔

(جامع البیان، سورہ قصص، بیروت)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ
وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ○
اور تیرا رب کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں، یہاں تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول بھیجے جو ان کے سامنے
ہماری آیات پڑھے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔

رسولان گرامی کی تکذیب کے سبب قوموں کی ہلاکت کا بیان

"وَمَا كَانَ رَبّك مُهْلِك الْقُرَى" بِظُلْمٍ مِنْهَا "حَتَّى يَبْعَث فِي أُمّهَا" أَيْ أَعْظَمهَا "رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَى إلَّا وَأَهْلهَا ظَالِمُونَ" بِتَكْذِيبِ الرُّسُل

اور تیرا رب کبھی بستیوں کو ظلم کے سبب ہلاک کرنے والا نہیں، یہاں تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول بھیجے جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھے اور ہم کبھی بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب کہ اس کے رہنے والے ظالم ہوں۔ کیونکہ وہ رسولان گرامی کی تکذیب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی ہشیار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس لیے کی کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبتاً سلیم وعقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ (لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا، الشوریٰ:7) اسی لیے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
اور جو چیز بھی تمہیں عطا کی گئی ہے سو دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی رونق وزینت ہے۔ مگر جو چیز اللہ کے پاس ہے
وہ زیادہ بہتر اور دائمی ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

فانی دنیا سے اخروی ثواب کے بہتر ہونے کا بیان

"وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْء فَمَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا وَزِينَتهَا" تَتَمَتَّعُونَ وَتَتَزَيَّنُونَ بِهِ أَيَّام حَيَاتكُمْ ثُمَّ يَفْنَى "وَمَا عِنْد اللَّه" أَيْ ثَوَابه "خَيْر وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء أَنَّ الْبَاقِي خَيْر مِنْ الْفَانِي

اور جو چیز بھی تمہیں عطا کی گئی ہے سو وہ دنیاوی زندگی کا سامان اور اس کی رونق وزینت ہے۔ جس کو تم اپنی زندگی میں سجاتے ہو اور نفع حاصل کرتے ہو اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جو چیز بھی اللہ کے پاس یعنی ثواب ہے وہ اس سے زیادہ بہتر اور دائمی ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔ تعقلون یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے کہ باقی فانی سے بہتر ہے۔

انسان کے ساتھ عمل کے باقی رہ جانے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو واپس آ جاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کے عمل جاتے ہیں اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آ جاتا ہے اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2923)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰـهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰـهُ مَتَاعَ الْحَيٰـوةِ الدُّنْيَا
ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰـمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ○
تو کیا وہ شخص جسے ہم نے وعدہ دیا اچھا وعدہ، پس وہ اسے ملنے والا ہے، اس شخص کی طرح ہے جسے ہم نے سامان دیا،
دنیا کی زندگی کا سامان، پھر قیامت کے دن وہ حاضر کیے جانے والوں سے ہے۔

مؤمن وکافر کی مثال کا بیان

"أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيه" وَهُوَ مُصِيبه وَهُوَ الْجَنَّة "كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا" فَيَزُول عَنْ قَرِيب "ثُمَّ هُوَ يَوْم الْقِيَامَة مِنْ الْمُحْضَرِينَ" أَيْ إِلَى النَّار الْأَوَّل الْمُؤْمِن وَالثَّانِي الْكَافِر أَيْ لَا تَسَاوِي بَيْنهمَا

تو کیا وہ شخص جسے ہم نے وعدہ دیا اچھا وعدہ، پس وہ اسے ملنے والا ہے، اور وہ اس کو حل کر رہے گا جو جنت ہے۔ اس شخص کی طرح ہے جسے ہم نے سامان دیا، دنیا کی زندگی کا سامان، جو عنقریب ختم ہو جائے گا۔ پھر قیامت کے دن وہ حاضر کیے جانے والوں یعنی اہل نار سے ہے۔ پہلی مثال مؤمن کی ہے جبکہ دوسری مثال کافر ہے یعنی وہ دونوں برابر نہیں ہیں۔

سورہ قصص آیت ۶۱ کے شان نزول کا بیان

جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کیا تو وہ اس شخص کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کے فائدے سے بہرمند کیا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں حاضر کیا جائے گا۔

مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی، حمزہ اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔

(زاد المسیر 6۔234، طبری 20۔97، قرطبی 13۔303، درمنثور 5۔135)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ○
اور جس دن وہ انھیں آواز دے گا، پس کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم گمان کرتے تھے؟

قیامت کے دن مشرکین سے جھوٹے معبودوں کے بارے میں پوچھا جانے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "يَوْمَ يُنَادِيهِمْ" اللّٰه "فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ" تَزْعُمُونَهُمْ شُرَكَائِي

اور اس دن کو یاد کریں جس دن وہ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں آواز دے گا، پس کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم گمان کرتے تھے؟ یعنی جو تمہارے گمان میں میرے شریک تھے۔

یہ آیت بھی مشرکین مکہ ہی سے متعلق ہے جو دنیوی مفادات کی خاطر شرک اور بت سے چمٹے رہنا چاہتے تھے۔ انھیں ان کی کرتوت کے نتیجہ سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے مشرکوں سے پوچھے گا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ یہ دنیوی مفادات تمہیں میرے شریکوں کی وجہ سے مل رہے ہیں۔ اب بتلاؤ آج وہ کہاں ہیں تاکہ آج بھی تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکیں۔ اگر آج وہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکے تو سمجھ لینا کہ دنیا میں بھی وہی فائدہ پہنچا رہے تھے اور اگر کچھ فائدہ نہ دے سکیں تو حقیقت تم پر خود واضح ہو جائے گی۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰـهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ
تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ○
وہ لوگ کہیں گے جن پر بات ثابت ہو چکی، اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جنھیں ہم نے گمراہ کیا، ہم نے انھیں اسی طرح
گمراہ کیا جیسے ہم گمراہ ہوئے، ہم تیرے سامنے بری ہونے کا اعلان کرتے ہیں، یہ ہماری تو عبادت نہیں کرتے تھے۔

معبودان باطلہ کا قیامت کے دن عبادت سے بیزار ہونے کا بیان

"قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ" بِدُخُولِ النَّارِ وَهُمْ رُؤَسَاءُ الضَّلَالَةِ "رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا" مُبْتَدَأ وَصِفَة "أَغْوَيْنَاهُمْ" خَبَره فَغَوَوْا "كَمَا غَوَيْنَا" لَمْ نُكْرِههُمْ عَلَى الْغَيّ "تَبَرَّأْنَا إِلَيْك" تَبَرَّأْنَا إِلَيْك مِنْهُمْ "مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ" مَا نَافِيَة وَقُدِّمَ الْمَفْعُول لِلْفَاصِلَةِ

وہ لوگ کہیں گے جن پر دخول دوزخ کی بات ثابت ہو چکی ہے۔ وہ گمراہوں کے سربراہ ہیں۔ اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جنھیں ہم نے گمراہ کیا، یہ مبتداء اور صفت ہے جبکہ اغوینا ہم اس کی خبر ہے۔ ہم نے انھیں اسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم گمراہ ہوئے، یعنی ہم نے انہیں گمراہی پر مجبور نہیں کیا تھا۔ ہم تیرے سامنے بری ہونے کا اعلان کرتے ہیں، یہ ہماری تو عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہاں پر ماء نافیہ ہے اور فاصلہ کی غرض سے مفعول کو مقدم کیا گیا ہے۔

یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لیے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے۔ یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے۔ لیکن

ان مشرکین پر کوئی جبر واکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء وظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ○
اور کہا جائے گا اپنے شریکوں کو پکارو۔ سو وہ انھیں پکاریں گے تو وہ انھیں جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔
کاش کہ واقعی وہ ہدایت قبول کرتے ہوتے۔

قیامت کا عذاب دیکھ کر ایمان کی تمنا کرنے والوں کا بیان

"وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ" أَيْ الْأَصْنَام الَّذِينَ تَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ شُرَكَاء اللّٰه "فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ" أَيْ لِدُعَائِهِمْ "وَرَأَوْا" هُمْ "الْعَذَاب" أَبْصَرُوهُ "لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ" فِي الدُّنْيَا لِمَا رَأَوْهُ فِي الْآخِرَة

اور کہا جائے گا اپنے شریکوں یعنی بتوں کو پکارو۔ جو تمہارے خیال میں اللہ کے شریک ہیں۔ سو وہ انھیں پکاریں گے تو وہ انھیں ان کی پکار کا جواب نہ دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے۔ کاش کہ واقعی وہ دنیا میں ہدایت قبول کرتے ہوتے۔ کیونکہ وہ آخرت میں عذاب کو دیکھ لیں گے۔

ان معبود حضرات کی اس معذرت کے بعد اللہ تعالیٰ پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ آج بھی اپنے معبودوں کو اپنی مدد کے لئے پکارو تو سہی۔ لیکن وہ معبود جو پہلے ہی ان سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ وہ انھیں کچھ جواب نہ دے سکیں گے اور اس کی اصل وجہ یہ ہوگی کہ کیا عابد اور کیا معبود سب کو ہی اپنا انجام نظر آ رہا ہوگا۔ اس وقت یہ سب حضرات نہایت حسرت کے ساتھ بول اٹھیں گے۔ کاش! ہم نے دنیا میں ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ○ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ○
اور جس دن انھیں پکارے گا تو وہ فرمائے گا: تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ تو ان پر اس دن خبریں پوشیدہ
ہو جائیں گی سو وہ ایک دوسرے سے پوچھ نہ سکیں گے۔

قیامت کے دن انبیائے کرام کی بعثت سے متعلق پوچھا جانے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "يَوْم يُنَادِيهِمْ فَيَقُول مَاذَا أَجَبْتُمْ الْمُرْسَلِينَ" إِلَيْكُمْ "فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمْ الْأَنْبَاء" الْأَخْبَار الْمُنْجِيَة فِي الْجَوَاب "يَوْمَئِذٍ" لَمْ يَجِدُوا خَبَرًا لَهُمْ فِيهِ نَجَاة "فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ" فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ عَنْهُ فَيَسْكُتُونَ.

اور یاد کریں جس دن اللہ انھیں پکارے گا تو وہ فرمائے گا: تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ جن کی بعثت تمہاری طرف ہوئی تھی۔ تو ان پر اس دن خبریں پوشیدہ ہو جائیں گی یعنی نجات دینے والا جواب ان سے غائب ہو جائے گا۔ سو وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے۔ جس میں ان کیلئے نجات ہو پس وہ خاموش ہو جائیں گے۔

مشرکوں سے پہلا سوال تو توحید سے متعلق تھا۔ اب یہ سوال پیغام رسالت سے متعلق ہوگا۔ یعنی بات اتنی ہی نہیں تھی کہ عابد و معبود دونوں اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو رہے تھے۔ بلکہ رسولوں نے بروقت انھیں ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح طور پر بتلا دیا تھا۔ تو پھر تم لوگوں نے ان رسولوں کی بات مان لی تھی؟

انھیں اس بات کی سمجھ ہی نہ آ سکے گی کہ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کا کیا جواب دیں۔ نہ ہی ان سے یہ بن آئے گا کہ کسی دوسرے سے پوچھ کر ہی اس سوال کا جواب دے سکیں۔ اس دن کی دہشت اتنی زیادہ ہوگی کہ وہ ایک دوسرے سے کوئی بات پوچھ ہی نہ سکیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ۝
لیکن جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیا تو یقیناً وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔

شرک سے توبہ کرنے والے کیلئے نجات ہونے کا بیان

"فَأَمَّا مَنْ تَابَ" مِنْ الشِّرْك "وَآمَنَ" صَدَّقَ بِتَوْحِيدِ اللّٰه "وَعَمِلَ صَالِحًا" أَدَّى الْفَرَائِض "فَعَسَى أَنْ يَكُون مِنْ الْمُفْلِحِينَ" النَّاجِينَ بِوَعْدِ اللّٰه

لیکن جس نے شرک سے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا یعنی اللہ کی توحید کی تصدیق کی اور نیک عمل کیا یعنی فرائض کو ادا کیا، تو یقیناً وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔ یعنی اللہ کے وعدے کے مطابق نجات پانے والوں سے ہوگا۔

یہ شاہانہ انداز کلام ہے۔ یعنی اس دن وہ شخص ضرور فلاح پا لے گا جس نے خواہش نفس کی پیروی اور اللہ کی نافرمانی سے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا۔ پھر اس کے بعد اعمال بھی صالح بجا لاتا رہا۔ گویا دوزخ کے لئے صرف توبہ اور ایمان لانے کا اقرار ہی کافی نہیں بلکہ اس ایمان کا عملی اظہار بھی ضروری ہے جو صرف نیک اعمال بجالانے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ؕ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝
اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان کے لیے کبھی بھی اختیار نہیں، اللہ پاک ہے
اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

خلق واختیار کا اللہ کیلئے ہونے کا بیان

"وَرَبّك يَخْلُق مَا يَشَاء وَيَخْتَار" مَا يَشَاء "مَا كَانَ لَهُمْ" لِلْمُشْرِكِينَ "الْخِيَرَة" الِاخْتِيَار فِي شَيْء

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ" عَنْ إِشْرَاكِهِمْ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور چن لیتا ہے، ان یعنی مشرکین کے لیے کبھی بھی کسی چیز میں اختیار نہیں، اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے، اس سے جو وہ اس کے ساتھ شراکت کے شریک بناتے ہیں۔

سورہ قصص آیت ۶۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کے لئے کیوں برگزیدہ کیا۔ یہ قرآن مکہ وطائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اتارا اس کلام کا قائل ولید بن مغیرہ تھا اور بڑے آدمی سے وہ اپنے آپ کو اور عروہ بن مسعود ثقفی کو مراد لیتا تھا۔

اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ رسولوں کا بھیجنا ان لوگوں کے اختیار سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اپنی حکمت وہی جانتا ہے، انھیں اس کی مرضی میں دخل کی کیا مجال ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قصص، بیروت)

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ○ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ؕ
لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۟ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○
اور آپ کا رب ان کو جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ آشکار کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی
معبود نہیں۔ دنیا اور آخرت میں ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور حکم وفرمانروائی اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

سینوں کے رازوں کا بھی اللہ کے علم میں ہونے کا بیان

"وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ" تُسِرُّ قُلُوبُهُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَغَيْرِهِ "وَمَا يُعْلِنُونَ" بِأَلْسِنَتِهِمْ مِنْ ذٰلِكَ، "وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى" الدُّنْيَا "وَالْآخِرَةِ" الْجَنَّةِ "وَلَهُ الْحُكْمُ" الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِي كُلِّ شَيْءٍ "وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" بِالنُّشُورِ،

اور آپ کا رب ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ان کے سینے اپنے اندر کفر وغیرہ چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ وہ اپنی زبانوں سے آشکار کرتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دنیا اور آخرت یعنی جنت میں ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور ہر چیز میں حقیقی حکم وفرمانروائی بھی اسی کی ہے اور تم اسی کی طرف زندہ کرکے لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ متفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اسی کو اقتدار کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اسی کے فضل وانعام سے ہیں

بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اس کا مستقل احسان ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○
فرما دیجئے: ذرا اتنا بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روز قیامت تک ہمیشہ رات طاری فرما دے، اللہ کے سوا
کون معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے۔ کیا تم سنتے نہیں ہو۔

قیامت تک رات طاری کرنے سے استدلال قدرت کا بیان

"قُلْ" لِأَهْلِ مَكَّة "أَرَأَيْتُمْ" أَيْ أَخْبِرُونِي "إِنْ جَعَلَ اللّٰه عَلَيْكُمْ اللَّيْل سَرْمَدًا" دَائِمًا "إِلَى يَوْم الْقِيَامَة مَنْ إِلَه غَيْر اللّٰه" أَيْ بِزَعْمِكُمْ "يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ" نَهَار تَطْلُبُونَ فِيهِ الْمَعِيشَة "أَفَلَا تَسْمَعُونَ" ذٰلِكَ سَمَاع تَفَهُّم فَتَرْجِعُونَ عَنْ الْإِشْرَاك

آپ ﷺ اہل مکہ سے فرما دیجئے: ذرا اتنا بتاؤ یعنی مجھے خبر دو کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روز قیامت تک ہمیشہ رات طاری فرما دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے یعنی جو تمہارے خیال میں معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے۔ یعنی دن لا دے جس میں تم رزق تلاش کرتے ہو کیا تم یہ باتیں سنتے نہیں ہو۔ تا کہ تم ان کو سمجھ کر تم شرک سے باز آ جاؤ۔

اللہ کا احسان دیکھو کہ بغیر تمہاری کوشش اور تدبیر کے دن اور رات برابر آگے پیچھے آ رہے ہیں اگر رات ہی رات رہے تو تم عاجز آ جاؤ تمہارے کام رک جائیں تم پر زندگی وبال ہو جائے تم تھک جاؤ اکتا جاؤ کسی کو نہ پاؤ جو تمہارے لئے دن نکال سکے کہ تم اس کی روشنی میں چلو پھرو، دیکھو بھالو اپنے کام کاج کر لو۔ افسوس تم سنا کر بھی بہرا کر دیتے ہو۔ اسی طرح اگر وہ تم پر دن ہی دن کو روک دے رات آئے ہی نہیں تو بھی تمہاری زندگی تلخ ہو جائے۔ بدن کا نظام الٹ پلٹ ہو جائے تھک جاؤ تنگ ہو جاؤ کوئی نہیں جسے قدرت ہو کہ وہ رات لا سکے جس میں تم راحت و آرام حاصل کر سکو لیکن تم آنکھیں رکھتے ہوئے اللہ کی ان نشانیوں اور مہربانیوں کو دیکھتے ہی نہیں ہو۔ یہ بھی اس کا احسان ہے کہ اس نے دن رات دونوں پیدا کر دیئے ہیں کہ رات کو تمہیں سکون و آرام حاصل ہو اور دن کو تم کام کاج تجارت زراعت سفر شغل کر سکو۔ تمہیں چاہئے کہ تم اس مالک حقیقی اس قادر مطلق کا شکر ادا کرو رات کو اس کی عبادتیں کرو رات کے قصور کی تلافی دن میں اور دن کے قصور کی تلافی رات میں کر لیا کرو۔ یہ مختلف چیزیں قدرت کے نمونے ہیں اور اس لئے ہیں کہ تم نصیحت و عبرت سیکھو اور رب کا شکر کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○

فرمادیجئے: ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روز قیامت تک ہمیشہ دن طاری فرمادے، اللہ کے سوا کون معبود ہے
جو تمہیں رات لادے کہ تم اس میں آرام کرسکو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

قیامت تک دن طاری کرنے سے استدلال قدرت کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ" أَيْ بِزَعْمِكُمْ "يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ" تَسْتَرِيحُونَ "فِيهِ" مِنَ التَّعَبِ "أَفَلَا تُبْصِرُونَ" مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْخَطَأِ فِي الْإِشْرَاكِ فَتَرْجِعُونَ عَنْهُ

آپ ﷺ ان سے فرمادیجئے: ذرا یہ بھی بتاؤ کہ اگر اللہ تمہارے اوپر روز قیامت تک ہمیشہ دن طاری فرمادے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے یعنی جو تمہارے خیال میں معبود ہے جو تمہیں رات لادے جس میں تم راحت حاصل کرتے ہو کہ تم اس میں تھکیل سے آرام کرسکو، کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ تم غلطی میں ہو لہٰذا تم شرک سے باز آجاؤ۔

یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت وسکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کون سی طاقت کرسکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔

دن رات دونوں کا مخلوق کیلئے نعمت ہونے کا بیان

"وَمِنْ رَحْمَته" تَعَالَى "جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ" أَيْ فِي اللَّيْلِ "وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْله" فِي النَّهَارِ لِلْكَسْبِ "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" النِّعْمَةَ فِيهِمَا

اور اس نے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل یعنی روزی تلاش کرسکو اور تاکہ تم شکر گزار بنو۔ کیونکہ ان دونوں میں تمہارے لئے نعمت ہے۔

یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے دن رات کا نظام ایسا بنادیا جس میں تمام مخلوق کے لئے فائدے ہی فائدے ہیں۔ کوئی جاندار مسلسل کام نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اللہ نے رات بنادی جو تاریک بھی ہوتی ہے اور ٹھنڈی بھی اور آرام یا نیند کے لئے یہی دو باتیں ضروری ہیں۔ ان دونوں کی موجودگی میں انسان گہری نیند سو کر دن بھر کی تھکاوٹ دور کرسکتا ہے۔ اور کام کاج کے لئے روشنی ضروری تھی لہٰذا دن اس غرض کے لئے دن بنادیا۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتا مگر اس اوندھی عقل کے انسان نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے الٹا اس کے شریک بنانا شروع کردیئے۔ اور کئی ہستیوں میں اللہ کے اختیارات کو بانٹنا شروع کردیا جس کا اسے کوئی حق نہ تھا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○

اور جس دن وہ انھیں پکارے گا تو ارشاد فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم خیال کرتے تھے۔

قیامت کے دن معبودان باطلہ کے عجز کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "يَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُول أَيْنَ شُرَكَائِي الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ" ذَكَرَ ثَانِيًا لِيَبْنِيَ عَلَيْهِ

اور یاد کرو جس دن وہ انھیں پکارے گا تو ارشاد فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جنہیں تم معبود خیال کرتے تھے۔ اس کا فرمان کو دوبارہ بیان کیا ہے تا کہ آئندہ بیان کی اس پر بناء کی جائے۔

مشرکوں کو دوسری دفعہ توبیخ کی جائے گی اور فرمایا جائے گا کہ دنیا میں جنہیں میرا شریک ٹھہرا رہے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ ہر امت میں سے ایک گواہ یعنی اس امت کا پیغمبر ممتاز کرلیا جائے گا۔ مشرکوں سے کہا جائے گا اپنے شرک کی کوئی دلیل پیش کرو۔ اس وقت یہ یقین کرلیں گے کہ فی الواقع عبادتوں کے لائق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں۔ کوئی جواب نہ دے سکیں گے حیران رہ جائیں گے اور تمام افترا بھول جائیں گے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکالیں گے پھر ہم کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ تو وہ جان لیں گے کہ سچ بات اللہ ہی کی ہے

اور ان سے وہ سب جاتی رہیں گی جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔

قیامت کے دن انبیائے کرام کی گواہی کا بیان

"وَنَزَعْنَا" أَخْرَجْنَا "مِنْ كُلّ أُمَّة شَهِيدًا" وَهُوَ نَبِيّهم يَشْهَد عَلَيْهِمْ بِمَا قَالُوا "فَقُلْنَا" لَهُمْ "هَاتُوا بُرْهَانكُمْ" عَلَى مَا قُلْتُمْ مِنَ الْإِشْرَاك "فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقّ" فِي الْإِلَهِيَّة "لِلَّهِ" لَا يُشَارِكهُ فِيهِ أَحَد "وَضَلَّ" غَابَ "عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ" وَغَابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ فِي الدُّنْيَا مِنْ أَنَّ مَعَهُ شَرِيكًا تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ

اور ہم ہر امت سے ایک گواہ نکالیں گے اور وہ ان کا نبی ہوگا جو ان پر گواہی دے گا جو انہوں نے کہا ہوگا۔ پھر ہم ان سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ جو کچھ تم نے شرک کے بارے میں کہا تو وہ جان لیں گے کہ سچ بات اللہ ہی کی ہے یعنی اللہ کو الوہیت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور ان سے وہ سب باتیں جاتی رہیں گی یعنی غائب ہو جائیں گی جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔ یعنی دنیا میں باندھے ہوئے شرکیہ افتراء سب غائب ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۝

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، پس اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ بلاشبہ ان کی چابیاں یقیناً ایک طاقتور جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا مت پھول، بے شک اللہ پھولنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

قارون کے کثیر خزانوں کا بیان

"إِنَّ قَارُون كَانَ مِنْ قَوْم مُوسَى" ابْن عَمّه وَابْن خَالَته وَآمَنَ بِهِ "فَبَغَى عَلَيْهِمْ" بِالْكِبْرِ وَالْعُلُوّ وَكَثْرَة الْمَال "وَآتَيْنَاهُ مِنْ الْكُنُوز مَا إِنَّ مَفَاتِحه لَتَنُوء" تَثْقُل "بِالْعُصْبَةِ" الْجَمَاعَة "أُولِي" أَصْحَاب "الْقُوَّة" أَيْ تُثْقِلهُمْ فَالْبَاء لِلتَّعْدِيَةِ وَعِدَّتهمْ قِيلَ سَبْعُونَ وَقِيلَ أَرْبَعُونَ وَقِيلَ عَشَرَة وَقِيلَ غَيْر ذَلِكَ اُذْكُرْ "إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمه" الْمُؤْمِنُونَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيل "لَا تَفْرَح" بِكَثْرَةِ الْمَال فَرَح بَطَر "إِنَّ اللّٰه لَا يُحِبّ الْفَرِحِينَ" بِذَلِكَ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا، یعنی اس کے چچا یا خالہ کا بیٹا تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا۔ پس اس نے ان پر تکبر، بلندی اور کثرت مال کے سبب سرکشی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ بلاشبہ ان کی چابیاں یقیناً ایک طاقتور جماعت پر بھاری ہوتی تھیں۔ یعنی ان کا اٹھانا بوجھ تھا یہاں پر باء متعدی ہے۔ کیونکہ اٹھانے والی جماعت کہا گیا ہے اور کہا گیا ہے وہ ستر یا چالیس اور دس بھی کہا گیا ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی اقوال ہیں۔ اور اس وقت کو یاد کریں جب اس کی قوم بنی اسرائیل سے اہل ایمان نے اس سے کہا مال کی کثرت کے سبب مت پھول، بے شک اللہ پھولنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

قارون کی منافقت کا بیان

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہیث اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہیث۔ ابن اسحق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا، تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ لیکن جس طرح سامری نے منافق پنا کیا تھا یہ اللہ کا دشمن بھی منافق ہو گیا تھا۔ چونکہ بہت مال دار تھا اس لئے بھول گیا تھا اور اللہ کو بھول بیٹھا تھا۔ قوم میں عام طور پر جس لباس کا دستور تھا اس نے اس سے بالشت بھر نیچا لباس بنوایا تھا جس سے اس کا غرور اور اس کی دولت ظاہر ہو۔ اس کے پاس اس قدر مال تھا کہ اس خزانے کی کنجیاں اٹھانے پر قوی مردوں کی ایک جماعت مقرر تھی۔ اس کے بہت خزانے تھے۔ ہر خزانے کی کنجی الگ تھی جو بالشت بھر کی تھی۔ جب یہ کنجیاں اس کی سواری کے ساتھ خچروں پر لادی جاتیں تو اس کے لئے ساٹھ پنج کلیاں خچر مقرر ہوتے، واللہ اعلم۔ قوم کے بزرگ اور نیک لوگوں اور عالموں نے جب اس کے سرکشی اور تکبر کو حد سے بڑھتے ہوتے دیکھا تو

اسے نصیحت کی کہ اتنا اکڑ نہیں اس قدر غرور نہ کر اللہ کا ناشکرا نہ ہو، ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جاؤ گے۔قوم کے واعظوں نے کہا کہ یہ جو اللہ کی نعمتیں تیرے پاس ہیں انہیں اللہ کی رضامندی کے کاموں میں خرچ کرتا کہ آخرت میں بھی تیرا حصہ ہو جائے۔ یہ ہم نہیں کہتے کہ دنیا میں کچھ عیش وعشرت کر ہی نہیں۔نہیں اچھا کھا، پی، پہن اوڑھ جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھا نکاح سے راحت اٹھا حلال چیزیں برت لیکن جہاں اپنا خیال رکھ وہاں مسکینوں کا بھی خیال رکھ جہاں اپنے نفس کو نہ بھول وہاں اللہ کے حق بھی فراموش نہ کر۔ تیرے نفس کا بھی حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں سا جھا ہے۔ ہر حق دار کا حق ادا کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا تو اوروں کے ساتھ سلوک واحسان کر اپنے اس مفسدانہ رویہ کو بدل ڈال اللہ کی مخلوق کی ایذ رسانی سے باز آ جا۔اللہ فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰـكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○
اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول اور احسان کر جیسے اللہ نے
تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت ڈھونڈ، بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

دولتمندی کے ذریعے تکبر کرتے ہوئے فساد کی ممانعت کا بیان

"وَابْتَغِ" اُطْلُبْ "فِيمَا آتَاك اللّٰه" مِنْ الْمَال "الدَّار الْآخِرَة" بِأَنْ تُنْفِقهُ فِي طَاعَة اللّٰه . "وَلَا تَنْسَ" تَتْرُك "نَصِيبك مِنْ الدُّنْيَا" أَيْ أَنْ تَعْمَل فِيهَا لِلْآخِرَةِ "وَأَحْسِنْ" لِلنَّاسِ بِالصَّدَقَةِ "كَمَا أَحْسَنَ اللّٰه إلَيْك وَلَا تَبْغِ" تَطْلُب "الْفَسَاد فِي الْأَرْض" بِعَمَلِ الْمَعَاصِي "إنَّ اللّٰه لَا يُحِبّ الْمُفْسِدِينَ" بِمَعْنَى أَنَّهُ يُعَاقِبهُمْ

اور جو کچھ اللہ نے تجھے مال دیا ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کر یعنی اس کو اللہ کی اطاعت میں خرچ کر اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول یعنی دنیا میں آخرت کیلئے عمل کرتا رہ اور صدقہ کرتے ہوئے لوگوں کیلئے احسان کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور نافرمانی کے ذریعے زمین میں فساد مت ڈھونڈ، بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔یعنی وہ ان کو سزا دیتا ہے۔

یعنی دنیا میں آخرت کے لئے عمل کر کہ عذاب سے نجات پائے اس لئے کہ دنیا میں انسان کا حقیقی حصہ یہ ہے کہ آخرت کے لئے عمل کرے، صدقہ دے کر، صلہ رحمی کر کے اور اعمال خیر کے ساتھ اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپنی صحت وقوت وجوانی و دولت کو نہ بھول اس سے کہ ان کے ساتھ آخرت طلب کرے۔حدیث میں ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت سمجھو جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، ثروت کو ناداری سے پہلے، فراغت کو شغل سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ○

وہ کہنے لگا: مجھے تو یہ مال صرف اس علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں، اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

قارون کا مال و دولت کو اپنی ذاتی کاوش قرار دینے کا بیان

"قَالَ إِنَّمَا أُوتِيته " أَيْ الْمَال "عَلَى عِلْم عِنْدِي " أَيْ فِي مُقَابَلَته وَكَانَ أَعْلَم بَنِي إِسْرَائِيل بِالتَّوْرَاةِ بَعْد مُوسَى وَهَارُونَ "أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّه قَدْ أَهْلَكَ مَنْ قَبْله مِنْ الْقُرُون " الْأُمَم "مَنْ هُوَ أَشَدّ مِنْهُ قُوَّة وَأَكْثَر جَمْعًا" لِلْمَالِ : أَيْ هُوَ عَالِم بِذَلِكَ وَيُهْلِكهُمْ اللَّه "وَلَا يَسْأَل عَنْ ذُنُوبهمْ الْمُجْرِمُونَ" لِعِلْمِهِ تَعَالَى بِهَا فَيَدْخُلُونَ النَّار بِلَا حِسَاب -

وہ کہنے لگا: مجھے تو یہ مال صرف اس کسبی علم و ہنر کی بنا پر دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تورات میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔کیا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ نے واقعۃً اس سے پہلے بہت سی ایسی قوموں یعنی امم کو ہلاک کر دیا تھا جو طاقت میں اس سے کہیں زیادہ سخت تھیں اور مال و دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ آگے تھیں، یعنی وہ جانتا ہے کہ اللہ نے انہیں ہلاک کیا۔اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لہٰذا انہیں بغیر حساب کے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔

قارون کے اس قول کا کہ میرا مال و دولت میرے ذاتی علم و ہنر سے حاصل کردہ ہے اصل جواب تو وہ تھا جو اوپر لکھا گیا ہے کہ اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا سبب کوئی خاص علم و ہنر تھا تو بھی اللہ تعالیٰ کے احسان سے کیسے بری ہوا کیونکہ یہ علم و ہنر اور قوت کسب بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے مگر اس کا جواب بوجہ غایت ظہور کے نظر انداز فرما کر قرآن نے یہ بتلایا کہ یہ مال و دولت فرض کرو کہ اس کو اپنے ہی ذاتی کمال سے حاصل ہوا ہو مگر خود اس مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں، مال کی فراوانی کسی انسان کے لئے نہ کوئی کمال اور فضیلت ہے اور نہ وہ ہر حال میں اس کے کام آتا ہے اس کے ثبوت میں پچھلی امتوں کے بڑے سرمایہ داروں کی مثال پیش فرمائی کہ جب انہوں نے سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو اچانک پکڑ لیا مال و دولت ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ○

پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا۔ان لوگوں نے کہا جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے،اے کاش! ہمارے لیے
اس جیسا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑے نصیب والا ہے۔

قارون کے مال کا دنیاداروں کی نظر میں بڑا نصیب ہونے کا بیان

"فَخَرَجَ" قَارُونَ "عَلَى قَوْمه فِي زِينَته" بِأَتْبَاعِهِ الْكَثِيرِينَ رُكْبَانًا مُتَحَلِّينَ بِمَلَابِسِ الذَّهَب وَالْحَرِير عَلَى خُيُول وَبِغَال مُتَحَلِّيَة "يَا" لِلتَّنْبِيهِ "لَيْتَ لَنَا مِثْل مَا أُوتِيَ قَارُون " فِي الدُّنْيَا "إِنَّهُ لَذُو حَظّ" نَصِيب "عَظِيم" وَافٍ فِيهَا

پس وہ قارون اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا۔اور اس کی اتباع میں زری اور ریشم کے لباس پہنے ہوئے گھوڑوں اور خچروں پر سوار لوگ نکلے یہاں لفظ یاء انتباہ کیلئے آیا ہے۔ان لوگوں نے کہا جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے،اے کاش! ہمارے لیے بھی دنیا میں اس جیسا ہوتا جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑے نصیب والا ہے۔

قارون کے دنیاوی جاہ وجلال کا بیان

قارون ایک دن نہایت قیمتی پوشاک پہن کر زرق برق عمدہ سواری پر سوار ہو کر اپنے غلاموں کو آگے پیچھے بیش بہا پوشاکیں پہنائے ہوئے لے کر بڑے ٹھاٹھ سے اتراتا ہوا اکڑتا ہوا نکلا اسکا یہ ٹھاٹھ اور یہ زینت و تجمل دیکھ کر دنیاداروں کے منہ میں پانی بھر آیا اور کہنے لگے کاش کہ ہمارے پاس بھی اس جتنا مال ہوتا۔ یہ تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑی قسمت والا ہے۔علماء کرام نے ان کی یہ بات سن کر انہیں اس خیال سے روکنا چاہا اور انہیں سمجھانے لگے کہ دیکھو اللہ نے جو کچھ اپنے مومن اور نیک بندوں کے لئے اپنے ہاں تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کروڑہا درجہ بارونق دیرپا اور عمدہ ہے۔تمہیں ان درجات کو حاصل کرنے کے لئے اس دوروزہ زندگی کو صبر و برداشت سے گزارنا چاہئے جنت صابروں کا حصہ ہے یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے پاک کلمے صبر کرنے والوں کی زبان ہی سے نکلتے ہیں جو دنیا کی محبت سے دور اور دار آخرت کی محبت میں چور ہوتے ہیں اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ کلام ان واعظوں کا نہ ہو بلکہ ان کے کام کی اور ان کی تعریف میں یہ جملہ اللہ کی طرف سے خبر ہو۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ج وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝
اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا تھا بول اٹھے: تم پر افسوس ہے اللہ کا ثواب اس شخص کے لئے بہتر ہے جو ایمان لایا ہو
اور نیک عمل کرتا ہو، مگر یہ صبر کرنے والوں کے سوا کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا۔

ایمان و عمل صالح والوں کیلئے ثواب میں جنت ہونے کا بیان

"وَقَالَ" لَهُمْ "الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم " بِمَا وَعَدَ اللَّه فِي الْآخِرَة "وَيْلكُمْ" كَلِمَة زَجْر "ثَوَاب اللَّه " فِي الْآخِرَة بِالْجَنَّةِ "خَيْر لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا " مِمَّا أُوتِيَ قَارُون فِي الدُّنْيَا "وَلَا يُلَقَّاهَا " أَيْ الْجَنَّة

الْمُثَابِ بِهَا "إِلَّا الصَّابِرُونَ" عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنْ الْمَعْصِيَةِ

اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا تھا بہ سبب اس کے اللہ نے آخرت میں وعدہ کیا ہے۔اس کیلئے بول اٹھے: تم پر افسوس ہے، یہ کلمہ زجر ہے۔اللہ کا ثواب یعنی آخرت میں جنت اس شخص کے لئے بہتر ہے جو ایمان لایا ہو اور نیک عمل کرتا ہو، یعنی اس سے بہتر ہے جو قارون کو دنیا میں دیا گیا ہے۔مگر یہ جنت اور اس کا ثواب اطاعت پر صبر کرنے والوں اور نافرمانی سے بچ کر صبر کرنے والوں کے سوا کسی کو عطا نہیں کیا جائے گا۔

علم سے مراد علم شریعت ہے۔یعنی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت کی کامیابی کے مقابلہ میں دنیا کا ساز وسامان جتنا بھی ہو وہ کچھ حقیقت رکھا۔ایسے عالم لوگوں نے قارون اور اس کے ٹھاٹھ باٹھ پر رہنے والوں سے کہا، تمہاری دنیا سے یہ محبت تمہاری خطرناک بھول غلطی ہے۔اصل کامیابی دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی اور وہ اجر ہے جو ایماندار نیک لوگوں کو ملے گا۔

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رشک صرف دو آدمیوں پر جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا اور وہ دن رات اس میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ اس کے حق کو ادا کرتا ہے رات میں اور دن کے وقتوں میں۔یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 2020)

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝
پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اللہ کے سوا اس کے لئے کوئی بھی جماعت نہ تھی
جو اس کی مدد کر سکتی اور نہ وہ خود ہی عذاب کو روک سکا۔

قارون کا اپنے گھر سمیت زمین میں دھنس جانے کا بیان

"فَخَسَفْنَا بِهِ" بِقَارُون "وَبِدَارِهِ الْأَرْض فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَة يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره بِأَنْ يَمْنَعُوا عَنْهُ الْهَلَاك "وَمَا كَانَ مِنْ الْمُنْتَصِرِينَ" مِنْهُ

پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اللہ کے سوا اس کے لئے کوئی بھی جماعت ایسی نہ تھی جو ہلاکت سے بچانے میں اس کی مدد کر سکتی اور نہ وہ خود ہی عذاب کو روک سکا۔

متکبرین کا جاہ وحشم سمیت زمین میں دھنس جانے کا بیان

اوپر قارون کی سرکشی بے ایمانی کا ذکر ہو چکا یہاں اس کے انجام کا بیان ہو رہا ہے۔ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔کتاب العجائب میں نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا بڑا لمبا چوڑا بھرپور جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے

رنگ و رغن، والا خوبصورت، شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہی کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ نوفل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا اور قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا۔ آخر کار اس کا کوئی قریبی رشتہ دار اپنی آستین میں ڈال کر لے گیا۔

یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ کی دعائے خضر رسے ہوئی تھی اور اس کے سبب میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ایک سبب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قارون ملعون نے ایک فاحشہ عورت کو بہت کچھ مال و متاع دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین اس وقت جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل میں کھڑے خطبہ کہہ رہے ہوں وہ آئے اور آپ سے کہے کہ تو وہی ہے نا جس نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا۔ اس عورت نے یہی کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور اسی وقت نماز کی نیت باندھ لی اور دو رکعت ادا کر کے اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے تجھے اس اللہ کی قسم جس نے سمندر میں سے راستہ دیا اور تیری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی اور بھی بہت سے احسانات کیے تو جو سچا واقعہ ہے اسے بیان کر۔ یہ سن کر اس عورت کا رنگ بدل گیا اور اس نے صحیح واقعہ سب کے سامنے بیان کر دیا اور اللہ سے استغفار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ حضرت موسیٰ پھر سجدہ میں گر گئے اور قارون کی سزا چاہی۔ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کر دیا ہے۔ آپ نے سجدے سے سر اٹھایا اور زمین سے کہا کہ تو اسے اور اس کے محل کو نگل لے۔ زمین نے یہی کیا۔

دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قارون کی سواری اس طمطراق سے نکلی سفید قیمتی خچر پر بیش بہا پوشاک پہنے سوار تھا، اس کے غلام بھی سب کے سب ریشمی لباسوں میں تھے۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ پڑھ رہے تھے بنو اسرائیل کا مجمع تھا۔ یہ جب وہاں سے نکلا تو سب کی نگاہیں اس پر اور اس کی دھوم دھام پر لگ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھ کر پوچھا آج اس طرح کیسے نکلے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ ایک بات اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اور ایک فضیلت مجھے دے رکھی ہے اگر تمہارے پاس نبوت ہے تو میرے پاس یہ جاہ و حشم ہے اور اگر آپ کو میری فضیلت پر شک ہو تو میں تیار ہوں کہ آپ اور میں چلیں اور اللہ سے دعا کریں۔ دیکھ لیجئے کہ اللہ کس کی دعا قبول فرماتا ہے آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور اسکو لے کر چلے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے تو دعا کرتا ہے یا میں کروں؟ اس نے کہا نہیں میں کرونگا اب اس نے دعا مانگنی شروع کر دی اور ختم ہو گئی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے کہا اب دعا میں کرتا ہوں اس نے کہا ہاں کیجئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ زمین کو حکم دے کہ جو میں کہوں مان لے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور وحی آئی کہ میں نے زمین کو تیری اطاعت کا حکم دے دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر زمین سے فرمایا اے زمین! اسے اور اس کے لوگوں کو پکڑ لے وہیں یہ لوگ اپنے قدموں تک زمین میں دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ نے لے۔ یہ اپنے گھٹنوں تک دھنس گئے۔ آپ نے فرمایا اور پکڑ یہ مونڈھوں تک زمین میں دھنس گئے۔ پھر فرمایا ان کے خزانے اور مال بھی یہیں لے آ۔ اسی وقت ان کے کل خزانے اور مال وہاں آ گئے اور انہوں

نے اپنی آنکھوں سے ان سب کو دیکھ لیا پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو ان کے خزانوں سمیت اپنے اندر کر لے اسی وقت یہ سب غارت ہو گئے اور زمین جیسی تھی ویسی ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ قصص، بیروت)

مروی ہے کہ ساتوں زمین تک یہ لوگ بقدر انسان دھنستے جا رہے ہیں قیامت تک اسی عذاب میں رہیں گے۔ یہاں پر بنی اسرائیل کی اور بہت سی روایتیں ہیں لیکن ہم نے ان کا ذکر یہاں چھوڑ دیا ہے۔ نہ تو مال ان کے کام آیا نہ جاہ وحشم نہ دولت وتمکنت نہ کوئی ان کی مدد کے لئے اٹھا نہ یہ خود اپنا کوئی بچاؤ کر سکے۔ تباہ ہو گئے بےنشان ہو گئے مٹ گئے اور مٹا دیئے گئے (اعاذنا اللہ)

وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَهٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْکَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ ۚ لَوْ لَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَیْکَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ○
اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی انھوں نے اس حال میں صبح کی کہ کہہ رہے تھے افسوس! اب معلوم ہوتا ہے کہ
اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے، اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہم پر
احسان کیا تو وہ ضرور ہمیں دھنسا دیتا، افسوس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔

قارون جیسے مال کی تمنا رکھنے والوں کیلئے عبرت کا بیان

"وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَه بِالْأَمْسِ" أَيْ مِنْ قَرِيب "يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّه يَبْسُط" يُوَسِّع "الرِّزْق لِمَنْ يَشَاء مِنْ عِبَاده وَيَقْدِر" يُضَيِّق عَلَى مَا يَشَاء "وَيْ" اسْم فِعْل بِمَعْنَى: أَعْجَب أَيْ أَنَا وَالْكَاف بِمَعْنَى اللَّام "لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّه عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول "وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِح الْكَافِرُونَ" لِنِعْمَةِ اللَّه كَقَارُون

اور جن لوگوں نے کل قریب ہی وقت اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی انھوں نے اس حال میں صبح کی کہ کہہ رہے تھے افسوس! اب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے، یہاں پر لفظ وی یہ اسم فعل بہ معنی اعجب یعنی اَنا ہے اور کاف بہ معنی لام ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا تو وہ ضرور ہمیں دھنسا دیتا، یہاں پر لفظ خسف معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ افسوس! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔ گویا ان کیلئے اللہ کی نعمتیں ایسے ہیں جیسے قارون کیلئے ہیں۔

اس وقت تو ان لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئی جو قارون کی دولت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے۔ اور اسے نصیب دار سمجھ کر لمبے سانس لیا کرتے تھے اور رشک کیا کرتے تھے کہ کاش ہم ایسے دولت مند ہوتے۔ وہ کہنے لگے اب دیکھ لیا کہ واقعی سچ ہے دولت مند ہونا کچھ اللہ کی رضا مندی کا سبب نہیں۔ یہ اللہ کی حکمت ہے جسے چاہے زیادہ دے جسے چاہے کم دے۔ جس پر چاہے وسعت کرے جس پر چاہے تنگ کرے۔

اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کی بھی اسی طرح تقسیم کی ہے جس طرح روزی کی۔ مال تو اللہ کی طرف سے اس کے دوستوں کو بھی ملتا ہے اور اس کے دشمنوں کو بھی۔ البتہ ایمان اللہ کی طرف سے اسی کو ملتا ہے جسے اللہ چاہتا ہو۔ قارون کے اس دھنسائے جانے کو دیکھ کر وہ جو اس جیسا بننے کی امیدیں کر رہے تھے کہنے لگے اگر اللہ کا لطف واحسان ہم پر نہ ہوتا تو ہماری اس تمنا کے بدلے جو ہمارے دل میں تھی کہ کاش ہم بھی ایسے ہی ہوتے۔ آج اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کے ساتھ دھنسا دیتا۔ وہ کافر تھا اور کافر اللہ کے ہاں فلاح کے لائق نہیں ہوتے۔ نہ انہیں دنیا میں کامیابی ملے نہ آخرت میں ہی وہ چھٹکارا پائیں۔

نحوی کہتے ہیں ویکان کے معنی ویلک اعلم ان ہیں لیکن مخفف کر کے ویک رہ گیا اور ان کے فتح نے اعلم کے محذوف ہونے پر دلالت کر دی۔ لیکن اس قول کو امام ابن جریر نے ضعیف بتایا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں یہ ضعیف کہنا ٹھیک نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی کتابت کا ایک ساتھ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ کتابت کا طریقہ تو اختراعی امر ہے جو رواج پا گیا وہی معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے معنی اس کے الم تر ان کے لئے گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس طرح یہ دو لفظ ہیں وی اور کان۔ حرف وی تعجب کے لیے ہیں اور یا تنبیہ کے لئے اور کان معنی میں اظن کے ہے۔ ان تمام اقوال میں قوی قول یہ ہے کہ یہ معنی میں الم تر کے ہے یعنی کیا نہ دیکھا تو نے جیسے کہ حضرت قتادہ کا قول ہے اور یہی معنی عربی شعر میں بھی مراد لئے گئے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
وہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو نہ زمین میں سرکشی و تکبر چاہتے ہیں اور نہ فساد انگیزی،
اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

اہل جنت کیلئے اچھا انجام ہونے کا بیان

"تِلْكَ الدَّار الْآخِرَة" أَيْ الْجَنَّة "نَجْعَلهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْض" بِالْبَغْيِ "وَلَا فَسَادًا" بِعَمَلِ الْمَعَاصِي "وَالْعَاقِبَة" الْمَحْمُودَة "لِلْمُتَّقِينَ" عِقَاب اللّٰه بِعَمَلِ الطَّاعَات

یہ وہ آخرت کا گھر ہے یعنی جنت ہے جسے ہم نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو نہ تو زمین میں بغاوت کے ساتھ سرکشی اور نہ نافرمانی سے تکبر چاہتے ہیں اور نہ فساد انگیزی، اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ یعنی جو طاعات کے عمل کے سبب اللہ کی سزا سے بچنے والے ہیں۔

فرماتا ہے کہ جنت اور آخرت کی نعمت صرف انہی کو ملے گی جن کے دل خوف الٰہی سے بھرے ہوئے ہوں اور دنیا کی زندگی تواضع فروتنی عاجزی اور اخلاق کے ساتھ گزار دیں۔ کسی پر اپنے آپ کو اونچا اور بڑا نہ سمجھیں ادھر ادھر فساد نہ پھیلائیں سرکشی اور

برائی نہ کریں۔ کسی کا مال ناحق نہ ماریں اللہ کی زمین پر اللہ کی نافرمانیاں نہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہوتو وہ بھی اسی آیت میں داخل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر غرور کرے۔ اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری تو یہ چاہت ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ پھر فرمایا جو ہمارے پاس نیکی لائے گا وہ بہت سی نیکیوں کا ثواب پائے گا۔ یہ مقام فضل ہے اور برائی کا بدلہ صرف اسی کے مطابق سزا ہے۔ یہ مقام عدل ہے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر ہے اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو برے کام
کرنے والوں کو کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی قدر جو وہ کرتے رہے تھے۔

نیکیوں کے ثواب میں اضافہ ہونے کا بیان

"مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْر مِنْهَا" ثَوَاب بِسَبَبِهَا وَهُوَ عَشْر أَمْثَالهَا "وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَات إلَّا" جَزَاء "مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" أَيْ : مِثْله

جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر صلہ ہے یعنی اس کے سبب اس کو دس گنا ثواب ملے گا اور جو شخص برائی لے کر آئے گا تو برے کام کرنے والوں کو کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اسی قدر جو وہ کرتے رہے تھے۔ یعنی گناہ کی مقدار کے برابر ہی سزا ہوگی۔

ایک نیکی کا ثواب دس گنا بڑھا دینے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ (کی نماز) میں تین طرح کے لوگ آتے ہیں ایک وہ آدمی جو لغو کلام اور بیکار کام کے ساتھ آتا ہے (یعنی وہ خطبے کے وقت لغو بیہودہ کلام اور بیکار کام میں مشغول ہوتا ہے) چنانچہ جمعے کی حاضری میں اس کا یہی حصہ ہے (یعنی وہ جمعے کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور لغو کلام وفعل کا وبال اس کے حصے میں آتا ہے) دوسرا وہ آدمی ہے جو جمعے میں دعا کے لئے آتا ہے (چنانچہ وہ خطبے کے وقت دعا میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی دعا اسے خطبے سننے یا خطبہ کے کمال ثواب سے باز رکھتی ہے) پس وہ دعا مانگتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ (اپنے فضل وکرم کے صدقہ میں) اس کی دعا کو قبول فرمائے یا نہ قبول فرمائے۔

تیسرا وہ آدمی جمعہ میں آتا ہے تو (اگر خطبہ کے وقت امام کے قریب ہوتا ہے تو خطبے سننے کے لئے) خاموش رہتا ہے اور (اگر

امام سے دور ہوتا ہے اور خطبے کی آواز اس تک نہیں پہنچتی تب بھی خطبے کے احترام میں وہ) سکوت اختیار کرتا ہے نیز نہ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو ایذاء پہنچاتا ہے لہٰذا اس کے واسطے یہ جمعہ اس (یعنی پہلے) جمعے تک جو اس سے ملا ہوا بلکہ اور تین دن زیادہ تک کا کفارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیکی کرے گا۔ اس کو نیکی کا دس گناہ ثواب دیا جائے گا۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1367)

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ
بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○
بیشک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے۔ یقیناً وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف واپس لے جانے والا ہے۔ فرما دیجئے:
میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے جو صریح گمراہی میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ہدایت کے ساتھ ہونے کا بیان

"اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْك الْقُرْآن" أَنْزَلَهُ "لَرَادّك إِلَی مَعَاد" إِلَی مَكَّة وَكَانَ قَدْ اشْتَاقَهَا "قُلْ رَبِّی أَعْلَم مَنْ جَاءَ بِالْهُدَی وَمَنْ هُوَ فِی ضَلَال مُبِین" نَزَلَ جَوَابًا لِقَوْلِ كُفَّار مَكَّة لَهُ : إِنَّك فِی ضَلَال أَیْ فَهُوَ الْجَائِی بِالْهُدَی وَهُمْ فِی ضَلَال وَأَعْلَم بِمَعْنَی : عَالِم

بیشک جس نے آپ پر قرآن فرض یعنی نازل کیا ہے یقیناً وہ آپ کو آپ کی چاہت کے مطابق لوٹنے کی جگہ مکہ کی طرف (فتح و کامیابی کے ساتھ) واپس لے جانے والا ہے۔ فرما دیجئے: میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جو صریح گمراہی میں ہے۔ یہ کفار مکہ کے اس قول کے جواب میں نازل ہوا ہے جو انہوں نے آپ کیلئے کہا "اِنَّكَ فِی ضَلَال" حالانکہ آپ ﷺ ہدایت لیکر آنے والے ہیں جبکہ وہ کفار گمراہی میں ہیں۔ اور یہاں پر اَعلم یہ بہ معنی عالم ہے۔

آخر سورت میں یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اپنے فریضہ رسالت و نبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہیں اور مناسبت اس کی سابقہ آیات سورت سے یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ فرعون اور اس کی قوم کی دشمنی اور اس سے خوف کا پھر اپنے فضل سے ان کو قوم فرعون پر غالب کرنے کا ذکر فرمایا تو آخر سورت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی حالات کا خلاصہ بیان فرمایا کہ کفار مکہ نے آپ کو پریشان کیا، قتل کے منصوبے بنائے، مسلمانوں کی زندگی مکہ میں اجیرن کر دی مگر حق تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق آپ کو سب پر فتح اور غلبہ نصیب فرمایا اور مکہ مکرمہ جہاں سے کفار نے آپ کو نکالا تھا وہ پھر مکمل طور پر آپ کے قبضہ میں آیا۔ اَلَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ جس ذات پاک نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے یعنی اس کی تلاوت اور تبلیغ اور اس پر عمل آپ پر فرض فرمایا ہے وہ ہی ذات آپ کو پھر معاد پر لوٹائے گی۔ معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگر چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطن عزیز خصوصا حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اس پر عمل کو فرض کرنے والا اللہ تعالیٰ آخر کار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ ائمہ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا، اسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے جدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اسی لئے حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہی نہ مدنی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ قصص، بیروت)

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ؈
اورتم اس بات کی امید نہ رکھتے تھے کہ تم پر کتاب اتاری جائے گی مگر تمہارے رب کی رحمت ہے، پس تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ بننا۔

قرآن مجید کا کتاب رحمت ہونے کا بیان

"وَمَا كُنْتَ تَرْجُوا أَنْ يُلْقَى إلَيْكَ الْكِتَاب" الْقُرْآن "إلَّا" لَكِنْ أُلْقِيَ إلَيْك "رَحْمَة مِنْ رَبّك فَلَا تَكُونَن ظَهِيرًا" مُعِينًا "لِلْكَافِرِينَ" عَلَى دِينهمْ الَّذِي دَعَوْك إلَيْهِ،

اور تم (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت سے اُمتِ محمدی کو خطاب ہے) اس بات کی امید نہ رکھتے تھے کہ تم پر یہ کتاب یعنی قرآن اتارا جائے گا مگر یہ تمہارے رب کی رحمت سے اتری ہے، پس اس مذہب میں جس کی وہ آپ کو بلائیں۔ تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ بننا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا)۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 152)

پوری آیت یہ ہے آیت (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ، البقرۃ:"(136 (مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئیں

ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ وتفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ وتفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو اور ان کو جھٹلاؤ اس لئے نہیں کہ اگرچہ انہوں نے تورات میں تغیر و تبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب ہے الٰہی ہے اور حق ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○
اور یہ لوگ تجھے اللہ کی آیات سے کسی صورت روکنے نہ پائیں، اس کے بعد کہ وہ تیری طرف اتاری گئیں
اور اپنے رب کی طرف بلا اور ہرگز مشرکوں سے نہ ہونا۔

نزول آیات کے بعد حق کی راہوں سے نہ روکنے کا بیان

"وَلَا يَصُدَّنَك" أَصْلُه يَصُدُّونَنَكَ حُذِفَتْ نُون الرَّفْع لِلْجَازِمِ وَالْوَاو لِلْفَاعِلِ لالْتِقَائِهَا مَعَ النُّون السَّاكِنَة "عَنْ آيَات اللَّه بَعْد إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْك" أَيْ لَا تَرْجِع إِلَيْهِمْ فِي ذَلِكَ "وَادْعُ" النَّاس "إِلَى رَبّك" بِتَوْحِيدِهِ وَعِبَادَته "وَلَا تَكُونَن مِنْ الْمُشْرِكِينَ" بِإِعَانَتِهِمْ وَلَمْ يُؤَثِّر الْجَازِم فِي الْفِعْل لِبِنَائِهِ

اور یہ لوگ آپ کو اللہ کی آیات سے کسی صورت روکنے نہ پائیں، یہاں پر لفظ یصدونک اصل میں یصدونک تھا یہاں جازم کے سبب نون رافع کو حذف کر دیا اور واؤ فاعل کو بھی نون کے ساتھ التقائے ساکنین کے سبب حذف کر دیا۔ اس کے بعد کہ وہ اللہ کی آیات آپ کی طرف اتاری گئیں لہٰذا آپ ان کی طرف توجہ نہ کیجئے گا اور اپنے رب کی طرف بلائیں یعنی لوگوں کو اس کی توحید اور عبادت کی طرف بلائیں اور ہرگز مشرکوں کی مدد کر کے ان سے نہ ہونا۔ یہاں پر فعل کے مبنی ہونے کی وجہ سے لفظ لاء جزم نہیں دیا۔ یعنی لائے جازمہ نے کوئی لفظی عمل نہیں کیا۔

ایمان کی سلامتی کی علامت کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ) ایمان کی سلامتی کی علامت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے۔ اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو (سمجھو کہ) تم (پکے) مومن ہو، پھر اس آدمی نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ عنہ نے فرمایا! جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹک اور تردد پیدا کرے (تو سمجھو کہ وہ گناہ ہے) لہٰذا اس کو چھوڑ دو۔

(مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 41)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○

اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پوجا کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، حکم اسی کا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا سب چیزوں کی فناء کا بیان

"وَلَا تَدْعُ" تَعْبُد "مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَه" اِلَّا اِيَّاهُ "لَهُ الْحُكْمُ" الْقَضَاء النَّافِذ "وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" بِالنُّشُورِ مِنْ قُبُورِكُمْ

اور تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پوجا کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، حکم اسی کا ہے یعنی اسی کا فیصلہ نافذ ہونے والا ہے اور قبور سے زندہ ہونے کے ساتھ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا" یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کر روزے رکھو" یہ سن کر دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ تو اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا، جب وہ دیہاتی چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو آدمی کسی جنتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت اور مسرت حاصل کرنا چاہے وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 13)

سورہ قصص کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ قصص کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃُ الْعَنْکَبُوت

یہ قرآن مجید کی سورت عنکبوت ہے

سورہ عنکبوت کی آیات وتعداد کلمات کا بیان

سُورَۃُ الْعَنْکَبُوت (مَکِّیَّۃٌ إِلَّا مِنْ آیَۃ 1 لِغَایَۃِ 11 فَمَدَنِیَّۃ) (وَآیَاتھَا تِسْع وَسِتُّونَ نَزَلَتْ بَعْد الرُّوْم)

سورہ عنکبوت مکیہ ہے اس میں سات رکوع انہتر آیات نوسواسی کلمات، چار ہزار ایک سو پینسٹھ حروف ہیں۔اور یہ سورت سورہ روم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ عنکبوت کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں مشرکین کے احوال اوران کے وہمی نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔اوران کے نظریے کو کمزوری کو سمجھانے کیلئے عنکبوت یعنی مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے۔کہ مشرکین کے باطل نظریات مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں لہٰذا اسی سبب سے یہ سورت عنکبوت کے نام سے معروف ہے۔

الٓمّٓ ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ○
الف،لام،میم ،حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ
دیے جائیں گے کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اوران کی آزمائش نہ کی جائے گی۔اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو آزمایا تھا
جو ان سے پہلے تھے سو یقیناً اللہ ان لوگوں کو ضرور نمایاں فرما دے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو ضرور ظاہر کر دے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے ذریعے اہل ایمان وجھوٹوں کے درمیان فرق کر دینے کا بیان

"الم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ "أَحَسِبَ النَّاس أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا " أَيْ : بِقَوْلِهِمْ "آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ" يُخْتَبَرُونَ بِمَا يَتَبَيَّن بِهِ حَقِيقَة إِيمَانهمْ نَزَلَ فِي جَمَاعَة آمَنُوا فَآذَاهُمْ الْمُشْرِكُونَ "وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ فَلَيَعْلَمَن اللّٰه الَّذِينَ صَدَقُوا " فِي إِيمَانهمْ عِلْم مُشَاهَدَة "وَلَيَعْلَمَن الْكَاذِبِينَ" فِيهِ

الف، لام، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہہ دیں یعنی ان کے قول ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ یعنی ان کو ایسے چیز کے ذریعے ایمان میں آزمایا جائے گا جس سے ان کے ایمان کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اور یہ ایک ایسی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب وہ ایمان لائے تو مشرکین نے انہیں تکالیف پہنچائیں۔ اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے سو یقیناً اللہ ان لوگوں کو ضرور نمایاں فرما دے گا جو علم مشاہدہ کے مطابق دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور اس میں جھوٹوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا۔

سورہ عنکبوت آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ مکرمہ میں تھے اور انہوں نے اسلام کا اقرار کیا تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں لکھا کہ محض اقرار کافی نہیں جب تک ہجرت نہ کرو ان صاحبوں نے ہجرت کی اور بقصد مدینہ روانہ ہوئے، مشرکین ان کے درپے ہوئے اور ان سے قتال کیا بعض حضرات ان میں سے شہید ہو گئے بعض بچ آئے ان کے حق میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد ان لوگوں سے سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن ولید اور عمار بن یاسر وغیرہ ہیں جو مکہ مکرمہ میں ایمان لائے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عمار کے حق میں نازل ہوئی جو خدا پرستی کی وجہ سے ستائے جاتے تھے اور کفار انھیں سخت ایذائیں پہنچاتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت مہجع بن عبداللہ کے حق میں نازل ہوئیں جو بدر میں سب سے پہلے شہید ہونے والے ہیں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا کہ مہجع سید الشہداء ہیں اور اس امت میں باب جنت کی طرف پہلے وہ پکارے جائیں گے ان کے والدین اور ان کی بی بی کو ان کا بہت صدمہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی پھر ان کی تسلی فرمائی۔ (زادالمسیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

ایمان اور کفر کے درمیان فرق کیئے جانے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے کہا، ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دستر خوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تا کہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا

فائدہ کیونکہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 141)

اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔ تشریح: اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کی درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔

امتحان دین کیلئے سروں پر آرے چلا دیئے جانے کا بیان

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بطور شکایت کے عرض کیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر اوڑھے ہوئے کعبہ کے سایہ میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لئے مدد کیوں نہیں مانگتے ہمارے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا وہ اس میں کھڑے کر دیئے جاتے پھر آرا چلایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور یہ عمل ان کو ان کے دین سے نہ روکتا تھا نیز لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ بات ان کو ان کے دین سے نہ روکتی تھی اللہ کی قسم! یہ دین (اسلام) کامل نہ ہوگا حتیٰ کہ اگر ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور نہ کوئی شخص اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف کرے گا لیکن اس معاملہ میں تم عجلت چاہتے ہو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 863)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○
یا ان لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں، یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔

مشرکین کا عذاب الٰہی سے بچ نکلنے کے وہم و گمان کا بیان

"أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَات " الشِّرْك وَالْمَعَاصِي "أَنْ يَسْبِقُونَا " يَفُوتُونَا فَلَا نَنْتَقِم مِنْهُمْ

"سَاءَ" بِئْسَ "مَا" الَّذِی "يَحْكُمُونَ" يَحْكُمُونَهُ حُكْمُهُمْ هَذَا

یا ان لوگوں نے جو برے کام یعنی شرک ونافرمانی کرتے ہیں، یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے، کہ ہم ان سے انتقام نہ لیں گے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کررہے ہیں۔ یعنی ان کا فیصلہ اس حکم کے بارے میں کتنا برا ہے۔

اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اگر ہم ان پر گرفت کرنا چاہیں تو یہ لوگ ہماری گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی سرتوڑ مخالفانہ کوششوں اور سازشوں کے باوجود خود ہی ناکام رہیں گے اور غلبہ اسلام کی راہ روکنے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے، اور اگر وہ ایسا گمان کرتے ہیں کہ وہ یقیناً کامیاب ہوجائیں گے تو یہ ان کی زبردست بھول اور غلط قسم کا فیصلہ ہے۔ واضح رہے کہ اس آیت میں روئے سخن صرف کافروں کی طرف ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ○

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بے شک اللہ کا مقرر وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھنے والے کا بیان

"مَنْ كَانَ يَرْجُو" يَخَاف "لِقَاءَ اللّٰه فَإِنَّ أَجَل اللّٰه" بِهِ "لَآتٍ" فَلْيَسْتَعِدَّ لَهُ "وَهُوَ السَّمِيع" لِأَقْوَالِ الْعِبَاد "الْعَلِيم" بِأَفْعَالِهِمْ

جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو بے شک اللہ کا مقرر وقت ضرور آنے والا ہے۔ لہٰذا اس وقت کیلئے تیار رہنا چاہے۔ اور وہی اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا، ان کے کاموں کو جاننے والا ہے۔

اچھے اجر کیلئے نیک کاموں میں کوشش جاری رکھنے کا بیان

جنہیں آخرت کے بدلوں کی امید ہے اور اسے سامنے رکھ کر وہ نیکیاں کرتے ہیں۔ ان کی امیدیں پوری ہونگی اور انہیں نہ ختم ہونے والے ثواب ملیں گے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا اور کل کائنات کا جاننے والا ہے اللہ کا ٹھہرایا ہوا وقت ٹلتا نہیں۔ پھر فرماتا ہے ہر نیک عمل کرنے والا اپنا ہی نفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے بے پرواہ ہے۔ اگر سارے انسان متقی بن جائیں تو اللہ کی سلطنت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسن فرماتے ہیں جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں۔ انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا ہے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں اللہ کے کسی کام نہیں آتیں لیکن بہرحال اس کی یہ مہربانی کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ انکی وجہ سے تمہاری برائیں معاف فرمادیتا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرمادیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے، گناہوں سے درگزر کرلیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدل عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

اور جو جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لیے جہاد کرتا ہے، یقیناً اللہ تو سارے جہانوں سے بہت بے پرواہ ہے۔

مجاہد کیلئے جہاد کے ثواب کا بیان

"وَمَنْ جَاهَدَ" جِهَاد حَرْب أَوْ نَفْس "فَإِنَّمَا يُجَاهِد لِنَفْسِهِ" فَإِنَّ مَنْفَعَة جِهَاده لَهُ لَا لِلَّهِ "إِنَّ اللَّه لَغَنِيّ عَنْ الْعَالَمِينَ" الْإِنْس وَالْجِنّ وَالْمَلَائِكَة وَعَنْ عِبَادَتهمْ،

اور جو جہاد یعنی جنگی جہاد یا جہاد نفس کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لیے جہاد کرتا ہے، کیونکہ اس کے جہاد کا فائدہ اسی کیلئے ہے۔ یقیناً اللہ تو سارے جہانوں خواہ وہ عالم انس ہو یا جن ہو یا ملائکہ ہو وہ ان کی عبادت سے بہت بے پرواہ ہے۔

جہاد بہ نفس اور جہاد بہ حرب کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (کامل اور سچا) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان (کی ایذاء سے) مسلمان محفوظ رہیں اور (پکا وصادق) مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان واپنے مال کو مامون سمجھیں" (جامع ترمذی وسنن نسائی) اور شعب الایمان میں بیہقی نے فضالہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں اور (حقیقی) مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت وعبادت میں اپنے نفس سے جہاد کیا اور (اصل) مہاجر وہ ہے جس نے تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو ترک کر دیا۔ (مشکوۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 30)

صحیح معنی میں مومن وہی ہے جس کا وجود اللہ کی مخلوق کے لئے باعث اطمینان وراحت ہو، لوگوں کو اس پر پورا پورا اعتماد بھروسہ ہو۔ اس کی امانت ودیانت، عدالت وصداقت اور اخلاق و پاکیزگی اس طرح نمایاں ہو کہ نہ تو کسی کو اپنے مال کے ہڑپ کر لئے جانے کا خوف ہو اور نہ کسی کو اس کی طرف سے اپنی جان وآبرو کے نقصان کا خدشہ اور نہ کسی کے دل میں اس کی جانب سے کسی اور طرح کا خوف وہراس ہو۔ حقیقی مجاہد بھی وہ نہیں ہے جو دشمنوں سے جنگ کرتا ہے بلکہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس امارہ سے جہاد کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی خاطر نفس کی تمام خواہشات کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ ایسے ہی حقیقی مہاجر بھی وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا ہے جن سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر رکھا ہو اس لئے کہ ہجرت کی حکمت یہی ہے کہ مومن طاعت الٰہی میں بغیر کسی رکاوٹ کے مصروف رہے اور اللہ نے جن چیزوں سے منع کر دیا ہے ان سے بچتا رہے۔ مہاجر کی حقیقی شان یہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ہم ان کی ساری خطائیں ان سے مٹا دیں گے اور ہم یقیناً انھیں اس سے بہتر جزا عطا فرما دیں گے جو عمل وہ کرتے رہے تھے۔

نیک اعمال کے سبب گناہوں کو مٹا دینے کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتهمْ" بِعَمَلِ الصَّالِحَات "وَلَنَجْزِيَنَّهُم أَحْسَن" بِمَعْنَى : حَسَن وَنَصَبَهُ بِنَزْعِ الْخَافِض الْبَاء "الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ" وَهُوَ الصَّالِحَات

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ہم ان کی ساری خطائیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے مٹا دیں گے اور ہم یقیناً انھیں اس سے بہتر جزا عطا فرما دیں گے، یہاں پر احسن بہ معنی حسن ہے۔ اور باء جارہ کے سقوط کے سبب اس کا نصب ہے۔ جو عمل وہ کرتے رہے تھے۔ اور وہ نیک اعمال ہیں۔

قبول اسلام کے سبب گناہوں کے مٹ جانے کا بیان

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں (جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! لائیے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں، آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کچھ شرط لگانی چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کیے تھے) آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے کیے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کیے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے جو اس حج سے پہلے کیے گئے ہوں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 26)

صدقہ و اعمال خیر کے سبب گناہوں کے مٹ جانے کا بیان

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اس کے لئے یہ بہت آسان بھی ہے" پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور خانہ کعبہ کا حج کرو، پھر اس کے بعد فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں خیر و بھلائی کے دروازوں تک نہ پہنچا دوں (تو سنو) روزہ (ایک ایسی) ڈھال ہے (جو گناہ سے بچاتی ہے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتی ہے) اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے (اور اسی طرح)

رات (تہجد) میں مومن کا نماز پڑھنا (گناہ کو ختم کر دیتا ہے) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد گزاروں اور رات میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس پوری آیت کا ترجمہ ہے): ان (مومنین صالحین) کے پہلو (رات میں) بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف وامید سے پکارتے اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان (مومنین صالحین) کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا صلہ (انعام) ہے جو وہ کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز (یعنی دین) کا سر اور اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کے ستون نماز ہے اور اس کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی جڑ نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ضرور بتایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور (اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اس کو بند رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں ان سب پر مواخذہ ہوگا، آپ نے فرمایا معاذ! (دعا ثکلتک امک) (تمہاری ماں تمہیں گم کر دے اچھی طرح جان لو کہ) (یہ ایک محاورہ ہے جو عربی زبان میں اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے)۔ لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانے والی اسی زبان کی (بری) باتیں ہوں گی۔

(مسند احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 27)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۚ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو
میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان،
تمھیں میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔

والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کا بیان

"وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا" أَيْ إِيصَاء ذَا حُسْن بِأَنْ يَبَرّهُمَا "وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ" بِإِشْرَاكِهِ "عِلْم" مُوَافَقَة لِلْوَاقِعِ فَلَا مَفْهُوم لَهُ "فَلَا تُطِعْهُمَا" فِي الْإِشْرَاك "إِلَيَّ مَرْجِعكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" فَأُجَازِيكُمْ بِهِ،

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے جو یہ ہے کہ وہ ان دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس شرک کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں۔ یہاں پر

موافقت واقع کا مفہوم مخالف ہے۔تو شرک میں ان کا کہنا مت مان، تمہیں میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ پس میں تمہیں اس پر جزاء دوں گا۔

سورہ عنکبوت آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اور سورہ لقمان اور سورہ احقاف کی آیتیں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں و بقول ابن اسحٰق سعد بن مالک زہری کے حق میں نازل ہوئیں ان کی ماں حمنہ بنتِ ابی سفیان بن امیہ بن عبدِ شمس تھی حضرت سعد سابقین اوّلین میں سے تھے اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے جب آپ اسلام لائے تو آپ کی والدہ نے کہا کہ تو نے یہ کیا نیا کام کیا خدا کی قسم اگر تو اس سے باز نہ آیا تو نہ میں کھاؤں نہ پیوں یہاں تک کہ مر جاؤں اور تیری ہمیشہ کے لئے بدنامی ہو اور تجھے ماں کا قاتل کہا جائے پھر اس بڑھیا نے فاقہ کیا اور ایک شبانہ روز نہ کھایا، نہ پیا، نہ سایہ میں بیٹھی اس سے ضعیف ہوگئی پھر ایک رات دن اور اسی طرح رہی تب حضرت سعد اس کے پاس آئے اور آپ نے اس سے فرمایا کہ اے ماں اگر تیری سو ۱۰۰ جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب ہی نکل جائیں تو بھی میں اپنا دین چھوڑنے والا نہیں تو چاہے کھا چاہے مت کھا، جب وہ حضرت سعد کی طرف سے مایوس ہوگئی کہ یہ اپنا دین چھوڑنے والے نہیں تو کھانے پینے لگی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حکم دیا کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور اگر وہ کفر و شرک کا حکم دیں تو نہ مانا جائے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ عنکبوت، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ٥
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ہم انھیں ضرور ہی نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔

ایمان اور عمل صالح والوں کو نیک لوگوں کی معیت نصیب ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ" الْأَنْبِيَاء وَالْأَوْلِيَاء بِأَنْ نَحْشُرهُمْ مَعَهُمْ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے ہم انھیں ضرور ہی نیک لوگوں میں داخل کریں گے یعنی ہم ان کو انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی معیت میں جمع کریں گے۔

یعنی ایسے نامساعد اور پریشان کن حالات میں جو شخص ایمان لائے اور نیکی کی راہ پر قائم رہے۔ جبکہ ان کے والدین یہی کافر تھے تو اللہ ایسے لوگوں کو صالحین کے زمرہ میں شامل فرمادے گا۔ نیز اللہ کا دستور یہ ہے کہ اگر والدین بھی مسلمان ہوں اور اولاد بھی تو اللہ تعالیٰ اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ ملا دے گا۔ اگرچہ والاد کے نیک اعمال اپنے والد کے اعمال کے پایہ کے نہ ہوں۔ اگر والدین کافر تھے تو اللہ ان کی اولاد کو صالحین کے زمرہ میں شامل فرمادے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ
جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ○
اورلوگوں میں ایسے شخص ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ، پھر جب انھیں اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو
وہ لوگوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی مانند قرار دیتے ہیں، اور اگر آپ کے رب کی جانب سے کوئی مدد آ پہنچتی ہے تو وہ
یقیناً یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہی تھے، کیا اللہ ان کو نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں ہیں۔

دکھ سکھ ہر حالت میں ایمان پر برقرار رہنے کا بیان

"وَمِنَ النَّاس مَنْ يَقُول آمَنَّا بِاَللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّه جَعَلَ فِتْنَة النَّاس " أَيْ أَذَاهُمْ لَهُ "كَعَذَابِ اللَّه" فِي الْخَوْف مِنْهُ فَيُطِيعهُمْ فَيُنَافِق "وَلَئِنْ" لَام قَسَم "جَاءَ نَصْر" لِلْمُؤْمِنِينَ "مِنْ رَبّك" فَغَنِمُوا "لَيَقُولَنَّ" حُذِفَتْ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي النُّونَات وَالْوَاو ضَمِير الْجَمْع لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "إنَّا كُنَّا مَعَكُمْ" فِي الْإِيمَان فَأَشْرِكُونَا فِي الْغَنِيمَة "أَوَلَيْسَ اللَّه بِأَعْلَم" أَيْ بِعَالِمٍ "بِمَا فِي صُدُور الْعَالَمِينَ" بِقُلُوبِهِمْ مِنْ الْإِيمَان وَالنِّفَاق ؟ بَلَى

اورلوگوں میں ایسے شخص بھی ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ، پھر جب انھیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی مانند قرار دیتے ہیں، یعنی ان سے خوف زدہ ہو کر ان کی اطاعت اور نفاق کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ اور یہاں پر لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ کے رب کی جانب سے مؤمنین کیلئے کوئی مدد آ پہنچتی ہے یعنی انہیں غنیمت حاصل ہوتی ہے تو وہ یقیناً یہ کہنے لگتے ہیں، یہاں لفظ لیقولن میں مسلسل نونات آنے کے سبب نون رفع کو حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر جمع کو بھی التقائے ساکنین کے سبب سے حذف کیا گیا ہے۔ کہ ہم تو ایمان میں تمہارے ساتھ ہی تھے، لہٰذا غنیمت میں بھی ہمیں شامل کر لیں۔ کیا اللہ ان باتوں کو نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ یعنی ان کے دلوں میں ایمان اور منافقت ہے کیوں نہیں وہ ضرور جانتا ہے۔

اگر چہ کہنے والا ایک شخص ہے، مگر "میں ایمان لایا" کہنے کے بجائے کہہ رہا ہے " ہم ایمان لائے" امام رازی نے اس میں ایک لطیف نکتے کی نشاندہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منافق اپنے آپ کو ہمیشہ زمرہ اہل ایمان میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے ایمان کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ بھی ویسا ہی مومن ہے جیسے دوسرے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بزدل اگر کسی فوج کے ساتھ گیا ہے اور اس فوج کے بہادر سپاہیوں نے لڑ کر دشمنوں کو مار بھگایا ہے، تو چاہے اس نے خود کوئی کارنامہ انجام نہ دیا ہو، مگر وہ آ کر یوں کہے گا کہ ہم گئے اور ہم خوب لڑے اور ہم نے دشمن کو شکست فاش دے دی، گویا آپ بھی انہی بہادروں میں سے ہیں جنہوں نے داد شجاعت دی ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○

اور اللہ ضرور ایسے لوگوں کو ممتاز فرمادے گا جو ایمان لائے ہیں اور منافقوں کو ضرور ظاہر کردے گا۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے کہ تم ہمارے راستے پر چلو اور لازم ہے کہ ہم تمھارے گناہ اٹھالیں، حالانکہ وہ ہرگز ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، بے شک وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان اور منافقین کو الگ کردے گا

"وَلَيَعْلَمَن اللّٰه الَّذِينَ آمَنُوا " بِقُلُوبِهِمْ "وَلَيَعْلَمَن الْمُنَافِقِينَ " فَيُجَازِى الْفَرِيقَيْنِ وَاللَّام فِي الْفِعْلَيْنِ لَام قَسَم، "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا " دِيننَا "وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ " فِي اتِّبَاعنَا إنْ كَانَتْ وَالْأَمْر بِمَعْنَى الْخَبَر "وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْء إنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" فِي ذَلِكَ

اور اللہ ضرور ایسے لوگوں کو ممتاز فرمادے گا جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور منافقوں کو بھی ضرور ظاہر کردے گا۔ پس دونوں گروہوں کو جزاء دے گا۔ یہاں پر دونوں افعال میں لام قسم ہے۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے کہ تم ہمارے راستے یعنی دین پر چلو اور لازم ہے کہ ہم تمھارے گناہ اٹھالیں، اگر بہ فرض گناہ ہوا تو۔ یہاں امر بہ معنی خبر ہے تو فرمایا حالانکہ وہ ہرگز ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں، بے شک وہ یقیناً اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

اسکا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ خوشی اور تکلیف دے کر آزمائے گا تا کہ منافق اور مومن کی تمیز ہو جائے جو دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت کرے گا، وہ مومن ہے اور جو صرف خوشی اور راحت میں اطاعت کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف اپنے حظ نفس کا مطیع ہے، اللہ کا نہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔(وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ، محمد: 31) ہم تمہیں ضرور آزمائینگے، تاکہ ہم جان لیں تم میں مجاہد اور صابر کون ہیں اور تمہارے دیگر حالات بھی جانچیں گے،۔ جنگ احد کے بعد، جس میں مسلمان اختیار وامتحان کی بھٹی سے گزارے گئے تھے، فرمایا (مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ، آل عمران: 179) نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ وہ چھوڑ دے مومنوں کو، اس حالت پر جس پر کہ تم ہو، یہاں تک کہ وہ جدا کردے ناپاک کو پاک سے۔

کفار کا دوسروں کے گناہوں کو اٹھانے پر دھوکہ دینے کا بیان

اسی طرح کا ایک شخص کا واقعہ سورہ نجم کے آخری رکوع میں ذکر کیا گیا ہے اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص کو اس کے کافر ساتھیوں نے یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ تم ہمیں کچھ مال یہاں دیدو تو ہم قیامت اور آخرت

کے دن تمہارے عذاب کو اپنے ذمہ لے کر تمہیں بچا دیں گے، اس نے کچھ دینا بھی شروع کر دیا پھر بند کر دیا۔ اس کی بے وقوفی اور اس کے عمل کے لغو ہونے کا بیان ہے۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝
اور یقیناً وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ بھی۔ اور یقیناً وہ قیامت کے دن
اس کے متعلق ضرور پوچھے جائیں گے جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔

گمراہ لوگوں پر ان کے متبعین کے گناہوں کے بوجھ ہونے کا بیان

"وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالهمْ " أَوْزَارهمْ "وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالهمْ " بِقَوْلِهِمْ لِلْمُؤْمِنِينَ "اتَّبِعُوا سَبِيلنَا " وَإِضْلَالهمْ مُقَلِّدِيهِمْ "وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْم الْقِيَامَة عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ " يَكْذِبُونَ عَلَى اللّٰه سُؤَال تَوْبِيخ وَاللَّام فِي الْفِعْلَيْنِ لَام قَسَم وَحُذِفَ فَاعِلهمَا الْوَاو وَنُون الرَّفْع

اور یقیناً وہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ بھی۔ جن کا انہوں نے مؤمنین کے ساتھ قول کیا تھا۔ کہ ہمارے راستے کی اتباع کریں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے متبعین کو گمراہ کیا۔ اور یقیناً وہ قیامت کے دن اس کے متعلق ضرور پوچھے جائیں گے جو وہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔ یعنی جو اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتے تھے۔ یہ سوال بہ طور توبیخ ہوگا اور یہاں بھی دونوں افعال میں لام، لام قسم ہے۔ ان دونوں کے فاعل واؤ اور نون رفع کو بھی حذف کیا گیا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنے کی تحریک کرے یا گناہ میں اس کی مدد کرے وہ بھی ایسا ہی مجرم ہے جیسا یہ گناہ کرنے والا۔ ایک حدیث جو حضرت ابوہریرہ اور انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال و عذاب میں کوئی کمی ہو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ عنکبوت، بیروت)

قیامت تک ناحق قتل ہونے والوں کے گناہ میں قابیل کے شریک ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو آدمی ظلم کے طریقہ پر قتل کیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے قابیل پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 206)

انسانی ظلم و ستم کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے قابیل کی زندگی سے شروع ہوتی ہے جس نے اپنی ایک انتہائی

معمولی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور انسانی تاریخ کا یہ سب سے پہلا خونی واقعہ تھا جس نے ناحق خون بہانے کی بنیاد ڈالی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کوئی نیک طریقہ رائج کرتا ہے تو اسے اس نیک کام کا ثواب بھی ملتا ہے، اسی طرح برا طریقہ رائج کرنے والے کو خود اس عمل کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے کا بھی گناہ ملتا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب بھی کوئی آدمی ظلم کے طریقہ پر قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے خون کا ایک حصہ قابیل پر بھی ہوتا ہے اس لئے کہ ناحق خون بہانے اور ظلم وستم کے ساتھ قتل کا اول موجد وہی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ
فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝
اور بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ایک ہزار سال رہے،
پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ پکڑا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

قوم نوح کا طوفان نوح میں ہلاک ہو جانے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمه" وَعُمْره أَرْبَعُونَ سَنَة أَوْ أَكْثَر "فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْف سَنَة إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا" يَدْعُوهُمْ إِلَى تَوْحِيد اللّٰه فَكَذَّبُوهُ "فَأَخَذَهُمْ الطُّوفَان" أَيْ الْمَاء الْكَثِير طَافَ بِهِمْ وَعَلَاهُمْ فَغَرِقُوا "وَهُمْ ظَالِمُونَ" مُشْرِكُونَ،

اور بیشک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی آپ ان میں پچاس برس کم ایک ہزار سال رہے، ان کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی پھر ان لوگوں کو طوفان نے آ پکڑا۔ جو بہت زیادہ پانی تھا۔ جس نے انہیں گھیر لیا اور ان کے اوپر چڑھ گیا۔ پس وہ ڈوب گئے۔ اس حال میں کہ وہ ظالم مشرک تھے۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے بہت سختیاں کی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام پچاس کم ہزار برس دعوت فرماتے رہے اور اس طویل مدت میں ان کی قوم کے بہت قلیل لوگ ایمان لائے تو آپ کچھ غم نہ کریں کیونکہ بفضلہ تعالیٰ آپ کی قلیل مدت کی دعوت سے خلق کثیر مشرف بہ ایمان ہو چکی ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝
پھر ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور کشتی والوں کو نجات بخشی اور ہم نے اس کو تمام جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی معیت میں اہل ایمان کی نجات کا بیان

"فَأَنْجَيْنَاهُ" أَيْ نُوحًا "وَأَصْحَاب السَّفِينَة" الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ فِيهَا "وَجَعَلْنَاهَا آيَة" عِبْرَة "لِلْعَالَمِينَ"

لِمَنْ بَعْدهمْ مِنْ النَّاس إنْ عَصَوْا رُسُلهمْ وَعَاشَ نُوح بَعْد الطُّوفَان سِتِّينَ سَنَة أَوْ أَكْثَر حَتَّى كَثُرَ النَّاس

پھر ہم نے نوح علیہ السلام کو اوران کے ہمراہ کشتی والوں کو نجات بخشی جو آپ کے ساتھ تھے۔اور ہم نے اس (کشتی اور واقعہ) کو تمام جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔یعنی جو لوگ ان کے بعد آئیں گے۔کہ اگر انہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی۔اور حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد ساٹھ سال یا اس سے زیادہ لوگوں میں ظاہری حیات کے ساتھ رہے۔

یہاں پر لفظ وَجَعَلْنٰهَا میں "ھا" کی ضمیر کشتی کی طرف بھی رجع ہوسکتی ہے۔جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ کشتی اس طوفان کے بعد طویل مدت جودی پہاڑ پر ہی ٹکی رہی۔لوگ اسے دیکھتے رہے اور اس سے طوفان نوح اور مجرم قوم کے انجام کی یاد تازہ ہوتی رہی۔اور "ھا" کی ضمیر اس پورے قصہ قوام نوح کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے۔اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس قوم کی سرکشی پھران کی سرکشی کے اس دردناک انجام کو ہم نے بعد میں آنے والے سب لوگوں کے کے لیے ایک مثالی بنا دیا کہ لوگ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
اور ابراہیم (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو،
یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو عبادت کا حکم دینے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "إِبْرَاهِيم إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اُعْبُدُوا اللَّه وَاتَّقُوهُ" خَافُوا عِقَابه "ذَلِكُمْ خَيْر لَكُمْ" مِمَّا أَنْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِبَادَة الْأَصْنَام "إنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" الْخَيْر مِنْ غَيْره

اور ابراہیم (علیہ السلام) کو یاد کریں جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے عذاب سے ڈرو، یہی تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے جو تم بتوں کی پوجا میں ہو اگر تم بھلائی کو اس کے غیر سے جانتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بیان ہورہا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید اللہ کی دعوت دی ریاکاری سے بچنے اور دل میں پرہیزگاری قائم کرنے کا حکم دیا اس کی نعمتوں پر شکرگزاری کرنے کو فرمایا۔اور اس کا نفع بھی بتایا کہ دنیا اور آخرت کی برائیاں اس سے دور ہوجائیں گی اور دونوں جہان کی نعمتیں اس سے مل جائیں گی۔ساتھ ہی انہیں بتایا کہ جن بتوں کی تم پرستش کر رہے ہو۔یہ تو بے ضرر اور بے نفع ہے تم نے خود ہی ان کے نام اور ان کے اجسام تراش لئے ہیں۔وہ تو تمہاری طرح مخلوق ہیں بلکہ تم سے بھی کمزور ہیں۔یہ تمہاری روزیوں کے بھی مختار نہیں۔اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو۔اسی حصہ کے ساتھ آیت (ایاک نعبد وایاک نستعین) بھی ہے کہ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔یہی حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعا میں ہے آیت

(رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ 11) 66-التحریم:11) اے اللہ میرے لئے اپنے پاس ہی جنت میں مکان بنا۔ چونکہ اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا اس لئے تم اسی سے روزیاں طلب کرو اور جب اس کی روزیاں کھاؤ تو اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ تم میں سے ہر ایک اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔ وہ ہر عامل کو اسکے عمل کا بدلہ دے گا۔ دیکھو مجھے جھوٹا کہہ کر خوش نہ ہو نظریں ڈالو کہ تم سے پہلے جنہوں نے نبیوں کو جھوٹ کی طرف منسوب کیا تھا ان کی کیسی درگت ہوئی؟ یاد رکھنا نبیوں کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ہدایت عدم ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔ اپنے آپ کو سعادت مندوں میں بناؤ بدبختوں میں شامل نہ کرو۔ حضرت قتادہ تو فرماتے ہیں اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید تشفی کی گئی ہے اس مطلب کا تقاضا تو یہ ہے کہ پہلا کام ختم ہوا۔ اور یہاں سے لے کر آیت (فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ 24) 29-العنکبوت:24) تک یہ سب عبارت بطور جملہ معترضہ کے ہے۔ ابن جریر نے تو کھلے لفظوں میں یہی کہا ہے۔ لیکن الفاظ قرآن سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا ہے آپ قیامت کے قائم ہونے کی دلیلیں پیش کر رہے ہیں کیونکہ اس تمام کلام کے بعد آپ کی قوم کا جواب ذکر ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا
یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○
تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو، بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ
تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور
اسی کا شکر بجالایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

رزق کی قدرت بھی نہ رکھنے والے معبودان باطلہ کا بیان

"اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" أَیْ غَیْرِهٖ "اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا" تَقُوْلُوْنَ كَذِبًا اِنَّ الْاَوْثَانَ شُرَكَاءُ اللّٰهِ "اِنَّ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا" لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ یَرْزُقُوْكُمْ "فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ" اُطْلُبُوْهُ مِنْهُ

تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتے ہو اور محض جھوٹ گھڑتے ہو، یعنی جھوٹ بولتے ہو کہ بت اللہ کے شریک ہیں۔ بیشک تم اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہو وہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ کی بارگاہ سے رزق طلب کیا کرو اور اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کا شکر بجالایا کرو، تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

قرآن میں بتوں کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں (۱) صنم (ج الاصنام) کے معنی وہ بت ہیں جو قابل انتقال اور قابل

فروخت ہوں خواہ یہ پیتل یا لوہے یا چاندی کے ہوں یا لکڑی کے یا پتھر کے اور صناعہ الاصنام بمعنی بت تراشی کا فن جیسے حضرت ابراہیم کا باپ آذر بت تراش بھی تھا اور بت فروش بھی۔ (۲) نصب ایسے بتوں یا مجسموں کو کہتے ہیں جنہیں کسی جگہ پوجا پاٹ کے لئے نصب کر دیا گیا ہو۔ جیسے مشرکین مکہ کے بت لات ومنات، عزیٰ اور ہبل وغیرہ تھے (۳) اوثان (وثن کی جمع) وثن کا تعلق زیادہ تر انہی مقامات سے ہوتا ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○
اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلے کئی امتیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمے تو کھلم کھلا پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔

کفار اقوام کا احکامات الٰہی کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَاِنْ تُكَذِّبُوا" اَیْ تُكَذِّبُونِیْ یَا اَهْلَ مَكَّةَ "فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ" مِنْ قَبْلِی "وَمَا عَلَى الرَّسُول اِلَّا الْبَلَاغ الْمُبِين" اِلَّا الْبَلَاغ الْبَيِّن فِی هَاتَيْنِ الْقِصَّتَيْنِ تَسْلِيَة لِلنَّبِيِّ

اور اے اہل مکہ اگر تم نے میری تکذیب کی تو تم سے پہلے کئی امتیں جھٹلا چکی ہیں جو مجھ سے پہلے تھیں۔ اور رسول کے ذمے تو کھلم کھلا پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ ان دونوں واقعات یعنی حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیان کرنے میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہے۔

انبیائے کرام کی اتباع اور مخالفت کرنے والوں کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اسی (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست و مددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء و سرداروں کا طریقہ ہے) لہٰذا (تم سے) جو خاص لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ (جو آدمی ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 154)

ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھے۔ آخر میں فرمایا گیا کہ جس آدمی کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی

موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ و عمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دھرائے گا، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر دلیل کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ يَنْظُرُوا "كَيْفَ يُبْدِءُ اللَّهُ الْخَلْقَ" هُوَ بِضَمِّ أَوَّلِهِ وَقُرِءَ بِفَتْحِهِ مِنْ بَدَأَ وَأَبْدَأَ بِمَعْنَى أَيْ يَخْلُقُهُمُ ابْتِدَاءً "ثُمَّ" هُوَ "يُعِيدُهُ" أَيِ الْخَلْقَ كَمَا بَدَأَهُمْ "إِنَّ ذَلِكَ" الْمَذْكُورَ مِنَ الْخَلْقِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي "عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ" فَكَيْفَ يُنْكِرُونَ الثَّانِيَ،

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا یہاں پر لفظ یروا یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ کہ کس طرح اللہ خلق کی ابتدا کرتا ہے، یہاں پر لفظ یبدی یہ اول کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور بداء اور ابدء دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یعنی وہ ابتدائی طور پر پیدا کرتا ہے پھر اسے دھرائے گا، یعنی دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح اس نے پہلے پیدا کیا۔ بے شک یہ یعنی جس میں خلق اول اور ثانی کو ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ لہٰذا تم اس دوبارہ والی حیات کا انکار کیسے کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارنامے لاتعداد ہیں۔ زمین پر بسنے والے جانداروں کی دس لاکھ انواع کا تا حال پتہ چل چکا ہے۔ آئندہ کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ ان میں سے ہر نوع کی تخلیق جداگانہ ہے۔ اب مثلاً ہم ایک نوع انسان ہی کو لیتے ہیں اس لئے کہ اس کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے اس کا پتلا اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس وقت وہ مردہ تھا۔ اس میں روح پھونکی تو زندہ ہو گیا۔ پھر اس کی نسلی توالد و تناسل سے چلی۔ انسان نے زمین سے حاصل ہونے والی غذائیں کھائیں یہ غذائیں مردہ اور بے جان تھیں۔ انھیں سے مرد میں منی بن گئی جس میں لاتعداد جرثومے ہوتے ہیں۔ یہی منی مادہ کے رحم میں پہنچتی تو اس کے مادہ سے مل کر نطفہ بنی، نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا بنی۔ اب تک یہ سب کچھ مردہ اور بے حرکت تھا۔ بعد میں اللہ نے اس لوتھڑے کو روح عطا کی تو یہ لوتھڑا جاندار اور متحرک بن گیا۔ اب انسان کی شکل و صورت کی باری آئی۔ رحم مادر میں اتنے خلیے ہوتے ہیں جن کی تعداد صرف اللہ کو معلوم ہے۔ ان میں سے ہر ایک خلیہ اپنے ہی کام لگا ہوتا ہے نہ یہ اپنے راستے سے ہٹتا ہے کہ راستہ بھولتا ہے نہ کسی دوسرے خلیے کے کام میں دخل دیتا ہے۔ ناک کا خلیہ اسی جگہ پہنچے گا جہاں ناک کی جگہ ہے، آنکھ کا آنکھ کی جگہ، کان کا کان کی جگہ اور ایڑی کا ایڑی کی جگہ پر پہنچے گا۔ اور یہ خلیے براہ راست اپنے اپنے مقام پر پہنچ کر اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ تا آنکہ انسان کی ایک خاص شکل و صورت بن جاتی ہے اور رحم مادر میں یہ ایسا مضبوط اور مضبوط نظام ہے جس میں خلف نہیں ہوتا۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی انسان کی ناک کا ایک نتھنا چھوٹا ہو، دوسرا بڑا ہو، یا ایک نتھنا لمبوترا ہو تو دوسرا چپٹا ہو۔ یہی حال دوسرے اعضا کا ہے۔ پھر ایک مقررہ مدت کے بعد انسان زندہ اور شکل و صورت والا بن کر رحم مادر سے باہر آ جاتا ہے۔ گویا

مردہ غذاؤں سے اللہ نے زندہ چیز بنا دی۔ اور یہ عمل حیوانات اور نباتات اور انسان غرضیکہ تمام انواع میں ہمہ وقت جاری وساری ہے۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توالد وتناسل کے ذریعہ پیدائش ہر نوع کے ابتدائی جاندار کی نسبت اللہ کے لئے زیادہ آسان ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان زندہ تھا وہ مر گیا۔ اور مٹی میں مل گیا۔ اور قیامت کو وہی انسان دوبارہ اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ مٹی کے اندر جو تغیرات ہوں گے اور جس طرح انسان دوبارہ پیدا ہوگا یہ باتیں انسان کی تحقیق سے باہر ہیں۔ تاہم یہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کے لئے ضرورت نہیں کہ نقش ثانی کا نقش اول کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اور دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ جو ہستی رحم مادر میں اس قدر منضبط اور مربوط نظام قائم کر کے مردہ اشیاء سے زندہ انسان نما کھڑا سکتی ہے وہ یقیناً مٹی میں بھی ملے ہوئے اجزا سے بھی ہر انسان کو دوبارہ پیدا کر سکتی ہے۔ اور یہ دوسری بار کی پیدائش اس کے لئے یہ نسبتاً آسان چیز ہے۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌۚ۝
فرما دیجئے: تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ اس نے مخلوق کی ابتداء کیسے فرمائی پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر
نشوونما دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

زمین کی سیر سے دوبارہ زندگی پر غور وفکر کرنے کا بیان

"قُلْ سِیرُوا فِی الْأَرْض فَانْظُرُوا كَیْفَ بَدَأَ الْخَلْق " لِمَنْ كَانَ قَبْلكُمْ وَأَمَاتَهُمْ "ثُمَّ اللَّه یُنْشِئ النَّشْأَة الْآخِرَة" مَدًّا وَقَصْرًا مَعَ سُكُون الشِّین "إنَّ اللَّه عَلَى كُلّ شَیْء قَدِیر" وَمِنْهُ الْبَدْء وَالْإِعَادَة

فرما دیجئے: تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور وتحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی ابتداء کیسے فرمائی جو تم سے پہلے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔ پھر وہ دوسری زندگی کو کس طرح اٹھا کر نشوونما دیتا ہے۔ یہاں پر لفظ نشاۃ یہ مد اور قصر دونوں کے ساتھ بمع سکون آیا ہے۔ بیشک اللہ ہر شے پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔ اور اسی سے ابتداء واعادہ ہے۔

یعنی جب یہ یقین سے جان لیا کہ پہلی مرتبہ اللہ ہی نے پیدا کیا تو معلوم ہو گیا کہ اس خالق کا مخلوق کو موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کچھ بھی متعذر نہیں۔

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُۚ وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ۝وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ
فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۝
وہ عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم زمین اور
آسمان میں عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔

زمین و آسمان میں رہنے والوں کیلئے قدرت الٰہی کے احاطہ میں ہونے کا بیان

"يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ" تَعْذِيبه "وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ" رَحْمَته "وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ" تُرَدُّونَ "وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ" رَبّكُمْ عَنْ إِدْرَاككُمْ "فِي الْأَرْض وَلَا فِي السَّمَاء" لَوْ كُنْتُمْ فِيهَا : أَيْ لَا تَفُوتُونَهُ "وَمَا لَكُمْ مِنْ دُون اللَّه" أَيْ غَيْره "مِنْ وَلِيّ" يَمْنَعكُمْ مِنْهُ "وَلَا نَصِير" يَنْصُركُمْ مِنْ عَذَابه

وہ اپنے عذاب سے عذاب دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اپنی رحمت سے رحم کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم زمین اور آسمان میں عاجز نہیں کر سکتے یعنی جب تم زمین و آسمان میں ہو تو اللہ کی پکڑ سے بچ کر نکلنے والے نہیں ہو۔ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں جو تمہیں اس سے بچا سکے اور مددگار بھی نہیں ہے۔ جو تمہیں اس کے عذاب سے بچا سکے۔

یعنی نہ تم میں اتنا زور ہے کہ زمین کی حدود سے باہر نکل جاؤ اور نہ اتنی طاقت ہے کہ آسمانوں تک پہنچ جاؤ۔ یہ غالباً اس لئے فرمایا کہ انسان اس زمین کے علاوہ کسی دوسری جگہ زندہ رہ ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کی تمام غذائی اور جسمانی ضروریات اس زمین سے وابستہ ہیں الا یہ کہ چند دنوں کے لئے کوئی عارضی سا بندوبست کر لے اور جب اللہ کی گرفت آ جائے تو نہ تم میں اتنا زور ہے کہ اس کی گرفت سے بچ سکو اور نہ کوئی دوسری ہستی اتنی طاقتور ہے کہ وہ اس کے عذاب سے تمہیں پناہ دے سکے یا اس کے عذاب کو روک سکے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝
اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو چکے اور یہی لوگ ہیں
جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

قرآن و آخرت کی تکذیب والوں کیلئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّه وَلِقَائِهِ" أَيْ الْقُرْآن وَالْبَعْث "أُولَئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي" أَيْ جَنَّتِي "وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات یعنی قرآن اور اس کی ملاقات یعنی بعث کا انکار کیا وہ میری رحمت یعنی جنت سے ناامید ہو چکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ کی آیات سے انکاری درحقیقت اللہ کی رحمت سے دوری کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یعنی جو لوگ عقیدہ آخرت، اللہ سے ملاقات اور بعث بعد الموت کے منکر ہیں انھیں رحمت الٰہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس بات کے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے محروم اور مایوس ہی رہیں گے پہلے یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں تو انھیں یقین رکھنا چاہئے کہ ان کی موت جلد ہی آنے والی ہے (۲۹:۵) یعنی موت کے فوراً بعد اللہ کی رحمت اسے اپنی آغوش میں لے لے گی۔ یہ

دونوں طرح کی آیات ایک دوسری کا عکس ہیں۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○
پس قوم ابراہیم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: تم اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، پھر اللہ نے اسے آگ سے
نجات بخشی، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لائے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے آگ کے گلزار ہونے میں نشانیوں کا بیان

"فَمَا كَانَ جَوَاب قَوْمه إِلَّا أَنْ قَالُوا اُقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّه مِنْ النَّار " الَّتِي قَذَفُوهُ فِيهَا بِأَنْ جَعَلَهَا عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا "إِنَّ فِي ذَلِكَ" أَيْ إِنْجَائِهِ مِنْهَا "لَآيَات" هِيَ عَدَم تَأْثِيرهَا فِيهِ مَعَ عِظَمهَا وَإِخْمَادهَا وَإِنْشَاء رَوْض مَكَانهَا فِي زَمَن يَسِير "لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ " يُصَدِّقُونَ بِتَوْحِيدِ اللَّه وَقُدْرَته لِأَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُونَ بِهَا

پس قوم ابراہیم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہنے لگے: تم اسے قتل کر ڈالو یا اسے جلا دو، پھر اللہ نے اسے آگ سے نجات بخشی، یعنی وہ آگ جس میں آپ کو ڈال دیا گیا تو وہ آپ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی۔ بیشک اس واقعہ جس میں آپ کی نجات ہوئی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ آگ کے اتنے بڑے آلاؤ ہونے کے باوجود اثر نہ کرنا اور اس کا ٹھنڈا ہو جانا اور وہاں ایک مدت تک کیلئے بوستان بن جانا یہ نشانیاں ان کیلئے ہیں جو ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ وہی اللہ کی توحید وقدرت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور وہی ان نشانیوں سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔

نار نمرود کے ٹھنڈا ہو جانے کا بیان

حضرت ابراہیم کا یہ عقلی اور نقلی دلائل کا وعظ بھی ان لوگوں کے دلوں پر اثر نہ کر سکا اور انہوں نے یہاں بھی اپنی اس شقاوت کا مظاہرہ کیا جواب تو دلیلوں کا دے نہیں سکتے تھے لہذا اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور اپنی طاقت سے سچ کو روکنے لگے کہنے لگے ایک گڑھا کھودو اس میں آگ بھڑکاؤ اور اس آگ میں اسے ڈال دو کہ جل جائے۔ لیکن اللہ نے ان کے اس مکر کو انہی پر لوٹا دیا مدتوں تک لکڑیاں جمع کرتے رہیں اور ایک گڑھا کھود کر اس کے اردگرد احاطے کی دیواریں کھڑی کر کے لکڑیوں میں آگ لگادی جب اس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے اور اتنی زور کی آگ روشن ہوئی کہ زمین پر کہیں اتنی آگ نہیں دیکھی گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر باندھ کر منجنیق میں ڈال کر جلا کر اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ نے اسے اپنے خلیل علیہ السلام پر باغ و بہار بنا دیا آپ کئی دن کے بعد صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے۔ یہ اور اس جیسی قربانیاں تھیں جن کے باعث آپ کو امامت کا منصب عطا ہوا۔ اپنا نفس آپ نے رحمان کے لئے اپنا جسم آپ نے میزان کے لئے اپنی اولاد آپ نے قربان کے لئے اپنا مال آپ نے

فیضان کے لئے کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کل ادیان والے آپ سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ نے آگ کو آپ کے لئے باغ بنادیا اس واقعہ میں ایمانداروں کے لئے قدرت الہٰی کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ جن بتوں کو تم نے معبود بنا رکھا ہے یہ تمہارا ایکا اور اتفاق دنیا تک ہی ہے۔ مودۃ زبر کے ساتھ مفعول لہ ہے۔ ایک قرأت میں پیش کے ساتھ بھی ہے یعنی تمہاری یہ بت پرستی تمہاری لئے گو دنیا کی محبت حاصل کرادے۔ لیکن قیامت کے دن معاملہ برعکس ہوجائے گا مودۃ کی جگہ نفرت اور اتفاق کے بدلے اختلاف ہوجائے گا۔ ایک دوسرے سے جھگڑو گے ایک دوسرے پر الزام رکھو گے ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے۔ ہر گروہ دوسرے گروپ پر پھٹکار برسائے گا۔ سب دوست دشمن بن جائیں گے ہاں پرہیزگار نیک کار آج بھی ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست رہیں گے۔ کفار سب کے سب میدان قیامت کی ٹھوکریں کھا کھا کر بالآخر جہنم میں جائیں گے۔ گو اتنا بھی نہ ہوگا کہ ان کی کسی طرح مدد کر سکے۔ حدیث میں ہے تمام اگلے پچھلوں کو اللہ تعالیٰ ایک میدان میں جمع کرے گا۔ کون جان سکتا ہے کہ دونوں سمت میں کس طرف؟ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ ہیں جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ علم والا ہے۔ پھر ایک منادی عرش تلے سے آواز دے گا کہ اے موحدو! بت توحید والے اپنا سر اٹھائیں گے پھر یہی آواز لگائے گا پھر سہ بارہ یہی پکارے گا اور کہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری تمام لغزشوں سے درگزر فرمالیا۔ اب لوگ کھڑے ہونگے اور آپ کی ناچاقیوں اور لین دین کا مطالبہ کرنے لگیں گے تو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی طرف سے آواز دی جائے گی کہ اے اہل توحید تم تو آپس میں ایک دوسرے کو معاف کردو تمہیں اللہ بدل دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
اور ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا بس تم نے تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے محض دنیوی زندگی میں آپس کی دوستی
کی خاطر پھر روز قیامت تم میں سے ایک دوسرے کا انکار کردے گا اور تم میں سے ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا،
تو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

بتوں کی پوجا کے سبب عذاب جہنم ہونے کا بیان

"وَقَالَ" اِبْرَاهِيم "إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُون اللّٰه أَوْثَانًا" تَعْبُدُونَهَا وَمَا مَصْدَرِيَّة "مَوَدَّة بَيْنكُمْ" خَبَر إِنَّ وَعَلَى قِرَاءَة النَّصْب مَفْعُول لَهُ وَمَا كَافَّة الْمَعْنَى : تَوَادَدْتُمْ عَلَى عِبَادَتهَا "فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْم الْقِيَامَة يَكْفُر بَعْضكُمْ بِبَعْضٍ" يَتَبَرَّأ الْقَادَة مِنْ الْأَتْبَاع "وَيَلْعَن بَعْضكُمْ بَعْضًا" يَلْعَن الْأَتْبَاع الْقَادَة "وَمَأْوَاكُمْ" مَصِيركُمْ جَمِيعًا "النَّار وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ" مَانِعِينَ مِنْهَا

اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ بس تم نے تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنالیا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور یہاں پر لفظ ما،

مصدر یہ ہے۔ محض دنیوی زندگی میں آپس کی دوستی کی خاطر، یہاں پر مودۃ یہ ان کی خبر ہے اور ایک قرأت میں نصب مفعول لہ ہونے کے سبب سے ہے اور ما کافہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ تمہاری باہمی دوستی بتوں کی عبادت کی وجہ سے ہے۔ جو دنیا کی زندگی میں ہے پھر روز قیامت تم میں سے ہر ایک دوسرے کی دوستی کا انکار کر دے گا یعنی قائد اپنے ماتحت سے برأت کا اظہار کرے گا۔ اور تم میں سے ہر ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا یعنی اتباع والا قائد پر لعنت بھیجے گا۔ تو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ یعنی تمہیں اس سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

یعنی قیامت کے دن معبود حضرات خود اپنے پرستاروں کی عبادت کی انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ کم بختو! ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہمارے بعد ہماری پوجا شروع کر دینا اور اس بات کا بھی اقرار کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ان لوگوں نے ہمیں اپنا معبود بنالیا تھا۔ جب معبودوں کا یہ حال ہوگا تو عبادت گزاروں پر، جنہوں نے ان سے کئی طرح کی توقعات وابستہ کر رکھیں ہوں گی، جو گزرے گی اس کا بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا عابد، معبود دونوں ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجنے لگیں گے اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جتنی آج یہ اپنے معبودوں اور اپنے ساتھیوں سے دوستی جتلا رہے ہیں۔ اتنے ہی زیادہ اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝
پھر لوط (علیہ السلام) ان پر ایمان لے آئے اور انہوں نے کہا: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔
بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شام کی طرف ہجرت فرمانے کا بیان

"فَاٰمَنَ لَهٗ" صَدَّقَ بِإِبْرَاهِيم "لُوط" وَهُوَ ابْن أَخِيهِ هَارَان "وَقَالَ" إبْرَاهِيم "إنِّي مُهَاجِر" مِنْ قَوْمِي "إلَى رَبِّي" إلَى حَيْثُ أَمَرَنِي رَبِّي وَهَجَرَ قَوْمه وَهَاجَرَ مِنْ سَوَاد الْعِرَاق إلَى الشَّام "إنَّهُ هُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه

پھر لوط علیہ السلام ان پر یعنی ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور وہ آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے۔ اور حضرت ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف یعنی قوم کو چھوڑ کر ہجرت کرنے والا ہوں۔ یہاں ہجرت کا حکم مجھے میرے رب نے دیا ہے۔ تو آپ نے عراق سے شام کی جانب ہجرت فرمائی۔ بیشک وہ اپنے ملک میں غالب ہے اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔

یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے یہ معجزہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہیں۔ ایمان سے تصدیق رسالت ہی مراد ہے کیونکہ اصل توحید کا اعتقاد تو ان کو ہمیشہ سے حاصل ہے اس لئے انبیاء ہمیشہ ہی مومن ہوتے ہیں اور کفران سے کسی حال میں متصور نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کی ہجرت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین بار توریہ کے اور ان میں سے بھی وہ جھوٹ اللہ کے لئے بولے تھے۔ ان میں ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں آج علیل سا ہوں۔ دوسرا یہ کہنا تھا کہ "بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو تیسرا توریہ نکلا تھا وہ ان کا یہ کہنا تھا کہ "یہ میری بہن ہے" اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جا رہے تھے کہ ان کا گزر ایک بڑے ظالم وجابر حاکم کے شہر سے ہوا چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک "حسین وجمیل عورت ہے، اس حاکم نے یہ سنتے ہی ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر انہوں نے سارہ کے پاس واپس آ کر ان کو اس جابر حاکم کے برے ارادے سے نجات پانے کی تدبیر بتائی اور کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا پس اگر وہ تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو لہٰذا خود کو میری بہن بتاتے وقت دینی اخوت کی نیت کر لینا اور یہ نیت اس لئے بھی صحیح ہوگی کہ اس سرزمین پر سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔ لہٰذا اس ظالم نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہ کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہ اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی قیام گاہ پر) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو وہ اس کا حسن وجمال دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا اور یا تو ان سے پوچھے اور تحقیق کئے بغیر کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا رشتہ رکھتی ہیں، یا پوچھنے اور سارہ کے یہ کہنے کے باوجود یکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہیں اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا اور ان کی عفت وعصمت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا۔

ایک روایت میں یا تو فاخذ کی بجائے یا اس لفظ کے ساتھ مزید غط کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے بہر حال وہ عتاب الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد زمین پر پیر مارنے لگا یعنی جس طرح کوئی آسیب زدہ یا مرگی میں مبتلا شخص زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے پیر پٹخنے لگا پھر اس نے سارہ سے کہا کہ میں اپنے ارادہ بد سے باز آیا تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا یعنی تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

چنانچہ حضرت سارہ نے دعا کی اور اس ظالم کی خلاصی ہو گئی لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت عتاب الٰہی میں پکڑا گیا اس نے پھر حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں اب صدق دل کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا

کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہوگئی۔ اس کے بعد اس ظالم اپنے دربانوں میں کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے (کہ جس پر قابو پاسکتا) بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے کہ اس پر قابو پانے کے بجائے خود الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہوں یہ تو تو نے میرے لئے موت کا سامان فراہم کردیا ہے پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ نامی ایک لونڈی دی اور ان کو واپس بھیج دیا سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔

کیونکہ اس وقت تک ان کو اس ظالم کے پنجہ سے سارہ کی رہائی کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور سارہ کی باعفت وعافیت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھا تو نماز ہی میں اپنے ہی میں اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کا حال ہے اور تم پر کیا بیتی؟ حضرت سارہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینے میں ہی لوٹا دیا (یعنی اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے جس بدنیتی کا اظہار کیا وہ الٹے اس کے گلے پڑگئی، مجھے تو وہ کوئی نقصان پہنچا نہیں سکا خود عذاب الٰہی میں ضرور پھنس گیا تھا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ کو میرے ساتھ کردیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! وہی ہاجرہ تم سب کی ماں ہیں۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 269)

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ
فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○
اور ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر فرمادی
اور ہم نے انھیں دنیا میں ان کا صلہ عطا فرمادیا، اور بیشک وہ آخرت میں نیکوکاروں میں سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر جمیل کو مختلف شرائع میں ہونے کا بیان

"وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاق " بَعْد إِسْمَاعِيل "وَيَعْقُوب" بَعْد إِسْحَاق "وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّته النُّبُوَّة " فَكُلّ الْأَنْبِيَاء بَعْد إِبْرَاهِيم مِنْ ذُرِّيَّته "وَالْكِتَاب" بِمَعْنَى الْكُتُب : أَيْ التَّوْرَاة وَالْإِنْجِيل وَالزَّبُور وَالْفُرْقَان "وَآتَيْنَاهُ أَجْره فِي الدُّنْيَا" وَهُوَ الثَّنَاء الْحَسَن فِي كُلّ أَهْل الْأَدْيَان إِنَّ اسْتِعْمَال عِبَارَة الشَّرَائِع بَدَل الْأَدْيَان أَدَقّ وَأَوْفَق لِأَنَّهُ لَا دِين صَحِيح إِلَّا الْإِسْلَام وَدِين كُلّ نَبِيّ مِنْ الْأَنْبِيَاء هُوَ الْإِسْلَام إِنَّمَا الشَّرَائِع أَيْ الْأَحْكَام هِيَ الَّتِي تَخْتَلِف "وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَة لَمِنْ الصَّالِحِينَ " الَّذِينَ لَهُمْ الدَّرَجَات الْعُلَى،

اور ہم نے انھیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اسحاق اور اور اسحاق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام عطا فرمائے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ سب آپ کی اولاد سے نبی ہوئے۔ اور کتاب مقرر

فرمادی، یہاں پر کتاب بہ معنی کتب ہے۔ یعنی تورات، انجیل، زبور اور فرقان ہے۔ اور ہم نے انھیں دنیا میں ہی ان کا صلہ عطا فرما دیا، اور وہ ان کی اچھی تعریف ہے جو سارے اہل ادیان اپنی شریعت کے مطابق عبارات میں استعمال کرتے ہیں۔ یہاں لفظ شرائع کو ادیان کے بدل میں لائے کیونکہ یہ زیادہ دقیق وا وفق ہے۔ کیونکہ دین صرف اسلام درست ہے۔ اور ہر نبی کا دین، دین اسلام ہے جبکہ شرائع یعنی احکام میں اختلاف رہا ہے۔ اور بیشک وہ آخرت میں بھی نیکو کاروں میں سے ہیں۔ یعنی آپ بلند درجات میں ہوں گے۔

حضرت ابراہیم پر جتنے بھی ابتلاء کے دور آئے ان سب میں آپ کامیاب رہے جب ہجرت کی تو اس وقت تک آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ گھر بار اور وطن اور عزیز و اقارب چھوڑنے پر اللہ نے آپ کو اولاد عطا فرمادی کہ دل بہلا رہے۔ مزید یہ انعام فرمایا کہ نبوت آپ ہی خاندان سے مختص فرمادی۔ آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے آپ ہی نسل سے آئے۔ اسی لئے آپ کو ابوالانبیاء بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں سے صرف آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل کی اولاد سے مبعوث ہوئے باقی سب حضرت اسحاق بلکہ ان کے بیٹے حضرت یعقوب کی اولاد سے تھے۔ جنہیں اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔

دنیا میں ایک تو یہ اجر دیا کہ نبوت کو ان کے خاندان سے مختص کر دیا اور دوسرا اجر یہ دیا کہ آپ کو تمام لوگوں کا امام اور پیشوا بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں بلکہ اور بھی کئی مذاہب کے ہاں یکساں محترم ہیں حتیٰ کہ مکہ کے مشرکین بھی اپنے آپ کو انہی سے منسوب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر مزید مہربانی یہ تھی کہ رہتی دنیا تک آپ کا ذکر خیر ان میں چھوڑ دیا۔ امت محمدیہ میں اس ذکر خیر کی صورت یہ ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی ہر نماز میں آپ پر دورد پڑھے۔ اور آخرت میں آپ کو اعلیٰ درجہ کے صالحین (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) میں شامل کیا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○
اور لوط (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بیشک تم بڑی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو،
اقوام عالم میں سے کسی ایک نے اس میں تم سے پہل نہیں کی۔

قوم لوط کا برائی میں سب سے پہلے پہل کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "لُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَإِنَّكُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ "لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَة" أَيْ: أَدْبَار الرِّجَال "مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَد مِنْ الْعَالَمِينَ" الْإِنْس وَالْجِنّ

اور لوط علیہ السلام کو یاد کریں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: بیشک تم بڑی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو، یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں مقامات پر الف درمیان داخل کیا گیا ہے۔ یعنی مردوں سے

لواطت کرتے ہو اقوام عالم یعنی جن وانس کے عالم میں سے کسی ایک قوم نے بھی اس بے حیائی میں تم سے پہل نہیں کی۔

سب سے خراب عادت کا بیان

لوطیوں کی مشہور بدکرداری سے حضرت لوط انہیں روکتے ہیں کہ تم جیسی خباثت تم سے پہلے تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ کفر، تکذیب رسول، اللہ کے حکم کی مخالفت تو خیر اور بھی کرتے رہے مگر مردوں سے حاجت روائی تو کسی نے بھی نہیں کی۔ دوسری بدخلصت ان میں یہ بھی تھی کہ راستے روکتے تھے ڈاکے ڈالتے تھے قتل وفساد کرتے تھے مال لوٹ لیتے تھے مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو نہیں روکتا تھا یہاں تک کہ بعض کا قول ہے کہ وہ لواطت بھی علی الاعلان کرتے تھے گویا سوسائٹی کا ایک مشغلہ یہ بھی تھا ہوائیں نکال کر ہنستے تھے مینڈھے لڑواتے اور بدترین برائیاں کرتے تھے اور علی الاعلان مزے لے لے کر گناہ کرتے تھے۔ حدیث میں ہے رہ چلتوں پر آوازہ کشی کرتے تھے۔ اور کنکر پتھر پھینکتے رہتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے کبوتر بازی کرتے تھے ننگے ہو جاتے تھے۔ کفر عناد سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ نبی کے سمجھانے پر کہنے لگے جا جا پس نصیحت چھوڑ جن عذابوں سے ڈرا رہا ہے انہیں تو لے آ۔ ہم بھی تیری سچائی دیکھیں۔ عاجز آ کر حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا دیئے کہ اے اللہ! ان مفسدوں پر مجھے غلبہ دے میری مدد کر۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝
کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور ڈاکہ زنی کرتے ہو اور اپنی مجلس میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو، تو ان کی قوم کا
جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے: تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

قوم لوط کا سرعام بے حیائی کرنے کا بیان

"أَإِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَال وَتَقْطَعُونَ السَّبِيل" طَرِيق الْمَارَّة بِفِعْلِكُمْ الْفَاحِشَة بِمَنْ يَمُرّ بِكُمْ فَتَرَكَ النَّاس الْمَمَرّ بِكُمْ "وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ" أَيْ مُتَحَدَّثكُمْ "الْمُنْكَر" فِعْل الْفَاحِشَة بَعْضكُمْ بِبَعْضٍ "فَمَا كَانَ جَوَاب قَوْمه إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّه إِنْ كُنْت مِنْ الصَّادِقِينَ" فِي اسْتِقْبَاح ذَلِكَ وَأَنَّ الْعَذَاب نَازِل بِفَاعِلِيهِ

کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور ڈاکہ زنی کرتے ہو یعنی راستے سے گزرنے والے سے بے حیائی کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے پاس سے گزرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنی بھری مجلس میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو، یعنی ایک دوسرے کے ساتھ بے حیائی کرتے ہو۔ تو ان کی قوم کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کہنے لگے: تم ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ یعنی اس برے کام پر اگر عذاب نازل ہونا ہے تو تم لے آؤ۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ٥

لوط (علیہ السلام) نے عرض کیا: اے رب! تو فساد انگیزی کرنے والی قوم کے خلاف میری مدد فرما۔

حضرت لوط علیہ السلام کی دعا کے قبول ہو جانے کا بیان

"قَالَ رَبِّ انْصُرْنِی" بِتَحْقِیقِ قَوْلِی فِی إِنْزَال الْعَذَاب "عَلَی الْقَوْم الْمُفْسِدِینَ" الْعَاصِینَ بِإِتْیَان الرِّجَال فَاسْتَجَابَ اللّٰه دُعَاءَهٗ

حضرت لوط علیہ السلام نے عرض کیا اے رب! تو فساد انگیزی کرنے والی قوم کے خلاف میری مدد فرما۔ یعنی میرے قول نزول عذاب کو ثابت کردے۔ کیونکہ لوگوں نافرمانی پر اتر آئے ہیں۔ پس اللہ نے آپ کی دعا کو قبول کرلیا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ٥

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر آئے تو انہوں نے کہا یقیناً ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے رہنے والے ظالم چلے آئے ہیں۔

قوم لوط کی بستی کی ہلاکت کیلئے فرشتوں کے آنے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلنَا إِبْرَاهِیم بِالْبُشْرَی" بِإِسْحَاق وَیَعْقُوب بَعْده "قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْل هَذِهِ الْقَرْیَة" أَیْ قَرْیَة لُوط "إِنَّ أَهْلهَا كَانُوا ظَالِمِینَ" كَافِرِینَ

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس حضرت اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی خوش خبری لے کر آئے تو انہوں نے کہا یقیناً ہم اس بستی یعنی لوط علیہ السلام کی بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، بے شک اس کے رہنے والے ظالم یعنی کافر چلے آئے ہیں۔

فرشتوں کی آمد کا بیان

حضرت لوط علیہ السلام کی جب نہ مانی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جس پر فرشتے بھیجے گئے۔ یہ فرشتے بشکل انسان پہلے بطور مہمان کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ آپ نے ضیافت کا سامان تیار کیا اور سامنے لا رکھا۔ جب دیکھا کہ انہوں نے اس کی رغبت نہ کی تو دل ہی دل میں خوفزدہ ہو گئے تو فرشتوں نے ان کی دلجوئی شروع کی اور خبر دی کہ ایک نیک بچہ ان کے ہاں پیدا ہوگا۔ حضرت سارہ جو وہاں موجود تھیں یہ سن کر تعجب کرنے لگیں جیسے سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں مفصل تفسیر گذر چکی ہے۔ اب فرشتوں نے اپنا اصلی ارادہ ظاہر کیا۔ جسے سن کر خلیل الرحمٰن کو خیال آیا کہ اگر وہ لوگ کچھ اور ڈھیل دے دیئے جائیں تو کیا عجب کہ راہ راست پر آ جائیں۔ اس لئے آپ فرمانے لگے کہ وہاں تو لوط نبی علیہ السلام ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا ہم ان سے غافل نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ انہیں اور ان کے خاندان کو بچالیں۔ ہاں ان کی بیوی تو بیشک ہلاک ہوگی۔ کیونکہ وہ

اپنی قوم کے کفر میں ان کا ساتھ دیتی رہی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر خوبصورت قریب البلوغ بچوں کی صورتوں میں یہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہیں دیکھتے ہی لوط شش و پنج میں پڑ گئے کہ اگر انہیں ٹھہراتے ہیں تو ان کی خبر پاتے ہی کفار بھڑ بھڑا کر آ جائیں گے اور مجھے تنگ کریں گے اور انہیں بھی پریشان کریں گے۔ اگر نہیں ٹھہراتا تو یہ انہی کے ہاتھ پڑ جائیں گے قوم کی خصلت سے واقف تھے اس لئے ناخوش اور سنجیدہ ہو گئے۔ لیکن فرشتوں نے ان کی یہ گھبراہٹ دور کر دی کہ آپ گھبرایئے نہیں رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے آئیں ہیں۔ آپ اور آپ کا خاندان سوائے آپ کی اہلیہ کے بچ جائے گا۔ باقی ان سب پر آسمانی عذاب آئے گا اور انہیں ان کی بدکاری کا نتیجہ دکھایا جائے گا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو زمین سے اٹھایا اور آسمان تک لے گئے اور وہاں سے الٹ دیں پھر ان پر ان کے نام کے نشاندار پتھر برسائے گئے اور جس عذاب الٰہی کو وہ دور سمجھ رہے تھے وہ قریب ہی نکل آیا۔ ان کی بستیوں کی جگہ ایک کڑوے گندے اور بدبودار پانی کی جھیل رہ گئی۔ جو لوگوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اور عقلمند لوگ اس ظاہری نشان کو دیکھ کر ان کی بری طرح ہلاکت کو یاد کر کے اللہ کی نافرمانیوں پر دلیری نہ کریں۔ عرب کے سفر میں رات دن یہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔ (ابن کثیر، سورہ عنکبوت)

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝
ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اس میں تو لوط (علیہ السلام بھی) ہیں، انہوں نے کہا ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو اس میں ہیں
ہم لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی عورت کے ضرور بچالیں گے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عذاب سے فرشتوں سے صالحین کی نجات سے متعلق بتانے کا بیان

"قَالَ" إبْرَاهِيم "إنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا" أَيْ الرُّسُل "نَحْنُ أَعْلَم بِمَنْ فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "وَأَهْله إلَّا امْرَأَته كَانَتْ مِنْ الْغَابِرِينَ" الْبَاقِينَ فِي الْعَذَاب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہیں، انہوں نے کہا: ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جن کو ہم نے نجات دینی ہے یہاں پر لفظ نجی تخفیف و تشدید دونوں طرح آیا ہے۔ جو جو اس میں رہتے ہیں ہم لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی عورت کے ضرور بچالیں گے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ یعنی وہ عذاب والوں میں رہ جانے والی ہے۔

اس خوشخبری کے بعد فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو بتلایا کہ دراصل ایک اور مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ وہ جو سامنے بستی نظر آ رہی ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسے تباہ و برباد کر دیں۔ کیونکہ اس بستی کے باشندے اللہ کے نافرمان سرکش لوگ ہیں۔ فرشتوں نے جس طرف اشارہ کیا وہ وہی سدوم کا علاقہ تھا۔ جہاں خود حضرت ابراہیم نے حضرت لوط کو تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ لہٰذا وہ فوراً بول اٹھے۔ وہاں تو لوط بھی موجود ہیں۔ کیا تم اس کے وہاں ہوتے ہوئے اس بستی کو تباہ و برباد کر دو گے۔ اس آیت میں تو اتنی ہی بات

مذکور ہے۔لیکن ایک دوسرے مقام پر (یُجَادِلُنَا سورۃ ہود:74) کے الفاظ آئے ہیں۔یعنی حضرت ابراہیم نے فرشتوں سے پوری طرح بحث کی تھی کہ لوط کے علاوہ فلاں ایمان دار بھی وہاں موجود ہے۔اور فلاں بھی۔تو ان لوگوں کے ہوتے ہوئے تم کیونکر اس بستی کو ہلاک کردو گے؟ فرشتوں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ وہاں کون کون ایماندار موجود ہے۔ہم پہلے ان کو بچانے کی صورت بنائیں گے۔تب ہی اس بستی کو غارت کریں گے۔البتہ لوط کے گھر والوں میں سے حضرت لوط کی بیوی بھی اس عذاب سے تباہ ہوگی۔کیونکہ وہ اپنے خاوند کی وفادار نہیں بلکہ خائن ہے۔فرشتوں کے اس جواب سے حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ اب اس بستی کی شامت آ کے ہی رہے گی۔دراصل وہ اپنی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے چاہتے یہ تھے کہ اس ظالم قوم کو سنبھلنے کے لیے کچھ مزید مہلت مل جائے۔مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ عذاب الہٰی کا نزول طے ہو چکا تھا۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ
وَ لَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ٥
اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو وہ ان سے رنجیدہ ہوئے اوران کے باعث نڈھال
سے ہو گئے اور کہا: آپ نہ خوفزدہ ہوں اور نہ غم زدہ ہوں، بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچانے والے ہیں
سوائے آپ کی عورت کے وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

مہمانوں کی صورت میں عذاب کے فرشتوں کے آنے کا بیان

"وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ" حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ "وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا" صَدْرًا لِأَنَّهُمْ حِسَان الْوُجُوه فِي صُورَة أَضْيَاف فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمه فَأَعْلَمُوهُ أَنَّهُمْ رُسُل رَبّه "وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَن إنَّا مُنَجُّوك" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف "وَأَهْلك إلَّا امْرَأَتك كَانَتْ مِنْ الْغَابِرِينَ" وَنَصْب أَهْلك عَطْف عَلَى مَحَلّ الْكَاف،

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے رنجیدہ ہوئے اوران کے ارادہ عذاب کے باعث نڈھال سے ہو گیا اور دل میں تنگی محسوس کی کیونکہ وہ مہمانوں کی صورت میں نہایت خوبصورت تھے جبکہ انہیں اپنی قوم کا اندیشہ بھی تھا تو انہوں نے آپ کو بتا دیا کہ ہم آپ کے رب کی طرف سے فرشتے ہیں۔اور فرشتوں نے کہا: آپ نہ خوفزدہ ہوں اور نہ غم زدہ ہوں، بیشک ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچانے والے ہیں یہاں پر لفظ منجوک یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔سوائے آپ کی عورت کے وہ عذاب کے لئے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔یہاں پر اہلک کا نصب محل کاف پر عطف ہونے کے سبب سے ہے۔

فرشتے وہاں حضرت ابراہیم سے رخصت ہو کر سیدھے حضرت لوط کے گھر آ پہنچے۔اب صرف انسانی شکل میں نہیں بلکہ بے

ریش خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے۔ جو قوم لوط کے اوباش لوگوں کے لئے اپنے اندر کشش رکھتے تھے۔ ان کو دیکھ کر حضرت لوط کے دل میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ کہ اب یہ اوباش ان سے بھی وہی سلوک کرے گی جو مسافروں، مہمانوں اور راہ گیروں سے کیا کرتی ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط کے اس خوف اور خطرہ کو فوراً بھانپ لیا اور کہنے لگے۔ تمہارے ڈرنے اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝
وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝
بیشک ہم اس بستی کے باشندوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے ان لوگوں کے لیے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی جو عقل رکھتے ہیں۔

فسق و فجور کے سبب عذاب آنے کا بیان

"إِنَّا مُنْزِلُونَ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "عَلَى أَهْل هٰذِهِ الْقَرْيَة رِجْزًا" عَذَابًا "مِنْ السَّمَاء بِمَا" بِالْفِعْلِ الَّذِي "كَانُوا يَفْسُقُونَ" بِهِ أَيْ بِسَبَبِ فِسْقهمْ، "وَلَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَة بَيِّنَة" ظَاهِرَة هِيَ آثَار خَرَابهَا "لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" يَتَدَبَّرُونَ،

بیشک ہم اس بستی کے باشندوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ یہاں پر لفظ منزلون یہ تخفیف وتشدید دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے فسق کیا تھا۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس سے ان لوگوں کے لیے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ یعنی ان کی بربادی کے آثار ظاہر تھے۔ جو عقل رکھنے والوں کیلئے ہیں۔ تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

اس بدبخت قوم پر سب قوموں سے سخت عذاب آیا تھا۔ پہلے فرشتوں نے اس پورے خطہ زمین کو اپنے پروں پر اٹھایا۔ پھر بلند پر لے جا کر اسے الٹا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اور اس زور سے زمین پر دے مارا کہ سارا خطہ زمین کی سطح سے کافی نیچے دھنس گیا۔ پھر اس بدبخت قوم پر پتھر برسائے گئے۔ اور اب یہ سارا علاقہ زیر آب آ چکا ہے۔ اور اس سمندر کا نام بحر ست یا بحیرہ مردار ہے۔ جس کی گہرائیوں میں یہ بدمعاش قوم دفن کر دی گئی تھی۔ اور یہ واقعہ نشانی اس لحاظ سے ہے کہ یہ علاقہ اس تجارتی شاہراہ پر واقع ہے جو مکہ سے شام کو جاتی ہے اور کفار مکہ اسے اپنے تجارتی سفروں میں آتے ہوئے بھی اور جاتے ہوئے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے کہ اس نافرمان اور بدمعاش اور سرکش قوم کا کیا حشر ہوا تھا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ
وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝

اور مَدیَن کی طرف ان کے (قومی) بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا)، سوانہوں نے کہا: اے میری قوم
!اللہ کی عبادت کرو اور یوم آخرت کی امید رکھو اور زمین میں فساد انگیزی نہ کرتے پھرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی مدین کی جانب بعثت کا بیان

"وَ" أَرْسَلْنَا "إِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْم اُعْبُدُوا اللّٰه وَارْجُوا الْيَوْم الْآخِر " اخْشَوْهُ هُوَ يَوْم الْقِيَامَة "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْض مُفْسِدِينَ" حَال مُؤَكِّدَة لِعَامِلِهَا مِنْ عَثِيَ بِكَسْرِ الْمُثَلَّثَة أَفْسَدَ

اور مَدیَن کی طرف ان کے قومی بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا، سوانہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اور یوم آخرت کی امید رکھو یعنی اس دن سے ڈرو جو قیامت کا دن ہے۔ اور زمین میں فساد انگیزی نہ کرتے پھرو۔ یہاں پر مفسدین یہ حال مؤکدہ ہے جو اپنے عامل عثی جو ثاء کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور عثی بہ معنی افسد ہے۔

مدین والوں کے فساد و عذاب کا بیان

اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین میں اپنی قوم کو وعظ کیا۔ انہیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیا۔ انہیں اللہ کے عذابوں سے اور اس کی سزاؤں سے ڈرایا انہیں قیامت کے ہونے کا یقین دلا کر فرمایا کہ اس دن کے لئے کچھ تیاریاں کرلو اس دن کا خیال رکھو لوگوں پر ظلم وزیادتی نہ کرو اللہ کی زمین میں فساد نہ کرو برائیوں سے الگ رہو۔ ان میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے لوگوں کے حق مارتے تھے ڈاکے ڈالتے تھے راستے بند کرتے تھے ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کی نصیحتوں پر کان تک نہ دھرا بلکہ انہیں جھوٹا کہا اس بنا پر ان پر عذاب الٰہی برس پڑا سخت بھونچال آیا اور ساتھ ہی اتنی تیز وتند آواز آئی کہ دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں اور گھڑی کی گھڑی میں سب کا سب ڈھیر ہوگیا۔ ان کا پورا قصہ سورۃ اعراف سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں گزر چکا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝
تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، پس انھیں زلزلے نے پکڑ لیا تو وہ صبح کو اپنے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

اصحاب مدین پر نازل ہونے والے عذاب کا بیان

"فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ" الزَّلْزَلَة الشَّدِيدَة "فَأَصْبَحُوا فِي دَارهمْ جَاثِمِينَ" بَارِكِينَ عَلَى الرُّكَب مَيِّتِينَ

تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا، پس انھیں سخت زلزلے نے پکڑ لیا تو وہ صبح کو اپنے گھر میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔ یعنی وہ گھٹنوں کے بل اپنے گھروں میں مردہ پڑے رہ گئے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الرجفۃ۔ بھونچال۔ زلزلہ۔ لرزش۔ صدمہ۔ رجف یرجف (باب نصر) رجف رجوف ورجیف۔ روز سے حرکت دینا۔ الرجل سخت بے چین ہونا۔ الارض زمین کا زلزلہ میں آنا۔ قرآن مجید میں ہے یوم ترجف الارض والجبال، جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے۔ فاصبحوا۔ ف تعقیب کا ہے اصبحوا ماضی جمع مذکر غائب۔ وہ ہو گئے۔ انہوں نے صبح کی۔ اصبح افعال ناقصہ میں سے ہے جثمین۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ جاثم واحد۔ اوندھے پڑنے والے۔ زانو کے بل گرنے والے۔ جثم یجثم (ضرب) جثم یجثم (نصر) جثم وجثوم۔ مصدر۔ پرندہ کا زمین پر سینہ کے بل بیٹھنا۔ اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ استعارہ کے طور پر انسان کا سینہ کے بل گرنا۔ یا اوندھے پڑتا ہے۔ فاصبحوا فی دارھم جثمین۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے یا پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ٥
اور عاد اور ثمود کو اور بیشک ان کے کچھ مکانات تمہارے لیئے ظاہر ہو چکے ہیں اور شیطان نے ان کے اَعمالِ بد،
ان کے لئے خوش نما بنا دیئے تھے اور انھیں راہ سے پھیر دیا تھا حالانکہ وہ بینا و دانا تھے۔

قوم عاد وثمود کی ہلاکت کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

"وَ" أَهْلَكْنَا "عَاد وَثَمُود" بِالصَّرْفِ وَتَرْكه بِمَعْنَى الْحَيّ وَالْقَبِيلَة "وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ" إهْلَاكهمْ "مِنْ مَسَاكِنهمْ" بِالْحَجَرِ وَالْيَمَن "وَزَيَّنَ لَهُمْ الشَّيْطَان أَعْمَالهمْ" مِنْ الْكُفْر وَالْمَعَاصِي "فَصَدَّهُمْ عَنْ السَّبِيل" سَبِيل الْحَقّ "وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ" ذَوِي بَصَائِر

اور عاد اور ثمود کو بھی ہم نے ہلاک کیا یہاں پر لفظ ثمود یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں ہوسکتا ہے یعنی الحی کے معنی میں ہو تو منصرف اور القبیلہ کے معنی میں ہو تو غیر منصرف ہے۔ اور بیشک ان کے کچھ تباہ شدہ مکانات جو حجر و یمن میں ہیں تمہارے لیئے بطورِ عبرت ظاہر ہو چکے ہیں اور شیطان نے ان کے اَعمالِ بد یعنی کفر و نافرمانی، ان کے لئے خوش نما بنا دیئے تھے اور انھیں حق کی راہ سے پھیر دیا تھا حالانکہ وہ بینا و دانا تھے۔ جبکہ وہ دیکھنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔

احقاف کے لوگوں کی ہلاکت کا بیان

عادی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھے۔ احقاف میں رہتے تھے جو یمن کے شہروں میں حضر موت کے قریب ہے۔ ثمودی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لوگ تھے۔ یہ حجر میں بستے تھے جو وادی القریٰ کے قریب ہے۔ عرب کے راستے میں ان کی بستی آتی تھی جسے یہ بخوبی جانتے تھے۔

عادیوں پر ہوائیں بھیجیں۔ انہیں اپنی قوت وطاقت کا بڑا گھمنڈ تھا کسی کو اپنے مقابلے کا نہ جانتے تھے۔ ان پر ہوا بھیجی جو بڑی تیز وتند تھی جوان پر زمین کے پتھر اڑا اڑا کر برسانے لگی۔ بالآخر زور پکڑتے پکڑتے یہاں تک بڑھ گئی کہ انہیں اچک لے جاتی اور آسمان کے قریب لے جا کر پھر گرا دیتی۔ سر کے بل گرتے اور سر الگ ہو جاتا دھڑ الگ ہو جاتا اور ایسے ہو جاتے جیسے کھجور کے درخت جس کے تنے الگ ہوں اور شاخیں جدا ہوں۔

ثمودیوں پر حجت الٰہی پوری ہوئی دلائل دے دیئے گئے ان کی طلب کے موافق پتھر میں سے ان کے دیکھتے ہوئے اونٹنی نکلی لیکن تاہم انہیں ایمان نصیب نہ ہوا بلکہ طغیانی میں بڑھتے رہے۔ اللہ کے نبی کو دھمکانے اور ڈرانے لگے اور ایمانداروں سے بھی کہنے لگے کہ ہمارے شہر چھوڑ دو ورنہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ انہیں ایک چیخ سے پارہ پارہ کر دیا۔ دل ہل گئے کلیجے اڑ گئے اور سب کی روحیں نکل گئیں۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا
فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝
اور قارون اور فرعون اور ہامان کو، اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آیا، تو وہ زمین میں
بڑے بن بیٹھے اور وہ بچ نکلنے والے نہ تھے۔

قارون، فرعون اور ہامان کی ہلاکت کا بیان

"وَ" اَهْلَكْنَا "قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ" مِنْ قَبْلُ "مُوْسٰى بِالْبَيِّنَاتِ" الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ "فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سَابِقِيْنَ" فَائِتِيْنَ عَذَابَنَا

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور بلاشبہ یقیناً ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں یعنی ظاہری دلائل لے کر آیا، تو وہ زمین میں بڑے بن بیٹھے اور وہ ہمارے عذاب سے بچ نکلنے والے نہ تھے۔

قارون ایک دولت مند شخص تھا جس کے بھرپور خزانوں کی کنجیاں ایک جماعت کی جماعت اٹھاتی تھی۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اسکا وزیر اعظم تھا۔ اسی کے زمانے میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نبی ہو کر اس کی طرف بھیجے گئے۔ یہ دونوں قبطی کافر تھے جب ان کی سرکشی حد سے گذر گئی اللہ کی توحید کے منکر ہو گئے رسولوں کو ایذائیں دیں اور ان کی نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا۔ قارون نے سرکشی اور تکبر کیا۔ طغیانی اور بڑائی کی رب الاعلیٰ کی نافرمانی کی زمین میں فساد مچا دیا۔ اکڑ اکڑ کر چلنے لگا اپنے ڈنٹر بل دیکھنے لگا اترانے لگا اور پھولنے لگا۔ پس اللہ نے اسے مع اس کے محلات کے زمین دوز کر دیا جو آج تک دھنستا چلا جا رہا ہے۔ فرعون ہامان اور ان کے لشکروں کو صبح ہی صبح ایک ساتھ ایک ہی ساعت میں دریا برد کر دیا۔ ان میں سے ایک بھی نہ بچا جو ان کا نام تو کبھی لیتا۔ اللہ نے یہ جو کچھ کیا کچھ ان پر ظلم نہ تھا بلکہ ان کے ظلم کا بدلہ تھا۔ ان کے کرتوت کا پھل تھا

ان کی کرنی کی بھرنی تھی۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ
خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے باعث پکڑ لیا، اور ان میں سے وہ تھا جس پر ہم نے پتھر برسانے والی آندھی بھیجی
اور ان میں سے وہ تھا جسے دہشت ناک آواز نے آ پکڑا اور ان میں سے وہ تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور
ان میں سے وہ تھا جسے ہم نے غرق کر دیا اور ہرگز ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

سابقہ مختلف اقوام کے عذابوں کا بیان

"فَكُلًّا" مِنَ الْمَذْكُورِينَ "أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا" رِيحًا عَاصِفَةً فِيهَا حَصْبَاء كَقَوْمِ لُوط "وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَة" كَثَمُود "وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْض" كَقَارُون "وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا" كَقَوْمِ نُوح وَفِرْعَوْن وَقَوْمه "وَمَا كَانَ اللّٰه لِيَظْلِمَهُمْ" فَيُعَذِّبهُمْ بِغَيْرِ ذَنْب "وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسهمْ يَظْلِمُونَ" بِارْتِكَابِ الذَّنْب

پس ہم نے ان ذکر کردہ میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کے باعث پکڑ لیا، اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جس پر ہم نے پتھر برسانے والی آندھی بھیجی جس طرح قوم لوط تھی۔ اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جسے دہشت ناک آواز نے آ پکڑا جس طرح قوم ثمود تھی اور ان میں سے وہ طبقہ بھی تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا جس طرح قارون تھا اور ان میں سے ایک وہ طبقہ بھی تھا جسے ہم نے غرق کر دیا جس طرح قوم نوح، فرعون اور اس کی قوم تھی۔ اور ہرگز ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر بغیر گناہوں کے ظلم کرے بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ظلم کرتے تھے۔

ان سب قوموں کی طرف ہم نے نبی بھیجے تا کہ وہ انھیں ان کی گمراہیوں سے مطلع کریں۔ لیکن ان لوگوں نے نبیوں کو جھوٹا سمجھا۔ اور انھیں گمراہیوں پر اور بھی زیادہ ڈٹ گئے۔ اللہ کی فرمانبرداری کے بجائے انبیاء کے دشمن بن گئے اور انھیں طرح طرح تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ پھر جب ہماری طرف سے پوری طرح حجت قائم ہوگئی تو اس وقت ہم نے انھیں تباہ کیا اور اس تباہی کے ذمہ دار وہ خود تھے، ہم نہیں تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ
وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
ایسے لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں (یعنی بتوں) کو کارساز بنا لیا ہے مکڑی کی داستان جیسی ہے
جس نے گھر بنایا، اور بیشک سب گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے۔

بتوں کے پجاریوں کی مثال عنکبوت کے گھر سے دینے کا بیان

"مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَاءَ " أَيْ أَصْنَامًا يَرْجُونَ نَفْعَهَا "كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا" لِنَفْسِهَا تَأْوِي إِلَيْهِ "وَإِنَّ أَوْهَنَ" أَضْعَفَ "الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ" لَا يَدْفَعُ عَنْهَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا كَذَلِكَ الْأَصْنَام لَا تَنْفَع عَابِدِيهَا "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" ذَلِكَ مَا عَبَدُوهَا

ایسے لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اوروں یعنی بتوں کو کارساز بنالیا ہے ان سے نفع کی امید رکھتے ہیں۔ مکڑی کی داستان جیسی ہے جس نے اپنے لئے جالے کا گھر بنایا، اور بیشک سب گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے، کیونکہ وہ گرمی سردی کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ اسی طرح بت بھی اپنے عابدین کو نفع دینے والے نہیں ہیں۔ کاش! وہ لوگ یہ بات جانتے ہوتے۔ تو وہ ان بتوں کی پوجا نہ کرتے۔

مکڑی کے گھر کی کمزوری کا بیان

عنکبوت مکڑی کو کہا جاتا ہے، اس کی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض ان میں سے زمین میں گھر بناتی ہیں، بظاہر وہ یہاں مراد نہیں، بلکہ مراد وہ مکڑی ہے جو جالا تانتی ہے اور اس میں معلق رہتی ہے اس جالے کے ذریعہ مکھی کو شکار کرتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ جانوروں کی جتنی قسم کے گھونسلے اور گھر معروف ہیں، یہ جالے کے تار ان سب سے زیادہ کمزور ہیں کہ معمولی ہوا سے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ اس آیت میں غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں اور ان پر اعتماد کرنے والوں کی مثال مکڑی کے اس جالے سے دی ہے جو کہ نہایت کمزور ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کے سوا بتوں پر یا کسی انسان وغیرہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان کا بھروسہ ایسا ہی ہے جیسا یہ مکڑی اپنے جالے کے تاروں پر بھروسہ کرتی ہے۔ اپنے رہنے کے لئے نہ اس سے گرمی دور ہو نہ سردی، نہ گرد وغبار و بارش کسی چیز سے حفاظت ایسے ہی بت ہیں کہ اپنے پوجاریوں کو نہ دنیا میں نفع پہنچا سکیں نہ آخرت میں کوئی ضرر پہنچا سکیں۔ ایسے ہی سب دینوں میں کمزور اور نکما دین بت پرستوں کا دین ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ عنکبوت، لاہور)

مکڑی کو مارنے کے بارے میں حکم کا بیان

مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کر دینے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غار ثور کے دہانے پر جالا تان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا، جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے۔ مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے طهروا بيوتكم من نسج العكنبوت فان تركه يورث الفقر، یعنی مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند ان دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ عنکبوت، بیروت)

غار ثور اور مکڑی کے جالے کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ قریش مکہ نے ایک روز رات کے وقت (دارالندوہ) میں اپنی مجلس مشاورت منعقد کی (جس میں ابلیس شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں شریک ہوا) چنانچہ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی اس شخص کی مشکیں کس لو (یعنی رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دو)" اس شخص" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، بعض نے یہ رائے دی کہ (نہیں بلکہ اس کو قتل کر ڈالو اور بعض نے (حقارت کے ساتھ) یہ کہا کہ اس کو اپنی سرزمین سے نکال کر باہر کرو یعنی جلاوطن کردو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (قریش مکہ کے مشورہ وفیصلہ سے) آگاہ کر دیا (اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج کی رات اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا دیں اور (ابوبکر کو ساتھ لے کر) مکہ سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے، ادھر قریش مکہ نے یہ سمجھ کر پوری رات علی کی نگرانی میں رات گزار دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یعنی گھر کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر تو حضرت علی سوئے ہوئے تھے اور قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سویا ہوا سمجھ کر پوری رات گھر کی نگرانی کرتے رہے) یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) اس (بستر) پر (کہ حضرت علی سوئے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کر کے) دھاوا بول دیا لیکن جب انہوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے) حضرت علی کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بدخواہی کو انہی پر لٹا دیا تو (وہ بڑے سٹپٹائے اور) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا یہ دوست (جس کا یہ بستر ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں گیا؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ مجھ کو نہیں معلوم۔ قریش مکہ (صورت حال کو سمجھ کر فوراً حرکت میں آگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈھ کر پکڑ لانے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں نکل پڑے، یہاں تک کہ جبل ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں قدموں کے نشان مشتبہ ہو گئے تھے (جس کی وجہ سے ان کو آگے رہنمائی نہیں مل سکی) پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں چھپے ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا (اس طرح وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رات دن اسی غار میں رہے۔ (احمد، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 522)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ خَلَقَ اللّٰهُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بیشک اللہ ان کو جانتا ہے جن کی بھی وہ اس کے سوا پوجا کرتے ہیں، اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔اور یہ مثالیں ہیں
جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درست تدبیر
کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، بیشک اس میں اہل ایمان کے لئے نشانی ہے۔

اہل علم کیلئے قرآن میں سمجھنے کیلئے مثالوں کا بیان

"إِنَّ اللَّه يَعْلَم مَا" بِمَعْنَى الَّذِي "يَدْعُونَ" يَعْبُدُونَ بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مِنْ دُونه" غَيْره "مِنْ شَيْء وَهُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه،

"وَتِلْكَ الْأَمْثَال" فِي الْقُرْآن "نَضْرِبهَا" نَجْعَلهَا "لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلهَا" أَيْ يَفْهَمهَا "إِلَّا الْعَالِمُونَ" الْمُتَدَبِّرُونَ،

"خَلَقَ اللَّه السَّمَاوَات وَالْأَرْض بِالْحَقِّ" أَيْ مُحِقًّا "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَة" دَالَّة عَلَى قُدْرَته تَعَالَى "لِلْمُؤْمِنِينَ" خُصُّوا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُونَ بِهَا فِي الْإِيمَان بِخِلَافِ الْكَافِرِينَ،

بیشک اللہ ان بتوں کی حقیقت کو جانتا ہے جن کی بھی وہ اس کے سوا پوجا کرتے ہیں، یہاں پر لفظ یعبدون یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔اور وہی اپنے ملک میں غالب ہے اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔اور یہ مثالیں قرآن میں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف اہل علم سمجھتے ہیں۔اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درست تدبیر کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، بیشک اس تخلیق میں اہل ایمان کے لئے اس کی وحدانیت اور قدرت کی نشانی ہے۔یہاں اہل ایمان کے ذکر کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ ایمان میں وہ ان کے ساتھ نفع حاصل کرتے ہیں جبکہ کفار ایسا نفع حاصل نہیں کرتے۔

مواقع کے مناسب مثالیں بیان کرنے کا بیان

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ "مکڑی" اور "مکھی" وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا، کہ مثالیں اپنے مواقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔مگر سمجھدار ہی اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔جاہل بیوقوف کیا جانیں۔مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔بلکہ جس کی مثال ہے ان کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ط اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○
آپ وہ کتاب پڑھ کر سنایئے جو آپ کی طرف وحی بھیجی گئی ہے، اور نماز قائم کیجئے، بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے
روکتی ہے، اور واقعی اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے، اور اللہ ان کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

نماز کا برائی اور بے حیائی کے کاموں سے روکنے کا بیان

"اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ " الْقُرْآن "وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ " شَرْعًا : أَيْ مِنْ شَأْنِهَا ذَلِكَ مَا دَامَ الْمَرْءُ فِيهَا "وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ " مِنْ غَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ فَسَّرَ الْآيَةَ بِأَنَّ ذِكْرَ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ غَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالَّذِي فَسَّرَهُ الْعُلَمَاءُ : أَنَّ ذِكْرَ اللَّهِ بِالصَّلَاةِ أَكْبَرُ مِنْ ذِكْرِهِ فِي غَيْرِهَا "وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ

(اے حبیب مکرم ﷺ) آپ وہ کتاب یعنی قرآن پڑھ کر سنایئے جو آپ کی طرف وحی بھیجی گئی ہے، اور نماز قائم کیجئے، بیشک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، یعنی شرعی طور پر برے کاموں سے روکتی ہے۔ کیونکہ جب تک وہ نماز ہے تب تک گناہوں سے محفوظ رہا۔ اور واقعی اللہ کا ذکر بقیہ اطاعات میں سے سب سے بڑا ہے، اس آیت کی تفسیر علماء نے دیگر طاعات سے کی ہے کیونکہ اللہ کا ذکر نماز کے ساتھ دیگر طاعات سے بڑا ہے۔ اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ پس وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا۔

نماز کے سبب گناہوں سے بچنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تو نماز پڑھتا ہے مگر صبح اٹھ کر چوری کرتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عنقریب اس کی نماز اسے اس چیز سے روک دے گی جو تم کہہ رہے ہو۔" (مسند احمد بن حنبل، بیہقی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1211)

نماز کی خاصیت ہے کہ وہ انسان کو برائی کے راستے سے روکتی ہے اور نیکی کے راستے پر گامزن کرتی ہے جیسا کہ آیت میں آیا ہے کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا گیا جو رات کو تو عبادت الٰہی یعنی نماز تہجد میں مشغول رہتا اور صبح اٹھ کر چوری جیسے برے فعل کا مرتکب ہوتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اگر وہ خلوص نیت اور جذبہ خالص کے تحت رات کی نماز پر مداومت کرتا ہے تو انشاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس نماز کی برکت سے اسے اس فعل قبیح سے توبہ کی توفیق عطا فرما دے گا اور اپنے قلب و دماغ میں نماز کی برکت و نورانیت کے اثر کی وجہ سے وہ چوری سے باز رہے گا۔

حضرت عمارہ ابن رویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے سورج نکلنے اور چھپنے سے پہلے (دو نمازیں) یعنی فجر اور عصر کی پڑھیں تو وہ دوزخ میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔"

(رواہ صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 589)

مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ان دونوں نمازوں کو پابندی سے پڑھتا رہے تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ بظاہر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو آدمی ان دونوں نمازوں پر مداومت کرے گا، وہ دوسری نمازوں کو چھوڑنے یا دوسرے گناہوں کے صدور کے سبب دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا حالانکہ جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ نمازیں صغیرہ گناہوں کا

کفارہ تو ہو جاتی ہیں۔ کبیرہ گناہوں کا نہیں ہوتیں۔ چنانچہ علامہ طیبی نے اس حدیث کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ صبح کا وقت عام طور پر آرام کا ہوتا ہے اسی طرح شام کا تجارہ وغیرہ کی مشغولیت کا ہوتا ہے لہذا جو آدمی ان دونوں موانع کے باوجود ان دونوں نمازوں کی محافظت کرتا ہے تو وہ بزبان حال اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ دوسرے اعمال میں بھی کمی زیادتی کرنے والا نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ آیت (إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، العنکبوت:45) (بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے) لہذا اس بناء پر وہ بخشش کی سعادت سے نوازا جائے گا اور دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث سے ان دونوں نمازوں کی فضیلت وعظمت کے بیان میں مبالغہ مراد ہے کہ ان دونوں نمازوں کی فضیلت وعظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کی محافظت کرنے والا آدمی دوزخ میں داخل نہ کیا جائے گا اور باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر عمل پر جزاء وسزا کا ترتب کرتا ہے مگر وہ چاہے تو ان دونوں نمازوں کے ادا کرنے کے سبب وہ گناہ جو اس کے بندوں سے سرزد ہوئے ہوں بخش سکتا ہے

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝
اور اہل کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا،
اور کہہ دو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی،
اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

اہل کتاب سے مجادلہ کرنے کا بیان

"وَلَا تُجَادِلُوا أَهْل الْكِتَاب إِلَّا بِالَّتِي" أَيْ : الْمُجَادَلَة الَّتِي "هِيَ أَحْسَن" كَالدُّعَاءِ إِلَى اللّٰه بِآيَاتِهِ وَالتَّنْبِيه عَلَى حُجَجه "إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ" بِأَنْ حَارَبُوا وَأَبَوْا أَنْ يُقِرُّوا بِالْجِزْيَةِ فَجَادِلُوهُمْ بِالسَّيْفِ حَتَّى يُسْلِمُوا أَوْ يُعْطُوا الْجِزْيَة "وَقُولُوا" لِمَنْ قَبْل الْإِقْرَار بِالْجِزْيَةِ إِذَا أَخْبَرُوكُمْ بِشَيْءٍ مِمَّا فِي كُتُبهمْ "آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ" وَلَا تُصَدِّقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ فِي ذَلِكَ "وَإِلَهنَا وَإِلَهكُمْ وَاحِد وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ" مُطِيعُونَ

اور اہل کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔ جس طرح اللہ کی طرف اس کی آیات کے ذریعے بلانا ہے اور اس کے دلائل پر انتباہ کرنا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، یعنی جو جنگ کریں اور انکار جزیہ کریں پس تم ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرو حتیٰ کہ وہ اسلام کو قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں۔ اور ان سے کہہ دو یعنی جزیہ کے اقرار سے پہلے جب انہیں کسی چیز کی خبر ہو جو ان کی کتابوں میں ہے۔ کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف اتاری گئی ہے

اور جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی، اور اس میں تم ان کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار و اطاعت کرنے والے ہیں۔

حضرت قتادہ وغیرہ تو فرماتے ہیں کہ یہ آیت تو جہاد کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے اب تو یہی ہے کہ یا تو اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو یا لڑائی لڑیں۔ لیکن اور بزرگ مفسرین کا قول ہے کہ یہ حکم باقی ہے جو یہودی یا نصرانی دینی امور کو سمجھنا چاہے اور اسے مہذب طریقے پر سلجھے ہوئے پیرائے سے سمجھا دینا چاہئے۔ کیا عجیب ہے کہ وہ راہ راست اختیار کرے۔ جیسے اور آیت میں عام حکم موجود ہے۔

اہل کتاب کی تکذیب وتصدیق پر کف لسان کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے (جو یہودیوں کی زبان ہے اور مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی زبان میں کیا کرتے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ عمل دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا)۔ تم اہل کتاب کو نہ تو سچا جانو اور نہ ان کو جھٹلاؤ (صرف) یہ کہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر نازل کی گئی، ایمان لائے (آخر آیت تک)۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 152

پوری آیت یہ ہے آیت (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ:

"136 (مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے سامنے اہل کتاب (یعنی یہودی) تورات کی کسی عبارت کا ترجمہ وتفسیر کریں تو ان کو نہ جھٹلاؤ اور نہ ان کو سچ جانو بلکہ یہ آیت کریمہ پڑھو اور ان کو سچا اس لئے نہ جانو کہ یہ لوگ کتاب الٰہی میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ تمہارے سامنے جس عبارت کا ترجمہ وتفسیر کر رہے ہیں، اس کو انہوں نے بدل دیا ہو اور ان کو جھٹلاؤ اس لئے نہیں کہ اگرچہ انہوں نے تورات میں تغیر وتبدل کر رکھا ہے لیکن پھر بھی وہ کتاب ہے الٰہی ہے اور حق ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ شاید وہ سچ اور صحیح عبارت نقل کر رہے ہوں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ
وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝
اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری، تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کر رکھی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں،
اور ان میں سے ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ہماری آیتوں کا انکار کافروں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔

انصاف پسند اہل کتاب واہل مکہ میں سے لوگوں کے ایمان لانے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ" الْقُرْآن كَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ التَّوْرَاة وَغَيْرهَا "فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمْ الْكِتَاب" التَّوْرَاة كَعَبْدِ اللّٰه بْن سَلَام وَغَيْره "يُؤْمِنُونَ بِهِ" بِالْقُرْآنِ "وَمِنْ هٰؤُلَاءِ" أَهْل مَكَّة "مَنْ يُؤْمِن بِهِ وَمَا يَجْحَد بِآيَاتِنَا" بَعْد ظُهُورهَا "إِلَّا الْكَافِرُونَ" أَيْ الْيَهُود وَظَهَرَ لَهُمْ أَنَّ الْقُرْآن حَقّ وَالْجَائِي بِهِ مُحِقّ وَجَحَدُوا ذٰلِكَ

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب یعنی قرآن اتارا جس طرح ان لوگوں کی طرف تورات کو اتارا تو جن لوگوں کو ہم نے کتاب یعنی تورات عطا کر رکھی تھی جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور اہل مکہ میں سے بھی ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں، اور ہماری آیتوں کے ظہور کے بعد ان کا انکار کافروں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ جو یہود ہیں جن پر یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ بے شک قرآن حق ہے۔ اور اس کو لانے والا بھی حق پر ہے اور انہوں نے اسی کا انکار کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کو دو دو اجر ملیں گے۔ ایک اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا اور پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔ اس آدمی کو جس کی کوئی لونڈی تھی اور وہ اس سے محبت کرتا تھا۔ پہلے اس کو اچھا ہنرمند بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 10)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ٥
اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی آپ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے
ورنہ اہل باطل اسی وقت ضرور شک میں پڑ جاتے۔

قرآن مجید کو سابقہ کتب کا ماخذ قرار نہ دینے کا بیان

"وَمَا كُنْت تَتْلُو مِنْ قَبْله" أَيْ الْقُرْآن "مِنْ كِتَاب وَلَا تَخُطّهُ بِيَمِينِك إِذًا" أَيْ: لَوْ كُنْت قَارِئًا كَاتِبًا "لَارْتَابَ" شَكَّ "الْمُبْطِلُونَ" الْيَهُود فِيك وَقَالُوا: الَّذِي فِي التَّوْرَاة أَنَّهُ أُمِّيّ لَا يَقْرَأ وَلَا يَكْتُب

اور اس قرآن سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی آپ اسے اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور اگر آپ پڑھتے لکھتے تو یہ اہل باطل پرست یہود اسی وقت ضرور شک میں پڑ جاتے۔ اور انہوں نے کہنا تھا کہ آپ کے بارے میں تورات میں وصف امی بیان ہوا ہے کہ آپ پڑھتے نہیں اور لکھتے بھی نہیں۔

نبی کریم ﷺ کے پڑھنے لکھنے کا شان اُمی ہونے کے خلاف نہ ہونے کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہونے والا معاہدہ صلح لکھا تو اس میں یہ لکھا کہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہے تو مشرکین نے کہا آپ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ لکھیں کیونکہ اگر ہم جانتے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ نہ کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اسے مٹا دو انہوں نے عرض کیا میں تو نہیں مٹاؤں گا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ مبارک سے مٹا دیا اس معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوں تو صرف تین دن قیام کر سکیں گے اور مکہ میں اسلحہ کے بغیر آئیں گے ہاں اگر اسلحہ نیام میں ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 132)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادب سے مجبور ہو کر ایسا کرنے سے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ خود اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ لفظ مٹا کر یہ لکھ دیا، من محمد بن عبداللہ۔ اس روایت میں لکھنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، جس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ آپ لکھنا جانتے تھے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝
بلکہ یہ تو واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر جو ظالم ہیں۔

اہل علم کے سینوں میں آیات کے علم کا بیان

"بَلْ هُوَ" أَيْ الْقُرْآن الَّذِي جِئْت بِهِ "آيَات بَيِّنَات فِي صُدُور الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ يَحْفَظُونَهُ "وَمَا يَجْحَد بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ" أَيْ الْيَهُود وَجَحَدُوهَا بَعْد ظُهُورهَا لَهُمْ،

بلکہ یہ قرآن تو واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے یعنی وہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر جو ظالم یہود ہیں۔ انہوں نے ان کے ظہور کے بعد ان کا انکار کیا۔

اس آیت کے دو مطلب ہیں اگر ھُوَ کی ضمیر کو قرآن کی طرف راجع قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کی آیات بڑے واضح دلائل پر مشتمل ہیں۔ اور یہ آیات اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ یعنی ان اہل علم ان آیات کو حفظ یا ازبر کر لیا ہے۔ اور یہ قرآن اسی طرح سینہ بہ سینہ اہل علم میں منتقل ہوتا جائے گا۔ اور یہ قرآن کی ایسی ناقابل تردید صفت ہے جو ابتدائے اسلام سے آج تک اور آئندہ بھی تا قیامت ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے اور کرتا رہے گا۔ ہر دور میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد حافظ قرآن رہی ہے۔ اور یہی قرآن کی اعجازی حیثیت اور اس کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن کی حفاظت کا دوسرا ذریعہ کتابت قرآن ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ حفاظت قرآن کے پہلے ذریعہ حفظ پر ہی نسبتاً زیادہ توجہ مبذول فرمائی تھی۔ اکثر مفسرین نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے اب قرآن کے مقابلہ میں دوسری الہامی کتابوں کو دیکھو ان کا شاذ و نادر ہی آپ کو کوئی حافظ نظر آئے گا جیسے حضرت عزیر

کے متعلق منقول ہے کہ وہ تورات کے حافظ تھے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ ھوکی ضمیر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع قرار دیا جائے اور یہ تفسیر اس لحاظ سے راجح ہے کہ ربط مضمون اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل علم اور اہل دانش و بینش کے لئے رسول اللہ کی رسالت کے ثبوت میں ایک نہیں بلکہ بہت سے نشانیاں موجود ہیں۔وہ اس طرح کہ دنیا میں جتنے بھی نامور شخص گزرے ہیں۔ان کی شخصیت بنانے والے عوامل کا تاریخ سے پتہ لگایا جاسکتا ہے مگر یہاں یہ بات یکسر مفقود نظر آتی ہے۔مثلاً تمام مخالفین اسلام یعنی قریش مکہ جانتے تھے کہ آپ لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے۔علم ادب عربی سے یا تاریخ امم سے واقف ہونا تو دور کی بات ہے۔لیکن آپ نے جو کلام پیش کیا۔بار بار کے چیلنج کے باوجود عرب بھر کے فصحا اور بلغا اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز رہ گئے تھے۔اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آپ فن حرب وضرب سے قطعاً نابلد تھے۔نہ ہی آپ کسی جرنیل کے یا فوجی کے حتیٰ کہ سپاہی کے گھر بھی پیدا ہوئے تھے لیکن جب میدان جہاد میں فوجی لشکر کی قیادت آپ نے سنبھالی تو آپ نے ایسی جنگی تدابیر اختیار کیں کہ تمام جہانوں کے جرنیلوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔غرضیکہ آپ کی زندگی کا ہر پہلو ایسے ہی حیران کن کمالات کا مجموعہ ہے۔اور جن کے اسباب و عوامل تلاش کرنے پر دور تک کہیں نظر آتے۔یہی وہ واضح نشانیاں ہیں جو آپ کی رسالت کا بین ثبوت ہیں۔اور ان کا انکار کوئی کٹر متعصب ہی کرسکتا ہے۔جبکہ اہل علم آپ کی ان خوبیوں کے دل و جان سے معترف ہوتے ہیں۔(تفسیر تیسیر القرآن)

وَقَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اور کفار کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں، آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں
تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو محض صریح ڈر سنانے والا ہوں۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ سے من پسند معجزات کا مطالبہ کرنے کا بیان

"وَقَالُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَوْلَا" هَلَّا "أُنْزِلَ عَلَيْهِ" أَيْ مُحَمَّد "آيَة مِنْ رَبّه" وَفِي قِرَاءَة: آيَات كَنَاقَةِ صَالِح وَعَصَا مُوسَى وَمَائِدَة عِيسَى "قُلْ" لَهُمْ "إِنَّمَا الْآيَات عِنْد اللّٰه" يُنْزِلهَا كَيْفَ يَشَاء "وَإِنَّمَا أَنَا نَذِير مُبِين" مُظْهِر إِنْذَارِي بِالنَّارِ أَهْل الْمَعْصِيَة

اور کفار مکہ کہتے ہیں کہ ان پر یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری گئیں، ایک قرأت میں لفظ آیات آیا ہے۔جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ ہے۔آپ ان سے فرما دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں جیسے وہ چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔اور میں تو محض صریح ڈر سنانے والا ہوں۔یعنی اہل معصیت کو جہنم کی آگ سے خوف دلانے والا ہوں۔

معجزات کا اتارنا اللہ کا کام ہے اور میرا الوہیت کا کوئی دعویٰ نہیں کہ تمہارے معجزہ کے مطالبہ تمہیں تمہارے حسب پسند معجزہ دکھلا سکوں۔میرا کام صرف تمہیں اللہ کا پیغام پہنچانا اور تمہیں برے انجام سے بچانا ہے۔

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا کہ بے شک ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔

بے شک اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

ایمان والوں کیلئے قرآن میں رحمت و نصیحت ہونے کا بیان

"اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ" فِیْمَا طَلَبُوا "اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَاب" الْقُرْآن "یُتْلٰى عَلَیْهِمْ" فَهِیَ آیَة مُسْتَمِرَّة لَا انْقِضَاء لَهَا بِخِلَافِ مَا ذُكِرَ مِنَ الْآیَات "اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ" الْكِتَاب "لَرَحْمَةً وَذِكْرٰى" عِظَة.

اور کیا انھیں یہ کافی نہیں ہوا جس میں انہوں نے طلب کیا کہ بے شک ہم نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ یعنی ایسا کتاب جو ہمیشہ رہنے والی ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ جبکہ ذکر کردہ آیات میں ایسا نہیں ہے بے شک اس کتاب میں یقیناً ان لوگوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

سورہ عنکبوت آیت ۵۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت یحییٰ بن جعدہ سے روایت ہے کہ کچھ مسلمان ایسے خطوط لائے جن میں انہوں نے یہود سے سنی ہوئی کچھ باتیں لکھی تھیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کسی قوم کی گمراہی کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ اس کتاب کو جو ان کا نبی مکرم علیہ السلام ان کی طرف لایا ہے چھوڑ کر اس کتاب کی طرف رغبت کریں جسے کوئی اور نبی کسی اور قوم کے لیے لایا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(سیوطی 214، طبری 21۔6، زاد المسیر 6۔279)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

آپ فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ وہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جانتا ہے،

اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی صداقت نبوت پر اللہ کی گواہی کا بیان

"قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَیْنِی وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا" بِصِدْقِی "یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَات وَالْاَرْض" وَمِنْهُ حَالِی وَحَالكُمْ "وَالَّذِیْنَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ" وَهُوَ مَا یُعْبَد مِنْ دُون اللّٰه "وَكَفَرُوا بِاللّٰهِ" مِنْكُمْ "اُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ" فِی صَفْقَتهمْ حَیْثُ اشْتَرَوُا الْكُفْر بِالْاِیمَانِ

آپ فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ وہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا

حال جانتا ہے، اور اسی سے میرا حال اور تمہارا حال ہے۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور وہ اللہ کے سوا کی عبادت کرتے ہیں اور تم میں سے جنہوں نے اللہ کا انکار کیا، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یعنی اس سودے میں کیونکہ انہوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا ہے۔

یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں اعلانیہ دعویٰ رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے۔ میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی گواہی کافی نہیں۔ آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کر لے اور سچی بات سے گو کتنی ہی صاف روشن ہو انکار کرتا رہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝
اور یہ لوگ آپ سے عذاب میں جلدی چاہتے ہیں، اور اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آچکا ہوتا، اور وہ ضرور انہیں اچانک
آپہنچے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے عذاب جلد طلب کرتے ہیں، اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

عذاب میں جلدی کا مطالبہ کرنے والے کفار کا بیان

"وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَل مُسَمًّى " لَهُ "لَجَاءَهُمُ الْعَذَاب " عَاجِلًا "وَلَيَأْتِيَنهمْ بَغْتَة وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ" بِوَقْتِ إِتْيَانه، "يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ" فِي الدُّنْيَا،

اور یہ لوگ آپ سے عذاب میں جلدی چاہتے ہیں، اور اگر عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر جلدی عذاب آچکا ہوتا، اور وہ عذاب یا وقت عذاب ضرور انہیں اچانک آپہنچے گا اور انہیں اس کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہ ہوگی۔ یہ لوگ آپ سے دنیا میں ہی عذاب جلد طلب کرتے ہیں، اور بیشک دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کرائیے۔

مشرکوں کا اپنی جہالت سے عذاب الٰہی طلب کرنا بیان ہو رہا ہے یہ اللہ کے نبی مکرم ﷺ سے بھی یہی کہتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی یہی دعائیں کرتے تھے کی جناب باری اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہمیں اور کوئی دردناک عذاب کر۔ یہاں انہیں جواب ملتا ہے کہ رب العلمین یہ بات مقرر کر چکا ہے کہ ان کفار کو قیامت کے دن عذاب ہونگے اگر یہ نہ ہوتا تو انکے مانگتے ہی عذاب کے مہیب بادل ان پر برس پڑتے۔ اب بھی یہ یقین مانیں کہ یہ عذاب آئیں گے اور ضرور آئیں گے بلکہ انکی بیخبری میں اچانک اور یک بہ یک آپڑیں گے۔ یہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور جہنم بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے

ہوئے ہیں یعنی یقیناً انہیں عذاب ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اس میں بینور کر کے ڈال دیئے جائیں گے اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے راوی حدیث حضرت یعلی سے لوگوں نے کہا کہ کیا آپ لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آیت (نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا، الکہف:29) یعنی وہ آگ جسے قناتیں گھیرے ہوئے ہیں تو فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں یعلی کی جان ہے کہ میں اس میں ہرگز داخل نہ ہونگا جب تک اللہ کے سامنے پیش نہ کیا جاؤنگا اور مجھے اس کا ایک قطرہ بھی نہ پہنچے گا یہاں تک کہ میں اللہ کے سامنے پیش کیا جاؤں۔ یہ تفسیر بھی بہت غریب ہے اور یہ حدیث بھی بہت ہی غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، عنکبوت، بیروت)

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝
جس دن عذاب انھیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا تو ارشاد ہوگا:
تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم کرتے تھے۔

قیامت کے دن اوپر نیچے سے عذاب آنے کا بیان

"يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَنَقُول" فِيهِ بِالنُّونِ أَيْ: نَأْمُر بِالْقَوْلِ وَبِالْيَاءِ يَقُول: أَيْ: الْمُوَكَّل بِالْعَذَابِ "ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" أَيْ: جَزَاءَهُ فَلَا تَفُوتُونَنَا،

جس دن عذاب انھیں ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانپ لے گا یہاں لفظ یقول یہ نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی ہم قول کا حکم دیں گے اور یاء کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی مؤکل بہ عذاب تو ارشاد ہوگا تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم کرتے تھے۔ یعنی ان کے بدلے سے بچ نکلنے والے نہیں ہو۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تکبر کرنے والوں کو چھوٹی چیونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں جمع کیا جائے گا یعنی ان کی شکل مردوں کی سی ہوگی لیکن جسم وجثہ چیونٹیوں کی مانند ہوگا۔

اور ہر طرف سے ذلت وخواری کو پوری طرح گھیرے گی پھر ان کو جہنم کے ایک قید خانہ کی طرف کہ جس کا نام بولس ہے ہانکا جائے گا وہاں آگوں کی آگ ان پر چھا جائیگی۔ اور دوزخیوں کا نچوڑ یعنی دوزخیوں کے بدن سے بہنے والا خون، پیپ اور کچ لہوان کو پلایا جائے گا۔ جس کا نام طینت الخبال ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1036)

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ۝
اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو بیشک میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔

عبادت کی غرض سے ہجرت کر جانے کا بیان

"یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ" فِی اَیِّ اَرْضٍ تَیَسَّرَتْ فِیْهَا الْعِبَادَةُ بِاَنْ تُهَاجِرُوْا اِلَیْهَا مِنْ اَرْضٍ لَمْ تَتَیَسَّرْ فِیْهَا نَزَلَ فِیْ ضُعَفَاءِ مُسْلِمِیْ اَهْلِ مَكَّةَ كَانُوْا فِیْ ضِیْقٍ مِنْ اِظْهَارِ الْاِسْلَامِ بِهَا

اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو بیشک میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔ یعنی میری زمین میں جہاں تمہیں آسانی ہو عبادت کرو۔ اور اس زمین سے ہجرت کر جاؤ جہاں عبادت آسان نہ ہو۔ یہ آیت ان کمزور اہل مکہ مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اظہار اسلام کے بعد تنگی میں مبتلاء تھے۔

سورہ عنکبوت آیت ۵۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ضعفاءِ مسلمینِ مکہ کے حق میں نازل ہوئی جنہیں وہاں رہ کر اسلام کے اظہار میں خطرے اور تکلیفیں تھیں اور نہایت ضیق میں تھے انہیں حکم دیا گیا کہ میری بندگی تو ضرور ہے یہاں رہ کر نہ کر سکو تو مدینہ شریف کو ہجرت کر جاؤ وہ وسیع ہے وہاں امن ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ عنکبوت، لاہور)

بدترین لوگوں سے ہجرت کر کے پر امن مقامات پر عبادت کرنے کا بیان

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب ہمیں یزید بن معاویہ کی بیعت کی اطلاع ملی تو میں شام آیا مجھے ایک ایسی جگہ کا پتہ معلوم ہوا جہاں نوف کھڑے ہو کر بیان کرتے تھے میں ان کے پاس پہنچا اسی اثناء میں ایک آدمی کے آنے پر لوگوں میں ہلچل مچ گئی جس نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی دیکھا تو وہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ تھے نوف نے انہیں دیکھ کر ان کے احترام میں حدیث بیان کرنا چھوڑ دی اور حضرت عبداللہ کہنے لگے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے عنقریب اس ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی جس میں لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ میں جمع ہو جائیں گے زمین میں صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے ان کی زمین انہیں پھینک دے گی اور اللہ کی ذات انہیں پسند نہیں کرے گی آگ انہیں بندروں اور خنزیروں کے ساتھ جمع کر لے گی جہاں وہ رات گذاریں گے وہ آگ بھی ان کے ساتھ وہیں رات گذارے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہ بھی وہیں قیلولہ کرے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا اسے کھا جائے گی۔ (مسند احمد: جلد سوم: حدیث نمبر 2360)

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام شہر اللہ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ کے غلام ہیں جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو وہیں قیام کر چنانچہ صحابہ اکرام پر جب مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو گئی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ امن وامان کے ساتھ اللہ کے دین پر قیام کر سکیں۔

امام ابن جریر طبری علیہ الرحمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فواحش عام ہوں اس کو چھوڑ دو اور امام تفسیر حضرت عطاء نے فرمایا کہ جب تمہیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے

تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو۔ (جامع البیان، سورہ عنکبوت، بیروت)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○
ہر جان موت کو چکھنے والی ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ بَعْدَ الْبَعْثِ

ہر جان موت کو چکھنے والی ہے، پھر تم دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہاں پر لفظ یرجعون یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے" (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (یہ مراد) نہیں بلکہ (مراد یہ ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ اللہ اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز (یعنی دنیا اور دنیا کی چمک دمک) کو محبوب نہیں رکھتا، اس لئے بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) اللہ کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی عذاب وسزا) سے زیادہ کسی اور چیز کو ناپسند نہیں کرتا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے) اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں منقول ہے کہ "موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 80)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ○ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ہم انہیں ضرور جنت کے بالائی محلات میں جگہ دیں گے
جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔
جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

ایمان و نیک اعمال والوں کیلئے جنت میں اعلیٰ محلات ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَنُبَوِّئَنَّهُمْ " نُنْزِلَنَّهُمْ وَفِي قِرَاءَة بِالْمُثَلَّثَةِ بَعْد النُّون مِنْ الثَّوَاء : الْإِقَامَة وَتَعْدِيَته إِلَى غُرَفًا بِحَذْفِ فِي "مِنْ الْجَنَّة غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار خَالِدِينَ " مُقَدَّرِينَ الْخُلُود "فِيهَا نِعْمَ أَجْر الْعَامِلِينَ" هَذَا الْأَجْر، "الَّذِينَ صَبَرُوا" أَيْ عَلَى أَذَى الْمُشْرِكِينَ وَالْهِجْرَة لِإِظْهَارِ الدِّين "وَعَلَى رَبّهمْ يَتَوَكَّلُونَ" فَيَرْزُقهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ہم انھیں ضرور جنت کے بالائی محلات میں جگہ دیں گے۔ یعنی وہاں ان کو اتار دیں گے۔ یہاں پر لفظ نبوئنهم ایک قرأت میں نون کے ساتھ ثواء سے مشتق ہے جس کا معنی مقیم ہونا ہے اور لفظ غرف کی طرف متعدی ہوگا جبکہ یہ تقدیری فی کے ذریعے ہو جو جنت کے کمرے ہیں۔ جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عمل صالح کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ جنھوں نے مشرکین کی تکالیف پر صبر کیا اور اظہار دین کیلئے ہجرت کی۔ اور اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ انہیں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لنبوئنهم ۔ لام تاکید کا۔ نبوئن مضارع تاکید با نون ثقیلہ جمع متکلم بوا یبوا تبونه (باب تفعیل) بوء ماده ۔ ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔ ہم ان کو ضرور جگہ دیں گے۔ ہم ان کو ضرور ٹھہرائیں گے۔ ہم ان کو ضرور اتاریں گے۔ البواء کسی جگہ کے اجزاء کا مساوی۔ ہموار۔ (اور سازگار و موافق) ہونے کے ہیں۔ تبوا (باب تفعل) المکان۔ کسی جگہ اقامت اختیار کرنا۔ جیسے نتبوا من الجنة حيث نشاء، ہم بہشت میں جہاں چاہیں رہیں۔ الباء ة ۔ البيئة ۔ المبوا گھر، مکان۔ سرائے۔

غرفا۔ بالا خانے۔ اونچے محل۔ منصوب بوجہ مفعول ثانی نبوئنهم کا۔ مفعول اول ہم ضمیر جمع مذکر غائب۔ ہم ان کو بہشت میں بالا خانوں پر جگہ دیں گے۔ تجری من تحتها الانهر : غرف کی صفت۔

نعم۔ کلمہ مدح ہے۔ نحویوں کے نزدیک نعم فعل ہے لیکن قرآن مجید میں بطور فعل نہیں آیا۔ بمعنی بہت اچھا۔ بہت خوب۔ عمدہ۔

ایمان اور صبر کا بیان

حضرت عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعوت اسلام کے آغاز میں، اس دین (اسلام) پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکر) اور ایک غلام (بلال) میں نے عرض کیا اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا پاکیزہ کلامی اور (مساکین کو) کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا! "صبر اور سخاوت" (یعنی بری باتوں سے باز رہنا اور طاعت فرمانبرداری پر مستعد ہونا) میں نے کہا کون سا مسلمان بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے کہا: ایمان میں بہتر کیا چیز ہے؟ فرمایا "یہ کہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس سے تمہارا پروردگار ناخوش ہوتا ہے میں نے کہا جہاد میں افضل کون ہے! فرمایا وہ

آدمی افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے کہا: سب سے افضل کون سا وقت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصف شب کا آخری حصہ۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 42)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ٥
اور کتنے ہی چلنے والے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، اللہ انھیں رزق دیتا ہے اور تمھیں بھی
اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

ناقص وکمزور مخلوق تک اللہ کی جانب سے رزق پہنچ جانے کا بیان

"وَكَاَيِّنْ" كَمْ "مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلِ رِزْقَهَا" لِضَعْفِهَا "اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ" أَيُّهَا الْمُهَاجِرُونَ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكُمْ زَاد وَلَا نَفَقَة "وَهُوَ السَّمِيع" لِأَقْوَالِكُمْ "الْعَلِيم" بِضَمَائِرِكُمْ

اور کتنے ہی چلنے والے جاندار ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے، کیونکہ وہ کمزور ہیں اللہ انھیں رزق دیتا ہے اور تمھیں بھی دیتا ہے اے ہجرت کرنے والو اگرچہ تمہارے پاس اگرچہ زادراہ اور نفقہ نہیں ہے۔ اور وہی تمہارے اقوال کو سننے والا، تمہارے دلوں میں موجود باتوں کو جاننے والا ہے۔

ہجرت کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ اپنے ذریعہ معاش کی فکر ہوتی ہے۔ مہاجر ایک تو اپنے وطن سے اپنا ذریعہ معاش چھوڑ کر جاتا ہے دوسرے اسے یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ جہاں وہ ہجرت کر کے جا رہا ہے وہاں اس کے ذریعہ معاش کی کیا صورت ہوگی؟ ایسے خطرات کو اللہ کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے یقین کر لینے کا نام ہی توکل ہے۔ اور بتلایا یہ جا رہا ہے کہ بے شمار جاندار ایسے ہیں۔ ہر روز نئی روزی ملتی ہے اور جو اللہ جانوروں تک کو روزی پہنچاتا ہے وہ اپنے فرمانبرداروں کو کیوں نہ پہنچائے گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرتے جیسا کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی اسی طرح رزق دیا جاتا ہے جس طرح پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ صبح بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (جامع ترمذی۔ ابواب الزہد)

یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر چلنے والے کتنے ہزاروں قسم کے جانور ہیں جو اپنے رزق جمع کرنے اور رکھنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے نہ تحصیل رزق کے اسباب جمع کرنے کی کوئی فکر کرتے ہیں مگر اللہ تعالی ان کو روزانہ اپنے فضل سے رزق مہیا کرتے ہیں، علماء نے فرمایا ہے کہ عام جانور ایسے ہی ہیں ان میں صرف چیونٹی اور چوہا تو ایسے جانور ہیں جو اپنی غذا کے لئے اپنے بلوں میں جمع کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ چیونٹی سردی کے موسم میں باہر نہیں آتی، اس لئے گرمی کے ایام میں کھانے کا سامان اپنی بل میں جمع کرتی ہے اور مشہور ہے کہ پرندہ جانوروں میں سے عقعق (کوا) بھی اپنی غذا اپنے گھونسلہ میں جمع کرتا ہے مگر وہ رکھ کر بھول جاتا ہے۔ بہر حال دنیا کے تمام جانور جن کی انواع واصناف کا شمار بھی انسان سے مشکل ہے، وہ بیشتر وہی ہیں جو آج اپنی غذا حاصل کرنے کے بعد کل کے لئے نہ غذا مہیا کرتے ہیں نہ اس کے اسباب ان کے پاس ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ یہ پرندے جانور صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں نہ ان کی کوئی کھیتی باڑی ہے نہ کوئی جائیداد وزمین، نہ یہ کسی کارخانے یا

دفتر کے ملازم ہیں جہاں سے اپنا رزق حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کی کھلی زمین میں نکلتے ہیں اور سب کو پیٹ بھرائی رزق ملتا ہے اور یہ ایک دن کا معاملہ نہیں جب تک وہ زندہ ہیں یہی سلسلہ جاری ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ
وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنادیا،
تو وہ ضرور کہہ دیں گے اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔

زمین وآسمان کی تخلیق سے دلیل قدرت کا بیان

"وَلَئِنْ" لام قسم "سَاَلْتهمْ" أَیْ الْكُفَّار "مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَسَخَّرَ الشَّمْس وَالْقَمَر لَيَقُولُنَّ اللّٰه فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ" يُصْرَفُونَ عَنْ تَوْحِيده بَعْد إِقْرَارهمْ بِذٰلِكَ،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ ان کفار سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنادیا، تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔ یعنی اس اقرار کر لینے کے بعد پھر وہ اس کی توحید سے کیوں پھرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ہے۔ خود مشرکین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا سورج کو مسخر کرنے والا دن رات کو پے درپے لانے والا خالق رازق موت وحیات پر قادر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا کے لائق کون ہے اور فقر کے لائق کون ہے؟ اپنے بندوں کی مصلحتیں اس کو پوری طرح معلوم ہیں۔ پس جبکہ مشرکین خود مانتے ہیں کہ تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے سب پر قابض صرف وہی ہے پھر اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ ملک کا مالک وہ تنہا ہے تو عبادتوں کے لائق بھی وہ اکیلا ہے۔

توحید ربوبیت کو مان کر پھر توحید الوہیت سے انحراف عجیب چیز ہے قرآن کریم میں توحید ربوبیت کے ساتھ ہی توحید الوہیت کا ذکر بکثرت سے اس لئے ہے کہ توحید ربوبیت کے قائل مشرکین مکہ تو تھے ہی انہیں قائل معقول کر کے پھر توحید الوہیت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ مشرکین حج وعمرے میں لبیک پکارتے ہوئے بھی اللہ کے لاشریک ہونے کا اقرار کرتے تھے لبیک لاشریک لک الا شریکا ھولک تملکہ وماملک یعنی یا اللہ ہم حاضر ہوئے تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسے شریک کہ جن کا مالک اور جن کے ملک کا مالک بھی تو ہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝
اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرمادیتا ہے، اور جس کے لئے تنگ کر دیتا ہے،

بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

رزق میں وسعت وتنگی کا بہ طور آزمائش ہونے کا بیان

"اللّٰہ یَبْسُط الرِّزْق " یُوَسِّعهُ "لِمَنْ یَشَاء مِنْ عِبَاده " امْتِحَانًا "وَیَقْدِر" یُضَیِّق "لَهُ" بَعْد الْبَسْط أَیْ لِمَنْ یَشَاء ابْتِلَاء ة "إِنَّ اللّٰه بِکُلِّ شَیْء عَلِیم" وَمِنْهُ مَحَلّ الْبَسْط وَالتَّضْیِیق،

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے، تا کہ اس کو آزمائے اور جس کے لئے چاہتا ہے وسعت کے بعد تنگی کر دیتا ہے، تا کہ اس کو آزمائے۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اسی سے رزق کا وسیع وتنگ ہونا ہے۔

حسن، عمرو بن تغلب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہیں دیا، آپ کو یہ خبر ملی کہ لوگ ناراض ہو گئے ہیں تو آپ نے فرمایا میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا حالانکہ جسے میں نہیں دیتا ہوں وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں میں ان لوگوں کو اس لئے دیتا ہوں کہ ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے (اور جنہیں نہیں دیتا) ان کو اس بے نیازی اور بھلائی کے حوالے کر دیتا ہوں جو اللہ نے ان کے دلوں میں ڈال دی ہے۔ عمرو بن تغلب انہیں میں سے ہے عمرو نے کہا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کلمے کے بجائے میرے پاس سرخ اونٹ ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2429)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ
قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۠
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کی مردنی کے بعد حیات بخشی،
تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، آپ فرما دیں: ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

نزول بارش سے دلیل قدرت کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "سَأَلْتهمْ مَنْ نَزَّلَ مِنْ السَّمَاء مَاء فَأَحْیَا بِهِ الْأَرْض مِنْ بَعْد مَوْتهَا لَیَقُولُنَّ اللّٰه " فَکَیْفَ یُشْرِکُونَ بِهِ "قُلْ" لَهُمْ "الْحَمْد لِلّٰهِ " عَلَی ثُبُوت الْحُجَّة عَلَیْکُمْ "بَلْ أَکْثَرهمْ لَا یَعْقِلُونَ" تَنَاقُضهمْ فِی ذَلِکَ

یہاں پر بھی لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر اس سے زمین کو اس کی مردنی کے بعد حیات بخشی، تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، تو پھر شریک کیوں کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، کہ تم پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ عقل نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں اس بات میں تناقض ہے۔

جو ان کی سمجھ میں نہیں آرہا۔

زمین پر آسمان سے بارش برسنے، پھر زمین سے نباتات برآمد ہونے میں اللہ نے اپنی جس قدر مخلوق کو لگا رکھا ہے۔ پھر اس بارش سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے بے اختیار انسان کی زبان سے اللہ کی تعریف جاری ہو جاتی ہے۔ اور الحمد للہ کا عربی زبان میں دوسرا استعمال یہ ہے کہ جب فریق مخالف پر کوئی ایسی دلیل پیش کی جاوے جو اس کے ہاں مسلم ہو اور وہ اس کے برعکس کام کر رہا ہو تو اس وقت اتمام حجت کے طور پر الحمد للہ کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں الحمد للہ کا لفظ اپنے دونوں مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور دنیا کی یہ زندگی نہیں ہے مگر ایک دل لگی اور کھیل، اور بے شک آخری گھر، یقیناً وہی اصل زندگی ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔

دنیا کے کھیل تماشوں کا محض بیکار و بے فائدہ ہونے کا بیان

"وَمَا هَذِهِ الْحَيَاة الدُّنْيَا إلَّا لَهْو وَلَعِب " وَأَمَّا الْقُرَب فَمِنْ أُمُور الْآخِرَة لِظُهُورِ ثَمَرَتهَا فِيهَا "وَإِنَّ الدَّار الْآخِرَة لَهِيَ الْحَيَوَان" بِمَعْنَى الْحَيَاة "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" ذَلِكَ مَا آثَرُوا الدُّنْيَا عَلَيْهَا،

اور دنیا کی یہ زندگی نہیں ہے مگر ایک دل لگی اور کھیل، جبکہ عبادات جو امور آخرت میں سے ہیں کیونکہ ان کا ثواب آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے۔ اور بے شک آخری گھر، یقیناً وہی اصل زندگی ہے، یہاں پر لفظ حیوان یہ بہ معنی حیات ہے۔ اگر وہ جانتے ہوتے۔ کہ انہوں نے دنیا میں اس پر کیا چھوڑا ہے۔

دنیاداری سے پرہیز کرنے کا بیان

حضرت جبیر بن نفیر (تابعی) رحمہ اللہ بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی ہے کہ میں مال و دولت جمع کروں اور تاجر بنوں بلکہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروردگار کی حمد و تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کیجئے اور سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں) میں سے بنیں۔ نیز اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہیے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیاوی زندگی کا آخری وقت آ جائے۔ اس حدیث کو بغوی نے شرح السنہ میں اور ابو نعیم نے کتاب حلیہ میں ابو مسلم سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1132)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے۔

اور (اس خوفزدہ یا فریاد رس کی آواز کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا

گمان ہو (یعنی جب وہ کسی کی خوفزدہ چیخ وپکار یا فریاد و مدد چاہنے والے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ چل پڑے اور اس آواز کو تلاش کرتا پھرے تا کہ موقع پر پہنچ کر فریاد کرنے والے کی مدد کرے اور اس بات سے نہ ڈرے کہ کہیں میری جان پر نہ بن جائے اور مجھے اپنی سی زندگی سے ہاتھ نہ دھونا پڑے یا بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی ایک وادی میں اقامت گزین ہے اور نماز پڑھتا ہے اور "اگر وہ بکریاں حد نصاب کو پہنچتی ہیں تو ان کی زکوۃ ادا کرتا ہے اور پروردگار کی عبادت و بندگی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت آ جائے اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بھلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 916)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا والوں سے الگ تھلگ رہ کر ان کی برائیوں اور ان کے فتنہ وشر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے اور اپنے فتنہ وشر سے دنیا والوں کو بچاتا ہے۔ اس حدیث کا حاصل دراصل دشمنان دین کے مقابلہ پر جہاد اپنے نفس وشیطان سے مجاہدہ اور دنیا کی فانی لذتوں اور نفس کی باطل خواہشات وشہوات سے اجتناب کی طرف راغب کرتا ہے نیز اس بات کی آگاہی دیتا ہے کہ اگر دین کی تائید اور شریعت کی تقویت کے لئے لوگوں کے درمیان رہن سہن اختیار کرے تو بہتر ہے ورنہ (اگر دنیا والوں کے درمیان رہنے سہنے سے دین وشریعت کو نقصان پہنچنے اور ایمان کے کمزور ہو جانے کا خوف ہو) تو گوشہ عافیت اختیار کرے۔

فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا
هُمْ يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○
پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے
ہوتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شریک بنا رہے ہوتے ہیں۔ تا کہ جو کچھ
ہم نے انھیں دیا اس کی ناشکری کریں اور تا کہ فائدہ اٹھالیں۔ سو عنقریب وہ جان لیں گے۔

مشکل میں اللہ پکارنے کے بعد شرک میں مبتلاء ہونے والے مشرکین کا بیان

"فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين" أَيْ الدُّعَاء أَيْ : لَا يَدْعُونَ مَعَهُ غَيْره لِأَنَّهُمْ فِي شِدَّة لَا يَكْشِفهَا إِلَّا هُوَ "فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ" بِهِ، "لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ" مِنَ النِّعْمَة "وَلِيَتَمَتَّعُوا" بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى عِبَادَة الْأَصْنَام وَفِي قِرَاءَة بِسُكُونِ اللَّام أَمْر تَهْدِيد "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ" عَاقِبَة ذٰلِكَ،

پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، یعنی اسی سے دعا کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں، اور اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے کیونکہ اس وقت وہ سختی میں مبتلاء ہوتے ہیں جو اسی ذات

کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے۔ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ اس کے ساتھ شریک بنا رہے ہوتے ہیں۔ تا کہ جو کچھ ہم نے انہیں نعمت دی اس کی ناشکری کریں اور تا کہ فائدہ اٹھالیں۔ یعنی بتوں کی عبادت کر کے اور ایک قرأت کے مطابق لام کے سکون کے ساتھ اور یہاں امر تہدید کیلئے آیا ہے۔ پس عنقریب وہ اس کے انجام وسزا کو جان لیں گے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا بیان

ابن اسحاق میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ ابن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا اتفاقا سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے یہ موقعہ صرف اللہ کو پکارنے کا ہے اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو اس وقت نجات اسی کے ہاتھ ہے۔ یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا سنو اللہ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے سوائے اللہ کے کوئی نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کا ٹالنے والا بھی وہی ہے۔ اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر میں یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دونگا اور آپ کا کلمہ پڑھ لونگا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری خطاؤں سے درگذر فرمالیں گے اور مجھ پر رحم وکرم فرمائیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ (سیرت ابن اسحاق)

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ
یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ۝
اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امان بنا دیا ہے اور ان کے اِرد گرد کے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں،
تو کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے اور اللہ کے احسان کی ناشکری کرتے رہیں گے۔

شہر مکہ میں حرم ہونے کی سعادت کا بیان

"اَوَلَمْ یَرَوْا" یَعْلَمُوا "اَنَّا جَعَلْنَا" بَلَدهمْ مَكَّة "حَرَمًا آمِنًا وَیُتَخَطَّف النَّاس مِنْ حَوْلهمْ" قَتْلًا وَسَبْیًا دُونهمْ "اَفَبِالْبَاطِلِ" الصَّنَم "یُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰه یَكْفُرُونَ" بِاِشْرَاكِهِمْ

اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کعبہ ان کے شہر مکہ کو جائے امان بنا دیا ہے اور ان کے اِرد گرد کے لوگ قتل وقید کے سبب اُچک لئے جاتے ہیں، تو کیا پھر بھی وہ باطل یعنی بت پر ایمان رکھتے اور شرک کر کے اللہ کے احسان کی ناشکری کرتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ قریش کو اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے اپنے حرم میں انہیں جگہ دی۔ جو شخص اس میں آ جائے امن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کے آس پاس جدال وقتال لوٹ مار ہوتی رہتی ہے اور یہاں والے امن وامان سے اپنے دن گزارتے ہیں۔ جیسے سورۃ لایلاف قریش الخ میں بیان فرمایا تو کیا اس اتنی بڑی نعمت کا شکر یہ یہی ہے کہ یہ اللہ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کریں؟ بجائے ایمان

لانے کے شرک کریں اور خود تباہ ہو کر دوسروں کو بھی اسی ہلاکت والی راہ لے چلیں۔ لیکن انہوں نے اس کے برعکس اللہ کے ساتھ شرک وکفر کرنا اور نبی کو جھٹلانا اور ایذاء پہنچانا شروع کر رکھا ہے۔ اپنی سرکشی میں یہاں تک بڑھ گئے کہ اللہ کے پیغمبر کو مکے سے نکال دیا۔ بالآخر اللہ کی نعمتیں ان سے چھننی شروع ہو گئیں۔ بدر کے دن ان کے بڑے بڑے بری طرح قتل ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ کو فتح کیا اور انہیں ذلیل و پست کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ عنکبوت، بیروت)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ط
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○
اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا حق کو جھٹلا دے جب وہ اس کے پاس آئے۔
کیا ان کافروں کے لیے جہنم میں کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"وَمَنْ" أَیْ لَا أَحَد "أَظْلَم مِمَّنْ افْتَرَی عَلَی اللّٰه كَذِبًا" بِأَنْ أَشْرَكَ بِهِ "أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ" النَّبِیّ أَوْ الْكِتَاب "لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّم مَثْوًى" مَأْوًى "لِلْكَافِرِينَ" أَیْ فِيهَا ذٰلِكَ وَهُوَ مِنْهُمْ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اس پر جھوٹ باندھے، یا حق یعنی نبی کریم ﷺ یا کتاب کو جھٹلا دے جب وہ اس کے پاس آئے۔ کیا ان کافروں کے لیے جہنم میں کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے؟ یعنی ایسا شخص ایسے ہی دوزخیوں میں سے ہے۔

اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وحی آتی نہ ہو اور کہہ دے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جو اللہ کی سچی وحی کو جھٹلائے اور باوجود حق پہنچنے کے تکذیب پر کمر بستہ رہے۔ ایسے مفتری اور مکذب لوگ کافر ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○
اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد کرتے ہیں تو ہم یقیناً انھیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں،
اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیت سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں جہاد کرنے والوں پر اللہ کے احسان کا بیان

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا" فِي حَقّنَا "لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" أَیْ طُرُق السَّيْر إلَيْنَا "وَإِنَّ اللّٰه لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ" الْمُؤْمِنِينَ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْن

اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد کرتے ہیں تو ہم یقیناً انھیں اپنی طرف سَیر اور وصول کی راہیں دکھا دیتے ہیں، اور بیشک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیت سے نوازتا ہے۔یعنی اہل ایمان کی نصرت و مدد کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ معنی یہ ہیں کہ جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انھیں ثواب کی راہ دیں گے۔حضرت جنید نے فرمایا جو توبہ میں کوشش کریں گے انھیں اخلاص کی راہ دیں گے۔حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا جو طلبِ علم میں کوشش کریں گے انھیں ہم عمل کی راہ دیں گے۔حضرت سعد بن عبداللہ نے فرمایا جو اقامتِ سنّت میں کوشش کریں گے ہم انھیں جنت کی راہ دکھا دیں گے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ عنکبوت، لاہور)

اللہ کی رضا کیلئے جہاد کرنے والے کیلئے فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں بھیجی (یعنی شریعت پر) ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (از راہ فضل و کرم بحسب اپنے وعدے کے) واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خواہ ہجرت کرے) اور خواہ اپنے وطن و گھر میں جہاں پیدا ہوا بیٹھا رہے (یعنی نہ جہاد کرے اور نہ ہجرت کرے)" صحابہ "نے سن کر) عرض کیا کہ " کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(لیکن جہاد کرنے والے کی یہ فضیلت بھی سن لو کہ) جنت میں سو درجے ہیں۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔لہٰذا جب تم اللہ سے (جہاد پر درجہ عالی) مانگو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ (فردوس) اوسط جنت ہے (یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر و افضل ہے) اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر عرش ہے (گویا وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہے) اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں (یعنی چار چیزیں جنت کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد وہ جنت الفردوس ہی سے جاری ہوتی ہیں۔" (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 910)

اس حدیث میں نماز اور روزے کا تو ذکر کیا گیا ہے لیکن حج اور زکوۃ کا ذکر نہیں ہے اس کی وجہ اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ یہ دو عبادتیں یعنی نماز اور روزہ دیگر عبادتوں کی نسبت اپنی امتیازی اور برتری شان رکھتی ہیں دوسرے یہ کہ ان دونوں عبادات کا تعلق ہر مسلمان سے ہے کہ وہ سب ہی مسلمانوں پر واجب ہیں جب کہ حج اور زکوۃ ایسی عبادتیں ہیں جو ہر مسلمان پر واجب نہیں ہیں بلکہ اسی مسلمان پر واجب ہیں جو مالدار صاحب استطاعت ہو۔خواہ اپنے گھر وطن میں بیٹھا رہے۔" اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فتح مکہ کے دن ارشاد فرمائی تھی کیونکہ فتح مکہ کے دن سے پہلے ہجرت ہر مؤمن پر فرض تھی۔

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا (نماز اور طاعت و عبادات میں) منہمک رہنے والا اور اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا جو روزہ رکھنے اور نماز

پڑھنے (یعنی عبادات میں منہمک رہنے) سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آ جائے۔
(بخاری، ومسلم)

جب مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے اور پھر جہاد کر کے گھر واپس آتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس دوران میں وہ ہمہ وقت جہاد میں مصروف نہیں رہتا بلکہ اس کے اوقات کا کچھ حصہ جہاد میں گزرتا ہے کہ جن میں وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور سوتا لیٹتا بھی ہے اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں بھی وقت گذارتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو یہ درجہ عطا کیا گیا ہے کہ گویا وہ کبھی بھی اور کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں رہتا۔ چنانچہ ہر حرکت وسکون پر اور ہر عیش وآرام پر اس کے نامہ اعمال میں ثواب ہی لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے نکلا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا، اس کو مجھ پر اس کے ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے علاوہ اور کسی نے نہیں نکالا یعنی اس کا جہاد میں جانا دکھاوے سنانے کے لئے نہ ہو۔

اور دنیا میں کسی طلب وخواہش کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ محض میری رضا وخوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلا ہے۔ تو میں اس کو آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا اور یا (اگر شہید ہو گیا تو) میں اس کو (بغیر حساب وعذاب کے سب سے پہلے جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل کروں گا (یا اس کی موت کے بعد ہی قیامت کے دن سے بھی پہلے جنت میں داخل کروں گا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 910)

سورہ عنکبوت کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ عنکبوت کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوۡرَۃُ الرُّوۡمِ

یہ قرآن مجید کی سورت الروم ھے

سورہ الروم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوۡرَۃُ الرُّوۡم (مَکِّیَّۃٌ اِلَّا آیَۃ 17 فَمَدَنِیَّۃٌ وَ آیَاتُھَا سِتُّوۡنَ)

سورہ روم مکّیہ ہے اس میں چھ رکوع ساٹھ آیتیں آٹھ سوانیس کلمے تین ہزار پانچ سو چونتیس حروف ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی دوسری آیت میں لفظ الروم استعمال ہوا ہے۔ جس میں اہل روم کیلئے غلبہ کی پیش بیان ہوئی جو قرآن کے بیان کردہ حکم کے مطابق عین سچ ثابت ہوئی۔ لہٰذا اسی پیش گوئی کے سبب یہ سورت اپنے نام الروم سے معروف ہے۔

سورہ الروم کے شان نزول کا بیان

فارس اور روم کے درمیان جنگ تھی اور چونکہ اہل فارس مجوسی تھے اس لئے مشرکینِ عرب ان کا غلبہ پسند کرتے تھے، رومی اہل کتاب تھے اس لئے مسلمانوں کو ان کا غلبہ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ خسرو پرویز بادشاہ فارس نے رومیوں پر لشکر بھیجا اور قیصرِ روم نے بھی لشکر بھیجا یہ لشکر سرزمین شام کے قریب مقابل ہوئے اہل فارس غالب ہوئے، مسلمانوں کو یہ خبر گراں گزری، کفار مکہ اس سے خوش ہو کر مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم بھی اہل کتاب اور نصارٰی بھی اہل کتاب اور ہم بھی اُمّی اور اہل فارس بھی اُمّی ہمارے بھائی اہل فارس تمہارے بھائیوں رومیوں پر غالب ہوئے ہماری تمہاری جنگ ہوئی تو ہم بھی تم پر غالب ہوں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں خبر دی گئی کہ چند سال میں پھر رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے، یہ آیتیں سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار مکہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ خدا کی قسم رومی ضرور اہل فارس پر غلبہ پائیں گے اے اہل مکہ تم اس وقت کے نتیجہ جنگ سے خوش مت ہو ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے، اُبَی بن خلف کافر آپ کے مقابل کھڑا ہو گیا اور آپ کے اور اس کے درمیان سو سو اونٹ کی شرط ہو گئی اگر نو سال میں اہل فارس غالب آ جائیں تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اُبَی کو سو اونٹ دیں گے اور اگر رومی غالب آ جائیں تو اُبَی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دے گا۔ اس وقت تک قمار کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی۔ القصہ سات سال کے بعد اس خبر کا صدق ظاہر ہوا اور جنگ حُدیبیہ یا بدر کے دن رومی اہل فارس پر غالب آئے اور رومیوں

نے مدائن میں اپنے گھوڑے باندھے اور عراق میں رومیہ نامی ایک شہر کی بنا رکھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط کے اونٹ اُبَی کی اولاد سے وصول کر لئے کیونکہ وہ اس درمیان میں مر چکا تھا، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ شرط کے مال کو صدقہ کر دیں۔ یہ غیبی خبر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحتِ نبوت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی روشن دلیل ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ الروم، بیروت)

سورہ الروم کی نماز میں تلاوت کا بیان

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سورت کی قرأت کی۔ اثناء قرأت میں آپ کو وہم سا ہو گیا فارغ ہو کر فرمانے لگے۔

تم میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوتے ہیں لیکن با قاعدہ ٹھیک ٹھاک وضو نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو اسے اچھی طرح وضو کرنا چاہئے۔ (مسند احمد بن حنبل)

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○
اہل روم مغلوب ہو گئے۔ سب سے قریب زمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔
چند ہی سال میں، اَمر تو اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور بعد بھی، اور اس وقت اہل ایمان خوش ہوں گے۔

اہل روم کے غلبہ کی پیش گوئی کا بیان

"الم" اللّٰہ أَعْلَم بِمُرَادِهِ فِي ذَلِكَ "غُلِبَتْ الرُّوم" وَهُمْ أَهْل الْكِتَاب غَلَبَتْهَا فَارِس وَلَيْسُوا أَهْل كِتَاب بَلْ يَعْبُدُونَ الْأَوْثَان فَفَرِحَ كُفَّار مَكَّة بِذَلِكَ وَقَالُوا لِلْمُسْلِمِينَ : نَحْنُ نَغْلِبكُمْ كَمَا غَلَبَتْ فَارِس الرُّوم "فِي أَدْنَى الْأَرْض" أَيْ أَقْرَب أَرْض الرُّوم إلَى فَارِس بِالْجَزِيرَةِ الْتَقَى فِيهَا الْجَيْشَانِ وَالْبَادِي بِالْغَزْوِ الْفُرْس "وَهُمْ" أَيْ الرُّوم "مِنْ بَعْد غَلَبهمْ" أُضِيفَ الْمَصْدَر إلَى الْمَفْعُول : أَيْ غَلَبَة فَارِس إيَّاهُمْ "سَيَغْلِبُونَ" فَارِس

"فِي بِضْع سِنِينَ" هُوَ مَا بَيْن الثَّلَاث إلَى التِّسْع أَوْ الْعَشْر فَالْتَقَى الْجَيْشَانِ فِي السَّنَة السَّابِعَة مِنْ الِالْتِقَاء الْأَوَّل وَغَلَبَتْ الرُّوم فَارِس "لِلَّهِ الْأَمْر مِنْ قَبْل وَمِنْ بَعْد" أَيْ مِنْ قَبْل غَلْب الرُّوم وَمِنْ بَعْده الْمَعْنَى أَنَّ غَلَبَة فَارِس أَوَّلًا وَغَلَبَة الرُّوم ثَانِيًا بِأَمْرِ اللَّه : أَيْ إرَادَته "وَيَوْمئِذٍ" أَيْ يَوْم تُغْلَب الرُّوم،

اہل روم جو اہل کتاب تھے وہ فارس سے مغلوب ہو گئے۔ کیونکہ فارس اہل کتاب نہیں تھے۔ بلکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے تو

اس پر کفار مکہ خوش ہوئے اور وہ مسلمانوں سے اسی طرح کہنے لگے کہ جس طرح فارس والے اہل روم پر غالب آئے ہیں ہم بھی اسی طرح تم پر غلبہ پائیں گے۔ جو سب سے قریب زمین میں یعنی روم وہ زمین جو فارس کے قریب تھی جس جزیرہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تھا۔ جس لڑائی کی ابتداء فارسیوں نے کی تھی۔ اور وہ یعنی اہل روم اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔ یہاں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ چند ہی سال میں یعنی تین سال سے نو سال یا دس سال عرصہ میں تو اب ان کا پہلا مقابلہ سات سال کے بعد ہوا جس میں اہل روم فارسیوں پر غالب آئے۔ اُمر تو اللہ ہی کا ہے پہلے غلبہ فارس میں بھی اور بعد کے غلبہ روم میں بھی، معنی یہ ہے پہلے اہل فارس کو غلبہ حاصل ہوا جبکہ دوبارہ اہل روم کا غلبہ حاصل ہوا۔ یہ اللہ کے حکم اور اس کے ارادہ سے ہوا ہے۔ اور اس وقت یعنی اہل روم کے غلبہ کے وقت اہل ایمان خوش ہوں گے۔

غلبہ روم کیلئے تعین مدت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان الم غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ الْاٰیَۃَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ دونوں طرح پڑھا گیا غلبت اور غلبت مشرکین اہل فارس کی رومیوں پر برتری سے خوش ہوتے تھے کیونکہ وہ دونوں بت پرست تھے جبکہ مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب ہو جائیں کیونکہ اہل کتاب تھے۔ لوگوں نے اس کا تذکرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عنقریب رومی غالب ہو جائیں گے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے اس کا ذکر کیا تو کہنے لگے ہمارے اور اپنے درمیان ایک مدت مقرر کرلو اور اگر اس مدت میں ہم غالب ہو گئے تو تم ہمیں اتنا اتنا دو گے اور اگر تم لوگ (اہل روم) پر غالب ہو گئے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔

چنانچہ پانچ برس کی مدت متعین کر دی گئی۔ لیکن اس مدت میں روم غالب نہ ہوئے۔ جب اس کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تم نے زیادہ مدت کیوں مقرر نہیں کی۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس کے قریب کہا۔ سعید کہتے ہیں کہ بضع دس سے کم کو کہتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد روم، اہل فارس پر غالب آگئے الم غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ الْاٰیَۃَ سے یہی مراد ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ اہل روم غزوہ بدر کے دن غالب ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1140)

حضرت نیار بن مکرم اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں جب (الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) ، نازل ہوئی تو اہل فارس، اہل روم پر غالب تھے اور مسلمان اہل فارس کو مغلوب دیکھنے کے خواہش مند تھے اس لئے کہ رومی اہل کتاب تھے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ، اور اس دن خوش ہونگے مسلمان اللہ کی مدد سے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ ہے زبردست رحم والا)۔ جبکہ قریش کی چاہت تھی کہ اہل فارس ہی غالب رہیں کیونکہ وہ قریش دونوں نہ اہل کتاب تھے اور نہ کسی نبوت پر ایمان

رکھنے والے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ آیات زور زور سے پڑھتے ہوئے گھومنے لگے۔ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان شرط ہے۔ تمہارے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہنا ہے کہ چند سال میں رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے کیا ہم تم سے اس پر شرط نہ لگائیں۔ اور یہ شرط حرام ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ اس طرح ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مشرکین کے درمیان شرط لگ گئی اور دونوں نے اپنا اپنا شرط کا مال کسی جگہ رکھوادیا۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ بضع تین سے نو تک کے عدد کو کہتے ہیں لہٰذا ایک درمیانی مدت مقرر کرلو۔ چنانچہ چھ سال کی مدت میں روم غالب نہ آ سکے۔

اس پر مشرکین نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ نے چھ سال کی مدت کیوں طے کی تھی۔ انہوں نے فرمایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بضع سنین فرمایا راوی کہتے ہیں کہ اس موقع پر بہت لوگ مسلمان ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف عبدالرحمٰن بن ابی زناد کی روایت سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1142)

معرکہ روم اور فارس سے متعلق تفسیری بیان

یہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ نیشاپور کا شاہ فارس بلاد شام اور جزیرہ کے آس پاس کے شہروں پر غالب آ گیا اور روم کا بادشاہ ہرقل تنگ آ کر قسطنطیہ میں محصور ہوگیا۔ مدتوں محاصرہ رہا آخر پانسہ پلٹا اور ہرقل کی فتح ہوگئی۔ مفصل بیان آگے آ رہا ہے۔

مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ رومیوں کو شکست پر شکست ہوئی اور مشرکین نے اس پر بہت خوشیاں منائیں۔ اس لئے کہ جیسے یہ بت پرست تھے ایسے ہی فارس والے بھی ان سے ملتے جلتے تھے اور مسلمانوں کی چاہت تھی کہ رومی غالب آئیں اس لئے کم از کم وہ اہل کتاب تو تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا رومی عنقریب پھر غالب آ جائیں گے۔ صدیق اکبر نے مشرکین کو جب یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے کہا آؤ کچھ شرط بدلو اور مدت مقرر کرلو اگر رومی اس مدت میں غالب نہ آئیں تو تم ہمیں اتنا اتنا دینار دینا اور اگر تم سچے نکلے تو ہم تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ پانچ سال کی مدت مقرر ہوئی وہ مدت پوری ہوگئی اور رومی غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت نبوی میں یہ خبر پہنچائی آپ نے فرمایا تم نے دس سال کی مدت مقرر کیوں نہ کی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں قرآن میں مدت کے لئے لفظ بضع استعمال ہوا ہے اور یہ دس سے کم پر اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ یہی ہوا بھی کہ دس سال کے اندر اندر رومی پھر غالب آ گئے۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے بعد رومی بھی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

حضرت عبداللہ کا فرمان ہے کہ پانچ چیزیں گذر چکی ہیں دخان اور لزام اور بطشہ اور شق قمر کا معجزہ اور رومیوں کا غالب آنا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر کی شرط سات سال کی تھی۔ حضور نے ان سے پوچھا کہ بضع کے کیا معنی تم میں ہوتے ہیں؟ جواب دیا کہ دس سے کم۔ فرمایا پھر جاؤ مدت میں دو سال بڑھا دو چنانچہ اسی مدت کے اندر اندر رومیوں کے غالب آ جانے کی خبریں عرب میں

پہنچ گئی۔اور مسلمان خوشیاں منانے لگے۔اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔اور روایت میں ہے کہ مشرکوں نے حضرت صدیق اکبر سے یہ آیت سن کر کہا کہ کیا تم اس میں بھی اپنے نبی کو سچا مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر شرط ٹھہری اور مدت گذر چکی اور رومی غالب نہ آئے۔حضور ﷺ کو جب اس شرط کا علم ہوا تو آپ رنجیدہ ہوئے اور جناب صدیق اکبر سے فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب ملا کہ اللہ اور اس کے رسول کی سچائی پر بھروسہ کر کے آپ نے فرمایا پھر جاؤ اور مدت میں دس سال مقرر کر لو خواہ چیز بھی بڑھانی پڑے۔آپ گئے مشرکین نے دوبارہ یہ مدت بڑھا کر شرط منظور کر لی۔ابھی دس سال پورے نہیں ہوئے تھے کہ رومی فارس پر غالب آ گئے اور مدائن میں ان کے لشکر پہنچ گئے۔اور رومیہ کی بنا انہوں نے ڈال لی۔حضرت صدیق نے قریش سے شرط کا مال لیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو۔

اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ایسی شرط بدنے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔اس میں ہے کہ مدت چھ سال مقرر ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ پیشن گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب ہوئے تو بہت سے مشرکین ایمان بھی لے آئے۔(ترمذی)

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام جنید ابن داؤد نے اپنی تفسیر میں وارد کیا ہے کہ عکرمہ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان اور بادشاہ ہی ہوتے تھے۔کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔اب تم مشورہ کر لو کہ کسے سردار بناؤ؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں لڑکا تو لومڑی سے زیادہ مکار اور شکرے سے زیادہ ہوشیار ہے۔دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا ہے۔تیسرا لڑکا شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔اب تم جسے چاہو سرداری دو۔بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز کو سردار بنایا۔یہ لشکروں کو لے کر چلا رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آ گیا۔ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیئے۔ان کے باغات برباد کر دیئے اس سرسبز وشاداب ملک کو ویران وغارت کر دیا۔اور اذرعات اور بصرہ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا۔اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تم ہم بتلادیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان آیتوں کو سن کر مشرکین کے پاس آئے اور فرمانے لگے اپنی اس فتح پر نہ اتراؤ یہ عنقریب شکست سے بدل جائے گی اور ہمارے بھائی اہل کتاب تمہارے بھائیوں پر غالب آئیں گے۔اس بات کا یقین کر لو اس لئے کہ یہ میری بات نہیں بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہے۔یہ سن کر ابی بن خلف کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابوالفضل تم جھوٹ کہتے ہو۔آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو جھوٹا ہے۔اس نے کہا اچھا میں دس دس اونٹنیوں کی شرط بدتا ہوں۔اگر تین سال تک رومی فارسیوں پر غالب آ گئے تو میں تمہیں دس اونٹنیاں دونگا ورنہ تم مجھے دینا۔حضرت صدیق اکبر نے یہ شرط قبول کر لی۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا میں نے تم سے تین سال کا نہیں کہا تھا بضع کا لفظ قرآن میں ہے اور

تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ جاؤ اونٹنیاں بھی بڑھا دو اور مدت بھی بڑھا دو۔ حضرت ابوبکر چلے جب ابی کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا شاید تمہیں پچھتاوا ہوا؟ آپ نے فرمایا سنو میں تو پہلے سے بھی زیادہ تیار ہو کر آیا ہوں۔ آؤ مدت بھی بڑھاؤ اور شرط کا مال بھی زیادہ کرو۔ چنانچہ ایک سو اونٹ مقرر ہوئے اور نو سال کی مدت ٹھہری اسی مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے اور مسلمان قریش پر چھا گئے۔ رومیوں کے غلبے کا واقعہ یوں ہوا کہ جب فارس غالب آ گئے تو شہر براز کا بھائی فرخان شراب نوشی کرتے ہوئے کہنے لگا میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں کسریٰ کے تخت پر آ گیا ہوں اور فارس کا بادشاہ بن گیا ہوں۔ یہ خبر کسریٰ کو بھی پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہر براز کو لکھا کہ میرا یہ خط پاتے ہی اپنے اس بھائی کو قتل کر کے اسکا سر میرے پاس بھیج دو۔ شہر براز نے لکھا کہ اے بادشاہ تم اتنی جلدی نہ کرو۔ فرخان جیسا بہادر شیر اور جرات کے ساتھ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھسنے والا کسی کو تم نہ پاؤ گے بادشاہ نے پھر جواب لکھا کہ اس سے بہت زیادہ اور شیر دل پہلوان میرے دربار میں ایک سے بہتر ایک موجود ہیں تم اس کا غم نہ کرو اور میرے حکم کی فوراً تعمیل کرو شہر براز نے پھر اس کا جواب لکھا اور دوبارہ بادشاہ کسریٰ کو سمجھایا اس پر بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اس نے اعلان کر دیا کہ شہر براز سے میں نے سرداری چھین لی اور اس کی جگہ اس کے بھائی فرخان کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اسی مضمون کا ایک خط لکھ کر قاصد کے ہمراہ شہر بزار کو بھیج دیا کہ تم آج سے معزول ہو اور تم اپنا عہدہ فرخان کو دے دو۔ ساتھ ہی قاصد کو ایک پوشیدہ خط دیا کہ شہر براز جب اپنے عہدے سے اتر جائے اور فرخان اس عہدے پر آ جائے تو تم اسے میرا یہ فرمان دے دینا۔ قاصد جب وہاں پہنچا تو شہر براز نے خط پڑھتے ہی کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم منظور ہے، میں بخوشی اپنا عہدہ فرخان کو دے رہا ہوں۔ فرخان جب تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور لشکر نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو قاصد نے وہ دوسرا خط فرخان کے سامنے پیش کیا جس میں شہر براز کے قتل کا اور اس کا سر دربار شاہی میں بھیجنے کا فرمان تھا۔ فرخان نے اسے پڑھ کر شہر براز کو بلایا اور اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا شہر براز نے کہا بادشاہ جلدی نہ کر مجھے وصیت تو لکھ لینے دے۔ اس نے منظور کر لیا تو شہر براز نے اپنا دفتر منگوایا اور اس میں وہ کاغذات جو شاہ کسریٰ نے فرخان کے قتل کے لئے اسے لکھے تھے وہ سب نکالے اور فرخان کے سامنے پیش کئے اور کہا دیکھ اتنے سوال و جواب میرے اور بادشاہ کے درمیان تیرے بارے میں ہوئے۔ لیکن میں نے اپنی عقلمندی سے کام لیا اور عجلت نہ کی تو ایک خط دیکھتے ہی میرے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ ذرا سوچ لے ان خطوط کو دیکھ کر فرخان کی آنکھیں کھل گئیں وہ فوراً تخت سے نیچے اتر گیا اور اپنے بھائی شہر براز کو پھر سے مالک کل بنا دیا۔ شہر براز نے اسی وقت شاہ روم ہرقل کو خط لکھا کہ مجھے تم سے خفیہ ملاقات کرنی ہے اور ایک ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے اسے میں نہ تو کسی قاصد کی معرفت آپ کو کہلوا سکتا ہوں نہ خط میں لکھ سکتا ہوں۔ بلکہ میں خود ہی آمنے سامنے پیش کرونگا۔ پچاس آدمی اپنے ساتھ لے کر خود آ جائے اور پچاس ہی میرے ساتھ ہونگے قیصر کو جب یہ پیغام پہنچا تو وہ اس سے ملاقات کے لئے چل پڑا۔ لیکن احتیاطاً اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے لئے۔ اور آگے آگے جاسوسوں کو بھیج دیا تاکہ کوئی مکر یا فریب ہو تو کھل جائے جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ کوئی بات نہیں اور شہر براز تنہا اپنے ساتھ صرف پچاس سواروں کو لے کر آیا ہے اس کے ساتھ کوئی اور نہیں۔ چنانچہ قیصر نے بھی مطمئن ہو کر اپنے سواروں کو لوٹا دیا اور اپنے ساتھ صرف پچاس آدمی رکھ لئے۔ جو جگہ ملاقات کی مقرر ہوئی تھی وہاں پہنچ

گئے۔ وہاں ایک ریشمی قبہ تھا اس میں جا کر دونوں تنہا بیٹھ گئے پچاس پچاس آدمی الگ چھوڑ دیئے گئے دونوں وہاں نہتے تھیار تھے صرف چھریاں پاس تھیں اور دونوں کی طرف سے ایک ترجمان ساتھ تھا۔ خیمہ میں پہنچ کر شہر براز نے کہا اے بادشاہ روم بات یہ ہے کہ تمہارے ملک کو ویران کرنے والے اور تمہارے لشکروں کو شکست دینے والے ہم دونوں بھائی ہیں ہم نے اپنی چالاکیوں اور شجاعت سے یہ ملک اپنے قبضہ میں کرلیا ہے۔ لیکن اب ہمارا بادشاہ کسریٰ ہمارا حسد کرتا ہے اور ہمارا مخالف بن بیٹھا ہے مجھے اس نے میرے بھائی کو قتل کرنے کا فرمان بھیجا میں نے فرمان کو نہ مانا تو اس نے اب یہ طے کرلیا ہے کہ ہم آپ کے لشکر میں آ جائیں اور کسریٰ کے لشکروں سے آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں۔ قیصر نے یہ بات بڑی خوشی سے منظور کرلی۔ پھر ان دونوں میں آپس میں اشاروں کنایوں سے باتیں ہوئی جن کا مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں ترجمان قتل کر دیئے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ راز ان کی وجہ سے کھل جائے کیونکہ جہاں دو کے سوا تیسرے کے کان میں کوئی بات پہنچی تو پھر وہ پھیل جاتی ہے۔ دونوں اس پر اتفاق کر کے کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے ترجمان کا کام تمام کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو ہلاک کر دیا اور حدیبیہ والے دن اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے۔ یہ سیاق عجیب ہے اور یہ خبر غریب ہے۔

رومی سب کے سب عیص بن اسحاق بن ابراہیم کی نسل سے ہیں بنو اسرائیل کے چچازاد بھائی ہیں۔ رومیوں کو بنو اصفر بھی کہتے ہیں یہ یونانیوں کے مذہب پر تھے یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں ہیں ترکوں کے چچازاد بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ انہیں متحیرہ بھی کہا جاتا ہے یہ قطب شمالی کو قبلہ مانتے تھے۔ دمشق کی بنا انہی کے ہاتھوں پڑی وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہ بنائی جس کے محراب شمال کی طرف ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد بھی تین سو سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے ان میں سے جو کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کا بادشاہ قسطنطین بن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا۔ ہیلانیہ غندقانیہ تھی حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کرلیا۔ یہ بڑا فلفسی عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں مذہبی چھیڑ چھاڑ اور اختلاف اور مناظرے چھڑ گئے۔ عبداللہ بن اویوس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین سو اٹھارہ پادریوں نے مل کر ایک کتاب لکھی جو بادشاہ کو دی گئی اور وہ شاہی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو امانت کبرٰ کہا جاتا ہے۔ جو درحقیقت خیانت صغریٰ ہے۔ یہیں فقہی کتابیں اسی کے زمانے میں لکھی گئی۔ ان میں حلال حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے علماء نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی کمی یا زیادتی اصل دین مسیح میں کی۔ اور اصل مذہب محرف و مبدل ہو گیا مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے لگے۔ بجائے ہفتہ کے اتوار کو بڑا دن بنایا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ خنزیر کو حلال کرلیا گیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب عید قدرس عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا

پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور نگھے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کرلی۔

کلیسا اور گرجے بہت سارے بنالئے گئے اور شہر قسطنطنیہ کی بنارکھی گئی۔ اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔

اس بادشاہ نے بارہ ہزار گرجے بنادیئے۔ تین محرابوں سے بیت لحم بنا۔ اس کی ماں نے بھی قمامہ بنایا۔ ان لوگوں کو ملکیہ کہتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ پھر سطوریہ۔ یہ سب سطور کے مقلد تھے۔ پھر ان کے بہت سے گروہ تھے جیسے حدیث میں ہے کہ انکے بہتر (۷۲) فرقے ہوگئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک کے بعد ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر ہرقل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ عقلمند تھا بہت بڑا عالم تھا دانائی زیر کی دوراندیشی اور دور بینی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطنت بہت وسیع کرلی اور مملکت دور دراز تک پھیلا دی اس کے مقابلے میں فارس کا بادشاہ کسریٰ کھڑا ہوا اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے آگ کو پوجتے تھے۔ مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ اس کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے پڑا رہا لیکن دارالسلطنت کو فتح نہ کرسکا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا ملک نصف سمندر کی طرف تھا اور نصف خشکی کی طرف تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور رسد تری کے راستے سے برابر پہنچتی رہی آخر میں قیصر نے ایک چال چلی اس نے کسریٰ کو کہلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے تسلی لے لیجئے اور جن شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کرلیجئے۔ کسریٰ اس پر راضی ہوگیا اور اتنا مال طلب کیا کہ وہ اور یہ مل کر بھی جمع کرنا چاہے تو ناممکن تھا۔ قیصر نے اسے قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بیوقوفی کا پتہ چلالیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کا جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اپنے ملک سے باہر چل پھر کر اس دولت کو جمع کرلوں اور آپ کو سونپ دو۔ اس نے یہ درخواست منظور کرلی اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جارہا ہوں۔ اگر ایک سال کے اندر اندر آجاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس سال تک بھی آپ نہ لوٹے تو کیا ہوا۔

یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکا یک دھاوا بول دیا چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں عوام کہاں تک مقابلہ کرتے۔ اس نے قتل عام شروع کیا۔ جو سامنے آیا تلوار کے کام آیا یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کردیا اور چاروں طرف سے مال جمع کیا۔ ان کی تمام عورتوں کو قید کرلیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کرڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا اس محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کی درباری عورتیں

وغیرہ بھی پکڑی گئیں اسکے لشکر کا سر منڈوا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام تو نے مانگے تھے وہ سب حاضر ہیں۔

جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس ان کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور شہر پر بہت سخت حملہ کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اب یہ نہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ قیصر کا فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حملہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے چھوڑا اور خود تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کچھ چارہ لید گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسرا کے لشکر کے پاس سے گذریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گذر گیا ہے۔ یہ اس کے لشکروں کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے چلا گیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دار السلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔

کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا رومی غالب آ گئے فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصرہ کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے۔

پھر نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو تک ہوتا ہے اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر سے فرمایا تھا کہ تمہیں احتیاطا دس سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت ہٹا دینے کی وجہ ہے کہ اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جب کہ روم فارس پر غالب آ جائے گا تو مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی والے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔ ابن عباس سدی ثوری اور ابو سعید یہی فرماتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ والے سال ہوا تھا۔

عکرمہ زہری اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعض نے اس کی توجیہ یہ بیان کی کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکر میں پیادہ بیت المقدس تک جائے گا چنانچہ اس نے اپنی نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔ یہ یہیں تھا۔ اور اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا جو آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت

بصری کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا ہرقل نے نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلایا ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے ذی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر ان سے پوچھا کہ تم میں سے اس کا سب زیادہ قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابو سفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھالیا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھالیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کرونگا اگر یہ کسی سوال کا غلط جواب دے تو تم اس کو جھٹلا دینا۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو لوگ اس کو ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو یقیناً میں جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور کے حسب نسب کہ نسبت آپ کے اوصاف وعادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے؟ ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ بات ٹھہری تھی کہ آپس میں دس سال تک کوئی لڑائی نہ ہوگی۔

یہ واقعہ اس قول کی پوری دلیل بن سکتا ہے کہ رومی فارس پر حدیبیہ والے سال غالب آئے تھے۔ اس لیے کہ قیصر نے اپنی نذر حدیبیہ کے بعد پوری کی تھی واللہ اعلم۔ لیکن اس کا جواب وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ غلبہ روم فارس پر بدر والے سال ہوا تھا یہ دے سکتے ہیں کہ چونکہ ملک کی اقتصادی اور مالی حالت خراب ہو چکی تھی ویرانی غیر آبادی وتنگ حالی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے چار سال تک ہرقل نے اپنی پوری توجہ ملک کی خوشحالی اور آبادی پر رکھی۔ اس کے بعد اس طرف سے اطمینان حاصل کر کے نذر کو پوری کرنے کے لئے روانہ ہوا واللہ اعلم۔ یہ اختلاف کوئی ایسا اہم امر نہیں۔ ہاں مسلمان رومیوں کے غلبہ سے خوش ہوئے اس لئے کہ وہ کیسے ہی ہوں تاہم تھے اہل کتاب۔ اور ان کے مقابلے مجوسیوں کی جماعت تھی جنہیں کتاب سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ تو لازمی امر تھا کہ مسلمان ان کے غلبے سے ناخوش ہوں اور رومیوں کے غلبے سے خوش ہوں۔ خود قرآن میں موجود ہے کہ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہود اور مشرک ہیں اور ان سے دوستیاں رکھنے میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں علماء اور درویش لوگ ہیں اور یہ متکبر نہیں قرآن سن کر یہ رو دیتے ہیں کیونکہ حق کو جان لیتے ہیں پھر اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لائے تو ہمیں بھی ماننے والوں میں کر لے۔

پس یہاں بھی یہی فرمایا کہ مسلمان اس دن خوش ہونگے جس دن اللہ تعالیٰ رومیوں کی مدد کرے گا وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ بڑا غالب اور بہت مہربان ہے۔

حضرت زبیر کلابی فرماتے ہیں میں نے فارسیوں کا رومیوں پر غالب آنا پھر رومیوں کا فارسیوں پر غالب آنا پھر روم اور فارس دونوں پر مسلمانوں کا غالب آنا اپنی آنکھوں سے پندرہ سال کے اندر دیکھ لیا آخر آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں سے بدلہ اور

انتقام لینے پر قادر اور اپنے دوستوں کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگذر فرمانے والا ہے۔ جو خبر تمہیں دی ہے کہ رومی عنقریب فارسیوں پر غالب آ جائیں گے یہ اللہ کی خبر ہے رب کا وعدہ ہے پروردگار کا فیصلہ ہے۔ ناممکن ہے کہ غلط نکلے ٹل جائے یا خلاف ہو جائے۔ جو حق کے قریب ہوا سے بھی رب حق سے بہت دور والوں پر غالب رکھتے ہیں ہاں اللہ کی حکمتوں کو کم علم نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا علم تو خوب رکھتے ہیں اس کی گھتیاں منٹوں میں سلجھا دیتے ہیں اس میں خوب دماغ دوڑاتے ہیں۔ اس کے برے بھلے نقصان کو پہچان لیتے ہیں بہ یک نگاہ اس کی اونچ نیچ دیکھ لیتے ہیں۔ دنیا کمانے کا پیسے جوڑنے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں لیکن امور دین میں اخروی کاموں میں محض جاہل غبی اور کم فہم ہوتے ہیں۔ یہاں نہ ذہن کام کرے نہ سمجھ پہنچ سکے نہ غور وفکر کی عادت۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نماز تک تو ٹھیک پڑھ نہیں سکتے لیکن درہم چٹکی میں لیتے ہی وزن بتادیا کرتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں دنیا کی آبادی اور رونق کی تو بیسیوں صورتیں ان کا ذہن گھڑ لیتا ہے۔ لیکن دین میں محض جاہل اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الروم، بیروت)

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ
وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ غالب ہے مہربان ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے۔
اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اہل روم کی مدد سے اہل ایمان کی مدد کی پیش گوئی کا بیان

"بِنَصْرِ اللّٰه" إِيَّاهُمْ عَلَى فَارِس وَقَدْ فَرِحُوا بِذٰلِكَ وَعَلِمُوا بِهِ يَوْم وُقُوعه أَيْ يَوْم بَدْر بِنُزُولِ جِبْرِيل بِذٰلِكَ مَعَ فَرَحهمْ بِنَصْرِهِمْ عَلَى الْمُشْرِكِينَ فِيهِ "يَنْصُر مَنْ يَشَاء وَهُوَ الْعَزِيز" الْغَالِب "الرَّحِيم" بِالْمُؤْمِنِينَ،

"وَعْد اللّٰه" مَصْدَر بَدَل مِنَ اللَّفْظ بِفِعْلِهِ وَالْأَصْل وَعَدَهُمُ اللّٰه النَّصْر "لَا يُخْلِف اللّٰه وَعْده" بِهِ "وَلٰكِنَّ أَكْثَر النَّاس" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" وَعْده تَعَالَى بِنَصْرِهِمْ

اللہ کی مدد سے، یعنی جو اہل فارس پر ہوئی وہ اس پر خوش ہوئے اور جب اس کا وقوع یوم بدر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا خوش خبری لیکر آنے کے ساتھ ہوئی تو مشرکین کے خلاف مدد پر مسلمان خوش ہوئے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ غالب ہے اہل ایمان کے ساتھ مہربان ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے۔ یہاں پر لفظ وعد کو تلفظ میں اپنے فعل سے بدل دیا گیا یعنی اصل میں "وَعَدَهُمُ اللّٰهُ النَّصْر"، اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ نہیں جانتے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ اہل ایمان کیلئے ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر رومی اہل فارس پر غلب ہو گئے تو مومنوں کو یہ چیز اچھی لگی۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی (الٓمّٓ، غُلِبَتِ الرُّوْمُ ، الم ،مغلوب ہو گئے رومی، ملتے ہوئے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہونگے چند برسوں میں اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہونگے مسلمان اللہ کی مدد سے، مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ چنانچہ کو مومن اہل روم کے فارس پر غالب ہو جانے پر خوش ہو گئے۔نصر بن علی غلبت الروم ہی پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1139)

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝
وہ دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے، وہی غافل ہیں۔

دنیاداروں کا دنیاوی ظاہر بینی کا بیان

"يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنْ الْحَيَاة الدُّنْيَا" أَيْ مَعَايِشهَا مِنْ التِّجَارَة وَالزِّرَاعَة وَالْبِنَاء وَالْغَرْس وَغَيْر ذَلِكَ "وَهُمْ عَنْ الْآخِرَة هُمْ غَافِلُونَ" إعَادَة هُمْ تَأْكِيد

وہ دنیا کی زندگی میں سے ظاہر کو جانتے ہیں یعنی اس کی معیشت، تجارت، زراعت، مکانات و باغات وغیرہ کو جانتے ہیں۔اور وہ آخرت سے، وہی غافل ہیں۔اس کو بہ طور تاکید دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔

یعنی یہ لوگ دنیاوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی جولان گاہ ہے۔اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیاوی زندگی کے بھلے برے نتائج سامنے آئیں گے۔ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے، یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝
اور کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اُسے پیدا نہیں کیا
مگر حق اور ایک مقرر وقت کے ساتھ اور بے شک بہت سے لوگ یقیناً اپنے رب سے ملنے ہی کے منکر ہیں۔

زمین و آسمان کی تخلیق سے دلیل بعث کا بیان

"أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسهمْ" لِيَرْجِعُوا عَنْ غَفْلَتهمْ "مَا خَلَقَ اللَّه السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا إلَّا

بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُسَمًّى " لِذٰلِكَ تَفْنَى عِنْدَ انْتِهَائِهِ وَبَعْدَهُ الْبَعْث "وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ" أَيْ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

اور کیا انھوں نے اپنے دلوں میں غور نہیں کیا تا کہ وہ غفلت سے لوٹ آئیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے پیدا نہیں کیا مگر حق اور ایک مقرر وقت کے ساتھ پیدا کیا ہے لہٰذا یہ اپنی مدت ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فناء ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد بعث ہے۔ اور بے شک بہت سے لوگ یعنی کفار مکہ یقیناً اپنے رب سے ملنے ہی کے منکر ہیں۔ یعنی وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتے۔

یعنی ایک مقصد اور حق کے ساتھ پیدا کیا ہے بے مقصد اور بیکار نہیں۔ اور وہ مقصد ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا اور بدوں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے۔ یعنی کیا وہ اپنے وجود پر غور نہیں کرتے کہ کس طرح انھیں نیست سے ہست کیا اور پانی کے ایک حقیر قطرے سے ان کی تخلیق کی۔ پھر آسمان و زمین کا ایک خاص مقصد کے لیے وسیع وعریض سلسلہ قائم کیا نیز ان سب کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا یعنی قیامت کا دن۔ جس دن یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان باتوں پر غور کرتے تو یقیناً اللہ کے وجود اس کی ربوبیت والوہیت اور اس کی قدرت مطلقہ کا انھیں ادراک واحساس ہو جاتا اور اس پر ایمان لے آتے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا
اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰـكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ؀
کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر وسیاحت نہیں کی تا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے،
وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے، اور انہوں نے زمین میں زراعت کی تھی اور اسے آباد کیا تھا، اس سے کہیں بڑھ کر
جس قدر انہوں نے زمین کو آباد کیا ہے، پھر ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں لے کر آئے تھے، سو اللہ ایسا نہ
تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

رسولان گرامی کی تکذیب کے سبب سابقہ اقوام کی ہلاکتوں کا بیان

"أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْض فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ " مِنَ الْأُمَم وَهِيَ إِهْلَاكهمْ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلهمْ "كَانُوا أَشَدّ مِنْهُمْ قُوَّة " كَعَادٍ وَثَمُود "وَأَثَارُوا الْأَرْض" حَرَثُوهَا وَقَلَّبُوهَا لِلزَّرْعِ وَالْغَرْس "وَعَمَرُوهَا أَكْثَر مِمَّا عَمَرُوهَا " أَيْ كُفَّار مَكَّة "وَجَاءَتْهُمْ رُسُلهمْ بِالْبَيِّنَاتِ " بِالْحُجَجِ الظَّاهِرَات "فَمَا كَانَ اللّٰه لِيَظْلِمهُمْ " بِإِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ جُرْم "وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسهمْ يَظْلِمُونَ "

بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلَهُمْ

کیا ان لوگوں نے زمین میں سَیر وسیاحت نہیں کی تا کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے امم تھیں اور وہ اپنے زمانے کے رسولان گرامی کی تکذیب کے سبب ہلاک ہوگئیں، وہ لوگ ان سے زیادہ طاقتور تھے، جس طرح قوم عاد وثمود ہے اور انہوں نے زمین میں زراعت کی تھی اور اسے آباد کیا تھا، اس سے کہیں بڑھ کر جس قدر انہوں نے زمین کو آباد کیا ہے، اور ان کی عمریں ان کفار مکہ سے کہیں زیادی تھیں۔ پھر ان کے پاس ان کے پیغمبر واضح نشانیاں یعنی ظاہری دلائل لے کر آئے تھے، سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، یعنی ان کو بغیر جرم کے ہلاک کر دیتا۔ لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی تھی۔

اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو اس طرح ظاہر فرماتا ہے کہ دیکھ لو ان کے مخالفین کا کس قدر عبرتناک انجام ہوا؟ اور ان کے ماننے والوں کو کس طرح دونوں جہاں کی عزت ملی؟ تم چل پھر کر اگلے واقعات معلوم کرو کہ گذشتہ امتیں جو تم سے زیادہ زور آور تھیں تم سے زیادہ مال وزر والی تھیں تم سے زیادہ آبادیاں انہوں نے کیں تم سے زیادہ کھیتیاں اور باغات ان کے تھے اس کے باوجود جب ان کے پاس اس زمانے کے رسول آئے انہوں نے دلیلیں اور معجزے دکھائے اور پھر بھی اس زمانے کے ان بدنصیبوں نے ان کی نہ مانی اور اپنے خیالات میں مستغرق رہے اور سیاہ کاریوں میں مشغول رہے تو بالآخر عذاب اللہ ان پر برس پڑے۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو انہیں بچا سکے یا کسی عذاب کو ان پر سے ہٹا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو انکے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا۔ یہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے رب کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو انکی نگاہوں کو پھیر دیا اور انہیں ان کی سرکشی میں حیران چھوڑ دیا ہے۔

اور آیت میں ہے ان کی کجی کی وجہ سے اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اس آیت میں ہے کہ اگر اب بھی منہ موڑیں تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں پر ان کی پکڑ کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ اس بنا پر السوای منصوب ہوگا اساوا کا مفعول ہو کر۔ اور یہ بھی قول ہے کہ سوای یہاں پر اس طرح واقع ہے کہ برائی ان کا انجام ہوئی۔ اس لئے کہ وہ آیات اللہ کے جھٹلانے والے اور ان کا مذاق اڑانے والے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ روم، بیروت)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۝
پھر ان لوگوں کا انجام بہت برا ہوا جنہوں نے برائی کی اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قرآن کی تکذیب کرنے والوں کیلئے برے انجام کا بیان

"ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَى" تَأْنِيث الْأَسْوَأ : الْأَقْبَح خَبَر كَانَ عَلَى رَفْع عَاقِبَة وَاسْم كَانَ عَلَى نَصْب عَاقِبَة وَالْمُرَاد بِهَا جَهَنَّم وَإِسَاءَتهمْ "أَنْ" أَيْ : بِأَنْ "كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّه" الْقُرْآن

پھر ان لوگوں کا انجام بہت برا ہوا۔ یہاں پر لفظ السوای یہ الاسواء کی مؤنث ہے۔ جس کا معنی اقبح ہے۔ جو کان کی خبر ہے اور اور عاقبت پر نصب کی صورت میں وہ کان کا اسم ہے۔ اس سے مراد جہنم ہے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جنہوں نے برائی کی اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کو جھٹلاتے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اساء وا۔ ماضی جمع مذکر غائب۔ انہوں نے برا کیا۔ اساءۃ (افعال) مصدر۔ السوای برافعل۔ اسوء کی تانیث ہے بروزن احسن حسنی۔ ثم کان عاقبۃ الذین اساء وا السوای: عاقبۃ (تاء کی فتح کے ساتھ) کان کی خبر مقدم ہے اور السوء اس کا اسم۔ عبارت یوں ہوگی: کانت السوای عاقبۃ الذین اساء وا جنہوں نے برا کیا ان کا انجام برا ہوا۔ اور بعض نے عاقبۃ کی تاء کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں عاقبۃ کان کا اسم ہوگا اور السوء یا اس کی خبر، ان لوگوں کی عاقبت جنہوں نے برا کیا بہت بری ہوئی اس صورت میں کان کا صیغہ مونث ہونا چاہئے تھا یعنی کانت عاقبۃ، لیکن عاقبۃ مونث غیر حقیقی ہونے کی وجہ سے کان کی تذکیر جائز ہے۔

یہ ان کے ظلم اور زیادتی کی آخری حد تھی۔ نہ انہوں نے اپنے اندر کی شہادت پر غور کیا، نہ نظام کائنات میں غور کیا اور رسولوں نے انھیں جب اصل حقائق سے آگاہ کیا تو انھیں صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ ان کا اور اللہ کی آیات کا مذاق بھی اڑانے لگے۔ جب ان کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی اور عملی طور پر اس ظلم اور زیادتی میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے تو انھیں ان کی بداعمالیوں کی سزا بھی اتنی ہی بری ملی جس حد تک ان کے اعمال برے تھے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ○
اللہ مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے۔

اول تخلیق سے اعادہ مخلوق کی دلیل کا بیان

"اَللّٰهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ" أَيْ: يُنْشِىءُ خَلْقَ النَّاسِ "ثُمَّ يُعِيدُهُ" أَيْ خَلْقَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ "ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ "وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ" يَسْكُتُ الْمُشْرِكُونَ لِانْقِطَاعِ حُجَّتِهِمْ

اللہ مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا، یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہاں پر لفظ ترجعون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرم لوگ مایوس ہو جائیں گے۔ لہٰذا مشرکین کی دلیل ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ خاموش ہو جائیں گے۔

فرمان باری ہے کہ سب سے پہلے مخلوقات کو اسی اللہ نے بنایا اور جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا اب فنا کر

کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے تم سب قیامت کے دن اسی کے سامنے حاضر کئے جانے والے ہو۔وہاں وہ ہر ایک کو اسکے اعمال کا بدلہ دے گا۔قیامت کے دن گنہگار نا امید رسوا اور خاموش ہو جائیں گے۔اللہ کے سوا جن جن کی دنیا میں عبادت کرتے رہے ان میں سے ایک بھی ان کی سفارش کے لئے کھڑا نہ ہوگا۔اور یہ انکے پوری طرح محتاج ہونگے لیکن وہ ان سے بالکل آنکھیں پھیر لیں گے اور خود ان کے معبودان باطلہ بھی ان سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور صاف کہدیں گے کہ ہم میں انمیں کوئی دوستی نہیں۔قیامت قائم ہوتے ہی اس طرح الگ الگ ہو جائیں گے جس کے بعد ملاپ ہی نہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ○
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ○
اوران کے شریکوں میں سے ان کے لئے سفارشی نہیں ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے۔
اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔

معبودان باطلہ کا قیامت کے دن عابدین سے اظہار برأت کا بیان

"وَلَمْ يَكُنْ" أَيْ لَا يَكُون "لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ" مِمَّنْ أَشْرَكُوهُمْ بِاَللّٰهِ وَهُمْ الْأَصْنَام لِيَشْفَعُوا لَهُمْ "شُفَعَاء وَكَانُوا" أَيْ : يَكُونُونَ "بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ" أَيْ مُتَبَرِّئِينَ مِنْهُمْ "وَيَوْم تَقُوم السَّاعَة يَوْمَئِذٍ" تَأْكِيد "يَتَفَرَّقُونَ" الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافِرُونَ

اوران کے خودساختہ شریکوں میں سے ان کے لئے سفارشی نہیں ہوں گے یعنی جن بتوں کو انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تا کہ وہ ان کیلئے سفارش کریں گے۔اور وہ بالآخر اپنے شریکوں کے ہی منکر ہو جائیں گے۔یعنی ان سے برأت کا اظہار کریں گے۔اور جس دن قیامت برپا ہوگی یہ تاکید ہے۔اس دن لوگ یعنی اہل ایمان و کفار الگ الگ ہو جائیں گے۔

یعنی بے جان معبودوں سے تو سفارش کی توقع ہی عبث ہے۔البتہ ان پتھروں اور شجر حجر کو بھی مشرکوں کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا تا کہ ایسے نعمتوں کی حسرت میں اضافہ ہو نیز یہ اشیاء جہنم کی آگ کو مزید بھڑکا کر ان کے لئے مزید عذاب کا باعث بنجائے۔ دوسری قسم کے معبود اللہ کے حضور صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کمبختوں کو شرک سے منع ہی کرتے رہے ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ بد بخت ہماری ہی عبادت شروع کر دی گے۔لہٰذا یہ لوگ بھی اپنے عابدوں سے سخت بیزار ہوں گے۔وہ ان کی سفارش کیا کریں گے۔تیسری قسم کے لوگ جو فی الواقعہ مجرم ہوں گے۔وہ تو خود گرفتار بلا اور عذاب میں ماخوذ ہوں گے۔وہ اس بات کو غنیمت سمجھیں گے کہ اپنے عابدوں کے گناہوں کا کچھ حصہ ان پر نہ ضالا جائے گا لہٰذا وہ ایسے دلائل دینا شروع کر دیں گے جن سے یہ ثابت کر سکیں کہ یہ عابد حضرات اپنے جرائم کے خود ہی ذمہ دار تھے۔اور اس طرح ان کے دشمن بن جائیں گے اور اپنے آپ کو ان سے چھڑانا چاہیں گے۔ اس حال میں بھلا وہ کیا سفارش کر سکیں گے۔غرضیکہ مشرکوں کے شریکوں میں سے کوئی بھی اللہ کے ہاں ان کی سفارش نہ کرے گا یا

کرنے کے قابل ہی نہ ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ○

پس جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو وہ باغاتِ جنت میں خوش حال ومسرور کردیئے جائیں گے۔

ایمان ونیک اعمال والوں کیلئے جنت میں خوشی ومسرت ہونے کا بیان

"فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فَهُمْ فِي رَوْضَة" جَنَّة "يُحْبَرُونَ" يُسَرُّونَ

پس جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو وہ باغاتِ جنت میں خوش حال ومسرور کردیئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے کہ (آج تک) نہ کسی آنکھ نے اس (جیسی کسی چیز) کو دیکھا ہے نہ کسی کان نے (اس جیسی خوبیوں کا) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں (اس کی ماہیت کا تصور تک آیا ہے اگر تم اس بات کی تصدیق چاہو تو یہ آیت پڑھو: (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ، السجدہ، (بخاری ومسلم)

کوئی بھی شخص نہیں جانتا ہے جو بندے شب بیداری کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں) ان کے لئے کیا چیز چھپا رکھی گئی ہے جو آنکھ کی ٹھنڈک کا سبب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 179)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ○

اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

قرآن کی تکذیب کر کے کفر کرنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا" الْقُرْآن "وَلِقَاء الْآخِرَة" الْبَعْث وَغَيْره،

اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیتوں یعنی قرآن کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کو لائے جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن میدان حشر میں لوگوں کو تین طرح سے لایا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو پیدل چل کر آئیں گے، ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو سواریوں پر آئیں گے اور ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو منہ کے بل چلتے ہوئے آئیں گے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (پاؤں کے بل چلنے کی عادت کے بالکل خلاف) لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح آئیں گے؟ فرمایا۔ "حقیقت یہ ہے کہ جس ذات نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے اور جان لو کہ وہ لوگ منہ کے بل چلنے میں اپنے منہ کو بلندی

اور کانٹوں سے بچائیں گے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 119)

پہلی قسم کے لوگ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کے ذخیرہ اعمال میں نیک اور برے دونوں طرح کے عمل ہیں اور وہ خوف ورجاء کے درمیان تردد کی حالت میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں دوسری قسم کے لوگ وہ کامل الایمان ہوں گے جو نیک اعمال میں سبقت وپیش قدمی اختیار کرتے ہیں اور تیسری قسم اہل کفر وشرک پر مشتمل ہوگی۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان اپنے پاؤں کے بل چلتا ہے تو وہ راستہ کی روکاٹوں اور ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے ہاتھ اور پاؤں کے ذریعہ بچتا ہے اسی طرح وہ تیسری قسم کے لوگ) قیامت کے دن جب منہ کے بل چل کر آئیں گے تو ان کے منہ وہی انجام دیں گے جو ہاتھ پاؤں انجام دیتے ہیں اور بغیر کسی فرق کے اپنے منہ کے ذریعہ راستہ نشیب وفراز، کانٹوں اور دوسری ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے اپنا بچاؤ کریں گے اور اس دن ان کو منہ کے بل چلانا اس امر کا اعلان ہوگا کہ ان لوگوں نے چونکہ دنیا میں سجدہ اطاعت نہیں کیا اور اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی گردن کو نہیں جھکایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو منہ کے بل چلا کر ذلیل وخوار کیا ہے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝
پس اللہ کی تسبیح ہے، جب تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ اور اسی کے لیے سب تعریف ہے
آسمانوں اور زمین میں اور پچھلے پہر اور جب تم ظہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔

پانچوں نمازوں کے اوقات میں عبادت کرنے کا بیان

"فَسُبْحَانَ اللّٰه" أَيْ : سَبِّحُوا اللّٰه بِمَعْنَى صَلُّوا "حِين تُمْسُونَ" أَيْ تَدْخُلُونَ فِي الْمَسَاء وَفِيهِ صَلَاتَانِ : الْمَغْرِب وَالْعِشَاء "وَحِين تُصْبِحُونَ" تَدْخُلُونَ فِي الصَّبَاح وَفِيهِ صَلَاة الصُّبْح "وَلَهُ الْحَمْد فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض" اعْتِرَاض وَمَعْنَاهُ يَحْمَدهُ أَهْلهمَا "وَعَشِيًّا" عَطْف عَلَى حِين وَفِيهِ صَلَاة الْعَصْر "وَحِين تُظْهِرُونَ" تَدْخُلُونَ فِي الظَّهِيرَة وَفِيهِ صَلَاة الظُّهْر

پس اللہ کی تسبیح ہے، یہاں پر لفظ سبحوا بہ معنی صلوا ہے یعنی نماز پڑھو۔ جب تم شام کرتے ہو یعنی اس شام کے وقت میں اس میں دو نمازیں ہیں۔ نماز مغرب اور نماز عشاء ہے۔ اور جب صبح کرتے ہو۔ یعنی جب وہ صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہیں اور اس میں نماز فجر ہے۔ اور اسی کے لیے سب تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں ہے یہ جملہ معترضہ ہے۔ جس کا معنی یہ ہے ان دونوں یعنی زمین وآسمان والے حمد اسی کیلئے کرتے ہیں اور عشیا کا عطف حین پر ہے۔ جس میں نماز عصر ہے۔ اور پچھلے پہر اور جب تم ظہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو۔ اور اس میں نماز ظہر ہے۔

حمد اور تسبیح کو پڑھنے کی فضیلت کا بیان

پاکی بولنے سے یا تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح وثناء مراد ہے اور اس کی احادیث میں بہت فضیلتیں وارد ہیں یا اس سے نماز مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کیا پنجگانہ نمازوں کا بیان قرآن پاک میں ہے؟ فرمایا ہاں اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا کہ ان میں پانچوں نمازیں اور ان کے اوقات مذکور ہیں۔

اس رب تعالیٰ کا کمال قدرت اور عظمت سلطنت پر دلالت اس کی تسبیح اور اس کی حمد سے ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہبری کرتا ہے اور اپنا پاک ہونا اور قابل حمد ہونا بھی بیان فرما رہا ہے۔ شام کے وقت جبکہ رات اپنے اندھیروں کو لے آتی ہے اور صبح کے وقت جبکہ دن اپنی روشنیوں کو لے آتا ہے۔ اتنا بیان فرما کر اس کے بعد کا جملہ بیان فرمانے سے پہلے ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ زمین وآسمان میں قابل حمد وثنا وہی ہے ان کی پیدائش خود اس کی بزرگی پر دلیل ہے۔ پھر صبح شام کے وقتوں کی تسبیح کا بیان جو پہلے گذرا تھا اس کے ساتھ عشاء اور ظہر کا وقت ملا لیا۔ جو پوری اندھیرے اور کامل اجالے کا وقت ہوتا ہے۔ بیشک تمام پاکیزگی اسی کو سزاوار ہے جو رات کے اندھیروں کو اور دن کے اجالوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ صبح کا ظاہر کرنے والا رات کو سکون والی بنانے والا وہی ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ روم، بیروت)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۝
وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم
نکالے جاؤ گے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر اچانک تم بشر ہو، جو پھیل رہے ہو۔

مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکالنے کا بیان

"يُخْرِجِ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ" كَالْإِنْسَانِ مِنَ النُّطْفَةِ وَالطَّائِرِ مِنَ الْبَيْضَةِ "وَيُخْرِجِ الْمَيِّتَ" النُّطْفَةَ وَالْبَيْضَةَ "مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ" بِالنَّبَاتِ "بَعْدَ مَوْتِهَا" أَيْ يُبْسِهَا "وَكَذَلِكَ" الْإِخْرَاج "تُخْرَجُونَ" مِنَ الْقُبُورِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول

"وَمِنْ آيَاته" تَعَالَى الدَّالَّة عَلَى قُدْرَته "أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَاب" أَيْ: أَصْلكُمْ آدَم "ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَر" مِنْ دَم وَلَحْم "تَنْتَشِرُونَ" فِي الْأَرْض

وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جس طرح انسان کو نطفہ سے اور پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے جس طرح نطفہ اور انڈہ ہے۔ اور زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد نبات سے زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ یہاں پر لفظ تخرجون یہ معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ اور اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جو

اللہ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں کہ اس نے تمھیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، یعنی تمہاری اصل آدم ہیں۔ پھر اچانک تم خون اور گوشت کے بشر ہو، جو زمین میں پھیل رہے ہو۔

حیوانات ونباتات کی افزائش نسل سے استدلال بعث کا بیان

رحم مادر میں استقرار حمل کے بعد اس مخلوط نطفہ کی تربیت حیض کے گندے اور سیاہ رنگ کے خون سے ہوتی ہے جو اس مخلوط مادہ منویہ پر حاوی ہو کر اسے منجمد اور لبوترے سے منجمد خون کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے اور مخلوط مادہ منویہ کا وجود اس میں باقی نہیں رہتا بلکہ وہ اس میں مدغم ہو جاتا ہے۔ پھر یہی جما ہوا خون گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے۔ یعنی اس جمے ہوئے خون میں سختی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ پھر اسی گوشت کے لوتھڑے سے بچہ کی صورت کے نقش ونگار بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ رحم مادر میں ایسے سات قسم کے تطورات ہوتے ہیں۔ جنہیں انسان خود بھی آلات کے ذریعہ مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ ان کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ وہ ان چیزوں کا مشاہدہ اور علم تو حاصل کر سکتا ہے جو وقوع پذیر ہو رہی ہوتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جان سکتا کہ ایسا کیوں اور کیسے ہوتا ہے۔

بالکل یہی صورت کسی غلے یا درخت یا پودے کے بیج کی ہوتی ہے جو دراصل مرد یا کسی بھی نر کے نطفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمین اس کے لئے رحم مادر کا درجہ رکھتی ہے۔ تو جس طرح مرد کے نطفہ کا کسی عورت کے رحم میں جا پڑنے سے استقرار حمل ضروری نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر بیج میں جو زمین پر گر پڑے اس سے درخت بننا ضروری نہیں ہوتا۔ پھر جب ایسی زمین جس میں بیج پڑا ہو۔ بارش کے پانی سے سیراب ہو جاتی ہے۔ اور موسم سازگار ہوتا ہے تو یہ گویا اس بیج کے استقرار حمل کا وقت ہوتا ہے۔ پانی سے زمین کے ذرات میں حرکت پیدا ہونے لگتی ہے، وہ پھول جاتے ہیں اور زمین میں دفن شدہ بیج سے مل جاتے ہیں اور اسے اپنے اندر ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس طرح بیج اپنا وجود ختم کر کے ایک ملغوبہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر کسی ملغوبہ سے نرم و نازک کونپل نکلتی ہے۔ زمین کے اندر بیج پر بعینہ اس قسم تطورات آتے ہیں جس طرح انسان کے نطفہ پر رحم مادر میں آتے ہیں۔ تا آنکہ یہی نرم و نازک کونپل چند دن بعد زمین کا سینہ چیر کر زمین سے باہر نکل آتی پھر زمین ہی سے اپنی خوراک حاصل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ باتیں ہم مشاہدہ تو کر سکتے ہیں لیکن یہ نہیں جان سکتے کہ کیوں اور کیسے ہوتا ہے۔

پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مرے ہوئے انسان کے جسم کے ذرات بالآخر زمین میں پہنچ جاتے ہیں۔ خواہ کسی کی معیت زمین میں دفن کی گئی ہو۔ یا جلا دی گئی ہو یا دریا برد ہوئی ہو یا اسے درندوں نے پھاڑ کر کھایا ہو۔ بالآخر اس کے ذرات بلا واسطہ یا بالواسطہ زمین میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی زمین انسان کی دوسری پیدائش کے لئے رحم مادر کا کام دیتی ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی دم جس کا نام عجب الذنب ہے۔ اس کے ذرات کبھی فنا نہیں ہوتے، انھیں ذرات میں سے ایک ذرہ انسان کے بیج یا نطفہ کا کام دیتا ہے، لیکن یہ زمین میں اس وقت تک بیکار پڑا رہے گا جب تک اسے مناسب موسم میسر نہ آئے۔ اور اس کا مناسب موسم وہ بارش ہے جو قیام قیامت کے بعد نفخہ صور یا حشر کے دن سے پہلے اسی زمین پر برسے گی اور یہ چیز بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ پھر اس بارش کے پانی سے زمین کے ذرات پھول کر انسان کے بیج کو ڈھانپ لیں گے پھر اس ملغوبہ پر

وہی تطورات شروع ہو جائیں گے جو حیض کی صورت میں ماں کے پیٹ میں اور بیج کی صورت میں زمین کے پیٹ میں واقع ہوتے ہیں پھر معینہ مدت کے بعد تمام کے تمام انسان زمین میں سے اس طرح اگ آئیں گے جس طرح زمین کو پھاڑ کر نباتات اگ آتی ہے اور جس طرح یہ تطورات ماں کے یا زمین کے پیٹ میں طبعی طور پر واقع ہوتے ہیں جس میں انسان کا یا بیج کا اپنا عمل دخل کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہی تطورات دوسری پیدائش کی صورت میں انسان پر طبعی طور پر واقع ہوں گے۔ جس میں اس کے اپنے ارادہ واختیار کو کچھ دخل نہ ہوگا اور معینہ مدت کے بعد وہ زمین سے باہر نکل آنے پر مجبور ہوگا۔ (كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ) اور (كَذٰلِكَ الْمَخْرُوْجُ) سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تطورات بالکل ویسے ہی طبیعی طور پر واقع ہونے والے امور ہونگے جیسا کہ ماں کے یا زمین کے پیٹ میں واقع ہوتے ہیں اور یہ تو واضح بات ہے کہ یہ دوسری بار کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی بار کی پیدائش سے آسان تر ہوگی۔

اس آیت میں تُخْرَجُوْنَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم زمین سے نکال لئے جاؤ گے۔ اور تمہارا یہ نکالا جانا ایک اضطراری عمل ہوگا جس میں تمہاری مرضی کو کچھ عمل دخل نہ ہوگا جیسے تم جب اس دنیا میں آئے یا اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس میں تمہاری اپنی مرضی کا کچھ عمل دخل نہ تھا۔ اسی طرح تمہاری دوبارہ جی اٹھنا بھی ایک قہری اور اضطراری امر ہوگا۔ اس سلسلہ میں تمہاری رائے نہیں لی جائے گی۔ نہ تمہارا کچھ عمل دخل ہوگا۔ (تفسیر تیسیر القرآن)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور
اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

انسانی تخلیق میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہونے کا بیان

"وَمِنْ آيَاته أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسكُمْ أَزْوَاجًا" فَخُلِقَتْ حَوَّاء مِنْ ضِلَع آدَم وَسَائِر النَّاس مِنْ نُطَف الرِّجَال وَالنِّسَاء "لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا" وَتَأْلَفُوهَا "وَجَعَلَ بَيْنكُمْ" جَمِيعًا "مَوَدَّة وَرَحْمَة إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَات لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" فِي صُنْع اللّٰه تَعَالَى،

اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو پیدا کیا اور تمام لوگوں کو مردوں اور عورتوں کو نطفوں سے پیدا کیا۔ تا کہ تم ان کی طرف سکون پاؤ یعنی الفت پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بیشک اس مذکورہ نظام تخلیق میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ کی صنعت میں غور و فکر کرتے ہیں۔

ازدواجی زندگی کو بہ طور سکون بنانے کا بیان

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحت قلب ہے۔ جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام و نامراد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باہمی سکون قلب صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی بنیاد شرعی نکاح اور ازدواجی پر ہو، جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف کی حرام صورتوں کو رواج دیا اگر تفتیش کی جائے تو ان کی زندگی کو کہیں پُرسکون نہ پائیں گے، جانوروں کی طرح وقتی خواہش پوری کر لینے کا نام سکون نہیں ہوسکتا۔

حضرت معقل بن یسار کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنیوالی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 313)

منکوحہ عورت میں مذکورہ بالا دو صفتوں کو ساتھ ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے محبت کم کرتی ہو تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا اور مطلوب امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت سے جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں ممکن ہے اگر مسلمان عورتوں کے ہاں زیادہ بچے ہوں گے تو امت میں کثرت ہوگی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ اور مطلوب ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکاح سے پہلے یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ کون سی عورت اپنی آئندہ زندگی میں ان اوصاف کی حامل ثابت ہوسکتی ہے تو اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ کسی خاندان و کنبہ کا عام مشاہدہ اس کی کسی عورت کے لئے ان صفتوں کا معیار بن سکتا ہے چنانچہ ان اکثر لڑکیوں میں یہ صفتیں موجود ہوسکتی ہیں جن کے خاندان و قرابت داروں میں ان صفتوں کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوتے ہیں اور عادت و مزاج میں کسی خاندان و کنبہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہے اس لئے کسی خاندان کی لڑکی کے بارے میں اس کے خاندان کے عام مشاہدہ کے پیش نظر ان اوصاف کا اندازہ لگا لینا کوئی مشکل نہیں ہے۔ بہرکیف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنیوالی اور بچے پیدا کرنیوالی عورت سے نکاح کرنا مستحب ہے نیز یہ کہ زیادہ بچے ہونا بہتر اور پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یعنی امت کی زیادتی و کثرت کا فخر حاصل ہوتا ہے ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں نکاح کرنے سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو اور اس بات کی کوشش کرو کہ آپس میں کبھی کوئی تفرقہ اور جدائی نہ ہو۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے۔

بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔

زبان ورنگ کے اختلاف سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آيَاته خَلْق السَّمَوَات وَالْأَرْض وَاخْتِلَاف أَلْسِنَتِكُمْ" أَيْ لُغَاتكُمْ مِنْ عَرَبِيَّة وَعَجَمِيَّة وَغَيْرهَا "وَأَلْوَانكُمْ" مِنْ بَيَاض وَسَوَاد وَغَيْرهمَا وَأَنْتُمْ أَوْلَاد رَجُل وَاحِد وَامْرَأَة وَاحِدَة "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات" دَلَالَات عَلَى قُدْرَته تَعَالَى "لِلْعَالَمِينَ" بِفَتْحِ اللَّام وَكَسْرهَا أَيْ : ذَوِي الْعُقُول وَأُولِي الْعِلْم

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں یعنی عربی عجمی وغیرہ اور تمھارے رنگوں یعنی سفید وسیاہ وغیرہ کا الگ الگ ہونا ہے۔ حالانکہ تم ایک مرد اور عورت کی اولاد ہو۔ بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالی کی قدرت پر دلائل ہیں۔ یہاں پر لفظ للعالمین یہ لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اہل علم ذوالعقول کیلئے آیا ہے۔

آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہونا ہے کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ بعض زرد، اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمہ قدرت ہے۔ زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں، جو مختلف خطوں میں رائج ہیں اور ایک دوسرے سے بعض تو ایسی مختلف ہیں کہ کوئی باہمی ربط ومناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی اور اس اختلاف السنہ میں لب ولہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرت حق نے ہر فرد انسان مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد سے ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے۔ حالانکہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، تالو، حلق، سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے تمھارا دن اور رات میں سونا اور تمھارا اس کے فضل سے تلاش کرنا ہے۔

بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔

دن رات کے اختلاف سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آيَاته مَنَامكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَار" بِإِرَادَتِهِ رَاحَة لَكُمْ "وَابْتِغَاؤُكُمْ" بِالنَّهَارِ "مِنْ فَضْله" أَيْ

تَصَرفکُمْ فِی طَلَب الْمَعِیشَة بِإِرَادَتِهِ "إِنَّ فِی ذَٰلِكَ لَآیَات لِقَوْمٍ یَسْمَعُونَ" سَمَاع تَدَبُّر وَاعْتِبَار

اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا دن اور رات میں سونا تا کہ تمہیں اس میں راحت ملے اور تمہارا اس کے فضل یعنی رزق سے حصہ تلاش کرنا ہے۔ یعنی تم اپنے ارادے معیشت طلب کرتے ہو۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ یعنی سننے اور سمجھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب وکمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں خالص عطاء حق ہیں۔ جیسا کہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند اور آرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں اور جس کو مالک چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝
اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی اتارتا ہے پھر اس
سے زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ وشاداب کر دیتا ہے، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

آسمانی بجلی و بارش سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آیَاته یُرِیكُمْ" أَیْ إِرَاءَتكُمْ "الْبَرْق خَوْفًا" لِلْمُسَافِرِ مِنَ الصَّوَاعِق "وَطَمَعًا" لِلْمُقِیمِ فِی الْمَطَر "وَیُنَزِّل مِنَ السَّمَاء مَاء فَیُحْیِی بِهِ الْأَرْض بَعْد مَوْتهَا" أَیْ: یَبْسِطهَا بِأَنْ تَنْبُت "إِنَّ فِی ذَٰلِكَ" الْمَذْكُور "لَآیَات لِقَوْمٍ یَعْقِلُونَ" یَتَدَبَّرُونَ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تمہیں یعنی مسافروں کو ڈرانے اور مقیم لوگوں کو بارش کی امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے بارش کا پانی اتارتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ وشاداب کر دیتا ہے، یعنی اس کی خشکی کے بعد نباتات اگتی ہیں۔ بیشک اس میں یعنی مذکورہ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور تدبر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک اور نشانی بیان کی جارہی ہے کہ آسمانوں پر اس کے حکم سے بجلی کوندتی ہے جسے دیکھ کر کبھی تمہیں دہشت لگنے لگتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کڑک کسی کو ہلاک کر دے کہیں بجلی گرے وغیرہ اور کبھی تمہیں امید بندھتی ہے کہ اچھا ہوا اب بارش برسے گی پانی کی ریل پیل ہوگی تر سالی ہو جائے گی وغیرہ۔ وہی ہے جو آسمان سے پانی اتارتا ہے اور اس زمین کو جو خشک پڑی ہوئی تھی جس پر نام نشان کی کوئی ہریاول نہ تھی مثل مردے کے بیکار تھی اس بارش سے وہ زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زمین وآسمان اسی کے حکم سے قائم ہیں وہ آسمان کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور آسمان کو تھامے

ہوئے ہے اور انہیں زوال سے بچائے ہوئے ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ○
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تمہیں زمین سے
ایک ہی دفعہ پکارے گا تو اچانک تم نکل آؤ گے۔

آسمانوں کا بغیر ستونوں کے قیام سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ" بِإِرَادَتِهِ مِنْ غَيْرِ عَمَدٍ "ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِنَ الْأَرْضِ" بِأَنْ يَنْفُخَ إِسْرَافِيلُ فِي الصُّورِ لِلْبَعْثِ مِنَ الْقُبُورِ "إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ" مِنْهَا أَحْيَاءً فَخُرُوجُكُمْ مِنْهَا بِدَعْوَةٍ مِنْ آيَاتِهِ تَعَالَى،

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، یعنی اسی کے ارادے سے بغیر کسی ستون کے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں زمین سے ایک ہی دفعہ پکارے گا یعنی جب اسرافیل قبروں سے اٹھانے کیلئے صور پھونکیں گے۔ تو اچانک تم نکل آؤ گے۔ لہٰذا تمہارا قبروں سے خروج جو بلانے کے ساتھ ہوا ہے یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے زمین وآسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ پھر قیامت کے دن وہ زمین وآسمان کو بدل دے گا مردے اپنی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جائینگے۔ خود اللہ انہیں آواز دے گا اور یہ صرف ایک آواز پر زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہونگے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی حمد کرتے ہوئے اسے جواب دو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی کم رہے۔ اور آیت میں ہے (فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ، النازعات:13) صرف ایک ہی آواز سے ساری مخلوق میدان حشر میں جمع ہو جائے گی اور آیت میں ہے (اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ، یٰس:53) یعنی وہ تو صرف ایک آواز ہوگی جسے سنتے ہی سب کے سب ہمارے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ روم، بیروت)

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ
اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اسی کا ہے، سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔ اور وہی ہے جو پہلی بار تخلیق کرتا ہے پھر اس کا اعادہ
فرمائے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے، اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

زمین وآسمان اور سب اسی کیلئے ہونے کا بیان

"وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا "كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ" مُطِيعُونَ "وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ

الْخَلْق" لِلنَّاسِ "ثُمَّ يُعِيدهُ" بَعْد هَلَاكهمْ "وَهُوَ أَهْوَن عَلَيْهِ" مِنْ الْبَدْء بِالنَّظَرِ إلَى مَا عِنْد الْمُخَاطَبِينَ مِنْ أَنَّ إعَادَة الشَّيْء أَسْهَل مِنْ ابْتِدَائِهِ وَإِلَّا فَهُمَا عِنْد اللَّه تَعَالَى سَوَاء فِي السُّهُولَة "وَلَهُ الْمَثَل الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض" أَيْ الصِّفَة الْعُلْيَا وَهِيَ أَنَّهُ لَا إلَه إلَّا اللَّه "وَهُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي خَلْقه،

اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی فرشتے، مخلوق اور غلام ہیں اسی کا ہے، سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔یعنی اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔اور وہی ہے جو پہلی بار تخلیق کرتا ہے پھر ہلاک ہو جانے کے بعد اس کا اعادہ فرمائے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس پر بہت آسان ہے۔یہ جملہ مخاطبین کو سمجھانے کی غرض سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کیلئے ابتداء میں اور اعادہ میں جو تخلیق کی آسانی ہے وہ برابر ہے۔اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے، یعنی بلند صفت اسی کی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اپنے ملک میں غالب ہے اپنی مخلوق میں حکمت والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے "اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف، حدیث نمبر 19)

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ
فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
اس نے تمہارے لئے تمہاری ذاتی زندگیوں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا جو تمہاری مِلک میں ہیں اس مال میں
جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے شراکت دار ہیں، کہ تم اس میں برابر ہو جاؤ۔تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح
تمہیں اپنوں کا خوف ہوتا ہے۔اسی طرح ہم عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اہل شرک کو مثال شراکت سے سمجھانے کا بیان

"ضَرَبَ" جَعَلَ "لَكُمْ" أَيُّهَا الْمُشْرِكُونَ "مَثَلًا" كَائِنًا "مِنْ أَنْفُسكُمْ" وَهُوَ "هَلْ لَكُمْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانكُمْ" أَيْ مِنْ مَمَالِيككُمْ "مِنْ شُرَكَاء" لَكُمْ "فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ" مِنْ الْأَمْوَال وَغَيْرهَا "فَأَنْتُمْ"

وَهُمْ "فِيهِ سَوَاء تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ " أَىْ أَمْثَالَكُمْ مِنَ الْأَحْرَار وَالِاسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي الْمَعْنَى : لَيْسَ مَمَالِيككُمْ شُرَكَاء لَكُمْ إِلَى آخِره عِنْدكُمْ فَكَيْفَ تَجْعَلُونَ بَعْض مَمَالِيك اللّه شُرَكَاء لَهُ "كَذَلِكَ نُفَصِّل الْآيَات" نُبَيِّنهَا مِثْل ذَلِكَ التَّفْصِيل "لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" يَتَدَبَّرُونَ

اے مشرکین! اس نے تمہارے لئے تمہاری ذاتی زندگیوں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا جو (لونڈی، غلام) تمہاری ملک میں ہیں اس مال میں جو ہم نے تمہیں مال وغیرہ عطا کیا ہے شراکت دار ہیں، کہ تم سب اس کی ملکیت میں برابر ہو جاؤ۔ تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح تمہیں اپنوں کا خوف ہوتا ہے یعنی تمہاری مثال آزاد بندوں کی طرح ہے۔ یہاں پر استفہام بہ معنی نفی ہے۔ لہٰذا تمہارے مملوک تمہارے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ جو تمہارے پاس ہیں۔ تو تم بعض غلاموں کو اللہ کے ساتھ کیسے شریک ٹھہرا سکتے ہو۔ اسی طرح ہم عقل رکھنے والوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

یعنی یہ مثال تمہارے حسب حال ہے جس سے بات باسانی تمہاری سمجھ میں آسکتی ہے۔ مثال یہ ہے کہ فرض کرو تمہارے کچھ غلام ہیں۔ کیا تم ان غلاموں میں اپنا مال ودولت تقسیم کر سکتے ہو کہ وہ تمہارے ہمسر بن جائیں۔ تم تو اس بات سے اس طرح خائف ہو جاؤ گے جیسے تم اپنے ان بھائی بندوں سے ڈرتے ہو جو تمہاری جائیداد میں پہلے سے شریک ہیں۔ اگر تم اس مشترکہ جائیداد میں کچھ تصرف کرنے لگو تو وہ تمہیں روک بھی سکتے ہیں۔ تمہارا محاسبہ بھی کر سکتے ہیں اور مشترکہ جائداد کو تقسیم کرنے کا مطالبہ بھی کر سکتے ہیں۔ اب اگر تم اپنے غلاموں کو اپنی جائیداد میں برابر کا شریک بنالو۔ تو ان کے تمہارا غلام ہونے کے باوجود تمہیں ضرور ان سے ایسے ہی خطرات لاحق ہو جائیں گے اور تم یہ کام کبھی گوارا نہ کرو گے۔ حالانکہ تمہارے یہ غلام انسانیت کے لحاظ سے تمہارے بھائی بند اور برابر درجہ کے لوگ ہیں۔ اب جو بات تم اپنے لئے گوارا نہیں کر سکتے وہ اللہ کے لئے کیسے گوارا کر لیتے ہو کہ اللہ کی مخلوق کو جو نوع کے لحاظ سے بھی اس کے مساوی نہیں بلکہ اس کی مخلوق اور مملوک ہے، اللہ کے اختیارات میں شریک قرار دے دیا جائے؟ یہ کیسی دھاندلی کی تقسیم ہے۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○
بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ بغیر علم کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس اس شخص کو کون ہدایت
دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہو اور ان لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔

گمراہوں کیلئے کوئی مدد نہ ہونے کا بیان

"بَلْ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا " بِالْإِشْرَاكِ "أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْم فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللّه" أَيْ لَا هَادِي لَهُ "وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ" مَانِعِينَ مِنْ عَذَاب اللّه،

بلکہ جن لوگوں نے ظلم یعنی شرک کیا ہے وہ بغیر علم کے اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، پس اس شخص کو کون ہدایت دے سکتا ہے جسے اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا ہو لہٰذا اس کیلئے کوئی ہدایت نہیں ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے۔ یعنی ان کو

اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

خواہشات کو دین کے تابع کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین وشریعت) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (اللہ کی جانب سے لایا ہوں یہ حدیث شرح السنتہ میں روایت کی گئی ہے اور امام نووی نے اپنی "چہل حدیث" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجۃ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 164)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل اس آدمی کا ہوتا ہے جو دین وشریعت کا پوری طرح پیری اور ان کی صداقت وحقانیت کا ایقان واعتقاد پورے رسوخ کے ساتھ رکھتا ہو، نیز اس کی زندگی کے ہر پہلو میں خواہ اعتقادات وعبادات ہوں یا اعمال وعادات سب میں کمال رضا ورغبت اور بخوشی دین وشریعت کارفرما ہوں اور ظاہر ہے کہ روحانی پاکیزگی ولطافت اور عرفانی عروج کا یہ مرتبہ اس آدمی کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا قلب ودماغ خواہشات نفسانی کی تمام گندگی وثقالت سے پاک وصاف ہو کر نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھے، چنانچہ اولیاء اللہ اور صالحین حقیقت ومعرفت کے اسی عظیم مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًاؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَاؕ
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝
پس آپ اپنا رخ اللہ کی اطاعت کے لئے کامل یک سُوئی کے ساتھ قائم رکھیں۔ اللہ کی فطرت ہے جس پر
اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ کی پیدا کردہ میں تبدیلی نہیں ہوگی، یہ دین مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو جاؤ۔

دین حنیف پر استقامت اختیار کرنے کا بیان

"فَأَقِمْ" يَا مُحَمَّد "وَجْهك لِلدِّينِ حَنِيفًا" مَائِلًا إلَيْهِ : أَيْ أَخْلِصْ دِينك لِلَّهِ أَنْتَ وَمَنْ تَبِعَك "فِطْرَة اللَّه" خَلْقَتَهُ "الَّتِي فَطَرَ النَّاس عَلَيْهَا" وَهِيَ دِينه أَيْ : الْزَمُوهَا "لَا تَبْدِيل لِخَلْقِ اللَّه" لِدِينِهِ أَيْ : لَا تُبَدِّلُوهُ بِأَنْ تُشْرِكُوا "ذَلِكَ الدِّين الْقَيِّم" الْمُسْتَقِيم تَوْحِيد اللَّه "وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاس" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" تَوْحِيد اللَّه، "مُنِيبِينَ" رَاجِعِينَ "إلَيْهِ" تَعَالَى فِيمَا أَمَرَ بِهِ وَنَهَى عَنْهُ حَال مِنْ فَاعِل أَقِمْ وَمَا أُرِيد بِهِ أَيْ أَقِيمُوا "وَاتَّقُوهُ" خَافُوهُ،

یا محمد ﷺ پس آپ اپنا رخ اللہ کی اطاعت کے لئے کامل یک سُوئی کے ساتھ قائم رکھیں ۔یعنی اپنے آپ کو دین کیلئے خاص کرلیں ۔اللہ کی بنائی ہوئی فطرت دین ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اسے اختیار کرلو، اللہ کی پیدا کردہ سرشت میں تبدیلی نہیں ہوگی، یعنی شرک کر کے اس میں تبدیلی نہ کرو۔ یہ دین اللہ کی توحید سے مستقیم ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کی توحید کو نہیں جانتے ۔اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے یعنی جن چیزوں کا حکم دیا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے یہاں پر لفظ اقم سے مراد اقیموا ہے جو منیبین سے حال ہے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہوجاؤ۔

دین حنیف کے دین فطرت ہونے کا بیان

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے تو دوران سفر جب ہم میں سے ایک شخص ایک ایسی غار (وادی) کے درمیان سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزہ تھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اسی غار میں رہ جائے اور دنیا سے کنارہ کشی کرلے۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یادرکھو! نہ تو میں دین یہودیت دے کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہوں اور نہ دین عیسائیت دے کر کہ میں تم لوگوں کو رہبانیت کی تعلیم دوں، بیجا مشقت وتکلیف میں مبتلا کروں اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور لذات دنیا سے مطلقاً کنارہ کشی کی اجازت دوں بلکہ میں تو دین حنیفہ دے کر بھیجا گیا ہوں جو ایک آسان دین ہے۔

جس میں نہ تو انسانیت عامہ کے لئے بیجا تکلیف وحرج ہے اور نہ زائد از ضرورت مشقت ومحنت ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے دن کے صرف ابتدائی یا آخری حصے میں یعنی صبح وشام کو اللہ کی راہ جہاد میں چلے جانا دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور تم سے کسی کا میدان جنگ کی جماعت نماز کی صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی تنہا پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔(احمد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 963)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے (یعنی امر حق کو قبول کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ایک چار پایہ جانور پورا چار پایہ بچہ دیتا ہے، کیا تم اس میں کوئی کمی پاتے ہو" پھر آپ نے یہ آیت تلاوتی فرمائی (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کی اس بنائی کے موافق ہے جس پر اللہ نے آدمیوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا یہ دین مستحکم ہے۔(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 87)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق فطرت پر کی ہے اور فطرت صرف امر حق یعنی ایمان واسلام کو قبول کرسکتی ہے۔لہٰذا جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ اس فطرت پر ہوتا ہے لیکن خارجی اثر سے وہ فطرت کے تقاضوں سے دور ہوجاتا ہے اور خلاف اصول وفطرت طریقوں پر چلنے لگتا ہے یعنی اگر اس کے ماں باپ مجوسی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے مذہب میں رنگ جاتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر فرمایا کہ جس طرح کسی جانور کے کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں پیدا ہوتا ہے اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کمی یا کوئی

نقصان نہیں ہوتا، ہاں اگر خارجی طور پر کوئی اس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے یا اس کے جسم میں کوئی عیب پیدا کر دے تو وہ اپنی اصلی اور تخلیقی حالت کھو دیتا ہے، اسی طرح انسان پیدا کے وقت اپنی اصلی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کا ماحول، اس کی سوسائٹی یعنی ماں باپ وغیرہ اس کے احساسات وشعور اور اس کے عقائد پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا کر اس کے ذہن وفکر اور قلب ودماغ کو غلط راستہ پر موڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلی اور تخلیقی فطرت پر قائم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر ایسا نہیں ہوتا اور اس کے ماں باپ مسلمان ہوتے ہیں تو وہ بھی مسلمان رہتا ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝
ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ ہو گئے، ہر گروہ اسی پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں۔

دین کو ٹکڑے کرنے والوں کا بیان

"مِنَ الَّذِيْنَ" بَدَل بِإِعَادَةِ الْجَارِّ "فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ" بِاخْتِلَافِهِمْ فِيمَا يَعْبُدُونَهُ "وَكَانُوْا شِيَعًا" فِرَقًا فِي ذَٰلِكَ "كُلُّ حِزْبٍ" مِنْهُمْ "بِمَا لَدَيْهِمْ" عِنْدَهُمْ "فَرِحُوْنَ" مَسْرُورُونَ وَفِي قِرَاءَةٍ فَارَقُوا: أَيْ تَرَكُوا دِينَهُمُ الَّذِي أُمِرُوا بِهِ،

یہاں پر من الذین یہ اعادہ جار کے سبب مشرکین سے بدل ہے۔ ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے معبودوں کی عبادت میں اختلاف کرتے ہوئے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی گروہ یعنی فرقے ہو گئے، ہر گروہ اسی دین پر جو ان کے پاس ہے، خوش ہیں۔ یعنی مسرت رکھنے والے ہیں۔ ایک قرأت میں فارقوا آیا ہے یعنی جس دین کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کو انہوں نے چھوڑ دیا۔

یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین فطرت اور دین حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دین فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے۔ شیعاً شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتداء کی پیرو ہو، اس کو شیعہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دین فطرت تو توحید تھا جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر کے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید کو چھوڑا اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو گئی اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنا لیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات ومعتقدات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ، یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات وخیالات پر مگن اور خوش ہے اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔

جمہور مسلمان اہل سنت وجماعت کے حق ہونے پر ہونے کا بیان

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے باقی ستر دوزخی ہیں اور نصرانی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور مجھے

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی پس ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ ۷۲ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: وہ جماعت ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا: کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ پس اگر تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کو لازم پکڑو۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۲۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے اور یہ حدیث اہل سنت و جماعت والوں کیلئے معیار عظمت ہے نیز اس حدیث سے اہل سنت و جماعت مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی بہتر فرقے اکٹھے کر لئے جائیں تو وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔ امام المحد ثین امام جلال الدین علیہ الرحمہ ''اتمام الدرایہ'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنھم اور تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ عقائد اور دوسرے مسائل میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ اہل سنت کے امام ہیں اور طریقت میں سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ امام ہیں۔ (انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۲۸۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام سخاوی علیہ الرحمہ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے (یعنی سُنی ہونے کی)۔ (فضائل اعمال، ص ۷۶۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً
اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ یُشْرِكُوْنَ۝
اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پکارتے ہیں، پھر جب وہ ان کو اپنی
جانب سے رحمت سے لطف اندوز فرماتا ہے تو پھر فوراً ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

تکلیف دور ہو جانے کے بعد شرک میں مبتلاء ہو جانے والوں کا بیان

"وَإِذَا مَسَّ النَّاس " أَيْ كُفَّار مَكَّة "ضُرّ" شِدَّة "دَعَوْا رَبّهمْ مُنِيبِينَ " رَاجِعِينَ "إِلَيْهِ" دُون غَيْره "ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَة" بِالْمَطَرِ،

اور جب لوگوں یعنی کفار مکہ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پکارتے ہیں، پھر جب وہ ان کو اپنی جانب سے رحمت یعنی بارش سے لطف اندوز فرماتا ہے تو پھر فوراً ان میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔

جب انسان کو موت سامنے کھڑی نظر آتی ہے یا کوئی اور سخت مشکل پیش آتی ہے تو اس وقت وہ صرف اکیلے اللہ کو پکارتا ہے بلکہ

بعض دفعہ وہ بلا ادارہ اور بے اختیار اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ توحید کی پکار انسان کا فطری داعیہ ہے۔ اور اس کے دل کی گہرائیوں میں توحید کی شہادت موجود ہے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰـهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ
سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ○
تاکہ جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس کی ناشکری کریں، سو فائدہ اٹھالو کہ جلد ہی جان لوگے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری
ہے جو ان کے حق میں شہادۃً کلام کرتی ہو جنہیں وہ اللہ کا شریک بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالی کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والوں کا بیان

"لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ " أُرِيد بِهِ التَّهْدِيد "فَتَمَتَّعُوا فَسَوْف تَعْلَمُونَ " عَاقِبَة تَمَتُّعكُمْ فِيهِ اِلْتِفَات عَنْ الْغِيبَة

"أَمْ" بِمَعْنَى هَمْزَة الْإِنْكَار "أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا" حُجَّة وَكِتَابًا "فَهُوَ يَتَكَلَّم" تَكَلُّم دَلَالَة "بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ" أَيْ يَأْمُرهُمْ بِالْإِشْرَاكِ ! لَا

تاکہ جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس کی ناشکری کریں، یہاں پر ان کی تہدید کا ارادہ کیا گیا ہے۔ سو فائدہ اٹھالو کہ جلد ہی جان لوگے۔ یہاں تمہارے انجام میں غائب کی جانب التفات ہے۔ یہاں پر اَم بہ معنی ہمزہ انکاری ہے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل اور کتاب اتاری ہے جو ان (بتوں) کے حق میں شہادۃً یعنی بہ طور دلالت کلام کرتی ہو جنہیں وہ اللہ کا شریک بنا رہے ہیں۔ یعنی وہ انہیں شرک کا حکم دے، ایسا بالکل نہیں۔

یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ جن کو اللہ کا شریک گردانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ بلا دلیل ہے، اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ بھلا اللہ تعالیٰ شرک کے اثبات و جواز کے لئے کس طرح کوئی دلیل اتار سکتا تھا۔ جب کہ اس نے سارے پیغمبر بھیجے ہی اس لئے تھے کہ وہ شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کریں۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے آکر سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید ہی کا وعظ کیا۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ○
اور جب ہم لوگوں کو رحمت سے لطف اندوز کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں، اور جب انھیں کوئی تکلیف
پہنچتی ہے ان (گناہوں) کے باعث جو وہ پہلے سے کر چکے ہیں تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔

کفار مکہ کا مصیبت کے وقت مایوس ہو جانے کا بیان

"وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاس " كُفَّار مَكَّة وَغَيْرهمْ "رَحْمَة" نِعْمَة "فَرِحُوا بِهَا" فَرَح بَطَر "وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَة"

شِدَّة "بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ " يَيْأَسُونَ مِنَ الرَّحْمَة وَمِنْ شَأْن الْمُؤْمِن أَنْ يَشْكُر عِنْد النِّعْمَة وَيَرْجُو رَبّه عِنْد الشِّدَّة،

اور جب ہم لوگوں یعنی کفار مکہ وغیرہ کو رحمت یعنی نعمت سے لطف اندوز کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں، اور اترانے لگتے ہیں۔اور جب انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے ان گناہوں کے باعث جو وہ پہلے سے کر چکے ہیں تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں۔یعنی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔جبکہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ نعمت کے وقت شکر ادا کرتا ہے۔جبکہ سختی کے وقت اسی کی بارگاہ میں امید لگائے رکھتا ہے۔

اس آیت میں انسان کی ناشکری، تنگ ظرفی اور چھچھورے پن کا ذکر ہے۔انسان کی عادت ہے کہ جب اس پر خوشحالی کے دن آتے ہیں تو پھولا نہیں سماتا۔اس کی وضع قطع چال ڈھال اور گفتگو سے ہی اس کی نخوت کا پتہ چل جاتا ہے۔اس وقت وہ نہ اپنے خالق کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ خلق خدا کو اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسے ہی سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے جو اسے یہ عیش وآرام میسر ہے۔پھر جب کسی وقت اس پر برے دن آجاتے ہیں۔تو بھی اللہ ناشکری ہی کرنے لگتا ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔اس کے برعکس مومن کی حالت اس کے بالکل الٹ ہوتی ہے۔اس پر خوشحالی کے دن آئیں تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے آگے پہلے سے زیادہ جھک جاتا ہے۔اور جب سختی کے دن آئیں تو نہایت صبر وتحمل سے یہ زمانہ گزارتا ہے اور اللہ کا شکر ہر حال میں ادا کرتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔
بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

رزق میں وسعت وتنگی کا بہ طور آزمائش ہونے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا " يَعْلَمُوا "أَنَّ اللَّه يَبْسُط الرِّزْق" يُوَسِّعهُ "لِمَنْ يَشَاء " امْتِحَانًا "وَيَقْدِر " يُضَيِّقهُ لِمَنْ يَشَاء ابْتِلَاء "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" بِهَا

،کیا انہوں نے نہیں دیکھا یعنی نہیں جانا کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بہ طور آزمائش رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے بہ طور آزمائش تنگ کر دیتا ہے۔بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔

یعنی ایمان ویقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر وشکر سے رضا بالقضاء رہنا چاہیے۔نعمت کے وقت شکر گزار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وعنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

پس آپ قرابت دار کو اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو، یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

قریبی رشتہ داروں ومساکین کو ان کا حق دینے کا بیان

"فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى" الْقَرَابَة "حَقَّه" مِنَ الْبِرِّ وَالصِّلَة "وَالْمِسْكِين وَابْن السَّبِيل" الْمُسَافِر مِنَ الصَّدَقَة وَأُمَّة النَّبِيّ تَبَع لَهُ فِي ذَلِكَ "ذٰلِكَ خَيْر لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْه اللّٰه" أَيْ ثَوَابه بِمَا يَعْمَلُونَ "وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ

پس آپ قرابت دار کو بہ طور نیکی وصلہ رحمی کے اس کا حق ادا کرتے رہیں اور محتاج اور مسافر کو ان کا حق صدقہ اور نبی کریم ﷺ کی امت بھی اس حکم میں آپ ﷺ کے تابع ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضامندی کے طالب ہیں، یعنی اعمال کا ثواب چاہتے ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ یعنی کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس مضمون کی مناسبت سے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی۔ اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اول ذوی القربی، دوسرے مساکین، تیسرے مسافر کہ اللہ تعالی کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل وانصاف ہے کوئی احسان وانعام نہیں ہے۔

اور ذوی القربی سے مراد ظاہر یہ ہے کہ عام رشتہ دار ہیں، خواہ ذو رحم محرم ہوں یا دوسرے (کما ہو قول الجمہور من المفسرین) اور حق سے مراد بھی عام ہے خواہ حقوق واجبہ ہوں جیسے ماں باپ، اولاد اور دوسرے ذوی الارحام کے حقوق یا محض تبرع واحسان ہو جو رشتہ داروں کے ساتھ بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ امام تفسیر مجاہد نے فرمایا کہ جس شخص کے ذوی الارحام رشتہ دار محتاج ہوں وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں پر صدقہ کرے تو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں اور ذوی القربی کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کی خبر گیری، جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ جیسا کہ حضرت حسن نے فرمایا کہ ذوی القربی کا حق اس شخص کے لئے جس کو مالی وسعت حاصل ہو یہ ہے کہ مال سے ان کی امداد کرے اور جس کو یہ وسعت حاصل نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ روم، بیروت)

صدقہ اور صلہ رحمی کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کے انصار میں کھجوروں کے اعتبار سے بہت زیادہ مال دار تھے اپنے مال میں انہوں سب سے زیادہ پسند اپنا باغ بیرحاء (نامی) تھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کا پانی پیتے تھے جو بہت اچھا (یعنی شیریں یا یہ کہ بلا کسی شک وشبہ کے حلال و پاک تھا) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی " نیکی (یعنی جنت) کو اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یعنی جنت تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ اپنی اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے لہٰذا بیرحاء جو تمام مال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے میں اسے اللہ کے واسطے صدقہ کرتا ہوں اور اس سے نیکی کی امید رکھتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اللہ کے نزدیک میرے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔ پس یا رسول اللہ! اسے قبول فرمائیے (اور) جہاں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائے (یعنی جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مناسب سمجھیں اسے خرچ فرمائیے) رول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاباش! شاباش! یہ باغ نفع پہنچانے والا مال ہے جو کچھ تم نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے (محتاج) اقرباء میں تقسیم کر دو (تاکہ صدقہ کے ثواب کے ساتھ صلہ رحمی کا ثواب بھی مل جائے) ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے ارشاد کے مطابق ہی عمل کروں گا، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 444)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝
اور جو مال تم سود پر دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور جو مال تم
زکوٰۃ میں دیتے ہو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ کثرت سے بڑھانے والے ہیں۔

اللہ کی رضا کیلئے خرچ کردہ مال کے سبب مال میں اضافہ ہونے کا بیان

"وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا" بِأَنْ يُعْطَى شَيْء هِبَة أَوْ هَدِيَّة لِيَطْلُب أَكْثَر مِنْهُ فَسُمِّيَ بِاسْمِ الْمَطْلُوب مِنْ الزِّيَادَة فِي الْمُعَامَلَة "لِيَرْبُوا فِي أَمْوَال النَّاس" الْمُعْطِينَ أَيْ يَزِيد "فَلَا يَرْبُوا" يَزْكُو "عِنْد اللَّه" لَا ثَوَاب فِيهِ لِلْمُعْطِينَ "وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاة" صَدَقَة "تُرِيدُونَ" بِهَا "وَجْه اللَّه فَأُولَئِكَ هُمْ الْمُضْعِفُونَ" ثَوَابهمْ بِمَا أَرَادُوهُ فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْخِطَاب

اور جو مال تم سود پر دیتے ہو یعنی کوئی چیز بہ طور ہبہ یا ہدیہ دینا تا کہ اس سے زیادہ طلب کیا جائے اور اس معاملہ میں مطلوب زیادتی ہے اسی وجہ سے اس کا نام ربو رکھا گیا ہے۔ تا کہ تمہارا اثاثہ لوگوں یعنی مال گئے لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور نہ دینے والوں کو اس میں ثواب ہوگا۔ اور جو مال تم زکوۃ وخیرات میں دیتے ہو فقط اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ اپنا مال عنداللہ کثرت سے بڑھانے والے ہیں۔ یعنی ان کا ثواب جس کا انہوں نے اس میں ارادہ کیا ہے یہاں خطاب سے التفات ہے۔

ربٰا کے لغوی مفہوم کا بیان

لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی زیادتی بڑھوتری بلندی کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایسی زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

سود لینے دینے والے کی مذمت کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے پر سود دینے والے پر سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر سب ہی پر لعنت فرمائی ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں اگر چہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 48)

سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت اس لئے فرمائی کہ ایک غیر مشروع اور حرام کام میں یہ معاون ہوتے ہیں اس سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ سود و بیاج کا تمسک لکھنا اور اس کا گواہ بننا حرام ہے۔

آج کل سود کا کاروبار عام ہے چپہ چپہ پر سودخوروں کا لین دین جاری ہے ان کے یہاں ظاہری طور پر مال ودولت کی ریل پیل نظر آتی ہے اسباب عیش وعشرت کی فراوانی ہر طرف رقصاں دیکھی جاتی ہے اسی لئے عام سطح میں لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آج کل تو سودخوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے وہ کوٹھیوں بنگلوں اور عالیشان عمارتوں کے مالک ہیں نوکر چاکر اور شان وشوکت کے تمام سامان موجود ہیں اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سودخوروں کو دنیا میں بھی راحت حاصل نہیں ہوتی اور ان کا مال وزران کا ساتھ نہیں دیتا حالانکہ غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح نظر آئے گی کہ سامان راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے سامان راحت تو آپ کارخانوں اور فیکٹریوں اور بازاروں سے حاصل کر سکتے ہیں وہ سونے چاندی اور سکون کے عوض مل سکتا ہے لیکن جس چیز کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی بازار سے دستیاب ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ایسے روحانی اطمینان اور قلب ودماغ کے ایسے سکون کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صورت میں براہ راست انسان کو عطا ہوتا ہے جو بعض اوقات بالکل بے سروسامان انسان اور جانوروں تک کو میسر آ جاتا ہے اور بعض اوقات ہزاروں اسباب عیش وعشرت اور سامان راحت رکھنے کے باوجود حاصل نہیں ہو سکتا ایک نیند کو لے لیجئے یہ نیند کیا ہے ایک راحت وسکون کا نام ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ ایک اعلیٰ قسم کی خواب گاہ بنوالیں جس میں ہوا روشنی کا پورا انتظام ہو عمدہ قسم کے اور آرام دہ پلنگ ہوں دلفریب ودل کش گدیلے بستر اور

ملائم تکیے ہوں لیکن آپ خود بتائیے کیا ان سامانوں کے مہیا ہو جانے پر نیند کا آ جانا لازمی ہے اگر آپ کو خود اس کا تجربہ نہیں ہے تو وہ ہزاروں آدمی اس کا جواب نفی میں دیں گے جنہیں کسی عارضے کی وجہ سے نیند نہیں آتی ان کے لئے یہ سامان دھرے رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ خواب آور دوائیاں بھی جواب دے دیتی ہیں چنانچہ نیند کے سامان تو بازار سے آ گئے لیکن نیند کسی بازار سے کسی بھی قیمت پر نہیں لائی جا سکتی اسی طرح دوسری لذتوں اور راحتوں کا حال ہے ان کے اسباب تو روپیہ پیسہ کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں مگر ان راحتوں اور لذتوں کا حاصل ہونا ان اسباب کے باوجود بھی ضروری نہیں ہے یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر راحت اور اطمینان کا نام نہ پائیں گے وہ اپنی حرص و ہوس میں اپنی تجوریوں کو بھرنے اور اپنے ایک کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ نہ ان کو اپنے کھانے پینے کا ہوش رہتا ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا خیال ایمانداری سے بتائیے کیا اطمینان و راحت اسی طرح حاصل ہوتا ہے صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مال و دولت کو بڑھانے کی ادھیڑ بن میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کا نام راحت ہے؟ کتنے بے وقوف ہیں وہ لوگ جنہوں نے اسباب راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے اور جو حقیقی راحت ہے اس سے کوسوں دور ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠
اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی
کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

خلق، رزق اور موت وحیات سے دلیل قدرت کا بیان

"اللّٰهُ الَّذِی خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ" مِمَّنْ أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ "مَنْ یَفْعَل مِنْ ذٰلِكُمْ مِنْ شَیْء" لَا "سُبْحَانه وَتَعَالَى عَمَّا یُشْرِكُونَ" بِهِ

اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو جلائے گا کیا تمہارے شریکوں یعنی جن کو تم نے اللہ کا شریک بنایا ہے ان میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ بالکل نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

یعنی جب تمہارے بنائے ہوئے معبودوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے تمہیں پیدا کیا ہو یا تمہارے رزق کا ذمہ دار ہو یا تمہیں مار سکتا ہو یا تمہیں دوبارہ زندگی بخش سکتا ہو تو پھر آخر یہ ہیں کس کام کے؟ اور کس لحاظ سے تم انھیں اللہ کے شریک بناتے ہو؟ واضح رہے کہ مشرکین مکہ ان چار باتوں میں سے پہلی تین باتوں کے قائل تھے کہ جو امور اس آیت میں مذکور ہوئے ہیں۔ یہ صرف اللہ ہی کے کارنامے ہیں اور ان میں ان کے معبودوں کا کوئی حصہ نہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ

بَعْضَ الَّذِى عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ٥

خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، اس کی وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا، تا کہ وہ انھیں اس کا کچھ

مزہ چکھائے جو انھوں نے کیا ہے، تا کہ وہ باز آ جائیں۔

قحط سالی و خشک سالی کے سبب التفات توبہ کا بیان

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ" أَيُ الْقِفَارِ بِقَحْطِ الْمَطَرِ وَقِلَّةِ النَّبَاتِ "وَالْبَحْرِ" أَيُ الْبِلَادِ الَّتِي عَلَى الْأَنْهَارِ بِقِلَّةِ مَائِهَا "بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِى النَّاسِ" مِنَ الْمَعَاصِي "لِيُذِيقَهُمْ" بِالْيَاءِ وَالنُّونِ "بَعْضَ الَّذِى عَمِلُوا" أَيُ عُقُوبَتَهُ "لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" يَتُوبُونَ،

خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا، یعنی قحط سالی اور نباتات کی قلت کے سبب اور سمندر یعنی ایسے شہر جو نہروں کے کنارے واقع ہیں وہاں پانی کی قلت کے سبب اس وجہ سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے گناہوں سے کمایا، تا کہ وہ انھیں اس کا کچھ مزہ چکھائے یہاں پر لفظ یذیق یہ یاء اور نون کے ساتھ آیا ہے۔ جو انھوں نے کیا ہے، اسی کی سزا ہے تا کہ وہ باز آ جائیں۔ یعنی وہ توبہ کر لیں۔

زمین کی اصلاح اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مضمر ہے

ممکن ہے بر یعنی خشکی سے مراد میدان اور جنگل ہوں اور بحر یعنی تری سے مراد شہر اور دیہات ہوں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بر کہتے ہیں خشکی کو اور بحر کہتے ہیں تری کو خشکی کے فساد سے مراد بارش کا نہ ہونا پیداوار کا نہ ہونا قحط سالیوں کا آنا۔ تری کے فساد سے مراد بارش کا رک جانا جس سے پانی کے جانور راندھے ہو جاتے ہیں۔ انسان کا قتل اور کشتیوں کا جبر چھین جھپٹ لینا یہ خشکی تری کا فساد ہے۔ بحر سے مراد جزیرے اور بر سے مراد شہر اور بستیاں ہیں۔ لیکن اول قول زیادہ ظاہر ہے اور اسی کی تائید محمد بن اسحاق کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضور نے ایلہ کے بادشاہ سے صلح کی اور اس کا بحر یعنی شہر اسی کے نام کر دیا پھلوں کا اناج کا نقصان دراصل انسان کے گناہوں کی وجہ سے ہے اللہ کے نافرمان زمین کے بگاڑنے والے ہیں۔ آسمان وزمین کی اصلاح اللہ کی عبادت واطاعت سے ہے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ زمین پر ایک حد کا قائم ہونا زمین والوں کے حق میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ اس لیے کہ حد قائم ہونے سے مجرم گناہوں سے باز رہیں گے۔ اور جب گناہ نہ ہونگے تو آسمانی اور زمینی برکتیں لوگوں کو حاصل ہونگی۔ چنانچہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اتریں گے اور اس پاک شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے مثلاً خنزیر کا قتل صلیب کی شکست جزیئے کا ترک یعنی اسلام کی قبولیت یا جنگ پھر جب آپ کے زمانے میں دجال اور اس کے مرید ہلاک ہو جائیں گے یاجوج ماجوج تباہ ہو جائیں گے تو زمین سے کہا جائیگا کہ اپنی برکتیں لوٹا دے اس دن ایک انار لوگوں کی ایک بڑی جماعت کو کافی ہوگا اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے چھلکے تلے یہ سب لوگ سایہ حاصل کر لیں۔ ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے کو کفایت

کرے گا۔ یہ ساری برکتیں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے جاری کرنے کی وجہ سے ہونگی جیسے جیسے عدل وانصاف مطابق شرع شریف بڑھے گا ویسے ویسے خیر وبرکت بڑھتی چلی جائے گی۔اس کے برخلاف فاجر شخص کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ اس کے مرنے پر بندے شہر درخت اور جانور سب راحت پالیتے ہیں۔مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانے میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اوراس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ روم، بیروت)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ۝
آپ فرمادیجئے کہ تم زمین میں سیر وسیاحت کیا کرو پھر دیکھو پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا،ان میں زیادہ تر مشرک تھے۔

زمین کی سیر وسیاحت کا مقصد عبرت حاصل کرنے کا بیان

"قُلْ" لِكُفَّارِ مَكَّة "سِيرُوا فِي الْأَرْض فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الَّذِينَ مِنْ قَبْل كَانَ أَكْثَرهمْ مُشْرِكِينَ" فَأُهْلِكُوا بِإِشْرَاكِهِمْ وَمَسَاكِنهمْ وَمَنَازِلهمْ خَاوِيَة،

آپ کفار سے فرمادیجئے کہ تم زمین میں سیر وسیاحت کیا کرو پھر دیکھو پہلے لوگوں کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا،جو تم سے پہلے تھے ان میں زیادہ تر مشرک تھے۔لہٰذا ان کو ان کے شرک کے سبب مکانوں سمیت ہلاک کردیا گیا اوران کے مکان گرئے ہوئے پڑے ہیں۔

یعنی سابقہ اقوام کی تباہی کا اصل سبب شرک تھا۔اب مشرکین میں سے اکثر تو ایسے ہوتے ہیں جو روز آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔جب کہ مشرکین مکہ کا حال تھا اور اگر ان کا آخرت پر عقیدہ ہو بھی تو پھر وہ اس عقیدہ میں کچھ ایسے اضافے کر لیتے ہیں تو عقیدہ آخرت کے اصل مقصد کو بیکار کر کے رکھ دیتے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ۝
پس آپ اپنا رُخ سیدھے دین کے لئے قائم رکھیئے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جسے اللہ کی طرف سے
نہیں پھرنا ہے۔اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔

دین قیم اسلام پر استقامت اختیار کرنے کا بیان

"فَأَقِمْ وَجْهك لِلدِّينِ الْقَيِّم" دِين الْإِسْلَام "مِنْ قَبْل أَنْ يَأْتِي يَوْم لَا مَرَدّ لَهُ مِنْ اللَّه" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة "يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ" فِيهِ إِدْغَام التَّاء فِي الْأَصْل فِي الصَّاد : يَتَفَرَّقُونَ بَعْد الْحِسَاب إِلَى الْجَنَّة وَالنَّار

سو آپ اپنا رُخ انور سیدھے دین یعنی اسلام کے لئے قائم رکھیئے قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جسے اللہ کی طرف سے قطعاً نہیں پھرنا ہے۔جو قیامت کا دن ہے۔اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔یہاں پر لفظ یصدعون کا اصل میں تاء کا صاد میں

ادغام ہے۔یعنی وہ حساب کے بعد جنت ودوزخ کی طرف الگ الگ بکھر جائیں گے۔

اللہ کے دین میں مستحکم ہو جاؤ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دین پر جم جانے کی اور چستی سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے۔مضبوط دین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آئے۔جب اس کے آنے کا اللہ کا حکم ہو چکے گا پھر اس حکم کو یا اس آنے والی جماعت کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔اس دن نیک بد علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔ایک جماعت جنت میں ایک جماعت بھڑکتی ہوئی آگ میں۔کافر اپنے کفر کے بوجھ تلے دب رہے ہونگے۔لوگ اپنے کئے ہوئے نیک اعمال بہترین آرام دہ ذخیرے پر خوش وخرم ہونگے۔رب انہیں ان کی نیکیوں کا اجر بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر کئی کئی گناہ کر کے دے رہا ہوگا۔ایک ایک نیکی دس دس بلکہ سات سات سو بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ کر کے انہیں ملے گی۔کفار اللہ کے دوست نہیں لیکن تاہم ان پر بھی ظلم نہ ہوگا۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ۝ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝
جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں۔تاکہ اللہ
اپنے فضل سے ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔بیشک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

کفر کرنے والے کیلئے وبال دوزخ ہونے کا بیان

"مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْره" وَبَال كُفْره وَهُوَ النَّار "وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ" يُوطِئُونَ مَنَازِلهمْ فِي الْجَنَّة،

"لِيَجْزِيَ" مُتَعَلِّق بِيَصَّدَّعُونَ "الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات مِنْ فَضْله" يُثِيبهُمْ "إِنَّهُ لَا يُحِبّ الْكَافِرِينَ" أَيْ يُعَاقِبهُمْ،

جو شخص کفر کر رہا ہے اس پر تو اس کا کفر پڑے گا یعنی اس کا وبال جو جہنم ہے۔اور جو نیک عمل کر رہا ہے سو یہ لوگ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں۔یعنی جنت کے مکانات بن رہے ہیں۔یہاں لفظ لیجزی یہ یصدعون کے متعلق ہے۔تاکہ اللہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔یعنی وہ ان کو ثواب دے۔بیشک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔بلکہ وہ انہیں سزا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت عطاء ہونے کا بیان

ایمان والوں اور نیک لوگوں کو بھی جنت میں داخلہ کسی استحقاق کی بنا پر نہیں ملے گا بلکہ محض اللہ کے فضل یعنی اصل بدلہ سے زائد اجر کے طور پر ملے گا۔کیونکہ دنیا میں انسان نے اگر اللہ کا شکر ادا کیا یا اس کا فرمانبردار بن کر رہا تو اس سے تو اللہ کے سابقہ احسانات کا

بدلہ پورا نہیں ہوتا اب مزید کیسا؟ یہ اجر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیں گے تو محض اس لئے کہ انہوں نے جو بھی کام کئے تھے اللہ کی رضا کی خاطر کئے تھے اور اللہ ان سے راضی ہو کر زائد بدلہ خاص اپنی مہربانی سے جنت کی صورت میں عطا کرے گا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص کو اس کا عمل بہشت میں نہیں لے جائے گا" صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی؟ فرمایا: "ہاں میرے اعمال بھی مجھے جنت میں نہیں لے جائیں گے، الا یہ کہ اللہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے" (بخاری۔ کتاب المرضیٰ)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوش خبری دینے والیاں بنا کر بھیجتا ہے اور تا کہ تمہیں اپنی کچھ رحمت چکھائے
اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تا کہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

ہواؤں کے چلنے سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آيَاتِه" تَعَالٰى "أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَات" بِمَعْنَى لِتُبَشِّرَكُمْ بِالْمَطَرِ "وَلِيُذِيقَكُمْ" بِهَا "مِنْ رَحْمَته" الْمَطَر وَالْخِصْب "وَلِتَجْرِيَ الْفُلْك" السُّفُن بِهَا "بِأَمْرِهِ" بِإِرَادَتِهِ "وَلِتَبْتَغُوا" تَطْلُبُوا "مِنْ فَضْله" الرِّزْق بِالتِّجَارَةِ فِي الْبَحْر "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" هٰذِهِ النِّعَم يَا أَهْل مَكَّة فَتُوَحِّدُوهُ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوش خبری دینے والیاں بنا کر بھیجتا ہے تا کہ وہ تمہیں بارش کی خوشخبری دیں اور تا کہ تمہیں اپنی کچھ رحمت یعنی بارش اور خوشحالی چکھائے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں یعنی اس کے ارادے سے چلیں۔ اور تا کہ تم اس کا کچھ فضل یعنی سمندری تجارت کے ذریعے رزق تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔ اے اہل مکہ یہ نعمتیں ہیں لہٰذا تم اس کی توحید کا اقرار کرو۔

قرآن میں جہاں بھی ارسال الریاح کے الفاظ مذکور ہوں (یعنی ریح کا لفظ جمع کے صیغہ میں ہو) تو اس سے مراد خوشگوار ہوائیں ہوتی ہیں اس آیت میں دو قسم کی خوشگوار ہواؤں اور ان کے فوائد کا ذکر کیا۔ ایک باران رحمت سے پہلے دلوں کو فرحت بخشنے والی اور بارش کی بشارت دینے والی ہوائیں، جس سے زمین سیراب ہوتی ہے۔ اور اس بارش میں طرح طرح کے فائدے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ موافق ہوائیں جو کشتیوں اور جہازوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ پہلے زمانہ میں تو رواج ہی بادبانی کشتیوں کا تھا جن کے چلنے کا زیادہ تر انحصار بادموافق پر ہی ہوتا ہے۔ آج دخانی کشتیوں اور جہازوں کا دور ہے۔ پھر بھی بادموافق اور بادمخالف کا دن دخانی کشتیوں اور جہازوں پر خاصا اثر پڑتا ہے یہ کشتیاں جو بادموافق کے سہارے چلتی ہیں ان میں تم سفر ہی نہیں کرتے بلکہ اپنا تجارتی سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جا کر خوب نفع کماتے ہو۔ یہ

ہوائیں تو اللہ ہی بھیجتا ہے۔ پھر کیا تم اس کی اس نعمت کا شکر بھی ادا کرتے ہو" اللہ کی ان مہربانیوں کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ
اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝
اور در حقیقت ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے
پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لے لیا، اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر تھا۔

رسولان گرامی کی تکذیب کے سبب اقوام کی ہلاکتوں کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِك رُسُلًا إِلَى قَوْمهمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَات عَلَى صِدْقهمْ فِي رِسَالَتهمْ إلَيْهِمْ فَكَذَّبُوهُمْ "فَانْتَقَمْنَا مِنْ الَّذِينَ أَجْرَمُوا" أَهْلَكْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوهُمْ "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْر الْمُؤْمِنِينَ" عَلَى الْكَافِرِينَ بِإِهْلَاكِهِمْ وَإِنْجَاء الْمُؤْمِنِينَ،

اور در حقیقت ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے یعنی ان کی رسالت کی صداقت پر واضح دلائل تھے۔ پس انہوں نے تکذیب کی پھر ہم نے تکذیب کرنے والے مجرموں سے بدلہ لے لیا، یعنی ان کی تکذیب کے سبب انہیں ہلاک کر دیا۔ اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ کرم پر تھا اور ہے۔ یعنی کفار کی ہلاکت اور اہل ایمان کی نجات یہ ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔

اہل ایمان کیلئے کفار کی تکالیف پر صبر کرنے کا بیان

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر آپ کی قوم کی طرف بھیجا اسی طرح آپ سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے، ان کے ساتھ دلائل اور معجزات بھی تھے، لیکن قوموں نے ان کی تکذیب کی، ان پر ایمان نہیں لائے بالآخر ان کے اس جرم تکذیب اور ارتکاب معصیت پر ہم نے انہیں اپنی سزا کا نشانہ بنایا اور اہل ایمان کی تائید و نصرت کی جو ہم پر لازم ہے یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کی روش تکذیب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم نے یہی معاملہ کیا ہے۔ نیز کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو گزشتہ قوموں کا ہو چکا ہے۔ کیونکہ اللہ کی مدد تو بالآخر مومنوں ہی کو حاصل ہوگی، جس میں پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے سب شامل ہیں۔ حقا کان کی خبر ہے جو مقدم ہے نصر المومنین اس کا اسم ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَ یَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ۝

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس کو فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے ٹکڑے کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے، پھر جب اس کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان پر بارش کے اتارے جانے سے پہلے وہ لوگ مایوس ہو رہے تھے۔

ہواؤں، بادلوں اور بارش سے دلائل قدرت کا بیان

"اللّٰہُ الَّذِی یُرۡسِلُ الرِّیَاحَ فَتُثِیرُ سَحَابًا " تُزۡعِجهُ "فَیَبۡسُطهُ فِی السَّمَاء کَیۡفَ یَشَاء " مِنۡ قِلَّة وَکَثۡرَة "وَیَجۡعَلهُ کِسَفًا " بِفَتۡحِ السِّین وَسُکُونهَا قِطَعًا مُتَفَرِّقَة "فَتَرَی الۡوَدَق" الۡمَطَر "یَخۡرُج مِنۡ خِلَاله " أَیۡ وَسَطه "فَإِذَا أَصَابَ بِهِ " بِالۡوَدَقِ "مَنۡ یَشَاء مِنۡ عِبَاده إِذَا هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُونَ" یَفۡرَحُونَ بِالۡمَطَرِ، "وَإِنۡ" وَقَدۡ "کَانُوا مِنۡ قَبۡل أَنۡ یُنَزَّل عَلَیۡهِمۡ مِنۡ قَبۡله" تَأۡکِید "لَمُبۡلِسِینَ" آیِسِینَ مِنۡ إِنۡزَاله،

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس بادل کو فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے قلت وکثرت میں پھیلا دیتا ہے پھر اسے متفرق ٹکڑے کر کے تہ بہ تہ کر دیتا ہے، یہاں لفظ کسفا سین کے فتحہ اور اس کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا معنی ٹکڑا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے، یعنی اس کے وسط سے نکلتی ہے۔ پھر جب اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ اس بارش کی وجہ سے فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ ان پر بارش کے اتارے جانے سے پہلے وہ لوگ مایوس ہو رہے تھے۔ یعنی بارش کے نازل ہونے سے مایوس ہو رہے تھے۔ یہ تاکید ہے۔

ہواؤں کو بارشوں کا سبب بنانے کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں یا تو سمندر پر سے یا جس طرح اور جہاں سے اللہ کا حکم ہو۔ پھر رب العالمین ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اسے بڑھا دیتا ہے تھوڑے کو زیادہ کر دیتا ہے تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بالشت دو بالشت کا ابر اٹھا پھر جو وہ پھیلا تو آسمان کے کنارے ڈھانپ لئے۔ اور کبھی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ سمندروں سے پانی کے بھرے ابر اٹھتے ہیں۔ اسی مضمون کو آیت (وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ، الاعراف:57) میں بیان فرمایا ہے پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہہ بتہہ کر دیتا ہے۔ وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ زمین کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش ان بادلوں کے

درمیان سے برسنے لگتی ہے جہاں برسی وہیں کے لوگوں کی باچھیں کھل گئیں۔

پھر فرماتا ہے یہی لوگ بارش سے ناامید ہو چکے تھے اور پوری ناامیدی کے وقت بلکہ ناامیدی کے بعد ان پر بارشیں برسیں اور جل تھل ہو گئے۔ دو دفعہ من قبل کا لفظ لانا تاکید کے لئے ہے۔ ہ کی ضمیر کا مرجع انزال ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تاسیسی دلالت ہو یعنی بارش ہونے سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہو اس سے پہلے یہ اس کے محتاج تھے اور وہ حاجت پوری ہو اس سے پہلے وقت کے ختم ہو جانے کے قریب بارش نہ ہونے کی وجہ سے یہ مایوس ہو چکے تھے۔ پھر اس ناامیدی کے بعد دفعۃً ابر اٹھتا ہے اور برس جاتا ہے اور ریل پیل کر دیتا ہے۔ اور ان کی خشک زمین تر ہو جاتی ہے قحط سالی تر سالی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو زمین صاف چٹیل میدان تھی یا ہر طرف ہریاول دکھائی دینے لگتی ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگار عالم بارش سے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یاد رکھو جس رب کی یہ قدرت تم دیکھ رہے ہو وہ ایک دن مردوں کو ان قبروں سے بھی نکالنے والا ہے حالانکہ ان کے جسم گل سڑ گئے ہونگے۔ سمجھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر فرماتا ہے اگر ہم باد تند چلائیں اگر آندھیاں آ جائیں اور ان کی لہلاتی ہوئی کھیتیاں پژمردہ ہو جائیں تو وہ پھر سے کفر کرنے لگ جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ روم، بیروت)

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ
لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
پس آپ اللہ کی رحمت کے اثرات کی طرف دیکھئے کہ وہ کس طرح زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ فرما دیتا ہے،
بیشک وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

زمین کی حیات سے مردوں کو زندہ کرنے پر استدلال کا بیان

"فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ" وَفِي قِرَاءَةٍ أَثَرِ "رَحْمَةِ اللّٰهِ" أَيْ نِعْمَته بِالْمَطَرِ "كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْض بَعْد مَوْتهَا" أَيْ يُبْسهَا بِأَنْ تَنْبُت،

پس آپ اللہ کی رحمت یعنی نعمت بارش کے اثرات کی طرف دیکھئے، ایک قرأت کے مطابق اُثر ہے۔ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کی مردنی کے بعد زندہ فرما دیتا ہے، کہ وہ نباتات اگاتی ہے۔ بیشک وہ مردوں کو ضرور زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بیرونق اور مردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اس سے مردہ دلوں میں جان پڑ یگی اور خدا کی زمین "ظهر الفساد في البر والبحر" والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیگی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئینگے جو قابلیت مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، باران رحمت کا ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دیگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت

محمدی ﷺ کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔

وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ٥
اور یقیناً اگر ہم کوئی ہوا بھیجیں، پھر وہ اس کو زرد پڑی ہوئی دیکھیں تو یقیناً اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

کھیتوں کے زرد ہونے پر نعمتوں کی ناشکری کرنے کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام الْقَسَم "أَرْسَلْنَا رِيحًا" مُضِرَّة عَلَى نَبَات "فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا" صَارُوا جَوَاب الْقَسَم "مِنْ بَعْده" أَيْ بَعْد اصْفِرَاره "يَكْفُرُونَ" يَجْحَدُونَ النِّعْمَة بِالْمَطَرِ،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔اور یقیناً اگر ہم کوئی ہوا بھیجیں، جو نباتات پر نقصان دہ ہو پھر وہ اس کھیتی کو زرد پڑی ہوئی دیکھیں تو یقیناً اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔ یہ جواب قسم ہے یعنی کھیتی زرد ہو جانے کے بعد وہ بارش والی نعمت کا انکار کر دیتے ہیں۔

یعنی کھیتی زرد ہونے کے بعد ناشکری کرنے لگیں اور پہلی نعمت سے بھی مُکر جائیں۔ معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب انھیں رحمت پہنچتی ہے رزق ملتا ہے خوش ہو جاتے ہیں اور جب کوئی سختی آتی ہے کھیتی خراب ہوتی ہے تو پہلی نعمتوں سے بھی مُکر جاتے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے اور جب نعمت پہنچتی شکر بجالاتے اور جب بَلا آتی صبر کرتے اور دعاء واستغفار میں مشغول ہوتے۔اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلّی فرماتا ہے کہ آپ ان لوگوں کی محرومی اوران کے ایمان نہ لانے پر رنجیدہ نہ ہوں۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ روم، لاہور)

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ٥
پس بیشک آپ نہ تو ان مردوں (یعنی حیاتِ ایمانی سے محروم کافروں) کو اپنی پکار سناتے ہیں اور نہ ہی بہروں کو،
جب کہ وہ پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں۔

کفار کا حق کو نہ سن سکنے کا بیان

"فَإِنَّك لَا تُسْمِع الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِع الصُّمّ الدُّعَاء إِذَا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة بَيْنهَا وَبَيْن الْيَاء

پس بیشک آپ نہ تو ان مردوں (یعنی حیاتِ ایمانی سے محروم کافروں) کو اپنی پکار سناتے ہیں یہاں پر اذا میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ جبکہ ان کے درمیان یاء کو داخل کیا جائے۔اور نہ ہی (صدائے حق کی سماعت سے محروم) بہروں کو، جب کہ وہ (آپ ہی سے) پیٹھ پھیرے جا رہے ہوں۔

کفار کے اندھا، بہرہ اور نابینا ہونے کا بیان

حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ پھر فرمایا اے مشرکو! تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا بے شک تم نے وہ پالیا پھر فرمایا یہ لوگ اس وقت میرا کہنا سن رہے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا کہ اب معلوم ہو گیا جو میں ان سے کہتا تھا وہ سچ تھا پھر انہوں نے سورت نمل کی یہ آیت پڑھی (اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ، النمل) آخر تک یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1210)

مُردوں سے مراد یہاں کفار ہیں جن کے دل مردہ ہیں چنانچہ اسی آیت میں ان کے مقابل اہل ایمان کا ذکر فرمایا۔ (اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ، الروم:53) جو لوگ اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کرتے ہیں ان کا استدلال غلط ہے چونکہ یہاں مردہ کفار کو فرمایا گیا اور ان سے بھی مطلقاً ہر کلام کے سننے کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ پند و موعظت اور کلام ہدایت کے بسمع قبول سننے کی نفی ہے اور مراد یہ ہے کہ کافر مردہ دل ہیں کہ نصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ اس آیت کے معنی یہ بتانا کہ مردے نہیں سنتے بالکل غلط ہے صحیح احادیث سے مردوں کا سننا ثابت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نمل، لاہور)

حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

ما من احد یمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیلسم علیه الا رد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام (ذکره ابن کثیر فی تفسیره مصححا عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
اور نہ ہی آپ اندھوں کو گمراہی سے راہِ ہدایت پر لانے والے ہیں، آپ تو صرف انہی لوگوں کو سناتے ہیں
جو ہماری آیتوں پر ایمان لے آتے ہیں، سو وہی مسلمان ہیں۔

محروم بصیرت کفار کیلئے ہدایت نہ ہونے کا بیان

"وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْي عَنْ ضَلَالَتهمْ إنْ" مَا "تُسْمِع" سَمَاع إفْهَام وَقَبُول "إلَّا مَنْ يُؤْمِن بِآيَاتِنَا"

الْقُرْآن "فَهُمْ مُسْلِمُونَ" مُخْلِصُونَ بِتَوْحِيدِ اللّٰه

اور نہ ہی آپ ان اندھوں کو (جو محروم بصیرت ہیں) گمراہی سے راہ ہدایت پر لانے والے ہیں، کیونکہ وہ سمجھنے اور قبول کرنے سے عاجز ہیں۔ آپ تو صرف انہی لوگوں کو (فہم اور قبولیت کی توفیق کے ساتھ) سناتے ہیں جو ہماری آیتوں یعنی قرآن پر ایمان لے آتے ہیں، پس وہی مسلمان ہیں۔ یعنی اللہ کی توحید کے ساتھ مخلص ہیں۔

یہاں اندھوں سے بھی دل کے اندھے مراد ہیں۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہاں مردوں سے مراد کفار ہیں جو دنیوی زندگی تو رکھتے ہیں مگر پندو موعظت سے منتفع نہیں ہوتے اس لئے انہیں اموات سے تشبیہ دی گئی جو دار العمل سے گزر گئے اور وہ پند و نصیحت سے منتفع نہیں ہو سکتے لہٰذا آیت سے مردوں کے نہ سننے پر سند لانا درست نہیں اور بکثرت احادیث سے مردوں کا سننا اور اپنی قبروں پر زیارت کے لئے آنے والوں کو پہچاننا ثابت ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ روم، لاہور)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ
ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝
اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری کے بعد قوت کو پیدا کیا، پھر اس نے قوت کے بعد
کمزوری اور بڑھاپا پیدا کر دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور وہ خوب جاننے والا، بڑی قدرت والا ہے۔

انسانی زندگی میں مختلف احوال سے استدلال قدرت کا بیان

"اللّٰه الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْف" مَاء مَهِين "ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْد ضَعْف" آخَر وَهُوَ ضَعْف الطُّفُولَة "قُوَّة" أَيْ قُوَّة الشَّبَاب "ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْد قُوَّة ضُعْفًا وَشَيْبَة" ضُعْف الْكِبَر وَشَيْب الْهَرَم وَالضُّعْف فِي الثَّلَاثَة بِضَمِّ أَوَّله وَفَتْحه "يَخْلُق مَا يَشَاء" مِنْ الضُّعْف وَالْقُوَّة وَالشَّبَاب وَالشَّيْبَة "وَهُوَ الْعَلِيم" بِتَدْبِيرِ خَلْقه "الْقَدِير" عَلَى مَا يَشَاء،

اللہ ہی ہے جس نے تمہیں کمزور چیز یعنی حقیر پانی سے پیدا فرمایا پھر اس نے کمزوری یعنی طفلیت کے بعد قوت یعنی توانائی کو پیدا کیا، پھر اس نے قوت یعنی جوانی کے بعد کمزوری یعنی ضعف اور بڑھاپا پیدا کر دیا، یعنی جوانی سے بڑھاپے کی طرف لے آیا یہاں پر لفظ ضعف تینوں احوال میں پہلے حرف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے وہ جو چاہتا ہے یعنی ضعف، قوت، جوانی اور بڑھاپا پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنی مخلوق کی تدبیر کو خوب جاننے والا، جس پر چاہتا ہے بڑی قدرت والا ہے۔

یہاں پر انسان کو یہی سبق دیا گیا کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھ کس قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ ایک قطرہ بے جان، بے شعور،

ناپاک، گھناؤنی چیز ہے۔ اس میں غور کر کہ کس کی قدرت وحکمت نے اس گھناؤنے قطرہ کو ایک خون منجمد کی صورت میں پھر خون کو گوشت کی صورت میں پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں تبدیلیاں کیں۔ پھر اس کے اعضاء و جوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا، جس میں سینکڑوں عجیب وغریب خودکار مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ اور زیادہ غور سے کام لو تو ایک فیکٹری نہیں بلکہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہان کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق وتکوین بھی کسی بڑے ورکشاپ میں نہیں، بلکہ بطن مادر کی تین اندھیریوں میں ہوئی اور نو مہینیا سی تنگ وتاریک جگہ میں بطن مادر کے خون اور آلائشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرت انسان کا وجود تیار ہوا۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝
اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔

قیامت کے دن کفار کا دنیا میں ٹھہرنے سے متعلق قسم اٹھانے کا بیان

"وَيَوْمَ تَقُوم السَّاعَة يُقْسِم" يَحْلِف "الْمُجْرِمُونَ" الْكَافِرُونَ "مَا لَبِثُوا" فِي الْقُبُور "كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ" يُصْرَفُونَ عَنْ الْحَقّ : الْبَعْث كَمَا صُرِفُوا عَنْ الْحَقّ الصِّدْق فِي مُدَّة اللُّبْث،

اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم یعنی کفار قسمیں یعنی حلف کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا قبروں میں نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔ یعنی حق سے پھرنے والے تھے۔ یعنی جس طرح حق سے پھرنے والے ہیں اسی طرح دوبارہ زندہ ہونے سے پھریں گے اور جس طرح وہ اس میں ٹھہرنے کی مدت کی سچائی سے پھر رہے ہیں۔

یعنی ایسے ہی دنیا میں غلط اور باطل باتوں پر جمتے تھے اور حق سے پھرتے تھے اور بعث کا انکار کرتے تھے جیسے کہ اب قبر یا دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو قسم کھا کر ایک گھڑی بتا رہے ہیں ان کی اس قسم سے اللہ تعالیٰ انھیں تمام اہل محشر کے سامنے رسوا کرے گا اور سب دیکھیں گے کہ ایسے مجمع عام میں قسم کھا کر ایسا صریح جھوٹ بول رہے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ روم، لاہور)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ
فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اور وہ لوگ جنھیں علم اور ایمان دیا گیا کہیں گے کہ بلاشبہ یقیناً تم اللہ کی کتاب میں اٹھائے جانے کے دن تک
ٹھہرے رہے، سو یہ اٹھائے جانے کا دن ہے اور لیکن تم نہیں جانتے تھے۔

علم وایمان والوں کا دنیا میں ٹھہرنے پر گواہی کا بیان

"وَقَالَ الَّذِینَ اُوتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیمَانَ" مِنَ الْمَلَائِکَةِ وَغَیْرِهِمْ "لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِی کِتَابِ اللّٰه" فِیمَا کَتَبَهُ فِی سَابِقِ عِلْمِهِ "اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ" الَّذِی اَنْکَرْتُمُوهُ "وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" وُقُوعَهُ

اور وہ لوگ جنھیں یعنی فرشتے وغیرہ علم اور ایمان دیا گیا کہیں گے کہ بلاشبہ یقیناً تم اللہ کی کتاب میں اٹھائے جانے کے دن تک ٹھہرے رہے، جو اس کی کتب میں لکھا ہوا ہے۔ اور بعث سو یہ اٹھائے جانے کا دن ہے جس کا تم نے انکار کیا اور لیکن تم اس کے وقوع کو نہیں جانتے تھے۔

یعنی مومنین اور ملائکہ اس وقت ان کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب وہ دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی مسرتیں دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار واشتیاق کے بعد آیا۔ جیسا کہ مومنین سمجھتے ہیں۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○
تو اس دن ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا ان کا عذر کرنا فائدہ نہ دے گا اور نہ انھیں معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔

قیامت کے دن توبہ ومعافی مانگنے کا موقع نہ ملنے کا بیان

"فَیَوْمَئِذٍ لَا یَنْفَعُ" بِالْیَاءِ وَالتَّاءِ "الَّذِینَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ" فِی اِنْکَارِهِمْ لَهُ "وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُونَ" لَا یُطْلَبُ مِنْهُمُ الْعُتْبٰی: اَیِ الرُّجُوعُ اِلٰی مَا یُرْضِی اللّٰهَ

یہاں پر لفظ ینفع یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ تو اس دن ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا تھا ان کا عذر کرنا یعنی ان کا انکار کرنا فائدہ نہ دے گا اور نہ انھیں معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔ نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا یعنی وہ رجوع کر کے اللہ کو راضی کرلیں۔

قیامت کا دن دنیا میں کئے ہوئے اعمال کے بدلہ کا دن ہوگا، عذر معذرت کا دن نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انھیں کہا جاتا تھا کہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لو۔ توبہ استغفار کرلو اور اپنے پروردگار کو راضی اور خوش کرلو۔ لیکن اس دن ان ظالموں کو یہ بات بھی کوئی نہ کہے گا۔ کیونکہ عذر معذرت اور توبہ تائب کا وقت صرف دنیا میں ہے اور موت تک ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں یہ کافر تو یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔

قرآن میں کل مثالوں کو بیان کر دینے کا بیان

"وَلَقَدْ ضَرَبْنَا" جَعَلْنَا "لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآن مِنْ كُلّ مَثَل" تَنْبِيهًا لَهُمْ "وَلَئِنْ" لَام قَسَم "جِئْتهمْ" يَا مُحَمَّد "بِآيَةٍ" مِثْل الْعَصَا وَالْيَد لِمُوسَى "لَيَقُولَنَّ" حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي النُّونَات وَالْوَاو ضَمِير الْجَمْع لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "الَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْهُمْ "إنْ" مَا "أَنْتُمْ" أَيْ مُحَمَّد وَأَصْحَابه "إلَّا مُبْطِلُونَ" أَصْحَاب أَبَاطِيل، "كَذَلِكَ يَطْبَع اللَّه عَلَى قُلُوب الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" التَّوْحِيد كَمَا طَبَعَ عَلَى قُلُوب هَؤُلَاءِ،

بیشک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سامنے کل مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ ان کو انتباہ کر دیں اور یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ یا محمد ﷺ آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی جیسے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ید بیضاء لائیں یہ کافر تو یہی کہیں گے، یہاں پر لفظ لیقولن نون رفع کو مسلسل نونات کے سبب حذف کیا گیا اور واؤ ضمیر جمع کو بھی التقائے ساکنین کے سبب حذف کیا گیا ہے۔ کہ تم یعنی یا محمد ﷺ آپ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بالکل جھوٹے ہیں۔ یہاں پر لفظ مبطلون سے اصحاب باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو توحید کی سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔ جیسے ان لوگوں کے دلوں پر مہریں لگا دیں۔

معجزات اور قرآن کے ذریعے کفار پر اتمام حجت کا بیان

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ حق کو ہم نے اس کلام پاک میں پوری طرح واضح کر دیا ہے اور مثالیں دے دے کر سمجھا دیا ہے کہ لوگوں پر حق کھل جائے اور اس کی تابعداری میں لگ جائیں۔ انکے پاس تو کوئی بھی معجزہ آ جائے کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں لیکن یہ جھٹ سے بلا غور علی الفور کہیں گے کہ یہ جادو ہے باطل ہے جھوٹ ہے۔ دیکھئے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ خود قرآن کریم کی آیت (اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یونس:96) میں ہے کہ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس تمام نشانیاں آ جائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کا معائنہ کر لیں۔ پس یہاں بھی فرماتا ہے کہ بے علم لوگوں کے دلوں پر اسی طرح اللہ کی مہر لگ جاتی ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر کیجئے ان کی مخالفت اور دشمنی پر درگزر کئے چلے جایئے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ ضرور تمہیں ایک دن ان پر غالب کرے گا اور تمہاری امداد فرمائے گا۔ اور دنیا اور آخرت میں تجھے اور تیرے تابعداروں کو مخالفین پر غلبہ دے گا۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے کام پر لگے رہو حق پر جم جاؤ اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ ہٹو اسی میں ساری ہدایت ہے باقی سب باطل کے ڈھیر ہیں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں تھے کہ ایک خارجی نے آپ کا نام لے کر زور سے اس آیت کی تلاوت کی۔ (وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ، الزمر:65)

آپ نے خاموشی سے اس آیت کو سنا سمجھا اور نماز ہی میں اس کے جواب میں آیت (فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ، -30 الروم:60) تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر ابن ابی حاتم رازی، سورہ روم، بیروت)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ٥
پس آپ صبر فرمائیں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور کہیں بے یقین لوگ آپ کو پھسلا نہ دیں۔

صبر اپنانے والوں کیلئے اللہ کی مدد آنے کا بیان

"فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْد اللّٰه" بِنَصْرِك عَلَيْهِمْ "حَقّ وَلَا يَسْتَخِفَّنك الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ" بِالْبَعْثِ : أَيْ لَا يَحْمِلَنك عَلَى الْخِفَّة وَالطَّيْش بِتَرْكِ الصَّبْر : أَيْ لَا تَتْرُكهُ،

پس آپ صبر فرمائیں کہ اللہ کا یعنی ان کے خلاف آپ کی مدد کا وعدہ برحق ہے اور کہیں بے یقین لوگ آپ کو عقیدہ بعث سے پھسلا نہ دیں۔ یعنی کہیں آپ کو جلدی اور جوش دلا کر ترک صبر کو چھڑوا نہ دیں لہٰذا آپ صبر کو نہ چھوڑیے گا۔

صبر ایک ایسا عظیم اور اعلیٰ فضیلت والا عمل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں علیہم الصلاۃ والسلام کی صفات میں تعریف کرتے ہوئے بیان فرمایا وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ، اور اِسماعیل اور اِدریس اور ذاالکِفل سب ہی صبر کرنے والوں میں سے تھے۔

اور اس صبر کو ایک نیک عمل قرار فرماتے ہوئے اُس کا پھل یہ بتایا وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ، اور ہم نے (اُن کے صبر کرنے کے نتیجے میں) اُن سب کو اپنی رحمت میں داخل فرما لیا کہ وہ (یہ) نیک عمل کرنے والے تھے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو یہ بتایا کہ یہ عظیم کام بہت بُلند حوصلہ رسولوں کی صفات میں رہا ہے اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو اُس کام کا حکم فرمایا، فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ، اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) آپ بھی اُسی طرح صبر فرمایے جس طرح (آپ سے پہلے) حوصلہ مند رسولوں نے فرمایا۔

حقیقی صبر کے مفہوم کا بیان

حقیقی صبر وہ ہے جو کسی صدمے کی ابتداء میں ہی اختیار کیا جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم اُن پر میرا سب کچھ قُربان ہو، ہمیں یہ عظیم حقیقت بھی بتائی کہ إِنَّمَا الصَّبرُ عِندَ الصَّدمةِ الأُولَى، بے شک صبر تو وہ ہے جو کسی صدمے کی ابتداء میں

کیا جائے۔

سورہ روم کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ روم کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَةُ لُقْمٰن

یہ قرآن مجید کی سورت لقمان ہے

سورہ لقمان کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ لُقْمَان (مَكِّيَّةٌ إِلَّا الْآيَاتِ 27 و 28 و 29 فَمَدَنِيَّةٌ وَآيَاتُهَا 34 نَزَلَتْ بَعْدَ الصَّافَّاتِ)

سورہ لقمان مکی ہے سوائے دو آیتوں کے جو (وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ، لقمان:27) سے شروع ہوتی ہیں، اس سورت میں چار ۴ رکوع، چونتیس آیات، پانچ سو اڑتالیس کلمے، دو ہزار ایک سو دس حروف ہیں۔ اور یہ سورت صافات کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ لقمان کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت کرنے کا بیان آیا ہے۔ اسی بیان کے موجود ہونے کے سبب اس سورہ مبارکہ کا نام سورت لقمان ہے۔

الٓمّٓ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ○ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ○ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○
یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں
اور وہ لوگ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

حکمت والی کتاب قرآن مجید کی آیات کا بیان

"الم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "تِلْكَ" أَيْ هٰذِهِ الْآيَات "آيَات الْكِتَاب" "الْحَكِيم" الْقُرْآن ذِي الْحِكْمَة وَالْإِضَافَة بِمَعْنَى مِنْ "هُدًى وَرَحْمَة" بِالرَّفْعِ وَفِي قِرَاءَة الْعَامَّة بِالنَّصْبِ حَالًا مِنْ الْآيَات الْعَامِل فِيهَا مَا فِي "تِلْكَ" مِنْ مَعْنَى الْإِشَارَة،

"الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاة " بَيَان لِلْمُحْسِنِينَ "وَيُؤْتُونَ الزَّكَاة وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ" هُمْ الثَّانِي

تاکید "أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ،

الف، لام، میم حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں یہ حکمت والی کتاب یعنی قرآن حکیم کی آیات ہیں۔ جو حکمت والی ہیں۔ یہاں پر اضافت بہ معنی من ہے۔ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ یہاں پر لفظ ھدی اور رحمۃ کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔ اور عام قرأت میں نصب پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ آیات سے حال ہے اور اس میں عامل وہی جو تلک اسم اشارہ سے معنی اشارہ ہے۔ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں یہاں پر احسان کرنے والوں کا بیان ہے۔ اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ دوسرے کی تاکید کیلئے ہے۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی کامیاب ہونے والے ہیں۔

ایمان، نماز اور مقام احسان کا بیان

حضرت عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن (ہم صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ (چمکدار) تھے، اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی (کہ اس کو کہیں سے سفر کر کے آیا ہوا کوئی اجنبی آدمی سمجھا جاتا) اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی مقامی آدمی ہو یا کسی کا مہمان بھی نہیں تھا) بہر حال وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب آ کر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے ایک سعادت مند شاگرد اپنے جلیل القدر استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے اور استاد کی باتیں سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے) اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو (اگر صاحب نصاب ہو تو) زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زاد راہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس (تضاد) پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی (ایک لاعلم آدمی کی طرح پہلے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے (جیسے اس کو ان باتوں کا پہلے سے علم ہو) پھر وہ آدمی بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اب ایمان کی حقیقت بیان فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔

اس آدمی نے (یہ سن کر) کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا

حضور قلب میسر نہ ہو سکے) تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس آدمی نے عرض کیا قیامت کے بارے میں مجھے بتایئے (کہ کب آئے گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی قیامت کے متعلق کہ کب آئے گی، میرا علم تم سے زیادہ نہیں جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی مجھ کو معلوم ہے) اس کے بعد اس آدمی نے کہا اچھا اس (قیامت) کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی اپنے آقا کو مالک کو جنے گی اور برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس و فقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات و عمارت میں فخر و غرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا اور میں نے (اس کے بارہ میں آپ سے فوراً دریافت نہیں کیا بلکہ) کچھ دیر توقف کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا عمر! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرائیل تھے جو (اس طریقہ سے) تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 2)

محسنین محسن کی جمع ہے اس کے ایک معنی تو یہ ہیں احسان کرنے والا والدین کے ساتھ رشتے داروں کے ساتھ، مستحقین اور ضرورت مندوں کے ساتھ، دوسرے معنی ہیں، نیکیاں کرنے والا، یعنی برائیوں سے مجتنب اور نیکوکار، تیسرے معنی ہیں اللہ کی عبادت نہایت اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ کرنے والا۔ جس طرح حدیث جبرائیل میں ہے ان تعبد الله كانك تراه۔ قرآن ویسے تو سارے جہان کے لئے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے لیکن اس سے اصل فائدہ چونکہ صرف محسنین اور متقین ہی اٹھاتے ہیں، اس لئے یہاں اس طرح فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا
هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝
اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے
اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

دین اسلام کا مذاق کرنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"وَمِنَ النَّاس مَنْ يَشْتَرِي لَهْو الْحَدِيث" أَيْ مَا يُلْهِي مِنْهُ عَمَّا يَعْنِي "لِيُضِلّ" بِفَتْحِ الْيَاء وَضَمّهَا "عَنْ سَبِيل اللّٰه" طَرِيق الْإِسْلَام "بِغَيْرِ عِلْم وَيَتَّخِذهَا" بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى يُضِلّ وَبِالرَّفْعِ عَلَى يَشْتَرِي "هُزُوًا" مَهْزُوءًا بِهَا "أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَاب مُهِين" ذُو إِهَانَة،

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، یہاں پر یلھی معروف مجہول دونوں طرح آیا ہے۔ اور لفظ لیضل یاء کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے یعنی دین اسلام سے گمراہ کرے اور اسے مذاق

بنائے۔ یتخذ ھا یہ منصوب اس لئے آیا ہے کیونکہ اس کا عطف یضل پر ہے۔ اور مرفوع بھی آیا ہے کہ جب اس کا عطف یشتری پر ہو یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ یعنی اہانت کرنے والا عذاب ہے۔

سورہ لقمان آیت ٦ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گانے والی باندیوں کی خرید وفروخت نہ کیا کرو۔ اور نہ انہیں گانا سکھایا کرو اور یہ بھی جان لو کہ ان کی تجارت میں بہتری نہیں پھر ان کی قیمت بھی حرام ہے اور یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)، (اور بعض ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تا کہ بن سمجھے اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اس کی ہنسی اڑائیں ایسے لوگوں کیلئے ذلت کا عذاب ہے)۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1143)

یہ آیت نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی جو تجارت کے سلسلہ میں دوسرے ملکوں میں سفر کیا کرتا تھا، اس نے عجمیوں کی کتابیں خریدیں جن میں قصے کہانیاں تھیں وہ قریش کو سناتا اور کہتا کہ سید کائنات (محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہیں عاد وثمود کے واقعات سناتے ہیں اور میں رستم واسفندیار اور شاہانِ فارس کی کہانیاں سناتا ہوں، کچھ لوگ ان کہانیوں میں مشغول ہو گئے اور قرآن پاک سننے سے رہ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان، سورہ لقمان، بیروت)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○
اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں،
جیسے اس کے کانوں میں گرانی ہے، سو آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

اللہ کی آیات کو سننے کی بہ جائے تکبر کرنے کا بیان

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ آيَاتنَا" أَيْ الْقُرْآن "وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا" مُتَكَبِّرًا "كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْ أُذُنَيْهِ وَقْرًا" صَمَمًا وَجُمْلَتَا التَّشْبِيه حَالَانِ مِنْ ضَمِير وَلّٰى أَوْ الثَّانِيَة بَيَان لِلْأُولٰى "فَبَشِّرْهُ" أَعْلِمْهُ "بِعَذَابٍ أَلِيم" مُؤْلِم وَذِكْر الْبِشَارَة تَهَكُّم بِهِ وَهُوَ النَّضْر بْن الْحَارِث كَانَ يَأْتِي الْحِيرَة يَتَّجِر فَيَشْتَرِي كُتُب أَخْبَار الْأَعَاجِم وَيُحَدِّث بِهَا أَهْل مَكَّة وَيَقُول : إنَّ مُحَمَّدًا يُحَدِّثكُمْ أَحَادِيث عَادٍ وَثَمُود وَأَنَا أُحَدِّثكُمْ أَحَادِيث فَارِس وَالرُّوم فَيَسْتَمْلِحُونَ حَدِيثه وَيَتْرُكُونَ اسْتِمَاع الْقُرْآن

اور جب اس پر ہماری آیتیں یعنی قرآن پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے انھیں سنا ہی نہیں، جیسے اس کے کانوں میں بہرے پن کی گرانی ہے، اور یہ دونوں جملہ تشبیہ ولی کی ضمیر سے حال ہیں۔ اور دوسرا جملہ پہلے جملے کیلئے بیان ہے۔ پس آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ یہاں پر بشارت کا ذکر اس کیلئے بہ طور مذاق ہے۔ اور وہ نضر بن

حارث ہے۔ جو تجارت کیلئے حیرہ جایا کرتا تھا۔ وہاں سے وہ عجمیوں کے اخبار کی کتابیں لایا کرتا تھا۔ اور وہ کتابیں اہل مکہ کو سنایا کرتا تھا۔ اور کہتا کہ محمد ﷺ تمہیں عاد اور ثمود کے واقعات سناتے ہیں جبکہ میں تمہیں فارس اور اہل روم کے واقعات سناتا ہوں۔ تو وہ لوگ اس کی بات کو پسند کرتے تھے اور قرآن کو سننا چھوڑ دیتے تھے۔

یہ اس شخص کا حال ہے جو مذکورہ لہو ولعب کی چیزوں میں مگن رہتا ہے، وہ آیات قرآنیہ اور اللہ اور رسول ﷺ کی باتیں سن کر بہرا بن جاتا ہے حالانکہ وہ بہرا نہیں ہوتا اور اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں، کیونکہ اس کے سننے سے وہ ایذا محسوس کرتا ہے۔ اس لیے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، وقرا کے معنی ہیں کانوں میں ایسا بوجھ جو اسے سننے سے محروم کر دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے نعمت کے باغات ہیں۔ ان میں ہمیشہ
رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

ایمان و عمل صالح والوں کیلئے جنت نعیم ہونے کا بیان

"خَالِدِينَ فِيهَا" حَال مُقَدَّرَة أَيْ : مُقَدَّرًا خُلُودهمْ فِيهَا إِذَا دَخَلُوهَا "وَعْد اللّٰه حَقًّا" أَيْ وَعَدَهُمْ اللّٰه ذَلِكَ وَحَقَّهُ حَقًّا "وَهُوَ الْعَزِيز" الَّذِي لَا يَغْلِبهُ شَيْء فَيَمْنَعهُ مِنْ إِنْجَاز وَعْده وَوَعِيده "الْحَكِيم" الَّذِي لَا يَضَع شَيْئًا إِلَّا فِي مَحَلّه،

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہاں پر خالدین حال مقدرہ ہے۔ یعنی ان کا رہنا ہمیشہ جنت میں ہوگا۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، یعنی اللہ نے جو ان سے وعدہ کیا ہے اور وہ حق ہے۔ اور وہ غالب ہے جس پر کوئی چیز غالب نہ آئے۔ یعنی جس کے وعد اور وعید کو کوئی روکنے والا نہیں۔ حکمت والا ہے۔ یعنی وہ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں ایک کوڑے کے برابر بھی جگہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 180)

سفر کا قاعدہ ہوتا تھا کہ جب سوار کسی جگہ اترنا چاہتا تو اپنا کوڑا وہاں ڈال دیتا تاکہ دوسرا شخص وہاں نہ اترے اور وہ جگہ اس کے ٹھہرنے کے لئے مخصوص ہو جائے پس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی اتنی تھوڑی سی جگہ اور وہاں کا چھوٹا سا مکان بھی کہ جہاں مسافر سفر میں ٹھہرتا ہے اس پوری دنیا اور یہاں کی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی اور زیادہ اچھا ہے کیونکہ جنت اور جنت کی تمام نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں جب کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝
اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا تم انھیں دیکھ رہے ہو اور اس نے زمین میں اونچے مضبوط پہاڑ رکھ دیئے
تا کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا
اور ہم نے اس میں ہر قسم کی عمدہ و مفید نباتات اگا دیں۔

ستونوں کے بغیر آسمانوں کے قیام کا بیان

"خَلَقَ السَّمَوَات بِغَيْرِ عَمَد تَرَوْنَهَا" أَيْ الْعُمُد جَمْع عِمَاد وَهُوَ الْأُسْطُوَانَة وَهُوَ صَادِق بِأَنْ لَا عُمُد أَصْلًا "وَأَلْقَى فِي الْأَرْض رَوَاسِي" جِبَالًا مُرْتَفِعَة "أَنْ" لَا "تَمِيد" تَتَحَرَّك "بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلّ دَابَّة وَأَنْزَلْنَا" فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة "مِنْ السَّمَاء مَاء فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلّ زَوْج كَرِيم" صِنْف حَسَن،

اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا جیسا کہ تم انھیں دیکھ رہے ہو یہاں لفظ عمد یہ عماد کی جمع ہے۔ اور وہ اسطوانہ ہے اور وہ اس صورت میں بھی صادق آتی ہے کہ ستون بالکل نہ ہوں۔ اور اس نے زمین میں اونچے مضبوط پہاڑ رکھ دیئے تا کہ تمہیں لے کر دوران گردش میں نہ کانپے اور اس نے اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور اس میں غائب کی طرف التفات ہے اور ہم نے اس میں ہر قسم کی عمدہ و مفید نباتات اگا دیں۔ یعنی اچھی قسم کی اگائی ہیں۔

اللہ سبحان وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ زمین وآسمان اور ساری مخلوق کا خالق صرف وہی ہے۔ آسمان کو اس نے بےستون اونچا رکھا ہے۔ واقع ہی میں کوئی ستون نہیں۔ گو مجاہد کا یہ قول بھی ہے کہ ستون ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس مسئلہ کا پورا فیصلہ میں سورۃ رعد کی تفسیر میں لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ زمین کو مضبوط کرنے کے لئے اور ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس نے اس میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ وہ تمہیں زلزلے اور جنبش سے بچالے۔ اس قدر قسم قسم کے بھانت بھانت کے جاندار اس خالق حقیقی نے پیدا کئے کہ آج تک ان کا کوئی حصر نہیں کر سکا۔ اپنا خالق اور اخلق ہونا بیان فرما کر اب رازق اور رزاق ہونا بیان فرما رہا ہے کہ آسمان سے بارش اتار کر زمین میں سے طرح طرح کی پیداوار اگا دی جو دیکھنے میں خوش منظر کھانے میں بےضرر۔ نفع میں بہت بہتر۔ شعبی کا قول ہے کہ انسان بھی زمین کی پیداوار ہے جنتی کریم ہیں اور دوزخی لئیم ہیں۔ اللہ کی یہ ساری مخلوق تو تمہارے سامنے ہے اب جنہیں تم اس کے سوا پوجتے ہو ذرا بتاؤ تو ان کی مخلوق کہاں ہے؟ جب نہیں تو وہ خالق نہیں اور جب خالق نہیں تو معبود نہیں پھر ان کی عبادت نرا ظلم اور سخت ناانصافی ہے فی الواقع اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں سے زیادہ اندھا بہرا بے عقل بے علم بے سمجھ بیوقوف اور کون ہوگا؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ لقمان، بیروت)

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

یہ ہے اللہ کی مخلوق، تو تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں کیا پیدا کیا ہے؟ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

معبودان باطلہ کا مخلوق کو پیدا نہ کر سکنے کا بیان

"هَذَا خَلْق اللّه " أَیْ مَخْلُوقه "فَأَرُونِی" أَخْبِرُونِی یَا أَهْل مَكَّة "مَاذَا خَلَقَ الَّذِینَ مِنْ دُونه" غَیْره : أَیْ آلِهَتكُمْ حَتَّى أَشْرَكْتُمُوهَا بِهِ تَعَالَى وَمَا اسْتِفْهَام إنْكَار مُبْتَدَأ وَذَا بِمَعْنَى الَّذِی بِصِلَتِهِ خَبَره وَأَرُونِی مُعَلَّق عَنْ الْعَمَل وَمَا بَعْده سَدَّ مَسَدّ الْمَفْعُولَیْنِ "بَلْ" لِلِانْتِقَالِ "الظَّالِمُونَ فِی ضَلَال مُبِین" بَیِّن بِإِشْرَاكِهِمْ وَأَنْتُمْ مِنْهُمْ،

یہ ہے اللہ کی مخلوق، اے اہل مکہ! تم مجھے دکھاؤ کہ ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں کیا پیدا کیا ہے؟ یعنی غیر اللہ نے کیا پیدا کیا؟ یعنی تمہارے معبود جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ اور یہاں پر ما ءاستفہامیہ انکاری ہے جو مبتداء ہے اور ذا بہ معنی الذی ہے صلہ کے خبر ہے۔ ارونی نے عمل سے روک دیا ہے۔ اور اس کا مابعد دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اور لفظ بل انتقال کیلئے آیا ہے۔ بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ یعنی ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اور تم بھی انہی میں سے ہو۔

یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو اور انھیں مدد کے لیے پکارتے ہو، انہوں نے آسمان و زمین میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ کوئی ایک چیز تو بتلاؤ؟ مطلب یہ ہے کہ جب ہر چیز کا خالق صرف اور صرف اللہ ہے، تو عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ہے اس کے سوا کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے مدد کے لیے پکارا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی کہ اللہ کا شکر کر اور جو شکر کرے تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے

اور جو ناشکری کرے تو یقیناً اللہ بہت بے پروا، بہت تعریفوں والا ہے۔

حضرت لقمان کو حکمت عطاء ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَیْنَا لُقْمَان الْحِكْمَة " مِنْهَا الْعِلْم وَالدِّیَانَة وَالْإِصَابَة فِی الْقَوْل وَحِكَمه كَثِیرَة مَأْثُورَة كَانَ یُفْتِی قَبْل بَعْثَة دَاوُد وَأَدْرَكَ بَعْثه وَأَخَذَ عَنْهُ الْعِلْم وَتَرَكَ الْفُتْیَا وَقَالَ فِی ذَلِكَ : أَلَا أَكْتَفِی إذَا كُفِیت وَقِیلَ لَهُ أَیّ النَّاس شَرّ ؟ قَالَ : الَّذِی لَا یُبَالِی إنْ رَآهُ النَّاس مُسِیئًا "أَنْ" أَیْ وَقُلْنَا لَهُ أَنْ "اُشْكُرْ لِلَّهِ" عَلَى مَا أَعْطَاك مِنْ الْحِكْمَة "وَمَنْ یَشْكُر فَإِنَّمَا یَشْكُر لِنَفْسِهِ" لِأَنَّ ثَوَاب شُكْره لَهُ "وَمَنْ كَفَرَ" النِّعْمَة "فَإِنَّ اللَّه غَنِیّ" عَنْ خَلْقه "حَمِید" مَحْمُود فِی صُنْعه،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی اس سے علم، دیانت، بات میں سچائی اور ان سے بہت ساری حکمت کی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آپ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور جب حضرت لقمان نے داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا تو ان سے علم حاصل کیا۔ اور فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور ترک فتویٰ کے بارے میں فرمایا کیا میں اسی پر اکتفاء نہ کروں جب میں اکتفاء کیا جاؤں، جب آپ سے کہا گیا کہ لوگوں میں سے بدتر کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جو اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ لوگ اس کو برائی کرتے دیکھیں۔ یعنی یہ بات ہم نے اس سے کہی کہ اللہ کا شکر کر جو اس نے تمہیں حکمت عطا فرمائی ہے۔ اور جو شکر کرے تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے کیونکہ اس کا ثواب شکر کرنے والے کو ملتا ہے۔ اور جو نعمت کی ناشکری کرے تو یقیناً اللہ اپنی مخلوق سے بے پرواہ، اپنی صنعت میں تعریف والا ہے۔

حضرت لقمان کے نسب کا بیان

محمد بن اسحٰق نے کہا کہ لقمان کا نسب یہ ہے لقمان بن باعور بن ناحور بن تارخ۔ وہب کا قول ہے کہ حضرت لقمان حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ مقاتل نے کہا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خالہ کے فرزند تھے۔ واقدی نے کہا کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ہزار سال زندہ رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم اخذ کیا اور ان کے زمانہ میں فتوی دینا ترک کر دیا اگر چہ پہلے سے فتوی دیتے تھے، آپ کی نبوت میں اختلاف ہے اکثر علماء اسی طرف ہیں کہ آپ حکیم تھے نبی نہ تھے، حکمت عقل وفہم کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ حکمت وہ علم ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔ بعض نے کہا کہ حکمت معرفت اور اصابت فی الامور کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت ایسی شیء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جس کے دل میں رکھتا ہے اس کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ لقمان، لاہور)

حضرت لقمان کے نبی ہونے یا نہ ہونے کی بحث کا بیان

اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے پرہیزگار ولی اللہ اور اللہ کے پیارے بزرگ بندے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے اور بڑھئی تھے۔ حضرت جابر سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت لقمان پستہ قد اونچی ناک والے موٹے ہونٹ والے نبی تھے۔ سعد بن مسیب فرماتے ہیں آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ آپ کو حکمت عطا ہوئی تھی لیکن نبوت نہیں ملی تھی آپ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے تئیں حقیر نہ سمجھ تین شخص جو تمام لوگوں سے اچھے تھے تینوں سیاہ رنگ تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور رسالت پناہ کے غلام تھے۔

حضرت مجع جو جناب فاروق اعظم کے غلام تھے اور حضرت لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے۔ حضرت خالد ربعی کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور دو بدترین گوشت

کے ٹکڑے میرے پاس لاؤ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ بہترین مانگے تو بھی یہی لائے گئے اور بدترین مانگے گئے تو بھی یہی لائے گئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہے تو ان سے بہترین جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائے تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے نیک بندے تھے۔ سیاہ فام غلام تھے موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے اور بزرگ سے بھی یہ مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قاضی تھے۔

ایک اور قول ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی مجلس میں وعظ فرمارہے تھے کہ ایک چرواہے نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا تو وہی نہیں ہے جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں اس نے کہا پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا سچ بولنے اور بیکار کلام نہ کرنے سے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان کی کہ اللہ کا فضل اور امانت ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔ الغرض ایسے ہی آثار صاف ہیں کہ آپ نبی نہ تھے۔ بعض روایتیں اور بھی ہیں جن میں گو صراحت نہیں کہ آپ نبی نہ تھے لیکن ان میں بھی آپ کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے جو ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ نبی نہ تھے کیونکہ غلامی نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء کرام عالی نسب اور عالی خاندان کے ہوا کرتے تھے۔

اسی لئے جمہور سلف کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے۔ ہاں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ آپ نبی تھے لیکن یہ بھی جب کے سند صحیح ثابت ہو جائے لیکن اسکی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حکیم سے ایک شخص نے کہا کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ اس نے کہا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہوں۔ کہا گیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ آپ نے فرمایا ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر وہ کیا ہے؟ کہ تیری مجلس پر رہتی ہے؟ لوگ تیرے دروازے پر آتے ہیں تری باتیں شوق سے سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو بھائی جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کر لو تو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کر لو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ مال حلال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو۔ زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو۔ بیفائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میں نے بزرگی پائی ہے۔

ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے امیر اور بہت زیادہ کنبے قبیلے والے نہ تھے۔ ہاں ان میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش اخلاق خاموش غور و فکر کرنے والے گہری نظر والے دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دور رہتے ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا جس دن ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہیں روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور و فکر اور

عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔

حضرت قتادۃ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت و نبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی راتوں رات ان پُر حکمت برسادی گئی اور رگ و پے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی سب باتیں اور عادتیں حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلے میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر اللہ مجھے نبی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں۔ اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ اس روایت کے ایک راوی سعید بن بشیر ہیں۔

حضرت قتادہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد حکمت سے اسلام کی سمجھ ہے۔ حضرت لقمان نہ نبی تھے نہ ان پر وحی آئی تھی پس سمجھ علم اور عبرت مراد ہے۔ ہم نے انہیں اپنا شکر بجالانے کا حکم فرمایا تھا کہ میں نے تجھے جو علم و عقل دی ہے اور دوسروں پر جو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اس پر تو میری شکر گزاری کر۔ شکر گذار کچھ مجھ پر احسان نہیں کرتا وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ، الروم:44) نیکی والے اپنے لئے بھی بھلا توشہ تیار کرتے ہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ اگر کوئی ناشکری کرے تو اللہ کو اسکی ناشکری ضرر نہیں پہنچا سکتی وہ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے سب اس کے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے ساری زمین والے بھی اگر کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ سب سے غنی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ لقمان، بیروت)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝
اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا اے میرے چھوٹے بیٹے!
اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔

حضرت لقمان کا اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے کی نصیحت کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "إِذْ قَالَ لُقْمَان لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظهُ يَا بُنَيّ" تَصْغِير إشْفَاق "لَا تُشْرِك بِاَللّٰهِ إنَّ الشِّرْك" بِاَللّٰهِ "لَظُلْم عَظِيم" فَرَجَعَ إلَيْهِ وَأَسْلَمَ

اور یاد کریں جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا اے میرے چھوٹے بیٹے! یہاں پر لفظ بنی یہ چھوٹے بچے کے طور پر تصغیر ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ لہٰذا اس نے آپ کی بات کو تسلیم کیا اور اسلام لے آیا۔

ایک دفعہ حضرت لقمان نے چند نصیحتیں اپنے بیٹے کو فرمائیں کہ وہ اتنی اہم تھیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمایا۔ دنیا میں اولاد ہی ایک ایسا رشتہ ہے جس کے متعلق انسان انتہائی خلوص برتتا ہے اور نفاق نہیں کر سکتا۔ اور اولاد ہی کے متعلق اس کی آرزو

ہوسکتی ہے کہ وہ ہر بھلائی کی بات میں اس سے آگے نکل جائے۔ حتیٰ کہ ایسی آرزو انسان اپنے حقیقی بہن بھائیوں اور دوستوں تک سے بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ پہلی نصیحت جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وہ یہ تھی کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ بنانا۔ کیونکہ دنیا میں سب سے بڑی ناانصافی اور اندھیر کی بات یہی شرک ہی ہے۔ شرک مجسم ظلم اور سب سے بڑا ظلم ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری۔(اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ،الانعام:82) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت شاق گزری۔ وہ کہنے لگے "ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ایمان کے ساتھ ظلم (یعنی کوئی گناہ) نہ کیا ہو۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتلایا کہ اس آیت میں ظلم سے ہر گناہ مراد نہیں ہے (بلکہ شرک مراد ہے) کیا ہم نے لقمان کا قول نہیں سنا۔ جو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا تھا۔ ان الشرك لظلم عظيم ۔(بخاری۔ کتاب التفسیر)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ
اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝
اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے
اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

انسان کیلئے والدین کے ساتھ نیکی کی وصیت کا بیان

"وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ " أَمَرْنَاهُ أَنْ يَبَرَّهُمَا "حَمَلَتْهُ أُمُّه " فَوَهَنَتْ "وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ " أَيْ ضَعُفَتْ لِلْحَمْلِ وَضَعُفَتْ لِلطَّلْقِ وَضَعُفَتْ لِلْوِلَادَةِ "وَفِصَاله" أَيْ فِطَامه "فِي عَامَيْنِ" وَقُلْنَا لَهُ "أَنْ اُشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْك إلَيَّ الْمَصِير" أَيْ الْمَرْجِع،

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے یعنی ہم نے اس کو ان دونوں سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے اٹھائے رکھا یعنی حمل کے سبب درد زہ لاحق ہوا جس کی وجہ سے کمزوری ہوئی اور ولادت کے سبب ضعف بھی ہوا۔ اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

یعنی اس کا ضعف دَم بدَم ترقی پر ہوتا ہے جتنا حمل بڑھتا جاتا ہے بار زیادہ ہوتا ہے اور ضعف ترقی کرتا ہے، عورت کو حاملہ ہونے کے بعد ضعف اور تعب اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں، حمل خود ضعیف کرنے والا ہے درد زہ ضعف پر ضعف ہے اور وضع اس پر اور مزید شدت ہے، دودھ پلانا ان سب پر مزید برآں ہے۔ یہ وہ تاکید ہے جس کا ذکر اوپر فرمایا تھا۔ سفیان بن عیینہ نے اس آیت کی

تفسیر میں فرمایا کہ جس نے پنج گانہ نمازیں ادا کیں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا اور جس نے پنجگانہ نمازوں کے بعد والدین کے لئے دعائیں کیں اس نے والدین کی شکر گزاری کی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ لقمان، لاہور)

صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مراد آبادی حنفی بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ دودھ کے رشتے شیر خواری کی مدت میں قلیل دودھ پیا جائے یا کثیر اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوتی ہے شیر خواری کی مدت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیس ماہ اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں شیر خواری کی مدّت کے بعد دودھ پیا جائے اس سے حرمت متعلق نہیں ہوتی اللہ نے رضاعت (شیر خواری) کو نسب کے قائم مقام کیا ہے اور دودھ پلانے والی کو شیر خوار کی ماں اور اس کی لڑکی کو شیر خوار کی بہن فرمایا اسی طرح دودھ پلائی کا شوہر شیر خوار کا باپ اور اس کا باپ شیر خوار کا دادا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور اس کا ہر بچہ جو دودھ پلائی کے سوا اور کسی عورت سے بھی ہو خواہ وہ قبل شیر خواری کے پیدا ہوا یا اس کے بعد وہ سب اس کے سوتیلے بھائی بہن ہیں۔

مدت رضاعت میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے۔ اس کے بعد دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے، اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط بخاری و مسلم پر ہیں۔ حدیث میں فی الثدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں، یہی لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیم کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔

دار قطنی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباس بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد یتیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے آیت (وفصالہ فی عامین) الخ، دودھ چھٹنے کی مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے آیت (وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا) یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تیس ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔

حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت اُم سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔

امام شافعی، امام احمد، امام اسحٰق، امام ثوری، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالک سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔

امام ابو حنیفہ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سالوں تک کی مدت ہے، امام اوزاعی سے بھی یہ روایت ہے۔ اگر کسی بچہ کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑوالیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہوگیا۔

امام اوزاعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہوسکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالک کا فرمان ہے، واللہ اعلم، ہاں صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کہ، بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں مؤثر جانتی ہیں۔

عطاء اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ جس شخص کا کسی کے گھر زیادہ آنا جانا جانتیں تو وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولیٰ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں، حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کیلئے تھا ہر شخص کیلئے یہ حکم نہیں۔

یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں، کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المومنین کا سوائے حضرت عائشہ کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں، رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۳۳)

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا
مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تجھے کچھ علم نہیں ہے تو ان کی
اطاعت نہ کرنا، اور دنیا میں ان کا اچھے طریقے سے ساتھ دینا، اور اس شخص کی پیروی کرنا جس نے میری طرف توبہ و طاعت کا
سلوک اختیار کیا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے تو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کردوں گا جو تم کرتے رہے تھے۔

والدین کی اطاعت کا نیک کاموں میں ہونے کا بیان

"وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْم" مُوَافَقَة لِلْوَاقِعِ "فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبهمَا فِي

الدُّنیَا مَعْرُوفًا" أَیْ بِالْمَعْرُوفِ : الْبِرّ وَالصِّلَة "وَاتَّبِعْ سَبِیل" طَرِیق "مَنْ أَنَابَ" رَجَعَ "إِلَیَّ" بِالطَّاعَةِ "ثُمَّ إِلَیَّ مَرْجِعكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" فَأُجَازِیكُمْ عَلَیْهِ وَجُمْلَة الْوَصِیَّة وَمَا بَعْدهَا اعْتِرَاض

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی حقیقت کا تجھے واقع میں کچھ علم نہیں ہے۔ تو ان دونوں کی اطاعت نہ کرنا، اور دنیا کے کاموں میں ان کا اچھے طریقے یعنی نیکی اور صلہ رحمی سے ساتھ دینا، اور اس شخص کی پیروی کرنا جس نے میری طرف توبہ وطاعت کا سلوک اختیار کیا۔ پھر میری ہی طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے تو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کردوں گا جو تم کرتے رہے تھے۔ پس میں تمہیں اس پر جزاء دوں گا۔ یہاں پر وصیت اور اس کے بعد کا جملہ یہ معترضہ جملہ ہے۔

شرک میں والدین کی اطاعت نہ کرنے کا بیان

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے متعلق چار آیتیں نازل ہوئیں پھر قصہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم نہیں کیا۔ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک مر نہ جاؤں یا پھر تم دوبارہ کفر نہ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ جب انہیں کچھ کھلانا ہوتا تو منہ کھول کر کھلایا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (وَوَصَّیْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِی مَا لَیْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا) 29 ۔ العنکبوت : 8) (اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک بنائے جسے تو جانتا بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1137)

دس معروف نصائح کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، چنانچہ فرمایا: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا دیا جائے (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے اہل اور مال چھوڑ دینے کا حکم دیں (۳) جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑو کیونکہ جو آدمی عمداً نماز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں (۴) شراب مت پیو کیونکہ شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے (۵) اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بچو کیونکہ نافرمانی کرنے سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں دشمنوں کو ہرگز پیٹھ نہ دکھلاؤ اگرچہ تمہارے ساتھ کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں موت (وباء کی صورت میں) پھیل جائے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو یعنی ان کے درمیان سے بھاگو مت (۸) اپنے اہل وعیال پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔ (۹) تادیباً اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹاؤ (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈراتے رہو یعنی اہل وعیال میں سے کسی کو سزا یا تادیبا کچھ مارنا پیٹنا ضروری ہو تو اس سے پہلو تہی نہ کرو اور ان کو اچھی اچھی باتوں کی نصیحت وتلقین کرتے رہا کرو اور دین کے احکام ومسائل کی تعلیم دیا کرو اور ان کو بری باتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 56)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝

اے میرے چھوٹے بیٹے! بے شک کوئی چیز اگر رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں، یا زمین میں تو اسے اللہ لے آئے گا، بلاشبہ اللہ بڑا باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔

ذرہ بھر چیزوں کا بھی قیامت کے دن حساب ہونے کا بیان

"يَا بُنَيَّ إنَّهَا" أَيْ الْخَصْلَة السَّيِّئَة "إنْ تَكُ مِثْقَال حَبَّة مِنْ خَرْدَل فَتَكُنْ فِي صَخْرَة أَوْ فِي السَّمَاوَات أَوْ فِي الْأَرْض" أَيْ فِي أَخْفَى مَكَان مِنْ ذَلِكَ "يَأْتِ بِهَا اللَّه" فَيُحَاسِب عَلَيْهَا "إنَّ اللَّه لَطِيف" بِاسْتِخْرَاجِهَا "خَبِير" بِمَكَانِهَا

اے میرے چھوٹے بیٹے! بے شک بری خصلت کی کوئی چیز اگر رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں میں، یا زمین میں ہو یا ان کے علاوہ کسی جگہ پوشیدہ ہو تو بھی اسے اللہ لے آئے گا پس وہ اس پر حساب کرے گا، بلاشبہ اللہ اس کو نکالنے میں بڑا باریک بین، اس کی جگہ کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اس کا اعتقاد جازم رکھا جائے کہ آسمان وزمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے اس کا ایک ایک ذرہ پر اللہ تعالیٰ کا علم بھی محیط اور وسیع ہے اور سب پر اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ کوئی چیز کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو جو عام نظروں میں نہ آسکتی ہو اس طرح کوئی چیز کتنی ہی دور دراز پر ہو اس طرح کوئی چیز کتنے ہی اندھیروں اور پردوں میں ہو اللہ تعالیٰ کے علم ونظر سے نہیں چھپ سکتی، اور وہ جس کو جب چاہیں جہاں چاہیں حاضر کر سکتے ہیں۔ (آیت) یبنی انها ان تك مثقال حبة من خردل الآیة کا یہی مطلب ہے۔ اور حق تعالیٰ کے علم وقدرت کا ہر چیز پر محیط ہونا خود بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور عقیدہ توحید کی بہت بڑی دلیل ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

اے میرے چھوٹے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور اس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔

امر بہ معروف اور نہی عن منکر کے سبب پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنے کا بیان

"يَا بُنَيَّ أَقِمْ الصَّلَاة وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنْ الْمُنْكَر وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَك" بِسَبَبِ الْأَمْر وَالنَّهْي "إنَّ ذَلِكَ" الْمَذْكُور "مِنْ عَزْم الْأُمُور" أَيْ مَعْزُومَاتهَا الَّتِي يُعْزَم عَلَيْهَا لِوُجُوبِهَا

اے میرے چھوٹے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور اس مصیبت پر صبر کر جو تجھے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کی وجہ سے پہنچے، یقیناً یہ ذکر کردہ ہمت کے کاموں سے ہے۔ کیونکہ ان کے وجوب کی تاکید اسی لئے کی گئی ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے وبال ہے علاوہ اس کلام کے جو امر بالمعروف (نیکی کی تاکید و تعلیم کرنے) نہی عن المنکر (برائی سے بچنے کی تلقین) یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہو۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 796)

اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسانی کلام اور بات چیت میں کوئی قسم مباح نہیں ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی شرعی طور پر ناپسندیدہ اور غیر درست کلام اور گفتگو سے روکنے کے لئے تاکید اور مبالغہ پر محمول ہے اور ویسے بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ مباح کلام عقبیٰ و آخرت کے اعتبار سے نہ تو نافع ہوتا ہے نہ اس کا کوئی اثر مرتب ہوتا ہے۔ آخرت میں تو وہی کلام نافع اور سودمند ہوگا جو محض دینی تقاضا کے پیش نظر ہو مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ذکر اللہ یا پھر اس طرح کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے باعث حسرت ہے کہ اس کے لئے اس میں کوئی منفعت نہیں علاوہ اس کلام کے جس کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ذکر اللہ اور انہیں کی دوسری باتوں سے ہو۔ اس تاویل سے نہ صرف یہ کہ تمام مذکورہ احادیث میں مطابقت پیدا ہو جائے گی بلکہ وہ اشکال اور اضطراب بھی باقی نہیں رہے گا جو مباح کلام کے سلسلہ میں پیدا ہو سکتا ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝
اور لوگوں سے اپنا رخ نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بیشک اللہ ہر متکبر، اترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔

تکبر وغرور کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تُصَعِّرْ" وَفِي قِرَاءَة تُصَاعِر "خَدَّك لِلنَّاسِ" لَا تَمِلْ وَجْهك عَنْهُمْ تَكَبُّرًا "وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْض مَرَحًا" أَيْ خُيَلَاء "إِنَّ اللّٰه يُحِبّ كُلّ مُخْتَال" مُتَبَخْتِر فِي مَشْيه "فَخُور" عَلَى النَّاس

اور لوگوں سے غرور کے ساتھ اپنا رخ نہ پھیر، ایک قرأت میں تصاعر ہے اور زمین پر اکڑ کر یعنی تکبر سے مت چل، بیشک اللہ ہر متکبر، اترا کر چلنے والے کو ناپسند فرماتا ہے۔ یعنی چلنے میں لوگوں پر فخر کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1031)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذاتی بزرگی میری چادر ہے اور صفاتی عظمت گویا تمہارے اعتبار سے میرا تہمند ہے پس جو ان دونوں میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا

یعنی جو تکبر کرے گا اس طرح وہ گویا میری ذات وصفات میں شرک کا ارتکاب کرے گا تو میں اس کو عذاب دینے والی آگ میں داخل کروں گا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تو میں اس کو آگ میں پھینک دوں گا۔ (مسلم،مشکوۃ شریف،حدیث نمبر 1034)

میری چادر اور میرا تہبند ہے جیسے الفاظ حق تعالیٰ نے مثال کے طور پر فرمائے ہیں اور اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ دونوں صفتیں یعنی کبرائی اور عظمت صرف میری ذات سے تعلق رکھتی ہیں جن میں کوئی بھی میرا ساجھی شریک نہیں ہوسکتا جیسے کسی کے لباس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا چنانچہ حق تعالیٰ کی کچھ صفات تو ایسی ہیں کہ جن میں کچھ حصہ بندوں کو بھی دیا گیا ہے جو صرف حق تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں اور جن کے ساتھ کوئی بندہ اپنے آپ کو بطریق مجاز بھی موصوف نہیں کرسکتا۔ اسی حقیقت کو مثال کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ جس طرح کوئی شخص ان کپڑوں کو نہیں پہن سکتا جو کسی دوسرے شخص کے جسم پر ہوں اسی طرح کبریائی اور حقیقی عظمت بڑائی کا بھی کوئی بندہ دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ دونوں صفتیں صرف میری ذات کے لئے موزوں ہیں اور مخصوص ہیں۔

کبریاء اور عظمہ، یہ دونوں لفظ لغت میں ایک ہی معنی کے حامل ہیں یعنی بزرگی اور بڑا ہونا لیکن حدیث کے ظاہری اسلوب سے ان دونوں کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے کہ ایک کو چادر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور دوسرے کو تہبند کے ساتھ لہٰذا اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ کبریا تو صفت ذاتی ہے یعنی اللہ کی ذات کبیر و متکبر ہے خواہ دوسری اس حقیقت کو جانے یا نہ جانے اور عظمت کا لفظ حق تعالیٰ کی اس برائی کو بیان کرتا ہے جس کا ظہور اس کے غیر پر بھی ہوتا ہے کہ ساری مخلوق جانتی ہے کہ وہ ایسا رب ہے پس یہ حق تعالیٰ کی صفت اضافی ہوئی اور ذاتی صفت کا اضافی صفت سے اعلیٰ ہونا ضروری ہوتا ہے لہٰذا کبریائی کو چادر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ چادر تہبند سے اعلیٰ ہوتی ہے اور عظمت کو تہبند کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۟
اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر، اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھا کر، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

چلنے میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

"وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ" تَوَسَّطْ فِيهِ بَيْنَ الدَّبِيب وَالْإِسْرَاع وَعَلَيْك السَّكِينَة وَالْوَقَار "وَاغْضُضْ" اخْفِضْ "مِنْ صَوْتك إنَّ أَنْكَر الْأَصْوَات" أَقْبَحهَا "لَصَوْت الْحَمِير" أَوَّله زَفِير وَآخِره شَهِيق

اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر، یعنی تیز چلنے اور آہستہ چلنے کے درمیان میانہ روی اختیار کر اور سکون اور وقار کو لازم پکڑ۔ اور اپنی آواز کو کچھ پست رکھا کر، بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ یعنی گدھے کی آواز بہت بری ہے۔ جس شروع میں زفیر جبکہ آخر میں شہیق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی۔ اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عائشہ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مرجائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قراء میں سے ہے۔قراء قاری کی جمع ہے،اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوت قرآن کی صحت وآداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو۔مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے،اس لئے ایسا چلتا ہے۔اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ عمر بن خطاب اس سے زیادہ قاری تھے،مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔

واغضض من صوتک، یعنی آواز کو پست کرو مراد پست کرنے سے یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو،اور شور نہ کرو۔ جیسا کہ ابھی حضرت فاروق اعظم کے متعلق گزرا کہ کلام ایسا کرتے تھے کہ حاضرین سن لیں،انہیں سننے میں تکلیف نہ ہو۔

گدھے کی آواز سن کر پناہ مانگنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مرغ کی اذان سنو تو اللہ سے اس کے رحمت وفضل کی دعا مانگو کیونکہ اس مرغ نے فرشتہ دیکھا ہے اور جب تم گدھے کی آوز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 559)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً
وَّ بَاطِنَةً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے تمہاری خاطر مسخر کر دیا
اور تم پر اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں پوری کر دیں،اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم
اور بغیر کسی ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے۔

زمین وآسمان کی بہت سی چیزوں کے مسخر ہونے کا بیان

"اَلَمْ تَرَوْا" تَعْلَمُوا يَا مُخَاطَبِينَ "اَنَّ اللّٰه سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَات" مِنْ الشَّمْس وَالْقَمَر وَالنُّجُوم لِتَنْتَفِعُوا بِهَا "وَمَا فِي الْاَرْض" مِنْ الثِّمَار وَالْاَنْهَار وَالدَّوَابّ "وَاَسْبَغَ" اَوْسَعَ وَاَتَمَّ "عَلَيْكُمْ نِعَمه ظَاهِرَة" وَهِيَ حُسْن الصُّورَة وَتَسْوِيَة الْاَعْضَاء وَغَيْر ذٰلِكَ "وَبَاطِنَة" هِيَ الْمَعْرِفَة وَغَيْرهَا "وَمِنْ النَّاس" اَيْ اَهْل مَكَّة "مَنْ يُجَادِل فِي اللّٰه بِغَيْرِ عِلْم وَلَا هُدًى" مِنْ رَسُول "وَلَا كِتَاب مُنِير" اَنْزَلَهُ اللّٰه بَلْ بِالتَّقْلِيدِ،

کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی اے مخاطبین کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں جو سورج وچاند اور ستارے

ہیں تا کہ تم ان سے نفع حاصل کرو۔اور جو زمین میں پھل، نہریں اور جانور جو حسن صورت و رنگ میں ہیں تمہاری خاطر مسخر کر دیا اور تم پر اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں پوری کر دیں، اور وہ حسن صورت اور اعضاء وغیرہ میں برابری ہے۔اور باطنی نعمتوں سے مراد معرفت وغیرہ ہے۔اور لوگوں یعنی اہل مکہ میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم اور بغیر کسی ہدایت یعنی رسول مکرم علیہ السلام کی ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب جس کو اللہ نے نازل کیا ہے بلکہ تقلید کی وجہ سے جھگڑا کرتا ہے۔

سورہ لقمان آیت ۲۰ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت نضر بن حارث و اُبی بن خلف وغیرہ کفار کے حق میں نازل ہوئی جو باوجود بےعلم و جاہل ہونے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق جھگڑے کیا کرتے تھے۔

آسمانوں میں مثل سورج، چاند، تاروں کے جن سے تم نفع اٹھاتے ہو اور زمینوں میں دریا، نہریں، کانیں، پہاڑ، درخت، پھل، چوپائے وغیرہ جن سے تم فائدے حاصل کرتے ہو۔

ظاہری نعمتوں سے درستی اعضاء و حواسِ خمسہ ظاہرہ اور حسن و شکل و صورت مراد ہیں اور باطنی نعمتوں سے علم معرفت و ملکاتِ فاضلہ وغیرہ۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نعمتِ ظاہرہ تو اسلام و قرآن ہے اور نعمتِ باطنہ یہ ہے کہ تمہارے گناہوں پر پردے ڈال دیئے، تمہارا افشاءِ حال نہ کیا، سزا میں جلدی نہ فرمائی۔بعض مفسرین نے فرمایا کہ نعمتِ ظاہرہ درستی اعضاء اور حسن صورت ہے اور نعمتِ باطنہ اعتقادِ قلبی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ نعمتِ ظاہرہ رزق ہے اور باطنہ حسن خُلق۔ایک قول یہ ہے کہ نعمتِ ظاہرہ احکام شرعیہ کا ہلکا ہونا ہے اور نعمتِ باطنہ شفاعت۔ایک قول یہ ہے کہ نعمتِ ظاہرہ اسلام کا غلبہ اور دشمنوں پر فتح یاب ہونا ہے اور نعمتِ باطنہ ملائکہ کا امداد کے لئے آنا۔ایک قول یہ ہے کہ نعمتِ ظاہرہ رسول کا اتباع ہے اور نعمتِ باطنہ ان کی محبت۔رَزَقَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی اِتِّبَاعَہٗ وَ مَحَبَّتَہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۔(تفسیر خزائن العرفان)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ
اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ○
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اور کیا اگر چہ شیطان انھیں بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو؟

گمراہ آباؤ اجداد کی پیروی کی ممانعت کا بیان

"وَلَوْ كَانَ الشَّيْطَان يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَاب السَّعِير" أَيْ مُوجِبَاته ؟ لَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا، اور کیا اگر چہ شیطان انھیں بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو؟ یعنی اس کی طرف لے جانے

والے کاموں کی طرف بلا تا رہا ہو۔نہیں۔

تقلید آباء کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بزرگوں میں سے کسی ایک نے کوئی غلطی کی۔کوئی غلط عقیدہ اپنایا یا کوئی بدعی کام شروع کر دیا۔پھر بعد کی نسلوں نے بزرگوں سے عقیدت کی بنا پر اس غلطی کو درست تسلیم کرتے ہوئے رائج کر لیا۔اور اس کی تحقیق کی کسی نے ضرورت ہی نہ سمجھی۔اس آیت میں دو باتوں کی صراحت کی گئی ہے۔ایک یہ کہ تقلید آباء بلا تحقیق اور شیطان کی پیروی کی ایک ہی چیز ہے۔اور دوسرے یہ کہ شیطان کی پیروی کا لازمی نتیجہ جہنم کا عذاب ہے۔گویا ان سے سوال یہ کیا جا رہا ہے کہ اگر شیطان تمہارے آباء اجداد کو جہنم کی طرف لے جا رہا ہو تو بھی تم اپنے آباء و اجداد کی پیروی کرو گے؟

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝
جو شخص اپنا رخ اطاعت اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ صاحب احسان بھی ہو تو اس نے مضبوط حلقہ کو پختگی سے
تھام لیا، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگ جانے والے کا بیان

"وَمَنْ يُّسْلِم وَجْهه اِلَى اللّٰه " أَیْ یُقْبِل عَلَى طَاعَته "وَهُوَ مُحْسِن" مُوَحِّد "فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى" بِالطَّرَفِ الْأَوْثَق الَّذِی لَا یَخَاف انْقِطَاعه "وَاِلَى اللّٰه عَاقِبَة الْاُمُور" مَرْجِعهَا،

جو شخص اپنا رخ اطاعت اللہ کی طرف جھکا دے یعنی اس کی اطاعت میں لگ گیا اور وہ صاحب احسان بھی ہو یعنی توحید پرست ہو تو اس نے مضبوط حلقہ کو پختگی سے تھام لیا، یعنی ایسی مضبوط طرف جس کے ٹوٹنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔یعنی اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد دوسروں سے احسان کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔جو شخص تم سے بواسطہ اللہ پناہ مانگے اسے پناہ دو۔جو شخص تم سے اللہ کے نام پر کچھ مانگے اس کا سوال پورا کرو۔جو شخص تمہیں کھانے کے لئے بلائے یعنی تمہاری دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرو (بشرطیکہ کوئی حسی یا شرعی مانع نہ ہو) جو شخص تمہارے ساتھ (قولی یا فعلی) احسان کرے تو تم بھی اس کا بدلہ دو (یعنی تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی احسان کرو) اور اگر تم مال و زر نہ پاؤ کہ اس کا بدلہ چکا سکو تو اپنے محسن کے کے لئے دعا کرو جب تک کہ تم یہ جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔(احمد، ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 442)

جو شخص تم سے بواسطہ اللہ پناہ مانگے، کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود تمہاری ذات کی وجہ سے یا کسی دوسرے کی طرف سے کسی حادثے و شر میں مبتلا ہو اور وہ اس وقت اللہ کا واسطہ دے کر تم سے پناہ مانگے یعنی اس وقت یوں کہے کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ تو تمہیں چاہئے کہ تم اس کی درخواست قبول کرو۔اور اللہ تعالیٰ کے نام

کی تعظیم کے پیش نظر اس کو اس آفت و مصیبت سے بچاؤ۔ من استعاذ منکم باللہ میں باللہ کے حرف با کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ لفظ استعاذ کا صلہ واقع ہو رہا ہو اس صورت میں اس جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص کسی آفت و مصیبت کے وقت اللہ سے پناہ مانگ رہا ہو تم اس سے تعرض نہ کرو بلکہ اسے پناہ دو اور اس کو آفت و مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرو۔ حدیث کے آخری الفاظ حتی ترداخ جب تک تم یہ نہ جان لو، کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کے لئے اس وقت تک مکرر سہ کرر دعا کرتے رہو جب تک کہ تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد گرامی منقول ہے کہ جس شخص کے ساتھ احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے سے کہا جزاک اللہ خیرا تو اس نے اپنے محسن کی تعریف اور اس کے احسان کے بدلے میں مبالغہ کیا۔ لہٰذا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے اپنے کسی محسن کے لئے ایک مرتبہ جزاک اللہ خیرا کہا تو اس نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا بلکہ حق سے بھی زیادہ بدلہ دیا، کیونکہ یہ جملہ کہہ کر گویا اس نے اپنے نفس کو بدلہ چکانے میں عاجز جانا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ سب سے بہتر اجر اور بدلہ وہی دے سکتا ہے، لہٰذا یہ جملہ ایک بار کہنا مکرر سہ کرر دعا کرنے کے برابر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا معمول تھا کہ جب کوئی سائل ان کے لئے دعا کرتا تو وہ بھی پہلے اسی طرح اس کے لئے دعا کرتیں پھر اسے صدقہ دیتیں، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اس کے لئے دعا نہ کروں تو اس کا حق اور میرا حق برابر ہو جائے گا کیونکہ جب اس نے میرے لئے دعا کی اور میں نے اسے صرف صدقہ دے دیا (تو اس طرح دونوں کے حسنات برابر ہو گئے) لہٰذا میں بھی اس کے لئے دعا کر دیتی ہوں تا کہ میری دعا تو اس کی دعا کا بدلہ ہو جائے اور جو صدقہ میں نے دیا ہے وہ خالص رہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝
اور جو کفر کرتا ہے اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کر دے، انھیں ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے، ہم انھیں ان اعمال سے
آگاہ کر دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں، بیشک اللہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ ہم انھیں تھوڑا سا
سامان دیں گے، پھر انھیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔

دنیا کے قلیل نفع کے بعد کفار کیلئے جہنم کی آگ ہونے کا بیان

"وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ" يَا مُحَمَّد "كُفْره" لَا تَهْتَمّ بِكُفْرِهِ "اِلَيْنَا مَرْجِعهمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا اِنَّ اللّٰه عَلِيم بِذَاتِ الصُّدُور" أَيْ بِمَا فِيهَا كَغَيْرِهِ فَمَجَاز عَلَيْهِ "نُمَتِّعهُمْ" فِي الدُّنْيَا "قَلِيْلًا" أَيَّام حَيَاتهمْ "ثُمَّ نَضْطَرّهُمْ" فِي الْآخِرَة "اِلَى عَذَاب غَلِيظ" وَهُوَ عَذَاب النَّار لَا يَجِدُونَ عَنْهُ مَحِيصًا

اور جو کفر کرتا ہے۔ یا محمد ﷺ اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کر دے، یعنی اس کے کفر کی وجہ سے آپ غمزدہ نہ ہوں انھیں بھی ہماری

ہی طرف پلٹ کر آنا ہے، ہم انھیں ان اعمال سے آگاہ کر دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں، بیشک اللہ سینوں کی مخفی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ سینوں میں ہے ان سے اسی طرح واقف ہوں جس طرح دوسرے احوال سے واقف ہوں لہٰذا اس کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ ہم انھیں تھوڑا سا سامان دنیا کی زندگی والے دنوں میں دیں گے، پھر انھیں آخرت میں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔ اور وہ جہنم کی آگ ہے جہاں سے ان کیلئے کوئی نجات نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2916)

حضرت مطرف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت آیا آپ پڑھ رہے تھے،

آپ نے فرمایا ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، میرا مال اے ابن آدم تیرا کیا مال ہے تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھالیا اور ختم کرلیا یا جو تو نے پہن لیا اور پرانا کرلیا یا جو تو نے صدقہ کیا پھر تو ختم ہو گیا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2919)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ ۝
اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ نے، آپ فرما دیجئے:
تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور
زمین میں ہے، بے شک اللہ ہی سب سے بے پروا، بے حد خوبیوں والا ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق سے عقیدہ توحید پر دلائل ہونے کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "سَأَلْتهمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض لَيَقُولُنَّ اللَّه " حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي الْأَمْثَال وَوَاو الضَّمِير لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "قُلْ الْحَمْد لِلَّهِ" عَلَى ظُهُور الْحُجَّة عَلَيْهِمْ بِالتَّوْحِيدِ "بَلْ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ " وُجُوبه عَلَيْهِمْ، "لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا فَلَا يَسْتَحِقّ الْعِبَادَة فِيهِمَا غَيْره "إِنَّ اللَّه هُوَ الْغَنِيّ" عَنْ خَلْقه "الْحَمِيد" الْمَحْمُود فِي صُنْعه،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ نے، یہاں پر لفظ لیقولن نون علامت رفع کو مسلسل نونات کے سبب حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر کو علامت جمع کو التقائے ساکنین کے سبب حذف کر دیا گیا ہے۔ آپ فرما دیجئے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں کیونکہ ان پر توحید کی دلیل مکمل ظاہر ہو چکی ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جن پر عقیدہ توحید کا وجوب ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور

زمین میں فرشتے مخلوق اور غلام ہیں، لہٰذا ان دونوں میں اس کے سوا کوئی ذات عبادت کا حق نہیں رکھتی۔ بے شک اللہ ہی اپنی مخلوق سے بے پرواہ، اپنی صنعت میں خوبیوں والا ہے۔

حاکم اعلیٰ وہ اللہ ہے

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ یہ مشرک اس بات کو مانتے ہوئے سب کا خالق اکیلا اللہ ہی ہے پھر بھی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ انکی نسبت خود جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اور اس کے ماتحت ہیں۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ خالق کون ہے؟ تو انکا جواب بالکل سچا ہوتا ہے کہ اللہ! تو کہہ کہ اللہ کا شکر ہے اتنا تو تمہیں اقرار ہے۔ بات یہ ہے کہ اکثر مشرک بےعلم ہوتے ہیں۔ زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی چھپی کھلی چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے وہ سب سے بےنیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں وہی سزاوار حمد ہے وہی خوبیوں والا ہے۔ پیدا کرنے میں بھی احکام مقرر کرنے میں بھی وہی قابل تعریف ہے۔

یعنی جس طرح آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان وزمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق ومملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، کیونکہ وجود اور توابع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن ومنبع اسی کی ذات ہے۔ اس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفاد نہیں۔ وہ بالذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اسے کسی کی کیا پرواہ ہوتی؟

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ
اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○
اور اگر واقعی ایسا ہو کہ زمین میں جو بھی درخت ہیں قلمیں ہوں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، جس کے بعد سات سمندر
اور ہوں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات کے غیر متناہی ہونے کا بیان

"وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَام وَالْبَحْر" عَطْف عَلَى اسْم أَنَّ "يَمُدّهُ مِنْ بَعْده سَبْعَة أَبْحُر" مِدَادًا "مَا نَفِدَتْ كَلِمَات اللّٰه" الْمُعَبَّر بِهَا عَنْ مَعْلُومَاته بِكَتْبِهَا بِتِلْكَ الْأَقْلَام بِذَلِكَ الْمِدَاد وَلَا بِأَكْثَر مِنْ ذَلِكَ لِأَنَّ مَعْلُومَاته تَعَالَى غَيْر مُتَنَاهِيَة "إِنَّ اللّٰه عَزِيز" لَا يُعْجِزهُ شَيْء "حَكِيم" لَا يَخْرُج شَيْء عَنْ عِلْمه وَحِكْمَته

اور اگر واقعی ایسا ہو کہ زمین میں جو بھی درخت ہیں قلمیں ہوں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، یہاں پر ان کے اسم پر عطف کیا گیا ہے۔ جس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یہاں پر اللہ تعالیٰ کے کلمات کو تعبیر کیا گیا ہے یعنی مذکورہ اقلام سے لکھیں تو سیاہی ختم ہو جائے اور اقلام ختم ہو جائیں لیکن اس کی معلومات مکمل نہ ہوں گی کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں۔ یقیناً اللہ

سب پر غالب ہے لہٰذا اس کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں۔ کمال حکمت والا ہے۔ لہٰذا اس کی حکمت اور علم سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔

سورہ لقمان آیت ۲۷ کے شان نزول کا بیان

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود کے علماء واحبار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں (وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا، الاسراء:85) یعنی تمہیں تھوڑا علم دیا گیا تو اس سے آپ کی مراد ہم لوگ ہیں یا صرف اپنی قوم؟ فرمایا سب مراد ہیں، انہوں نے کہا کیا آپ کی کتاب میں یہ نہیں ہے کہ ہمیں توریت دی گئی ہے اس میں ہر شیء کا علم ہے؟ حضور نے فرمایا کہ ہر شیء کا علم بھی علم الٰہی کے حضور قلیل ہے اور تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے اتنا علم دیا ہے کہ اس پر عمل کرو تو نفع پاؤ، انہوں نے کہا آپ کیسے یہ خیال فرماتے ہیں آپ کا قول تو یہ ہے کہ جسے حکمت دی گئی اسے خیرِ کثیر دی گئی تو علم قلیل اور خیرِ کثیر کیسے جمع ہو۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اس تقدیر پر یہ آیت مدنی ہوگی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود نے قریش سے کہا تھا کہ مکہ میں جا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کا کلام کریں۔ ایک قول یہ ہے کہ مشرکین نے یہ کہا تھا کہ قرآن اور جو کچھ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاتے ہیں یہ عنقریب تمام ہو جائے گا پھر قصہ ختم۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ لقمان، بیروت)

کما حقہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا انسانی قوت سے زیادہ ہونے کا بیان

اللہ رب العلمین اپنی عزت کبریائی بڑائی جلالت اور شان بیان فرما رہا ہے اپنی پاک صفتیں اپنے بلند ترین نام اور اپنے بیشمار کلمات کا ذکر فرما رہا ہے جنہیں نہ کوئی گن سکے نہ شمار کر سکے نہ ان پر کسی کا احاطہ ہو نہ ان کی حقیقت کو کوئی پا سکے۔ سید البشر ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے (لا احصی ثناء علیك كما اثنيت علی نفسك) اے اللہ میں تیری تعریفوں کا اتنا شمار بھی نہیں کر سکتا جتنی ثناء تو نے اپنے آپ فرمائی ہے۔ پس یہاں جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام تر درخت قلمیں بن جائیں اور تمام سمندر کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کیساتھ ہی سات سمندر اور بھی ملا لئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وصفات جلالت وبزرگی کے کلمات لکھنے شروع کئے جائیں تو یہ تمام قلمیں گھس جائیں ختم ہو جائیں سب سیاہیاں پوری ہو جائیں ختم ہو جائیں لیکن اللہ وحدہ لاشریک لہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر ہوں تو پھر اللہ کے پورے کلمات لکھنے کے لئے کافی ہو جائیں۔ نہیں یہ گنتی تو زیادتی دکھانے کے لئے ہے۔ اور یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ سات سمندر موجود ہیں اور وہ عالم کو گھیرے ہوئے ہیں البتہ بنو اسرائیل کی ان سات سمندروں کی بات ایسی روایتیں ہیں لیکن نہ تو انہیں سچ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی جھٹلایا جا سکتا ہے۔ ہاں جو تفسیر ہم نے کہ ہے اسکی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے (قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا، الکہف:109) یعنی اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور رب کے کلمات کا لکھنا شروع ہو تو کلمات اللہ کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر ختم ہو جائیں اگرچہ ایسا ہی اور سمندر اس کی مدد میں لائیں۔ پس یہاں بھی مراد صرف اسی جیسا ایک ہی سمندر لانا نہیں بلکہ ویسا ایک پھر ایک اور بھی ویسا ہی پھر ویسا ہی الغرض خواہ کتنے ہی آ جائیں

لیکن اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوسکتی۔

حسن بصری فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ لکھوانا شروع کرے کہ میرا یہ امر اور یہ امر تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں اور تمام سمندروں کے پانی ختم ہو جائیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ یہ کلام اب ختم ہو جائے گا جس کی تردید اس آیت میں ہو رہی ہے کہ نہ رب کے عجائبات ختم ہوں نہ اس کی حکمت کی انتہا نہ اس کی صفت اور اس کے علم کا آخر۔ تمام بندوں کے علم اللہ کے علم کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ اللہ کی باتیں فنا نہیں ہوتیں نہ اسے کوئی ادراک کر سکتا ہے۔ ہم جو کچھ اس کی تعریفیں کریں وہ ان سے سوا ہے۔ یہود کے علماء نے مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یہ جو آپ قرآن میں پڑھتے ہیں آیت (وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا، الاسراء:85) یعنی تمہیں بہت ہی کم علم دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے ہم یا آپ کی قوم؟ آپ نے فرمایا ہاں سب۔ انہوں نے کہا پھر آپ کلام اللہ شریف کی اس آیت کو کیا کریں گے جہاں فرمان ہے کہ توراۃ میں ہر چیز کا بیان ہے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے کلمات کے مقابلہ میں بہت کم ہے تمہیں کفایت ہوا تنا اللہ تعالیٰ نے نازل فرما دیا ہے۔ اس پر آیت اتری۔ لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہونی چاہئے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ لقمان، بیروت)

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝
تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو اٹھانا صرف ایک شخص کی طرح ہے۔ بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

تخلیق مخلوق و بعث مخلوق سے دلائل قدرت کا بیان

"مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَة" خَلْقًا وَبَعْثًا لِأَنَّهُ بِكَلِمَةِ كُنْ فَيَكُون "اِنَّ اللّٰهَ سَمِيع" يَسْمَع كُلّ مَسْمُوع "بَصِير" يُبْصِر كُلّ مُبْصِر لَا يَشْغَلهُ شَيْء عَنْ شَيْء،

تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو مرنے کے بعد اٹھانا یعنی زندہ کرنا صرف ایک شخص کو پیدا کرنے اور اٹھانے کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ اس کے کلمہ کن فیکون سے ہے۔ بیشک اللہ ہر سنی جانے والی بات کو سننے والا ہے۔ ہر دیکھی جانے والی چیز کو دیکھنے والا ہے۔ لہٰذا اس کو دیکھنے سے مانع کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ اربوں انسانوں کی پکار بیک وقت سن لیتا ہے۔ ایک انسان کی دعا سننا اسے دوسروں کی دعا سننے سے غافل یا قاصر نہیں بنا سکتا۔ اس کے لئے ایک انسان کی ایک وقت میں دعا سننا اور اربوں انسانوں کی اسی وقت میں دعا سننا برابر ہے۔ پھر اس کی مخلوق صرف انسان ہی نہیں۔ لاکھوں انواع میں اور اربوں کھربوں کی تعداد میں ہیں۔ وہ ان سب کی وہ دعا و فریاد سنتا ہے۔ اور ایک چیونٹی کی بھی فریاد اسی طرح سنتا ہے جیسے ایک انسان کی۔ پھر معاملہ صرف سننے تک محدود نہیں۔ بلکہ انہی کمالات کے ساتھ وہ اپنی ساری مخلوق کو دیکھ بھی رہا ہے۔ ان کے ظاہری اور باطنی حالات سے واقف بھی ہے۔ انہیں رزق بھی پہنچا رہا ہے اور ان کی جملہ ضروریات بھی پوری کر رہا ہے۔ یہی حال اس کی تخلیق کا بھی ہے۔ اس کا ایک انسان کو پیدا کرنا بھی ایسے ہی ہے

جیسے سب انسانوں کا پیدا کرنا۔ وہ ایک ہی وقت میں لاکھوں انسانوں اور اربوں دوسری مخلوق کو اس وقت بھی پیدا کر رہا ہے اور قیامت کو مرنے کے بعد دوبارہ بھی انسانوں کو ایسے ہی بیک وقت اٹھا کھڑا کرے گا اور اس کے لئے ایک انسان کے دوبارہ پیدا کرنے اور سب انسانوں کے دوبارہ پیدا کرنے میں کوئی فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر غالب ہے تمام اشیاء اس کے سامنے پست و عاجز ہیں کوئی اس کے ارادے کے خلاف نہیں جا سکتا اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا اس کی منشاء کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ وہ اپنے افعال اقوال شریعت حکمت اور تمام صفتوں میں سب سے اعلیٰ غالب وقہار ہے۔ پھر فرماتا ہے تمام لوگوں کا پیدا کرنا اور انہیں مار ڈالنے کے بعد زندہ کر دینا مجھ پر ایسا ہی آسان ہے جیسے کہ ایک شخص کو مارنا اور پیدا کرنا۔ اس کا تو کسی بات کو حکم فرما دینا کافی ہے۔ ایک آنکھ جھپکانے جتنی دیر بھی نہیں لگتی۔ نہ دوبارہ کہنا پڑے نہ اسباب اور مادے کی ضرورت۔ ایک فرمان میں قیامت قائم ہو جائے گی ایک ہی آواز کیساتھ سب جی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کا سننے والا ہے سب کے کاموں کا جاننے والا ہے۔ ایک شخص کی باتیں اور اس کے کام جیسے اس پر مخفی نہیں اسی طرح تمام جہان کے معاملات اس سے پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر خازن بتصرف، سورہ لقمان، بیروت)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ٥
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور سورج اور چاند کو مسخر
کر رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر میعاد تک چل رہا ہے، اور یہ کہ اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

دن رات اور سورج و چاند سے دلائل قدرت کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَعْلَمِ يَا مُخَاطَب "اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ" يُدْخِلُ "اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ" يُدْخِلُهُ "فِي اللَّيْلِ" فَيَزِيْدُ كُلٌّ مِنْهُمَا بِمَا نَقَصَ مِنَ الْآخَرِ "وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ" مِنْهُمَا "يَجْرِيْ" فِي فَلَكِهِ "اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى" هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ،

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے پس ان میں ہر ایک میں اتنا اضافہ ہوتا ہے جس قدر دوسرے میں کمی آئے۔ اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر میعاد تک آسمان پر چل رہا ہے، مدت مسمیٰ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اور یہ کہ اللہ ان تمام کاموں سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی سورج اور چاند کا بھی ذکر فرما دیا۔ سورج کا تعلق دن کے اوقات سے ہے اور چاند کا رات کے اوقات سے اور یہی دو سیرے ہیں جو اہل زمین کو سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ اور اکثر ادوار میں ان دونوں کی ہی پوجا اور عبادت کی جاتی رہی ہے۔ اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کام پر لگا دیا ہے جس سے وہ سر مو سرتابی نہیں کر سکتے۔

قابل غور وفکر بات یہ ہے کہ اللہ کی جو مخلوق اپنے کام میں اس طرح جکڑی ہوئی ہو۔ کیا وہ معبود ہونے کی اہلیت رکھتی ہے؟ جو چیز اپنے اختیار سے نہ ایک لمحہ آگے پیچھے رہ سکتی ہے اور نہ ایک انچ ادھر ادھر سرک سکتی ہے، ایسی بے اختیار مخلوق معبود سمجھ لینا حماقت نہیں تو کیا ہے؟

یعنی اس مقررہ وقت کے بعد ان کی حرکت یا ان کی گردش ختم ہو جائے گی۔ بالفاظ دیگر یہ نظام لیل ونہار ختم کر دیا جائے گا۔ اور اس سورج اور چاند کا وجود فنا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ایک مقررہ وقت تک ہیں ابدی نہیں ہیں۔ اور اگر ابدی نہیں تو ازلی بھی نہیں ہوسکتیں۔ گویا یہ چیزیں حادث ہیں اور فنا ہونے والی ہیں۔ گویا اس آیت میں دہریوں کا رد بھی موجود ہے جو اس کائنات کو ازلی ابدی سمجھتے ہیں اور مشرکوں کا بھی رد ہے جو ان فانی چیزوں کو معبود سمجھے بیٹھے ہیں۔

دہریہ حضرات تو سرے سے روز آخرت کے منکر ہوتے ہیں اور مشرکین میں سے اکثر تو آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دور نبوی میں مشرکین مکہ اور ایران کے آتش پرست دونوں آخرت کے منکر تھے اور بعض مشرک عقیدہ آخرت کے منکر تو نہیں ہوتے مگر اس عقیدہ کو کچھ مزید ایسے عقیدے شامل کر لیتے ہیں۔ جو عقیدہ آخرت کے اصل مقصد کو فنا کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے سب لوگوں کی طرز زندگی اس دنیا میں شتر بے مہار کی طرح گزرتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یہ وعید سنا دی کہ اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اور ان کی تمہیں سزا دانے پر بھی قادر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝
یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، وہ باطل ہیں اور یہ کہ اللہ ہی بلند و بالا، بڑائی والا ہے۔

عبادت کا حق صرف اللہ کیلئے ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" الْمَذْكُور "بِـأَنَّ اللّٰه هُوَ الْحَقّ" الثَّابِت "وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ" بِـالْيَاءِ وَالتَّاء يَعْبُدُونَ "مِنْ دُونه الْبَاطِل" الزَّائِل "وَأَنَّ اللّٰه هُوَ الْعَلِيّ" عَلَى خَلْقه بِالْقَهْرِ "الْكَبِير" الْعَظِيم،

یہ یعنی ذکر کردہ اس لئے ہے کہ اللہ ہی حق ہے یعنی ثابت ہے اور جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، یہاں پر لفظ یدعون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے وہ باطل ہیں یعنی مٹ جانے والے ہیں۔ اور یہ کہ اللہ ہی اپنے مخلوق پر قہر کے ساتھ بلند و بالا، بڑائی والا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ کی یہ شؤون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بان اللہ ھو الحق" سے سمجھ میں آتا ہے اور دوسروں کا باطل وہالک الذات ہونا اس کو مستلزم ہے کہ اکیلے اسی خدا کے واسطے یہ شؤون وصفات ثابت ہوں پھر جس کے لئے یہ شؤن وصفات ثابت ہوں گی وہ ہی معبود بننے کا مستحق ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی نعمت سے چلتی ہیں تا کہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھادے۔
بیشک اس میں ہر بڑے صابر وشاکر کے لئے نشانیاں ہیں۔

سمندر میں چلتی ہوئی کشتی سے دلائل قدرت کا بیان

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْك" السُّفُن "تَجْرِي فِي الْبَحْر بِنِعْمَةِ اللَّه لِيُرِيَكُمْ" يَا مُخَاطِبِينَ بِذَلِكَ "مِنْ آيَاته فِي ذَلِكَ لَآيَات" عِبَرًا "لِكُلِّ صَبَّار" عَنْ مَعَاصِي اللَّه "شَكُور" لِنِعْمَتِهِ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی نعمت سے چلتی ہیں تا کہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھادے۔اے مخاطبین اس میں اس کی نشانیاں ہیں۔ بیشک اس میں ہر بڑے صابر یعنی جو معصیت سے بچنے والا وشاکر یعنی اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا ہواس کے لئے نشانیاں ہیں۔

طوفان میں کون یاد آتا ہے؟

اللہ کے حکم سے سمندروں میں جہاز رانی ہو رہی ہے اگر وہ پانی میں کشتی کو تھامنے کی اور کشتی میں پانی کو کاٹنے کی قوت نہ رکھتا تو پانی میں کشتیاں کیسے چلتیں؟ وہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا رہا ہے مصیبت میں صبر اور راحت میں شکر کرنے والے ان سے بہت کچھ عبرتیں حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ان کفار کو سمندروں میں موجیں گھیر لیتی ہیں اور ان کی کشتی ڈگمگانے لگتی ہیں اور موجیں پہاڑوں کی طرح ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر کشتیوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کرنے لگتی ہیں تو اپنا شرک کفر سب بھول جاتے ہیں اور گریہ وزاری سے ایک اللہ کو پکارنے لگتے ہیں جیسے اور جگہ ہے آیت (وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ، الاسراء:67)، دریا میں جب تمہیں ضرر پہنچتا ہے تو بجز اللہ کے سب کو کھو بیٹھتے ہو۔اور آیت میں ہے (فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ، العنکبوت:65)ان کی اس وقت کی لجاجت پر اگر ہمیں رحم آ گیا ہو اور جب انہیں سمندر سے پار کر دیا تو تھوڑے سے کافر ہو جاتے ہیں۔

مجاہد نے یہی تفسیر کی ہے جیسے فرمان ہے آیت (اذاھم یشرکون) لفظی معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض متوسط درجے کے ہوتے ہیں ابن زید یہی کہتے ہیں جیسے فرمان ہے آیت (فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ، فاطر:32)ان میں سے بعض ظالم ہیں بعض میانہ رو ہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایسی حالت دیکھی ہو جو اس مصیبت سے نکلا ہوا سے تو چاہے کہ نیکیوں میں پوری طرح کوشش کرے لیکن تا ہم یہ بیچ میں ہی رہ جاتے ہیں اور کچھ تو پھر کفر پر چلے جاتے ہیں۔ ختار کہتے ہیں غدار کو جو عہد شکن ہو۔ختر کے معنی پوری عہد شکنی کے ہیں۔کفور کہتے ہیں منکر کو جو نعمتوں سے نٹ جائے منکر ہو جائے شکر تو ایک

طرف بھول جائے اور ذکر بھی نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ لقمان، بیروت)

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ
اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝
اور جب انھیں سائبانوں جیسی کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ دین کو اس کے لیے خالص
کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ انھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے کچھ ہی سیدھی راہ پر قائم رہنے
والے ہیں، اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتا مگر ہر وہ شخص جو نہایت عہد توڑنے والا، بے حد ناشکرا ہو۔

مشکل وقت میں کفار کا بھی اللہ تعالی سے نجات طلب کرنے کا بیان

"وَإِذَا غَشِيَهُمْ" أَيْ عَلَا الْكُفَّار "مَوْج كَالظُّلَلِ" كَالْجِبَالِ الَّتِي تُظِلّ مَنْ تَحْتهَا "دَعَوُا اللّٰه مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين " أَيْ الدُّعَاء بِأَنْ يُنْجِيهِمْ أَيْ لَا يَدْعُونَ مَعَهُ غَيْره "فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِد " مُتَوَسِّط بَيْن الْكُفْر وَالْإِيمَان وَمِنْهُمْ بَاقٍ عَلَى كُفْره "وَمَا يَجْحَد بِآيَاتِنَا " وَمِنْهَا الْإِنْجَاء عَنْ الْمَوْج "إِلَّا كُلّ خَتَّار" غَدَّار "كَفُور" لِنِعَمِ اللّٰه تَعَالَى

اور جب انھیں یعنی کفار کو سائبانوں جیسی کوئی موج ڈھانپ لیتی ہے جس طرح کہ ان پر پہاڑ نے سایہ کر دیا ہو ایسے ہر اس چیز کو جو سایہ میں آجائے ڈھانپ لینے والی ہیں۔ تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ دین کو اس کے لیے خالص کرنے والے ہوتے ہیں، یعنی ایسی دعا کے ساتھ کہ وہ انہیں نجات دے پھر جب وہ انھیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ اسی وقت کفر اور ایمان کے درمیان ہو جاتے ہیں۔ تو ان میں سے کچھ ہی سیدھی راہ پر قائم رہنے والے ہیں، جبکہ بقیہ کفر پر باقی رہتے ہیں۔ اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتا اور اسی سے موج سے نجات ہے مگر ہر وہ شخص جو نہایت عہد توڑنے والا، اللہ کی نعمتوں کا بے حد ناشکرا ہو۔

سورہ لقمان آیت ۳۲ کے شان نزول کا بیان

کہا گیا ہے کہ یہ آیت عکرمہ بن ابی جہل کے حق میں نازل ہوئی جس سال مکہ مکرمہ کی فتح ہوئی تو وہ سمندر کی طرف بھاگ گئے، وہاں باد مخالف نے گھیرا اور خطرے میں پڑ گئے تو عکرمہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس خطرے سے نجات دے تو میں ضرور سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا یعنی اطاعت کروں گا، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا ہوا ٹھہر گئی اور عکرمہ مکہ مکرمہ کی طرف آ گئے اور اسلام لائے اور بڑا مخلصانہ اسلام لائے اور بعض ان میں ایسے تھے جنہوں نے عہد وفا نہ کیا، ان کی نسبت اگلے جملہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ لقمان، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی ایسا فرزند ہوگا جو اپنے والد کی طرف سے کچھ بھی بدلہ دینے والا ہو، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور نہ ہی فریب دینے والا تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈال دے۔

دنیاوی زندگی اور شیطان کے دھوکہ سے بچنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس" أَيْ أَهْل مَكَّة "اتَّقُوا رَبّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي" يُغْنِي "وَالِد عَنْ وَلَده" فِيهِ شَيْئًا "وَلَا مَوْلُود هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِده" فِيهِ "شَيْئًا إِنَّ وَعْد اللَّه حَقّ" بِالْبَعْثِ "فَلَا تَغُرَّنَّكُمْ الْحَيَاة الدُّنْيَا" عَنْ الْإِسْلَام "وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاَللَّهِ" فِي حِلْمه وَإِمْهَاله "الْغَرُور" الشَّيْطَان،

اے لوگو! یعنی اہل مکہ! اپنے رب سے ڈرو، اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہیں دے سکے گا اور نہ کوئی ایسا فرزند ہوگا جو اپنے والد کی طرف سے کچھ بھی بدلہ دینے والا ہو، بیشک اللہ کا وعدہ یعنی دوبارہ زندہ کرنے کا سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں اسلام قبول کرنے سے ہرگز دھوکہ میں نہ ڈال دے، اور شیطان فریب دینے والا تمہیں اللہ کے بارے میں یعنی اس کے حلم و مہلت کے بارے میں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔

قیامت کے دن دنیاوی رشتہ داریوں کے احوال کا بیان

اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن سے ڈرا رہا ہے اور اپنے تقوے کا حکم فرما رہا ہے۔ ارشاد ہے اس دن باپ اپنے بچے کو یا بچہ اپنے باپ کو کچھ کام نہ آئے گا ایک دوسرے کا فدیہ نہ ہو سکے گا۔ تم دنیا پر اعتماد کرنے والو آخرت کو فراموش نہ کر جاؤ شیطان کے فریب میں نہ آ جاؤ وہ تو صرف پردہ کی آڑ میں شکار کھیلنا جانتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عزیر علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا نیند اچاٹ ہوگئی تو اپنے رب کی طرف جھکے۔ فرماتے ہیں میں نے نہایت تضرع و زاری کی، خوب رویا گڑگڑایا نمازیں پڑھیں روزے رکھے دعائیں مانگیں۔ ایک مرتبہ رو رو کر تضرع کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا میں نے اس سے پوچھا کیا نیک لوگ بروں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟ اس نے فرمایا کہ قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ خود سامنے ہوگا کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا کسی کو دوسرے کے بدلے نہ پکڑا جائے گا نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا نہ کسی کی طرف سے کسی کو خیال ہوگا نہ کسی پر رحم کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف پکڑا جائے گا۔ ہر شخص نفسا نفسی میں ہوگا ہر ایک اپنی فکر میں ہوگا ہر ایک کو اپنا رونا پڑا ہوگا ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا کسی اور کا

نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ لقمان، بیروت)

دنیا کی محبت کا لذت ایمان سے محروم کر دینے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس آدمی میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی لذت سے لطف اندوز ہوگا، اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرا یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ کے لئے ہو۔ تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیرے سے نکال کر ایمان واسلام کی روشنی سے نواز دیا ہے تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو"۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 7)

کمال ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ رچ بس جائے کہ ان کے ماسوا تمام دنیا اس کے سامنے کم تر ہو۔ اس طرح یہ شان بھی مومن کامل ہی کی ہوسکتی ہے کہ اگر وہ کسی سے محبت کرتا ہے تو محض اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اگر کسی سے بغض وعداوت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ کی راہ میں غرض کہ اس کا جو بھی عمل ہو صرف اللہ کے لئے ہو اور اس کے حکم کی تکمیل میں ہو۔ ایسے ہی ایمان کا پختگی کے ساتھ دل میں بیٹھ جانا اور اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا اور کفر وشرک سے اس درجہ بیزاری ونفرت رکھنا کہ اس کے تصور وخیال کی گندگی سے بھی دل پاک وصاف رہے، ایمان کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقی دولت کا مالک اور اس پر جزاء وانعام کا مستحق تو وہی آدمی ہے جو ان تینوں اوصاف سے پوری طرح متصف ہو اور ایمان کی حقیقی لذت کا ذائقہ وہی چکھ سکتا ہے جس کا دل ان چیزوں کی روشنی سے منور ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ
مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ ۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝
بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور جو کچھ رحموں میں ہے وہ جانتا ہے، اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا
کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، خبر رکھنے والا
ہے (یعنی علیم بالذات ہے اور خبیر للغیر ہے، از خود ہر شے کا علم رکھتا ہے اور جسے پسند فرمائے باخبر بھی کر دیتا ہے)

قیامت، بارش اور مافی الارحام کے علم کا بیان

"اِنَّ اللّٰه عِنْده عِلْم السَّاعَة" مَتَى تَقُوم "وَيُنْزِل" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "الْغَيْث" يُنْزِل الْمَطَر بِوَقْتٍ يَعْلَمهُ "وَيَعْلَم مَا فِي الْأَرْحَام" أَذَكَر أَمْ أُنْثَى وَلَا يَعْلَم وَاحِدًا مِنْ الثَّلَاثَة غَيْر اللّٰه تَعَالَى "وَمَا تَدْرِي نَفْس مَاذَا تَكْسِب غَدًا" مِنْ خَيْر أَوْ شَرّ وَيَعْلَمهُ اللّٰه تَعَالَى "وَمَا تَدْرِي نَفْس بِأَيِّ أَرْض تَمُوت"

وَيَعْلَمُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى "إِنَّ اللّٰهَ عَلِيم" بِكُلِّ شَيْءٍ "خَبِير" بِبَاطِنِهِ كَظَاهِرِهِ رَوَى الْبُخَارِيّ عَنْ ابْن عُمَر حَدِيث "مَفَاتِيح الْغَيْب خَمْسَة إِنَّ اللّٰه عِنْده عِلْم السَّاعَة إِلَى آخِر السُّورَة"

بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، یعنی قیامت کب آئے گی، اور وہی بارش اتارتا ہے، یہاں پر لفظ ینزل یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کس وقت بارش کو نازل کرنا ہے۔ اور جو کچھ رحموں میں ہے وہ جانتا ہے، خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو لہٰذا ان تینوں چیزوں کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا عمل خیر یا شر کمائے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، خبر رکھنے والا ہے یعنی باطن کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ظاہر کو جانتا ہے۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث کو روایت کیا ہے کہ علوم خمسہ اور انہی میں سے قیامت کا علم ہے۔ جس طرح سورہ مبارکہ کے آخر تک آیا ہے۔ (یعنی علیم بالذات ہے اور خبیر للغیر ہے، اَز خود ہر شے کا علم رکھتا ہے اور جسے پسند فرمائے باخبر بھی کر دیتا ہے)

سورہ لقمان آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حارث بن عمرو کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قیامت کا وقت دریافت کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ میں نے کھیتی بوئی ہے خبر دیجئے مینہ کب آئے گا اور میری عورت حاملہ ہے مجھے بتایئے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی، یہ تو مجھے معلوم ہے کہ کل میں نے کیا کیا، یہ مجھے بتایئے کہ آئندہ کل کو کیا کروں گا، یہ بھی جانتا ہوں کہ میں کہاں پیدا ہوا مجھے یہ بتایئے کہ کہاں مروں گا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

علم غیب کی عطاء کا بیان

جس کو چاہے اپنے اولیا اور اپنے محبوبوں میں سے انھیں خبردار کرے۔ اس آیت میں جن پانچ چیزوں کے علم کی خصوصیّت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ بیان فرمائی گئی انھیں کی نسبت سورہ جن میں ارشاد ہوا (عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا، الجن:26) غرض یہ کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے ان چیزوں کا علم کسی کو نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں میں سے جسے چاہے بتائے اور اپنے پسندیدہ رسولوں کو بتانے کی خبر خود اس نے سورہ جن میں دی ہے۔

خلاصہ یہ کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور انبیاء و اولیاء کو غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے، یہ اس اختصاص کے منافی نہیں اور کثیر آیتیں اور حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں، بارش کا وقت اور حمل میں کیا ہے اور کل کو کیا کرے اور کہاں مرے گا ان امور کی خبریں بکثرت اولیاء و انبیاء نے دی ہیں اور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں دیں تو ان فرشتوں کو بھی پہلے سے معلوم تھا کہ ان حملوں

میں کیا ہے اور ان حضرات کو بھی جنہیں فرشتوں نے اطلاعیں دیں تھی اور ان سب کا جاننا قرآن کریم سے ثابت ہے تو آیت کے معنی قطعاً یہی ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدہا آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ (خازن، بیضاوی، احمدی، روح البیان، خزائن العرفان، سورہ لقمان)

سورہ لقمان کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ لقمان کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ السَّجدَة

یہ قرآن مجید کی سورت سجدہ ہے

سورہ سجدہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ السَّجْدَۃ (مَکِّیَّۃ وَ آیَاتُھَا ثَلَاثُوْنَ)

سورہ سجدہ مکّیہ ہے سو تین آیتوں کے جو (اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ، السجدۃ:18) سے شروع ہوتی ہیں، اس سورت میں تیس آیتیں اور تین سواسّی کلمے اور ایک ہزار پانچ سواٹھارہ حروف ہیں۔

سورہ سجدہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں سجدہ کرنے والوں کے خلوص واطاعت کا بیان ہے۔ جو آیت ۱۵ میں ہے۔ کہ پس ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں ان کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔ اسی لئے یہ سورتسجدہ کے نام معروف ہے۔

سورہ سجدہ کی تلاوت کا بیان

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن فجر نماز میں الٓمّٓ السَّجْدَہ (اور دوسری رکعت میں) (ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ) (سُوْرَۃ دھر) پڑھا کرتے تھے (صحیح بخاری) اسی طرح یہ بھی سند سے ثابت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے قبل سورۃ الم السجدہ اور سورہ ملک پڑھا کرتے تھے۔ (ترمذی ۸۹۲، مسند احمد ۳۴۰/۱)

سورت سجدہ پڑھنے کی فضیلت کا بیان

خالد بن معدان فرماتے ہیں بے شک سورت سجدہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں بحث کرے گی، وریوں کہے گی کہ اے اللہ اگر میں تیری کتاب کا حصہ ہوں تو اس شخص کے بارے میں میری شفاعت کو قبول کر۔

اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو اس شخص کے ذریعے مجھے مٹادے یہ سورت ایک پرندہ کی مانند ہوگی جو اپنے پر اس شخص پر پھیلادے گی اور اس کے لئے شفاعت کرے گی اور اسے قبر کے عذاب سے بچائے گی۔ خالد بن معدان نے سورت ملک کے بارے میں بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں خالد بن معدان روزانہ رات کے وقت یہ دونوں سورتیں پڑھا

کرتے تھے۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 1234)

خالد بن معدان فرماتے ہیں نجات دینے والی سورتوں کو پڑھا کرو اور وہ سورت سجدہ ہے کیونکہ مجھے یہ پتا چلا ہے ایک شخص جو یہ سورت پڑھتا تھا اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہیں پڑھتا تھا وہ بہت گناہ گار تھا اس سورت نے اس شخص پر اپنے پر پھیلا دیئے تھے اور یہ کہا تھا کہ اے میرے رب اس شخص کو بخش دے کیونکہ یہ میری بکثرت قرات کیا کرتا تھا۔

تو اللہ نے اس شخص کے بارے میں اس سورت کی شفاعت قبول کی اور اس شخص کے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی لکھ دی اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیا۔ (سنن داری: جلد دوم: حدیث نمبر 1232)

الٓمّٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝
الف، لام، میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں) اس کتاب کا نازل کرنا جس میں کوئی شک نہیں،
سب جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔ کیا کفار و مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اسے اس (رسول) نے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ آپ کے رب
کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل کا بیان

"الم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "تَنْزِيل الْكِتَاب" الْقُرْآن مُبْتَدَأ "لَا رَيْب" شَكّ "فِيهِ" خَبَر أَوَّل "مِنْ رَبّ الْعَالَمِينَ" خَبَر ثَانٍ "أَمْ" بَلْ "يَقُولُونَ افْتَرَاهُ" مُحَمَّد ؟ لَا "بَلْ هُوَ الْحَقّ مِنْ رَبّك لِتُنْذِر" بِهِ "قَوْمًا مَا" نَافِيَة "أَتَاهُمْ مِنْ نَذِير مِنْ قَبْلك لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ" بِإِنْذَارِك،

الف، لام، میم حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کتاب یعنی قرآن کا نازل کرنا جس میں کوئی شک نہیں، یہاں پر لفظ تنزیل الکتاب یہ مبتداء ہے اور لا ریب شک فیہ یہ خبر اول ہے جبکہ رب العالمین یہ خبر ثانی ہے۔ سب جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔ یا محمد ﷺ کیا کفار و مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اسے اس رسول نے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا یہاں پر لفظ ما یہ نافیہ ہے۔ تاکہ وہ آپ ﷺ کے انذار سے ہدایت پائیں۔

یہ کتاب قرآن حکیم بیشک وشبہ اللہ رب العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے گھڑ لیا ہے۔ نہیں یہ تو یقیناً اللہ کی طرف سے ہے اس لئے اترا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کو ڈراوے کے ساتھ آگاہ کر دیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی اور پیغمبر نہیں آیا۔ تاکہ وہ حق کی اتباع کر کے نجات حاصل کر لیں۔

زمانہ فطرت کے لوگوں کیلئے توحید کا بیان

ایسے لوگوں سے مراد زمانہ فطرت کے لوگ ہیں، وہ زمانہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد سے سید انبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک تھا کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول نہیں آیا۔ اور ابوداؤد طیالسی نے زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن زید بن عمرو سے جو صحابہ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ سجدہ، بیروت)

اسی طرح ورقہ بن نوفل جو آپ کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہوگئی۔ یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام عرب بھی دعوت الٰہیہ اور دعوت ایمان وت وحید سے محروم تو نہیں تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ
مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝
اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا،
اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

زمین وآسمان کی ایام ستہ میں تخلیق کا بیان

"اللّٰه الَّذِی خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا فِي سِتَّة أَيَّام " أَوَّلهَا الْأَحَد وَآخِرهَا الْجُمُعَة "ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْش " هُوَ فِي اللُّغَة سَرِير الْمُلْك اسْتِوَاء يَلِيق بِهِ "مَا لَكُمْ" يَا كُفَّار مَكَّة "مِنْ دُونه" أَيْ : غَيْره "مِنْ وَلِيّ" اسْم مَا بِزِيَادَةِ مِنْ أَيْ : نَاصِر "وَلَا شَفِيع " يَدْفَع عَذَابه عَنْكُمْ "أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ" هَذَا فَتُؤْمِنُونَ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، جس کا پہلا دن اتوار تھا جبکہ آخری دن جمعہ تھا۔ پھر وہ عرش پر بلند ہوا، عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں جس پر وہ جلوہ فرما ہوتا ہے۔ اے کفار مکہ! اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ یہاں پر اسم ما کے اضافہ کے سبب من کو زیادہ کیا گیا ہے۔ یعنی جو تم سے عذاب کو دور کرے۔ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ تاکہ تم ایمان لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے استدلال توحید کا بیان

تمام چیزوں کا خالق اللہ ہے۔اس نے چھ دن میں زمین وآسمان بنائے پھر عرش پر قرار پکڑا۔اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔مالک وخالق وہی ہے ہر چیز کی تکمیل اسی کے ہاتھ میں ہے۔تدبیریں سب کاموں کی وہی کرتا ہے ہر چیز پر غلبہ اسی کا ہے۔اس کے سوا مخلوق کا نہ کوئی والی نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی۔اے وہ لوگو جو اس کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہو۔دوسروں پر بھروسہ کرتے ہو کیا تم نہیں سمجھ سکتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کیوں کسی کو اپنا شریک کار بنانے لگا؟ وہ برابری سے، وزیر ومشیر سے شریک وسہیم سے پاک منزہ اور مبرا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ اسکے علاوہ کوئی پالنہار ہے۔نسائی میں ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میرا ہاتھ تھام کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں پیدا کر کے ساتویں دن عرش پر قیام کیا۔مٹی ہفتے کے دن بنی۔پہاڑ اتوار کے دن درخت سوموار کے دن برائیاں منگل کے دن نور بدھ کے دن جانور جمعرات کے دن آدم جمعہ کے دن عصر کے بعد دن کی آخری گھڑی میں اسے تمام روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا جس میں سفید وسیاہ اچھی بری ہر طرح کی تھی اسی باعث اولاد آدم بھی بھلی بری ہوئی۔امام بخاری اسے معلل بتلاتے ہیں فرماتے ہیں اور سند سے مروری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے اسے کعب احبار سے بیان کیا ہے اور حضرات محدثین نے بھی اسے معلل بتلایا ہے۔اس کا حکم ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اترتا ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے تک پہنچتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ سجدہ، بیروت)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○
وہ آسمان سے زمین تک نظام اقتدار کی تدبیر فرماتا ہے پھر وہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھتا ہے
جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اس سے جو تم شمار کرتے ہو۔

آسمان سے زمین تک دنیا کی تدبیر کا بیان

"يُدَبِّر الْأَمْر مِنْ السَّمَاء إلَى الْأَرْض" مُدَّة الدُّنْيَا "ثُمَّ يَعْرُج" يَرْجِع الْأَمْر وَالتَّدْبِير "إلَيْهِ فِي يَوْم كَانَ مِقْدَاره أَلْف سَنَة مِمَّا تَعُدُّونَ" فِي الدُّنْيَا وَفِي سُورَة "سَأَلَ" خَمْسِينَ أَلْف سَنَة وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة لِشِدَّةِ أَهْوَاله بِالنِّسْبَةِ إلَى الْكَافِر وَأَمَّا الْمُؤْمِن فَيَكُون أَخَفّ عَلَيْهِ مِنْ صَلَاة مَكْتُوبَة يُصَلِّيهَا فِي الدُّنْيَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيث

وہ آسمان سے زمین تک مدت دنیا کی تدبیر فرماتا ہے پھر وہ امر اس کی طرف ایک دن میں چڑھتا ہے اور چڑھے گا یعنی امر وتدبیر اسی کی جانب لوٹتا ہے جس کی مقدار دنیا میں ایک ہزار سال ہے اس حساب سے جو تم شمار کرتے ہو۔اور ایک سورہ میں قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا کیونکہ کافر کی نسبت کرتے ہوئے اس کی شدت کو بیان کیا ہے جبکہ مومن کیلئے آسانی ہے کیونکہ اس کیلئے دنیا کے حساب سے پانچ نمازوں کو پڑھنے کی مقدار کا ہوگا جس طرح حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

قیامت کے دن کا پچاس ہزار سال کا ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔" فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سوسال پہلے داخل ہوں گے جو آدھے دن کے برابر ہے۔(رواہ البخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1168)

آدھے دن" سے مراد قیامت کا آدھا دن ہے مطلب یہ ہے کہ وہ پانچ سوسال قیامت کے آدھے دن کے برابر ہوں گے۔ اور قیامت کے دن کی مدت طوالت، دنیاوی شب وروز کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔آیت (وان یوما عندربک کالف سنۃ مما تعدون)، رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور جگہ یہ فرمایا ہے کہ آیت (فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃ، المعارج:4) اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، تو جاننا چاہئے کہ پہلی آیت کہ جس سے قیامت کے دن کا ایک ہزار سال کے برابر ہونا ثابت ہوتا ہے) عمومیت کی حامل ہے۔ جب کہ یہ دوسری آیت (کہ جس سے قیامت کے دن کا پچاس ہزار سال کے برابر ہونا ثابت ہوتا ہے) ایک خاص نوعیت کی طرف اشارہ کرتی ہے! یعنی اصل بات تو یہی ہے کہ دنیاوی حساب کے اعتبار سے قیامت کا دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور اسی کو پہلی آیت کے ذریعہ واضح فرمایا گیا ہے۔لیکن وہ قیامت کے دن چونکہ سختیوں اور شدت کا دن ہوگا اور جو شخص دنیا میں دین وہدایت سے جتنا دور ہوگا اس کو اس دن کی سختیاں اسی قدر زیادہ محسوس ہوگی اس لئے کفار کے حق میں اس دن کی سختیاں اس قدر زیادہ ہوں گی کہ اپنی درازی وسختی کے اعتبار سے وہ دن ان کو پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا! یہ دوسری آیت یہی مفہوم بیان کرتی ہے کہ قیامت کا دن (اگرچہ ایک ہزار سال کے برابر ہوگا مگر سختیوں اور شدائد کی بنا پر) کفار کو وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا جیسا کہ مومنین اور نیک کاروں کے حق میں دن گویا لپیٹ دیا جائے گا کہ ایک ہزار سال کے برابر اس دن کی طوالت ان کو ایک ساعت کے بقدر معلوم ہوگی۔

اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔آیت (فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ، المدثر:8) اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال یہ بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث بظاہر اس حدیث کے معارض ہے جو جنت میں فقراء کے پہلے داخل ہونے کی مدت کو چالیس سال ظاہر کرتی ہے؟ لہٰذا شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ بیان کیا ہے کہ یہ عین ممکن ہے کہ پچھلی حدیث میں " اغنیاء سے" مراد "اغنیاء مہاجرین" ہوں (جیسا کہ اس حدیث کی تشریح میں بھی اس طرف اشارہ کیا جاچکا ہے) اس صورت میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ فقراء ان اغنیاء سے کہ ان کا تعلق مہاجر صحابہ سے ہے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے، جب یہاں اس حدیث میں اغنیاء سے مراد وہ اغنیاء ہیں جو مہاجرین میں سے ہوں گے۔

اس وضاحت سے دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی تعارض وتضاد باقی نہیں رہتا۔لیکن جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے درمیان مذکورہ تعارض کو ختم کرنے کے لئے یہ وضاحت زیادہ مناسب وموزوں ہے کہ دونوں عدد، یعنی

چالیس اور پانچ سو سے مراد تحدید نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً اس زمانی فرق کو بیان کرنا مقصود ہے جو جنت میں داخل ہونے کے سلسلہ میں فقراء اور اغنیاء کے درمیان ہوگا۔ چنانچہ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے کہ فقراء جنت میں اغنیاء سے پہلے جائیں گے از راہ تفنن کسی موقع پر تو چالیس سال فرمایا گیا ہے۔ اور کسی موقع پر پانچ سو سال کے الفاظ ذکر فرمائے گئے ہیں جب کہ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے یا یہ کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہی معلوم ہوا ہوگا کہ جنت میں فقراء کے اغنیاء سے پہلے جانے کی مدت چالیس سال ہوگی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وحی کے مطابق چالیس سال کا ذکر فرمایا: لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے فقراء کے حال پر خصوصی فضل فرماتے ہوئے اور ان کی مزید تسلی کے لئے یہ خبر دی کہ فقراء کو جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل کیا جائے گا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دوسری مرتبہ اس بات کا ذکر کیا تو اس میں پانچ سو سال کا ذکر فرمایا۔ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کے مفہوم میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کا تعلق دراصل خود فقراء کی ذات وشخصیت کی غیر یکسانیت سے ہے یعنی ظاہر ہے کہ ہر غریب ونادار اور ہر فقیر مسلمان ایک ہی حالت نہیں رکھتا، بعض فقراء تو ایسے ہوتے ہیں جو صبر ورضا اور شکر کے درجہ کمال پر ہوتے ہیں اور بعض فقراء وہ ہیں جن میں صبر ورضا اور شکر کا مادہ کم ہوتا ہے لہٰذا "پانچ سو سال" والی حدیث کا تعلق اول الذکر فقراء سے اور چالیس سال والی حدیث کا تعلق موخر الذکر فقراء سے۔ یہ تاویل زیادہ مناسب اور موزوں بھی ہے اور اس کی تائید جامع الاصول کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جس میں ان دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ جس حدیث میں چالیس سال کا ذکر ہے اس کی مراد یہ ہے کہ دنیاوی لذتوں اور نعمتوں کی خواہش رکھنے والا فقیر، حریص غنی سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوگا اور جس حدیث میں پانچ سو سال کا ذکر ہے اس کی مراد یہ ہے کہ دنیاوی لذتوں ونعمتوں سے بالکل بے نیاز اور زاہد فقیر دنیا دار غنی سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوگا۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ○ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ○
وہی غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے، غالب ومہربان ہے۔ جس نے اچھا بنایا ہر چیز کو جو اس نے پیدا کی اور انسان کی
پیدائش تھوڑی سی مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے نچوڑ (یعنی نطفہ) سے چلایا۔

ظاہری وباطنی احوال کا علم الٰہی میں ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" الْخَالِق الْمُدَبِّر "عَالِم الْغَيْب وَالشَّهَادَة" أَيْ مَا غَابَ عَنْ الْخَلْق وَمَا حَضَرَ "الْعَزِيز" الْمَنِيع فِي مُلْكه "الرَّحِيم" بِأَهْلِ طَاعَته

"الَّذِي أَحْسَنَ كُلّ شَيْء خَلَقَهُ" بِفَتْحِ اللَّام فِعْلًا مَاضِيًا صِفَة وَبِسُكُونِهَا بَدَل اشْتِمَال "وَبَدَأَ خَلْق

الْإِنْسَان" آدَم "ثُمَّ جَعَلَ نَسْله" ذُرِّيَّته "مِنْ سُلَالَة" عَلَقَة "مِنْ مَاء مَهِين" ضَعِيف هُوَ النُّطْفَة

وہی یعنی خالق تدبیر ہے۔غیب اور ظاہر کا جاننے والا ہے، یعنی جو مخلوق سے غائب یا حاضر ہے۔ جو اپنے ملک میں غالب و اہل طاعت کے ساتھ مہربان ہے۔ جس نے اچھا بنایا ہر چیز کو جو اس نے پیدا کی، یہاں پر لفظ خلق لام کے فتحہ کے ساتھ فعل ماضی آیا ہے اور سکون کے ساتھ بدل اشتمال اور صفت کے طور پر بھی آیا ہے۔ اور انسان یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش تھوڑی سی مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے نچوڑ یعنی نطفہ سے چلایا۔ جو بہت ہی کمزور نطفہ ہے۔

فرماتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو قرینے سے بہترین طور سے ترکیب پر خوبصورت بنائی ہے۔ ہر چیز کی پیدائش کتنی عمدہ کیسی مستحکم اور مضبوط ہے۔ آسمان وزمین کی پیدائش کیساتھ ہی خود انسان کی پیدائش پر غور کرو۔ اس کا شروع دیکھو کہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدائے ہوئے۔ پر ان کی نسل نطفے سے جاری رکھی جو مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے۔ پھر اسے یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کرنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور درست کیا اور اس میں اپنے پاس کی روح پھونکی۔ تمہیں کان آنکھ سمجھ عطا فرمائی۔ افسوس کہ پھر بھی تم شکر گذاری میں کثرت نہیں کرتے۔ نیک انجام اور خوش نصیب وہ شخص ہے جو اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝
پھر اسے درست کیا اور اس میں اپنی ایک روح پھونکی اور تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت کم شکر کرتے ہو

انسان کی ابتدائی تخلیق کا بیان

"ثُمَّ سَوَّاهُ" أَيْ خَلْق آدَم "وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحه" أَيْ جَعَلَهُ حَيًّا حَسَّاسًا بَعْد أَنْ كَانَ جَمَادًا "وَجَعَلَ لَكُمْ" أَيْ لِذُرِّيَّتِهِ "السَّمْع" بِمَعْنَى الْأَسْمَاع "وَالْأَبْصَار وَالْأَفْئِدَة" الْقُلُوب "قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ" مَا زَائِدَة مُؤَكِّدَة لِلْقِلَّةِ

پھر اسے یعنی آدم علیہ السلام کی خلقت کو درست کیا اور اس میں اپنی ایک روح پھونکی جس سے آپ میں زندگی آئی جس کو جامد ہونے کے بعد محسوس کیا۔ اور تمھارے لیے یعنی آپ کی اولاد کیلئے سنن کیلئے کان اور دیکھنے کیلئے آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ یہاں پر ما زائدہ اور تاکید کیلئے آیا ہے جو معنی قلت کو بیان کر رہا ہے۔

پھر اسی انتہائی چھوٹے سے جرثومہ کو رحم مادر میں پیوست کیا تو اس کے بالکل ویسے ہی اعضاء بننے لگے اور ان پر گوشت پوست چڑھنے لگا جس چیز کا وہ جرثومہ تھا اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی انفرادی توجہ سے اس میں چند نمایاں اختلاف بھی رکھ دیئے۔ لیکن اعصاء کے توازن وتناسب میں کچھ فرق نہ آنے دیا۔ پھر یہ سب کچھ درست کرنے اور آنکھ، ناک، کان، دل وغیرہ سب اعضاء کو درست اور ٹھیک ٹھاک کر دینے کے بعد اس میں اپنے ہاں سے روح پھونک دی اور مقررہ وقت کے بعد وہ ایک تندرست اور جیتا جاگتا انسان بن کر رحم مادر سے باہر نکل آیا۔ یہ سب باتیں ایسے بدیہی امور ہیں جو سب انسانوں کے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔ پھر بھی انسانوں

کی اکثریت ایسی ہے جو نہ ان قدرتوں کا اعتراف کرتی ہے اور نہ ان نعمتوں پر اللہ کا شکر بجالاتی ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ○
اور انھوں نے کہا کیا جب ہم زمین میں گم ہوگئے، کیا واقعی ہم ضرور نئی پیدائش میں ہوں گے؟
بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔

منکرین بعث کا مٹی میں مرکر مل جانے سے انکار بعث کا بیان

"وَقَالُوا" أَیْ مُنْكِرُو الْبَعْث "أَإِذَا ضَلَلْنَا فِی الْأَرْض " غِبْنَا فِیهَا بِأَنْ صِرْنَا تُرَابًا مُخْتَلِطًا بِتُرَابِهَا "أَإِنَّا لَفِی خَلْق جَدِید" اسْتِفْهَام إِنْكَار بِتَحْقِیقِ الْهَمْزَتَیْنِ وَتَسْهِیل الثَّانِیَة وَإِدْخَال أَلِف بَیْنهمَا عَلَى الْوَجْهَیْنِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ "بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبّهمْ" بِالْبَعْثِ

اور انھوں یعنی منکرین بعث نے کہا کیا جب ہم زمین میں گم ہو گئے، یعنی مٹی میں غائب ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا واقعی ہم ضرور نئی پیدائش میں ہوں گے؟ یہاں پر استفہام انکاری ہے۔ جو دونوں ہمزوں کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل کے ساتھ بھی جبکہ ان دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کیا جائے۔ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں۔

کفار کا عقیدہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ مرنے کے بعد جینے کے قائل نہیں۔ اور اسے وہ محال جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب ہمارے ریزے ریزے جدا ہو جائیں گے اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے پھر بھی کیا ہم نئے سرے سے بنائے جاسکتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ اپنے اوپر اللہ کو بھی قیاس کرتے ہیں اور اپنی محدود قدرت پر اللہ کی نامعلوم قدرت کا اندازہ کرتے ہیں۔ مانتے ہیں جانتے ہیں کہ اللہ نے اول بار پیدا کیا ہے۔ تعجب ہے پھر دوبارہ پیدا کرنے پر اسے قدرت کیوں نہیں مانتے؟ حالانکہ اس کا تو صرف فرمان چلتا ہے۔ جہاں کہا یوں ہو جا وہیں ہو گیا۔ اسی لئے فرمادیا کہ انہیں اپنے پروردگار کی ملاقات سے انکار ہے۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○
آپ فرمادیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ملک الموت کا ارواح کو قبض کرنے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "یَتَوَفَّاكُمْ مَلَك الْمَوْت الَّذِی وُكِّلَ بِكُمْ " أَیْ یَقْبِض أَرْوَاحكُمْ "ثُمَّ إِلَى رَبّكُمْ تُرْجَعُونَ " أَحْیَاء فَیُجَازِیكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ

آپ ان سے فرمادیں کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی تمہیں زندہ کیا جائے گا۔ پس تمہیں تمہارے اعمال کی جزاء دی جائے گی۔

اس فرشتہ کا نام عزرائیل ہے علیہ السلام اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحیں قبض کرنے پر مقرر ہیں، اپنے کام میں کچھ غفلت

نہیں کرتے جس کا وقت آ جاتا ہے بیدرنگ اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ مروی ہے کہ مَلک الموت کے لئے دنیا مثلِ کفِ دست کر دی گئی ہے تو وہ مشارق و مغارب کی مخلوق کی روحیں بے مشقت اٹھا لیتے ہیں اور رحمت و عذاب کے بہت فرشتے ان کے ماتحت ہیں۔

روزانہ انسانوں کے گھروں میں ملک الموت کے آنے کا بیان

اس کے بعد فرمایا کہ ملک الموت جو تمہاری روح قبض کرنے پر مقرر ہیں تمہیں فوت کر دیں گے۔ اس آیت میں بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت ایک فرشتہ کا لقب ہے۔ حضرت برا کی وہ حدیث جس کا بیان سورۃ ابراہیم میں گذر چکا ہے اس سے بھی پہلی بات سمجھ میں آتی ہے اور بعض آثار میں ان کا نام عزرائیل بھی آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔ ہاں ان کے ساتھی اور ان کے ساتھ کام کرنے والے فرشتے بھی ہیں جو جسم سے روح نکالتے ہیں اور نرخرے تک پہنچ جانے کے بعد ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ ان کے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہیں اور ایسی ہی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی طشتری رکھی ہوئی ہو۔ کہ جو چاہا اٹھا لیا۔ ایک مرسل حدیث بھی اس مضمون کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ کا مقولہ بھی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت میرے صحابی کے ساتھ آسانی کیجئے۔ آپ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے نبی تسکین خاطر رکھئے اور دل خوش کیجئے واللہ میں خود با ایمان اور نہایت نرمی کرنے والا ہوں۔ سنو! یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اللہ کی تمام دنیا کے ہر کچے پکے گھر میں خواہ وہ خشکی میں ہو یا تری میں ہر دن میں میرے پانچ پھیرے ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے بڑے کو میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں جتنا وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقین مانئے اللہ کی قسم میں تو ایک مچھر کی جان قبض کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا جب تک مجھے اللہ کا حکم نہ ہو۔

حضرت جعفر کا بیان ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کا دن میں پانچ وقت ایک ایک شخص کو ڈھونڈ بھال کرنا یہی ہے کہ آپ پانچوں نمازوں کے وقت دیکھ لیا کرتے ہیں اگر وہ نمازوں کی حفاظت کرنے والا ہو تو فرشتے اس کے قریب رہتے ہیں اور شیطان اس سے دور رہتا ہے اور اس کے آخری وقت فرشتہ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں ہر دن ہر گھر پر ملک الموت دو دفعہ آتے ہیں۔ کعب احبار اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر دروازے پر ٹھہر کر دن بھر میں سات مرتبہ نظر مارتے ہیں کہ اس میں کوئی وہ تو نہیں جس کی روح نکالنے کا حکم ہو چکا ہو۔ پھر قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے قبروں سے نکل کر میدان محشر میں اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ سجدہ، بیروت)

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝

اور اگر آپ دیکھیں کہ جب مُجرم لوگ اپنے رب کے حضور سر جھکائے ہوں گے اور اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا

اور ہم نے سُن لیا، پس ہمیں واپس لوٹا دے کہ ہم نیک عمل کرلیں بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں۔

قیامت کے دن منکرین بعث کا ندامت سے سر جھکائے ہونے کا بیان

"وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ" الْكَافِرُوْنَ "نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" مُطَاطِئُوْهَا حَيَاءً يَقُوْلُوْنَ "رَبَّنَا اَبْصَرْنَا" مَا اَنْكَرْنَا مِنَ الْبَعْث "وَسَمِعْنَا" مِنْكَ تَصْدِيْق الرُّسُل فِيْمَا كَذَّبْنَاهُمْ فِيْهِ "فَارْجِعْنَا" اِلَى الدُّنْيَا "نَعْمَلْ صَالِحًا" فِيْهَا "اِنَّا مُوْقِنُوْنَ" الْآن فَمَا يَنْفَعهُمْ ذٰلِكَ وَلَا يَرْجِعُوْنَ وَجَوَاب لَوْ: لَرَأَيْت اَمْرًا فَظِيْعًا،

اور اگر آپ دیکھیں (تو ان پر تعجب کریں) کہ جب مُجرم لوگ یعنی کفار اپنے رب کے حضور سر جھکائے ہوں گے یعنی ندامت کے باعث سر جھکائے ہوں گے۔ اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا جو ہم نے زندہ ہونے کا انکار کیا تھا۔ اور ہم نے سُن لیا، یعنی ہم نے اس چیز کی تصدیق کو سن لیا ہے جس میں ہم نے ان کی تکذیب کی تھی۔ پس اب ہمیں دنیا میں واپس لوٹا دے کہ ہم نیک عمل کرلیں بیشک اب ہم یقین کرنے والے ہیں۔ پس ان کیلئے اب کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ ہی وہ دوبارہ دنیا میں لوٹائے جائیں گے۔ اور جواب ہے "لَرَأَيْت اَمْرًا فَظِيْعًا" یہ محذوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ گنہگار اپنا دوبارہ جینا خود اپنے آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت وحقارت کے ساتھ نادم ہوکر گردنیں جھکائے سر ڈالے اللہ کے سامنے کھڑے ہونگے۔ اس وقت کہیں گے کہ اے اللہ ہماری آنکھیں روشن ہوگئیں کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں اس دن خوب سوچ سمجھ والے دانا بینا ہو جائیں گے۔ سب اندھا و بہرا پن جاتا رہے گا خود اپنے تئیں ملامت کرنے لگیں گے اور جہنم میں جاتے ہوئے کہیں گے ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تو ہم نیک اعمال کر آئیں ہمیں اب یقین ہوگیا ہے کہ تیری ملاقات سچ ہے تیرا کلام حق ہے۔ لیکن اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ اگر دوبارہ بھی بھیجے جائیں تو یہی حرکت کریں گے۔ پھر سے اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے دوبارہ نبیوں کو ستائیں گے۔ جیسے کہ خود قرآن کریم کی آیت (وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، الانعام:27) میں ہے۔ اسی لئے یہاں فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے جیسے فرمان ہے۔ اگر تیرا رب چاہتا تو زمین کا ایک ایک رہنے والا مومن بن جاتا۔ لیکن اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ انسان اور جنات سے جہنم پر ہونا ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کے پورے پورے کلمات کا یہ اٹل امر ہے۔ ہم اس کے تمام عذابوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ دوزخیوں سے بطور سرزنش کے کہا جائے گا کہ اس دن کی ملاقات کی فراموشی کا مزہ چکھو۔ اور اس کے جھٹلانے کا خمیازہ بھگتو۔ اسے محال سمجھ کر تم نے وہ معاملہ کیا کہ جو ہر ایک بھولنے والا کیا کرتا ہے۔ اب ہم بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کریں گے۔ اللہ کی ذات حقیقی نسیان اور بھول سے پاک ہے۔ یہ تو صرف بدلے کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سجدہ، بیروت)

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے بات پکی ہو چکی کہ یقیناً میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا۔ پس تم مزہ چکھو کہ تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، بیشک ہم نے تم کو بھلا دیا ہے اور اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے تھے دائمی عذاب چکھتے رہو۔

ہدایت کا اللہ کی حکمت کے مطابق سب کیلئے عام نہ ہونے کا بیان

"وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا" فَتَهْتَدِي بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَة بِاخْتِيَارٍ مِنْهَا "وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي" وَهُوَ "لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّم مِنْ الْجِنَّة" الْجِنّ "وَالنَّاس أَجْمَعِينَ" وَتَقُول لَهُمْ الْخَزَنَة إِذَا دَخَلُوهَا: "فَذُوقُوا" الْعَذَاب "بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاء يَوْمكُمْ هَذَا" أَيْ بِتَرْكِكُمْ الْإِيمَان بِهِ "إِنَّا نَسِينَاكُمْ" تَرَكْنَاكُمْ فِي الْعَذَاب "وَذُوقُوا عَذَاب الْخُلْد" الدَّائِم "بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" مِنْ الْكُفْر وَالتَّكْذِيب

اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ایمان وطاعت کی ہدایت اختیار کے ساتھ دے دیتے اور لیکن میری طرف سے بات پکی ہو چکی کہ یقیناً میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا۔ اور جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو جہنمی فرشتے ان سے کہیں گے۔

پس اب تم مزہ چکھو کہ تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، کیونکہ تم نے اس پر ایمان لانا چھوڑ رکھا تھا۔ بیشک ہم نے تم کو بھلا دیا ہے یعنی ہم نے تمہیں عذاب میں چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کفر اور تکذیب وغیرہ کرتے تھے دائمی عذاب چکھتے رہو۔

یعنی ہم چاہتے تو دنیا میں ہر شخص کو جبراً ہدایت پر قائم رکھتے اور وہ کوئی گناہ نہ کرتا۔ لیکن اس طرح کی جبری ہدایت ہماری اسکیم میں نہ تھی۔ ہم نے تو تمہیں پیدا ہی امتحان کے لئے کیا تھا کہ حقیقت کا مشاہدہ کئے بغیر کائنات میں اور خود اپنے نفس میں اس کی علامات دیکھ کر اپنی عقل سے اسے پہچانتے ہو یا نہیں اور انبیاء اور کتب الٰہی کے ذریعے سے جو اس حقیقت شناسی میں تمہاری مدد کرتے ہیں فائدہ اٹھاتے ہو یا نہیں۔ اس امتحان میں تم ناکام ہو چکے ہو۔ اب اگر دوبارہ امتحان کے لئے تمہیں دنیا میں بھیجا جائے اور تمہیں وہ سب کچھ یاد ہو جو تم نے یہاں دیکھا اور سنا ہے تو یہ کوئی امتحان نہ ہوگا۔ اور اگر تمہیں خالی الذہن کر کے دنیا میں بھیجا جائے اور پہلے کی طرح امتحان لیا جائے تو تم پھر وہی کچھ کرو گے جو پہلی زندگی میں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرنے یا نہ کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی

اس سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اسے ملنا پسند نہیں کرتا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے فرمایا یہ بات نہیں۔
بلکہ جب مومن کو اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن جب کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ کی ملاقات سے گریز کرتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1065)

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ السجدة
پس ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں ان کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں
اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

قرآنی آیات سن کر سجدہ ریز ہو جانے والوں کا بیان

"إِنَّمَا يُؤْمِن بِآيَاتِنَا" الْقُرْآن "الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا " وُعِظُوا "بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا " مُتَلَبِّسِينَ "بِحَمْدِ رَبّهمْ" أَيْ قَالُوا : سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهِ "وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ" عَنْ الْإِيمَان وَالطَّاعَة،

پس ہماری آیتوں یعنی قرآن پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں ان آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں یعنی وہ کہتے ہیں "سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهِ" اور وہ ایمان وطاعت سے تکبر نہیں کرتے۔

سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل سے بہتر کوئی عمل نہیں لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند یا اس سے زیادہ کہا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 827)
اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے حدیث کی ظاہری عبارت سے یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے پہلے شخص کی مانند کیا یعنی اس نے پہلے شخص کی طرح صبح وشام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو وہ قیامت کے دن اس عمل سے افضل لائے گا جو یہ پہلا لائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص نے اگر پہلے شخص کی طرح سبحان اللہ وبحمدہ صبح وشام سو سو مرتبہ کہا تو وہ قیامت کے دن پہلے ہی شخص کی طرح عمل لے کر حاضر ہوگا نہ کہ اس سے افضل عمل لائے گا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی عبارت حقیقت ومعنی کے اعتبار سے یوں ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل کے برابر کوئی عمل نہیں لائے گا جو یہ شخص لائے گا اور نہ اس

کے عمل سے افضل کوئی عمل لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند (سبحان اللہ وبحمدہ صبح وشام کے وقت سو سو مرتبہ سے زیادہ کہا) تو وہ اس پہلے شخص کے عمل سے افضل عمل لائے گا۔ یا پھر کہا جائے گا کہ کہ مثل ما قال اوزادعلیہ میں حرف او معنی کے اعتبار سے حرف واؤ کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُوْنَ ٥
ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور طمع کرتے ہوئے پکارتے ہیں
اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

آرامگاہوں سے بستر چھوڑ کر عبادت کرنے والوں کا بیان

"تَتَجَافَى جُنُوبهمْ" تَرْتَفِع "عَنْ الْمَضَاجِع" مَوَاضِع الِاضْطِجَاع بِفُرُشِهَا لِصَلَاتِهِمْ بِاللَّيْلِ تَهَجُّدًا "يَدْعُونَ رَبّهمْ خَوْفًا" مِنْ عِقَابه "وَطَمَعًا" فِي رَحْمَته "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" يَتَصَدَّقُونَ،

ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، یعنی رات کو نماز تہجد پڑھنے کی وجہ سے اپنے لئے بچھے ہوئے بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو عذاب سے ڈرتے ہوئے اور رحمت کا طمع کرتے ہوئے پکارتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی صدقہ کرتے ہیں۔

سورہ سجدہ آیت ۱۶ کے شان نزول کا بیان

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا یا رسول اللہ کے کچھ صحابہ مغرب سے عشاء تک نماز میں مصروف رہتے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل ہوئی۔ (درمنثور 5۔175، زادالمسیر 6۔(337)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) ترجمہ۔ ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں۔ ہم مغرب کی نماز پڑھتے اور جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیتے اپنی قیام گاہوں تک واپس نہ لوٹتے۔ (نیسابوری 291۔ سیوطی 220۔ ابن کثیر 3۔(459)

حسن اور مجاہد رحمہما اللہ فرماتے ہیں یہ آیت تہجد گزاروں کے متعلق نازل ہوئی جو رات سے صبح کی نماز تک تک نماز میں کھڑے رہتے۔ اس کی صحت پر معاذ بن جبل یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، گرمی زوروں پر تھی اور لگ بکھرے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کی نسبت مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہیں تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دیا ور جہنم سے دور کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے بہت بڑی چیز کے متعلق سوال کیا ہے البتہ یہ اس پر آسان ہے جس پر اللہ تعالی

آسان فرمادیں تو اللہ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا نماز قائم کر، فرض زکوۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اور اگر تو چاہے تو میں تجھے خیر کے دروازوں کے متعلق بھی بتلا دوں۔

میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: روزہ ڈھال ہے، صدقہ برائی کو مٹا دیتا ہے اور درمیان رات میں آدمی قیام اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ، ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (نیسابوری، 292۔ مستدرک حاکم 2۔412)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ (تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے)۔ اس نماز کے انتظار میں نازل ہوئی جسے عتمہ (یعنی عشاء کی نماز) کہا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1144)

نیک لوگوں کی عبادات کا بیان

ان سچے ایمانداروں کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ وہ راتوں کو نیند چھوڑ کر اپنے بستروں سے الگ ہو کر نمازیں ادا کرتے ہیں، تہجد پڑھتے ہیں۔ مغرب عشاء کے درمیان کی نماز بھی بعض نے مراد لی ہیں۔ کوئی کہتا ہے مراد اس سے عشاء کی نماز کا انتظار ہے۔ اور قول ہے کہ عشاء کی اور صبح کی نمازیں با جماعت اس سے مراد ہے۔ وہ اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اس کے عذابوں سے نجات کے لئے اور اس کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہی صدقہ خیرات بھی کرتے رہتے ہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق راہ اللہ میں دیتے رہتے ہیں۔ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں جن کا تعلق انہی کی ذات سے ہے۔ اور وہ نیکیاں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ ان بہترین نیکیوں میں سب سے بڑھے ہوئے وہ ہیں جو درجات میں بھی سب سے آگے ہیں۔ یعنی سید اولاد آدم فخر دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعروں میں ہے۔

(وفینا رسول اللّٰہ یتلو کتابہ اذانشق معروف من الصبح ساطع یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ اذاستثقلت بالمشرکین المضاجع)

یعنی ہم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو صبح ہوتے ہی اللہ کی پاک کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ راتوں کو جبکہ مشرکین گہری نیند میں سوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کروٹ آپ کے بستر سے الگ ہوتی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعۃً اپنے رب کی نعمتیں اور اسکی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے اپنے نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو ایک غزوے میں ہے کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پانسہ کمزور پڑ جاتا ہے لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں اللہ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب کی رضامندی ہے میداں کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر قربان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فخر سے اپنے فرشتوں کو اسے دکھاتا ہے اور

اس کے سامنے اس کے عمل کی تعریف کرتا ہے۔

مسند احمد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا صبح کے وقت میں آپ کے قریب ہی چل رہا تھا میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے اور جہنم سے الگ کر دے آپ نے فرمایا تو نے سوال تو بڑے کام کا کیا ہے لیکن اللہ جس پر آسان کر دے اس پر بڑا سہل ہے۔ سن تو اللہ کی عبادت کرتا رہ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر نمازوں کی پابندی کر رمضان کے روزے رکھ بیت اللہ کا حج کر زکوۃ ادا کرتا رہ۔ آب میں تجھے بھلائیوں کے دروازے بتلاؤں۔ روزہ ڈھال ہے اور انسان کی آدھی رات کی نماز، صدقہ گناہوں کو معاف کرا دیتا ہے۔ پھر آپ نے آیت (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، السجدۃ:16) کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا آب میں تجھے اس امر کے سر اس کے ستون اور اس کی کوہان کی بلندی بتاؤں۔ اس تمام کا سر تو اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اس کے کوہان کی بلندی اللہ کی راہ کا جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اب میں تجھے تمام کاموں کے سردار کی خبر دوں؟ پھر آپ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اسے روک رکھ میں نے کہا کیا ہم اپنی بات چیت پر بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اے معاذ افسوس تجھے معلوم نہیں انسان کو جہنم میں اوندھے منہ ڈالنے والی چیز تو اس کے زبان کے کنارے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سجدہ، بیروت)

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب حصول قرب کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے۔

تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں (یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا) اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

انا عند ظن عبدی بی (میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ویسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہے جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔ اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے

میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے۔ امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اور اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ۝
لہٰذا کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ ان کا بدلہ ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے۔
کیا مومن ایسے ہی ہوتا ہے جیسے فاسق ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

نیک اعمال والوں کے لئے مخفی ثواب کا بیان

"فَلَا تَعْلَم نَفْس مَا أُخْفِيَ" خُبِىءَ وَفِي قِرَاءَة بِسُكُونِ الْيَاء مُضَارِع "لَهُمْ مِنْ قُرَّة أَعْيُن" مَا تُقِرّ بِهِ أَعْيُنهمْ، "أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ وَالْفَاسِقُونَ،

پس کسی کو معلوم نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، ایک قرأت کے مطابق اخفی سکون یاء کے ساتھ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ یہ ان اعمالِ صالحہ کا بدلہ ہوگا جو وہ کرتے رہے تھے۔ کیا مومن ایسے ہی ہوتا ہے جیسے فاسق ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ یعنی مؤمن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔

سورہ سجدہ آیت ۱۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسا انعام (جنت) تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے ان نعمتوں کے متعلق سنا اور نہ کسی دل میں ان چیزوں کا خیال آیا۔ اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پھر کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے عمل کے بدلے میں ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1145)

سورہ سجدہ آیت ۱۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کسی بات میں جھگڑ رہا تھا، دوران گفتگو میں کہنے لگا خاموش ہو جاؤ تم لڑکے ہو میں بوڑھا ہوں، میں بہت زبان دراز ہوں، میری نوک سنان تم سے زیادہ تیز ہے، میں تم سے زیادہ بہادر

ہوں، میں بڑا جتھے دار ہوں، حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا چپ تو فاسق ہے، مراد یہ تھی کہ جن باتوں پر تو ناز کرتا ہے انسان کے لئے ان میں سے کوئی قابلِ مدح نہیں، انسان کا فضل وشرف ایمان وتقوٰی میں ہے جسے یہ دولت نصیب نہیں وہ انتہا کا رذیل ہے، کافر مومن کے برابر نہیں ہوسکتا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ سجدہ، بیروت)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فاسق کو مومن کی عین ضد کے طور پر بیان فرمایا، یعنی مومن اور فاسق برابر کیا ہوں گے یہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جیسے دن کے مقابلہ میں رات ہوتی ہے، یعنی مومن اگر ایماندار ہے تو فاسق بے ایمان ہوگا۔ مومن اگر اللہ کا مطیع فرمان ہے تو فاسق اللہ کا باغی ہوگا۔ تو جس طرح یہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے کی عین ضد ہیں۔ اس طرح اخروی اجر کے لحاظ سے بھی ان کا معاملہ ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ اگلی دو آیات میں انہی دونوں قسم کے لوگوں کا انجام اوران کو ملنے والی جزاء وسزا کا ذکر کیا گیا ہے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝
چنانچہ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو ان کے لئے دائمی سکونت کے باغات ہیں،
ضیافت واکرام میں ان کے بدلے جو وہ کرتے رہے تھے۔

ایمان و نیک اعمال والوں کیلئے اللہ کی طرف سے ضیافت کا بیان

"اَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فَلَهُمْ جَنَّات الْمَأْوَى نُزُلًا" هُوَ مَا يُعَدّ لِلضَّيْفِ

چنانچہ جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو ان کے لئے دائمی سکونت کے باغات ہیں، اللہ کی طرف سے ان کی ضیافت واکرام میں ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے رہے تھے۔

شعبی کہتے ہیں کہ میں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے رب جنتیوں میں سے سب سے کم درجہ والا کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ شخص جو جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے کے بعد آئے گا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ داخل ہوجاؤ۔ وہ کہے گا کہ کیسے داخل ہوجاؤں سب لوگوں نے اپنے لئے گھر اور اپنی لینے کی چیزیں لے لی ہیں۔ اس سے کہا جائے گا کہکیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہیں وہ کچھ عطا کردیا جائے جو دنیا میں ایک بادشاہ کے پاس ہوا کرتا تھا؟ وہ کہے گا۔ ہاں میں راضی ہوں۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے یہ اور اس کی مثل اور اس کی مثل ہے۔ وہ کہے گا اے رب میں راضی ہوگیا۔ پھر اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے لئے یہ سب کچھ اور اس سے دس گنا زیادہ ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ اس کے ساتھ ساتھ ہر وہ چیز بھی جو تیرا جی چاہے اور جس سے تیری آنکھوں کو لذت حاصل ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض راوی یہ حدیث شعبی سے اور وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا مقل کرتے

ہیں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1148)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا
وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ٥ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ
الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٥
اور جو لوگ نافرمان ہوئے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہ جب بھی اس سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں لوٹا دیئے
جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اس آتش دوزخ کا عذاب چکھتے رہو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور یقیناً ہم انھیں
قریب ترین عذاب کا کچھ حصہ سب سے بڑے عذاب سے پہلے ضرور چکھائیں گے، تا کہ وہ باز آ جائیں۔

دنیا میں کفار کیلئے ادنیٰ عذاب انتباہ اہل الایمان کیلئے ہونے کا بیان

"وَاَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا" بِالْكُفْرِ وَالتَّكْذِيب "وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَاب الْأَدْنَى" عَذَاب الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْأَسْر وَالْجَدْب سِنِينَ وَالْأَمْرَاض "دُون" قَبْل "الْعَذَاب الْأَكْبَر" عَذَاب الْآخِرَة "لَعَلَّهُمْ" أَيْ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ "يَرْجِعُونَ" إِلَى الْإِيمَان،

اور جو لوگ کفر اوت تکذیب کے سبب نافرمان ہوئے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہ جب بھی اس سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اس آتش دوزخ کا عذاب چکھتے رہو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور یقیناً ہم انھیں قریب ترین عذاب کا کچھ حصہ سب سے بڑے عذاب سے پہلے ضرور چکھائیں گے، یعنی دنیا کا کم عذاب جو قتل، قید جو قحط سالی و امراض وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ اس لئے ہوگا تا کہ وہ باز آ جائیں۔ اور ایمان لے آئیں۔

دنیا ہی میں قتل اور گرفتاری اور قحط و امراض وغیرہ میں مبتلا کر کے چنانچہ ایسا ہی پیش آیا کہ حضور کی ہجرت سے قبل قریش امراض ومصائب میں گرفتار ہوئے اور بعد ہجرت بدر میں مقتول ہوئے، گرفتار ہوئے اور سات برس قحط کی ایسی سخت مصیبت میں مبتلا رہے کہ ہڈیاں اور مردار اور کتے تک کھا گئے۔

بڑے عذاب سے مراد قیامت کے دن جہنم کا عذاب ہے اور عذاب الادنی سے مراد دنیا میں پہنچنے والے مصائب ہیں۔ جو انفرادی طور پر بھی ہر انسان کو دیکھنا پڑے ہیں۔ مثلاً بیماریاں، مالی نقصان، عزیز و اقرباء کی موت یا کئی دوسرے حادثے اور اجتماعی زندگی کے مصائب الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ مثلاً قحط، زلزلے، وبا، فسادات اور لڑائیاں جن سے بیک وقت ہزاروں انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہلکے ہلکے عذاب ہیں نہیں بلکہ تنبیہات بھی ہیں کہ وہ بروقت سنبھل جائیں اور انھیں معلوم ہو جائے کہ ان سے بالاتر کوئی ہستی موجود ہے جو ان کی بداعمالیوں پر ان پر گرفت کر سکتی ہے۔ اور اس سے انھیں اپنا عقیدہ اور عمل

درست کرنے میں مدد ملے۔اس طرح شاید وہ بداعمالیوں سے اور آخرت میں ان کے برے انجام سے بچ جائیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝
اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا۔
یقیناً ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

آیات قرآنی سے اعراض کرنے والے کے ظلم کا بیان

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّه " الْقُرْآن "ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا" أَيْ لَا أَحَد أَظْلَم مِنْهُ "إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ" الْمُشْرِكِينَ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے یعنی اس سے بڑھ کر کوئی بھی ظالم نہیں ہے۔ جسے اس کے رب کی آیات یعنی قرآن کے ساتھ نصیحت کی گئی، پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا۔ یقیناً ہم مجرموں یعنی مشرکین سے انتقام لینے والے ہیں۔

استفہام یہاں پر انکاری ہے، یعنی ایسے لوگوں سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ جن کو ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے تذکیر و یاددہانی کرائی جائے لیکن وہ اس کے باوجود ان سے اعراض و روگردانی برتیں، کیونکہ اپنے رب کی آیتوں سے منہ موڑنا بڑی بیقدری و ناشکری بھی ہے۔ اور محرومیوں کی محرومی بھی اس لئے اس کے مرتکب لوگ مجرم ہیں۔ اور مجرموں سے ان کے جرم کا انتقام اور بدلہ لینا رب کے عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اس لئے وہ ایسے مجرموں سے آخر کار اور بہر حال انتقام لے گا۔ اور ان کو اپنے کیئے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝
اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تو آپ ان کی ملاقات کی نسبت شک میں نہ رہیں
اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کیلئے ذریعہ ہدایت کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَاب " التَّوْرَاة "فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَة " شَكّ "مِنْ لِقَائِهِ " وَقَدْ الْتَقَيَا لَيْلَة الْإِسْرَاء "وَجَعَلْنَاهُ" أَيْ مُوسَى أَوْ الْكِتَاب "هُدًى" هَادِيًا

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا فرمائی تو آپ ان کی ملاقات کی نسبت شک میں نہ رہیں وہ ملاقات آپ سے عنقریب شب معراج ہونے والی ہے اور ہم نے اسے یعنی موسیٰ علیہ السلام یا کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ لقاہ کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ آپ

اس میں شک نہ کریں کہ آپ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی۔ چنانچہ ایک ملاقات شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اور حضرت حسن بصری نے اس کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی اور لوگوں نے اس کی تکذیب کی اور ان کو ستایا۔ آپ بھی یقین رکھیں کہ یہ سب چیزیں آپ کو بھی پیش آئیں گی۔ اس لئے آپ کفار کی ایذاؤں سے دلگیر نہ ہوں بلکہ اس کو سنت انبیاء سمجھ کر برداشت کریں۔

شب معراج اور نبی اکرم ﷺ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب تورات دی تو اس کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں نہ رہ۔ قتادہ فرماتے ہیں یعنی معراج والی رات میں۔ حدیث میں ہے میں نے معراج والی رات حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ گندم گوں رنگ کے لانبے قد کے گھونگریالے بالوں والے تھے ایسے جیسے قبیلہ شنواہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ اسی رات میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ درمیانہ قد کے سرخ وسفید تھے سیدھے بال تھے۔ میں نے اسی رات حضرت مالک کو دیکھا جو جہنم کے داروغہ ہیں اور دجال کو دیکھا یہ سب ان نشانیوں میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائیں پس اس کی ملاقات میں شک وشبہ نہ کر۔ آپ نے یقیناً حضرت موسیٰ کو دیکھا اور ان سے ملے جس رات آپ کو معراج کرائی گئی۔ حضرت موسیٰ کو ہم نے بنی اسرائیل کا ہادی بنا دیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ ہم نے اسرائیلیوں کو ہدایت دی۔ جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے آیت (وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا، الاسراء:2) یعنی ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنا دیا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھو۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ○
اور ہم نے ان میں سے جب وہ صبر کرتے رہے کچھ امام وپیشوا بنا دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے
اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

ایمان پر استقامت کا درس دینے والے ائمہ کا بیان

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّة " بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة يَاء : قَادَة "يَهْدُونَ" النَّاس "بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا" عَلَى دِينهمْ وَعَلَى الْبَلَاء مِنْ عَدُوّهمْ وَفِي قِرَاءَة بِكَسْرِ اللَّام وَتَخْفِيف الْمِيم "وَكَانُوا بِآيَاتِنَا" الدَّالَّة عَلَى قُدْرَتنَا وَوَحْدَانِيّتنَا،

اور ہم نے ان میں سے جب وہ صبر کرتے رہے یعنی دین پر رہنے کے سبب مصائب ودشمنوں کی عداوت پر صبر کرتے رہے کچھ امام وپیشوا بنا دیئے، یہاں پر لفظ ائمہ میں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ ابدال ثانی کے ساتھ جب اس کو یاء سے تبدیل کیا ہو۔ جو

ہمارے حکم سے ہدایت کرتے رہے، یہاں پر لفظ لما ایک قرأت کے مطابق لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔یعنی جو ہماری قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اس کی نافرمانیوں کے ترک اس کی باتوں کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع وصبر میں جمے رہے ہم نے ان میں سے بعض کو ہدایت کے پیشوا بنادیا جو اللہ کے احکام لوگوں کو پہنچاتے ہیں بھلائی کی طرف بلاتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں۔لیکن جب ان کی حالت بدل گئی انہوں نے کلام اللہ میں تبدیلی تحریف تاویل شروع کردی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے یہ منصب چھین لیا ان کے دل سخت کردیئے عمل صالح اور اعتقاد صحیح ان سے دور ہوگیا۔پہلے تو یہ دنیا سے بچے ہوئے تھے حضرت سفیان فرماتے ہیں یہ لوگ پہلے ایسے ہی تھے لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی پیشوا ہو جس کی یہ اقتدا کر کے دنیا سے بچا ہوا رہے آپ فرماتے ہیں دین کے لئے علم ضروری ہے جیسے جسم کے لئے غذا ضروری ہے۔ حضرت سفیان سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کے بارے میں سوال ہوا کہ صبر کی وجہ سے ان کو ایسا پیشوا بنادیا کہ وہ ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے۔آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے تمام کاموں کو اپنے ذمہ لے لیا اللہ نے بھی انہیں پیشوا بنادیا۔چنانچہ فرمان ہے ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکمت اور نبوت دی اور پاکیزہ روزیاں عنایت فرمائیں اور جہاں والوں پر فضیلت دی۔یہاں بھی آیت کے آخر میں فرمایا کہ جن عقائد واعمال میں ان کا اختلاف ہے ان کا فیصلہ قیامت کے دن خود اللہ کرے گا۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ سجدہ،بیروت)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ○
بیشک آپ کا رب ہی ان لوگوں کے درمیان قیامت کے دن ان کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن اختلاف کا فیصلہ ہونے کا بیان

"اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهمْ يَوْمَ الْقِيَامَة فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ" مِنْ أَمْر الدِّين

بیشک آپ کا رب ہی ان لوگوں کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ فرمادے گا جن میں یعنی جس دین کے معاملہ میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن تین گرہوں کی صورت میں لوگوں کے جمع ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"حشر میں لوگوں کو تین قسموں میں جمع کیا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو بہشت کے خواہشمند ہیں، دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دوزخ سے ڈرنے والے ہیں اور ان دونوں قسموں میں سے جو لوگ سواری پر ہوں گے ان کی صورت یہ ہوگی کہ) دو ایک اونٹ پر سوار ہوں گے۔یعنی جس شخص کا مرتبہ جتنا زیادہ بلند ہوگا وہ اتنے ہی کم آدمیوں کے ساتھ سواری پر ہوگا اور نہایت آرام وکشادگی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوگا اور جس کا

مرتبہ جتنا ادنیٰ ہوگا وہ اتنے ہی زیادہ آدمیوں کے ساتھ سواری پر ہوگا اور تنگی کے ساتھ بیٹھا ہوگا) اور تیسری قسم باقی تمام لوگوں پر مشتمل ہوگی جن کو آگ جمع کرے گی اور وہ آگ ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رہے گی اور کسی وقت بھی ان سے الگ نہیں ہوگی یہاں تک کہ، جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے (یعنی استراحت کے لئے رکیں گے، آگ بھی وہیں قیلولہ کرے گی، جہاں وہ لوگ رات گزرایں گے وہیں ان کے ساتھ ہی رات گزارے گی، جہاں وہ لوگ صبح کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ صبح کرے گی اور جہاں وہ لوگ شام کریں گے وہیں آگ بھی ان کے ساتھ شام کرے گی۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ، جلد پنجم: حدیث نمبر 107)

ملاعلی قاری کے مطابق "تین قسموں" میں سے ایک یعنی پہلی قسم کے لوگ تو سوار ہوں گے اور باقی دونوں قسموں کے لوگ پیدل اور منہ کے بل چلنے والے ہوں گے جیسا کہ آگے دوسری فصل میں آنے والی حدیث سے واضح ہوگا! لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ پہلی دونوں قسموں کے لوگ سواریوں پر ہوں گے اور باقی تمام لوگ پیدل چلتے ہوئے آئیں گے، نیز انہوں نے کہا ہے کہ اونٹ سواریوں کی مذکورہ تعدادوں کا ذکر دراصل ان دونوں قسموں کے لوگ کے فرقی مراتب کی تفصیل کو بطور کنایہ و تمثیل بیان کرنے کے لئے ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ عالی مرتبہ ہوگا وہ اتنی ہی زیادہ راحت وسہولت اور سرعت وسبقت کے ساتھ میدان حشر میں پہنچے گا۔ پہلی دونوں قسموں کا تعلق اہل ایمان سے ہے جن میں سے ایک تو وہ لوگ ہوں گے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے امیدوار رہتے ہیں اور اس نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتوں کا جو وعدہ کیا ہے اس کا اشتیاق ان پر غالب رہتا ہے اور یہ وہ بندگان خاص ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے لا خوف علیهم ولا هم یحزنون اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اس کے اشتیاق میں کی جانے والی طاعت وعبادت اس طاعت وعبادت سے افضل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے کی جائے۔ "چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر ہوں گے۔" چار اور دس کے درمیان کے دوسرے اعداد کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ ان کو ذکر کردہ اعداد پر قیاس کر کے مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے! اسی طرح "ایک اونٹ پر ایک آدمی کا سوار ہونا" ذکر نہیں کیا گیا ہے جب کہ یقینی طور پر محشر میں آنے والوں میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو اپنے اپنے اونٹ پر تنہا ہوں گے اور ان کی سواری میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوگا! تو اصل بات یہ ہے کہ وہ انبیاء اور رسولوں کا مرتبہ ہے اور یہاں انبیاء اور رسولوں کے حشر کا نہیں بلکہ "لوگوں" کے حشر کا ذکر کرنا مقصود ہے! ایک بات یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ایک ایک اونٹ پر دو اور دو سے زائد لوگوں کے سوار ہونے کی دونوں صورتیں محتمل ہوسکتی ہیں یا تو یہ ہوگا کہ ایک اونٹ جتنے لوگوں کی سواری کے لئے متعین ہوگا وہ سب لوگ اس پر ایک ساتھ بیٹھیں گے اور یا یہ ہوگا کہ تناوب (باری متعین کرنے) کے طور پر بیٹھیں گے، کہ ہر شخص باری باری سے سوار ہوتا رہے گا۔ اب آخر میں یہ بات جان لیجئے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ یہاں حدیث میں لوگوں کو محشر میں جمع کئے جانے کا جو ذکر ہے اس کا تعلق کس وقت سے ہے؟ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ اس حشر کا ذکر ہے جو قیامت کے دن آخرت میں برپا ہوگا اور ہر شخص کو دوبارہ زندہ کر کے محشر میں لایا جائے گا، جب کہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ آخرت کے حشر کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہ "حشر" مراد ہے جو قیامت کے قریب واقع ہوگا کہ لوگوں کو تمام علاقوں سے اکٹھا کر کے ملک شام کے علاقہ میں ایک جگہ کہ جس کو "محشر" ہی

سے تعبیر کیا گیا ہے جمع کیا جائے گا اور جس کو قیامت کی علامت میں سے کہا گیا ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آخرت میں جو حشر ہوگا اس میں تمام لوگ پا پیادہ ہوں گے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ آخرت میں کئی حشر ہوں گے ایک تو قبر سے نکلتے وقت اور تمام لوگوں کے دوبارہ زندہ کیئے جانے کے فورا بعد اور دوسرا حشر اس کے بعد ہوگا! اس میں بعضوں کو سواریاں ملیں گی اور بعض پیدل اور بعض منہ کے بل چل کر آئیں گے! بہر حال زیادہ صحیح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا حشر مراد ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝
اور کیا اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، جن کے رہنے کی
جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ بلا شبہ اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں، تو کیا یہ نہیں سنتے ؟

سابقہ اقوام کفر کی ہلاکت کے سبب عبرت حاصل کرنے کا بیان

"أَوَ لَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلهمْ" أَيْ يَتَبَيَّن لِكُفَّارِ مَكَّة إهْلَاكنَا كَثِيرًا "مِنْ الْقُرُون" الْأُمَم بِكُفْرِهِمْ "يَمْشُونَ" حَال مِنْ ضَمِير لَهُمْ "فِي مَسَاكِنهمْ" فِي أَسْفَارهمْ إلَى الشَّام وَغَيْرهَا فَيَعْتَبِرُوا "إنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات" دَلَالَات عَلَى قُدْرَتنَا "أَفَلَا يَسْمَعُونَ" سَمَاع تَدَبُّر وَاتِّعَاظ،

اور کیا اس بات نے ان کفار مکہ کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، یعنی کتنی کثیر اقوام کو ان کے کفر کے سبب ہلاک کر دیا ہے۔ جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یہاں پر یمشون لھم ضمیر سے حال ہے۔ یعنی جب وہ اپنے سفروں میں شام وغیرہ کی طرف جاتے ہیں پس وہ عبرت حاصل کریں۔ بلا شبہ اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہماری قدرت پر ہیں، تو کیا یہ نہیں سنتے ؟ تا کہ سن کو غور وفکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔

دریائے نیل کے نام عمر بن خطاب رضی اللہ کا خط

کیا یہ اس کے ملاحظہ کے بعد بھی راہ راست پر نہیں چلتے کہ ان سے پہلے کے گمراہوں کو ہم نے تہہ وبالا کر دیا ہے۔ آج ان کے نشانات مٹ گئے۔ انہوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا اللہ کی باتوں سے بے پرواہی کی۔ اب یہ جھٹلانے والے بھی ان ہی کے مکانوں میں رہتے سہتے ہیں۔ ان کی ویرانی ان کے اگلے مالکوں کی ہلاکت ان کے سامنے ہے۔ لیکن تاہم یہ عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اسی بات کو قرآن حکیم نے کئی جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ غیر آباد کھنڈر یہ اجڑے ہوئے محلات تو تمہاری آنکھوں کو اور تمہارے کانوں کو کھولنے کے لئے اپنے اندر بہت سی نشانیاں رکھتے ہیں۔ دیکھ لو کہ اللہ کی باتیں نہ ماننے کا رسولوں کی تحقیر کرنے کا کتنا بد انجام ہوا؟ کیا تمہارے کان ان کی خبروں سے نا آشنا ہیں۔ پھر جناب باری تعالیٰ اپنے لطف وکرم کو احسان وانعام کو بیان فرما رہا ہے کہ آسمان

سے پانی اتارتا ہے پہاڑوں سے اونچی جگہوں سے سمٹ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعہ ادھر ادھر پھیل جاتا ہے۔ بنجر غیر آباد زمین میں اس سے ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ خشکی تری سے موت زیست سے بدل جاتی ہے۔ گو مفسرین کا قول یہ بھی ہے کہ جزر مصر کی زمین ہے لیکن یہ ٹھیک ہے۔ ہاں مصر میں بھی ایسی زمین ہو تو ہو آیت میں مراد تمام وہ حصے ہیں جو سوکھ گئے ہوں جو پانی کے محتاج ہوں سخت ہو گئے ہوں زمین یبوست (خشکی) کے مارے پھٹنے لگی ہو۔ بیشک مصر کی زمین بھی ایسی ہے دریائے نیل سے وہ سیراب کی جاتی ہے۔ حبش کی بارشوں کا پانی اپنے ساتھ سرخ رنگ کی مٹی کو بھی گھسیٹتا جاتا ہے اور مصر کی زمین جو شور اور ریتلی ہے وہ اس پانی اور اس مٹی سے کھیتی کے قابل بن جاتی ہے۔

اور ہر سال پر فصل کا غلہ تازہ پانی سے انہیں میسر آتا ہے جو ادھر ادھر کا ہوتا ہے۔ اس حکیم و کریم منان و رحیم کی یہ سب مہربانیاں ہیں۔ اسی کی ذات قابل تعریف ہے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بوائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں کسی کو دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارہویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اسکا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔ سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر نے جواب دیا کہ یہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے۔

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لیے آیا ہے تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے لیکن دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک رہا۔ لوگ تنگ آ کر ارادہ کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں۔ یہاں کی بود و باش ترک کر دیں اب فاتح مصر کو خیال گذرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط اللہ کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ بعد حمد و صلوۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تب تو خیر نہ چل اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔

یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گذرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا۔ (کتاب السنہ، تفسیر ابن کثیر، سورہ سجدہ، بیروت)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝
اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم پانی کو چٹیل زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس کے ذریعے
کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے کھاتے ہیں اور وہ خود بھی، تو کیا یہ نہیں دیکھتے؟

زمینی احوال ونباتات سے دلائل قدرت کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوق الْمَاء إِلَى الْأَرْض الْجُرُز " الْيَابِسَة الَّتِي لَا نَبَات فِيهَا "فَنُخْرِج بِهِ زَرْعًا تَأْكُل مِنْهُ أَنْعَامهم وَأَنْفُسهم أَفَلَا يُبْصِرُونَ" هَذَا فَيَعْلَمُونَ أَنَّا نَقْدِر عَلَى إِعَادَتهمْ

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم پانی کو چٹیل زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، یعنی ایسا خشک کر دیتے ہیں جس میں کوئی نباتات نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ذریعے یعنی پانی کے ذریعے کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے وہ خود اور ان کے چوپائے کھاتے ہیں، تو کیا یہ نہیں دیکھتے؟ یعنی وہ یہ کیوں نہیں جانتے۔ کہ ہم ان کو لوٹانے پر قادر ہیں۔

یعنی بارش کا ریلا یا نہروں کا پانی جب بنجر زمین کو سیراب کرتا ہے تو بے آب وگیاہ اور بنجر زمین بھی لہلہانے لگتی ہے۔ اس پر بہار آ جاتی ہے۔ جس سے ہر قسم کے جانداروں کو رزق مہیا ہوتا ہے۔ بعینہ یہی صورت وحی الٰہی کی بارش کی بھی ہوتی ہے۔ خطہ عرب جس میں توحید کی آواز نکالنا بھی اپنے لئے مصائب کو دعوت دینے کے مترادف ہیں۔ اور لوگوں کے دل حق کی دعوت کو قبول کرنے کے سلسلہ میں بالکل مردہ ہو چکے ہیں۔ اگر بارش کا ریلا بنجر زمین کو لہلہاتے کھیت میں تبدیل کر سکتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطہ وحی کی بارش سے توحید کی اواز سے لہلہانے لگے مردہ لوگوں میں زندگی عود کر آئے۔ لوگ سمجھنے سوچنے لگ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اسلام کو اتنا فروغ بخشے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جائیں۔ پھر اسلام کی برکات سے صرف انسان ہی نہیں اللہ کی ساری مخلوق مستفید اور سرشار ہو جائے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝
اور وہ کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ آپ فرما دیں: فیصلہ کے دن نہ کافروں کو ان کا ایمان فائدہ دے گا
اور نہ ہی انھیں مہلت دی جائے گی۔ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کیجئے، وہ بھی یقیناً انتظار کر رہے ہیں۔

قیامت کے دن کفار کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہونے کا بیان

"وَيَقُولُونَ" لِلْمُؤْمِنِينَ "مَتَى هَذَا الْفَتْح" بَيْننَا وَبَيْنكُمْ "قُلْ يَوْم الْفَتْح" بِإِنْزَالِ الْعَذَاب بِهِمْ "لَا يَنْفَع

الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ" يُمْهَلُونَ لِتَوْبَةٍ أَوْ مَعْذِرَةٍ،
"فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ" إِنزَالَ الْعَذَابِ بِهِمْ "إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ" بِكَ حَادِثَ مَوْتٍ أَوْ قَتْلٍ فَيَسْتَرِيحُونَ مِنْكَ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ،

اور وہ اہل ایمان سے کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا، جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہے اگر تم سچے ہو؟ آپ فرمادیں: فیصلہ کے دن یعنی جس میں ان پر عذاب آنا ہے نہ کافروں کو ان کا ایمان فائدہ دے گا اور نہ ہی انھیں توبہ ومعذرت کی مہلت دی جائے گی۔ پس آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان پر عذاب نازل ہونے کا انتظار کیجئے، وہ بھی یقیناً انتظار کررہے ہیں۔ یعنی آپ کے وصال یا قتل کا انتظار کررہے ہیں تا کہ وہ آپ سے راحت پائیں۔ اور یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔

توبہ ومعذرت کی فیصلہ کے دن سے یاروز قیامت مراد ہے یاروز فتح مکہ یاروز بدر برتقدیر اوّل اگر روز قیامت مراد ہوتو ایمان کا نافع نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ ایمان وہی مقبول ہے جو دنیا میں ہو اور دنیا سے نکلنے کے بعد نہ ایمان مقبول ہوگا نہ ایمان لانے کے لئے دنیا میں واپس آنا میسر آئے گا اور اگر فیصلہ کے دن سے روز بدر یاروز فتح مکہ مراد ہوتو معنی یہ ہیں کہ جبکہ عذاب آ جائے اور وہ لوگ قتل ہونے لگیں تو حالت قتل میں ان کا ایمان لانا قبول نہ کیا جائے گا اور نہ عذاب مؤخر کر کے انھیں مہلت دی جائے چنانچہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو قوم بنی کنانہ بھاگی حضرت خالد بن ولید نے جب انھیں گھیرا اور انہوں نے دیکھا کہ اب قتل سر پر آ گیا کوئی امید جاں بری کی نہیں تو انہوں نے اسلام کا اظہار کیا، حضرت خالد نے قبول نہ فرمایا اور انھیں قتل کردیا۔ (جمل، سورہ سجدہ، بیروت)

سورہ سجدہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ سجدہ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب

یہ قرآن مجید کی سورت الاحزاب ہے

سورہ احزاب کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الْأَحْزَاب (مَدَنِيَّة وَ آيَاتهَا 73 نَزَلَتْ بَعْد آل عِمْرَان)

سورہ احزاب مدنیہ ہے، اس میں نو رکوع، تہتر آیتیں اور ایک ہزار دو سواسّی کلمے اور پانچ ہزار سات سو نوّے حروف ہیں۔ اور یہ سورت آل عمران کے بعد نازل ہوئی ہے۔

زر سے بحوالہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم لوگ سورت احزاب کی کتنی آیتیں پڑھتے ہو؟ زر نے جواب دیا کہ ستر سے کچھ زائد آیتیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سورت جب پڑھی تھی تو یہ سورت بقرہ کے برابر یا اس سے بھی زیادہ تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی (کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد و عورت بدکاری کا ارتکاب کریں تو انہیں لازماً رجم کر دو یہ سزا ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے)۔

(مسند احمد: جلد نہم: حدیث نمبر 1334)

سورہ احزاب کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں غزوہ احزاب کا ذکر آیا ہے جس کے سبب یہ سورت احزاب کے نام سے معروف ہوئی ہے۔ احزاب، حزب کی جمع ہے، جس کے معنی پارٹی یا جماعت کے آتے ہیں۔ اس غزوہ میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو ختم کر دینے کا معاہدہ کر کے مدینہ پر چڑھ آئی تھیں، اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوہ احزاب رکھا گیا ہے۔

غزوہ احزاب میں نبی کریم ﷺ کی شرکت کا بیان

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودے جانے کے دن خود بنفس نفیس مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے یعنی غزوہ احزاب کے موقع پر جب خندق کھودی جا رہی تھی تو سرکار دو عالم بنفس نفیس سارے کام میں شریک تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ بھی بڑے بڑے پتھر اٹھاتے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہو گیا تھا اور اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ رجزیہ کلام پڑھتے جاتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ خدا کی قسم اگر اللہ کی ہدایت نہ ہوتی تو ہم راہ راست نہیں پا سکتے تھے نہ ہم صدقہ دے سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے تھے۔ پس اے اللہ ہم پر وقار اور اطمینان

نازل فرما اور جب دشمنان دین سے ہماری مڈ بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ بے شک کفار مکہ نے ہم پر اس لئے زیادتی کی ہے جب وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنے یعنی کفر کی طرف واپس لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اشعار کو بلند آواز سے پڑھتے تھے خصوصا ابینا ابینا پر آواز بلند ہو جاتی تھی۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 730)

یرفع بھا صوتہ میں بھا کی ضمیر لفظ ابینا کی طرف راجع ہے اور ابینا ابینا سے پہلے لفظ قائلا مقدر ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان اشعار کو پڑھتے تو آخر میں لفظ ابینا کو بار بار دہراتے اور اس وقت آپ کی آواز کو زیادہ بلند کرتے اور اس سے مقصد اس لفظ کے مفہوم کو مؤکد کرنا، تلذذ و حظ حاصل کرنا اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں اور کافروں کے کانوں تک پہنچانا تھا۔ طیبی نے یہ لکھا ہے کہ بھا کی ضمیر ان اشعار کی طرف راجع ہے اور ابینا ابینا اس جملہ میں حال واقع ہو رہا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ تمام اشعار کو با آواز بلند پڑھتے تھے اور لفظ ابینا پر پہنچ کر آواز کو خصوصیت سے بلند کر دیتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ
اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی مکرم ﷺ) اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا اور کافروں
اور منافقوں کی نہ سننا، بیشک اللہ علم و حکمت والا ہے۔

کفار و منافقین کی اتباع سے ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ اتَّقِ اللَّه" دُمْ عَلَى تَقْوَاهُ "وَلَا تُطِعْ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ" فِيمَا يُخَالِف شَرِيعَتك "إنَّ اللَّه كَانَ عَلِيمًا" بِمَا يَكُون قَبْل كَوْنه "حَكِيمًا" فِيمَا يَخْلُقهُ

اے نبی ﷺ! اللہ سے ڈرتے رہو یعنی اس کے تقویٰ پر برقرار رہو اور کافروں اور منافقین کی پیروی نہ کرو، اس چیز کے بارے میں جو وہ تمہاری شریعت کی مخالفت میں کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کا علم رکھتا ہے جو ہوگی اس کے ہونے سے پہلے علم رکھتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی تخلیق حکمت کا علم رکھنے والا ہے۔

سورہ احزاب کے شان نزول کا بیان

ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی جنگ اُحد کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے اور منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبَی بن سلول کے یہاں مقیم ہوئے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کے لئے امان حاصل کر کے انہوں نے یہ کہا کہ آپ لات، عزّیٰ، منات وغیرہ بتوں کو جنہیں مشرکین اپنا معبود سمجھتے ہیں کچھ نہ فرمایئے اور یہ فرما دیجئے کہ ان کی شفاعت ان کے پجاریوں کے لئے ہے اور ہم لوگ آپ کو اور آپ کے رب کو کچھ نہ کہیں گے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی یہ گفتگو بہت ناگوار ہوئی اور مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میں انہیں امان دے چکا ہوں اس لئے قتل نہ کرو، مدینہ شریف سے نکال دو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکال دیا۔ اس پر یہ آیت

کریمہ نازل ہوئی اس میں خطاب تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے اور مقصود ہے آپ کی امت سے فرمانا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امان دی تو تم اس کے پابند رہو اور نقضِ عہد کا ارادہ نہ کرو اور کفار و منافقین کی خلاف شرع بات نہ مانو۔

یعنی ہماری طرف سے خبریں دینے والے، ہمارے اسرار کے امین، ہمارا خطاب ہمارے پیارے بندوں کو پہنچانے والے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ" کے ساتھ خطاب فرمایا جس کے یہ معنی ہیں جو ذکر کیے گئے نامِ پاک کے ساتھ، یَا مُحَمَّدُ ذکر فرما کر خطاب نہ کیا جیسا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو خطاب فرمایا ہے اس سے مقصود آپ کی تکریم اور آپ کا احترام اور آپ کی فضیلت کا ظاہر کرنا ہے۔ (مدارک، سورہ احزاب، بیروت)

وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ
وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ۝
اور آپ اس کی پیروی جاری رکھیئے جو آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے، بیشک اللہ ان کاموں
سے خبردار ہے جو تم انجام دیتے ہو۔ اور آپ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

وحی کی اتباع اور توکل کرنے کا بیان

"وَاتَّبِعْ مَا یُوحَی إِلَیْكَ مِنْ رَبِّكَ" أَيْ الْقُرْآن "إِنَّ اللَّه كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا" وَفِي قِرَاءَة بِالتَّحْتَانِيَّة

"وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّه" فِي أَمْرك "وَكَفَى بِاَللَّهِ وَكِيلًا" حَافِظًا لَك وَأُمَّته تَبَع لَهُ فِي ذَلِكَ كُلّه

اور تم پیروی کرو اس چیز کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف وحی کی گئی ہے یعنی قرآن بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے باخبر ہے، ایک قرأت کے مطابق اسے "تحتانیہ" کے طور پر یَعْمَلُوْنَ (یعنی جمع مذکر حاضر کی بجائے جمع مذکر غائب کے صیغے کے طور پر پڑھا جائے گا)

اور تم اللہ پر توکل کرو اپنے معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کارساز ہونے کے حوالے سے کافی ہے، یعنی تمہاری حفاظت کرنے کے حوالے سے اس تمام معاملے میں نبی اکرم کی امت آپ کی تابع شمار ہوگی۔

قرآن وسنت کی اتباع کرنے کا بیان

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک پیٹ بھرا آدمی کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو (یعنی فقط قرآن ہی کو سمجھو اور اس پر عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے اللہ نے حرام کیا،

خبردار تمہارے لئے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا اور نہ کچلی رکھنے والے درندے اور نہ تمہارے لئے معاہد یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کا لقطہ حلال کیا ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو۔

اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند اس سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد) دارمی نے بھی ایسی روایت نقل کی ہے اور اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 160)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے اور جب میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو اس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دور ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اسے میں یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا
جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝
اللہ نے کسی آدمی کے لئے اس کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے، اور اس نے تمہاری بیویوں کو جنہیں تم ظہار کرتے ہوئے
ماں کہہ دیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنایا، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے بنایا، یہ سب تمہارے
منہ کی اپنی باتیں ہیں، اور اللہ حق بات فرماتا ہے، اور وہی (سیدھا) راستہ دکھاتا ہے۔

کسی بھی سینے میں دو دل نہ ہونے کا بیان

"مَا جَعَلَ اللّٰه لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفه" رَدًّا عَلَى مَنْ قَالَ مِنْ الْكُفَّار إنَّ لَهُ قَلْبَيْنِ يَعْقِل بِكُلٍّ مِنْهُمَا أَفْضَل مِنْ عَقْل مُحَمَّد "وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجكُمْ اللَّائِي" بِهَمْزَةٍ وَيَاء وَبِلَا يَاء "تُظَاهِرُونَ" بِلَا أَلِف قَبْل الْهَاء وَبِهَا وَالتَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل مُدْغَمَة فِي الظَّاء "مِنْهُنَّ" يَقُول الْوَاحِد مَثَلًا لِزَوْجَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي "أُمَّهَاتكُمْ" أَيْ كَالْأُمَّهَاتِ فِي تَحْرِيمهَا بِذَلِكَ الْمُعَدّ فِي الْجَاهِلِيَّة طَلَاقًا وَإِنَّمَا تَجِب بِهِ الْكَفَّارَة بِشَرْطِهِ كَمَا ذُكِرَ فِي سُورَة الْمُجَادَلَة "وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ" جَمْع دَعِيّ وَهُوَ مَنْ يُدَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ ابْنًا لَهُ "أَبْنَاءَكُمْ" حَقِيقَة "ذَلِكُمْ قَوْلكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ" أَيْ الْيَهُود وَالْمُنَافِقِينَ قَالُوا لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَب بِنْت جَحْش الَّتِي كَانَتْ امْرَأَة زَيْد بْن حَارِثَة الَّذِي تَبَنَّاهُ

النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوا : تَزَوَّجَ مُحَمَّد امْرَأَۃ ابْنه فَأَکْذَبَھُمْ اللّٰہ تَعَالٰی فِی ذٰلِکَ "وَاَللّٰہ یَقُول الْحَقّ" فِی ذٰلِکَ "وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیل" سَبِیل الْحَقّ،

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ یہ ان کفار کی تردید ہے جو یہ کہتے تھے کہ ان کے دو دل ہیں۔ جن میں سے ہر ایک سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور اس حوالے سے وہ عقل میں نبی اکرم سے بہتر ہیں اور اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) تمہاری بیویوں کو نہیں بنایا یہاں پر لفظ "الـلائی" ہمزہ اور "ی" کے ساتھ بھی ہے اور اس کے بغیر بھی۔ جن کے ساتھ تم ظہار کرتے ہو اس میں "ہ" سے پہلے "ا" ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی اور اصل میں دوسری "ت" کو "ظ" میں مدغم کیا گیا ہے، ان میں سے ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح قابل احترام ہو، (اپنی ماؤں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے) یعنی وہ حرمت میں ماؤں کی طرح ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ اسے طلاق شمار کرتے تھے لیکن اس کے ذریعے صرف کفارہ لازم ہوتا ہے جو شرائط کے ہمراہ ہے جس کا ذکر سورۃ "مجادلہ" میں کیا گیا ہے۔

اور اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) نہیں بنایا ہے جن کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے یہ لفظ "دعی" کی جمع ہے یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اس کے حقیقی باپ کی بجائے کوئی دوسرا شخص اپنے بیٹے کے طور پر بلائے، تمہارے بیٹے یعنی حقیقت کے اعتبار سے یہ تمہاری بات ہے جو تمہارے منہ سے تعلق رکھتی ہے یعنی یہودیوں اور منافقین (کی بات) جب انہوں نے یہ کہا جس وقت نبی اکرم نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی تھی جو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ اہلیہ تھیں جنہیں نبی اکرم نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، انہوں نے یہ کہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی (سابقہ) بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کو غلط قرار دیا اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے یعنی اس بارے میں اور وہ راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی حق کے راستے کی طرف۔

سورہ احزاب آیت ۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نماز کے لئے کھڑے تھے کہ آپ کو کوئی امر پیش آیا تو ان منافقین نے جو آپ کے ساتھ نماز میں شریک تھے کہا کیا تم دیکھتے نہیں ان کے دو دل ہیں ایک تمہارے ساتھ اور ایک اس کے ساتھ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ) خدا نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے۔ (سنن ترمذی رقم (3199)

سعید بن جبیر، مجاہد اور عکرمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص دو دل والا مشہور تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ قتادہ نے حسن سے اسی کے مثل روایت ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نقل کی ہے۔ وہ شخص کہا کرتا تھا کہ ایک دل مجھے حکم کرتا ہے اور ایک روکتا ہے۔

اور حضرت مجاہد سے ایک روایت اس طرح ہے کہ یہ آیت بنو فہم کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی وہ کہتا تھا کہ میرے سینے میں دو دل ہیں ان میں سے ہر ایک کے ذریعے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

سدی سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ قریش میں سے بنو جمح کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جس کا نام جمیل بن معمر تھا۔ (سیوطی 222۔طبری 21۔75۔زادالمسیر 6۔(348)

نیساپوری کہتے ہیں کہ یہ آیت جمیل بن معمر فھری کے متعلق نازل ہوئی یہ شخص بہت عقل مند تھا جو چیز سنتا اسے یاد ہو جاتی۔ قریش نے کہا اس نے یہ سب چیزیں اس لئے یاد کر لی ہیں کہ اس کے دو دل ہیں اور وہ خود بھی یہی دعویٰ کرتا کہ میرے دو دل ہیں جن میں سے ہر ایک ذریعے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر سمجھتا ہوں۔

جب غزوہ بدر ہوا اور مشرکین کو شکست ہوئی اور ان میں جمیل بن معمر بھی تھا تو ابوسفیان نے اسے اس حالت میں پایا کہ اس کا ایک جوتا اس کے ہاتھ میں اور ایک پاؤں میں تھا تو اس نے اس سے کہا اے ابو معمر لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا انہیں شکست ہوگئی۔ اس نے کہا تجھے کیا ہوا کہ تیرا ایک جوتا تیرے ہاتھ میں اور دوسرا پاؤں میں ہے؟ تو اس نے کہا میں تو یہی سمجھتا رہا کہ دونوں پاؤں میں ہیں اس دن لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنے ہاتھ میں جوتا نہ بھولتا۔

(قرطبی 14۔116، ابن کثیر 3۔(466)

قولہ تعالیٰ : وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ، اور نہ تمہارے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا۔ یہ آیت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی یہ رسول اللہ کے پاس تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وحی کے نزول سے قبل آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا جبکہ وہ اس سے پہلے زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں تو یہود اور منافقین نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا حالانکہ خود لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 292، سیوطی 223، درمنثور 5۔181، قرطبی 14۔(118)

سورہ احزاب آیت ۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

ابوظبیان کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے (مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ، (اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔ الاحزاب۔ آیت) انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ کوئی چیز بھول گئے چنانچہ منافقین جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہنے لگے تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ ان کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ اور ایک کسی اور کے ساتھ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ، الآیہ عبد بن حمید بھی احمد بن یونس سے وہ زہیر سے اسی کی مثل حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1147)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ
وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝
انھیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف کی بات ہے، پھر اگر تم ان کے باپ نہ جانو
تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس میں تم نے خطا کی اور لیکن
جو تمھارے دلوں نے ارادے سے کیا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

منہ بولے بیٹوں کو ان کے آباء کے نام سے پکارنے کا بیان

"اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَط" أَعْدَل "عِنْد اللّٰه فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانكُمْ فِي الدِّين وَمَوَالِيكُمْ" بَنُو عَمّكُمْ "وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاح فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ" فِي ذَلِكَ "وَلَكِنْ" فِي "مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبكُمْ" فِيهِ أَيْ بَعْد النَّهْي "وَكَانَ اللّٰه غَفُورًا" لِمَا كَانَ مِنْ قَوْلكُمْ قَبْل النَّهْي "رَحِيمًا" بِكُمْ فِي ذَلِكَ

تم انہیں ان کے (حقیقی) باپوں کے حوالے سے بلاؤ یہ انصاف یعنی عدل کے زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اگر تمہیں ان کے (حقیقی) باپوں کا پتہ نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور آزاد کردہ غلام ہیں۔ (مصنف کہتے ہیں یہاں لفظ ''مَوَالِيكُمْ'' کا مطلب) چچازاد ہے اور تم پر کوئی حرج نہیں اس چیز کے بارے میں جو تم غلطی سے کر لو اس حوالے سے، لیکن اس چیز کے بارے میں (حرج ہے) جو تم جان بوجھ کر کرو اس بارے میں یعنی اس کی ممانعت کے حکم کے بعد اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے، ممانعت سے پہلے تمہاری کہی ہوئی باتوں کی اور رحم کرنے والا ہے اس بارے میں تم پر۔

سورہ احزاب آیت ۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت سالم کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد ﷺ کہہ کر پکارا کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ) (سورۃ الاحزاب، الایۃ۔ (5) مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے ناموں سے پکارا کرو کہ خدا کے نزدیک یہی درست بات ہے۔ (بخاری رقم 4504، نیسابوری 293، ابن کثیر 3۔ (466)

قولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ) اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنایا۔ یہ آیت زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی یہ رسول اللہ کے پاس تھے آپ نے انہیں وحی کے نزول سے قبل آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا جب نبی نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا جبکہ وہ اس سے پہلے زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں تو یہود اور منافقین نے کہا محمد نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا حالانکہ خود لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں اور اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(نیسابوری 292، سیوطی 223، درمنثور 8۔ 181، قرطبی 14۔ (118)

حضرت سالم کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ، لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ خدا کے نزدیک یہی درست بات ہے۔ (بخاری 4504، نیسابوری 293)

قیامت کے دن باپ کے نام سے پکارا جائے گا

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ .(ابو داؤد، قَالَ أَبُو دَاوُد ابْنُ أَبِی زَكَرِيَّا لَمْ يُدْرِكْ أَبَا الدَّرْدَاءِ، بَاب فِی تَغْيِيرِ الْأَسْمَاءِ، حدیث نمبر ۴۲۹۷)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے نام کے ساتھ بلائے جاؤ گے؛ لہٰذا تم اپنے نام اچھے رکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس معاملہ میں فیصلہ کرنا چاہا جو بچہ اپنے باپ کے مرجانے کے بعد اس سے ملایا جائے یعنی اس باپ سے جس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور باپ کے وارث اس کو ملانا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا اگر وہ بچہ اس باندی سے ہے جس کا بوقت جماع اس کا باپ مالک تھا تو اس کا نسب ملانے والے سے مل جائے گا لیکن جو ترکہ اس کے ملائے جانے سے پہلے تقسیم ہو چکا ہے اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا البتہ جو ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا اس میں اس کا حصہ ہوگا مگر جب وہ باپ جس سے اس کا نسب ملایا جا رہا ہے اپنی زندگی میں اس کے نسب سے انکار کرتا رہا ہو تو وارثوں کے ملانے سے اس کا نسب نہیں ملے گا اور اگر وہ بچہ ایسی باندی سے ہو جس کا مالک اس کا باپ نہ تھا یا وہ بچی آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہو جس سے اس کے باپ نے زنا کیا تھا تو اس کا نسب نہ ملے گا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا اگرچہ اس کے باپ نے اپنی زندگی میں اس کا دعویٰ کیا ہو کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ وہ ولد الزنا ہے خواہ آزاد عورت کے پیٹ سے ہو یا باندی کے پیٹ سے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 499)

نیز سنن ابوداؤد میں پانچ مقام پر یہ حدیث انہی اسناد اور روایوں کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ درست یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے باپوں ہی کے نام سے بلایا جائے گا، ماؤں کے نام سے نہیں جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے بلکہ بعض علماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الادب میں ایک باب یوں قائم کیا ہے: باب ما یدعی الناس بآبائھم یعنی یہ بیان کہ لوگوں کو ان کے آباء کے ناموں سے بلایا جائے گا۔ اس باب کے تحت وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل حدیث لائے ہیں: ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فیقال : ھذہ غدرۃ فلان بن فلان.

(شرح البخاری لابن بطال: 9/354 وایضاً فتح الباری 10/56)

خائن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، سو کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی خیانت ہے۔

قیامت کے ماں یا باپ کے نام سے پکارنے میں بحث ونظر

علامہ ابن بطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان **ھذہ غدرۃ فلان بن فلان** میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے اور یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف ہے۔

اس حدیث کی بنا پر دیگر علماء نے بھی اس قول کے قائلین کا رد کیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک صریح حدیث بھی ہے مگر وہ اسنادی اعتبار سے ضعیف ہے اور وہ حدیث ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے: **انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم و اسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم**۔ یقیناً تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے نام سے بلائے جاؤ گے چنانچہ تم اپنے اچھے اچھے نام رکھو (اس حدیث کو امام احمد (5/194) ابوداؤد (4948) ابن حبان (7/528) اور بغوی (شرح السنۃ: 12/32) نے عبداللہ بن ابی زکریا کی سند سے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی سند ضعیف اس لیے ہے کہ ابن زکریا نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے جیسا کہ امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/577) میں کہا ہے اور حافظ منذری نے مختصر السنن (7/571) میں کہا ہے کہ ان کا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

جن بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کو اس کی ماں کے ناموں سے بلایا جائے گا باپ کے نام سے نہیں۔ ان کے درج ذیل دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: **قولہ سبحانہ و تعالی، یوم ندعو کل اناس بامامھم** (الاسراء: 7) جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ محمد بن کعب نے (بامامھم) کی تفسیر میں کہا ہے: قیل یعنی: **بامھاتھم** کہا گیا ہے یعنی ان کی ماؤں کے ناموں سے۔ ان کے اس قول کو امام بغوی اور امام قرطبی نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں تین حکمتیں ہیں، عیسی علیہ السلام کی وجہ سے، حسن اور حسین رضی اللہ عنھما کے شرف کی بنا پر، اولاد زنا کی عدم رسوائی کی وجہ سے۔

(معالم التنزیل للبغوی: 5/105 اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی 5/628)

یہ قول بلاشک باطل ہے۔ صحیح میں ابن عمر کی حدیث سے ثابت ہے اس کے بعد انہوں نے ابن عمر کی مذکورہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح زمخشری نے بھی امام کی تفسیر امہات سے کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: **و من بدع التفسیر ان الامام جمع الام، وان الناس یدعون بامھاتھم . . . .** (تفسیر الکشاف: 2/369) انوکھی تفسیروں میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ امام ام کی جمع ہے اور لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا۔

زمخشری کی اس انوکھی تفسیر کا رد نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

و لقد استبدع بدعا لفظا و معنی، فان جمع الام المعروف الامھات، اما رعایۃ عیسی (علیہ السلام) بذکر امھات الخلائق لیذکر بامہ فیستدعی ان خلق عیسی (علیہ السلام) من غیر اب

غمیزة فی منصبه، وذلك عكس الحقيقة، فان خلقه من غير اب كان له آية، و شرفا في حقه والله اعلم (الانتصاب فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال:2/369 بھامش الکشاف)۔

زمخشری نے لفظی اور معنوی بدعت ایجاد کی ہے، کیوں کہ ام کی معروف جمع امھات ہے۔رہا عیسی (علیہ السلام) کی رعایت کی خاطر لوگوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ ذکر کرنا تا کہ ان کی (عیسی علیہ السلام) کی ماں کا ذکر کیا جائے تو یہ امر اس بات کا متقاضی ہے کہ عیسی (علیہ السلام) کی بغیر باپ کے خلقت سے ان کے منصب پر حرف آتا ہے اور یہ حقیقت کے برعکس ہے کیوں کہ ان کا بغیر باپ کے پیدا کیا جانا، ان کے لیے معجزہ اور ان کے حق میں شرف ہے۔بعض دیگر علماء نے مذکورہ تمام حکمتوں کا رد کیا ہے اور بعض نے اس رد کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

(تفسیر روح المعانی للآلوسی، ج۱۵، ۲۲۱)

واضح رہے کہ امام کی معتبر مفسرین نے چار تفسیریں کی ہیں مگر ان میں سے سب سے معتبر تفسیر یہ ہے۔کہ امام سے مراد آدمی کا اعمال نامہ ہے کیوں کہ (یوم ندعو کل اناس بامامهم) کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔(فمن اوتی کتابہ بیمینہ) حافظ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے اور علامہ شنقیطی نے ان کی تائید کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:5/127 واضواء البیان:(2/322

فائدہ: امام کی تفسیر نبی اور پیشوا سے بھی کی گئی ہے۔حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: قال بعض السلف: هذا اكبر شرف لاصحاب الحديث لان امامهم الانبياء (تفسیر ابن کثیر:-(5/126 بعض سلف نے کہا ہے کہ یہ اصحاب حدیث کے لیے بہت بڑا اشرف ہے کیوں کہ ان کے امام انبیاء ہیں۔

دوسری دلیل: بعض واہی، سخت ضعیف قسم کی روایات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

1۔حدیث انس ؓ جس کے الفاظ یہ ہیں: يدعى الناس يوم القيامة بامهاتهم سترا من الله عز وجل عليهم (ابن عدی: 1/336 اور ان سے ابن جوزی نے الموضوعات 3/248)) میں روایت کیا ہے اور اس کو علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال 1/177)) میں ابن عدی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اس میں بامهاتهم کی بجائے باسماء امهاتهم ہے)

روز قیامت لوگوں کو اللہ عزوجل کی طرف سے ان پر پردہ پوشی کی وجہ سے ان کی ماؤں کے ساتھ بلایا جائے گا۔مگر اس حدیث کی سند ضعیف ہے (اس حدیث کی سند اسحاق بن ابراہیم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

امام جلال الدین سیوطی کا اس حدیث کی تقویت کی طرف رجحان ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث پر ابن جوزی کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے۔قلت : صرح ابن عدى بان الحديث منكر فليس بموضوع، وله شاهد من حديث ابن عباس رضى الله عنه اخرجه الطبرانى (التعقبات على الموضوعات (51)

میں کہتا ہوں ابن عدی نے صراحت کی ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔چنانچہ یہ موضوع نہیں اور اس کا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک شاہد ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔قلت: اس حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں: ان الله تعالى يدعو

الناس یوم القیامة باسمائهم سترا منه علی عباده (طبرانی نے المعجم الکبیر 11/122)) میں روایت کیا ہے)

یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان پر پردہ پوشی کی خاطر ان کے ناموں سے بلائے گا مگر یہ حدیث درج ذیل دو وجوہ کی بنا پر شاہد بننے کے قابل نہیں: اس میں لوگوں کو ان کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر ہے ماؤں کے ناموں سے بلائے جانے کا ذکر نہیں۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔ (کیوں کہ اس کی سند میں اسحاق بن بشیر ابوحذیفہ بخاری ہے جو متروک بلکہ کذاب ہے۔ البانی نے اس کو الضعیفہ 434)) میں موضوع کہا ہے)

تنبیہ: حافظ ابن حجر نے فتح الباری (10/563) میں ابن بطال کا یہ قول: فی هذا الحدیث رد لقول من زعم انهم لا یدعون یوم القیامة الا بامهاتهم سترا علی ابائهم. (شرح البخاری لابن بطال: 9/354)

اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کا رد ہے جن کا خیال ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلایا جائے گا کیوں کہ اس میں ان کے باپوں پر پردہ پوشی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: قلت: هو حدیث اخرجه الطبرانی من حدیث ابن عباس وسنده ضعیف جدا، واخرج ابن عدی من حدیث انس مثله، وقال: منکر اورده فی ترجمة اسحاق بن ابراهیم الطبری. (فتح الباری (10/563))

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ ابن عدی نے اس جیسی حدیث انس سے بھی روایت کی ہے اور اسے منکر غیر صحیح کہا ہے۔ انہوں نے اس کو اسحاق بن ابراہیم طالقانی طبری کے ترجمے میں روایت کیا ہے۔۔

قلت: حدیث ابن عباس میں باسمائهم ہے بامهاتهم نہیں۔ اسی طرح ان کا حدیث انس مثلہ بھی کہنا درست نہیں کیوں کہ اس حدیث میں بامھاتھم ہے۔ یہی وہم علامہ ابوالطیب عظیم آبادی سے بھی ہوا ہے کہ انہوں نے حدیث ابن عباس کو لفظ بامهاتهم سے ذکر کیا ہے۔ نیز ان سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے حاشیۃ السنن میں کہا ہے جبکہ ابن قیم نے حدیث ابن عباس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ انہوں نے حدیث ابوامامہ کا ذکر کیا ہے جو عنقریب آ رہی ہے۔ (عون المعبود: 8/283 اور تہذیب السنن، ج ۷، ص ۲۵۰)

2۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنھما: اس حدیث کا ابھی حدیث انس کے ضمن میں ذکر ہوا اور یہ بھی بیان ہوا کہ دو وجوہ کی بنا پر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں۔

3۔ حدیث ابوامامہ: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں میت کو دفن کر دینے کے بعد اسے تلقین کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اذا مات احدکم من اخوانکم فسویتم التراب علی قبره فلیقم احدکم علی راس قبره ثم لیقل: یا فلان بن فلانة فانه یسمعه، ولا یجیب ثم یقول: یا فلان بن فلانة. وفی آخره. فقال رجل: یا رسول الله فان لم یعرف امه قال: فینسبه الی حواء، یا فلان بن حواء (طبرانی نے المعجم

الکبیر/8/298) حدیث نمبر:8989) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند سخت ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے۔

جب تمہارے بھائیوں میں سے کوئی مرجائے اور تم اس کی قبر پر مٹی کو برابر کرلو تو تم میں سے کوئی ایک اس کی قبر کے سر پر کھڑا ہو، پھر کہے، اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے، سو یقیناً وہ اس کی بات کو سنتا ہے لیکن جواب نہیں دے پاتا۔ پھر کہے اے فلاں، فلاں عورت کے بیٹے،، (اور اس حدیث کے آخر میں ہے) ایک آدمی نے سوال کیا! یا رسول اللہ ﷺ! اگر وہ اس کی ماں کو نہ جانتا ہو؟ فرمایا، وہ اس کو حواء کی طرف منسوب کرے کہے، اے فلاں حواء کے بیٹے مگر اس حدیث سے حجت لینا درست نہیں کیوں کہ یہ سخت ضعیف ہے (طبرانی نے سعید بن عبداللہ الاودی کی سند سے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حافظ ہیثمی نے کہا ہے وفی اسنادہ جماعۃ لم اعرفہ (مجمع الزوائد:/483) اس کی سند میں ایک جماعت ایسی ہے جن کو پہچان نہیں سکا۔ یعنی ان کو ان کے تراجم نہیں ملے)

ابن القیم نے اس حدیث کو اس لیے بھی رد کیا ہے کہ صحیح احادیث کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ولکن هذا الحديث متفق على ضعفه، فلا تقوم به حجة فضلا عن ان يعارض به ما هو اصح منه (تہذیب السنن:7/250) لیکن اس حدیث کے ضعف پر اتفاق ہے لہٰذا اس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ اس کو صحیح حدیث کے مقابلے میں لایا جائے۔

قلت: اس حدیث کا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی رد ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے: استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت، فانه الآن يسال (ابوداؤد: 3221 الحاکم:1/ 370 اس کی سند حسن درجے کی ہے اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور امام ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔ اس حدیث معلوم ہوا کہ اس موقع پر میت کے لیے استغفار اور ثابت قدمی کا سوال کیا جائے گا نہ کہ اس کو تلقین کی جائے گی۔ ابن علان نے اس حدیث کو حدیث ابی امامہ کے شواہد میں ذکر کیا ہے۔ (الفتوحات الربانیہ (4/196)

اور کس قدر عجیب بات ہے کیوں کہ استغفار، ثابت قدمی اور تلقین میں بہت فرق ہے اور صحیح احادیث سے جو تلقین ثابت ہے وہ قریب الموت آدمی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا: لقنوا موتاكم لا اله الا الله (صحیح مسلم 6/219 230) اپنے مردوں کو (قریب المرگ لوگوں کو) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی قابل اعتماد حدیث ایسی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ روز قیامت آدمی کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا بلکہ عبداللہ بن عمرؓ کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اس کے باپ کے نام سے بلایا جائے گا۔ بعض علماء نے ان روایات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے وہ یوں کہ جس حدیث میں باپ کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ صحیح النسب آدمی کے بارے میں ہوا اور جس میں ماں کے نام سے بلائے جانے کا ذکر ہے وہ دوسرے آدمی کے بارے میں ہے۔ یا یہ کہ کچھ آدمی لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے اور کچھ لوگوں کو ان کے ماں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اس جمع یا تطبیق کو عظیم آبادی

نے علقمی سے نقل کیا ہے۔(عون المعبود:8/283)

بعض نے ایک دوسرے طریقے سے تطبیق دی ہے، وہ یہ کہ خائن کو اس کے باپ کے نام سے اور غیر خائن کو اس کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا اور اس کی جمع کو ابن علان نے شیخ زکریا سے نقل کیا ہے۔(الفتوحات الربانیہ:6/104)

بعض نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہ اس آدمی کے بارے میں ہے۔ جو ولد الزنا نہ ہو یا لعان سے اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔(الفتوحات الربانیہ:6/104)

مگر یہ سب تکلفات ہیں کیوں کہ جمع اور تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دونوں طرف کی روایات صحیح ہوتیں جب کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو روایات ہیں وہ انتہائی ضعیف قسم کی ہیں۔ نیز اصل یہ ہے کہ آدمی کو اس کے باپ ہی کے نام سے پکارا جائے گا، ابن بطال لکھتے ہیں:

والدعاء بالآباء اشد فی التعریف و ابلغ فی التمیز وبذلك نطق القرآن و السنة ۔(شرح البخاری لابن بطال:9/354) باپوں کے نام سے بلانا پہچان میں زیادہ واضح اور تمیز میں زیادہ بلیغ ہے اور قرآن وسنت بھی اسی پر شاہد ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا
اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝
یہ نبی (مکرم ﷺ) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں اور آپ کی اَزواجِ (مطہرات) ان کی مائیں
ہیں، اور خونی رشتہ دار اللہ کی کتاب میں (دیگر) مومنین اور مہاجرین کی نسبت (تقسیم وراثت میں) ایک دوسرے کے زیادہ
حق دار ہیں سوائے اس کے کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو، یہ حکم کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہونے کا بیان

"النَّبِیّ أَوْلَی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنْفُسهمْ" فِیمَا دَعَاهُمْ إلَیْهِ وَدَعَتْهُمْ أَنْفُسهمْ إلَی خِلَافه "وَأَزْوَاجه أُمَّهَاتهمْ" فِی حُرْمَة نِكَاحهنَّ عَلَیْهِمْ "وَأُولُو الْأَرْحَام" ذَوُو الْقَرَابَات "بَعْضهمْ أَوْلَی بِبَعْضٍ" فِی الْإِرْث "فِی كِتَاب اللّٰه مِنْ الْمُؤْمِنِینَ وَالْمُهَاجِرِینَ" أَیْ مِنْ الْإِرْث بِالْإِیمَانِ وَالْهِجْرَة الَّذِی كَانَ أَوَّل الْإِسْلَام فَنُسِخَ "إلَّا" لَكِنْ "أَنْ تَفْعَلُوا إلَی أَوْلِیَائِكُمْ مَعْرُوفًا" بِوَصِیَّةٍ فَجَائِز "كَانَ ذَلِكَ" أَیْ نَسْخ الْإِرْث بِالْإِیمَانِ وَالْهِجْرَة بِإِرْثِ ذَوِی الْأَرْحَام "فِی الْكِتَاب مَسْطُورًا" وَأُرِیدَ بِالْكِتَابِ فِی الْمَوْضِعَیْنِ اللَّوْح الْمَحْفُوظ.

"نبی مکرم ﷺ مومنین کے نزدیک ان کی جان سے زیادہ قریب ہیں اس بارے میں جس کی طرف انہوں نے ان لوگوں کو

دعوت دی اور ان کے نفس نے اس کے خلاف کی طرف بلایا اور اس (نبی) کی ازواج ان (مومنین) کی مائیں ہیں یعنی ان کے ساتھ شادی کرنے کے حرام ہونے کے اعتبار سے اور وہ رشتے دار ہیں یعنی قرابت دار ہیں ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوگا یعنی وراثت میں۔ اللہ کی کتاب میں (یہ حکم موجود ہے) مومنین کے لئے اور ہجرت کرنے والوں کے لئے یعنی وراثت کے حکم کا تعلق ایمان اور ہجرت کے ساتھ ہے۔ جو ابتداء اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا البتہ اگر تم اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو یعنی وصیت کرو تو یہ جائز ہے' وہ تھا یعنی ایمان اور ہجرت کی وجہ سے وراثت کا حکم (منسوخ ہوگیا) قریبی رشتے داروں کو وارث قرار دینے (کے حکم کے ذریعے) کتاب میں لکھا ہوا، یہاں دونوں جگہ پر کتاب سے مراد "لوح محفوظ" ہے۔

تمام لوگوں سے بڑھ کر نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 6)

محبت "ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی وفطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت ومناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار آدمی دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا لینا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری کو ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ کا طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی آدمی کے جسم کا کوئی حصہ پھوڑے پھنسی کے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر زنی کو پسند کرتی ہے، بلکہ یہ عقل ودانائی کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو "عقلی محبت" سے تعبیر کرتے ہیں، بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے وہ علماء ومحدثین کے نزدیک یہی "عقلی محبت" ہے لیکن کمال ایمان ویقین کی بنا پر یہ "عقلی محبت" اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس کی قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ "طبعی محبت" پر غالب آ جائے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضا ومحبت کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطہ نظر سے بہت بڑا مقام ہے اور یہ

مقام اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب ایمان و اسلام اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کردے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔

مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔ اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کرلے کہ اس کی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگی جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کرلینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ باپ کی محبت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے، جس آدمی میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت وچاہت بھی بے معنی ہو، وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان واسلام کا کتنا ہی بڑا دعوی کرے۔

حضرت عمر فاروق کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا "یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں" یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میری جان ہے تم اب بھی کامل مومن نہیں ہوئے اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہوجاؤں"۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمر فاروق کے دل ودماغ کی دنیا تبدیل کردی ہو، وہ بے اختیار بولے۔ "یا رسول اللہ ﷺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو خوشخبری سنائی کہ اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم پکے مومن ہوگئے۔" اور صرف عمر فاروق ہی نہیں، تمام صحابہ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانوں کو نچھاور کردینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بلاشک صحابہ کے لئے شمع کی سی تھی جس پر وہ پروانہ وار نچھاور ہونا ہی اپنی سعادت وخوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے

ہوئے ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام اجمعین کی جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جرار نے پوری قوت اور طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل دہلا دینے والی خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ پر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کے کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ وشیون اور ماتم وفریاد کرتی اس نے سب سے پہلے سوال کیا: "خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟"۔ لوگوں نے کہا۔ ہاں "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں" مگر اس سے اس کی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی: "اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کر لوں تو یقین ہوگا" اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کر لی تو بولی: کل مصیبۃ بعدک جلل۔ جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔" ایک مرتبہ ایک آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیسے کر سکیں گی۔

جب ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء ۶۹) " جو لوگ اللہ ورسول کا کہنا مانتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ خوشخبری سنا دی۔ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آ کر پریشانی والی خبر سنائی کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ عشق نبوی سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لا سکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوندا اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کر دے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ومنور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنۃ)۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وتعلق کا وہی مقام حاصل تھا جو اس حدیث کا منشاء ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایمان کی سلامتی اور اپنے اسلام میں مضبوطی پیدا کرنا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت سے اپنے دل کو معمور کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا

ہونے ہی کو مدار نجات جانے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا معیار اتباع شریعت اور اتباع رسول ہے جو آدمی شریعت پر عمل نہیں کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر نہیں چلتا، وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
اور (اے حبیب! یاد کیجئے) جب ہم نے انبیاء سے ان (کی تبلیغ رسالت) کا عہد لیا اور (خصوصاً) آپ سے اور نوح سے
اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) سے اور ہم نے ان سے نہایت پختہ عہد لیا، تاکہ (اللہ) سچوں سے
ان کے سچ کے بارے میں دریافت فرمائے، اور اس نے کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

انبیائے کرام کے میثاق کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "إِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ" حِينَ أُخْرِجُوا مِنْ صُلْبِ آدَمَ كَالذَّرِّ جَمْع ذَرَّة وَهِيَ أَصْغَر النَّمْل "وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ" بِأَنْ يَعْبُدُوا اللَّه وَيَدْعُوا إِلَى عِبَادَته وَذِكْر الْخَمْسَة مِنْ عَطْف الْخَاصّ عَلَى الْعَامّ "وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا" شَدِيدًا بِالْوَفَاءِ بِمَا حَمَلُوهُ وَهُوَ الْيَمِين بِاللَّهِ تَعَالَى ثُمَّ أَخَذَ الْمِيثَاق "لِيَسْأَلَ" اللَّه "الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقهمْ" فِي تَبْلِيغ الرِّسَالَة تَبْكِيتًا لِلْكَافِرِينَ بِهِمْ "وَأَعَدَّ" تَعَالَى "لِلْكَافِرِينَ" بِهِمْ "عَذَابًا أَلِيمًا" مُؤْلِمًا هُوَ عَطْف عَلَى أَخَذْنَا

اور یاد کرو جب ہم نے انبیاء سے پختہ عہد لیا اس وقت جب انہیں آدم کی پشت میں سے چیونٹیوں کی طرح نکالا گیا، یہ لفظ "ذر" لفظ "ذرہ" کی جمع ہے جو چھوٹی چونٹی کو کہتے ہیں اور تم سے بھی (عہد لیا) اور نوح سے ابراہیم سے، موسیٰ سے، عیسیٰ بن مریم سے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیں گے ان پانچ حضرات کا تذکرہ خاص کا عطف عام پر ہے اور ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا یعنی جسے پورا کرنے میں شدت اختیار کی جائے یعنی انہیں اس کا پابند کیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم تھی۔

پھر اس نے عہد لیا تاکہ وہ سوال کرے یعنی اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے ان کے سچ کے بارے میں یعنی رسالت کی تبلیغ کے حوالے سے تاکہ اس کے ذریعے کافروں کو خاموش کیا جا سکے اور اس نے تیار کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کے لئے اس وجہ سے دردناک عذاب یعنی الم دینے والا، اس کا عطف لفظ "اخذنا" پر ہے۔

لوگوں سے عہد لیے جانے کا بیان

حضرت ابی بن کعب اس آیت (وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ،الاعراف:172)(جب تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی)۔کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ نے (اولاد آدم کو) جمع کیا اور ان کو طرح طرح کا قرار دیا (یعنی کسی کو مالدار کسی کو غریب کرنے کا ارادہ کیا پھر ان کو شکل وصورت عطا کی اور پھر گویائی بخشی اور انہوں نے باتیں کیں پھر ان سے عہد و پیان کیا اور پھر ان کو اپنے اوپر گواہ قرار دے کر پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اولاد آدم نے کہا، بے شک! (آپ ہمارے رب ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سات آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تمہارے سامنے گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی شاہد قرار دیتا ہوں اس لئے کہ قیامت کے دن کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے ناواقف تھے (اس وقت) تم اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی معبود ہے اور نہ میرے سوا کوئی پروردگار ہے، (اور خبردار) کسی کو میرا شریک قرار نہ دینا، میں تمہارے پاس عنقریب اپنے رسول بھیجوں گا، جو تمہیں میرا عہد و پیاں یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا (یہ سن کر) اولاد آدم نے کہا، ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارا معبود ہے، تیرے سوا نہ تو ہمارا کوئی پروردگار ہے اور نہ تیرے علاوہ ہمارا کوئی معبود ہے، چنانچہ آدم کی ساری اولاد نے اس کا اقرار کیا اور حضرت آدم کو ان کے اوپر بلند کر دیا گیا وہ (اپنی نگاہیں بلند کئے ہوئے) اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی اولاد امیر بھی ہیں اور فقیر بھی اور خوبصورت بھی ہیں اور بدصورت بھی (یہ دیکھ کر انہوں نے عرض کیا، پروردگار اپنے تمام بندوں کو تو نے یکساں کیوں نہیں بنایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" میں اسے پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر آدم نے انبیاء کو دیکھا جو چراغ کی مانند روشن تھے اور نور ان کے اوپر جلوہ گر تھا ان سے خصوصیت کے ساتھ رسالت ونبوت کے لئے عہد و پیاں لئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: آیت (و اذ اخذ من النبين ميثاقهم ومنك ومن نوح و ابراهيم وموسى وعيسى بن مريم) اور جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد و پیان لیا اور آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے (بھی) عہد و پیان لیا، ان روحوں کے درمیان حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے چنانچہ ان کی روح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیج دیا۔ حضرت ابی بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی طرف سے ان کے جسم میں داخل ہوگئی۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 118)

حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان ارواح میں فرق دیکھا کہ انہیں کی اولاد میں سے کوئی تو سرمایہ دار اور صاحب دولت ہے اور کوئی غریب و مفلس تو انہیں حیرت ہوئی اور انہوں نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا کہ الٰہ العلمین! سب میری اولاد میں سے ہیں اور یہ سبھی تیرے بندے ہیں پھر ان میں یہ فرق کیوں؟ کوئی صاحب حیثیت ہے اور کوئی لاچار، کسی کو عزت و دولت دے رکھی ہے اور کسی کو غربت و مفلسی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان میں فرق پیدا کرنے کی ایک حکمت ہے اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ کہ اگر میں سب کو یکساں پیدا کر دیتا تو یہ شکر ادا نہ کرتے اور جب ایک انسان میں وہ صفات وخصائل پیدا کر دیئے جائیں گے جو

دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر شکرادا کیا کریں گے مثلاً تنگدست اور مفلس میں تقوی، اطاعت الٰہی کا مادہ، سکون قلب ودماغ اور دنیا سے بے فکری ہوتی ہے، جو کسی غنی اور مالدار میں نہیں ہوتی اسی طرح غنی و مالدار کو دولت کی فراوانی اور اسباب معیشت کی آسانیاں حاصل ہوتی ہیں جو غریب ومحتاج کو میسر نہیں۔ لہٰذا! جس کے اندر جو خصائل ہوں گے اور وہ ان کی لذت سے نا آشنا ہوگا، دوسرے کے اندر اس کا فقدان دیکھ کر اس نعمت پر شکر گزار ہوگا جس کی بناء پر اللہ کی رحمت کا مستحق قرار دیا جائے گا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ
رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۟
اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب فوجیں تم پر آ پہنچیں، تو ہم نے ان پر ہوا اور لشکروں کو بھیجا
جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

غزوہ احزاب میں لشکر کی صورت میں مدد آنے کا بیان

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اُذْکُرُوا نِعْمَةَ اللّٰہ عَلَیْکُمْ إِذْ جَاءَتْکُمْ جُنُود" مِنْ الْکُفَّار مُتَحَزِّبُونَ أَیَّام حَفْر الْخَنْدَق "فَأَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا" مِنْ الْمَلَائِکَة "وَکَانَ اللّٰہ بِمَا تَعْمَلُونَ" بِالتَّاءِ مِنْ حَفْر الْخَنْدَق وَبِالْیَاءِ مِنْ تَحْزِیب الْمُشْرِکِینَ،

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی جب تمہارے پاس لشکر آ گئے یعنی کفار جو مختلف لشکروں کی شکل میں تھے خندق کھودنے کے موقع پر، پس ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے یعنی فرشتے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو ملاحظہ فرما رہا تھا، اگر اس لفظ "تعملون" کو "ت" کے ساتھ پڑھا جائے (یعنی جمع مذکر حاضر کے صیغے کے طور پر) تو اس سے مراد خندق کھودنے والے لوگ ہونگے اور اگر اسے "ی" کے ساتھ پڑھا جائے (جمع مذکر غائب کے صیغے کے طور پر) تو اس سے مراد مشرکین کے لشکر (کے افراد) ہوں گے۔

غزوہ خندق اور اس کی روئیداد کا بیان

جنگ خندق میں جو سنہ ۵ ہجری ماہ شوال میں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جو اپنا فضل و احسان کیا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے۔ جبکہ مشرکین نے پوری طاقت سے اور پورے اتحاد سے مسلمانوں کو مٹا دینے کے ارادے سے زبردست لشکر لے کر حملہ کیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنگ خندق سنہ ۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی کا قصہ یہ ہے کہ بنو نضیر کے یہودی سرداروں نے جن میں سلام بن ابو حقیق، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع وغیرہ تھے مکے میں آ کر قریشیوں کو جو اول ہی سے تیار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کرنے پر آمادہ کیا اور ان سے عہد کیا کہ ہم اپنے زیر اثر لوگوں کے ساتھ آپ کی جماعت میں شامل ہیں۔ انہیں آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ

غطفان کے پاس گئے ان سے بھی ساز باز کر کے اپنے ساتھ شامل کر لیا قریشیوں نے بھی ادھر ادھر پھر کر تمام عرب میں آگ لگا کر سب گرے پڑے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا۔ ان سب کا سردار ابوسفیان صخر بن حرب بنا اور غطفان کا سردار عیینہ بن حصن بن بدر مقرر ہوا۔ ان لوگوں نے کوشش کر کے دس ہزار کا لشکر اکٹھا کر لیا اور مدینے کی طرف چڑھ دوڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس لشکر کشی کی خبریں پہنچیں تو آپ نے بہ مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینے شریف کی مشرقی سمت میں خندق یعنی کھائی کھدوائی اس خندق کے کھودنے میں تمام صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل تھے اور خود آپ بھی بہ نفس نفیس اس کے کھودنے اور مٹی ڈھونے میں بھی حصہ لیتے تھے۔ مشرکین کا لشکر بلا مزاحمت مدینے شریف تک پہنچ گیا اور مدینے کے مشرقی حصے میں احد پہاڑ کے متصل اپنا پڑاؤ جمایا یہ تھا مدینے کا نیچا حصہ اوپر کے حصے میں انہوں نے اپنی ایک بڑی بھاری جمعیت بھیج دی جس نے اعالی مدینہ میں لشکر کا پڑاؤ ڈالا اور نیچے اوپر سے مسلمانوں کو محصور کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کے صحابہ کو جو تین ہزار سے نیچے تھے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ صرف سات سو تھے لے کر ان کے مقابلے پر آئے۔ سلع پہاڑی کو آپ نے اپنی پشت پر کیا اور دشمنوں کی طرف متوجہ ہو کر فوج کو ترتیب دیا۔ خندق جو آپ نے کھودی اور کھدوائی تھی اس میں پانی وغیرہ نہ تھا وہ صرف ایک گڑھا تھا جو مشرکین کے ریلے کو بیروک آنے نہیں دیتا تھا آپ نے بچوں اور عورتوں کو مدینے کے ایک محلے میں کر دیا تھا۔ یہودیوں کی ایک جماعت بنو قریظہ مدینے میں تھی مشرقی جانب ان کا محلہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا معاہدہ مضبوط تھا ان کا بھی بڑا گروہ تھا تقریباً آٹھ سو جنگجو لڑنے کے قابل میدان میں موجود تھے مشرکین اور یہود نے ان کے پاس حی بن اخطب نضری کو بھیجا اس نے انہیں بھی شیشے میں اتار کر سبز باغ دکھلا کر اپنی طرف کر لیا اور انہوں نے بھی ٹھیک موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی۔ اور اعلانیہ طور پر صلح توڑ دی۔ باہر سے دس ہزار کا وہ لشکر جو گھیرا ڈالے پڑا ہے اندر سے ان یہودیوں کی بغاوت جو بغلی پھوڑے کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسلمان بتیس دانتوں میں زبان یا آٹے میں نمک کی طرح ہو گئے۔ یہ کل سات سو آدمی کر ہی کیا سکتے تھے۔ یہ وقت تھا جس کا نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کہ آنکھیں پتھرا گئیں دل الٹ گئے طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ جھنجھوڑ دیئے گئے اور سخت امتحان میں مبتلا ہو گئے۔ مہینہ بھر تک محاصرہ کی یہی تلخ صورت قائم رہی گو مشرکین کی یہ جرات تو نہیں ہوئی کہ خندق سے پار ہو کر دستی لڑائی لڑتے لیکن ہاں گھیرا ڈالے پڑے رہے اور مسلمانوں کو تنگ کر دیا۔

البتہ عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدا لایا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلے پر جاؤ آپ گئے تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے کفر کے اس دیو کو تہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ فتح ہماری ہے۔ پھر پروردگار نے وہ تند و تیز آندھی بھیجی کہ مشرکین کے تمام خیمے اکھڑ گئے کوئی چیز قرینے سے نہ رہی آگ کا جلانا مشکل ہو گیا۔ کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی

بالآخر تنگ آ کرنا مرادی سے واپس ہوئے۔ جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ جس ہوا کا اس آیت میں ذکر ہے بقول مجاہد رحمۃ اللہ یہ صبا ہواؤں سے ہلاک کئے گئے تھے۔

عکرمہ فرماتے ہیں جنوبی ہوا نے شمالی ہوا سے اس جنگ احزاب میں کہا کہ چل ہم تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں تو شمالی ہوا نے کہا کہ گہگری رات کو نہیں چلاتی۔ پھران پر صبا ہوا بھیجی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضور سے اجازت چاہی تو آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملے انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا اور جس نے سنا الٹے پاؤں فوراً حضور کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو۔ بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک نوجوان شخص نے جو کوفے کے رہنے والے تھے کہا کہ اے ابو عبداللہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ تم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ کی مجلس میں بیٹھے بتاؤ تم کیا کرتے تھے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا واللہ ہم جان نثاریاں کرتے تھے۔ نوجوان فرمانے لگے سنئے چچا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو پاتے تو واللہ آپ کو قدم بھی زمین پر نہ رکھنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھا کر لیجاتے۔

آپ نے فرمایا بھتیجے لو ایک واقعہ سنو جنگ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی رات تک نماز پڑھتے رہے۔ فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کوئی ہے جو جا کر لشکر کفار کی خبر لائے؟ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے شرط کرتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کوئی کھڑا نہ ہوا کیونکہ خوف کی بھوک کی اور سردی کی انتہا تھی۔ پر آپ دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ پھر فرمایا کوئی ہے جو جا کر یہ خبر لا دے کہ مخالفین نے کیا کیا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے مطمئن کرتے ہیں کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں میرا رفیق کرے۔ اب کے بھی کوئی کھڑا نہ ہوا اور کھڑا ہوتا کیسے؟ بھوک کے مارے پیٹ کمر سے لگ رہا تھا سردی کے مارے دانت بج رہے تھے، خوف کے مارے پتے پانی ہو رہے تھے۔ بالآخر میرا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اب تو بےکھڑے ہوئے چارہ نہیں تھا۔ فرمانے لگے حذیفہ تو جا اور دیکھ کہ وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں دیکھ جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے کوئی نیا کام نہ کرنا میں نے بہت خوب کہہ کر اپنی راہ لی اور جرات کے ساتھ مشرکوں میں گھس گیا وہاں

جا کر عجیب حال دیکھا کہ دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکر اپنا کام پھرتی سے کررہے ہیں۔ چولہوں پر سے دیگیں ہوا نے الٹ دی ہیں۔ خیموں کی چوبیں اکھڑ گئی ہیں، آگ جلا نہیں سکتے۔ کوئی چیز اپنی ٹھکانے نہیں رہی اسی وقت ابوسفیان کھڑا ہوا اور با آواز بلند منادی کی کہ اے قریشیوں اپنے اپنے ساتھی سے ہوشیار ہو جاؤ۔ اپنے ساتھی کو دیکھ بھال لو ایسا نہ ہو کوئی غیر کھڑا ہو۔ میں نے یہ سنتے ہی میرے پاس جو ایک قریشی جوان تھا اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں فلاں بن فلاں ہوں۔ میں نے کہا اب ہوشیار رہنا۔ پھر ابوسفیان نے کہا اللہ گواہ ہے ہم اس وقت کسی ٹھہرنے کی جگہ پر نہیں ہیں۔ ہمارے مویشی ہمارے اونٹ ہلاک ہو رہے ہیں۔

بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ خلافی کی اس نے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی پھر اس ہوا نے تو ہمیں پریشان کر رکھا ہے ہم کھانا نہیں پکا سکتے آگ تک نہیں جلا سکتے خیمے ڈیرے ٹھہر نہیں سکتے۔ میں تو تنگ آگیا ہوں اور میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ واپس ہو جاؤں پس میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ واپس چلو۔ اتنا کہتے ہی اپنے اونٹ پر جو زانوں بندھا ہوا بیٹھا تھا چڑھ گیا اور اسے مارا وہ تین پاؤں سے ہی کھڑا ہو گیا پھر اس کا پاؤں کھولا۔ اس وقت ایسا اچھا موقعہ تھا کہ اگر میں چاہتا ایک تیر میں ہی ابوسفیان کا کام تمام کر دیتا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ کوئی نیا کام نہ کرنا اس لئے میں نے اپنے دل کو روک لیا۔ اب میں واپسی لوٹا اور اپنے لشکر میں آگیا جب میں پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر کو لپیٹے ہوئے جو آپ کی کسی بیوی صاحبہ کی تھی نماز میں مشغول ہیں۔ آپ نے مجھے دیکھ کر دونوں پیروں کے درمیان بٹھا لیا اور چادر مجھے بھی اڑھا دی۔ پھر رکوع اور سجدہ کیا اور میں وہیں وہی چادر اوڑھے بیٹھا رہا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ قریشیوں کے واپس لوٹ جانے کی خبر جب قبیلہ غطفان کو پہنچی تو انہوں نے بھی سامان باندھا اور واپس لوٹ گئے۔

اور روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب میں چلا تو باوجود کڑاکے کی سخت سردی کے قسم اللہ کی مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں کسی گرم حمام میں ہوں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب میں لشکر کفار میں پہنچا ہوں اس وقت ابوسفیان آگ سلگائے ہوئے تاپ رہا تھا میں نے اسے دیکھ کر پہچان کر اپنا تیر کمان میں چڑھا لیا اور چاہتا تھا کہ چلا دوں اور بالکل زد میں تھا ناممکن تھا کہ میرا نشانہ خالی جائے لیکن مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ وہ چوکنے ہو کر بھڑک جائیں تو میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں واپس آیا اس وقت بھی مجھے کوئی سردی محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں۔ ہاں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا بڑے زور کی سردی لگنے لگی اور میں کپکپانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مجھ کو اوڑھا دی۔ میں جو اوڑھ کر لیٹا تو مجھے نیند آ گئی اور صبح تک پڑا سوتا رہا صبح خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے یہ کہہ کر جگایا کہ اے سونے والے بیدار ہو جا۔

اور روایت میں ہے کہ جب اس تابعی نے کہا کہ کاش ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے اور آپ کے زمانے کو پاتے تو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کاش کہ تم جیسا ایمان ہمیں نصیب ہوتا کہ باجود نہ دیکھنے کے پورا اور پختہ عقیدہ رکھتے ہو۔ برادر

زادے جو تمنا کرتے ہو یہ تمنا ہی ہے نہ جانے تم ہوتے تو کیا کرتے؟ ہم پر تو ایسے کٹھن وقت آئے ہیں۔ یہ کہہ کہ پھر آپ نے مندرجہ بالا خندق کی رات کا واقعہ بیان کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہوا جھڑی آندھی کے ساتھ بارش بھی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے واقعات کو بیان فرما رہے تھے جو اہل مجلس نے کہا کہ اگر ہم اس وقت موجود ہوتے تو یوں اور یوں کرتے اس پر آپ نے یہ واقعہ بیان فرمادیا کہ باہر سے تو دس ہزار کا لشکر گھیرے ہوئے ہے اندر سے بنو قریظہ کے آٹھ سو یہودی بگڑے ہوئے ہیں بال بچے اور عورتیں مدینے میں ہیں خطرہ لگا ہوا ہے اگر بنو قریظہ نے اس طرف کا رخ کیا تو ایک ساعت میں ہی عورتوں بچوں کا فیصلہ کردیں گے۔ واللہ اس رات جیسی خوف وہراس کی حالت کبھی ہم پر نہیں گذری۔ پھر وہ ہوائیں چلتی ہیں، آندھیاں اٹھتی ہیں، اندھیرا چھا جاتا ہے، کڑک گرج اور بجلی ہوتی ہے کہ العظمۃ اللہ۔ ساتھی کو دیکھنا تو کہاں اپنی انگلیاں بھی نظر نہ آتی تھی۔ جو منافق ہمارے ساتھ تھے وہ ایک ایک ہو کر یہ بہانا بنا کر ہمارے بال بچے اور عورتیں وہاں ہیں اور گھر کا نگہبان کوئی نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر اجازت چاہنے لگے اور آپ نے بھی کسی ایک کو نہ روکا جس نے کہا کہ میں جاؤں؟ آپ نے فرمایا شوق سے جاؤ۔ وہ ایک ایک ہو کر سرکنے لگے اور ہم صرف تین سو کے قریب رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب تشریف لائے ایک ایک کو دیکھا میری عجیب حالت تھی نہ میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی آلہ تھا نہ سردی سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی کپڑا تھا۔ صرف میری بیوی کی ایک چھوٹی سی چادر تھی جو میرے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس پہنچے اس وقت میں اپنے گھٹنوں میں سر ڈالے ہوئے دبک کر بیٹھا ہوا کپکپا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں نے کہا حذیفہ۔ فرمایا حذیفہ سن! واللہ مجھ پر تو زمین تنگ آ گئی کہ کہیں حضور مجھے کھڑا نہ کریں میری تو درگت ہو رہی ہے لیکن کرتا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سن رہا ہوں ارشاد؟ آپ نے فرمایا دشمنوں میں ایک نئی بات ہونے والی ہے جاؤ ان کی خبر لاؤ۔ واللہ اس وقت مجھ سے زیادہ نہ تو کسی کو خوف تھا نہ گھبراہٹ تھی نہ سردی تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا تو میں نے سنا کہ آپ میرے لئے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ اس کے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے نیچے سے اس کی حفاظت کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ کسی قسم کا خوف ڈر دہشت میرے دل میں تھی ہی نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دے کر فرمایا دیکھو حذیفہ وہاں جا کر میرے پاس واپس آنے تک کوئی نئی بات نہ کرنا۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میں ابوسفیان کو اس سے پہلے پہچانتا نہ تھا میں گیا تو وہاں یہی آوازیں لگ رہی تھیں کہ چلو کوچ کرو واپس چلو۔ ایک عجیب بات میں نے یہ بھی دیکھی کہ وہ خطرناک ہوا جو دیگیں الٹ دیتی تھی وہ صرف ان کے لشکر کے احاطہ تک ہی تھی واللہ اس سے ایک بالشت بھر باہر نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ پتھر اڑ اڑ کر ان پر گرتے تھے۔ جب میں واپس چلا ہوں تو میں نے دیکھا کہ تقریباً بیس سوار ہیں جو عمامے باندھے ہوئے ہیں انہوں نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو کفایت کردی اور آپ کے دشمنوں کو مات دی۔ اس میں یہ بھی بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت میں داخل تھا کہ جب کبھی کوئی گھبراہٹ اور وقت کا وقت ہوتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچائی اسی وقت یہ آیت اتری۔ پس آیت میں نیچے کی طرف سے آنے والوں سے مراد بنو قریظہ ہیں۔ شدت خوف اور سخت گھبراہٹ سے آنکھیں الٹ گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے اور طرح طرح کے گمان ہو رہے تھے یہاں تک کہ بعض منافقوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب کی لڑائی میں کافر غالب آ جائیں گے عام منافقوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ معتب بن قشیر کہنے لگا کہ آنحضرت ﷺ تو ہمیں کہہ رہے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنیں گے اور یہاں حالت یہ ہے کہ پاخانے کو جانا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ یہ مختلف گمان مختلف لوگوں کے تھے مسلمان تو یقین کرتے تھے کہ غلبہ ہمارا ہی ہے جیسا کہ فرمان ہے آیت (وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا، الاحزاب:22) لیکن منافقین کہتے تھے کہ اب کی مرتبہ سارے مسلمان مع آنحضرت گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عین اس گھبراہٹ اور پریشانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمیں اس سے بچاؤ کی کوئی تلقین کریں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا مانگو (اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا) اللہ ہماری پردہ پوشی کر اللہ ہمارے خوف ڈر کو امن و امان سے بدل دے۔ ادھر مسلمانوں کی یہ دعا بلند ہوئیں ادھر اللہ کا لشکر ہواؤں کی شکل میں آیا اور کافروں کا تیاپانچا کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝
جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے۔ اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت طرح طرح گمان کرنے لگے۔ یہیں مومن آزمائے گئے اور پوری طرح جھنجھوڑ دیئے گئے۔

دشمن کی ہر جانب سے مڈبھیڑ ہو جانے کا بیان

"إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقكُمْ وَمِنْ أَسْفَل مِنْكُمْ" مِنْ أَعْلَى الْوَادِي وَأَسْفَله مِنْ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب "وَإِذْ زَاغَتْ الْأَبْصَار" مَالَتْ عَنْ كُلّ شَيْء إلَى عَدُوّهَا مِنْ كُلّ جَانِب "وَبَلَغَتْ الْقُلُوب الْحَنَاجِر" جَمْع حَنْجَرَة وَهِيَ مُنْتَهَى الْحُلْقُوم مِنْ شِدَّة الْخَوْف "وَتَظُنُّونَ بِاَللَّهِ الظُّنُونَا" الْمُخْتَلِفَة بِالنَّصْرِ وَالْيَأْس "هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ" اُخْتُبِرُوا لِيَتَبَيَّن الْمُخْلِص مِنْ غَيْره "وَزُلْزِلُوا" حُرِّكُوا "زِلْزَالًا شَدِيدًا" مِنْ شِدَّة الْفَزَع،

جب وہ تمہارے پاس آئے تمہارے اوپر کی طرف سے تمہارے نیچے کی طرف سے یعنی وادی کے بالائی حصے کی طرف

سے اور زیریں حصے کی طرف سے جو مشرق اور مغرب کی سمت میں ہے اور جب آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں یعنی ہر طرف سے ہٹ کر دشمن کی طرف لگ گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے یہ لفظ ''حناجر'' لفظ ''حنجرۃ'' کی جمع ہے جو حلقوم کے آخری حصے کو کہتے ہیں یعنی خوف کی شدت کی وجہ سے ایسا ہوا اور تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں مخصوص گمان کیا یعنی مدد اور مایوسی کے حوالے سے اختلاف (والا گمان تھا)

(هُنَالِكَ ابتلى المؤمنون) اختبروا ليتبين المخلص من غيره (وَزُلْزِلُوْا) حُرِّكوا (زِلْزَالًا شَدِيدًا) من شدّة الخوف و الفزع .

اس مقام پر اہل ایمان کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا تا کہ پتہ چلایا جا سکے کہ اخلاص والا اور اخلاص کے بغیر کون ہے اور انہیں ہلایا گیا یعنی حرکت دی گئی تیزی سے ہلا کر یعنی خوف اور اندیشے کی شدت (کی شکل میں)۔

یعنی وادی کی بالائی جانب مشرق سے قبیلہ اسد و غطفان کے لوگ مالک بن عوف نصری وعُیَینہ بن حسن فزاری کی سرکردگی میں ایک ہزار کی جمعیت لے کر اور ان کے ساتھ طلیحہ بن خویلد اسدی بنی اسد کی جمعیت لے کر اور حُیَی بن اخطب، یہود بنی قریظہ کی جمعیت لے کر اور وادی کی زیریں جانب مغرب سے قریش اور کنانہ بسر کردگی ابوسفیان بن حرب۔

غزوہ خندق کے موقع پر نصرت الٰہی کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس میں سفر میں ہوتے ہر بلند جگہ (ٹیلا وغیرہ) پر چڑھتے ہوئے پہلے تین مرتبہ تکبیر اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ کلمات فرماتے۔ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدقہ اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ ۔

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم اپنے وطن کی طرف واپس ہونے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اللہ ہی کے آگے سر جھکانے والے ہیں اور اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ نے دین کو پھیلانے کا وعدہ پورا کیا اپنے بندہ محمد کی مدد کی اور کفار کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 957)

ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ سے غزوہ خندق کے موقع پر تائید و نصرت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ علاوہ یہود قریظہ و نضیر کے تقریبا دس یا بارہ ہزار کفار مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کا ارادہ رکھتے تھے مگر اللہ نے ہوا اور ملائکہ کی جماعت کو کفار کے لشکر پر مسلط کر دیا۔ جس کی وجہ سے جنگ کے بغیر ہی وہ ہلاک وخراب ہو گئے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا٥
اور جب منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے
ہم سے محض دھوکا دینے کے لیے وعدہ کیا تھا۔

منافقین کا اللہ کی مدد کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "اِذْ يَقُول الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبهمْ مَرَض " ضَعْف اعْتِقَاد "مَا وَعَدَنَا اللّٰه وَرَسُوله" بِالنَّصْرِ "اِلَّا غُرُورًا" بَاطِلًا،

اور یاد کرو جب منافقین نے اور جن کے دلوں میں بیماری تھی یعنی کمزور عقیدہ انہوں نے یہ کہا اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا یعنی مدد کا وہ صرف غرور یعنی باطل (جھوٹا) تھا۔

منافقین کے فرار ہونے کا بیان

اس گھبراہٹ اور پریشانی کا حال بیان ہو رہا ہے جو جنگ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی تھی کہ باہر سے دشمن اپنی پوری قوت اور کافی لشکر سے گھیرا ڈالے کھڑا ہے۔ اندرون شہر میں بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے یہودیوں نے دفعۃً صلح توڑ کر بیجینی کی باتیں بنا رہے ہیں کہہ رہے ہیں کہ بس اللہ کے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے دیکھ لئے۔ کچھ لوگ ہیں جو ایک دوسرے کے کان میں صور پھونک رہے ہیں کہ میاں پاگل ہوئے ہو؟ دیکھ نہیں رہے دو گھڑی میں نقشہ پلٹنے والا ہے۔ بھاگ چلو لوٹو لوٹو واپس چلو۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا٥
اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو! تمہارے لیے ٹھہرنے کی کوئی صورت نہیں، پس لوٹ چلو،
اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا تھا، کہتے تھے ہمارے گھر تو غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ
کسی طرح غیر محفوظ نہیں، وہ بھاگنے کے سوا کچھ چاہتے ہی نہیں۔

منافقین کا مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کا بیان

"وَاِذْ قَالَتْ طَائِفَة مِنْهُمْ" اَيْ الْمُنَافِقُونَ "يَا اَهْل يَثْرِب" هِيَ اَرْض الْمَدِينَة وَلَمْ تُصْرَف لِلْعَلَمِيَّةِ وَوَزْن الْفِعْل "لَا مُقَام لَكُمْ" بِضَمِّ الْمِيم وَفَتْحهَا : اَيْ لَا اِقَامَة وَلَا مَكَانَة "فَارْجِعُوا" اِلَى مَنَازِلكُمْ مِنْ الْمَدِينَة وَكَانُوا خَرَجُوا مَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى سَلْع جَبَل خَارِج الْمَدِينَة لِلْقِتَالِ "وَيَسْتَاْذِن فَرِيق مِنْهُمْ النَّبِيّ" فِي الرُّجُوع "يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتنَا عَوْرَة" غَيْر حَصِينَة يُخْشَى عَلَيْهَا

"وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ" مَا "يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا" مِنَ الْقِتَالِ،

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے یعنی منافقین نے یہ کہا اے یثرب والو! اس سے مراد مدینے کی سرزمین ہے اسے منصرف کے طور پر نہیں پڑھا جا سکتا کیونکہ یہ علم بھی ہے اور فعل کے وزن پر بھی ہے، تمہارے لئے کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے اس میں "م" پر پیش اور زبر دونوں پڑھے جا سکتے ہیں یعنی نہ ٹھہرنا ہے اور نہ ہی جگہ ہے تو تم لوٹ جاؤ مدینے میں اپنے گھروں کی طرف، یہ لوگ نبی اکرم کے ہمراہ جنگ کرنے کے لئے "سلع" پہاڑ تک آئے تھے جو مدینہ منورہ سے باہر ہے، تو ان میں سے ایک گروہ نے نبی سے اجازت مانگی یعنی واپس جانے کی، انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں ان (پر حملہ ہونے) کا اندیشہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ گھر "عورت" (یعنی غیر محفوظ) نہیں ہیں وہ لوگ صرف فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں یعنی جنگ سے۔

یثرب سے مراد مدینہ ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ مجھے خواب میں تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے۔ جو دو سنگلاخ میدانوں کے درمیان ہے پہلے تو میرا خیال ہوا تھا کہ یہ ہجر ہے لیکن نہیں وہ جگہ یثرب ہے۔ اور روایت میں ہے کہ وہ جگہ مدینہ ہے۔ البتہ یہ خیال رہے کہ ایک ضعیف حدیث میں ہے جو مدینے کو یثرب کہے وہ استغفار کر لے۔ مدینہ تو طابہ ہے وہ طابہ ہے یہ حدیث صرف مسند احمد میں ہے اور اس کی اسناد میں ضعف ہے۔ کہا گیا ہے کہ عمالیق میں سے جو شخص یہاں آ کر ٹھہرا تھا چونکہ اسکا نام یثرب بن عبید بن مہلا ئیل بن عوص بن عملاق بن لاذ بن آدم بن سام بن نوح تھا اس لئے اس شہر کو بھی اسی کے نام سے مشہور کیا گیا۔

مدینہ منورہ کے تورات میں گیارہ نام ہونے کا بیان

یہ بھی قول ہے کہ تورات شریف میں اس کے گیارہ نام آئے ہیں۔ مدینہ، طابہ، جلیلہ، جابرہ، محبہ، محبوبہ، قاصمہ، مجبورہ، عدراد، مرحومہ۔ کعب احبار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم تورات میں یہ عبادت پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف سے فرمایا اے طیبہ اور اے طابہ اور اے مسکینہ خزانوں میں مبتلا نہ ہو تمام بستیوں پر تیرا درجہ بلند ہوگا۔ کچھ لوگ تو اس موقعہ خندق پر کہنے لگے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے کی جگہ نہیں اپنے گھروں کو لوٹ چلو۔

بنو حارثہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں چوری ہونے کا خطرہ ہے وہ خالی پڑے ہیں ہمیں واپس جانے کی اجازت ملنی چاہیے۔ اوس بن قیظی نے بھی یہی کہا تھا کہ ہمارے گھروں میں دشمن کے گھس جانے کا اندیشہ ہے ہمیں جانے کی اجازت دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات بتلا دی کہ یہ تو ڈھونگ رچایا ہے حقیقت میں عذر کچھ بھی نہیں نامردی سے بھگوڑا پن دکھاتے ہیں۔ لڑائی سے جی چرا کر سرکنا چاہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝
وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝
اور اگر ان پر مدینہ کے اَطراف واَکناف سے فوجیں داخل کر دی جاتیں پھر ان (نفاق کا عقیدہ رکھنے والوں) سے فتنہ (کفرو

شرک) کا سوال کیا جاتا تو وہ اس (مطالبہ) کو بھی پورا کر دیتے، اور تھوڑے سے توقف کے سوا اس میں تاخیر نہ کرتے۔ حالانکہ

بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ کا عہد ہمیشہ پوچھا جانے والا ہے۔

خندق میں اطراف سے افواج کے دخول کا بیان

"وَلَوْ دُخِلَتْ" أَیْ الْمَدِینَةَ "عَلَیْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا" نَوَاحِیهَا "ثُمَّ سُئِلُوا" أَیْ سَأَلَهُمْ الدَّاخِلُونَ "الْفِتْنَةَ" الشِّرْك "لَآتَوْهَا" بِالْمَدِّ وَالْقَصْر أَیْ أَعْطَوْهَا وَفَعَلُوهَا

"وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّه مِنْ قَبْل لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَار وَكَانَ عَهْد اللَّه مَسْئُولًا" عَنْ الْوَفَاء بِهِ

اور اگر داخل ہو جاتے یعنی مدینہ منورہ میں ان پر اس کے کناروں کی طرف سے یعنی نواحی علاقے کی طرف سے پھر ان سے پوچھا جاتا یعنی داخل ہونے والے ان سے مطالبہ کرتے فتنے کا یعنی شرک کا تو وہ ضرور اس تک آتے اس کو "مد" کے ہمراہ اور قصر کے طور پر پڑھا جاسکتا ہے یعنی وہ اسے دیتے (جب مد کے ساتھ ہو) یا وہ ایسا کرتے (جب وہ قصر کے طور پر ہو) انہوں نے اس کا صرف ذرا سی دیر کے لئے انتظار کرنا تھا۔

اور اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کے بارے میں سوال کیا جائے گا یعنی اسے پورا کرنے کے حوالے سے حساب لیا جائے گا۔

جہاد سے پیٹھ پھیرنے والوں سے باز پرس ہوگی

جو لوگ یہ عذر کر کے جہاد سے بھاگ رہے تھے کہ ہمارے گھر اکیلے پڑے ہیں جن کا بیان اوپر گذرا۔ ان کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ اگر ان پر دشمن مدینے کے چوطرف سے اور ہر ہر رخ سے آ جائے پھر ان سے کفر میں داخل ہونے کا سوال کیا جائے تو یہ بیتامل کفر کو قبول کر لیں گے لیکن تھوڑے خوف اور خیالی دہشت کی بنا پر ایمان سے دست برداری کر رہے ہیں۔ یہ ان کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ پھر فرماتا ہے یہی تو ہیں جو اس سے پہلے لمبی لمبی ڈینگیں مارتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے ہم میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنے والے نہیں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ یہ جو وعدے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے تھے اللہ تعالیٰ ان کی باز پرس کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ موت وفوت سے بھاگنا لڑائی سے منہ چھپانا میدان میں پیٹھ دکھانا جان نہیں بچا سکتا بلکہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اچانک پکڑ کے جلد آ جانے کا باعث ہو جائے اور دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ دنیا تو آخرت جیسی باقی چیز کے مقابلے پر کل کی کل حقیر اور محض ناچیز ہے۔ پھر فرمایا کہ بجز اللہ کے کوئی نہ دے سکے نہ دلا سکے نہ مددگاری کر سکے نہ حمایت پر آ سکے۔ اللہ اپنے ارادوں کو پورا کر کے ہی رہتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ احزاب، بیروت)

غزوہ خندق اور نبی کریم ﷺ کے معجزے کا بیان

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (یعنی صحابہ) خندق کے دن (یعنی غزوہ احزاب کے موقع پر دشمنوں سے بچاؤ کے

لئے مدینہ کے گرد) خندق کھود رہے تھے کہ سخت پتھر نکل آیا (جو کسی طرح ٹوٹ نہیں رہا تھا) صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ کھدائی کی جگہ ایک سخت پتھر نکل آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خود (خندق میں) اتر کر دیکھوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ کھڑے ہوائے اس وقت (شدت بھوک سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم سبھی لوگ تین دن سے اس حال میں تھے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا کوئی چیز چکھی تک نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال ہاتھ میں لیا اور (خندق میں اتر) کر پتھر پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ سخت پتھر ریت کی مانند (ذرہ ذرہ ہوگیا) بکھر گیا۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں وہاں سے اپنے گھر آیا اور اپنی بیوی (سہیلہ بنت معود انصاری سے) پوچھا کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی کوئی) چیز ہے؟ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا شدید اثر دیکھا ہے (یہ سن کر) میری بیوی نے تھیلا نکال کر دیا جس میں تقریباً سیر جو تھے اور ہمارے ہاں بکری کا (دنبہ اور یا گھر کی پلی ہوئی بھیڑ کا) ایک چھوٹا سا بچہ تھا، میں نے اس بچہ کو ذبح کیا اور میری بیوی نے آٹا پیسا اور پھر ہم نے گوت کو ہانڈی میں ڈال کر (چولہے پر) چڑھا دیا پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے تقریباً ساڑھے تین سیر جو پیسے ہیں (اس طرح کچھ لوگوں کے لئے میں نے کھانا تیار کرالیا ہے) اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند لوگوں کے ساتھ تشریف لے چلے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند اعلان کیا کہ خندق والو! چلو، جابر نے تمہاری ضیافت کے لئے کھانا تیار کیا ہے، جلدی چلو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ تم جا کر کھانے کا انتظام کرو لیکن، اپنی ہانڈی چولہے سے نہ اتارنا اور نہ آٹا پکانا جب تک میں نہ آجاؤں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے تمام ساتھیوں سمیت میرے ہاں، تشریف لائے، میں نے گندھا ہوا آٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا فرمائی۔

پھر ہانڈی کی طرف بڑھے اور اس میں لعاب ڈال کر برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میری بیوی کے بارے میں) فرمایا کہ روٹی پکانے والی کو بلاؤ تا کہ وہ تمہارے ساتھ روٹی پکا کر دیتی رہے اور چمچے سے ہانڈی میں سالن نکالتے رہو لیکن ہانڈی کو چولہے پر رہنے دینا۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس وقت خندق والے ایک ہزار آدمی تھے (جو تین دن سے بھوکے تھے) اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے (اس کھانے میں سے خوب شکم سیر ہو کر) کھایا لیکن کھانا (جوں کا توں) بچا رہا، جب وہ سب لوگ واپس ہوئے تو ہانڈی اسی طرح چولہے پر پک رہی تھی جیسی کہ پہلے تھی اور آٹا اسی طرح پکایا جا رہا تھا جیسا کہ وہ شروع میں تھا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 464)

حدیث میں لفظ "سور" جس کا ترجمہ ضیافت کا کھانا، کیا گیا ہے، دراصل فارسی کا لفظ ہے، جو آنحضرت کی زبان مبارک پر جاری ہوا، یہ لفظ اہل فارس کی اصطلاح میں "شادی کے کھانے کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ اس لفظ کے علاوہ فارسی کے اور بھی کئی

الفاظ مختلف مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔ کھانے کی اس مقدار نے جو چند ہی آدمیوں کے لئے کافی ہو سکتی تھی نہ صرف یہ کہ ایک ہزار آدمیوں کا شکم سیر کرا دیا بلکہ جوں کا توں بچ بھی گیا دراصل اس ذات گرامی کی برکت کا طفیل تھا جو تمام برکتوں کی منبع ومخزن ہے اور تمام ذات کائنات بلکہ زمین وآمان ان ہی کی برکتوں سے معمور ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طرح کے بے شمار معجزات یعنی کھانے کی قلیل مقدار کا بڑھ جانا انگلیوں سے پانی کا ابل پڑنا اور ذرا سے پانی کا بہت ہو جانا، کھانے سے تسبیح کی آواز آنا، کھجور کے درخت کے تنہ کا آوزاری کرنا، وغیرہ وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں کثرت سے مذکور ہیں اور ان سے متعلق روایتیں حد تواتر کو پہنچتی ہوئی ہیں جن سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، ان معجزات کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی دلیل ہیں، مختلف محقق علماء نے بڑی کاوش ومحنت کر کے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس سلسلہ میں زیادہ عمدہ کتاب امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کو مانا گیا ہے۔

قُلْ لَّنْ يَّنفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
فرما دیجئے: تمہیں فرار ہرگز کوئی نفع نہ دے گا، اگر تم موت یا قتل سے (ڈر کر) بھاگے ہو تو تم تھوڑی سی
مدت کے سوا (زندگانی کا) کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گے۔

موت سے فرار ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہونے کا بیان

"قُلْ لَنْ يَنفَعكُمُ الْفِرَار إنْ فَرَرْتُم مِنَ الْمَوْت أَوْ الْقَتْل وَإِذَا " إنْ فَرَرْتهمْ "لَا تُمَتَّعُونَ" فِي الدُّنْيَا بَعْد فِرَاركُمْ "إلَّا قَلِيلًا" بَقِيَّة آجَالكُمْ،

تم فرما دو فرار اختیار کرنا تمہیں فائدہ نہیں دے گا اگر تم موت یا قتل سے راہ فرار اختیار کرتے ہو اس صورت میں یعنی اگر تم فرار ہو جاؤ تو تمہیں تمہارے فرار ہونے کے بعد دنیا میں صرف تھوڑا سا فائدہ ملے گا جو تمہاری بقیہ زندگی (کی صورت میں ہوگا)

یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی ہر جگہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بیسود ہے۔ کیا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ
وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝
فرما دیجئے: کون ایسا شخص ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اگر وہ تمہیں تکلیف دینا چاہے یا تم پر رحمت کا ارادہ فرمائے،
اور وہ لوگ اپنے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی جائے پناہ نہ ہونے کا بیان

"قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ " يُجِيرُكُمْ "مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءً" هَلَاكًا وَهَزِيمَة "أَوْ" يُصِيبكُمْ بِسُوءٍ إِنْ "أَرَادَ" اللَّه "بِكُمْ" خَيْرًا "وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُون اللَّه" أَيْ غَيْره "وَلِيًّا" يَنْفَعهُمْ "وَلَا نَصِيرًا" يَدْفَع الضُّرّ عَنْهُمْ

تم فرما دو تمہیں کون بچائے گا یعنی تمہیں کون پناہ دے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر وہ تمہارے لئے برائی کا ارادہ کرے یعنی ہلاکت اور شکست کا یا پھر (کون) تمہیں برائی پہنچائے گا اگر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تمہارے لئے رحمت یعنی بھلائی کا ارادہ کرے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ، یعنی کسی اور کو نگران نہیں پائیں گے جو انہیں نفع دے اور مددگار نہیں پائیں گے جو ان سے تکلیف کو دور کرے۔

یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
یقیناً اللہ تم میں سے رکاوٹیں ڈالنے والوں کو جانتا ہے اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والوں کو بھی کہ ہماری طرف آ جاؤ
اور وہ لڑائی میں نہیں آتے مگر بہت کم۔ (یعنی بہت کم آتے ہیں)۔

جہاد میں رکاوٹیں ڈالنے والوں کا بیان

"قَدْ يَعْلَم اللَّه الْمُعَوِّقِينَ" الْمُثَبِّطِينَ "مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ" تَعَالَوْا "إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْس" الْقِتَال "إِلَّا قَلِيلًا" رِيَاء وَسُمْعَة،

بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم میں سے روکنے والے ہیں یعنی منع کرنے والے ہیں اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے آؤ! یعنی ہماری طرف آ جاؤ اور تکلیف یعنی جنگ کی طرف بہت تھوڑے لوگ جاتے ہیں جو دکھاوے اور ریا کاری کے طور پر اس طرح کرتے ہیں۔

سورہ احزاب آیت ۱۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ان کے پاس یہود نے پیام بھیجا تھا کہ تم کیوں اپنی جانیں ابوسفیان کے ہاتھوں سے ہلاک کرانا چاہتے ہو، اس کے لشکری اس مرتبہ اگر تمہیں پا گئے تو تم میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیں گے، ہمیں تمہارا اندیشہ ہے تم ہمارے بھائی اور ہمسایہ ہو ہمارے پاس آ جاؤ۔

یہ خبر پا کر عبداللہ بن اُبَی بن سلول منافق اور اس کے ساتھی مومنین کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے ڈرا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے سے روکنے لگے اور اس میں انہوں نے بہت کوشش کی لیکن جس قدر انہوں نے کوشش کی مومنین کا ثباتِ استقلال اور بڑھتا گیا۔ (تفسیر خازن، سورہ احزاب، بیروت)

جہاد سے منہ موڑنے والے ایمان سے خالی لوگ

اللہ تعالیٰ اپنے محیط علم سے انہیں خوب جانتا ہے جو دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے ہیں۔ اپنے ہم صحبتوں سے یار دوستوں سے کنبے قبیلے والوں سے کہتے ہیں کہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ رہو اپنے گھروں کو اپنے آرام کو اپنی زمین کو اپنے بیوی بچوں کو نہ چھوڑو۔ خود بھی جہاد میں آتے نہیں یہ اور بات ہے کہ کسی کسی وقت منہ دکھا جائیں اور نام لکھوا جائیں۔ یہ بڑے بخیل ہیں نہ ان سے تمہیں کوئی مدد پہنچے نہ ان کے دل میں تمہاری ہمدردی نہ مال غنیمت میں تمہارے حصے پر یہ خوش۔ خوف کے وقت تو ان نامردوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں۔ آنکھیں چھاچھ پانی ہو جاتی ہے مایوسانہ نگاہوں سے تکنے لگتے ہیں۔ لیکن خوف دور ہوا کہ انہوں نے لمبی لمبی زبانیں نکال ڈالیں اور بڑھے چڑھے دعوے کرنے لگے اور شجاعت و مردی کا دم بھرنے لگے۔ اور مال غنیمت پر بیطرح گرنے لگے۔ ہمیں دو ہمیں دو کا غل مچا دیتے ہیں۔ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ ہم نے جنگی خدمات انجام دی ہیں ہمارا حصہ ہے۔ اور جنگ کے وقت صورتیں بھی نہیں دکھاتے بھاگتوں کے آگے اور لڑتوں کے پیچھے رہا کرتے ہیں دونوں عیب جس میں جمع ہوں اس جیسا بےخیر انسان اور کون ہوگا؟ امن کے وقت عیاری بدخلقی بدزبانی اور لڑائی کے وقت نامردی روباہ بازی اور زنانہ پن۔ لڑائی کے وقت حائضہ عورتوں کی طرح الگ اور یکسو اور مال لینے کے وقت گدھوں کی طرح ڈھینچو ڈھینچو۔ اللہ فرماتا ہے بات یہ ہے کہ ان کے دل شروع سے ہی ایمان سے خالی ہیں۔ اس لئے ان کے اعمال بھی اکارت ہیں۔ اللہ پر یہ آسان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، احزاب، بیروت)

اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى
عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۝
تمہارے بارے میں سخت بخیل ہیں، پس جب خوف آپہنچے تو تو انہیں دیکھے گا کہ تیری طرف ایسے دیکھتے ہیں کہ
ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی طاری کی جارہی ہو، پھر جب خوف جاتا رہے تو تمہیں
تیز زبانوں کے ساتھ تکلیف دیں گے، اس حال میں کہ مال کے سخت حریص ہیں۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو
اللہ نے ان کے اعمال ضائع کردیے اور یہ ہمیشہ سے اللہ پر بہت آسان ہے۔

غنائم کو دیکھ کر نظریات کو پھیرنے والے لوگوں کا بیان

"أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ" بِالْمُعَاوَنَةِ جَمْع شَحِيح وَهُوَ حَال مِنْ ضَمِير يَأْتُونَ "فَإِذَا جَاءَ الْخَوْف رَأَيْتهمْ يَنْظُرُونَ إلَيْك تَدُور أَعْيُنهمْ كَالَّذِي" كَنَظَرِ أَوْ كَدَوَرَانِ الَّذِي "يُغْشَى عَلَيْهِ مِنْ الْمَوْت" أَيْ سَكَرَاته "فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْف" وَحِيزَتْ الْغَنَائِم "سَلَقُوكُمْ" آذَوْكُمْ أَوْ ضَرَبُوكُمْ "بِأَلْسِنَةٍ حِدَاد أَشِحَّة عَلَى الْخَيْر" أَيْ الْغَنِيمَة يَطْلُبُونَهَا "أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا" حَقِيقَة "فَأَحْبَطَ اللَّه أَعْمَالهمْ وَكَانَ ذَلِكَ" الْإِحْبَاط "عَلَى اللَّه يَسِيرًا" بِإِرَادَتِهِ،

وہ تمہارے ساتھ بخل سے کام لیتے ہیں یعنی تعاون کرنے میں (اَشِحَّۃً) یہ لفظ ''شحیح'' کی جمع ہے اور یہ لفظ ''یَاْتُوْنَ'' کی ضمیر کا حال واقع ہو رہا ہے پھر جب خوف آ جائے تو تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف دیکھیں گے ان کی آنکھیں ادھر ادھر گھوم رہی ہونگی وہ اس طرح دیکھیں گے یا وہ گھومنا اس طرح ہوگا جس پر موت آ جائے یعنی موت کی سختیاں آ جائیں اور جب وہ خوف چلا جائے اور مال غنیمت اکٹھا ہو جائے تو وہ تمہیں طعنے دیں یعنی اذیت پہنچائیں اور مثالیں دیں۔ تیز زبانوں کے ذریعے گویا وہ بھلائی کے لالچی ہیں یعنی مال غنیمت طلب کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے یعنی حقیقت میں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کو ضائع کر دیا اور وہ یعنی ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے یعنی اس کے ارادے کے ہمراہ۔

مال غنائم پر منافقین کے حرص کا بیان

اشحۃ (مادہ ش ح ح) شحیح ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مال سمیٹنے میں تو انتہا درجہ کا حریص ہو مگر خرچ کرنے میں سخت بخیل ہو۔ یعنی جب جنگ میں تمہارا ساتھ دینے کا معاملہ ہو تو اس معاملہ میں وہ انتہائی بخل سے کام لیتے ہیں۔ مگر جب جنگ ختم ہو جائے میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہے' اموال غنیمت کی تقسیم کا موقعہ ہو تو پھر یہ لوگ مال پر مرے جاتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ یہ سارا مال ہمارے ہی ہاتھ آ جائے پھر وہ طرح طرح کی اپنی وفاداریاں اور ہمدردیاں جتلانے لگتے ہیں تاکہ اموال غنیمت میں اپنا استحقاق ثابت کر سکیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ
يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝
یہ لوگ (ابھی تک یہ) گمان کرتے ہیں کہ کافروں کے لشکر (واپس) نہیں گئے اور اگر وہ لشکر (دوبارہ) آ جائیں
تو یہ چاہیں گے کہ کاش وہ دیہاتیوں میں جا کر بادیہ نشین ہو جائیں (اور) تمہاری خبریں دریافت کرتے رہیں،
اور اگر وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو بھی بہت ہی کم لوگوں کے سوا وہ جنگ نہیں کریں گے۔

منافقین کی کمزوریوں کا بیان

"يَحْسَبُونَ الْأَحْزَاب" مِنْ الْكُفَّار "لَمْ يَذْهَبُوا" إلَى مَكَّة لِخَوْفِهِمْ مِنْهُمْ "وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَاب" كَرَّة أُخْرَى "يَوَدُّوا" يَتَمَنَّوْا "لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَاب" أَيْ كَائِنُونَ فِي الْبَادِيَة "يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ" أَخْبَارِكُمْ مَعَ الْكُفَّار "وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ" هَذِهِ الْكَرَّة "مَا قَاتَلُوا إلَّا قَلِيلًا" رِيَاء وَخَوْفًا مِنْ التَّعْيِير،

وہ گروہوں کے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں یعنی کفار کے بارے میں کہ وہ لوگ نہیں گئے مکہ کی طرف ایسا ان کے خوف کی وجہ سے ہے اور اگر وہ گروہ آ جائیں یعنی دوسری مرتبہ تو وہ یہ پسند کریں گے یعنی یہ آرزو کریں گے کاش وہ لوگ دیہات میں رہ رہے ہوتے یعنی دیہاتی زندگی بسر کرتے، وہ تم سے ہماری خبریں دریافت کریں گے یعنی کفار کے ساتھ ہارے (جنگ کے نتائج) اور اگر وہ تمہارے درمیان ہوتے اس مرتبہ بھی تو انہوں نے جنگ میں تھوڑا سا حصہ لینا تھا (وہ بھی) دکھاوے کے طور پر یا شرمندگی کے خوف سے۔

منافقوں کی بزدلی کا بیان

بزدل اور ڈرپوک اتنے ہیں کہ اتحادی فوجیں کب کی واپس جا بھی چکی ہیں لیکن انھیں اب تک یقین نہیں آ رہا کہ دشمن جا چکا ہے اور ممکن ہے منافق یہ سمجھ رہے ہوں کہ مسلمانوں نے پروپیگنڈا کے طور پر ایسی خبر مشہور کر دی ہے۔ انھیں یہ بھی فکر لاحق ہے کہ موسم کی خرابی سے اگر دشمن چلا گیا ہے تو موسم درست ہونے پر پھر دوبارہ نہ چڑھائی کر دے۔ اندریں صورت وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ کیا اچھا ہوتا کہ وہ مدینہ کے باشندے نہ ہوتے بلکہ کسی گاؤں کے رہنے والے ہوتے۔ جہاں دشمن کی چڑھائی کا خطرہ ہی نہ ہوتا تو انھیں ایسی پریشانیاں لاحق نہ ہوتیں۔ بس ادھر ادھر سے ہی مسلمانوں کے حالات پوچھ پاچھ لیتے یا ان تک ان کی کچھ خبریں پہنچ جاتیں۔ اور اگر انھیں حالات امید افزا نظر آتے اور مسلمانوں کی کامیابی یقینی دکھائی دینے لگتی تو وہ بھی اموال غنیمت میں حصہ بٹانے کی خاطر لڑائی میں آ شامل ہوتے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ٥
بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔ اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

سیرت مبارکہ کا تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہونے کا بیان

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُول اللَّه إسْوَة" بِكَسْرِ الْهَمْزَة وَضَمّهَا "حَسَنَة" اقْتِدَاء بِهِ فِي الْقِتَال وَالثَّبَات فِي مَوَاطِنه "لِمَنْ" بَدَل مِنْ لَكُمْ "كَانَ يَرْجُو اللَّه" يَخَافهُ "وَالْيَوْم الْآخِر وَذَكَرَ اللَّه كَثِيرًا" بِخِلَافِ مَنْ لَيْسَ كَذَلِكَ،

تمہارے لئے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں نمونہ ہے اس لفظ (اسوہ) کو "ء" پر زبر اور پیش دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے؛

بہترین (نمونہ) یعنی جنگ کرنے میں ان کی پیروی کرنا اور اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا یہ اس شخص کے لئے ہے یہ لفظ ''من'' کا بدل ہے جو اللہ تعالیٰ کی امید رکھتا ہو یعنی اس کا خوف رکھتا ہو اور آخرت کے دن کا بھی اور وہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو اس کے برعکس وہ شخص جو ایسا نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ کی اتباع کے حکم کا بیان

یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال افعال احوال اقتدا پیروی اور تابعداری کے لائق ہیں۔ جنگ احزاب میں جو صبر وتحمل اور عدیم المثال شجاعت کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی۔ مثلاً راہ الہ کی تیاری شوق جہاد اور سختی کے وقت بھی رب سے آسانی کی امید اس وقت آپ نے دکھائی یقیناً یہ تمام چیزیں اس قابل ہیں کہ مسلمان انہیں اپنی زندگی کا جزوِ اعظم بنالیں اور اپنے پیارے پیغمبر اللہ کے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لئے بہترین نمونہ بنالیں اور ان اوصاف سے اپنے تئیں بھی موصوف کریں۔ اسی لیے قرآن کریم ان لوگوں کو جو اس وقت سٹ پٹا رہے تھے اور گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کرتے تھے فرماتا ہے کہ تم نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کیوں نہ کی؟ میرے رسول تو تم میں موجود تھے ان کا نمونہ تمہارے سامنے تھا تمہیں صبر واستقلال کی نہ صرف تلقین تھی بلکہ ثابت قدمی استقلال اور اطمینان کا پہاڑ تمہاری نگاہوں کے سامنے تھا۔ تم جبکہ اللہ پر قیامت پر ایمان رکھتے ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ تم اپنے رسول کو اپنے لئے نمونہ اور نظیر نہ قائم کرتے؟ پھر اللہ کی فوج کے سچے مومنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ساتھیوں کے ایمان کی پختگی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے جب ٹڈی دل لشکر کفار کو دیکھا تو پہلی نگاہ میں ہی بول اٹھے کہ انہی پر فتح پانے کی ہمیں خوشخبری دی گئی ہے۔ ان ہی کی شکست کا ہم سے وعدہ ہوا ہے اور وعدہ بھی کس کا اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ اور یہ ناممکن محض ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ غلط ہو یقیناً ہمارا سر اور اس جنگ کی فتح کا سہرا ہوگا۔ ان کے اس کامل یقین اور سچے ایمان کو رب نے بھی دیکھ لیا اور دنیا آخرت میں انجام کی بہتری انہیں عطا فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝
اور جب اہل ایمان نے (کافروں کے) لشکر دیکھے تو بول اٹھے کہ یہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا
اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے، سو اس (منظر) سے ان کے ایمان اور اطاعت گزاری میں اضافہ ہی ہوا۔

احزاب کو دیکھ کر ایمان واطاعت میں اضافہ ہونے کا بیان

"وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَاب" مِنْ الْكُفَّار "قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّه وَرَسُوله" مِنْ الِابْتِلَاء وَالنَّصْر "وَصَدَقَ اللَّه وَرَسُوله" فِي الْوَعْد "وَمَا زَادَهُمْ" ذَلِكَ "إلَّا إيمَانًا" تَصْدِيقًا بِوَعْدِ اللَّه

"وَتَسْلِيمًا" لِأَمْرِهِ،

جب اہل ایمان نے (دشمن کے) لشکروں کو دیکھا یعنی کفار کے، تو انہوں نے یہ کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا یعنی اس آزمائش اور مدد کا تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول سچے ہیں اپنے وعدے میں اور اس بات نے ان لوگوں کے ایمان میں یعنی اللہ کے وعدے کی تصدیق میں اضافہ ہی کیا اور اس کے حکم کی فرمانبرداری میں بھی (اضافہ ہی کیا)

تمہیں شدت و بلا پہنچے گی اور تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے اور پہلوں کی طرح تم پر سختیاں آئیں گی اور لشکر جمع ہو ہو کر تم پر ٹوٹیں گے اور انجام کار تم غالب ہو گے اور تمہاری مدد فرمائی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ، البقرۃ:214)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ پچھلی نو یا دس راتوں میں لشکر تمہاری طرف آنے والے ہیں، جب انہوں نے دیکھا کہ اس میعاد پر لشکر آ گئے تو کہا یہ ہے وہ جو ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

ہوا کے ذریعے دشمنان اسلام کی شکست ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی ذکر و دعا ہے جسے ہم پڑھیں اور کامیاب ہوں کیونکہ ہمارے دل گردن کو پہنچ گئے ہیں (یعنی انتہائی دشواریوں اور مشقتوں نے ہمیں گھیر لیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور وہ یہ ہے۔ دعا (اللھم استر عوراتنا وامن روعاتنا)۔ یعنی اے اللہ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن میں رکھ! حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے منہ پر ہوا کے تھپیڑے مارے اور ہوا ہی کے ذریعہ انہیں شکست دی۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 986)

خندق کے دن سے مراد غزوہ خندق ہے جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بایں طور اپنی مدد و نصرت سے نوازا کہ ہوا کے تیز و تند تھپیڑے دشمنان دین پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، ان کے خیمے اکھاڑ ڈالے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝
مومنوں میں سے کچھ مرد ایسے ہیں جنھوں نے وہ بات سچ کہی جس پر انھوں نے اللہ سے عہد کیا، پھر ان میں سے کوئی
تو وہ ہے جو اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وہ ہے جو انتظار کر رہا ہے اور انھوں نے نہیں بدلا، کچھ بھی بدلنا۔

اللہ تعالیٰ کے عہد کے پورا ہو جانے کا بیان

"مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" مِنَ الثَّبَات مَعَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَه" مَاتَ أَوْ قُتِلَ فِي سَبِيل اللّٰه "وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِر" ذٰلِكَ "وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا" فِي الْعَهْد وَهُمْ بِخِلَافِ حَال الْمُنَافِقِينَ،

اہل ایمان میں سے بعض وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو سچ ثابت کر دکھایا یعنی وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی منت کو پورا کیا یعنی وہ فوت ہو گئے یا اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہیں جو اس کا انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی یعنی اس عہد میں اور یہ منافقین کی حالت کے برعکس ہیں۔

احد میں جنت کی خوشبو پانے والوں کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر جب کے نام پر میرا نام رکھا گیا وہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور یہ بات ان پر بہت گراں گزری۔ وہ کہنے لگے کہ پہلی جنگ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے میں نہ جا سکا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ آئندہ مجھے کسی جنگ میں شریک کریں تو دیکھیں کہ میں کیا کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ اس سے زیادہ کہنے سے ڈر گئے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوئے جو ایک سال بعد ہوا۔ وہاں راستے میں انہیں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے تو انہوں نے فرمایا اے ابوعمرو (انس) کہاں جا رہے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا واہ واہ میں احد میں جنت کی خوشبو پا رہا ہوں پھر انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر چوٹ، نیزے اور تیروں کے اسی (۸۰) سے زیادہ نشان تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری پھوپی ربیع بنت نضر کہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کی لاش صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچان سکی اور پھر یہ آیت نازل ہوئی (مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا، ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے پھر کوئی تو ان سے پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا ہے اور بدلا نہیں ایک ذرہ)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1148)

دشمنان اسلام کے بھاگ جانے کا بیان

- حضرت سلیمان ابن صرد کہتے ہیں کہ جب غزوہ احزاب سے دشمنوں کا لشکر بھاگ گیا (اور مدینہ کا محاصرہ ہٹ گیا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب دشمن ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے، ہاں ہم ان سے جہاد کریں گے اور ان پر لشکر کشی کریں گے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 468)

یہ غزوہ خندق کا ذکر ہے جب تمام کفار بشمول یہود ہزار ہا کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور مدینہ کی حفاظت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر شہر کے گرد خندق کھودی تھی، قریش کے لشکر کے سردار ابوسفیان تھے، اسی طرح مشرکین و کفار کے دوسرے گروہوں کے بھی اپنے الگ الگ سردار تھے، دشمن نے مسلسل ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رکھا اور خندق کے اس پار ڈٹے رہے اس عرصہ میں کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی، کبھی کبھار تیراندازی اور پتھراؤ کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے شروع ہو جاتا تھا، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی مدد ظاہر فرمائی، ملائکہ نازل ہوئے دشمن کی نگاہوں میں ظاہر نہ ہونے کے باوجود اس کے قلع قمع میں لگ گئے، ہوا اور آندھی کا ایسا سخت طوفان آیا جس نے کفار کے لشکر میں سخت ابتری پھیلا دی اور اس طرح ان کے دلوں میں ایسا خوف اور رعب بیٹھ گیا کہ پورا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑا ہوا، اسی مناسبت سے اس کو غزوہ احزاب بھی کہا جاتا ہے، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، پیش گوئی فرمائی تھی کہ آج مشرکوں کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی ہے، اب کبھی بھی ہمارے دشمن کو ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں ہوگی، تو اب ہم ہی ان پر لشکر کشی کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس غزوہ کے بعد کفار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور نہیں ہوا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور دوسرے مقامات پر لشکر کشی فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر مسلمانوں کو فتح دی۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے، یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔
بلاشبہ اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

سچے لوگوں کیلئے سچائی کا بدلہ ہونے کا بیان

"لِيَجْزِيَ اللّٰه الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّب الْمُنَافِقِينَ إنْ شَاء" بِأَنْ يُمِيتهُمْ عَلَى نِفَاقهمْ "أَوْ يَتُوب عَلَيْهِمْ إنَّ اللّٰه كَانَ غَفُورًا" لِمَنْ تَابَ "رَحِيمًا" بِهِ،

یہ اس لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور منافقین کو عذاب دے اگر وہ چاہے یعنی انہیں ان کے نفاق پر موت دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے بے شک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے اس شخص کے لئے جو توبہ کرے رحم کرنے والا ہے۔

اچھے اعمال کیلئے اچھا بدلہ ہونے کا بیان

حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایک اعرابی سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھو کہ جو لوگ اپنا کام کر چکے ہیں وہ کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرتے اور آپ سے ڈرتے تھے۔ جب اعرابی نے آپ سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ پھر اس نے دوبارہ یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔ اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے دروازے سے داخل ہوا، میرے بدن پر سبز کپڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سوال کرنے والا کون ہے؟ اعرابی نے عرض کیا میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا یہ (یعنی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان لوگوں میں سے ہے جو اپنا کام کر چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف یونس بن بکیر کی روایت سے جانتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1151)

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝
اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ کی جلن کے ساتھ واپس لوٹا دیا کہ وہ کوئی کامیابی نہ پا سکے، اور اللہ ایمان والوں
کے لئے جنگ (احزاب) میں کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا عزت والا ہے۔

کفار کا غزوہ احزاب سے نامراد لوٹ آنے کا بیان

"وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" أَيْ الْأَحْزَاب "بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا" مُرَادهمْ مِنْ الظَّفَر بِالْمُؤْمِنِيْنَ "وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَال" بِالرِّيحِ وَالْمَلَائِكَة "وَكَانَ اللّٰه قَوِيًّا" عَلَى إيجَاد مَا يُرِيدهُ "عَزِيزًا" غَالِبًا عَلَى أَمْره،

اور اللہ تعالیٰ نے واپس کر دیا ان کفار کو یا ان کے لشکروں کو ان کی جلن کے ہمراہ وہ کسی بھلائی تک نہیں پہنچ سکے یعنی اپنی مراد کو نہیں پا سکے جو کامیابی کی شکل میں ہوتی' مومنین کے مقابلے میں اور اللہ تعالیٰ جنگ میں مومنین کی مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ میں مومنین کی کفایت کی' ہوا اور فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ قوی ہے اس چیز کو نافذ کرنے میں جس کا وہ ارادہ کرے اور عزیز ہے یعنی غالب ہے اپنے فیصلے میں۔

کفار کا غزوہ احزاب سے رسوا ہو کر واپس لوٹنے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ اس نے طوفان باد و باراں بھیج کر اور اپنے نہ نظر آنے والے لشکر اتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور انہیں سخت مایوسی اور نامرادی کیساتھ محاصرہ ہٹانا پڑا۔ بلکہ اگر رحمۃ اللعالمین کی امت میں یہ نہ ہوتے تو یہ ہوائیں ان کے ساتھ وہی کرتیں جو عادیوں کے ساتھ اس بے برکت ہوا نے کیا تھا۔ چونکہ رب العالمین کا فرمان ہے کہ تو جب تک ان میں ہے اللہ انہیں عام عذاب نہیں کرے گا لہذا انہیں صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھا دیا۔ ان کے مجمع کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹا لیا۔

چونکہ ان کا یہ اجتماع محض ہوائے نفسانی تھا اس لئے ہوا نے ہی انہیں پراگندہ کردیا جو سوچ سمجھ کر آئے تھے سب خاک میں مل گیا کہاں کی غنیمت؟ کہاں کی فتح؟ جان کے لالے پڑے گئے اور ہاتھ ملتے دانت پیستے پیچ وتاب کھاتے ذلت ورسوائی کے ساتھ نامرادی اور ناکامی سے واپس ہوئے۔ دنیا کا خسارہ الگ ہوا اور آخرت کا وبال الگ۔ کیونکہ جو کوئی شخص کسی کام کا قصد کرتا ہے اور وہ اپنے کام کو عملی صورت بھی دے دے پھر وہ اس میں کامیاب نہ ہو تو گنہگار تو وہ ہو ہی گیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل اور آپ کے دین کو فنا کرنے کی آرزو پھر اہتمام پھر اقدام سب کچھ انہوں نے کرلیا۔ لیکن قدرت نے دونوں جہان کا بوجھ ان پر لادھ کر انہیں جلے دل سے واپس کیا اللہ تعالیٰ نے خود ہی مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا۔ نہ مسلمان ان سے لڑے نہ انہیں ہٹایا۔ بلکہ مسلمان اپنی جگہ رہے اور وہ بھاگتے رہے۔ اللہ نے اپنے لشکر کی لاج رکھ لی اور اپنے بندے کی مدد کی اور خود ہی کافی ہو گیا اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اپنے لشکر کی عزت کی تمام دشمنوں سے آپ ہی نمٹ لیا اور سب کو شکست دے دی۔ اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں۔ (بخاری مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے موقعہ پر جناب باری تعالیٰ سے جو دعا کی تھی وہ بھی بخاری مسلم میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا دعا (اللھم منزل الکتاب سرع الحساب اھزم الا حزاب وزلزلھم) اے اللہ اے کتاب کے اتارنے والے جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔ اس فرمان آیت (وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا 25) -33الأحزاب:25) یعنی اللہ نے مومنوں کی کفایت جنگ سے کردی۔ اس میں نہایت لطیف بات یہ ہے کہ نہ صرف اس جنگ سے ہی مسلمان چھوٹ گئے بلکہ آئندہ ہمیشہ ہی صحابہ اس سے بچ گئے کہ مشرکین ان پر چڑھ دوڑیں چنانچہ آپ تاریخ دیکھ لیں جنگ خندق کے بعد کافروں کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ مدینے پر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی جگہ خود چڑھائی کرتے۔ ان کے منحوس قدموں سے اللہ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کے مسکن وآرام گاہ کو محفوظ کرلیا۔ بلکہ برخلاف اس کے مسلمان ان پر چڑھ چڑھ گئے یہاں تک کہ عرب کی سرزمین سے اللہ نے شرک وکفر ختم کردیا۔

جب اس جنگ سے کافر لوٹے اسی وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشن گوئی فرمادیا تھا کہ اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ نہیں کریں گے بلکہ تم ان سے جنگ کروگے چنانچہ یہی ہوا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اللہ کو کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔ اسی نے اپنی مدد وقوت سے ان بپھرے ہوئے اور بکھرے ہوئے لشکروں کو پسپا کیا۔ انہیں برائے نام بھی کوئی نفع نہ پہنچا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب کیا اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے عبد ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا۝

اور اس نے ان اہل کتاب کو، جنھوں نے ان کی مدد کی تھی، ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا،
ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو قید کرتے تھے۔

اہل کتاب کے دلوں میں رعب جاری ہو جانے کا بیان

"وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ" أَيْ قُرَيْظَةَ "مِنْ صَيَاصِيهِمْ" حُصُونِهِمْ جَمْعُ صِيصَةٍ وَهُوَ مَا يُتَحَصَّنُ بِهِ "وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ" الْخَوْفَ "فَرِيقًا تَقْتُلُونَ" مِنْهُمْ وَهُمُ الْمُقَاتِلَةُ "وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا" مِنْهُمْ أَيِ الذَّرَارِيَّ،

اور اس نے نازل کیا ان لوگوں پر جنہوں نے (اہل کتاب نے) ان کی مدد کی یعنی قبیلہ قریظہ کے لوگوں نے اپنے قلعوں کے ذریعے یہ لفظ صیصة کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی پناہ میں آیا جائے اور اس نے ڈال دیا ان لوگوں کے دلوں میں خوف، ان میں سے ایک فریق کو تم نے قتل کیا اور یہ جنگجو لوگ تھے اور ایک فریق کو تم نے قیدی بنالیا اس سے مراد ان کے بچے ہیں۔

بنو قریظہ کی قلعوں میں حصار بندی کا بیان

اس میں غزوہ بنی قُرَیظہ کا بیان ہے، یہ آخرِ ذی قعدہ ۴ھ یا ۵ھ میں ہوا جب غزوہ خندق میں شب کو مخالفین کے لشکر بھاگ گئے جس کا اوپر کی آیات میں ذکر ہو چکا ہے اس شب کی صبح کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں تشریف لائے اور ہتھیار اتار دیئے، اس روز ظہر کے وقت جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک دھویا جا رہا تھا، جبریلِ امین حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور نے ہتھیار رکھ دیئے، فرشتوں نے چالیس روز سے ہتھیار نہیں رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بنی قُرَیظہ کی طرف جانے کا حکم فرماتا ہے، حضور نے حکم فرمایا کہ ندا کر دی جائے کہ جو فرمانبردار ہو وہ عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قُرَیظہ میں جا کر حضور یہ فرما کر روانہ ہو گئے اور مسلمان چلنے شروع ہوئے اور یکے بعد دیگرے حضور کی خدمت میں پہنچتے رہے یہاں تک کہ بعضے حضرات نمازِ عشا کے بعد پہنچے لیکن انہوں نے اس وقت تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کیونکہ حضور نے بنی قُرَیظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اس لئے اس روز انہوں نے عصر بعد عشا پڑھی اور اس پر نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، لشکرِ اسلام نے پچیس روز تک بنی قُرَیظہ کا محاصرہ رکھا اس سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم میرے حکم پر قلعوں سے اترو گے؟ انہوں نے انکار کیا تو فرمایا کیا قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کے حکم پر اترو گے؟ اس پر وہ راضی ہوئے اور سعد بن معاذ کو ان کے بارے میں حکم دینے پر مامور فرمایا، حضرت سعد نے حکم دیا کہ مرد قتل کر دیئے جائیں، عورتیں اور بچے قید کئے جائیں پھر بازارِ مدینہ میں خندق کھودی گئی اور وہاں لا کر ان سب کی گردنیں ماری گئیں، ان لوگوں میں قبیلہ بنی نُضیر کا سردار حُیَی بن اخطب اور بنی قُرَیظہ کا سردار کعب بن اسد بھی تھا اور یہ لوگ چھ سو یا سات سو جوان تھے جو گردنیں کاٹ کر خندق میں ڈال دیئے گئے۔ (تفسیر مدارک وجمل، سورہ احزاب، بیروت)

بنوقریظہ کے بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے کا بیان

اتنا ہم پہلے لکھ چکے ہیں جب مشرکین و یہود کے لشکر مدینے پر آئے اور انہوں نے گھیرا ڈالا تو بنوقریظہ کے یہودی جو مدینے میں تھے اور جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد و پیان ہو چکا تھا انہوں نے بھی عین موقعہ پر بیوفائی کی اور عہد توڑ کر آنکھیں دکھانے لگے ان کا سردار کعب بن اسد باتوں میں آ گیا اور حی بن اخطب خبیث نے اسے بدعہدی پر آمادہ کر دیا پہلے تو یہ نہ مانا اور اپنے عہد پر قائم رہا حی نے کہا کہ دیکھ تو سہی میں تو تجھے عزت کا تاج پہنانے آیا ہوں۔ قریش اور انکے ساتھی غطفان اور ان کے ساتھی اور ہم سب ایک ساتھ ہیں۔ ہم نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک ایک ایک مسلمان کا قیمہ نہ کرلیں یہاں سے نہیں ہٹنے کے کعب چونکہ جہاندیدہ شخص تھا اس نے جواب دیا کہ محض غلط ہے۔ یہ تمہارے بس کے نہیں تو ہمیں ذلت کا طوق پہنانے آیا ہے۔ تو بڑا منحوس شخص ہے میرے سامنے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی مکاری کا شکار نہ بنا لیکن حی پھر بھی نہ ٹلا اور اسے سمجھاتا بجھاتا رہا۔ آخر میں کہا سن اگر بالفرض قریش اور غطفان بھاگ بھی جائیں تو میں مع اپنی جماعت کے تیری گڑھی میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تیرا اور تیری قوم کا حال ہوگا۔ وہی میرا اور میری قوم کا حال ہوگا۔ بالآخر کعب پر حی کا جادو چل گیا اور بنوقریظہ نے صلح توڑ دی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو سخت صدمہ ہوا اور بہت ہی بھاری پڑا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی مدد کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کے مظفر و منصور مدینے شریف کو واپس آئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار کھول دئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہتھیار اتار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں گرد و غبار سے پاک صاف ہونے کے لئے غسل کرنے کو بیٹھے ہی تھے جو حضرت جبرائیل ظاہر ہوئے آپ کے سر پر ریشمی عمامہ تھا خچر پر سوار تھے جس پر ریشمی گدی تھی فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے کمر کھول لی؟ آپ نے فرمایا ہاں حضرت جبرائیل نے فرمایا لیکن فرشتوں نے اب تک اپنے ہتھیار الگ نہیں کئے۔ میں کافروں کے تعاقب سے ابھی ابھی آ رہا ہوں سنئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ کی طرف چلئے اور ان کی پوری گوشمالی کیجئے۔ مجھے بھی اللہ کا حکم مل چکا ہے کہ میں انہیں تھرا دوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے تیار ہو کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کو حکم دیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک عصر کی نماز بنوقریظہ میں ہی پڑھے۔ ظہر کے بعد یہ حکم ملا تھا بنوقریظہ کا قلعہ یہاں سے کئی میل پر تھا۔ نماز کا وقت صحابہ کو راستہ میں آ گیا۔ تو بعض نے تو نماز ادا کرلی اور کہا کہ حضور کا فرمان اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم تیز چلیں۔ اور بعض نے کہا ہم تو وہاں پہنچے بغیر نماز نہیں پڑھیں گے جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے دونوں میں سے کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ آپ نے مدینہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لشکر کا جھنڈا دیا اور آپ بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پیچھے پیچھے بنوقریظہ کی طرف چلے اور جا کر ان کے قلعہ کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس روز تک رہا۔ جب یہودیوں کے ناک میں دم آ گیا اور تنگ حال ہو گئے تو انہوں نے اپنا حاکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ بنوقریظہ میں اور قبیلہ اوس میں زمانہ جاہلیت میں اتفاق و یگانگت تھی ایک دوسرے کے حلیف تھے اس لئے ان یہودیوں کو یہ خیال رہا کہ حضرت سعد ہمارا لحاظ اور پاس کریں گے جیسے کہ عبداللہ بن ابی سلول نے بنوقینقاع

کو چھڑوایا تھا ادھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت تھی کہ جنگ خندق میں انہیں اکحل کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے خون جاری تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخم پر داغ لگوایا تھا اور مسجد کے خیمے میں ہی انہیں رکھا تھا کہ پاس ہی پاس عیادت اور بیمار پرسی کرلیا کریں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو دعائیں کیں ان میں ایک دعا یہ تھی کہ اے پروردگار اگر اب بھی کوئی ایسی لڑائی باقی ہے جس میں کفار قریش تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھ آئیں تو تو مجھے زندہ رکھ کہ میں اس میں شرکت کرسکوں اور اگر تو نے کوئی ایک لڑائی بھی ایسی باقی نہیں رکھی تو خیر میرا زخم خوب بہاتا رہے لیکن اے میرے رب جب تک میں بنو قریظہ قبیلے کی سرکشی کی سزا سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں تو میری موت کو موخر فرمانا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مستجاب الدعوات کی دعا کی قبولیت کی شان دیکھئے کہ آپ دعا کرتے ہیں ادھر یہودان بنو قریظہ آپ کے فیصلے پر اظہار رضامندی کرکے قلعے کو مسلمانوں کے سپرد کرتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدمی بھیج کر آپ کو مدینہ سے بلواتے ہیں کہ آپ آکر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنادیں۔ یہ گدھے پر سوار کرالئے گیے اور سارا قبیلہ ان سے لپٹ گیا کہ دیکھئے حضرت خیال رکھئے گا بنو قریظہ آپ کے آدمی ہیں انہوں نے آپ پر بھروسہ کیا ہے وہ آپ کے حلیف ہیں آپ کے قوم کے دکھ کے ساتھی ہیں۔ آپ ان پر رحم فرمایئے گا ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے گا۔ دیکھئے اس وقت ان کا کوئی نہیں وہ آپ کے بس میں ہیں وغیرہ لیکن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض خاموش تھے کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ان لوگوں نے مجبور کیا کہ جواب دیں پیچھا ہی نہ چھوڑا۔ آخر آپ نے فرمایا وقت آگیا ہے کہ سعد رضی اللہ اس بات کا ثبوت دے کہ اسے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں کے تو دل ڈوب گئے اور سمجھ لیا کہ بنو قریظہ کی خیر نہیں۔ جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سواری اس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو آپ نے فرمایا لوگو اپنے سردار کے استقبال کے لئے اٹھو چنانچہ مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو عزت و اکرام وقعت و احترام سے سواری سے اتارا یہ اس لئے تھا کہ اس وقت آپ حاکم کی حیثیت میں تھے ان کے فیصلے پورے ناطق و نافذ سمجھے جائیں۔ آپ کے بیٹھتے ہی حضور نے فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے فیصلے پر رضامند ہوکر قلعے سے نکل آئیں ہیں اب آپ ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیجئے۔ آپ نے کہا جو میں ان پر حکم کروں وہ پورا ہوگا؟ حضور نے فرمایا ہاں کیوں نہیں؟ کہا اور اس خیمے والوں پر بھی اس کی تعمیل ضروری ہوگی؟ آپ نے فرمایا یقیناً پوچھا اور اس طرف والوں پر بھی؟ اور اشارہ اس طرف کیا جس طرف خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لیکن آپ کی طرف نہیں دیکھا آپ کی بزرگی اور عزت وعظمت کی وجہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں اس طرف والوں پر بھی۔ آپ نے فرمایا اب میرا فیصلہ سنئے میں کہتا ہوں بنو قریظہ میں جتنے لوگ لڑنے والے ہیں انہیں قتل کردیا جائے اور ان کی اولاد کو قید کرلیا جائے ان کے مال قبضے میں لائے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد رضی اللہ تم نے ان کے بارے میں وہی حکم کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم نے سچے مالک اللہ تعالیٰ کا جو حکم تھا وہی سنایا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے خندقیں کھدوا کر انہیں بندھا ہوا بلوا کر ان کی گردنیں ماری گئیں۔ یہ گنتی میں سات آٹھ سو تھے ان کی عورتیں نابالغ بچے اور مال لے

لئے گئے۔

پس فرماتا ہے کہ جن اہل کتاب یعنی یہودیوں نے کافروں کے لشکروں کی ہمت افزائی کی تھی اور ان کا ساتھ دیا تھا ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے قلعے خالی کرا دیئے۔ اس قوم قریظہ کے بڑے سردار جن سے ان کی نسل جاری ہوئی تھی اگلے زمانے میں آ کر حجاز میں اسی طمع میں بسے تھے کہ نبی آخر الزمان کی پیش گوئی ہماری کتابوں میں ہے وہ چونکہ یہیں ہونے والے ہیں تو ہم سب پہلے آپ کی اتباع کی سعادت سے مسعود ہونگے۔ لیکن ان ناخلقوں نے جب اللہ کی وہ نبی آئے ان کی تکذیب کی جس کی وجہ سے اللہ کی لعنت ان پر نازل ہوئی۔ "صیاصی" سے مراد قلعے ہیں اسی معنی کے لحاظ سے سینگوں کو بھی صیاصی کہتے ہیں اس لئے کہ جانور کے سارے جسم کے اوپر اور سب سے بلند یہی ہوتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا انہوں نے ہی مشرکین کو بھڑکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کرائی تھی۔ عالم جاہل برابر نہیں ہوتے۔ یہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جڑوں سے اکھیڑ دینا چاہا تھا لیکن معاملہ برعکس ہو گیا پانسہ پلٹ گیا قوت کمزوری سے اور مراد نامرادی سے بدل گئی۔ نقشہ بگڑ گیا حمایتی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ بیدست و پارہ گئے۔ عزت کی خواہش نے ذلت دکھائی مسلمانوں کے برباد کرنے اور پیس ڈالنے کی خواہش نے اپنے تئیں پسوا دیا۔ اور ابھی آخرت کی محرومی باقی ہے۔ کچھ قتل کر دیئے گئے باقی قیدی کر دیئے گئے۔ عطیہ قرظی کا بیان ہے کہ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو میرے بارے میں حضور کو کچھ تردد ہوا۔ فرمایا اسے الگ لے جاؤ دیکھو اگر اس کے ناف کے نیچے بال ہوں تو قتل کر دو ورنہ قیدیوں میں بٹھا دو دیکھا تو میں بچہ ہی تھا زندہ چھوڑ دیا گیا۔ ان کی زمین گھر ان کے مال کے مالک مسلمان بن گئے بلکہ اس زمین کے بھی جواب تک پڑی تھی اور جہاں مسلمان کے نشان قدم بھی نہ پڑے تھے یعنی خیبر کی زمین یا مکہ شریف کی زمین۔ یا فارس یا روم کی زمین اور ممکن ہے کہ یہ کل خطے مراد ہوں اللہ بڑی قدرتوں والا ہے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ خندق والے دن میں لشکر کا کچھ حال معلوم کرنے نکلی۔ مجھے اپنے پیچھے سے کسی کے بہت تیز آنے کی آہٹ اور اس کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی میں راستے سے ہٹ کر ایک جگہ بیٹھ گئی دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لشکر کی طرف جا رہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حارث بن اوس تھے جن کے ہاتھ میں ان کی ڈھال تھی۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوہے کی زرہ پہنے ہوئے تھے لیکن بڑے لانبے چوڑے تھے زرہ پورے بدن پر نہیں آئی تھی ہاتھ کھلے تھے اشعار رجز پڑھتے ہوئے جھومتے جھامتے چلے جا رہے تھے میں یہاں سے اور آگے بڑھی اور ایک باغیچے میں چلی گئی وہاں کچھ مسلمان موجود تھے جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور ایک اور صاحب جو خود اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ لیا پس پھر کیا تھا؟ بڑے ہی بگڑے اور مجھ سے فرمانے لگے یہ دلیری؟ تم نہیں جانتیں لڑائی ہو رہی ہے؟ اللہ جانے کیا نتیجہ ہو؟ تم کیسے یہاں چلی آئیں وغیرہ وغیرہ۔ جو صاحب مغفر سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھے انہوں نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ باتیں سن کر اپنے سر سے لوہے کا ٹوپ اتار ادیکھا اب میں پہچان گئی کہ وہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاموش کیا کہ کیا ملامت شروع کر رکھی ہے نتیجے کا کیا ڈر

ہے؟ کیوں تمہیں اتنی گھبراہٹ ہے؟ کوئی بھاگ کے جائے گا کہاں؟ سب کچھ اللہ کے ہاتھ ہے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک قریشی نے تاک کر تیر لگایا اور کہا لے میں ابن عرقہ ہوں۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ اکحل پر وہ تیر پڑا اور پیوست ہو گیا۔ خون کے فوارے چھوٹ گئے اسی وقت آپ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے موت نہ دینا جب تک بنو قریظہ کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو۔ اللہ کی شان سے اسی وقت خون تھم گیا۔ مشرکین کو ہواؤں نے بھگا دیا اور اللہ نے مومنوں کی کفایت کر دی ابوسفیان اور اسکے ساتھی تو بھاگ کر تہامہ میں چلے گئے عینیہ بن بدر اس کے ساتھی نجد میں چلے گئے۔ بنو قریظہ اپنے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میدان خالی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں ہی چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا گیا اسی وقت حضرت جبرائیل آئے آپ کا چہرہ گرد آلود تھا فرمانے لگے آپ نے ہتھیار کھول دیئے؟ حالانکہ فرشتے اب تک ہتھیار بند ہیں۔ اٹھئے بنو قریظہ سے بھی فیصلہ کر لیجئے ان پر چڑھائی کیجئے حضور نے فوراً ہتھیار لگا لئے اور صحابہ میں بھی کوچ کی منادی کرا دی۔ بنو تمیم کے مکانات مسجد نبوی سے متصل ہی تھے راہ میں آپ نے ان سے پوچھا کیوں بھئی؟ کسی کو جاتے ہوئے دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ابھی ابھی حضرت دحیہ کلبیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے ہیں۔ حالانکہ تھے تو وہ حضرت جبرائیل لیکن آپ کی ڈاڑھی چہرہ وغیرہ بالکل حضرت دحیہ کلبی سے ملتا جلتا تھا۔ اب آپ نے جا کر بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا پچیس روز تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ جب وہ گھبرائے اور تنگ آ گئے تو ان سے کہا گیا کہ قلعہ ہمیں سونپ دو اور تم اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بارے میں جو چاہیں گے فیصلہ فرما دیں گے۔ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا اس صورت میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھولینا ہے۔ انہوں نے یہ معلوم کر کے اسے تو نامنظور کر دیا اور کہنے لگے ہم قلعہ خالی کر دیتے ہیں آپ کی فوج کو قبضہ دیتے ہیں ہمارے بارے کا فیصلہ ہم حضرت سعد بن معاذ کو دیتے ہیں۔ آپ نے اسے بھی منظور فرما لیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا آپ تشریف لے آئے گدھے پر سوار تھے جس پر کھجور کے درخت کی چھال کی گدی تھی آپ اس پر بمشکل سوار کرا دیئے گئے تھے آپ کی قوم آپ کو گھیرے ہوئے تھی اور سمجھا رہی تھی کہ دیکھو بنو قریظہ ہمارے حلیف ہیں ہمارے دوست ہیں ہماری موت زیست کے شریک ہیں اور ان کے تعلقات جو ہم سے ہیں وہ آپ پر پوشیدہ نہیں۔ آپ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے جاتے تھے جب ان کے محلّہ میں پہنچے تو ان کی طرف نظر ڈالی اور کہا وقت آ گیا کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلقا پرواہ نہ کروں۔ جب حضور کے خیمے کے پاس ان کی سواری پہنچی تو حضور نے فرمایا اپنے سید کی طرف اٹھو اور انہیں اتارو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارا سید تو اللہ ہی ہے۔ آپ نے فرمایا اتارو۔ لوگوں نے مل جل کر انہیں سواری سے اتارا حضور نے فرمایا سعد رضی اللہ ان کے بارے میں جو حکم کرنا چاہو کر دو۔ آپ نے فرمایا ان کے بڑے قتل کر دیئے جائیں اور ان کے چھوٹے غلام بنا دیئے جائیں ان کا مال تقسیم کر لیا جائے۔

آپ نے فرمایا سعد رضی اللہ تم نے اس حکم میں اللہ اور اس کے رسول کی پوری موافقت کی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش کی کوئی اور چڑھائی ابھی باقی ہو تو مجھے اس کی شمولیت کے لئے زندہ

رکھ ورنہ اپنی طرف بلالے۔ اسی وقت زخم سے خون بہنے لگا حالانکہ وہ پورا بھر چکا تھا یونہی سا باقی تھا چنانچہ انہیں پھر اسی خیمے میں پہنچا دیا گیا اور آپ وہیں شہد ہو گئے رضی اللہ عنہ۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی عنہ وغیرہ بھی آئے سب رو رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز عمر رضی اللہ کی آواز میں پہچان بھی ہو رہی تھی میں اس وقت اپنے حجرے میں تھی۔ فی الواقع اصحاب رسول اللہ ﷺ ایسے ہی تھے جیسے اللہ نے فرمایا آیت (رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ 29)-48الفتح:29) آپس میں ایک دوسرے کی پوری محبت اور ایک دوسرے سے الفت رکھنے والے تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ نے پوچھا ام المومنین یہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح رویا کرتے تھے؟ فرمایا آپ کی آنکھیں کسی پر آنسو نہیں بہاتی تھیں ہاں غم و رنج کے موقعہ پر آپ داڑھی مبارک اپنی مٹھی میں لے لیتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝
اور ہم نے تمہارے ہاتھ لگائے ان کی زمین اور ان کی زمین اور ان کے مکان اور ان کے مال اور وہ زمین
جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خیبر کی زمینوں کی ملکیت حاصل ہونے کا بیان

"وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا" بَعْد وَهِيَ خَيْبَر أُخِذَتْ بَعْد قُرَيْظَة

اور اس نے تمہیں زمین کا بستیوں کا اور اموال کا وارث بنایا اور اس زمین کا جسے تم نے روندا نہیں ہے (یعنی جنگ نہیں کی) اس کے بعد اس سے مراد یہ خیبر کی زمین ہے جو قریظہ کے بعد قبضے میں لی گئی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

اس زمین سے مراد خیبر ہے جو فتح قُریظہ کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آیا یا وہ ہر زمین مراد ہے جو قیامت تک فتح ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آنے والی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا
فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝
اے نبی (مکرم ﷺ) اپنی ازواج سے فرما دیں کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت وآرائش کی خواہش مند ہو تو آؤ
میں تمہیں مال و متاع دے دوں اور تمہیں حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دوں۔

ازواج مطہرات کے طلب نفقہ میں اضافہ کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ قُلْ لِأَزْوَاجِك" وَهُنَّ تِسْع وَطَلَبْنَ مِنْهُ مِنْ زِينَة الدُّنْيَا مَا لَيْسَ عِنْده "إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاة الدُّنْيَا وَزِينَتهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ" أَيْ مُتْعَة الطَّلَاق "وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا" أُطَلِّقكُنَّ مِنْ

غَیْرِ ضِرَار

اے نبی! تم اپنی بیویوں سے کہہ دو یہ نو خواتین تھیں انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے دنیاوی آسائشوں سے متعلق ان چیزوں کا مطالبہ کیا جو (بظاہر) آپ کے پاس نہیں تھیں اگر تم دنیاوی زندگی چاہتی ہو اور اس کی آسائشیں چاہتی ہو تو آگے آؤ میں تمہیں متاع دیتا ہوں یعنی وہ جو طلاق کے وقت ساز و سامان دیا جاتا ہے اور میں تمہیں اچھے طریقے سے الگ کر دیتا ہوں یعنی کوئی نقصان پہنچائے بغیر تمہیں الگ کر دیتا ہوں۔

دنیا کی آسائشوں کی بہ جائے اخروی آسائشوں کو اہمیت کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پر لوگ جمع ہیں۔اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت غمگین اور خاموش تھے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے۔جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ "یارسول اللہ! اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی یعنی میری بیوی مجھ سے روٹی پانی کا خرچ معمول سے زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں۔حضرت عمر نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور پھر فرمایا کہ یہ میری عورتیں جنہیں تم میرے اردگرد بیٹھی دیکھ رہے مجھ سے معمول سے زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کی گردن پر مارنے لگے، اسی طرح حضرت عمر بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کی گردن پر مارنے لگے اور پھر ان دونوں یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود نہیں ہے یعنی یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مترادف نہیں ہے ان عورتوں نے کہا کہ بے شک ہم نے بے جا مطالبہ کیا تھا جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے ہم عہد کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم اب ہم کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ ہو۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھالی تھی اس لئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینہ تک یا انتیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے (اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا کہ حضرت جابر نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا یا انتیس دن کہا تھا) پھر یہ آیات۔(یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا 28 وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا 29)33۔الاحزاب:28۔29)۔تک نازل ہوئی حضرت جابر کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رابطہ قائم کیا کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ عقل مند اور افضل تھیں۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ عائشہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کرو بلکہ اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فرمایئے وہ کیا بات ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے مذکورہ بالا آیت پڑھی، حضرت عائشہ نے یہ آیت سن کر کہا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ لوں یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی تردد ہو جب کہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔بلکہ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت کے گھر کو اختیار کرلیا یعنی میں اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی وخواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں کہ اسی میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے مگر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی اور بیوی سے نہ کریں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی بیوی مجھ سے یہ پوچھے گی تو میں اس کے سامنے ضرور ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا کروں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں مخلوق اللہ کو دین کے احکام سکھاؤں اور آسانی (یعنی دینی دنیوی راحت) سے ہمکنار کروں۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 451)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں پایا الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پردہ واجب ہونے سے پہلے کا ہے کیونکہ اگر پردہ واجب ہو چکا ہوتا تو نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح زنانہ خانہ میں عورتوں کے سامنے جاتے اور نہ عورتیں ان کے سامنے ہوتیں۔"جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑیں" اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ میں کوئی دلچسپ بات کہہ دوں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم وملال زائل ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ مستحب ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست وعزیز کو غمگین دیکھے تو وہ اس کے سامنے کوئی بات ذکر کرے جس سے وہ ہنس پڑے اور خوش ہو جائے اور خود بھی اس بات میں شریک ہو کر اپنا رنج وغم بھول جائے

چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے کسی صحابی کو غمگین دیکھتے تو اس کو خوش طبعی اور ہنسی مذاق کے ذریعہ خوش کر دیتے تھے۔ حدیث میں جس آیت کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے ایت (یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا 28 وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا 29) 33۔ الاحزاب: 28-29)۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ (میں نے تو فقر کو اختیار کیا ہے) اگر تم میرے فقر پر راضی نہیں ہو بلکہ دنیا کی آرام دہ زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی خواستگار ہو تو مجھے بتادو اور آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رخصت کر دوں (یعنی ہمیشہ کے لئے تم سے علیحدگی اختیار کرلوں) اور اگر تم میرے فقر پر راضی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضامندی حاصل ہو اور جنت تمہارا ٹھکانا بنے تو سن لو کہ تم میں جو نیکو کاری کرنے والی ہیں ان کے لئے اللہ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے (یعنی تمہاری اس مشقت کے عوض جو تمہیں میری فقر وفاقہ کی زندگی کی رفیق بننے میں اٹھانی پڑے گی اللہ تعالیٰ تمہیں بے اندازہ اجر وثواب عطا کرے گا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رابطہ قائم کیا اور ان کے سامنے اس آسمانی ہدایت کو رکھنے سے پہلے ان پر واضح کر دیا کہ میں تمہارے سامنے جو ہدایت وضابطہ رکھنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کا حکم اس لئے دیا کہ حضرت عائشہ اگرچہ سب سے زیادہ سمجھدار اور عقل مند تھیں مگر بہر حال صغیر السن تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خوف تھا کہ کہیں عائشہ کم عمری کے جذبات میں نہ بہہ جائیں اور وہ دنیا کی عیش وعشرت کی خاطر مجھے چھوڑ کر آخرت کی ابدی سعادتوں سے منہ نہ موڑ لیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے صرف عائشہ ہی کو نقصان اور تباہی سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا، بلکہ ان کے والدین کو بھی سخت اذیت اور تکلیف پہنچے گی لیکن اگر اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کریں تو وہ انہیں وہی صلاح دیں گے جو ان کی دنیا اور ان کے دین کی بھلائی اور بہتری کے مطابق ہوگی۔ مگر یہ حضرت عائشہ کی فطری سعادت کی بات تھی کہ انہوں نے اپنے والدین کے مشورہ کے بغیر اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں دنیا کی آرام دہ زندگی پر آخرت کی ابدی سعادتوں کو ترجیح دیتی ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ومنشاہی کو اختیار کرتی ہوں۔

حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ جو درخواست کی کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کچھ جواب دیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی اور بیوی سے ذکر نہ کریں تو ان کا یہ خیال تھا کہ شاید اس موقعہ پر کوئی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فقر پر راضی نہ ہو کہ دنیا کی آرام دہ زندگی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدہ ہو جائے اس لئے انہوں نے سوچا کہ اگر کسی بیوی کو میرے اس ایمان ویقین سے بھر پور فیصلہ کا علم ہوا تو شاید اسے بھی راہنمائی مل جائے اور وہ بھی ایسا ہی فیصلہ کرے لیکن اگر میرے اس فیصلہ سے لاعلمی رہے گی تو بہت ممکن ہے کہ کوئی بیوی دنیا کے عیش وآرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر مشقت رفاقت پر ترجیح دے اس لئے اچھا ہی ہوگا اگر کوئی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح سے نکل

جائے گویا حضرت عائشہ کی اس خواہش کا محرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی وہ بے پناہ محبت تھی جس میں وہ کسی دوسری عورت کو شریک دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ لیکن بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں تمام بیویوں کی بھلائی و برائی یکساں حیثیت رکھتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ایک بیوی تو آخرت کی سعادتوں سے نوازی جائے اور دوسری بیوی دنیا کو اختیار کر کے تباہی کے راستہ پر لگ جائے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کی اس درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر واضح کر دیا، کہ مجھ سے جو بھی بیوی پوچھے گی میں اس کو بتادوں گا کیونکہ اس کی بھلائی اسی میں پوشیدہ ہے اگر میں کسی کو نہ بتاؤں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس تئیں شفقت کا رویہ نہیں اپنایا اور اس کو وہ راستہ نہیں دکھایا جو اس کی راحت، اس کی بھلائی اور اس کی اخروی فلاح کے لئے ضروری ہے حالانکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں لوگوں کے حق میں بدخواہی کروں یا کسی کو تکلیف و مصیبت اور رنج وغم میں مبتلا کروں اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ کائنات انسانی کے ہر فرد کو دنیا وآخرت کی بھلائی کی تعلیم دوں اور ہر انسان کو اس کے دینی دنیاوی معاملات میں آسانی وسہولت کی راہ دکھاؤں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آخرت کو ترجیح دینے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بیویوں کو اختیار دینے کا حکم کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے ابتداء کی اور فرمایا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تم سے ایک بات کہتا ہوں تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ میرے ماں باپ کبھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدگی کا حکم نہیں دیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا، اے نبی مکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے فرما دیجئے، اگر تمہیں دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لئے بڑا اجر تیار کیا ہے)۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں کس چیز کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ پھر دوسری ازواج نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ زہری بھی اس حدیث کو عروہ سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1152)

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○
اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کی طلب گار ہو تو بیشک اللہ نے تم میں نیکوکار بیبیوں کے لئے بہت بڑا اَجر تیار فرما رکھا ہے۔

محسنات کیلئے اجر عظیم ہونے کا بیان

"وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَه وَالدَّار الْآخِرَة" أَيْ الْجَنَّة "فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ" بِإِرَادَةِ الْآخِرَة "أَجْرًا عَظِيمًا" أَيْ الْجَنَّة فَاخْتَرْنَ الْآخِرَة عَلَى الدُّنْيَا،

اور اگر تم اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا ارادہ کرتی ہو یعنی جنت کا تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والی خواتین کے لئے تیار کیا ہے' آخرت کے ارادے کے تحت 'عظیم اجر یعنی جنت، تو ان ازواج نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا۔

سورہ احزاب آیت ۲۹ کے شان نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ سے دنیوی سامان طلب کئے اور نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی یہاں تو کمالِ زہد تھا سامان دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارا ہی نہ تھا، اس لئے یہ خاطرِ اقدس پر گراں ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ازواجِ مطہرات کو تخییر دی گئی، اس وقت حضور کی نو بیبیاں تھیں، پانچ قریشیہ (۱) حضرت عائشہ بنتِ ابی بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) (۲) حفصہ بنتِ فاروق (۳) اُمّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان (۴) اُمّ سلمٰی بنتِ امیہ (۵) سودہ بنتِ زَمْعَہ اور چار غیر قریشیہ (۶) زینب بنتِ جحش اسدیہ (۷) میمونہ بنتِ حارث ہلالیہ (۸) صفیہ بنتِ حُیَی بن اخطب خیبریہ (۹) جویریہ بنتِ حارث مصطلقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کر کے جو رائے ہو اس پر عمل کرو، انھوں نے عرض کیا حضور کے معاملہ میں مشورہ کیسا، میں اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو چاہتی ہوں اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ احزاب، بیروت)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ٥
اے اَزواجِ نبی (مکرّم ﷺ) تم میں سے کوئی ظاہری معصیت کی مرتکب ہو تو اس کے لئے عذاب دوگنا
کردیا جائے گا، اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

ازواج مطہرات کیلئے تقویٰ و پرہیز گاری کے حکم کا بیان

"يَا نِسَاء النَّبِيّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَة" بِفَتْحِ الْيَاء وَكَسْرهَا أَيْ بُيِّنَتْ أَوْ هِيَ بَيِّنَة "يُضَاعِف" وَفِي قِرَاءَة يُضَعَّف بِالتَّشْدِيدِ وَفِي أُخْرَى نُضَعِّف بِالنُّونِ مَعَهُ وَنَصْب الْعَذَاب "لَهَا الْعَذَاب ضِعْفَيْنِ" ضِعْفَيْ عَذَاب غَيْرهنَّ أَيْ مِثْلَيْهِ،

اے نبی مکرم ﷺ کی ازواج! تم میں سے جو کوئی واضح فحاشی کا ارتکاب کرے اس میں ''ی'' کے اوپر ''زبر'' بھی پڑھی جاسکتی ہے اور ''زیر'' بھی پڑھی جاسکتی ہے یعنی وہ چیز جسے واضح کردیا گیا ہے یا جو واضح ہو تو اس کے لئے دوگنا ہوگا ایک قرأت کے مطابق اس کو یُضَعَّفُ یعنی شد کے ہمراہ پڑھا جائے گا اور ایک قرأت میں اس کو نُضَعِّفُ پڑھا جائے گا یعنی ''ن'' کے ہمراہ اس صورت میں لفظ عذاب پر ''زبر'' آئے گی اس کے لئے عذاب دوگنا یعنی دیگر خواتین کے مقابلے میں دوگنا یعنی دو کی مانند اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

لفظِ فاحشہ جب معرفہ ہو کر وارد ہو تو اس سے زنا و لواطت مراد ہوتی ہے اور اگر نکرہ غیرِ موصوفہ ہو کر لایا جائے تو اس سے تمام گناہ مراد ہوتے ہیں اور جب موصوف ہو کر وارد ہو تو اس سے شوہر کی نافرمانی اور فسادِ معشرت مراد ہوتا ہے، اس آیت میں نکرہ موصوفہ ہے اسی لئے اس سے شوہر کی اطاعت میں کوتاہی اور کج خُلقی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے منقول ہے۔ (تفسیر جمل، سورہ احزاب، لاہور)

امہات المومنین سب سے معزز قرار دے دی گئیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے یعنی مومنوں کی ماؤں نے جب اللہ کو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخرت کے پہلے گھر کو پسند کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں وہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہوچکیں۔ تو اب جناب باری عز اسمہ اس آیت میں انہیں وعظ فرما رہا ہے اور بتلا دیا ہے کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے سرتابی اور بدخلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دنیا اور آخرت میں عتاب ہوگا چونکہ تمہارے بڑے رتبے ہیں تمہیں گناہوں سے بالکل دور رہنا چاہئے۔ ورنہ رتبے کے مطابق مشکل بھی بڑھ جائے گی۔ اللہ پر سب باتیں سہل اور آسان ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ فرمان بطور شرط کے ہے اور شرط کا ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے فرمان ہے آیت (لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ، الزمر:65) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم شرک کروگے تو تمہارے اعمال اکارت ہوجائیں گے۔ نبیوں کا ذکر کرکے فرمایا آیت (وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ، الانعام:88) اگر یہ شرک کریں تو ان کی نیکیاں بیکار ہوجائیں اور آیت میں ہے (قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ،الزخرف: 81) اگر رحمان کے اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے عابد ہوں اور آیت میں ارشاد ہو رہا ہے (لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، الزمر:4) یعنی اگر اللہ کو اولاد منظور ہوتی تو وہ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا پسند فرمالیتا وہ پاک ہے وہ یکتا اور ایک ہے وہ غالب اور سب پر حکمران ہے پس ان پانچوں آیتوں میں شرط کے ساتھ بیان ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ نہ نبیوں سے شرک ہونا ممکن نہ سردار رسولاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ممکن۔ نہ اللہ کی اولاد۔ اسی طرح امہات المومنین کی نسبت بھی جو فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کھلی لغو حرکت کرے تو اسے دگنی سزا ہوگی اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ واقعی ان میں سے کسی نے کوئی ایسی نافرمانی اور بدخلقی کی ہو۔ نعوذ باللہ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ ۙ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا ۝
اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت گزار رہیں اور نیک اعمال کرتی رہیں
تو ہم ان کا ثواب (بھی) انھیں دوگنا دیں گے اور ہم نے ان کے لئے (جنت میں) باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔

اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے سبب رزق کریم ہونے کا بیان

"وَمَنۡ يَّقۡنُت" يُطِعۡ "مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡله وَتَعۡمَل صَالِحًا نُّؤۡتِهَا أَجۡرهَا مَرَّتَيۡنِ " أَيۡ مِثۡلَيۡ ثَوَاب غَيۡرهنَّ مِنۡ النِّسَاء وَفِي قِرَاءَة بِالتَّحۡتَانِيَّةِ فِي تَعۡمَل وَنُؤۡتِهَا "وَأَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيمًا" فِي الۡجَنَّة زِيَادَة

اور جو قنوت کرے یعنی فرمانبردار ہو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور وہ نیک عمل کرے تو ہم اسے دو مرتبہ اجر دیں گے یعنی دیگر خواتین کے مقابلے میں دوگنا اجر اور ثواب، ایک قرأت کے مطابق لفظ تعمل اور نؤتھا میں قرأت تحتانیہ ہوگی اور ہم نے اس کے لئے تیار کیا ہے معزز رزق یعنی جنت اس کے علاوہ بھی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل وفضل کا بیان فرمارہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تمہاری اطاعت گذاری اور نیک کاری پر تمہیں دگنا اجر ہے اور تمہارے لئے جنت میں باعزت روزی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی منزل میں ہوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل اعلیٰ علیین میں ہے جو تمام لوگوں سے بالاتر ہے۔ اسی کا نام وسیلہ ہے۔ یہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی منزل ہے جس کی چھت عرش اللہ ہے۔

اطاعت کا سبب بنانے والی چیزوں کی طلب کا بیان

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے۔ (اللهم ارزقني حبك وحب من ينفعني حبه عندك اللهم ما رزقتني مما احب فاجعله قوة لي فيما تحب اللهم ما زويت عني مما احب فاجعله فراغالي مماتحب) ۔ اے اللہ! مجھے نصیب کر اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (یعنی تو نے مال وزر، عافیت واطمینان اور دوسری دنیاوی نعمتوں میں سے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو شکر گزاری اور اپنی طاعت کا سبب بنا کہ میں اسے تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لئے خرچ کروں۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اس میں فراغت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1022)

دعا کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ تو نے مجھے مال وزر میں سے جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اپنی عبادت میں مشغولیت کا سبب بنا کہ مجھے قناعت وتوکل کی دولت حاصل رہے اور وہ مال وزر جو مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اس سے بے پرواہ ہو کر

بغیر مانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں اور حاصل دعا کے آخری دونوں جملوں کا یہ ہے کہ اگر تو مجھے دنیا کی نعمتیں عطا کرے تو پھر ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرما تا کہ میرا شمار شکر کرنے والے اغنیا کے زمرہ میں ہو اور اگر مجھے وہ نعمتیں حاصل نہ ہو تو میرے دل کو فارغ رکھ بایں طور کہ میں ان سے بے پرواہ ہو جاؤں میرا دل ان میں نہ لگا رہے۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول رہوں اور جزع فزع، شکوہ وشکایت نہ کروں تا کہ میرا شمار صبر کرنے والے فقراء میں ہو۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ
فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞
اے اَزواجِ پیغمبر! تم عورتوں میں سے کسی ایک کی بھی مثل نہیں ہو، اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (مردوں سے حسب
ضرورت) بات کرنے میں نرم لہجہ اختیار نہ کرنا کہ جس کے دل میں (نفاق کی) بیماری ہے (کہیں) وہ لالچ
کرنے لگے اور (ہمیشہ) شک اور لچک سے محفوظ بات کرنا۔

ازواجِ مطہرات کی عظمت وشان کا بیان

"يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ" كَجَمَاعَةٍ "مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ" اللّٰهَ فَإِنَّكُنَّ أَعْظَمُ "فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ" لِلرِّجَالِ "فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ" نِفَاقٌ "وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا" مِنْ غَيْرِ خُضُوعٍ

اے نبی مکرم ﷺ کی ازواج! تم عام خواتین کی طرح نہیں ہو یعنی دیگر خواتین کے گروہ کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کیونکہ تم زیادہ عظمت کی مالک ہو لہٰذا تم مردوں سے بات کرتے ہوئے نرمی سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں بیماری یا نفاق ہو وہ کوئی لالچ کرے اور تم مناسب طریقے سے بات کرو یعنی کسی نرمی کے بغیر۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آداب سکھاتا ہے اور چونکہ تمام عورتیں انہی کے ماتحت ہیں۔ اس لئے یہ احکام سب مسلمان عورتوں کے لئے ہیں پس فرمایا کہ تم میں سے جو پرہیزگاری کریں وہ بہت بڑی فضیلت اور مرتبے والی ہیں۔ مردوں سے جب تمہیں کوئی بات کرنی پڑے تو آواز بنا کر بات نہ کرو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے انہیں طمع پیدا ہو۔ بلکہ بات اچھی اور مطابق دستور کرو۔ پس عورتوں کو غیر مردوں سے نزاکت کے ساتھ خوش آوازی سے باتیں کرنی منع ہیں۔ مکمل حل کردہ صرف اپنے خاوندوں سے ہی کلام کرسکتی ہیں۔

ازواج مطہرات کی عمر وغیرہ سے متعلق بعض تفاصیل کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح مکہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت خویلد سے کیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر ۴۰ سال کی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی اور ان کے بعد مکہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پچاس سالہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی تقریباً ۵۰ سال ہی کی تھی، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سن وفات ۵۴ھ یا ایک قول کے مطابق ۴۱ھ ہے حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مکہ میں ۱۰ نبوی میں ہوا جب کہ وہ چھ برس کی تھیں اور جب ۱ھ میں وہ رخصت کرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آئیں اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی ان کا سن وفات ۵۵ھ یا ۵۸ھ ہے حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ۲ھ یا ۳ھ میں ہوا اور انہوں نے ۴۱ھ یا ۴۵ھ میں وفات پائی حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۳ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں اور نکاح سے کچھ ہی ماہ بعد ۴ھ میں (اور ایک روایت کے مطابق ۳ھ ہی میں) انتقال کر گئیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت امیہ مخزومی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ھ یا ۴ھ میں نکاح کیا اور ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس زوجہ مطہرہ نے انتقال کیا وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو ابوسفیان کی بیٹی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں عبداللہ بن جحش نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہیں مر گیا تھا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے مذہب (اسلام) پر قائم رہیں، ۶ھ میں نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان کا نکاح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر جو چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا ادا کیا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۴۴ھ میں انتقال کیا، حضرت جویرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا غزوہ مریسیع میں جس کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں اور جو ۶ھ میں ہوا تھا اسیر ہو کر آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے سرفراز ہوئیں ان کا انتقال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا، حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطب ۷ھ میں جنگ خیبر میں اسیر بنائی گئیں اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد فرمایا اور پھر ان سے نکاح کر لیا، انہوں نے ۵۰ھ یا ایک روایت کے مطابق ۵۲ھ میں وفات پائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات کی یہ وہ تعداد ہے جس پر روایات کا اتفاق ہے بارہویں زوجہ مطہرہ یعنی حضرت ریحانہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے ان کو حرم (کنیز) قرار دیا ہے، لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ ریحانہ جو ایک یہودی خاندان کی خاتون تھیں جنگی اسیر ہو کر آئی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کیا اور ۶ھ میں ان سے نکاح کر لیا بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام خواتین سے، جو امت کی مائیں ہیں، نکاح کیا اور سب کے ساتھ دخول بھی فرمایا۔ بیس یا بیس سے زائد خواتین بھی تھیں جن سے نکاح کی بات چیت چلی لیکن ان سے نکاح نہیں کیا اسی طرح بعض روایتوں میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

نکاح میں تھیں اور جب یہ آیت کریمہ (یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ، الاحزاب:59) نازل ہوئی تو انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اور آپ سے جدائی اختیار کر لی۔ جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرموں (کنیزوں) کا تعلق ہے تو ان کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے جن میں سے مشہور ماریہ قبطیہ ہیں جن کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے ان کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا دوسری وہی حضرت ریحانہ بنت سمون یا بنت زید ہیں جن کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں تھیں "حرم" تھی ان کو آپ نے آزاد نہیں کیا تھا اور بسبب ملک یمین ان سے مجامعت فرمائی، باقی دو میں سے ایک تو وہ کنیز تھیں جو ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی اور ایک کنیز وہ تھیں جو کسی غزوہ میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ مذکورہ بالا تفصیل شیخ عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے جامع الاصول کے حوالہ سے جمع کی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد، ان کے نکاح کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انتقال کرنے والی ازواج مطہرات کے سنین وفات، جن ازواج کے ساتھ دخول نہیں کیا یا جن خواتین کے ہاں پیغام دیا مگر ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ان سب کی تعداد کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور عام روایتوں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف مع اشعۃ اللمعات، شرح مشکوٰۃ)

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝
اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور
اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمہیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔

عورتوں کو جاہلیت کے رسم ورواج سے منع کرنے کا بیان

"وَقَرْنَ" بِكَسْرِ الْقَاف وَفَتْحهَا "فِی بُیُوتكُنَّ" مِنْ الْقَرَار وَأَصْله : أَقْرِرْنَ بِكَسْرِ الرَّاء وَفَتْحهَا مِنْ قَرَرْت بِفَتْحِ الرَّاء وَكَسْرهَا نُقِلَتْ حَرَكَة الرَّاء إلَی الْقَاف وَحُذِفَتْ مَعَ هَمْزَة الْوَصْل "وَلَا تَبَرَّجْنَ" بِتَرْكِ إحْدَی التَّاءَیْنِ مِنْ أَصْله "تَبَرُّج الْجَاهِلِیَّة الْأُولَی" أَیْ مَا قَبْل الْإِسْلَام مِنْ إظْهَار النِّسَاء مَحَاسِنهنَّ لِلرِّجَالِ وَالْإِظْهَار بَعْد الْإِسْلَام مَذْكُور فِی آیَة "وَلَا یُبْدِینَ زِینَتهنَّ إلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" "وَأَقِمْنَ الصَّلَاة وَآتِینَ الزَّكَاة وَأَطِعْنَ اللّٰه وَرَسُوله إنَّمَا یُرِید اللّٰه لِیُذْهِب عَنْكُمْ الرِّجْس" الْإِثْم یَا "أَهْل الْبَیْت" أَیْ نِسَاء النَّبِیّ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "وَیُطَهِّركُمْ" مِنْهُ

''اور ٹھہری رہو'' اس میں قرن کے قاف پر زیر اور زبر دونوں طرح سے ہے۔ ''اپنے گھروں میں'' یہ لفظ قرار سے ماخوذ ہے اور اصل میں یہ اقررن تھا یعنی ق پر زیر اور زبر دونوں طرح سے اور قررت سے بنا' اس میں راء کی حرکت ''ق'' کو دے

دی اور ہمزہ وصل کے ساتھ اسے بھی حذف کر دیا گیا۔

''اور تم بے پردہ نہ ہو'' اس میں دراصل تاء دو تھیں۔ ان میں سے ایک کو حذف کر دیا۔'' پہلی جاہلیت کی بے پردگی کی طرح'' اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام سے قبل عورتیں مردوں کے سامنے اپنے حسن کا اظہار کیا کرتی تھیں لیکن اسلام نے اس سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں اور نماز قائم کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کر دے۔ اے اہل بیت یعنی اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور تمہیں اس سے خوب اچھی طرح پاک کر دے۔

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر پھرنے کی ممانعت کا بیان

فرمایا بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر نہ نکلو۔ مسجد میں نماز کے لئے آنا بھی شرعی ضرورت ہے جیسے کہ حدیث میں ہے اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ لیکن انہیں چاہئے کہ سادگی سے جس طرح گھروں میں رہتی ہیں اسی طرح آئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔

بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پاسکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عورت سرتا پا پردے کی چیز ہے۔ یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹہ گلے میں ڈال لیا لیکن اسے لپیٹا نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیور دوسروں کو نظر آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ سنگھار تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ادریس کی دو نسلیں آباد تھیں۔ ایک تو پہاڑ پر دوسرے نرم زمین پر۔ پہاڑیوں کے مرد خوش شکل تھے عورتیں سیاہ فام تھیں اور زمین والوں کی عورتیں خوبصورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے۔ ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لئے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا۔ پھر اس نے بانسری وضع کی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور پھر بھیڑ لگنے لگی اور ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزارہا مرد وعورت جمع ہونے لگے۔ اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آ گیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں میں اس کے حسن کا چرچا کرنے لگا۔ اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان عورتوں مردوں

میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زناکاری کا عام رواج ہو گیا۔ یہی جاہلیت کا بناؤ ہے جس سے یہ آیت روک رہی ہے۔ ان کاموں سے روکنے کے بعد اب کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کی پابندی کرو اور بہت اچھی طرح سے اسے ادا کرتی رہو۔ اسی طرح مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو۔ یعنی زکوٰۃ نکالتی رہو۔ ان خاص احکام کی بجا آوری کا حکم دے کر پھر عام طور پر اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا۔

اہل بیت میں ازواج مطہرات کے شامل ہونے کا بیان

پھر فرمایا اس اہل بیت سے ہر قسم کے میل کچیل کو دور کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے وہ تمہیں بالکل پاک صاف کر دے گا۔ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ان آیتوں میں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس لئے کہ یہ آیت انہی کے بارے میں اتری ہے۔

آیت کا شان نزول تو آیت کے حکم میں داخل ہوتا ہی ہے گو بعض کہتے ہیں کہ صرف وہی داخل ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں وہ بھی اور اس کے سوا بھی۔ اور یہ دوسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عکرمہ رحمتہ اللہ علیہ تو بازاروں میں منادی کرتے پھرتے تھے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں ہی کے بارے میں خالصتاً نازل ہوئی ہے۔ (جامع البیان، سورہ احزاب، بیروت)

اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طہارت کا بیان

حضرت عمر بن ابوسلمہ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ربیب ہیں فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ، اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور تمہیں پاک کرے)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور ان سب پر ایک چادر ڈال دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے پھر ان پر بھی چادر ڈال دی اور عرض کیا یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کر دے اور ان کو بخوبی پاک کر دے۔

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ان کے ساتھ ہوں (یعنی چادر میں آنے کا ارادہ کیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنی جگہ رہو تم خیر پر ہو۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ علماء اس حدیث کو عمر بن ابوسلمہ سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1153)

اہل بیت کے مصداق کے مفہوم کا بیان

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اطلاق کن کن پر ہوتا ہم: "اہل بیت" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں " سے کون کون لوگ مراد ہیں؟ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ اہل بیت کا اطلاق ان لوگوں پر بھی آیا ہے جن کو زکوٰۃ کا مال لینا حرام

ہے یعنی بنو ہاشم اور ان میں آل عباس، آل جعفر اور آل عقیل شامل ہیں۔ بعض روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کو "اہل بیت" کہا گیا ہے جن میں ازواج مطہرات یقینی طور پر شامل ہیں، لہٰذا جو لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں وہ مکابرہ کا شکار ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت (لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا) 33۔الاحزاب:23)۔ سے اپنا اختلاف ظاہر کرتے ہیں کیونکہ جب اس سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ازواج مطہرات ہی کو مخاطب تو پھر ان کو (یعنی ازواج مطہرات کو) درمیان آیت کے مضمون (اہل البیت) اور اس کے مصداق میں شامل نہ کرنا آیت کو اس کے عبارتی تسلسل اور معنوی سیاق وسباق سے الگ کر دینا ہے۔

امام محمد فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ "یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو شامل ہے کیونکہ آیت کا سیاق وسباق پوری شدت سے اس کا مقاضی ہے پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ امام رازی آگے لکھتے ہیں۔ یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولی ہے کہ "اہل بیت" کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں اور ان میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بھی شامل ہیں، نیز حضرت علی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت وتعلق اور خانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں، تاہم بعض مواقع پر اہل بیت کا اطلاق اس طرح بھی آیا ہے کہ جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق صرف فاطمہ زہرا، علی مرتضی، حسن اور حسین ہیں جیسے حضرت انس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کے لئے مسجد میں آتے تو راستہ میں حضرت فاطمہ کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے یوں فرماتے **الصلوة يااهل البيت، انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهر كم تطهيرا** ۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (گھر میں) بیٹھی ہوئی تھی کہ خادم نے آکر بتایا کہ علی اور فاطمہ باہر کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا کہ تم کنارے ہو جاؤ چنانچہ میں گھر کے گوشہ میں چلی گئی۔ علی اور فاطمہ اندر آ گئے اور ان کے ساتھ حسن وحسین بھی تھے جو اس وقت ننھے منے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین کو آغوش مبارک میں بٹھا لیا اور ایک ہاتھ سے علی کو اور دوسرے ہاتھ سے فاطمہ کو پکڑ کر اپنے بدن سے چمٹایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کالی کملی اس سب پر لپیٹی جو جو اس وقت جسم مبارک پر تھی اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں، مجھ کو اور میرے اہل بیت کو اپنی طرف بلانہ کہ آگ کی طرف" اور حضرت ام سلمہ ہی سے یہ بھی منقول ہم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: میری یہ مسجد ہر حائضہ عورت اور ہر جنبی مرد پر حرام ہے (جو عورت حیض کی حالت میں ہو یا جو مرد ناپاکی کی حالت میں ہو وہ میری مسجد میں ہرگز داخل نہ ہو) ہاں محمد اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اہل بیت پر کہ وہ علی، فاطمہ، حسن اور حسین ہیں، حرام نہیں ہے" اس روایت کو بیہقی نم نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بہر حال ایک طرف تو وہ روایتیں ہیں، جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال پر "اہل بیت" کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق

صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان ہی چہار تن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے لہٰذا علماء نے ان تمام روایتوں میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہہ میں یہ کہا ہے کہ "بیت" کی تین نوعیتیں ہیں (۱) بیت نسب (۲) بیت سکنی (۳) ولادت۔ پس بنو ہاشم یعنی عبد المطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت (اہل خاندان) کہا جائے گا۔

دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) یا خاندان سے اس شخص کے باپ اور دادا کی اولاد مراد ہوتی ھم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی (اہل خانہ) کہا جائے گا چنانچہ عرف عام میں کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت یا" گھر والی" سے تعبیر کیا جانا مشہور ہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد (ماجد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا اور اگر چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ہی اولاد پر اہل بیت ولادت کا اطلاق کیا جانا چاہئے لیکن تمام اولاد میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین کو جو خاص فضل وشرف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال قرب وتعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل ومناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کی بناء پر اہل بیت ولادت کا خصوصی وامتیازی مصداق صرف یہی چار تن مانے جائیں گے۔

آیت مباہلہ سے استدلال اہل بیت کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ، آل عمران: 61) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلوایا اور کہا خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ (مسلم، مشکوۃ، حدیث نمبر 768)

پس جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس (قرآن یا دین) کے بارے میں (اب بھی) حجت کرے بعد اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم قطعی آچکا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کہے کہ آجاؤ ہم اور تم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو، پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں بایں صورت کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو (بارے میں) ناحق پر ہوں اس آیت کو "آیت مباہلہ" کہا جاتا ہے۔ مباہل کا لفظ بھل یا بھلة سے بنا ہے جس کے معنی لعنت بھیجنے اور لعنت کے ہیں مباہلہ کا مطلب ہوتا ہے: ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور ملعون ہو جانے لگا۔ جس میں تضرع، خشوع وخضوع اور عاجزی وفروتنی کی صورت بہت زیادہ اختیار کی گئی ہو بہر حال، عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت وتکذیب کرتے اور ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کا الزام عائد کرتے تو آخر میں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل کر کسی خاص جگہ پر جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرتے ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے اور یوں دعا مانگتے: یا اللہ! ہم میں سے جو شخص ناحق پر ہو یا ظالم ہو اس پر لعنت بھیج پس جب نصاری (مسیحوں) نے دین اسلام یا قرآن کی حقانیت وصداقت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کا دروازہ کھولا اور پیغمبر اسلام کی مخالفت وتکذیب کی تو

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسیحوں کو مباہلہ کو دعوت دیجئے اور ان سے کہے کہ آؤ برسر عام اپنا فیصلہ کرالیں کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت کو لے کر مباہلہ کے لئے اس طرح نکلے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین کو جو اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ نے گود میں اٹھا رکھا تھا، حضرت فاطمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھیں اور حضرت علی حضرت فاطمہ کے پیچھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں جب مباہلہ میں دعا کروں تو تم سب مل کر آمین کہنا مسیحوں کے پیشوا کی نظر ان نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اٹھا :تم پر افسوس ہے میں نے تو ان نورانی چہروں کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ اللہ سے یوں درخواست کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے تو بالیقین اللہ (ان کی درخواست قبول کر کے) پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے گا پھر اس نے پر زور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ (ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ آخر کار ان مسیحوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا اور جزیہ قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہوئے، لیکن ان کے اندر چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے قلبی وابستگی اور مناسبت نہیں تھی اس لئے اسلام میں داخل ہونے سے محروم رہے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو نتیجہ کے طور پر ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں کی سی ہو جاتیں، تمام بیابان وجنگل آگ ہی آگ ہو جاتا اور وہ آگ نہ صرف ان کو بھسم کر کے سرے سے نیست ونابود کر دیتی بلکہ درختوں پر پرندوں تک کو جلا دیتی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان

حضرت مسور ابن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے فاطمہ کو خفا کیا اس نے مجھے خفا کیا اور ایک روایت میں یہ لفظ (بھی) ہیں: جو چیز فاطمہ کو بری معلوم ہوتی ہے وہ مجھ کو بھی بری معلوم ہوتی ہے اور جو چیز فاطمہ کو دکھ دیتی ہے وہ مجھ کو بھی دکھ دیتی ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 774)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ تمام عورتوں سے افضل ہیں یہاں تک حضرت مریم علیہ السلام حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ پر بھی ان کو خاص شخصیت حاصل ہے۔

چنانچہ سیوطی نے یہی لکھا ہے رہی اس حدیث کی بات جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاطمہ زہرا) حضرت مریم بن عمران علیہ السلام کے علاوہ باقی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی ہیں یا ایک وہ حدیث ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس امت میں فاطمہ کا وہی مرتبہ ہے جو مریم علیہ السلام کو اپنی قوم میں حاصل ہے یعنی جس طرح حضرت مریم علیہ السلام اپنی قوم کی تمام عورتوں سے افضل ہیں اسی طرح اس امت کی تمام عورتوں میں سب سے افضل فاطمہ ہیں تو روایتوں کا اختلاف شاید اس سبب سے نظر آتا ہے کہ حضرت فاطمہ کا رتبہ تدریجی طور پر بڑھتا رہا ہوگا اور اسی تدریج کے ساتھ ان کی افضلیت کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور اس کے فرشتہ کے

ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتی رہی ہوگی جس کا اظہار مختلف احادیث کے ذریعہ ہوتا رہا اور پھر جب آخر میں حضرت فاطمہ کا رتبہ آخری درجہ تک بڑھ گیا تو بلا استثناء عالم کی تمام عورتوں پر ان کی افضلیت ثابت ہوگئی۔

بعض علماء نے حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ سے افضل قرار دیا ہے اور دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ جنت میں حضرت عائشہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی جب کہ حضرت فاطمہ، حضرت علی کے ساتھ ہوں گی اور یہ ظاہر ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اور محل حضرت علی کے درجہ اور محل سے اعلیٰ و اشرف ہوگا۔ لیکن یہ دلیل ان حدیثوں کے سامنے بے معنی ہو جاتی ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو خطاب کر کے فرمایا: میں تم، علی، حسن اور حسین جنت میں ایک درجہ اور ایک ہی محل میں ہوں گے۔ حضرت عائشہ کی افضلیت کے قائلین کی طرف سے ایک دلیل یہ بھی دیجاتی ہے کہ ان کو اجتہاد کا مقام حاصل تھا، مجتہد تسلیم کی جاتی تھیں اور خلفاء اربعہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں سیوطی نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ! اس مسئلہ میں (فاطمہ افضل ہیں یا عائشہ) تین مسلک ہیں اور ان تینوں مسلکوں میں سب سے صحیح مسلک یہ ہے کہ فاطمہ عائشہ سے افضل ہیں۔ بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمہ اور عائشہ دونوں کا رتبہ یکساں ہے جب کہ کچھ حضرات اس بارہ میں خاموش رہنے ہی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں ان میں بعض حنفی اور بعض شافعی علماء خصوصیت سے اس طرف مائل ہیں۔

حضرت امام مالک کے متعلق منقول ہے کہ جس ان سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت فاطمہ کو افضل سمجھتے ہیں یا حضرت عائشہ کو؟ تو انہوں نے جواب دیا: فاطمہ پیغمبر کے گوشت کا ٹکڑا ہیں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشت کے ٹکڑے پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا امام سبکی نے لکھا ہے کہ! ہمارے نزدیک اور ہمارے مسلک کے اعتبار سے جو بات زیادہ معتبر اور زیادہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت فاطمہ ہیں، ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ویسے حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ کے بارے میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بعض نے حضرت خدیجہ کو افضل کہا ہے اور بعض نے حضرت عائشہ کو بہر حال ان مذکورہ جلیل القدر خواتین اسلام کی الگ الگ حیثیتیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس کی اپنی حیثیت و خصوصیت کے اعتبار سے فضیلت و برتری حاصل ہے۔

تاہم بعض حضرات نے کثرت ثواب کو افضلیت کی بنیاد بنایا ہے جس کا علماء کے ہاں اعتبار بھی ہے اور اس حیثیت سے حضرت فاطمہ چاہے سب سے افضل نہ ہوں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ شرف ذات پاکیزگی طینت اور تقدس جوہر کے اعتبار سے کوئی بھی حضرت فاطمہ، حضرت حسن، افضل و برتر نہیں ہو سکتا۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝
اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیات اور دانائی کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد کرو۔
بے شک اللہ ہمیشہ سے نہایت باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔

گھروں میں تلاوت قرآن کا بیان

"وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰه" الْقُرْآن "وَالْحِكْمَة" السُّنَّة "إِنَّ اللّٰه كَانَ لَطِيفًا" بِأَوْلِيَائِهِ "خَبِيرًا" بِجَمِيعِ خَلْقه،

اور جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اسے یاد کرو یعنی قرآن پاک اور حکمت یعنی سنت اور بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہے اور خبر رکھنے والا ہے اپنی تمام مخلوق کی۔

گھر میں تلاوت قرآن کے سبب فرشتوں کی سماعت کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں روایت کرتے تھے کہ ایک دن جب کہ وہ (یعنی اسید) رات میں سورت بقرہ پڑھ رہے تھے ان کا گھوڑا جو ان کے قریب ہی بندھا تھا اچانک اچھلنے کودنے لگا چنانچہ انہوں نے پڑھنا بند کر دیا (تاکہ دیکھیں کیوں اچھل کود رہا ہے) گھوڑے نے بھی اچھل کود بند کر دی۔ (اسید نے یہ سوچ کر کہ یونہی اچھل کود رہا ہوگا) پھر پڑھنا شروع کر دیا گھوڑا بھی پھر اچھلنے کودنے لگا وہ پھر رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا، پھر جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے اچھل کود شروع کی (اب انہیں احساس ہوا کہ گھوڑے کی اچھل کود یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس کی خاص وجہ ہے) چنانچہ انہوں نے پڑھنا موقوف کر دیا (اتفاق سے) ان کا بچہ جس کا نام یحییٰ تھا گھوڑے کے قریب ہی تھا انہیں خوف ہوا کہ کہیں گھوڑا (اس اچھل کود میں) اس بچہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے اس لئے وہ اٹھ کر گھوڑے کے پاس گئے تاکہ بچہ کو وہاں سے ہٹا دیں جب انہوں نے بچہ کو وہاں سے ہٹایا اور ان کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کی مانند کوئی چیز ہے جس میں چراغ سے جل رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو اسید نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن حضیر تم پڑھتے رہتے۔ اسید نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ ڈالے کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی تھا۔

چنانچہ جب میں یحییٰ کی طرف پھرا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی چیز بادل کی مانند ہے جس میں چراغ سے جل رہے ہیں پھر میں تحقیق حال کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلا مگر وہ چراغاں مجھے پھر نظر نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو وہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں! فرمایا وہ فرشتے تھے جو تمہاری قرات کی آواز سننے کے لئے قریب آ گئے تھے اگر تم اسی طرح پڑھتے رہتے تو اسی طرح صبح ہو جاتی اور لوگ فرشتوں کو دیکھتے اور وہ فرشتے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں۔ مسلم کی روایت میں فخرجت کے بجائے عرجت فی الجو (یعنی وہ چیز جو زمین وآسمان کے درمیان ہوا میں چڑھ گئی) کے الفاظ ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 628)

گھوڑے کی اچھل کود کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت اسید قرآن کریم پڑھ رہے تھے تو قرات سننے کے لئے فرشتے نیچے آئے تھے اور ان کو دیکھ کر گھوڑا بدکتا اور اچھلتا کودتا تھا اسی وجہ سے جب حضرت اسید تلاوت بند کر دیتے تھے اور فرشتے اوپر چلے جاتے تھے تو

گھوڑا بھی اچھل کودسے رک جاتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادگرامی اقرأیاابن حضیر(ابن حضیر تم پڑھتے رہتے) میں لفظ اقرأ کے معنی ابن حجر نے یہ لکھے ہیں کہ اس سورت کو ہمیشہ پڑھتے رہو جوایسی عجیب وغریب حالت کے پیش آنے کا سبب ہے اگرآئندہ بھی کبھی اس سورت کو پڑھنے کے دوران ایسی صورت پیش آئے تو چھوڑنا مت بلکہ پڑھتے رہنا۔علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس لفظ کا مقصد زمانہ ماضی میں طلب زیادتی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادگرامی کا مقصد گویا یہ تھا کہ تم نے اس وقت پڑھنا کیوں چھوڑ دیا بلکہ پڑھنے میں اور زیادتی کیوں نہ کی تمہیں چاہئے تھا کہ تم اس صورت میں زیادہ سے زیادہ پڑھتے رہتے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے جواب میں حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کچھ کہا (یعنی یا رسول اللہ میں اس بات سے ڈرا الخ) اس سے بھی یہی مفہوم واضح ہوتا ہے چنانچہ یہاں ترجمہ علامہ طیبی کی وضاحت کے تحت ہی کیا گیا ہے۔بادل کی مانندکوئی چیز ہے، وجہ تشبیہ ہے کہ ملائکہ قرآن سننے کے لئے اتنا اژدحام کرتے ہیں کہ کوئی اگرانہیں دیکھے تو ایسا محسوس ہو کہ پردہ کی مانندکوئی چیز ہے جو دیکھنے والے اورآسمان کے درمیان حائل ہوگئی ہے حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی چیز کو بادسے تعبیر کیا اوراس میں جو چراغ سے جل رہے تھے وہ دراصل ان فرشتوں کے منہ تھے جو چراغ کی مانند روشن ومنور تھے۔

گھروں میں قرآن پڑھنے کے سبب شیطان کے بھاگنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ (یاد رکھو) شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورت بقرہ پڑھی جاتی ہے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلددوم: حدیث نمبر 631)

مقبرے نہ بناؤ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مقبرے ذکراللہ عبادت اور تلاوت قرآن سے خالی ہوتے ہیں اس طرح اپنے گھروں کو ان چیزوں سے خالی نہ رکھو کہ ان میں مردوں کی مانند پڑے رہو اور ذکراللہ وغیرہ نہ کرو بلکہ اپنے گھروں میں نماز بھی پڑھو اور ذکراللہ میں بھی مشغول رہو اور تلاوت قرآن بھی کرتے رہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کی طرف بھی راہنمائی فرمائی جو ذکروشغل میں افضل اور گھر وگھر والوں کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ وہ تلاوت قرآن کریم ہے۔فرمایا شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورت بقرہ پڑھی جاتی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تلاوت قرآن کریم خصوصا سورت بقرہ کی تلاوت نہ صرف یہ کہ گھر میں رحمت وبرکت کے دروازے کھلنے کا باعث ہے بلکہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسا گھر شیطان کی نحوست اور اس کے مکروفریب کے سایہ سے محفوظ رہتا ہے ویسے تو عمومی طور پر تلاوت قرآن کریم باعث رحمت وبرکت ہے، مگر اس موقع پر سورت بقرہ کو بطور خاص اس لئے ذکر فرمایا کہ اس سورت میں اللہ رب العزت کے اسماء اور احکام بہت مذکور ہیں۔

قرآن اور حدیث کا بہترین ہدایت ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔بعدازاں جاننا چاہئے کہ بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 138)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ
وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ
وَ الصَّآئِمِينَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝

بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صدق والے مرد اور صدق والی عورتیں، اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں، اور عاجزی والے مرد اور عاجزی والی عورتیں، اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں،
اللہ نے ان سب کے لئے بخشش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہے۔

اہل ایمان مرد وخواتین کے اوصاف کا بیان

"إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَات وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَات وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَات " الْمُطِيعَات "وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَات" فِي الْإِيمَان "وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَات" عَلَى الطَّاعَات "وَالْخَاشِعِينَ" الْمُتَوَاضِعِينَ "وَالْخَاشِعَات وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَات وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَات وَالْحَافِظِينَ فُرُوجهمْ وَالْحَافِظَات " عَنْ الْحَرَام "وَالذَّاكِرِينَ اللَّه كَثِيرًا وَالذَّاكِرَات أَعَدَّ اللَّه لَهُمْ مَغْفِرَة" لِلْمَعَاصِي "وَأَجْرًا عَظِيمًا" عَلَى الطَّاعَات

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' مومن مرد اور مومنہ عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اطاعت کرنے والے' سچے مرد اور سچی عورتیں یعنی ایمان میں سچے' اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں یہ اطاعت پر صبر سے کاربند رہنا ہے' اور خشوع یعنی تواضع کرنے والے مرد' خشوع یعنی تواضع کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں' روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں یعنی حرام سے بچنے والے۔ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔ اللہ نے ان کے لئے بخشش تیار کر رکھی ہے ان کے گناہوں سے اور ان کے لئے بہت بڑا اجر بھی ہے ان کی عبادت کے عوض۔

سورہ احزاب آیت ۳۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت عمارہ انصاریہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس ائیں اور عرض کیا کیا مجھے ہر چیز آدمیوں کے لیے ہی نظر آتی ہے عورتوں کے لیے کچھ نظر نہیں آتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ اللہ مومنین کا ذکر فرماتے ہیں اور مومنات کا کوئی تذکرہ نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ام سلمہ کی حدیث میں سورہ آل عمران کے آخر میں گزر چکی ہے۔

حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ جب نبی کی ازواج مطہرات کا ذکر (قرآن کریم میں) ہوا تو عورتوں نے کہا کہ اگر ہم میں کوئی بھلائی ہوتی تو ہمارا بھی ذکر ہو جاتا اس پر اللہ نے یہ فرمان نازل فرمایا۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب اسماء بنت عمیس حبشہ سے واپس لوٹیں ان کے خاوند جعفر بن ابی طالب بھی ان کے ساتھ تھے تو نبی کی ازواج کے پاس گئیں اور ان سے پوچھا کیا ہمارے متعلق بھی قرآن میں کچھ نازل ہوا ہے انہوں نے جواب دیا نہیں یہ نبی کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بلا شبہ تو گھاٹے اور نقصان میں ہیں آپ نے فرمایا وہ کس طرح؟ تو انہوں نے کہا بھلائی میں جس طرح مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے ان کا نہیں کیا جاتا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ) قتادہ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے حضور کی ازواج مطہرات کا قرآن کریم میں ذکر فرمایا تو مسلمان عورتیں ان کے پاس آئیں اور کہا تمہارا ذکر کیا گیا ہمارا نہیں کیا گیا اگر ہم میں کوئی خیر ہوتی تو ہمارا بھی ذکر کر دیا جاتا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ)۔ (نیسا بوری 297، تفسیر قرطبی 22-8)

عبادت و نیک اعمال میں عورتوں کے ذکر کا بیان

حضرت ام عمارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وجہ ہے کہ سب چیزیں مردوں کیلئے ہیں اور قرآن میں عورتوں کا کہیں ذکر نہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ، تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں)۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1159)

ذکر کرنے والی جماعت پر سایۂ رحمت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتی ہے تو ان کو وہ فرشتے گھیر لیتے ہیں (جو راستوں پر اہل ذکر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں) ان کو رحمت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے (وہ خاص رحمت جو آیت (وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

وَالذّٰكِرٰتِ ،الاحزاب:35) کے لئے مخصوص ہے)ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا تذکرہ اپنے پاس والوں یعنی ملائکہ مقربین اور ارواح انبیاء میں کرتا ہے۔(مسلم ،مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 782)

سکینہ دل کے سکون واطمینان اور خاطر جمعی کا نام ہے جس کے باعث دنیا کی لذتوں کی خواہش اور ماسوا اللہ کی لذت وطلب دل سے نکل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغراق واستحضار اور اس کی طرف توجہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے سکینہ کا نازل ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہے۔ آیت (اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (13۔الرعد:28)۔ آگاہ رہو! اللہ کے ذکر کے ذریعہ قلوب کو اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔

نیک مردو خواتین کے دس معروف اوصاف کا بیان

ان کے دس مراتب مردوں کے ساتھ ذکر کئے گئے اور ان کے ساتھ ان کی مدح فرمائی گئی اور مراتب میں سے پہلا مرتبہ اسلام ہے جو خدا اور رسول کی فرمانبرداری ہے، دوسرا ایمان کہ وہ اعتقاد صحیح اور ظاہر و باطن کا موافق ہونا ہے، تیسرا مرتبہ قنوت یعنی طاعت ہے۔اس میں چوتھے مرتبہ کا بیان ہے کہ وہ صدق نیات وصدق اقوال وافعال ہے، اس کے بعد پانچویں مرتبہ صبر کا بیان ہے کہ طاعتوں کی پابندی کرنا اور ممنوعات سے احتراز رکھنا خواہ نفس پر کتنا ہی شاق اور گراں ہو رضائے الٰہی کے لئے اختیار کیا جائے، اس کے بعد پھر چھٹے مرتبہ خشوع کا بیان ہے جو طاعتوں اور عبادتوں میں قلوب و جوارح کے ساتھ متواضع ہونا ہے، اس کے بعد ساتویں مرتبہ صدقہ کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں بطریق فرض ونفل دینا ہے پھر آٹھویں مرتبہ صوم کا بیان ہے یہ بھی فرض ونفل دونوں کو شامل ہے۔

منقول ہے کہ جس نے ہر ہفتہ ایک درم صدقہ کیا وہ متصدقین میں اور جس نے ہر مہینہ ایام بیض کے تین روزے رکھے وہ صائمین میں شمار کیا جاتا ہے۔اس کے بعد نویں مرتبہ عفت کا بیان ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنی پارسائی کو محفوظ رکھے اور جو حلال نہیں ہے اس سے بچے، سب سے آخر میں دسویں مرتبہ کثرت ذکر کا بیان ہے ذکر میں تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، قراءت قرآن، علم دین کا پڑھنا پڑھانا، نماز، وعظ، نصیحت، میلاد شریف، نعت شریف پڑھنا سب داخل ہیں۔کہا گیا ہے کہ بندہ ذاکرین میں جب شمار ہوتا ہے جب کہ وہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ
اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرمادیں تو ان کے لئے اپنے (اس) کام میں (کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار ہو،
اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں بھٹک گیا۔

ہر مؤمن کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کو ماننے اور عمل کرنے کا بیان

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُه أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ "لَهُمُ الْخِيَرَةُ" أَيْ الِاخْتِيَار "مِنْ أَمْرِهِمْ" بِخِلَافِ أَمْرِ اللّٰهِ وَرَسُولِه نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ وَأُخْتِهِ زَيْنَب خَطَبَهَا النَّبِيّ لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَة فَكَرِهَا ذٰلِكَ حِينَ عَلِمَا لِظَنِّهِمَا قَبْلُ أَنَّ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهَا لِنَفْسِهِ ثُمَّ رَضِيَا لِلْآيَةِ "وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَه فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا" بَيِّنًا فَزَوَّجَهَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ ثُمَّ وَقَعَ بَصَره عَلَيْهَا بَعْد حِين فَوَقَعَ فِي نَفْسه حُبّهَا وَفِي نَفْس زَيْد كَرَاهَتهَا ثُمَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيد فِرَاقهَا فَقَالَ: "أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ"

اور کسی مومن مرد اور عورت کے لئے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کا فیصلہ فرمادیں تو انہیں پھر اختیار ہو (ان یکون) میں تاء بھی ہوسکتا ہے اور یاء بھی۔ اور خیرۃ سے مراد ہے اختیار یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کیخلاف کوئی اختیار۔ یہ آیت عبداللہ بن جحش اور ان کی بہن زینب بنت جحش کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا۔ جب انہیں زید بن حارثہ کا پتہ چلا تو انہوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کیونکہ انہیں یہ خیال گزرا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید اپنے لئے پیغام بھیجا ہے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو وہ زید سے شادی کے لئے رضامند ہوگئے۔

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے تو وہ راہ سے بھٹک گیا صریح گمراہی۔ مبین کا مطلب ہے بین واضح۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت زید سے کروادیا۔ پھر جب ایک عرصہ بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو دیکھا تو آپ کے دل میں ان کی محبت جاگ اٹھی اور (اس دوران) حضرت زید کے دل میں (سیّدہ زینب کے لیے) ناپسندیدگی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن آپ نے فرمایا: اپنی بیوی کو روکے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔

سورہ احزاب آیت ۳۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب کو نکاح کا پیغام بھیجا ان کا نکاح حضرت زید سے کرنا چاہتے تھے جبکہ وہ گمان کرتی تھی کہ آپ نے اپنے لیے پیغام نکاح بھیجا ہے جب انہیں اس بات کا علم ہوا کہ آپ کا ارادہ زید کا ہے تو انہوں نے انکار کردیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ تو آپ راضی ہوگئیں اور قبول کرلیا۔ (زادالمسیر 6۔(385)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ کے لیے نکاح کا پیغام بھیجا تو

انہوں نے عار محسوس کی اور کہا کہ میں حسب کے اعتبار سے ان سے بہتر ہوں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ابن جریر عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباس سے اسی کے مثل منقول ہے۔

ابوحاتم،حضرت زید سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی یہ وہ عورت تھیں جنہوں نے عورتوں میں سب سے پہلے ہجرت کی انہوں نے اپنے نفس کو آپ کو ہبہ کردیا تو آپ نے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیا اس سے یہ اوران کا بھائی ناراض ہوئے اور کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کا ارادہ کیا تھا اور آپ نے ہمارا نکاح اپنے غلام سے کردیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(سیوطی 227،طبری 22۔9،قرطبی 14۔186)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کورد کرنا گناہ عظیم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کا پیغام لے کر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔انہوں نے کہا" میں اس سے نکاح نہیں کروں گی آپ نے فرمایا!ایسا نہ کہواوران سے نکاح کرلو۔حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہانے جواب دیا کہ اچھا پھر کچھ مہلت دیجئے میں سوچ لوں۔ابھی یہ باتیں ہورہی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اتری۔اسے سن کر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔یارسول اللہ! کیا آپ اس نکاح سے رضامند ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ بس پھر مجھے کوئی انکار نہیں،میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گی۔میں نے اپنا نفس ان کے نکاح میں دے دیا اور روایت میں ہے کہ وجہ انکار یہ تھی کہ نسب کے اعتبار سے یہ بہ نسبت حضرت زید کے زیادہ شریف تھیں۔حضرت زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عقبہ بن ابو معیط کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔صلح حدیبیہ کے بعد سب سے پہلے مہاجر عورت یہی تھی۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا نفس آپ کو ہبہ کرتی ہوں۔آپ نے فرمایا مجھے قبول ہے۔پھر حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرا دیا۔غالبًا یہ نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی علیحدگی کے بعد ہوا ہوگا۔اس سے حضرت ام کلثوم ناراض ہوئیں اوران کے بھائی بھی بگڑ بیٹھے کہ ہمارا اپنا ارادہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا تھا نہ کہ آپ کے غلام سے نکاح کرنے کا،اس پر یہ آیت اتری بلکہ اس سے بھی زیادہ معاملہ صاف کردیا گیا اور فرمادیا گیا کہ (اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا، الاحزاب:6) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ اولیٰ ہیں۔پس آیت (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا،الاحزاب:36) خاص ہے اوراس سے بھی جامع آیت یہ ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردو

انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے۔ میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کرلوں۔ جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا، ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے پیغام کورد کر دیا اوراب جلیبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کر دیں۔ انصاری اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کورد کرتے ہو؟ جب حضور اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور خواہش کورد کرنا ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ انصاری سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا! ہاں میں تو اس سے رضامند ہوں۔ کہا پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے، چنانچہ نکاح ہوگیا۔ ایک مرتبہ اہل اسلام مدینہ والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے، لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے انہوں نے بھی بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا ان کا گھر بڑا آسودہ حال تھا۔ تمام مدینے میں ان سے زیادہ خرچیلا کوئی نہ تھا۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو بردہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ کی طبیعت خوش مذاق تھی اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کرلیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بابت کچھ نہیں فرماتے۔ پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے یک مشت ہو کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں۔ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھا کر قبر میں اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چار پائی وغیرہ نہ تھی۔ یہ بھی مذکور نہیں کہ انہیں غسل دیا گیا ہو۔ اس نیک بخت انصاریہ عورت کے لئے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی عزت رکھ کر اپنے ماں باپ کو سمجھایا تھا کہ انکار نہ کرو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی کہ اللہ اس پر اپنی رحمتوں کی بارش برسا اور اسے زندگی کے پورے لطف عطا فرما۔ تمام انصار میں ان سے زیادہ خرچ کرنے والی عورت نہ تھی۔ انہوں نے جب پردے کے پیچھے سے اپنے والدین سے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد نہ کرو اس وقت یہ آیت (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا، الاحزاب:36) نازل ہوئی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت طاؤس نے پوچھا کہ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے منع فرمایا اور اسی آیت کی تلاوت کی پس یہ آیت گو شان نزول کے اعتبار سے مخصوص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے ہوتے ہوئے نہ تو کوئی مخالفت کرسکتا ہے نہ اسے ماننے نہ ماننے کا اختیار کسی کو باقی رہتا ہے۔ نہ رائے اور قیاس

کرنے کا حق، نہ کسی اور بات کا۔ جیسے فرمایا(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، النسآء:65)، یعنی قسم ہے تیرے رب کی لوگ ایمان دار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے تمام اختلافات میں تجھے حاکم نہ مان لیں۔ پھر تیرے فرمان سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ رکھیں بلکہ کھلے دل سے تسلیم کر لیا۔ صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی تابعدار نہ بن جائے جسے میں لایا ہوں۔ اسی لئے یہاں بھی اس کی نافرمانی کی برائی بیان فرمادی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا کھلا گمراہ ہے۔ جیسے فرمان ہے (فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، النور:63) یعنی جو لوگ ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ ایسا نہ ہو ان پر کوئی فتنہ آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ
وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا
قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ
اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝
اور (اے حبیب!) یاد کیجئے جب آپ نے اس شخص سے فرمایا جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا اور اس پر آپ نے (بھی) انعام فرمایا
تھا کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں روکے رکھ اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ رکھ رہے تھے جسے
اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ (دل میں حیاءً) لوگوں (کی طعنہ زنی) کا خوف رکھتے تھے۔ (اے حبیب! لوگوں کو خاطر میں لانے
کی کوئی ضرورت نہ تھی) اور فقط اللہ ہی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس کا خوف رکھیں (اور وہ آپ سے بڑھ کر کس میں ہے؟)، پھر
جب (آپ کے متبنّٰی) زید نے اسے طلاق دینے کی غرض پوری کر لی، تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تا کہ مومنوں پر ان کے
منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح) کے بارے میں کوئی حرج نہ رہے جبکہ (طلاق دے کر) وہ ان سے
بے غرض ہو گئے ہوں، اور اللہ کا حکم تو پورا کیا جانے والا ہی تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء سے انعام کا بیان

"وَاِذْ" مَنْصُوب بِاذْكُرْ "تَقُول لِلَّذِي أَنْعَمَ اللّٰه عَلَيْهِ " بِالْإِسْلَامِ "وَأَنْعَمْت عَلَيْهِ " بِالْإِعْتَاقِ وَهُوَ زَيْد بْن حَارِثَة كَانَ مِنْ سَبْي الْجَاهِلِيَّة اشْتَرَاهُ رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْل الْبَعْثَة وَأَعْتَقَهُ وَتَبَنَّاهُ "أَمْسِكْ عَلَيْك زَوْجك وَاتَّقِ اللّٰه" فِي أَمْر طَلَاقهَا "وَتُخْفِي فِي نَفْسك مَا اللّٰه مُبْدِيه" مُظْهِره

مِنْ مَحَبَّتِهَا وَأَنْ لَوْ فَارَقَهَا زَيْد تَزَوَّجْتهَا "وَتَخْشَى النَّاس" أَنْ يَقُولُوا تَزَوَّجَ زَوْجَة ابْنه "وَاَللّٰه أَحَقّ أَنْ تَخْشَاهُ" فِي كُلّ شَيْء وَتَزَوَّجْهَا وَلَا عَلَيْك مِنْ قَوْل النَّاس ثُمَّ طَلَّقَهَا زَيْد وَانْقَضَتْ عِدَّتهَا "فَلَمَّا قَضَى زَيْد مِنْهَا وَطَرًا" حَاجَة "زَوَّجْنَاكهَا" فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَيْرِ إذْن وَأَشْبَعَ الْمُسْلِمِينَ خُبْزًا وَلَحْمًا "لِكَيْ لَا يَكُون عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَج فِي أَزْوَاج أَدْعِيَائِهِمْ إذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْر اللّٰه" مَقْضِيّه

واذ یہ اُذْکُرْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہا، جس پر اللہ نے انعام کیا اسلام سے اسے نواز کر۔ اور تم نے اس پر نعمت کی، غلامی سے آزادی کی۔ یعنی زید بن حارث پر۔ وہ زمانہ جاہلیت میں قید ہو گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے پہلے انہیں خرید لیا اور انہیں آزاد کر کے متبنیٰ بنا لیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید سے فرما رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اس کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ یعنی اس کی طلاق کے معاملے میں۔ اور آپ کے دل میں جو بات چھپی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ یعنی ان کے لئے جو آپ کے دل میں محبت تھی اسے اور یہ بات تھی کہ اگر ان کی حضرت زید سے علیحدگی ہو گئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے نکاح کر لیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ محسوس ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لے پالک بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کر لیا اور اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ ہر معاملے میں اور تم اس سے نکاح کر لو لوگوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر۔

چنانچہ حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور ان کی عدت ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: پس جب پورا کیا زید نے ان سے اپنی حاجت کو (یہاں "وطر" سے مراد ہے حاجت پوری کرنا) تو ہم نے اس کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اجازت طلب کئے بغیر ان کے پاس چلے آئے اور پھر تمام لوگوں کی روٹی اور گوشت سے ضیافت کی تا کہ اہل ایمان کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی (سابقہ) بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ ہو جبکہ وہ (بیٹے) اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی انہیں طلاق دے چکے ہوں) اور اللہ تعالیٰ کا امر یعنی اس کا فیصلہ جیسے وہ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔

سورہ احزاب آیت ۳۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے متعلق نازل ہوئی۔ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ۔ (بخاری (4787

حاکم نے حضرت انس سے اس طرح روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کے پاس زینب بنت جحش کی شکایت

لائے تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے ہاں روکے رکھو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ)
(مستدرک حاکم 2۔ 417)

اور مسلم، احمد اور نسائی نے اس طرح نقل کی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے کہا جاؤ اور ان سے میرے بارے میں بات کرو چنانچہ یہ حضرت زینب کے پاس گئے اور انہیں خبر دی تو انہوں نے کہا جب تک میں اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں کچھ بھی نہ کروں گی اور یہ کہہ کر مسجد کی طرف چلی گئی قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ ان سے اجازت لیے بغیر ان کی طرف تشریف لے گئے (کیونکہ اللہ نے خود ان کا نکاح آپ سے کر دیا تھا) حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں (ولیمے) پر روٹی اور گوشت کھلایا دور والے تو چلے گئے البتہ کچھ لوگ کھانے کے بعد بھی دیر تک بیٹھے رہے رسول اللہ وہاں سے تشریف لے آئے میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا اور آپ اپنی ازواج کے حجروں میں چکر لگانے لگے پھر میں نے آپ کو خبر دی کہ سب لوگ چلے گئے تو آپ گھر واپس تشریف لائے میں نے آپ کے ساتھ اندر آنے کا ارادہ کیا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ گرا دیا اور اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور قوم کو جو نصیحت کی گئی سو کی گئی۔ (لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم)۔ (سورہ احزاب (53 مومنو پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لیے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے لیکن جب تمہاری دعوت کی جائے اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں (اور کہتے نہیں ہیں) لیکن خدا سچی بات کے کہنے سے شرم نہیں کرتا۔ (مسلم 1428، مسند 3۔ 195)

نبی کریم ﷺ کے احسان کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی میں سے کچھ چھپاتے ہوتے تو یہ آیت ضرور چھپاتے (وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، اور جب تو نے اس شخص سے کہا جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا۔ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر۔ اور تو اپنے دل میں ایک چیز چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے ڈرے۔ پھر جب زید اسے حاجت پوری کر چکا تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو جبکہ وہ ان سے حاجت پوری کرلیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔ الاحزاب۔ آیت) اللہ کے انعام سے مراد اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعام سے مراد انہیں آزاد کرنا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کی بیوی سے (ان کی طلاق کے بعد) نکاح کیا تو لوگوں کہنے لگے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سب نبیوں کے خاتمے پر ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے)۔ جب زید چھوٹے تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنایا تھا

پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ جوان ہو گئے اور لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ ، یعنی انہیں اسطرح پکارا کرو فلاں شخص فلاں شخص کا دوست ہے اور فلاں، فلاں کا بھائی ہے) او اقسط عند اللہ سے مراد یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی عدل کی بات ہے۔ یہ حدیث داؤد بن ابی ہندہ سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1155)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا، پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض۔ ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا)۔ تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری ازواج مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہا کرتی تھیں کہ تم لوگوں کا نکاح تو تمہارے عزیزوں جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان سے کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1160)

نبی کریم ﷺ کے تقویٰ کا بیان

آپ پر یہ ظاہر نہیں فرماتے تھے کہ زینب سے تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا اور طلاق ضرور واقع ہو گی اور اللہ تعالیٰ انہیں ازواج مطہرات میں داخل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا۔ جب حضرت زید نے زینب کو طلاق دے دی تو آپ کو لوگوں کے طعن کا اندیشہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کرنے کا اور ایسا کرنے سے لوگ طعنہ دیں گے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جوان کے منہ بولے بیٹے کے نکاح میں رہی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ امرِ مباح میں بیجا طعن کرنے والوں کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔

اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والے اور سب سے زیادہ تقوٰی والے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ اور حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی اور عدّت گزر گئی۔ حضرت زینب کی عدّت گزرنے کے بعد ان کے پاس حضرت زید رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام لے کر گئے اور انہوں نے سر جھکا کر کمالِ شرم و ادب سے انہیں یہ پیام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں اپنی رائے کو کچھ بھی دخل نہیں دیتی جو میرے رب کو منظور ہو اس پر راضی ہوں یہ کہہ کر وہ بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوئیں اور انہوں نے نماز شروع کر دی اور یہ آیت نازل ہوئی حضرت زینب کو اس نکاح سے بہت خوشی اور فخر ہوا، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شادی کا ولیمہ بہت وسعت کے ساتھ کیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ
اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس کام (کی انجام دہی) میں کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لئے فرض فرما دیا ہے،
اللہ کا یہی طریقہ و دستور ان لوگوں میں (بھی رہا) ہے جو پہلے گزر چکے، اور اللہ کا حکم فیصلہ ہے جو پورا ہو چکا۔

اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ میں وسعت کا بیان

"مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ " أَحَلَّ "اللّٰهُ لَهُ سُنَّةَ اللّٰهِ " أَيْ كَسُنَّةِ اللّٰهِ فَنُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِضِ "فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ " مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَنْ لَا حَرَجَ عَلَيْهِمْ فِي ذٰلِكَ تَوْسِعَةً لَهُمْ فِي النِّكَاحِ "وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ" فِعْلُهُ "قَدَرًا مَقْدُورًا" مَقْضِيًّا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حوالے سے کوئی حرج نہیں ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے یعنی حلال قرار دیا ہے۔اس کے لئے (یہ) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے یعنی اس کی سنت کی مانند ہے۔یہاں پر اس لفظ کو زیر دینے والے حرف کی غیر موجودگی کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے۔ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں یعنی جو انبیاء (پہلے گزر چکے ہیں) یعنی ان کے لئے اس حوالے سے کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ ان کے لئے (اس طرح کے) نکاح کی گنجائش تھی اور اللہ تعالیٰ کا امر یعنی اس کا فعل طے شدہ ہے جو مقدور ہے یعنی اس کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

نکاح کے احکام میں انبیائے کرام کیلئے وسعت کا بیان

انبیاء کرام علیہم السلام کو بابِ نکاح میں وسعتیں دی گئیں کہ دوسروں سے زیادہ عورتیں ان کے لئے حلال فرمائیں جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیبیاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیبیاں تھیں یہ ان کے خاص احکام ہیں ان کے سوا دوسروں کو روا نہیں، نہ کوئی اس پر معترض ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس کے لئے جو حکم فرمائے اس پر کسی کو اعتراض کی کیا مجال اس میں یہود کا رد ہے جنہوں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر چار سے زیادہ نکاح کرنے پر طعن کیا تھا اس میں انھیں بتایا گیا کہ یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص ہے جیسا کہ پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے تعداد ازواج میں خاص احکام تھے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝
وہ لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے تھے اور اس کا خوف رکھتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔

سب سے زیادہ تقویٰ انبیائے کرام کیلئے ہونے کا بیان

"الَّذِينَ" نَعْتٌ لِلَّذِينَ قَبْلَهُ "يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ" فَلَا يَخْشَوْنَ مَقَالَةَ النَّاسِ فِيمَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَهُمْ "وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا" حَافِظًا لِأَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمُحَاسَبَتِهِمْ

وہ لوگ یہ پہلے والے لوگوں کی صفت ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کی تبلیغ کی اور اس سے ڈرتے رہے۔وہ کسی سے نہیں ڈرے صرف اللہ سے ڈرے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جو چیز ان کے لئے حلال قرار دی تھی اس کے بارے میں وہ لوگوں کی باتوں سے نہیں ڈرے اور اللہ تعالیٰ حسیب ہونے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی اپنی مخلوق کے اعمال کی حفاظت

کرنے اوران سے حساب لینے کے حوالے سے۔

صفت انبیاء علیہم السلام کی یہ بیان کی گئی کہ (آیت) ویخشونہ ولایخشون احداً الا اللہ، یعنی یہ حضرات اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اوراللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔اس میں یہ بھی داخل ہے کہ بمصالح دینیہ اگران کوکسی کام کی عملی تبلیغ کا مامور کیا جاتا ہے وہ اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے،اگر کچھ لوگ اس پر طعنہ کریں تو اس سے نہیں ڈرتے۔

ان کی تعریف ہورہی ہے جواللہ کی مخلوق کواللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اورامانت اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں اوراس سے ڈرتے رہتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں کرتے،کسی کی سطوت وشان سے مرعوب ہوکر پیغام اللہ کا پہنچانے میں خوف نہیں کھاتے۔اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد کافی ہے۔اس منصب کی ادائیگی میں سب کے پیشوا بلکہ ہراک امر میں سب کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔خیال فرمایئے کہ مشرق ومغرب کے ہرایک بنی آدم کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے دین کی تبلیغ کی۔اور جب تک اللہ کا دین چاردانگ عالم میں پھیل نہ گیا،آپ مسلسل مشقت کے ساتھ اللہ کے دین کی اشاعت میں معروف رہے۔آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم ہی کی طرف آتے رہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف اللہ کے رسول بن کرآئے تھے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ احزاب،بیروت)

بے خوف ہوکر برائی سے منع کرنے کا بیان

مسند احمد میں ہے تم میں سے کوئی اپنا آپ ذلیل نہ کرے۔لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے! فرمایا خلاف شرع کام دیکھ کر،لوگوں کے خوف کے مارے خاموش ہورہے۔قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ تو کیوں خاموش رہا؟ یہ کہے گا کہ لوگوں کے ڈر سے۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا سب سے زیادہ خوف رکھنے کے قابل تو میری ذات تھی۔(مسند احمد بن حنبل)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء
کے آخر میں (سلسلہ نبوت ختم کرنے والے) ہیں،اوراللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا بیان

"مَا كَانَ مُحَمَّد أَبَا أَحَد مِنْ رِجَالكُمْ " فَلَيْسَ أَبَا زَيْد : أَيْ وَالِده فَلَا يَحْرُم عَلَيْهِ التَّزَوُّج بِزَوْجَتِهِ زَيْنَب "وَلٰكِنْ" كَانَ "رَسُول اللّٰه وَخَاتَم النَّبِيِّينَ" فَلَا يَكُون لَهُ ابْن رَجُل بَعْده يَكُون نَبِيًّا وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ التَّاء كَآلَةِ الْخَتْم : أَيْ بِهِ خُتِمُوا "وَكَانَ اللّٰه بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا" مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيّ بَعْده وَإِذَا نَزَلَ السَّيِّد عِيسَى يَحْكُم بِشَرِيعَتِهِ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے والد نہیں ہیں یعنی زید کے ابو نہیں ہیں یعنی اس کے والد نہیں ہیں اس لئے ان کے لئے اس کی اہلیہ زینب کے ساتھ شادی کرنا حرام نہیں ہے لیکن وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کرنے والے ہیں لہٰذا ان کے بعد ان کا کوئی بیٹا نہیں ہوگا جو نبی ہو سکے۔ایک قرات کے مطابق ت پر زبر پڑھی جائے گی یعنی وہ آلہ (یعنی مہر) جس کے ذریعے مہر لگائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کے بارے میں علم رکھتا ہے اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اور حضرت عیسیٰ بھی جب نازل ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زید کے والد نہیں ۔یہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد بلوغت کو پہنچی ہی نہیں ۔قاسم، طیب اور طاہر تین بچے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک بچہ ہوا جس کا نام حضرت ابراہیم لیکن یہ بھی دودھ پلانے کے زمانے میں ہی انتقال کر گئے۔آپ کی لڑکیاں حضرت خدیجہ سے چار تھیں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان میں سے تین تو آپ کی زندگی میں ہی رحلت فرما گئیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ کے چھ ماہ بعد ہوا۔تو حضرت زید کے بھی آپ حقیقت میں باپ نہیں کہ ان کی منکوحہ آپ کے لئے حلال نہ ہوتی، قاسم وطیّب وطاہر وابراہیم حضور کے فرزند تھے مگر وہ اس عمر کو نہ پہنچے کہ انھیں مرد کہا جائے، انہوں نے بچپن میں وفات پائی۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

ختم نبوت پر احادیث سے دلائل کا بیان

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! میری مثال اور ان پیغمبروں کی مثال جو مجھ سے پہلے گزر گئے ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور خوشنما بنایا اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ جب اس مکان میں جاتے تو تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔(صحیح بخاری، حدیث نمبر 789)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور دوسرے تمام انبیاء کی مثال اس محل کی سی ہے جس کے درو دیوار نہایت شاندار اور عمدہ ہوں، لیکن اس دیوار میں اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو اور جب لوگ اس محل کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھیں تو عمارت کی شان وشوکت اور درو دیوار کی خوشنمائی انہیں حیرت میں ڈال مگر ایک اینٹ کے بقدر اس خالی جگہ کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو پس میں اس اینٹ کی جگہ بھرنے والا ہوں، اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہے اور انبیاء ورسل کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہو گیا ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "پس میں ہی وہ اینٹ ہوں (جس کی جگہ خالی رکھی گئی تھی) اور میں ہی نبیوں کے سلسلہ کو پایہ اختتام تک پہنچانے والا ہوں۔(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 309)

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی واضح دلیل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے رسول اور نبی بھیجنے کا جو سلسلہ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں آیا ہے اور نہ آئندہ کبھی آئے گا۔ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے نفسیاتی طریقہ سے ایک مثال کے ذریعہ فرمایا کہ مجھ سے پہلے دنیا میں جتنے اور رسول آئے وہ اللہ کی طرف سے جو شریعت، آئین ہدایت، علم و دین اور پیغام و احکام لائے ان کا مجموعہ کو ایک ایسا محل تصور کرو جو نہایت شاندار، مضبوط و پختہ اور دیدہ زیب ہو، لیکن اس کی دیوار میں ایک اینٹ کے برابر جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو اور وہ خالی جگہ کسی ایسے شخص کی منتظر ہو جو آ کر اس کو پر کر دے اور اس خالی جگہ کے نقص کو پورا کر کے محل کی تعمیر کا سلسلہ ختم کر دے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے آنے والے انبیاء کی بعثت، ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت اور ان کے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ دین کا محل گویا تیار ہو چکا تھا، لیکن کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، وہ کسر ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پوری ہو گئی، اب نہ اللہ کا دین ناقص ہے، نہ شریعت حقہ غیر مکمل ہے اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔

(۳) حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم علیہ السلام اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں میرا پہلا امر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت ہے اور میری ماں کا خواب ہے جو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا، حقیقت یہ ہے کہ میری ماں کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا تھا جس نے ان پر شام کے محلات کو روشن کر دیا تھا۔ اس روایت کو بغوی نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔ نیز امام احمد نے بھی اس روایت کو ساخبر کم سے آخر تک ابوامامہ سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 321)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کو ایک دست اٹھا کر دی گئی کیونکہ دست کا گوشت آپ کو بہت مرغوب تھا آپ نے اس کو تناول فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ میں قیامت کے دن سب کا سردار ہوں کیا تم کو معلوم ہے کہ روز قیامت تمام اولین و آخرین ایک ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے وہ میدان ایسا ہموار اور وسیع ہوگا کہ ایک پکارنے والے کی آواز سب سن سکیں گے اور دیکھنے والا سب کو دیکھ سکے گا سورج بہت قریب آ جائے گا لوگوں کو ایسی تکلیف ہوگی کہ برداشت نہ کر سکیں گے وہ کہیں گے دیکھو! کتنی بڑی تکلیف ہو رہی ہے کسی سفارشی کو تلاش کرو بعض کی رائے ہوگی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلو لہٰذا سب ان کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالبشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور اپنی روح آپ میں پھونکی ہے اور ملائکہ سے آپ کو سجدہ کرایا ہے ہماری سفارش فرمایئے دیکھئے ہم کیسی تکلیف میں مبتلا ہیں حضرت آدم جواب دیں گے کہ آج میرا رب بہت غصہ میں ہے اس نے مجھے ایک درخت کے قریب جانے سے روکا تھا تو میں اس سے شرمندہ ہوں اور وہ نفسی نفسی کہیں گے اور

فرمائیں گے کہ تم سب حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ سب حضرت نوح کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ پہلے نبی ہیں اور اللہ نے آپ کو اپنے شکر گزار بندے کے نام سے یاد فرمایا ہے لہٰذا آپ ہماری سفارش کیجئے کیونکہ ہماری حالت بہت خراب ہو رہی ہے حضرت نوح فرمائیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ بہت غصہ میں ہے میں نے ایسا غصہ کبھی نہیں دیکھا اور اس نے تو مجھے ایک دعا دی تھی وہ میں اپنی امت کے لئے مانگ چکا ہوں پھر وہ بھی نفسی نفسی فرمائیں گے اور لوگوں سے کہیں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ خلیل اللہ ہیں اور اللہ کے پیغمبر ہیں آپ ہمارے لئے شفاعت کیجئے وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ بہت غصہ میں ہے غصہ جو نہ پہلے آیا اور نہ پھر آئے گا اور میں نے دنیا میں یہ خطا کی تھی کہ تین جھوٹ بولے تھے ابوحیان نے ان تینوں جھوٹوں کا بھی بیان کیا ہے پھر وہ بھی نفسی نفسی پکاریں گے اور لوگوں سے فرمائیں گے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ چنانچہ تمام لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اللہ نے آپ سے باتیں کیں اور آپ کو لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی ہے آپ ہماری شفاعت فرمائیے دیکھیے ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے آج تو میرا رب بہت خفا ہے اس سے پہلے اتنے غصہ میں نہیں آیا اور نہ آئندہ آئے گا میں نے دنیا میں ایک خطا کی تھی ایک آدمی کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا حکم نہیں تھا آج مجھے نفسی نفسی پڑی ہے۔ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور وہ کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم پر ڈالا تھا آپ اللہ کی روح ہیں آپ نے بچپن میں لوگوں سے باتیں کی ہیں لہٰذا ہماری سفارش کیجئے دیکھئے ہم کیسی مصیبت میں مبتلا ہیں وہ فرمائیں گے آج میرا رب بہت غصہ میں ہے نہ پہلے ایسا غصہ آیا نہ آئندہ آئے گا پھر وہ دنیا کا کوئی گناہ بیان نہیں کریں گے اور صرف نفسی نفسی فرمائیں گے اور کہیں گے آج تو تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے آپ ہماری شفاعت فرمائیے دیکھئے! ہم کیسی تکلیف میں ہیں اس وقت میں عرش کے نیچے سجدہ میں گر جاؤں گا اللہ تعالیٰ اپنی حمد و تعریف کا ایسا طریقہ مجھ پر منکشف فرمائے گا جو اس سے قبل کسی کو نہیں بتایا گیا لہٰذا میں اس طرح اس کی حمد بجالاؤں گا پھر حکم باری ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنے سر کو اٹھائیے اور مانگئے جو آپ مانگنا چاہتے ہیں جو شفاعت آپ کریں گے قبول کی جائے گی میں سجدے سے سر کو اٹھا کر امتی امتی کہوں گا حکم ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی امت میں ان ستر ہزار لوگوں کو جن کا حساب کتاب نہیں ہوگا داہنے دروازے سے جنت میں داخل کر دیجئے اور ان کو بھی اختیار ہے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جنت کے ایک دروازہ کی چوڑائی اتنی ہے جیسا مکہ اور حمیر کے درمیان کا فاصلہ یا مکہ اور بصری کے درمیان کی مسافت۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1905)

(۵) ام خالد بنت سعید کہتی ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور میں از ار و قمیص پہنے

ہوئے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنہ سنہ (عبداللہ کا بیان ہے کہ سنہ حبشی زبان میں عمدہ چیز کو کہتے ہیں) ام خالد کا بیان ہے کہ میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی، میرے والد نے مجھے اٹھالیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کھیلنے دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلی واخلقی تین بار فرمایا یہ کپڑا پرانا ہو اور پھٹ جائے (مراد دیر تک رہے) عبداللہ کا بیان ہے کہ وہ کپڑا بہت دنوں تک رہا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 951)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چھ وجوہ سے انبیاء کرام علیہ السلام پر فضیلت دی گئی ہے مجھے جوامع الکلم عطا فرمائے گئے، رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی، میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اور میرے لئے تمام روئے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ بنادی گئی اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت ختم کر دی گئی۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1162)

(۷) معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بنو مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا پس ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور بیشک آپ کی قمیص کا گریبان کھلا ہوا تھا پس میں نے بیعت کی آپ سے پھر اپنا ہاتھ آپ کی قمیص میں ڈال دیا تو میں نے خاتم نبوت (جو آپ کی گردن سے ذرا نیچے تھی) کو ہاتھ سے مس کیا۔ عروہ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہ پس میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا سوائے گریبان کھلا، سردی، گرمی، ہر موسم میں اور نہ ہی وہ دونوں (گریبان بند کرنے کے لئے) گھنڈیاں لگایا کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 691)

(۸) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو آزاد کردہ غلام ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا یا یوں فرمایا کہ میرے پروردگار نے میرے لئے زمین کو سکیڑ دیا پس مجھے زمین کے مشارق ومغارب دکھائے گئے اور بیشک میری امت کی سلطنت عنقریب وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لئے زمین کو سمیٹا گیا اور مجھے دو خزانے سرخ وسفید دیئے گئے اور بیشک میں نے اپنی پروردگار سے اپنی امت کے لئے یہ سوال کیا کہ انہیں کسی عام قحط سے ہلاک نہ کیجیے اور نہ ان کے اوپر ان کے علاوہ کوئی غیر دشمن مسلط کر دے کہ وہ ان کو جڑ سے ختم کر دے۔ اور بیشک میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا کہ اے محمد۔ بیشک میں جب فیصلہ کرتا ہوں تو پھر وہ رد نہیں ہوتا اور میں انہیں کسی عام قحط سے ہلاک نہیں کروں اور نہ ہی ان پر کوئی غیر دشمن مسلط کروں گا اگرچہ سارا کرہ ارض سے ان پر دشمن جمع ہو کر حملہ آور ہو جائیں یہاں تک کہ مسلمانوں میں سے آپس میں ہی بعض بعض کو ہلاک کر دیں گے اور بعض بعض کو قید کر دیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے اماموں (مذہبی رہنماؤں) کا ڈر ہے اور جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی اور قیامت اس دن تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے جاملیں گے اور یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل بتوں کی عبادت کریں اور بیشک میری امت میں تیس کذاب ہوں گے

جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میں خاتم النبین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت میں سے ایک طائفہ ہمیشہ حق پر رہے گی ابن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حق پر غالب رہے گی اور ان کے مخالفین انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 859)

(۹) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کئی قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے اور بتوں کی پوجا نہیں کریں گے پھر فرمایا میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ حدیث صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 101)

(۱۰) حضرت ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے تو فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ لمبے تھے نہ بہت پست قد تھے بلکہ میانہ قد تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال نہ بہت گھنگریالے تھے اور نہ بلکل سیدھے بلکہ تھوڑے تھوڑے گھنگریالے تھے۔ بہت موٹے بھی نہیں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ بلکل گول تھا بلکہ چہرے میں قدرے گولائی تھی۔رنگ سرخ وسفید، آنکھیں سیاہ، پلکیں لمبی، جوڑ بڑے اور شانہ چوڑا تھا اور دونوں شانوں کے درمیان گوشت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر بال نہیں تھے۔بس سینے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر سی تھی۔ہتھیلیاں اور تلوے بھرے بھرے تھے۔جب چلتے تو پیر زمین پر گاڑ کر چلتے گویا کہ نیچے اتر رہے ہوں۔اگر کسی کی طرف دیکھتے تو پورے گھوم کر دیکھتے آنکھیں پھیر کر نہیں۔آپ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی وہ خاتم النبیین اور سب سے اچھے سینے والے (حسد سے پاک) سب سے بہترین لہجے والے، سب سے نرم طبیعت والے اور بہترین معاشرت والے تھے۔جو اچانک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا وہ ڈر جاتا اور جو ملتا محبت کرنے لگتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اور بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سا کوئی نہیں دیکھا۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1604)

(۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جب تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجو تو عمدہ اور احسن طریقے سے درود بھیجو اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم ہو سکتا ہے تمہارا درود رسول اللہ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کہ پھر ہمیں (درود بھیجنے کا احسن طریق) سکھا دیجئے، فرمایا کہو اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَاتَكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُولِ الرَّحْمَةِ اللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغْبِطُهُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اے اللہ! اپنی عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرمادیجئے

رسولوں کے سردار اہل تقویٰ کے پیشوا خاتم الانبیاء اپنے بندے اور رسول بھلائی کے امام اور بھلائی کی طرف لے جانے والے اور رسول رحمت محمد پر، اے اللہ! ان کو مقام محمود عطا فرما جس پر اولین وآخرین سب رشک کریں اے اللہ! محمد اور ان کی آل پر اسی طرح رحمت نازل فرمایئے جس طرح آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت نازل فرمائی بلاشبہ آپ خوبیوں والے اور بزرگی والے ہیں۔ اے اللہ! محمد پر اور ان کی آل پر اسی طرح برکت نازل فرمایئے جس طرح آپ نے ابراہیم اور ان کی آل پر نازل فرمائی بلاشبہ آپ خوبیوں والے اور بزرگی والے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد اول: حدیث نمبر 906)

(۱۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کیا کرتے تو یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہتے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین تھے۔ (شمائل ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 18)

(۱۳) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے کئی نام ہیں، میں محمد ﷺ ہوں، میں احمد ﷺ ہوں، میں حاشر ﷺ ہوں، میں ماحی ﷺ ہوں، میں خاتم ﷺ ہوں اور میں عاقب ﷺ ہوں۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 2553)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ
عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا
اے ایمان والو! اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو۔ اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔ وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی،
تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے اور وہ مومنوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے۔

صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا بیان

"وَسَبِّحُوهُ بُكْرَة وَأَصِيلًا" أَوَّل النَّهَار وَآخِره "هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ" أَيْ يَرْحَمكُمْ "وَمَلَائِكَته" يَسْتَغْفِرُونَ لَكُمْ "لِيُخْرِجكُمْ" لِيُدِيمَ إخْرَاجه إيَّاكُمْ "مِنْ الظُّلُمَات" أَيْ الْكُفْر "إلَى النُّور" أَيْ الْإِيمَان،

اور صبح یعنی دن کے اول حصے میں اور شام یعنی دن کے آخری حصے میں اس کی تسبیح کیا کرو۔ وہی ہے وہ ذات جو تم پر رحمت نازل کرتی ہے یعنی تم پر رحم کرتی ہے اور اس کے فرشتے بھی یعنی وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں تاکہ وہ تمہیں نکال دے یعنی وہ تمہیں ہمیشہ کے لئے دور کردے تاریکیوں سے یعنی کفر سے۔ نور کی طرف (لے آئے) یعنی ایمان کی طرف اور وہ (اللہ تعالیٰ) اہل ایمان کے لئے (بطور خاص) رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت کا بیان

ہمیں اس کا بکثرت ذکر کرنا چاہئے اوراس پر بھی ہمیں نعمتوں اور بڑے اجروثواب کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمھارے بہتر عمل اور بہت ہی زیادہ پاکیزہ کام اورسب سے بڑے درجے کی نیکی اور سونے چاندی کوراہ اللہ خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور جہاد سے بھی افضل کام نہ بتاؤں؟لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے؟فرمایا اللہ عزوجل کا ذکر ہے۔(ترمذی ابن ماجہ وغیرہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنی ہے جسے میں کسی وقت ترک نہیں کرتا۔دعا یہ ہے(اللھم اجعلنی اعظم شکرک واتبع نصیحتک واکثر ذکرک واحفظ وصیتک) یعنی اے اللہ تو مجھے اپنا بہت بڑا شکر گزار،فرماں بردار،بکثرت ذکر کرنے والا اور تیرے احکام کی حفاظت کرنے والا بنا دے۔(ترمذی وغیرہ)

دواعرابی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ایک نے پوچھا سب سے اچھا شخص کون ہے؟ آپ نے فرمایا جولمبی عمر پائے،اور نیک اعمال کرے۔دوسرے نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام اسلام تو بہت سارے ہیں مجھے کوئی چوٹی کا حکم بتادیجئے کہ اس میں چمٹ جاؤں آپ نے فرمایا ذکر اللہ میں ہروقت اپنی زبان کوتر رکھ۔(ترمذی)

فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر میں ہروقت مشغول رہو یہاں تک کہ لوگ تمھیں مجنوں کہنے لگیں(مسند احمد)فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو یہاں تک کہ منافق تمھیں ریاکار کہنے لگیں۔(طبرانی)

فرماتے ہیں جولوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت افسوس کا باعث بنے گی۔(مسند)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہر فرض کام کی کوئی حد ہے۔پھر عذر کی حالت میں وہ معاف بھی ہے لیکن ذکر اللہ کی کوئی حد نہیں نہ وہ کسی وقت ٹلتا ہے۔ہاں کوئی دیوانہ ہوتو اور بات ہے۔کھڑے بیٹھے لیٹے رات کودن کوخشکی میں تری میں سفر میں حضر میں غنا میں فقر میں صحت میں بیماری پوشیدگی میں ظاہر میں غرض ہر حال میں ذکر اللہ کرنا چاہیے۔صبح شام اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔تم جب یہ کرو گے تو اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا اور فرشتے تمھارے لئے ہروقت دعا گورہیں گے۔اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث وآثار ہیں۔اس آیت میں بھی بکثرت ذکر اللہ کرنے کی ہدایت ہورہی ہے۔

ان سب میں بہترین کتاب اس موضوع پر حضرت امام نووی رحمتہ اللہ علیہ کی ہے،صبح شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو جیسے فرمایا(فسبحان اللہ حین (فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ، الروم:17)اللہ کے لئے پاکی

ہے۔ جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو، اسی کے لئے حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور بعد از زوال اور ظہر کے وقت، پھر اس کی فضیلت بیان کرنے اور اس کی طرف رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے وہ خود تم پر رحمت بھیج رہا ہے۔ یعنی جب وہ تمھاری یاد رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ تم اس کے ذکر سے غفلت کرو؟ جیسے فرمایا (كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۱) -2 البقرۃ: 151) جس طرح ہم نے تم میں خود تمہی میں سے رسول بھیجا جو تم پر ہماری کتاب پڑھتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جسے تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس تم میرا ذکر کرو میں تمھاری یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں۔

• جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ صلوۃ جب اللہ کی طرف مضاف ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی اپنے فرشتوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تسبیح کرنے کا بیان

حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا۔ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات، دن صبح وشام، ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔

سورہ احزاب آیت ۴۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، الأحزاب:56) نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی فضل وشرف عطا فرماتا ہے تو ہم نیاز مندوں کو بھی آپ کے طفیل میں نوازتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ احزاب، بیروت)

یصلی کا صلہ علیٰ اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی اللہ کا بندے پر اپنی مہربانی اور رحمت نازل کرنا ہوتا ہے اور اگر یہ نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو دعائے رحمت کرنا اور اگر بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی دعائے رحمت بھی، دعائے جنازہ بھی اور نماز جنازہ بھی اور درود پڑھنا اور بھیجنا بھی ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں لفظ صلوۃ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور فرشتوں کے لئے بھی، لیکن مصداق صلوۃ کا الگ الگ ہے۔ اللہ کی صلوۃ تو یہ ہے کہ وہ رحمت نازل فرمائے، اور فرشتے خود تو کسی کام پر قادر نہیں ان کی صلوۃ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نزول رحمت کی دعا مانگیں۔

تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَّاَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا○

ان کی دعا، جس دن وہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگی اور اس نے ان کے لیے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔

اہل ایمان کیلئے اللہ کی طرف سے بہ طورِ اعزاز سلام کا بیان

"تَحِیَّتھُم" مِنهُ تَعَالَی "یَوْمَ یَلْقَوْنَهُ سَلَام" بِلِسَانِ الْمَلَائِکَة "وَأَعَدَّ لَھُمْ أَجْرًا کَرِیمًا" هُوَ الْجَنَّة

سلام اس کی طرف سے جو برتر ہے اس دن جب وہ اس سے ملاقات کریں گے۔لفظ سلام کے ذریعے یعنی فرشتوں کی زبانی اور اس نے ان کے لئے عزت والا اجر تیار کیا ہے۔یعنی جنت۔

سلام، یہ اسی صلوٰۃ کی توضیح وتفسیر ہے جو اللہ کی طرف سے مومن بندوں پر ہوتی ہے، یعنی جس روز یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اس کی طرف سے ان کا اعزازی خطاب سلام سے کیا جائے گا یعنی السلام علیکم کہا جائے گا۔اللہ سے ملنے کا دن کون سا ہوگا؟ امام راغب وغیرہ نے فرمایا کہ مراد اس سے روز قیامت ہے، اور بعض آئمہ تفسیر نے فرمایا کہ جنت میں داخلہ کا وقت مراد ہے، جہاں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی سلام پہنچے گا اور سب فرشتے بھی سلام کریں گے۔اور بعض حضرات مفسرین نے اللہ سے ملنے کا دن موت کا دن قرار دیا ہے کہ وہ دن سارے عالم سے چھوٹ کر صرف ایک اللہ کے سامنے حاضری کا دن ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ملک الموت جب کسی مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اول اس کو یہ پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے۔اور لفظ بقاء ان تینوں حالات پر صادق ہے اس لئے ان اقوال میں کوئی تضاد وتعارض نہیں ہوسکتا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلام تینوں حالات میں ہوتا ہے۔(تفسیر روح المعانی، سورہ احزاب، بیروت)

ملتے وقت سے مراد یا موت کا وقت ہے یا قبروں سے نکلنے کا یا جنت میں داخل ہونے کا۔مروی ہے کہ حضرت مَلَکُ الموت علیہ السلام کسی مومن کی روح اس کو سلام کئے بغیر قبض نہیں فرماتے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب مَلَک الموت مومن کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ مومنین جب قبروں سے نکلیں گے تو ملائکہ سلامتی کی بشارت کے طور پر انھیں سلام کریں گے۔(جمل وخازن، سورہ احزاب، بیروت)

یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا○ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا○

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

اور اس کے اذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اوصاف شاہد، مبشر وغیرہ کا بیان

"یَا أَیُّھَا النَّبِیّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاھِدًا" عَلَی مَنْ أُرْسِلْت إِلَیْھِمْ "وَمُبَشِّرًا" مَنْ صَدَّقَك بِالْجَنَّةِ "وَنَذِیرًا" مُنْذِرًا مَنْ کَذَّبَك بِالنَّارِ،

"وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ" إِلَى طَاعَته "بِإِذْنِهِ" بِأَمْرِهِ "وَسِرَاجًا مُنِيرًا" أَيْ مِثْله فِي الْإِهْتِدَاء بِهِ،

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تمہیں گواہ بنا کر بھیجا ہے یعنی ان لوگوں پر جن کی طرف تمہیں نازل کیا گیا ہے اور خوشخبری دینے والا یعنی انہیں جنت کی خوشخبری دینے والا جو تمہاری تصدیق کرے اور ڈرانے والا یعنی انہیں جہنم سے ڈرانے والا جو تمہاری تکذیب کرے۔

اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف یعنی اس کی فرمانبرداری کی طرف اس کے اذن کے تحت یعنی اس کے امر کے تحت اور روشنی دینے والا سورج (یا چراغ) یعنی اس کی مانند اس حوالے سے کہ اس کے ذریعے رہنمائی حاصل کی جائے۔

نبی کریم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا بیان

شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر بہت بہترین ترجمہ ہے، مفردات راغب میں ہے " اَلشُّهُوْدُ وَ الشَّهَادَةُ الْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيْرَةِ " یعنی شہود اور شہادت کے معنی ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ اور گواہ کو بھی اسی لئے شاہد کہتے ہیں کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالم کی طرف مبعوث ہیں، آپ کی رسالت عامّہ ہے جیسا کہ سورہ فرقان کی پہلی آیت میں بیان ہوا تو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک ہونے والی ساری خَلق کے شاہد ہیں اور ان کے اعمال و افعال و احوال، تصدیق، تکذیب، ہدایت، ضلال سب کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ (ابوالسعود و جمل، سورہ احزاب، بیروت)

کتب سابقہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف کا بیان

عطا بن یسار فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں تورات میں کیا ہیں؟ فرمایا جو صفتیں آپ کی قرآن میں ہیں انہی میں بعض اوصاف آپ کے تورات میں بھی ہیں۔ تورات میں ہے اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور خوشی سنانے والا، ڈرانے والا امتیوں کو بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو بدگو اور فحش کلام نہیں ہے، نہ بازاروں میں شور مچانے والا۔ وہ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتا بلکہ درگذر کرتا ہے۔ اور معاف فرماتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ قبض نہیں کرے گا۔ جب تک لوگوں کو ٹیڑھا کر دیئے ہوئے دین کو اس کی ذات سے بالکل سیدھا نہ کر دے اور وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور بہرے کان سننے والے بن جائیں۔ اور پردوں والے دلوں کے زنگ چھوٹ جائیں۔ (بخاری)

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت وہیب بن منبہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیب علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ، میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا۔ میں امیوں میں سے ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں جو نہ بدخلق ہے نہ بدگو۔ نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا۔ اس قدر سکون و امن کا حال ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے بھی گذر جائے تو وہ نہ بجھے اور اگر بانسوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ نہ معلوم ہو۔ میں اسے خوشخبریاں سنانے والا اور

ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا۔ جو حق گو ہوگا اور میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو سننے والا کروں گا اور زنگ آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ ہر بھلائی کی طرف اس کی ضمیر ہوگی۔ حکمت اس کی گویائی ہوگی۔ صدق و وفا اس کی عادت ہو گی۔ عفو درگذر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی۔ عدل اس کی سیرت ہوگی۔ ہدایت اس کی امام ہوگی اسلام اس کا دین ہوگا۔ احمد اس کا نام ہوگا۔ گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علماء بنا دوں گا۔ تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا۔ انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا۔ جدا گانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا۔ دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچالوں گا۔ تمام امتوں سے اس کی امت کو اعلیٰ اور افضل بنا دوں گا۔ وہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ وہ موحد ہوں گے، مومن ہوں گے، اخلاص والے ہوں گے، رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے سب کو سچ ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے بیٹھے اٹھتے میری تسبیح حمد وثنا بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے۔ کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمنان اللہ سے صفیں باندھ کر حملہ کر کے جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ تہد آدھی پنڈلی تک باندھیں گے۔ میری راہ میں قربانیاں دیں گے۔ میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی۔ راتوں کو عابد اور دنوں کو مجاہد ہوں گے۔ میں اس نبی کی اہل بیت اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق شہید اور صالح لوگ پیدا کر دوں گا۔ اس کی امت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت کرے گی، اور حق کے ساتھ عدل وانصاف کرے گی۔ ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا۔ اوران کو بلانے والوں کی مدد کروں گا۔ ان کے مخالفین اور ان کے باغی اور ان کے بدخواہوں پر بُرے دن لاؤں گا۔ میں انہیں ان کے نبی کے وارث کر دوں گا۔ جو اپنے رب کی طرف لوگوں کو دعوت دیں گے۔ نیکیوں کی باتیں بتائیں گے، برائیوں سے روکیں گے، نماز ادا کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، وعدے پورے کریں گے، اس خیر کو میں ان کے ہاتھوں پوری کروں گا جو ان سے شروع ہوئی تھی۔ یہ ہے میرا فضل جسے چاہوں دوں۔ اور میں بہت بڑے فضل و کرم کا مالک ہوں۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے جب یہ آیت اتری تو آپ نے انہیں فرمایا جاؤ خوشخبریاں سنانا نفرت نہ دلانا، آسانی کرنا سختی نہ کرنا، دیکھو مجھ پر یہ آیت اتری ہے۔ طبرانی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ پر یہ اترا ہے کہ اے نبی ہم نے تجھے تیری امت پر گواہ بنا کر جنت کی خوشخبری دینے والا بنا کر جہنم سے ڈرانے والا بنا کر اور اللہ کے حکم سے اس کی توحید کی شہادت کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا پس آپ اللہ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں گواہ ہیں۔ اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے (وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا، النسآء: 41) یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورۃ احزاب، بیروت)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ○ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○
اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اور آپ کافروں اور منافقوں کا (یہ) کہنا (کہ ہمارے
ساتھ مذہبی سمجھوتہ کرلیں ہرگز) نہ مانیں اور ان کی ایذاء رسانی سے درگزر فرمائیں، اور اللہ پر بھروسہ (جاری) رکھیں،
اور اللہ ہی (حق و باطل کی معرکہ آرائی میں) کافی کارساز ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان کو خوشخبری دینے کا بیان

"وَبَشِّرْ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنْ اللَّه فَضْلًا كَبِيرًا" هُوَ الْجَنَّة "وَلَا تُطِعْ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ" فِيمَا يُخَالِف شَرِيعَتك "وَدَعْ" اُتْرُكْ "أَذَاهُمْ" لَا تُجَازِهِمْ عَلَيْهِ إلَى أَنْ تُؤْمَر فِيهِمْ بِأَمْرٍ "وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّه" فَهُوَ كَافِيك "وَكَفَى بِاَللَّهِ وَكِيلًا" مُفَوَّضًا إلَيْهِ

اور تم بشارت دو اہل ایمان کو کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور وہ جنت ہے۔ اور تم کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کرو اس چیز کے بارے میں جو وہ تمہاری شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور تم چھوڑ دو یعنی ترک کر دو ان کی تکلیف دہ باتوں کو یعنی انہیں اس کا بدلہ نہ دو اس وقت تک جب تک تمہیں ان کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا جاتا اور اللہ پر توکل کرو۔ وہ تمہارے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے کے حوالے سے کافی ہے یعنی جب معاملہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔

آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں۔ اور چونکہ اللہ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی اڑ جائے تو اور بات ہے، اے نبی! کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگذر کرو۔ یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور اللہ پر پورا بھروسہ کرو وہ کافی ہے۔

امت مسلمہ پر بعض انعامات کا بیان

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: گذشتہ قوموں (یہود و نصاریٰ) کے مقابلہ میں تمہارا رہنا ایسا ہے جیسے عصر سے سورج غروب ہونے کا وقت۔ اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے (صبح سے) دوپہر تک مزدوری کی پھر تھک گئے تو انھیں ایک ایک قیراط ملا۔ اہل انجیل کو انجیل دی گئی انہوں نے (دوپہر سے) عصر کی نماز تک مزدوری کی پھر تھک گئے۔ انھیں بھی ایک قیراط ملا۔ پھر ہم مسلمانوں کو قرآن دیا گیا ہم نے سورج غروب ہونے تک مزدوری کی (اور کام پورا کر دیا) تو ہمیں دو قیراط دیئے گئے۔ اب اہل کتاب کہنے لگے: پروردگارا! تو نے انھیں دو قیراط دیئے اور ہمیں ایک ایک حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ

کام کیا ہے؟" اللہ عزوجل نے انھیں جواب دیا: "میں نے تمہاری مزدوری سے (جو تم سے طے کی تھی) کچھ دبایا تو نہیں؟" وہ کہنے لگے: "نہیں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر یہ میرا فضل ہے جسے جو کچھ چاہوں دوں" (بخاری۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیں دوسری امتوں پر تین باتوں میں فضیلت ملی۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح کی گئیں اور ہمارے لئے ساری زمین نماز کی جگہ ہے اور زمین کی خاک ہمیں پاک کرنے والی ہے جب پانی نہ ملے۔ ایک بات اور بیان کی۔ (مسلم۔ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝
اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انھیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم انھیں مَس کرو
(یعنی خلوتِ صحیحہ کرو) تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت (واجب) نہیں ہے کہ تم اسے شمار کرنے لگو،
پس انھیں کچھ مال ومتاع دو اور انھیں اچھی طرح حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرو۔

خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں متاع دینے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ" وَفِي قِرَاءَة تُمَاسُّوهُنَّ أَيْ تُجَامِعُوهُنَّ "فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّة تَعْتَدُّونَهَا" تُحْصُونَهَا بِالْأَقْرَاءِ وَغَيْرهَا "فَمَتِّعُوهُنَّ" أَعْطُوهُنَّ مَا يَسْتَمْتِعْنَ بِهِ أَيْ إِنْ لَمْ يُسَمّ لَهُنَّ صَدَقَة وَإِلَّا فَلَهُنَّ نِصْف الْمُسَمَّى فَقَطْ قَالَهُ ابْن عَبَّاس وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيّ "وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا" خَلُّوا سَبِيلهنَّ مِنْ غَيْر إِضْرَار

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں کے ساتھ نکاح کرو اور پھر انہیں چھونے سے پہلے انہیں طلاق دے دو۔ ایک قرات کے مطابق لفظ "تما سو هن" ہے یعنی تمہارا ان کے ساتھ صحبت کرنا (یعنی اس سے پہلے) تو تمہارے حوالے سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہوگی جس کی تم گنتی کرو یعنی "قروء" وغیرہ کے حساب سے اُسے شمار کرلو۔ تو تم انہیں متاع دو یعنی انہیں وہ چیزیں دو جسے وہ استعمال کرسکیں یعنی اس صورت میں اگر ان کے لئے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو ورنہ انہیں صرف طے شدہ مہر کا نصف ملے گا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے اور تم انہیں آرام سے الگ کردو یعنی کوئی نقصان پہنچائے بغیر ان کا راستہ چھوڑ دو۔

خلوت صحیحہ کا فقہی مفہوم

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خلوت صحیحہ یہ ہے کہ زن وشوہر تنہائی کے مکان: میں جہاں کسی کے آنے جانے یا نظر پڑنے سے اطمینان ہو، یوں متفق ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی تیسرا ایسا نہ ہو جو ان کے افعال کو سمجھ سکے، نہ اُن میں کسی کو مقاربت

مانع شرعی یا حسی ہو مثلاً مرد یا عورت کی ایسی کم سنی جس میں صلاحیت قربت و قابلیت صحبت نہ ہو یا شوہر کی ناسازی طبع یا عورت کا حیض یا نفاس یا ایسے مرض میں ہونا جس کے سبب وقت وقوع فعل قربت سے اسے مضرت پہنچے یا ان میں کسی کا نماز میں فرض یا ماہ رمضان میں روزہ فرض سے مشغول ہونا ہے۔

اور خلوت صحیحہ وجوب مہر کی شرط نہیں، وجوب مہر تو منعقد نکاح سے ہوتا ہے، ہاں خلوت سے مہر متاکد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ اگر پیش از وطی وخلوت صحیحہ طلاق تو نصف مہر لازم آتا، اب کہ خلوت واقع ہوگئی کُل لازم آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب مہر)

خلوت صحیحہ یہ ہے کہ زوج زوجہ ایک مکان میں جمع ہوں اور کوئی چیز مانع جماع نہ ہو یہ خلوت جماع ہی کے حکم میں ہے اور موانع تین ہیں۔ (۱) حسی (۲) شرعی (۳) طبعی

خلوت صحیحہ کے موانع کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ (۱) مانع حسی جیسے مرض کہ شوہر بیمار ہے تو مطلقاً خلوت صحیحہ نہ ہوگی اور زوجہ بیمار ہو تو اس حد کی بیمار ہو کہ وطی سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو اور ایسی بیماری نہ ہو تو خلوت صحیحہ ہو جائے گی۔

(۲) مانع طبعی جیسے وہاں کسی تیسرے کا ہونا، اگر چہ وہ سوتا ہو یا نابینا ہو، یا اس کی دوسری بی بی ہو یا دونوں میں کسی کی باندی ہو، ہاں اگر اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ کسی کے سامنے بیان نہ کر سکے گا تو اس کا ہونا مانع نہیں یعنی خلوت صحیحہ ہو جائے گی۔ مجنون ومعتوہ بچہ کے حکم میں ہیں اگر عقل کچھ رکھتے ہیں تو خلوت نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر وہ شخص بے ہوشی میں ہے تو خلوت ہو جائے گی۔ اگر وہاں عورت کا کتا ہے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی اور اگر مرد کا ہے اور اندیشہ ہے جب بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔

(۳) مانع شرعی مثلاً عورت حیض یا نفاس میں ہے یا دونوں میں کوئی مُحرم ہو، احرام فرض کا ہو یا نفل کا، حج کا ہو یا عمرہ کا، یا ان میں کسی کا رمضان کا روزہ ادا ہو یا نماز فرض میں ہو، ان سب صورتوں میں خلوت صحیحہ نہ ہوگی اور اگر نفل یا نذر یا کفارہ یا قضا کا روزہ ہو یا نفلی نماز ہو تو یہ چیزیں خلوت صحیحہ سے مانع نہیں اور اگر دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوئے مگر کوئی مانع شرعی یا طبعی یا حسی پایا جاتا ہے تو خلوت فاسدہ ہے۔

اور وہ لڑکا جو اس قابل نہیں کہ صحبت کر سکے مگر اپنی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہا یا زوجہ اتنی چھوٹی لڑکی ہے کہ اس قابل نہیں اس کے ساتھ اس کا شوہر رہا تو دونوں صورتوں میں خلوت صحیحہ نہ ہوئی۔

اور اگر عورت کے اندام نہانی میں کوئی ایسی چیز پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے وطی نہیں ہو سکتی، مثلاً وہاں گوشت آ گیا یا مقام جُڑ گیا یا ہڈی پیدا ہوگئی یا غدود ہو گیا تو ان صورتوں میں خلوت صحیحہ نہیں ہو سکتی۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۲۴۵، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہا الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور جب عورت مرد کے پاس تنہائی میں گئی مرد نے اسے نہ پہچانا، تھوڑی دیر ٹھہر کر چلی آئی یا مرد عورت کے پاس گیا اور اسے نہیں پہچانا، چلا آیا تو خلوت صحیحہ نہ ہوئی، لہٰذا اگر عورت خلوت صحیحہ کا دعویٰ کرے اور مرد یہ عذر پیش کرے تو مان لیا جائے گا اور اگر مرد

نے پہچان لیا اور عورت نے نہ پہچانا تو خلوت صحیحہ ہو گئی۔

اور جس جگہ اجتماع ہوا وہ جگہ اس قابل نہیں کہ وہاں وطی کی جائے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی، مثلاً مسجد اگر چہ اندر سے بند ہو اور راستہ اور میدان اور حمام میں جب کہ اس میں کوئی ہو یا اس کا دروازہ کھلا ہو اور اگر بند ہو تو ہو جائے گی اور جس چھت پر پردہ کی دیوار نہ ہو یا ٹاٹ وغیرہ موٹی چیز کا پردہ نہ ہو یا ہے مگر اتنا نیچا ہے کہ اگر کوئی کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ لے تو اس پر بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر مکان ایسا ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ اگر کوئی باہر کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ سکے یا یہ اندیشہ ہے کہ کوئی آ جائے تو خلوت صحیحہ نہ ہوگی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت پر عدّت واجب، بلکہ عدّت میں نان ونفقہ اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب ہے۔ بلکہ نکاح صحیح میں عدت تو مطلقاً خلوت سے واجب ہوتی ہے صحیحہ ہو یا فاسدہ البتہ نکاح فاسد ہو تو بغیر وطی کے عدّت واجب نہیں۔ خلوت کا یہ حکم بھی ہے کہ جب تک عدت میں ہے اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اور اس کے علاوہ چار عورتیں نکاح میں نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہ آزاد ہے تو اس کی عدّت میں باندی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اس عورت کو جس سے خلوت صحیحہ ہوئی اس زمانہ میں طلاق دے جو موطؤہ کے طلاق کا زمانہ ہے۔ اور عدّت میں اسے طلاق بائن دے سکتا ہے مگر اس سے رجعت نہیں کر سکتا، نہ طلاق رجعی دینے کے بعد فقط خلوت صحیحہ سے رجعت ہو سکتی ہے۔ اور اس کی عدّت کے زمانہ میں شوہر مر گیا تو وارث نہ ہوگی۔ خلوت سے جب مہر موکد ہو چکا تو اب ساقط نہ ہوگا اگر چہ جدائی عورت کی جانب سے ہو۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

خلوت صحیحہ میں عورت کے قول کا اعتبار کیا جائے گا

اگر میاں بی بی میں تفریق ہو گئی، مرد کہتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہ ہوئی، عورت کہتی ہے ہو گئی تو عورت کا قول معتبر ہے۔

مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ

جمہور کے ہاں یہی ہے کہ کامل مہر واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جس نے بھی اپنی بیوی سے صحیح خلوت کر لی، یعنی وہ بغیر کسی بڑے یا چھوٹے یا امتیاز کرنے والے بچے کے بغیر صرف دونوں ہی خلوت کر لیں اور پھر عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجمل یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے صحیح عقد نکاح کے بعد خلوت کر لے تو اس کا مہر دینا ہوگا اور وہ عدت بھی پوری کرے گی چاہے اس نے اس سے جماع نہ بھی کیا ہو، خلفاء راشدین سے یہی مروی ہے۔

امام احمد اور اثرم نے زرارۃ بن اوفی سے روایت کیا ہے کہ: خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا: جس نے دروازہ بند کر لیا یا پردہ گرا کر اندر چلا گیا تو اس پر پورا مہر واجب ہوگا، اور عدت بھی واجب ہوگی۔

اور اثرم نے احنف سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ: عمر اور علی اور سعید بن مسیب اور زید بن ثابت سب کے ہاں اس پر عدّت ہو گی اور اسے پورا مہر دیا جائیگا، اور یہ معاملہ جات مشہور ہیں اور اس میں ان کے دور میں کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تو اس طرح یہ

اجماع ہوا۔(المغنی (191/7)

"امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جو ایک قاعدہ اور اصول ہونی چاہیے وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس نے عورت سے وہ کچھ حلال کر لیا جو کسی اور کے لیے حلال نہ تھا، اس لیے ان کا کہنا ہے: اگر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا کوئی حصہ جو خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھتا مثلاً شرمگاہ تو وہ عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ اس نے وہ کچھ حلال کر لیا جو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے حلال نہیں تھا۔

اس بنا پر اگر تو آپ نے بیوی سے وہ کچھ فائدہ حاصل کر لیا ہے تو اس کے لیے پورا مہر واجب ہوگا، اور اس کو عدت بھی پوری کرنا ہوگی۔

دوم: مطلقہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اگر بالغ اور عقلمند ہو تو اپنے مہر میں سے کچھ حصہ معاف کر دے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں. ؟ اور اسی طرح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ بھی اسی طرح معاف کر سکتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد خاوند ہے یا کہ عورت کا ولی؟

ابو حنیفہ اور احمد اور شافعی کے نئے قول میں اس سے خاوند مراد ہے، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ نصف مہر معاف کر دے اور اسے مطلقہ عورت کے لیے چھوڑ دے۔

اور امام مالک اور امام شافعی قدیم قول میں اس سے ولی مراد لیتے ہیں، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ اپنی ولایت میں عورت کا نصف مہر چھوڑ سکتا ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اختلاف ہے کہ نکاح کی گرہ کس کے ہاتھ میں ہے امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد خاوند ہے، اور امام مالک اور علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے.. کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: اور یہ کہ تم معاف کر دو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے،. اور وہ معافی جو تقوی کے زیادہ قریب ہے وہ خاوند اپنا حق معاف کر دے، رہا یہ کہ ولی عورت کا مال معاف کر دے یہ تقوی کے زیادہ قریب نہیں، اور اس لیے بھی کہ مہر تو بیوی کا مال ہے، اس لیے ولی نہ تو اسے ہبہ کرنے اور نہ ہی معاف کرنے کا مالک ہے جس طرح عورت کا دوسرا مال اور اس کے حقوق معاف نہیں کر سکتا، اور اسی طرح سارے ولی بھی۔(المغنی ابن قدامہ (195/1)

دخول سے قبل طلاق دینے پر مہر میں فقہی مذاہب

حافظ عماد الدین شافعی لکھتے ہیں۔اے ایمان والو تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو،

سعید بن مسیتب کا قول ہے کہ سورۃ احزاب کی یہ آیت سورۃ بقرہ کی آیت سے منسوخ ہو چکی ہے۔حضرت سہل بن سعد اور

ابواسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیہ بنت شرجیل سے نکاح کیا جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو،

تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب ومتاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا اگر مقرر نہ ہوا ہو اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کیلئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی۔

حضرت ابن عمر اور مجاہد کا یہی قول ہے، گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو، یہی مطلب سورۃ احزاب کی اس آیت تخییر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص صورت کیلئے فرمایا گیا ہے کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔

حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا؟ تو آپ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے، اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

امام احمد کا مسلک ہے کہ ہر قسم کی مطلقہ کے لئے یہ حق ہے اور یہ ہر ایک کے لئے واجب ہے یہی قول حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے، اُن کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ O القرآن، البقرہ، 241:2

اور طلاق یافتہ عورتوں کو بھی مناسب طریقے سے خرچہ دیا جائے یہ پرہیزگاروں پر واجب ہے۔

نکاح سے پہلے اطلاق طلاق میں فقہی مذاہب کا بیان

اس آیت میں بہت سے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب وقبول کے لئے ہے؟ یا صرف جماع کے لئے ہے؟ یا ان دونوں کے مجموعے کے لئے؟ قرآن کریم میں اس کا اطلاق عقد و وطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔ لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دخول سے پہلے ہی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مومنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔ سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے پس معلوم ہوا ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ مالک اور ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالک اور ابوحنیفہ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو امام ابوحنیفہ کہتے ہیں پس وہ جس سے نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی کیونکہ ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا اس عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔

مسند احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں۔ اور حدیث میں ہے جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ) پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم عورتوں کو نکاح کے بعد ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر کوئی عدت نہیں بلکہ وہ جس سے چاہیں اسی وقت نکاح کر سکتی ہیں۔ ہاں اگر ایسی حالت میں ان کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو یہ حکم نہیں اسے چار ماہ دس دن کی عدت گذارنی پڑے گی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ پس نکاح کے بعد ہی میاں نے بیوی کو اس سے پہلے ہی اگر طلاق دے دی ہے تو اگر مہر مقرر ہو چکا ہے تو اس کا آدھا دینا پڑے گا۔ ورنہ تھوڑا بہت دے دینا کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

نکاح سے قبل طلاق میں مذاہب فقہاء کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جا سکتا اور پے درپے کے روزے یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل و پیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے) شرح السنۃ۔

اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جزء ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آجائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی

ایسے غلام کو آزاد کردے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی) نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائیگی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تنجیز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طلاق کا کبھی بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ جس لمحہ اس نے طلاق دی ہے اس لمحہ طلاق نہیں یقیناً اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا ناجائز یا لاحاصل ہے اس ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی دلیل سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت کے بجائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جس شخص نے کسی عورت سے یہ کہا: جس دن میں تمہارے ساتھ شادی کروں گا تو تمہیں طلاق ہے' پھر اس نے اسی رات اس عورت کے ساتھ شادی کر لی تو عورت کو طلاق ہو جائے گی' کیونکہ بعض اوقات لفظ ''یوم'' ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد دن کی سفیدی ہوتی ہے اور لفظ یوم کو اسی مفہوم پر محمول کیا جاتا ہے' اگر اس کا تعلق کسی ایسے فعل کے ساتھ ہو جو پھیلا ہوا ہو' جیسے روزہ رکھنا ہے یا کسی کے سپرد معاملہ کرنا ہے' کیونکہ عام طور پر اس سے مراد معیار ہوتا ہے اور یہ اس کے زیادہ لائق بھی ہے۔ بعض اوقات اس لفظ کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ''مطلق وقت'' ہوتا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو شخص اس دن پیٹھ پھیر کر بھاگے گا''۔ اس سے مراد ''مطلق وقت'' ہے' تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب یہ کسی ایسے فعل کے ساتھ متصل ہو جو پھیلا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ طلاق بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ لفظ رات اور دن دونوں کو شامل ہوگا۔ اگر مرد یہ کہے: میں نے اس لفظ کے ذریعے دن کی سفیدی ہی مراد لی تھی' تو قضاء میں اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے اپنے کلام کی حقیقت مراد لی ہے' اور رات صرف سیاہی کو شامل ہوتی ہے اور دن صرف سفیدی کو شامل ہوتا ہے' تو یہ بات لغت کے اعتبار سے ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب، طلاق، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِىْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ
مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِىْ
هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِىِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِىُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ
خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِىْٓ اَزْوَاجِهِمْ
وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
اے نبی! بیشک ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال فرمادی ہیں جن کا مہر آپ نے ادا فرمادیا ہے اور جو (احکام الٰہی کے
مطابق) آپ کی مملوک ہیں، جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا فرمائی ہیں، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں
کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں، اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے اور کوئی بھی
مؤمنہ عورت بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح) کے لئے دے دے اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی)
اسے اپنے نکاح میں لینے کا ارادہ فرمائیں (تو یہ سب آپ کے لئے حلال ہیں)، (یہ حکم) صرف آپ کے لئے خاص ہے (امت
کے) مومنوں کے لئے نہیں، واقعی ہمیں معلوم ہے جو کچھ ہم نے ان (مسلمانوں) پر ان کی بیویوں اور ان کی مملوکہ باندیوں کے
بارے میں فرض کیا ہے، (مگر آپ کے حق میں تعدّدِ ازواج کی حِلّت کا خصوصی حکم اس لئے ہے) تاکہ آپ پر (امت میں
تعلیم وتربیتِ نسواں کے وسیع انتظام میں) کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

نکاح کیلئے اپنے آپ کو ہبہ کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَك أَزْوَاجك اللَّاتِي آتَيْت أُجُورهنَّ" مُهُورهنَّ "وَمَا مَلَكَتْ يَمِينك مِمَّا أَفَاءَ اللَّه عَلَيْك" مِنْ الْكُفَّار بِالسَّبْيِ كَصَفِيَّة وَجُوَيْرِيَة "وَبَنَات عَمّك وَبَنَات عَمَّاتك وَبَنَات خَالك وَبَنَات خَالَاتك اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَك" بِخِلَافِ مَنْ لَمْ يُهَاجِرْنَ "وَامْرَأَة مُؤْمِنَة إنْ وَهَبَتْ نَفْسهَا لِلنَّبِيِّ إنْ أَرَادَ النَّبِيّ أَنْ يَسْتَنْكِحهَا" يَطْلُب نِكَاحهَا بِغَيْرِ صَدَاق "خَالِصَة لَك مِنْ دُون الْمُؤْمِنِينَ" النِّكَاح بِلَفْظِ الْهِبَة مِنْ غَيْر صَدَاق "قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ "فِي أَزْوَاجهمْ" مِنْ الْأَحْكَام بِأَنْ لَا يَزِيدُوا عَلَى أَرْبَع نِسْوَة وَلَا يَتَزَوَّجُوا إلَّا بِوَلِيٍّ وَشُهُود وَمَهْر "وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانهمْ" مِنْ الْإِمَاء بِشِرَاءٍ وَغَيْره بِأَنْ تَكُون الْأَمَة مِمَّنْ تَحِلّ لِمَالِكِهَا كَالْكِتَابِيَّةِ بِخِلَافِ الْمَجُوسِيَّة وَالْوَثَنِيَّة وَأَنْ تُسْتَبْرَأ قَبْل الْوَطْء "لِكَيْلَا" مُتَعَلِّق بِمَا قَبْل ذَلِكَ "يَكُون عَلَيْك حَرَج" ضِيق فِي النِّكَاح "وَكَانَ اللَّه غَفُورًا" فِيمَا يَعْسُر التَّحَرُّز عَنْهُ "رَحِيمًا" بِالتَّوْسِعَةِ فِي ذَلِكَ.

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں' تمہاری وہ بیویاں جنہیں تم ان کا اجر یعنی مہر دے دیتے ہو اور تمہاری زیر ملکیت (وہ عورتیں) جو اللہ تعالیٰ نے مال فے کے طور پر تمہیں دی ہیں یعنی جو کفار قیدی ہو کر آئے تھے جیسے سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالہ کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی (یعنی) جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کا حکم مختلف ہے اور مومن عورت اگر اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیتی ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کرے یعنی وہ مہر کے بغیر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہے۔ (یہ اجازت) صرف تمہارے لئے ہے۔ دیگر اہل ایمان کے لئے نہیں ہے یعنی کسی مہر کے بغیر لفظ ہبہ کے ذریعے نکاح کرنا۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے مقرر کیا ہے۔ ان پر یعنی اہل ایمان پر ان کی بیویوں کے بارے میں یعنی جو احکام (لازم کئے ہیں) یعنی وہ چار سے زیادہ خواتین کے ساتھ (بیک وقت) شادی نہیں کر سکتے اور سرپرست' گواہوں اور مہر کے بغیر بھی شادی نہیں کر سکتے۔

اور اس کے بارے میں جس کے تمہارے ہاتھ مالک ہوتے ہیں یعنی جو کنیزیں خرید کر یا کسی اور طریقے سے حاصل ہوتی ہیں بشرطیکہ وہ کنیز ہو جو (یعنی جس کے ساتھ صحبت کرنا) اس کے مالک کے لئے حلال ہو جیسے کتابیہ عورت جبکہ مجوسی اور بت پرست عورت کا حکم مختلف ہے۔ اسی طرح صحبت سے پہلے کنیز کا استبراء کروالیا جائے تا کہ تم پر کوئی حرج نہ ہو' یہ لفظ متعلق ہے۔

اس سے پہلے کے پورے جملے کے اور (حرج سے مراد) نکاح کے معاملے میں تنگی ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے۔ اس کی جس سے بچنا مشکل ہے اور رحم کرنے والا ہے یعنی اس معاملے میں کشادگی کے حوالے سے۔

سورہ احزاب آیت ۵۰ کے سبب نزول کا بیان

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پیغام نکاح بھیجا تو میں نے معذوری ظاہر کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا عذر قبول کرلیا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی (اِنَّـآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ، اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ پر تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا ہے اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا، جو ہاتھ لگا دے تیرے اللہ (یعنی لونڈیاں) اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ)۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتی ہیں کہ اسطرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے حلال نہیں رہی کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی اور ان لوگوں میں سے تھی جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ہم اس حدیث کو سدی کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1161)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جو اپنے نفس کو رسول اللہ ﷺ کے

لئے ہبہ کر دیتی تھیں چنانچہ میں کہا کرتی تھی کہ کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اے محمد ﷺ ان عورتوں میں سے جس کو آپ چاہیں علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن عورتوں کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے کسی کو آپ بلائی تو کوئی گناہ نہیں۔ تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی وخواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 452)

جو عورتیں اپنا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیتی تھیں ان کو حضرت عائشہ اس لئے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں کہ کسی عورت کا اپنے نفس کو کسی غیر مرد کو ہبہ کر دینا گویا عورت کی عزت وشرف کے منافی ہے اور اس کی حرص وقلت حیاء پر دلالت کرتا ہے اگرچہ جو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نفس ہبہ کر دیتی تھیں ان عورتوں کے نقطہ نظر سے اور واقعۃً بھی ان کا یہ ہبہ ان کے لئے باعث عزت ہوتا تھا جسے وہ اپنی خوش قسمتی تصور کرتی تھیں۔ " کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے " حضرت عائشہ یہ بات ان عورتوں کے ہبہ کی مخالفت میں کہا کرتی تھیں جس سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کسی عورت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنا نفس کسی غیر مرد کو ہبہ کر دے۔

اور ایک روایت میں حضرت عائشہ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ کیا عورت اپنا نفس ہبہ کرتے ہوئے کوئی شرم وحیاء محسوس نہیں کرتی؟ مذکورہ آیت کا مطلب یا تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنا ہم بستر بنائیں اور جس کو چاہیں اپنے سے الگ رکھیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج میں سے جس کو چاہیں اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نکاح سے الگ کر دیں یعنی طلاق دے دیں اور یا یہ مطلب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کی عورتوں میں جس سے چاہیں نکاح کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح نہ کریں۔

اور امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دراصل اس آیت (لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ، الاحزاب: 52) کی ناسخ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ازواج مطہرات کے علاوہ اور بھی عورتیں مباح رکھی تھیں۔

مشہور مفسر امام بغوی یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکورہ آیت کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی باری کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے لئے باری مقرر کرنا پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی واجب تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ وجوب آپ کے حق میں ساقط ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار مل گیا کہ اپنی بیویوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باری سے الگ کر دیا ہے اور ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلانا اور ہم بستر ہونا چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کر سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے امت کے دوسرے مردوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت وبرتری ظاہر کرتے ہوئے اپنی بیویوں

کے لئے باری مقرر کرنے کے حکم پر عمل نہ کرنا آپ کے لئے مباح کر دیا کہ جس بیوی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہوا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی باری کے وعلاوہ بھی اپنا ہم بستر بنا سکتے ہیں اور اگر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کسی بیوی کو اس باری میں بھی اپنے پاس سلانا نہ چاہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس کی بھی اجازت ہے۔ (ما اری ربک) الخ کے معنی یہ ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کی خواہش کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروردگار اسے جلد پورا کر دیتا ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں اس بات سے حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بعض احکام کی پابندی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نرم کر دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر عمل نہ کرنے کی آسانی فرما دیتا ہے اسی لئے مذکورہ بالا معاملہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مرضی وخواہش کے مطابق عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون خاتون تھیں جنہوں نے اپنا نفس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض علماء کے قول کے مطابق حضرت میمونہ تھیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت ام شریک تھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ حضرت زینب بنت خزیمہ تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ خولہ بنت حکیم تھیں لیکن اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایک خاتون نہیں تھیں بلکہ وہ کئی عورتیں تھیں۔ وحدیث جابر (اتقوا اللہ فی النساء ذکر فی قصۃ حجۃ الوداع)۔ اور حضرت جابر کی حدیث (اتقو اللہ فی النساء) الخ حجۃ الوداع کے بیان میں نقل کی جا چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ آپ نے اپنی جن بیویوں کو مہر ادا کیا ہے وہ سب آپ پر حلال ہیں۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا جس کے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ ہاں ام المومنین حضرت حبیبہ بنت ابی سفیان عنہا کا مہر حضرت نجاشی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پاس سے چار سو دینار دیا تھا۔ اور اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہر صرف ان کی آزادی تھی۔ خیبر کے قیدیوں میں آپ بھی تھیں پھر آپ نے انہیں آزاد کر دیا اور اسی آزادی کو مہر قرار دیا اور نکاح کر لیا۔ اور حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقیہ نے جتنی رقم پر مکاتبہ کیا تھا وہ پوری رقم آپ نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس کو ادا کر کے ان سے عقد باندھا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام ازواج مطہرات پر اپنی رضامندی نازل فرمائے۔ اسی طرح جو لونڈیاں غنیمت میں آپ کے قبضے میں آئیں وہ بھی آپ پر حلال ہیں۔ صفیہ اور جویریہ کے مالک آپ ہو گئے تھے پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ریحانہ بنت شمعون نصریہ اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کی ملکیت میں آئی تھیں۔ حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کو فرزند بھی ہوا۔ جن کا نام حضرت ابراہیم تھا۔

چونکہ نکاح کے بارے میں نصرانیوں نے افراط اور یہودیوں نے تفریط سے کام لیا تھا اس لئے اس عدل وانصاف والی کامل اور صاف شریعت نے درمیانہ راہ حق کو ظاہر کر دیا۔ نصرانی تو سات پشتوں تک جس عورت مرد کا نسب نہ ملتا ہو۔ ان کا نکاح جائز جانتے تھے اور یہودی بہن اور بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح کر لیتے تھے۔ پس اسلام نے بھانجی بھتیجی سے نکاح کرنے کو روکا۔ اور چچا

کی لڑکی پھوپھی کی لڑکی ماموں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی سے نکاح کو مباح قرار دیا۔ اس آیت کے الفاظ کی خوبی پر نظر ڈالئے کہ عم اور خال چچا اور ماموں کے لفظ کو تو واحد لائے اور عمات اور خلات یعنی پھوپھی اور خالہ کے لفظ کو جمع لائے۔ جس میں مردوں کی ایک قسم کی فضیلت عورتوں پر ثابت ہو رہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

تُرْجِىْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝
(اے حبیب! آپ کو اختیار ہے) ان میں سے جس (زوجہ) کو چاہیں (باری میں) مؤخر رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس
(پہلے) جگہ دیں، اور جن سے آپ نے (عارضی) کنارہ کشی اختیار فرما رکھی تھی آپ انھیں (اپنی قربت کے لئے) طلب
فرما لیں تو آپ پر کچھ مضائقہ نہیں، یہ اس کے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں (آپ کے دیدار سے) ٹھنڈی ہوں گی
اور وہ غمگین نہیں رہیں گی اور وہ سب اس سے راضی رہیں گی جو کچھ آپ نے انھیں عطا فرما دیا ہے، اور اللہ جانتا ہے
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑا حلم والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے اختیار کا بیان

"تُرْجِى" بِـالْهَـمْزَةِ وَالْيَاء بَدَله : تُؤَخِّر "مَنْ تَشَاء مِنْهُنَّ" أَيْ أَزْوَاجك عَنْ نَوْبَتهَا "وَتُؤْوِي" تَضُمّ "إِلَيْك مَنْ تَشَاء" مِـنْهُنَّ فَتَأْتِيهَا "وَمَـنْ ابْتَغَيْت" طَلَبْت "مِـمَّنْ عَزَلْت" مِـنْ الْقِسْمَة "فَلَا جُنَاح عَلَيْك" فِـي طَـلَبهَـا وَضَـمّهَـا إِلَيْك خَيَّرَ فِي ذَلِكَ بَعْد أَنْ كَانَ الْقَسْم وَاجِبًا عَلَيْهِ "ذَلِكَ" التَّخْيِير "أَدْنَى" أَقْرَب إِلَى "أَنْ تَـقَرّ أَعْيُنهنَّ وَلَا يَحْزَن وَيَرْضَوْنَ بِمَا آتَيْتهنَّ" مَا ذُكِرَ الْمُخَيَّر فِيهِ "كُلّهنَّ" تَـأْكِيد لِلْفَاعِلِ فِي يَرْضَيْنَ "وَاَللَّه يَعْلَم مَا فِي قُلُوبكُمْ" مِـنْ أَمْر النِّسَاء وَالْمَيْل إِلَى بَعْضهنَّ وَإِنَّمَا خَيَّرْنَاك فِيهِنَّ تَيْسِيرًا عَلَيْك فِي كُلّ مَا أَرَدْت "وَكَانَ اللَّه عَلِيمًا" بِخَلْقِهِ "حَلِيمًا" عَنْ عِقَابهمْ

تم پیچھے کر دو' یہ ہمزہ کے ساتھ ہے اور 'ی' اس کے بدل کے طور پر ہے یعنی تم مؤخر کر دو ان میں سے جسے چاہو یعنی اپنی ازواج میں سے کسی کی باری کو اور تم ملا لو یعنی ضم کر دو اپنے ساتھ جسے تم چاہو یعنی ان میں سے تو تم اس کے پاس چلے جاؤ اور جسے تم تلاش کرو یعنی طلب کرو ان میں سے جنہیں تم نے الگ کیا ہے تقسیم کے حوالے سے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی اسے طلب کرنے کے حوالے سے اور اپنے ساتھ چلانے کے حوالے سے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اختیار بعد میں دیا گیا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم واجب تھی یہ یعنی اختیار دینا ادنیٰ ہے یعنی زیادہ قریب ہے اس کے کہ ان کی آنکھیں

ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں اور وہ راضی رہیں اس پر جو تم نے انہیں دیا ہے یعنی جس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے اس کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ سب یہ لفظ ''یرضین'' میں موجود فاعل کی تاکید کے لئے ہے اور تمہارے دلوں میں جو ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے یعنی خواتین کے بارے میں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف میلان کے حوالے سے (جو کچھ ہے) یعنی ہم نے تمہیں تمہاری مراد کے مطابق آسانی دینے کے لئے تمہیں ان کے بارے میں اختیار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا ہے اپنی مخلوق کے بارے میں اور بردبار ہے انہیں سزا دینے کے حوالے سے۔

سورہ احزاب آیت ۵۱ کے شان نزول کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج نے آپ پر غیرت کی اور اس کی آپ کو خبر بھی دے دی اور نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک ماہ تک چھوڑے رکھا تا آنکہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو انہیں دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دینے کا حکم دیا کہ آپ دنیا کو اختیار کرنے والی کو چھوڑ دیں اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرے اسے روکے رکھیں اس شرط پر کہ وہ مومنین کی مائیں ہوں گی اور کبھی نکاح نہیں کر سکتیں اور جسے آپ چاہیں دوبارہ اپنی طرف بلا لیں۔

اور جسے چاہیں دور کر دیں وہ آپ سے بہر حال راضی رہیں گے انہیں کچھ تقسیم فرمائیں یا نہ فرمائیں یا بعض ازواج کو بعض ازواج پر نفقہ باری اور مصاحبت میں ترجیح دے دیں اور اس بارے میں تمام اختیار آپ کے پاس ہوگا آپ جو چاہیں کریں چنانچہ سب ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ کو اگرچہ اللہ نے وسعت عطا فرمائی لیکن پھر بھی آپ ان کے درمیان باری کی رعایت فرماتے۔ (زادالمسیر 6-407، قرطبی 14-214، ابن کثیر 3-501)

حضرت معاذہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ) تو رسول اللہ ﷺ جب ہم میں سے کسی عورت کے دن میں ہوتے ہم سے اجازت طلب کرتے معاذہ نے پوچھا کہ آپ کیا جواب دیا کرتی تھیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا میں تو کہا کرتی تھی کہ اگر اختیار میرے پاس ہے تو میں کسی کو بھی اپنی ذات پر ترجیح نہیں دیتی۔ (نیسابوری 297، بخاری 4789، مسلم (1476)

ایک جماعت کہتی ہے کہ جب آیت تخییر (یعنی سورہ احزاب کی آیت 28،29) نازل ہوئی تو آپ کی بیویوں کو ڈر ہوا کہ کہیں انہیں طلاق نہ دے دی جائے لہٰذا انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی آپ اپنے مال اور اپنی ذات میں سے جو چاہیں ہمارے لیے مقرر فرما دیں اور ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی دوسری بیویوں سے کہا کرتی تھی کہ کیا اس عورت کو جو رسول اللہ ﷺ کو اپنے آپ کو ہبہ کر دے حیاء نہیں آتی؟ اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ

مِنۡهُنَّ) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش کی تکمیل میں بہت جلدی فرماتا ہے۔ (بخاری 4501، قرطبی 14۔208)

ازواج کے درمیان تقرر باری میں فقہ حنفی کے مطابق عدل کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط و عدل کے باوجود یہ دعا مانگا کرتے کہ اے اللہ جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کردی ہے لہٰذا جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے!

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 436)

دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہٰذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ نا انصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار و محبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد و ارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہٰذا اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان و نفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارے میں عدل و برابری لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں دل و طبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

ازواج کے حقوق میں عدل و انصاف کا بیان

(وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۔(النساء، ۱۲۹)

تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو، اگرچہ حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ اور دوسری کو لٹکتی چھوڑ دو اور اگر نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ (عزوجل) بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لئے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟

ابن ملیکہ فرماتے ہیں یہ بات حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت چاہتے تھے، اسی لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالی سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے

ملامت نہ کرنا (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے۔

لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی وہ تمہاری زوجیت میں ہو اور تم اس سے بیرخی برتو نہ تو اسے طلاق ہی دو کہ اپنا دوسرا نکاح کر لے نہ اس کے وہ حقوق ادا کرو جو ہر بیوی کے لئے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا (احمد وغیرہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں ہو عورتوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات برتو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو، اس کے باوجود اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف کچھ مائل ہو گئے ہوا سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت بھی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

مقررہ باری میں دوسری بیوی کے پاس جانے کی اباحت کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بیوی کی باری کے وقت میں اس کی سوکن کے پاس جانے کا مسئلہ: اگر تو رات کے وقت ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن ضرورت کی حالت میں جائز ہوگا مثلاً بیوی موت و حیات کی کشمکش میں ہو اور خاوند اس کے پاس جانا چاہتا ہو، یا پھر بیوی نے اس کی وصیت کی ہو، یا اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اگر وہ ایسا کرے اور وہاں دیر دیر ٹھہرے بغیر واپس آ جائے تو قضا نہیں، لیکن اگر وہ وہیں رہے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے تو دوسری بیوی کی باری میں اتنی دیر ہی رات کو اس بیوی کے پاس رہے گا۔

اور اگر وہ بغیر کسی ضرورت کے جاتا ہے تو گنہگار ہوگا اور قضا میں حکم یہ ہے جیسا کہ اگر ضرورت کی بنا پر جاتا ہے تو تھوڑے سے وقت کی قضا کا کوئی فائدہ نہیں. لیکن اگر کسی دوسری بیوی کی باری میں دن کے وقت اور بیوی کے پاس جائے تو ضرورت کی بنا پر جائز ہے، مثلاً اخراجات دینے یا بیمار پرسی کرنے یا کسی کام کے متعلق دریافت کرنے، یا پھر زیادہ دیر ہوگئی ہو تو ملنے جا سکتا ہے۔

اس کی دلیل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے وہ بیان کرتی ہیں: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کے علاوہ دن میرے پاس آیا کرتے تھے اور جماع کے علاوہ سب کچھ حاصل کرتے اور جب وہ باری کے علاوہ دوسری باری کے پاس جائے تو اس سے جماع مت کرے، اور نہ ہی اس کے پاس زیادہ دیر رہے کیونکہ اس سے رہنا حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی مستحق نہیں کیونکہ باری کسی اور کی ہے، اور اگر وہ زیادہ دیر رہے تو قضاء کرے گا۔ (المغنی، ج ۷، ص ۲۳۴، بیروت)

کثیر ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنے میں فقہی تصریحات

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کے لئے نوبت باری مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

1- جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شب باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

2- ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

3- سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگرچہ بہتر اولی یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

4- مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے دن رات کا تابع ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکتا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن سے ہوگا۔

درمختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھلانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار و محبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے اور وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ جماع کرنے کے بارے میں شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر یعنی چار چار مہینہ تک جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا۔

اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جاسکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز جب تک کہ وہ شفایاب نہ ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیمارداری اور غم خواری کے لئے نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب نکاح، بیروت)

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝
اس کے بعد (کہ انہوں نے دنیوی منفعتوں پر آپ کی رضا و خدمت کو ترجیح دے دی ہے) آپ کے لئے بھی اور عورتیں (نکاح میں
لینا) حلال نہیں (تا کہ یہی ازواج اپنے شرف میں ممتاز رہیں) اور یہ بھی جائز نہیں کہ (بعض کی طلاق کی صورت میں اس عدد کو ہمارا
حکم سمجھ کر برقرار رکھنے کے لئے) آپ ان کے بدلے دیگر ازواج (عقد میں) لے لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن (سیرت و اخلاق اور
اشاعتِ دین کا سلیقہ) کتنا ہی عمدہ لگے مگر جو کنیز (ہمارے حکم سے) آپ کی مِلک میں ہو (جائز ہے)، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے نو ازواج ایک وقت میں ہونے کا بیان

"لَا تَحِلّ" بِالتَّاءِ وَبِالْيَاءِ "لَك النِّسَاء مِنْ بَعْد" بَعْد التِّسْع الَّتِي اخْتَرْنَك "وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ" بِتَرْكِ إحْدَى التَّاءَيْنِ فِي الْأَصْل "بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاج" بِأَنْ تُطَلِّقهُنَّ أَوْ بَعْضهنَّ وَتَنْكِح بَدَل مِنْ طَلَّقْت "وَلَوْ أَعْجَبَك حُسْنهنَّ إلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينك" مِنْ الْإِمَاء فَتَحِلّ لَك وَقَدْ مَلَكَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدهنَّ مَارِيَة وَوَلَدَتْ لَهُ إبْرَاهِيم وَمَاتَ فِي حَيَاته "وَكَانَ اللَّه عَلَى كُلّ شَيْء رَقِيبًا" حَفِيظًا

اور تمہارے لئے حلال نہیں ہیں۔ یعنی اس کے بعد جب آپ نے نو کو اختیار کر لیا ہے۔ اس لفظ کو "ی" اور "ت" (یعنی غائب اور حاضر دونوں صیغوں) کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ خواتین اس کے بعد یعنی ان نو خواتین کے بعد جنہوں نے تمہیں اختیار کر لیا اور نہ ہی یہ کہ تم تبدیل کرو یہاں اصل میں دو میں سے ایک "ت" کو حذف کر دیا گیا ہے ان بیویوں کو یعنی انہیں یا ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے کر جسے طلاق دی ہو اس کی جگہ کسی اور سے شادی کر لو۔ اگرچہ ان کی خوبصورتی تمہیں پسند آئے البتہ جو تمہاری زیرِ ملکیت ہیں (ان کا حکم مختلف ہے) یعنی کنیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد سیدہ ماریہ قبطیہ کے مالک بنے تھے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جنم دیا تھا جن کا وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا نگہبان یعنی حفاظت کرنے والا ہے۔

سورہ احزاب آیت ۵۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنے والی اور مومن عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَأَحَلَّ اللَّهُ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ۔ (حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور عورتوں۔ اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان۔

اور مومن جوان عورتیں حلال کیں اور وہ ایمان والی عورت جس نے خود کو آپ صلی اللہ علیہ کے سپرد کر دیا۔ پھر اسلام کے علاوہ کسی بھی دین سے تعلق رکھنے والی عورت کو حرام کیا اور پھر فرمایا کہ جو شخص (ایمان لانے سے) انکار کرے گا اس کا عمل برباد ہو گیا۔ اور آخرت میں وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہے۔ نیز فرمایا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ)۔ یہ حسن ہے ہم اس حدیث کو صرف عبدالحمید بن بہرام کی روایت ہیں کہ عبدالحمید بن بہرام کی شہر بن حوشب سے منقول احادیث میں کوئی حرج نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1163)

پہلی آیتوں میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور اگر چاہیں تو آپ سے علیحدہ ہو جائیں۔ لیکن امہات المومنین نے دامن رسول کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ اس پر انہیں اللہ کی طرف سے ایک دنیاوی بدلہ یہ بھی ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں حکم ہوا کہ اب اس کے سوا کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے نہ آپ ان میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کے بدلے دوسری لا سکتے ہیں گو وہ کتنی ہی خوش شکل کیوں نہ ہو؟ ہاں لونڈیوں اور کنیزوں کی اور بات ہے اس کے بعد پھر رب العالمین نے یہ تنگی آپ پر سے اٹھا لی اور نکاح کی اجازت دے دی لیکن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سے کوئی اور نکاح کیا ہی نہیں۔ اس حرج کے اٹھانے میں اور پھر عمل کے نہ ہونے میں بہت بڑی مصلحت یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان اپنی بیویوں پر رہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آپ کے انتقال سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور عورتیں بھی حلال کر دی تھیں۔ (ترمذی نسائی وغیرہ)

حضرت ام سلمہ سے بھی مروی ہے۔ حلال کرنے والی آیت (تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا، الأحزاب:51)، ہے جو اس آیت سے پہلے گذر چکی ہے بیان میں وہ پہلے ہے اور اترنے میں وہ پیچھے ہے۔ سورہ بقرہ میں بھی اس طرح عدت وفات کی پچھلی آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت اس کی ناسخ ہے۔ اس آیت کے ایک اور معنی بھی بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔ وہ کہتے ہیں مطلب اس سے یہ ہے کہ جن عورتوں کا ذکر اس سے پہلے ہے ان کے سوا اور حلال نہیں جن میں یہ صفتیں ہوں وہ ان کے علاوہ بھی حلال ہیں۔

چنانچہ حضرت ابی بن کعب سے سوال ہوا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بیویاں تھیں اگر وہ آپ کی موجودگی میں انتقال کر جائیں تو آپ اور عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے تھے؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ تو سائل نے لا یحل والی آیت پڑھی۔ یہ سن کر حضرت ابی نے فرمایا اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ عورتوں کی جو قسمیں اس سے پہلے بیان ہوئی ہیں یعنی نکاحتا بیویاں، لونڈیاں، چچا کی، پھوپیوں کی، ماموں اور خالاؤں کی بیٹیاں ہبہ کرنے والی عورتیں۔ ان کے سوا جو اور قسم کی ہوں جن میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ آپ پر حلال نہیں ہیں۔ (جامع البیان، سورہ احزاب، بیروت)

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰـهُ ۙ
وَلٰـكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ
يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ
مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ
وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ○
اے ایمان والو! نبیِ (مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لئے
اجازت دی جائے (پھر وقت سے پہلے پہنچ کر) کھانا پکنے کا انتظار کرنے والے نہ بنا کرو، ہاں جب تم بلائے جاؤ تو
(اس وقت) اندر آیا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو (وہاں سے اٹھ کر) فوراً منتشر ہو جایا کرو اور وہاں باتوں میں دل لگا کر
بیٹھے رہنے والے نہ بنو۔ یقیناً تمہارا ایسے (دیر تک بیٹھے) رہنا نبیِ (اکرم) کو تکلیف دیتا ہے اور وہ تم سے (اُٹھ جانے
کا کہتے ہوئے) شرماتے ہیں اور اللہ حق (بات کہنے) سے نہیں شرماتا، اور جب تم ان (اَزواجِ مطہرات) سے کوئی سامان
مانگو تو ان سے پسِ پردہ پوچھا کرو، یہ (ادب) تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے بڑی طہارت کا سبب ہے،
اور تمہارے لئے (ہرگز جائز) نہیں کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ (جائز) ہے کہ تم ان کے بعد
ابد تک ان کی اَزواجِ (مطہرات) سے نکاح کرو، بیشک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہے۔

بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہونے کے آداب کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوت النَّبِيّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَن لَكُمْ " فِي الدُّخُول بِالدُّعَاءِ "إِلَى طَعَام " فَتَدْخُلُوا "غَيْر نَاظِرِينَ " مُنْتَظِرِينَ "إِنَاهُ" نُضْجه مَصْدَر أَنَى يَأْنِي "وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا" تَمْكُثُوا "مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ" مِنْ بَعْضكُمْ لِبَعْضٍ "إِنَّ ذَلِكُمْ" الْمُكْث "كَانَ يُؤْذِي النَّبِيّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ" أَنْ يُخْرِجكُمْ "وَاَللَّه لَا يَسْتَحْيِي مِنْ الْحَقّ " أَنْ يُخْرِجكُمْ أَيْ لَا يَتْرُك

بِھَانِہٖ وَقُرِءَ بِمَنْحٰی یُحْیِیْ بِمَاءٍ وَاحِدَۃٍ "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ" اَیْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" سِتْرٍ "ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ" مِنَ الْخَوَاطِرِ الْمُرِیْبَۃِ "وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ" بِشَیْءٍ "وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ" ذَنْبًا

اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں صرف اسی وقت داخل ہو جب تمہیں اجازت دی جائے یعنی اندر آنے کے لئے بلایا جائے کھانے کے لئے تو تم آ جاؤ (اس حال میں کہ) تم نظر کرنے والے نہ ہو یعنی انتظار ظاہر کرنے والے نہ ہو اس کے پکنے یعنی تیار ہونے کا۔ یہ لفظ "انی یانی" کا مصدر ہے لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو تم اندر آ جاؤ اور جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ یعنی ٹھہرو نہیں آپس میں بات چیت کرنے کے لئے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ۔

بے شک یہ یعنی ٹھہرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتا ہے وہ تم سے حیا کرتے ہیں کہ تمہیں نکال دیں لیکن اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں کرتا انہیں باہر نکالنے کے حوالے سے یعنی وہ اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا۔ اس لفظ کو "یستحی" یعنی ایک "ی" کے ہمراہ بھی پڑھا گیا ہے اور جب تم خواتین سے سوال کرو یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے کسی چیز کا تو تم حجاب یعنی پردے کے پیچھے سے ان سے مانگو۔ یہ تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے۔ شک میں مبتلا کرنے والے خیالات کے حوالے سے۔ اور تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاؤ کسی بھی چیز کے ذریعے اور نہ ہی یہ کہ تم ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج کے ساتھ نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک عظیم یعنی گناہ ہے۔

سورہ احزاب آیت ۵۳ کے شان نزول کا بیان

اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت زینب بن جحش کے پاس گئے تو آپ نے کھجور اور ستو ولیمہ کیا اور بکری ذبح کی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیم نے آپ کی طرف پتھر کے چھوٹے برتن میں (کھجور، ستو اور گھی سے تیار کردہ) حلوہ بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صحابہ کو کھانے کے لئے بلانے کا حکم دیا چنانچہ لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے پھر اور لوگ آتے اور کھا کر چلے جاتے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سب کو بلا لیا اب اور کوئی باقی نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا اچھا اب کھانا اٹھا دو، چنانچہ کھانا اٹھا دیا گیا اور بجز تین افراد کے سب چلے گئے جو بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت تنگی ہوئی اور آپ بہت حیادار تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا۔ (ابن کثیر 3۔504، قرطبی 14۔(224)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو قوم کو بلایا انہوں نے کھانا کھایا اور پھر بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، آپ ایسے بیٹھ گئے جیسے ابھی کھڑے ہوتے ہیں لیکن لوگ پھر بھی کھڑے نہ ہوئے۔ جب آپ نے یہ دیکھا تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے البتہ تین افراد بیٹھے رہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم آتے تو وہ لوگ بیٹھے ہوتے جب وہ چلے گئے تو میں نے آپ کے پاس آ کر ان کے جانے کی خبر دی پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے بھی اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ) الی قولہ (اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا)۔ (بخاری رقم 4513، مسلم رقم 1428، زادالمسیر 6۔37، درمنثور 5۔(213)

(وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ) الایۃ اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بیشک یہ خدا کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے۔

حضرت ابن عباس سیروایت ہے کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی کسی زوجہ سے نکاح کا ارادہ کیا۔ سفیان کہتے ہیں ذکر کیا گیا کہ وہ زوجہ حضرت عائشہ تھیں۔

سدی سے روایت ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری چچازاد کو ہم سے پردے میں رکھتے ہیں اور ہماری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں اگر ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا تو ہم بھی ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ یہ آیت طلحہ بن عبیداللہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا جائیں گے میں عائشہ سے نکاح کر لوں گا۔

حضرت ابن عابس سیروایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ جو اس کی چچازاد تھیں کے پاس آیا اور ان سے بات چیت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن کے بعد اس جگہ دوبارہ کھڑے نہ ہونا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ یہ میری چچا کی بیٹی ہے اللہ کی قسم میں نے اس سے کوئی بری بات نہیں کی اور نہ ہی اس نے مجھ سے کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں (اس کے بعد) مجھ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں چنانچہ وہ چلا گیا پھر اس نے کہا یہ مجھے میرے چچا کی بیٹی سے گفتگو کرنے سے منع کرتے ہیں میں ان کے بعد اس سے ضرور نکاح کروں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر اس شخص نے اپنی اس بات سے توبہ کے طور پر ایک غلام آزاد کیا، اللہ کے راستے میں دس سواری کے اونٹ دیئے اور پیدل حج کیا۔ (سیوطی 232، درمنثور 6۔416، طبری 22۔26،)

نبی کریم ﷺ کی برکت کا کھانے میں ظاہر ہونے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیوی سے نکاح کیا اور ان کے پاس تشریف لے گئے تو میری والدہ نے حیس (کھجور اور ستو کا کھانا) تیار کیا اور اسے کسی پتھر کے پیالہ میں ڈال کر مجھے دیا اور کہا کہ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور کہو کہ میری ماں نے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہیں کہ ہماری

طرف سے یہ آپ کے لئے بہت تھوڑا ہے یارسول اللہ ﷺ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اسے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور والدہ کا سلام پہنچایا اور وہ بات بھی عرض کر دی جو انہوں نے کہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رکھ دو۔ پھر مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور فلاں فلاں کو بلا کر لاؤ۔ میں گیا اور جن جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انہیں بھی اور جو مجھے مل گئے انہیں بھی بلا کر لے آیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کتنے آدمی ہوں گے۔ انہوں نے فرمایا تین سو کے قریب ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ وہ برتن لاؤ۔ اتنے میں وہ سب لوگ داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ چبوترہ اور حجرہ مبارک بھر گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ دس دس آدمیوں کا حلقہ بنالیں اور ہر شخص اپنے سامنے سے کھائے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان سب نے کھایا اور سیر ہو گئے۔ پھر ایک جماعت نکل گئی اور دوسری آگئی یہاں تک کہ سب نے کھالیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ انس (برتن) اٹھاؤ۔ میں نے اٹھایا تو میں نہیں جانتا کہ جس وقت لایا تھا اس وقت زیادہ تھا یا اٹھاتے وقت زیادہ تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر کئی لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بھی دیوار کی طرف رخ کئے ہوئے بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا اس طرح بیٹھے رہنا گراں گذرا لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور تمام ازواج مطہرات کے حجروں پر گئے اور سلام کرکے واپس تشریف لے آئے۔ جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا بیٹھنا گراں گذرا ہے۔ لہٰذا جلدی سے سب (لوگ) دروازے سے باہر چلے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پردہ ڈال کر اندر داخل ہو گئے۔ (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں بھی حجرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس میرے پاس آئے اور یہ آیات نازل ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر جاکر لوگوں کو یہ آیات سنائیں (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ، اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں اس وقت تک مت جایا کرو جب تک تمہیں کھانے کی دعوت نہ دی جائے (وہ بھی) اس طرح کہ تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تمہیں بلایا جائے تب جاؤ اور کھالینے کے بعد اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں دل لگا کر بیٹھے نہ رہا کرو کیوں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ناگوار گذرتا ہے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان (ازواج مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ پھر تمہارے لئے جائز نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کبھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے)۔ جعد کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ آیات سب سے پہلے مجھے پہنچیں اور ازواج مطہرات اسی دن سے پردہ کرنے لگیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور جعد عثمان کے بیٹے ہیں۔ انہیں ابن

دینار بھی کہتے ہیں۔ان کی کنیت ابوعثمان بصری ہے۔یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔یونس بن عبید شعبہ اور حماد بن زید ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1167)

پردہ کرنے کے حکم کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب کو دوسروں پر چار باتوں کے سبب خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ایک بات تو جنگ بدر کے قیدیوں کے بابت ان کی رائے تھی، یہ کہنا تھا کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، الانفال:68) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا (کہ خطاء اجتہادی کا مرتکب مستوجب عذاب نہیں ہوگا یا کوئی بری سزا واقع ہوتی۔دوسری بات پردہ کی بابت ان کا مشورہ دینا تھا۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو پردہ کی طرف متوجہ کیا تھا اور (ان کے توجہ دلانے پر) ام المؤمنین حضرت زینب نے ان سے کہا تھا کہ اے عمر ابن خطاب! پردہ میں رہنے کی بات ہم سے تم کہہ رہے ہو حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی: (فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ) 33۔الاحزاب:53) (یعنی اور جب تم ان (ازواج النبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو) تیسری بات وہ دعا ہے تھی جو ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی تھی کہ الٰہی: عمر کے ذریعہ اسلام کو تقویت عطا فرما۔اور چوتھی بات ابوبکر کے حق میں ان کی رائے تھی کہ انہوں نے (حضرت ابوبکر کو خلیفہ اول بنانے کی تجویز پیش کر کے بڑے نازک وقت میں تمام مسلمانوں کی بروقت راہنمائی کی اور اپنی زبردست قوت اجتہاد کے ذریعہ انہی کو خلافت اول کا اہل و مستحق جان کر) سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کی (اور پھر ان کی پیروی میں اور سب لوگوں نے خلافت صدیق پر بیعت کی) (احمد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 659)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا٥
اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو، یا اسے چھپاؤ تو بے شک اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والا ہے

"اِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ" مِنْ نِكَاحهنَّ بَعْده "فَإِنَّ اللّٰه كَانَ بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا" فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اسے پوشیدہ رکھو یعنی بعد میں ان کے ساتھ نکاح کرنے کے حوالے سے تو بے شک اللہ ہر شے کے بارے میں علم رکھنے والا ہے تو وہ تمہیں اس کی جزا (یعنی سزا) دے گا۔

ان تبدوا شیئاً او تخفوہ فان اللہ کان بکل شئی علیماً، آخر آیت میں پھر اس مضمون کو دہرایا گیا، کہ اللہ تعالیٰ دلوں کے ارادوں اور خیالات سے بھی واقف ہے، تم کسی چیز کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب ظاہر ہی ہے۔اس میں تاکید ہے کہ مذکور الصدر احکام میں کسی قسم کا شک وشبہ یا وسوسہ دل میں پیدا نہ ہونے دیں، اور احکام مذکورہ کی مخالفت سے بچنے کا پورا اہتمام

کریں۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ○
ان پر (پردہ نہ کرنے میں) کوئی گناہ نہیں اپنے (حقیقی) آباء سے، اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے،
اور نہ اپنے بھتیجوں سے اور نہ اپنے بھانجوں سے اور نہ اپنی (مسلم) عورتوں اور نہ اپنی مملوک باندیوں سے،
تم اللہ کا تقویٰ (برقرار) رکھو، بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ و نگہبان ہے۔

محارم سے پردے کی رخصت کا بیان

"لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ" أَيْ الْمُؤْمِنَات "وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ" مِنْ الْإِمَاء وَالْعَبِيد أَنْ يَرَوْهُنَّ وَيُكَلِّمُوهُنَّ مِنْ غَيْر حِجَاب "وَاتَّقِينَ اللَّه" فِيمَا أُمِرْتُنَّ بِهِ "إِنَّ اللَّه كَانَ عَلَى كُلّ شَيْء شَهِيدًا" لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْء

ان (ازواج) کے لئے کوئی حرج نہیں ہے ان کے آباء' ان کے بیٹوں' ان کے بھائیوں' ان کے بھتیجوں' ان کے بھانجوں' ان کی خواتین یعنی مومن خواتین اور ان کی زیر ملکیت کے حوالے سے' خواہ وہ کنیزیں ہوں یا غلام ہوں۔ یہ لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں اور حجاب کے بغیر ان سے بات چیت کر سکتے ہیں۔ (اے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تم اللہ سے ڈرتی رہو اس بارے میں جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے سے واقف ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

سورہ احزاب آیت ۵۵ کے شان نزول کا بیان

جب پردہ کا حکم نازل ہوا تو عورتوں کے باپ بیٹوں اور قریب کے رشتہ داروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا ہم اپنی ماؤں بیٹیوں کے ساتھ پردہ کے باہر سے گفتگو کریں، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس سلسلے میں علامہ آلوسی کی یہ تشریح بھی قابل ذکر ہے کہ بھائیوں، بھانجوں، اور بھتیجوں کے حکم میں وہ سب رشتہ دار آ جاتے ہیں جو ایک عورت کے لیے حرام ہوں، خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا رضاعی۔ اس فہرست میں چچا اور ماموں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ عورت کے لیے بمنزلۂ والدین ہیں۔ یا پھر ان کے ذکر کو اس لیے ساقط کر دیا گیا کہ بھانجوں اور بھتیجوں کا ذکر آ جانے کے بعد ان کے ذکر کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ بھانجے اور بھتیجے سے پردہ نہ ہونے کی جو وجہ ہے وہی چچا اور ماموں سے پردہ نہ ہونے کی وجہ بھی ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ احزاب، بیروت)

محارم رضاعیہ کے لئے پردہ سے اباحت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے رضاعی چچا میرے یہاں آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے اجازت نہیں دی اور کہا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لوں گی (اجازت نہیں دے سکتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھی، فرمایا وہ تمہارے چچا ہیں، انہیں اندر بلا لیا ہوتا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو تمہارے چچا ہیں، انہیں تمہارے پاس آنے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا یہ پردہ کی آیت کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے، حضرت عائشہ کا قول ہے کہ نسب سے جو لوگ حرام ہیں وہی لوگ دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 227)

پردہ کے بعض احکام کا بیان

چونکہ اوپر کی آیتوں میں اجنبیوں سے پردے کا حکم ہوا تھا اس لئے جن قریبی رشتہ داروں سے پردہ نہ تھا ان کا بیان اس آیت میں کر دیا۔ سورہ نور میں بھی اسی طرح فرمایا کہ عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں، باپوں، سسروں، لڑکوں، خاوند کے لڑکوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، عورتوں اور ملکیت جن کی ان کے ہاتھوں میں ہو۔ ان کے سامنے یا کام کاج کرنے والے غیر خواہشمند مردوں یا کمسن بچوں کے سامنے۔ اس کی پوری تفسیر اس آیت کے تحت میں گذر چکی ہے۔ چچا اور ماموں کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا گیا کہ ممکن ہے وہ اپنے لڑکوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کریں۔

حضرت شعبی اور حضرت عکرمہ تو ان دونوں کے سامنے عورت کا دوپٹہ اتارنا مکروہ جانتے تھے۔ نسائھن سے مراد مومن عورتیں ہیں۔ ماتحت سے مراد لونڈی غلام ہیں۔ جیسے کہ پہلے ان کا بیان گذر چکا ہے اور حدیث بھی ہم وہیں وارد کر چکے ہیں۔ سعید بن میتب فرماتے ہیں اس سے مراد صرف لونڈیاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو۔ اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔ چھپا کھلا سب اسے معلوم ہے۔ اس موجود اور حاضر کا خوف رکھو اور اس کا لحاظ کرتی رہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝
بیشک اللہ اور اس کے (سب) فرشتے نبیِ (مکرمّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو!
تم (بھی) ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَته يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ " مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" أَيْ قُولُوا : اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدنَا مُحَمَّد وَسَلِّمْ

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کرتے ہیں اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور اہتمام کے ساتھ سلام بھیجو یعنی تم یہ پڑھو۔

اللھم صل علیٰ محمد وسلم

''اے اللہ! تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام نازل کر!''

لفظ صلوٰۃ وسلام کے معانی کا بیان

لغوی طور پر "صلوۃ" کے معنی دعا، رحمت اور استغفار کے ہیں اور درود کا مطلب ہے بندوں کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ جل شانہ کی ایسی رحمت کو طلب کرنا جو دنیا و آخرت کی بھلائی کو شامل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام یعنی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد بانی ہے۔ آیت (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا، الاحزاب:56) "اے ایمان والو تم آپ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام اور رحمت بھیجو۔ "علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم وجوب کے لئے ہے چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جتنی مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنا جائے ہر ہر بار درود بھیجا جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جس طرح پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینی فرض ہے اسی طرح پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا فرض ہے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ درود بھیجنا مستحب و مسنون اور شعار اسلام میں ہے جس پر بیحد و حساب اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ حضرت قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تو فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مومنین پر فرض کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجا جائے اور چونکہ اس سلسلے میں کوئی خاص وقت متعین نہیں کیا اس لئے واجب ہے کہ درود و سلام زیادہ سے زیادہ بھیجا جائے اور اس میں غفلت نہ برتی جائے" لیکن بعض حضرات نے حضرت قاضی ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کے مقابلے میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

التحیات میں درود پڑھنا فرض ہے یا سنت

حضرت امام اشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے التحیات میں درود پڑھنے کو فرض کہا ہے لیکن علماء نے صراحت کی ہے کہ امام اشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول شاذ ہے اس مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا موافق کوئی عالم نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا معتمد و مفتی بہ قول یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر ایک ہی مجلس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کئی مرتبہ سنے تو اس پر صرف ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اور ہر مرتبہ بھیجنا مستحب ہے اور التحیات میں درود پڑھنا سنت ہے۔ صلوٰۃ وسلام کے الفاظ کا استعمال غیر انبیاء کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ علماء کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ناموں سے ساتھ صلوٰۃ وسلام کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کے الفاظ بولے اور لکھے جاتے ہیں تو اس طرح انبیاء کے علاوہ کسی دوسری آدمی کے نام

کے ساتھ ان الفاظ کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ "ان الفاظ کا استعمال صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ان کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے اسماء کے ساتھ غفر اللہ، رحمہ اللہ اور رضی اللہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے ہر ایک مجلس میں آپ کا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ اور اس سے زیادہ مستحب ہے، یہی قول معتمد ہے اور اس پر جمہور ہیں اور نماز کے قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد درود شریف پڑھنا سنّت ہے اور آپ کے تابع کر کے آپ کے آل واصحاب ودوسرے مومنین پر بھی درود بھیجا جا سکتا ہے یعنی درود شریف میں آپ کے نامِ اقدس کے بعد ان کو شامل کیا جا سکتا ہے اور مستقل طور پر حضور کے سوا ان میں سے کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔ مسئلہ: درود شریف میں آل واصحاب کا ذکر متوارث ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل کے ذکر کے بغیر مقبول نہیں۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم ہے علماء نے اللھم صل علیٰ محمد کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ یارب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظمت عطا فرما، دنیا میں ان کا دین بلند ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقا عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اوّلین وآخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء، مرسلین وملائکہ اور تمام خَلق پر ان کی شان بلند کر کے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

اذان سن کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کے زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان گذر چکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اللھم انزله المقعد المقرب عندك يوم القيامته اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی۔ (مسند) ابن عباس سے یہ دعا منقول ہے

مسجد میں جانے اور مسجد سے نکلنے کے وقت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

حضرت فاطمہ بنت حسین ابن علی المرتضیٰ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (زہرا) سے روایت کرتی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں تشریف لاتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے، یعنی یہ الفاظ فرماتے صلی اللہ علی محمد یا فرماتے اَللّٰهُمَّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اور پھر یہ دعا پڑھتے رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اے میرے پروردگار، میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور جب مسجد سے باہر آتے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیج کر یہ دعا پڑھتے۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ یعنی اے میرے پروردگار! میرے گناہ بخش دے اور میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ یہ روایت ترمذی، احمد، ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور احمد بن حنبل

وابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے اور اسی طرح جب باہر نکلتے تو صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ کے بجائے یہ الفاظ فرماتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ داخل ہوتا ہوں اور نکلتا ہوں اور سلامتی ہو رسول پر۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 693)

نماز کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نماز پڑھ رہا تھا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم (بھی وہیں) تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حاضر تھے، چنانچہ نماز کے بعد جب میں بیٹھا تو اللہ جل شانہ، کی تعریف بیان کرنا شروع کی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، اس کے بعد میں اپنے (دینی و دنیاوی مقاصد کے) لئے مانگنے لگا (یہ دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مانگو! دیئے جاؤ گے۔ مانگو دیئے جاؤ گے (یعنی دعا مانگو ضرور قبول ہوگی)۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 896)

نماز کے آخری قعدہ میں التحیات کا دورد

اس کی بحث پہلی گذر چکی۔ ہاں اول تشہد میں اسے کسی نے واجب نہیں کہا۔ البتہ مستحب ہونے کا ایک قول شافعی کا ہے۔ گو دوسرا قول اس کے خلاف بھی انہی سے مروی ہے۔

جنازے کی نماز میں درود پڑھنے کا بیان

چنانچہ سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھے۔ دوسری میں درود پڑھے۔ تیسری میں میت کے لئے دعا کرے چوتھی میں اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ الخ، پڑھے۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ مسنون نماز جنازہ یوں ہے کہ امام تکبیر کہہ کر آہستہ سلام پھیر دے۔ (نسائی)

عید کی نماز میں درود پڑھنے کا بیان

حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ کے پاس آ کر ولید بن عقبہ کہتا ہے عید کا دن ہے بتلاؤ تکبیروں کی کیا کیفیت ہے؟ عبداللہ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کہہ کر اللہ کی حمد کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دود بھیج دعا مانگ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر۔ پھر تکبیر کہہ کر یہی کر پھر قرأت کر پھر تکبیر کہہ کر رکوع کر پھر کھڑا ہو کر پڑھ اور اپنے رب کی حمد بیان کر اور حضور پر صلوۃ پڑھ اور دعا کر اور تکبیر کہہ اور اسی طرح کر پھر رکوع میں جا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ نے بھی اس کی تصدیق کی۔

دعا کے خاتمے پر صلوۃ وسلام پڑھنے کا بیان

ترمذی میں حضرت عمر کا قول ہے کہ دعا آسمان وزمین میں معلق رہتی ہے یہاں تک کہ تو درود پڑھے تب چڑھتی ہے۔ ایک

روایت مرفوع بھی اسی طرح کی آئی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ دعا کے اول میں، درمیان میں اور آخر میں درود پڑھ لیا کرو۔ ایک غریب اور ضعیف حدیث میں ہے کہ مجھے سوار کے پیالے کی طرح نہ کرلو کہ جب وہ اپنی تمام ضروری چیزیں لے لیتا ہے تو پانی کا کٹورہ بھی بھر لیتا ہے اگر وضو کی ضرورت پڑی تو وضو کر لیا، پیاس لگی تو پانی پی لیا ورنہ پانی بہا دیا۔ دعا کی ابتداء میں دعا کے درمیان میں اور دعا کے آخر میں مجھ پر درود پڑھا کرو۔ خصوصاً دعائے قنوت میں درود کی زیادہ تاکید ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات سکھائے جنہیں میں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں۔

اللهم اهدني فيمن هديت وعافني فيمن عافيت وتولني فيمن توليت وبارك لي فيما اعطيت وقني شر ما قضيت فانك تقضي ولا يقضي عليك انه لا يذل من واليت ولا يعز من عاديت تباركت ربنا وتعاليت

(السنن) نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ **وصل الله على النبي** ﷺ،

جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے، اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے، اسی میں قبض کئے گئے، اسی میں نفخہ ہے، اسی میں بیہوشی ہے۔ پس تم اس دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا۔ ابوداؤد نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بکثرت درود پڑھو اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک کہ وہ فارغ ہو پوچھا گیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرسل حدیث میں بھی جمعہ کے دن اور رات میں درود کی کثرت کا حکم ہے۔

جمعہ کے خطبات میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

اسی طرح خطیب پر بھی دونوں خطبوں میں درود واجب ہے اس کے بغیر صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ عبادت ہے اور اس میں ذکر اللہ واجب ہے پس ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی واجب ہوگا۔ جیسے اذان ونماز شافعی اور احمد کا یہی مذہب ہے۔

روضہ رسول ﷺ کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا بیان

آپ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت ابوداؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے۔ اللہ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ ابوداؤد میں ہے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ میری قبر پر عرس میلہ نہ لگاؤ۔ ہاں مجھ پر درود پڑھو گو تم کہیں بھی ہو لیکن تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ قاضی اسماعیل بن اسحاق اپنی کتاب فضل الصلوۃ میں ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص ہر صبح روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا تھا اور درود وسلام پڑھتا تھا۔ ایک دن اس سے حضرت علی بن حسین بن علی نے

کہا تم روز ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنا مجھے بہت مرغوب ہے۔ آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں ایک حدیث سناؤں میں نے اپنے باپ سے انہوں نے میرے دادا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ جہاں کہیں تم ہو وہیں سے مجھ پر درود وسلام بھیجو وہ مجھے پہنچ جاتے ہیں۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر پے در پے آتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو اور جو شخص اندلس میں ہے جہاں کہیں تم ہو وہیں سے سلام بھیجو تمہارے سلام مجھے پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ خاص راز ہے اگر تم مجھ سے نہ پوچھتے تو میں بھی نہ بتاتا۔ سنو میرے ساتھ دو فرشتے مقرر ہیں جب میرا ذکر کسی مسلمان کے سامنے کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھے بخشے۔ اور خود اللہ اور اس کے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں میری امت کے سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو میری قبر کے پاس سے مجھ پر سلام پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں اور جو دور سے سلام بھیجتا ہے اسے میں پہنچایا جاتا ہوں۔

احرام والے کیلئے صلوۃ وسلام پڑھنے کا بیان

ہمارے ساتھیوں کا قول ہے کہ احرام والا جب لبیک پکارے تو اسے بھی درود پڑھنا چاہئے۔ دار قطنی وغیرہ میں قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کا فرمان مروی ہے کہ لوگوں کو اس بات کا حکم کیا جاتا تھا۔ صحیح سند سے حضرت فاروق اعظم کا قول مروی ہے کہ جب تم مکہ پہنچو تو سات مرتبہ طواف کرو، مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر صفا پر چڑھو اتنا کہ وہاں سے بیت اللہ نظر آئے وہاں کھڑے رہ کر سات تکبیریں کہو ان کے درمیان اللہ کی حمد وثناء بیان کرو اور درود پڑھو۔ اور اپنے لئے دعا کرو پھر مروہ پر بھی اسی طرح کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

صلوٰۃ وسلام نہ پڑھنے والوں کیلئے وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھے پر درود نہ بھیجا، خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس پر رمضان آیا اور اس کی بخشش سے پہلے گذر گیا اور خاک آلود ہو اس آدمی کی ناک کہ اس کے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک نے اس کے سامنے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہیں کیا۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 892)

اس حدیث سے ان خارجیوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ لوگوں کو درود وسلام پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ اوقات کیلئے دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خود عقل سے عاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ جہلاء کے شر سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔ اور ہمیں اپنی عبادات سے قبل اور بعد میں کثرت صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

صلوٰۃ وسلام کی کثرت کیلئے سارا وقت مقرر کر لینے کا بیان

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں (یعنی کثرت سے درود بھیجنا چاہتا ہوں اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتلا دیجئے کہ) اپنے لئے دعا کے واسطے جو وقت میں نے مقرر کیا ہے اس میں سے کتنا وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے مخصوص کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قدر تمہارا جی چاہے!" میں نے عرض کیا" کیا چوتھائی (وقت مقرر کر دوں (؟ فرمایا" جتنا تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے" میں نے عرض کیا" تو پھر دو تہائی مقرر کر دوں"؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس قدر تمہارا جی چاہے اور اگر زیادہ مقرر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا اچھا تو پھر میں اپنی دعا کا سارا وقت ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درود کے واسطے مقرر کئے دیتا ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہیں کفایت کرے گا، تمہارے دین و دنیا کے مقاصد کو پورا کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 894)

صلوٰۃ وسلام نہ بھیجنے والے کی بدبختی کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا (یعنی میرا نام لیا گیا) اور اس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا۔ (جامع ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 898)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝
بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں
لعنت بھیجتا ہے اور اس نے ان کے لئے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانے والوں پر لعنت ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُوله" وَهُمْ الْكُفَّار يَصِفُونَ اللَّه بِمَا هُوَ مُنَزَّه عَنْهُ مِنْ الْوَلَد وَالشَّرِيك وَيُكَذِّبُونَ رَسُوله "لَعَنَهُمْ اللَّه فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة" أَبْعَدَهُمْ "وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا" ذَا إهَانَة وَهُوَ النَّار،

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں' اس سے مراد کفار ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اولاد اور شریک وغیرہ سے موصوف کرتے ہیں جن سے وہ پاک ہے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کرے گا یعنی انہیں (اپنی رحمت سے) دور کر دے گا اور اس نے ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے' یعنی اہانت والا یعنی جہنم۔

سورہ احزاب آیت ۵۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ کے اس فرمان کے متعلق روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صفیہ بنت حی کو اپنے لیے منتخب کرنے پر کچھ لوگوں نے آپ کی ذات اقدس پر طعن و تشنیع کی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے حضرت عائشہ پر جھوٹی تہمت لگائی نبی نے خطبہ پڑھا اور ارشاد فرمایا کون اس شخص کے مقابلے میں میری مدد کرے گا جو مجھے تکلیف دیتا ہے اور اپنے گھر میں مجھے ایذاء پہنچانے والوں کو جمع کرتا ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(سیوطی 233،طبری 22۔45،زادالمسیر 6۔240،ابن کثیر 3۔517،درمنثور 5۔220 قرطبی 14۔237)

کفار کا اللہ تعالیٰ کیلئے شریک ٹھہرانے کا بیان

حضرت عبداللہ مسعود فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ کہ جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔تم کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ پھر اس آدمی نے پوچھا! اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خیال سے مارڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔پھر اس نے پوچھا، اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ) سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ ہے) وہی بندگان خاص ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے اور جس جاندار کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں (جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا)۔(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 46)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا قتل میں مذاہب اربعہ

حضور ﷺ کے گستاخ کی سزا یہی ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔اس کی توبہ قبول نہیں، چاروں مسالک یہی ہیں۔علامہ زین الدین ابن نجیم البحر الرائق میں ارشاد فرماتے ہیں۔حضور ﷺ کو سب وشتم کرنے والے کی سزا قتل ہے۔اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام اعظم امام اعظم رضی اللہ عنہ علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔"جس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں دل میں بغض رکھا وہ مرتد ہوگیا، اور شاتم رسول تو اس سے بھی بدتر ہے، ہمارے نزدیک وہ واجب القتل ہے؛ اور اس کی توبہ سے سزائے موت موقوف نہیں ہوگی۔یہ مذہب اہل کوفہ اور امام مالک کا بھی ہے۔اور یہ حکم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔علماء نے یہاں تک فرمایا کہ گالی دینے

والا نشے میں ہو تب بھی قتل کیا جائے گا اور معاف نہیں ہوگا۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب الردۃ)

علامہ خیر الدین رملی حنفی فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں: شاتم رسول کو بہر طور حداً قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی، خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے، جس کی توبہ قابلِ تسبب ہی نہیں اور اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے، یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا، جس طرح دیگر حقوق (چوری، زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حدِ تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہی سیّدنا ابوبکر علیہ الرحمہ، امام اعظم علیہ الرحمہ، اہل کوفہ اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔ (تنبیہ الولاۃ والحکام)

امام ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ امت کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ گستاخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قتل واجب ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابولیث علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ، امام اسحاق علیہ الرحمہ اور امام شافعی علیہ الرحمہ، حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام کا مسلک یہی ہے کہ اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ (فتاویٰ شامی)

علامہ طاہر بخاری اپنی کتاب خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ محیط میں ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے، آپ ﷺ کی اہانت کرے، آپ ﷺ کے دینی معاملات یا آپ ﷺ کی شخصیت یا آپ ﷺ کے اوصاف میں سے کسی وصف کے بارے میں عیب جوئی کرے چاہے گالی دینے والا آپ ﷺ کی امت میں سے ہو خواہ اہل کتاب وغیرہ میں سے ہو ذمی یا حربی، خواہ یہ گالی اہانت اور عیب جوئی جان بوجھ کر ہو یا سہواً اور غفلت کی بناء پر نیز سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مذاق سے، ہر صورت میں ہمیشہ کے لئے یہ شخص کافر ہوگا اس طرح کہ اگر توبہ کرے گا تو بھی اس کی توبہ نہ عنداللہ مقبول ہے اور نہ عندالناس اور تمام متقدمین اور تمام متاخرین و مجتہدین کے نزدیک شریعت مطہرہ میں اس کی قطعی سزا قتل ہے۔ حاکم اور اس کے نائب پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کے قتل کے بارے میں ذرا سی نرمی سے بھی کام نہ لے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

علامہ خطابی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے بدگو کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو اور اگر یہ بدگوئی اللہ تعالیٰ کی شان میں ہو تو ایسے شخص کی توبہ سے اس کا قتل معاف ہو جائے گا۔ (فتح القدیر)

علامہ بزازی علیہ الرحمہ نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حق العبد توبہ سے معاف نہیں ہوتا جس طرح تمام حقوق العباد اور جیسا کہ حدِ قذف (تہمت کی سزا) توبہ سے ختم نہیں ہوتی۔ بزاز علیہ الرحمہ نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ انبیاء میں سے کسی ایک کو برا کہنے کا یہی حکم ہے۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابنِ قاسم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام مالک علیہ الرحمہ سے مصر سے ایک فتویٰ طلب کیا گیا، جس میں میرے فتویٰ کے بارے میں، جس میں کہ میں نے شاتمِ رسول علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا، تصدیق چاہی گئی تھی۔ اس فتویٰ کے جواب میں امام مالک علیہ الرحمہ نے مجھ ہی کو اس فتویٰ کا جواب لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے یہ جواب لکھا کہ ایسے شخص کو عبرتناک سزا دی جائے اور

اس کی گردن اُڑادی جائے۔ یہ کلمات کہہ کر میں نے امام مالک علیہ الرحمہ سے عرض کی کہ اے ابوعبداللہ! (کنیت امام مالک علیہ الرحمہ) اگر اجازت ہوتو یہ بھی لکھ دیا جائے کہ قتل کے بعد اس لاش کو جلا دیا جائے۔ یہ سن کر امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا، یقیناً وہ گستاخ اسی بات کا مستحق ہے اور یہ سزا اس کے لیے مناسب ہے۔ چنانچہ یہ کلمات میں نے امام موصوف کے سامنے ان کی ایماء پر لکھ دیے اور اس سلسلے میں امام صاحب نے کسی مخالفت کا اظہار نہ کیا۔ چنانچہ یہ کلمات لکھ کر میں نے فتویٰ روانہ کر دیا اور اس فتویٰ کی روشنی میں اس گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔ (الشفاء)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں ابنِ کنانہ کا حکام کا فتویٰ

مبسوط میں ابنِ کنانہ علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی بارگاہِ رسالت میں گستاخی کا مرتکب ہو تو میں حاکمِ وقت کو مشورہ دیتا ہوں اور ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے گستاخ کو قتل کر کے اس کی لاش کو پھونک دیا جائے یا براہ راست آگ میں جھونک دیا جائے۔ (الشفاء، ج، ص، از قاضی عیاض مالکیعلیہ الرحمہ)

حکمِ قتل پر علمائے مالکیہ کی دلیل کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ اور تمام اہلِ مدینہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم ذمّی نبی اکرم ﷺ کو سب وشتم کرے اور توہین رسالت کا مرتکب ہو تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ "اگر گالی دینے والا ذمّی ہو تو اسے بھی امام مالک اور اہل مدینہ کے مذہب میں قتل کیا جائے گا۔" علامہ ابن سحنون سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

"اگر گالی دینے والا مسلمان ہے تو کافر ہو جائے گا، اور بلا اختلاف اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور یہ آئمہ اربعہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ (الصارم المسلول، ص ۵)

امام ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں۔ کہ جس نے نبی ﷺ کی ذات میں کیے گئے ہجو کے ابیات میں سے ایک سطر بھی حفظ کی؛ اس انسان نے کفر کیا۔ اور بعض سلف نے کہا ہے کہ: جو انسان نبی کریم ﷺ کی ہجو کی روایات نقل کرتا ہو اس سے حدیث لینا بالاجماع حرام ہے۔ (شفاء: امتاع الاسماع۔ احکام القرآن ۸۶/۳)

علامہ احمد بن دردیر مالکی علیہ الرحمہ اقرب المسالک کی شرح "الصغیر" میں لکھتے ہیں: من سب نبیا مجمعا علی نبوته، او عرض بسب نبی، بان قال عند ذكره، اما انا فلست بزان او سارق فقد كفر. و كذا ن الحق بنبی نقصاً، ون بیدنه كعرج، وشلل، او وفور علمه، ذ كل نبی اعلم اهل زمانه وسیدهم اعلم الخلق.

"جس نے کسی ایسے نبی کو گالی دی جس کی نبوت پر سب کا اتفاق ہے' یا اس کام کیا جو گالی سے مشابہ ہے' (یعنی عیب نکالا) اس طرح کہ اس کے تذکرہ کے وقت کہا: اے پر میں نہ ہی زانی ہوں' اور نہ ہی چور ہوں۔ اس سے وہ کافر ہو جائے گا"۔ اور ایسے ہی اگر اس نے کسی نبی پر کوئی نقص (کوتاہی) لگایا؛ (مثلاً اس نے کہا بیشک اس کے بدن میں لنگڑا پن ہے' یا شل ہے' یا ان کے علم وافر ہونے پر نقص لگایا' (اس سے بھی وہ کافر ہو جائے گا) اس لیے کہ ہر نبی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے' اور ان کا سردار

اور تمام مخلوق سے بڑھ کر عالم ہوتا ہے۔ (شرح "الصغیر" ۴/۱۳۲)

قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علمائے مالکیہ نے ایسے گستاخ ذمی کے قتل کے حکم پر قرآنِ کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: اور اگر وہ اپنی قسموں کو توڑیں اور عہد شکنی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے بارے میں بدگوئیاں کریں، تو ان کفر کے سرغنوں سے لڑو۔ (التوبہ)

اس آیتِ قرآنی کے علاوہ علمائے مالکیہ نے سرکارِ دوعالم ا کے عمل سے بھی استدلال کیا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو اس کی گستاخیوں کی سبب سے قتل کروایا تھا۔ اس گستاخ کے علاوہ اور دوسرے گستاخ بھی تعمیلِ حکمِ نبوی امیں قتل کیے گئے تھے۔ (الشفاء)

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جو شخص بھی رسول کریم ا کو گالی دے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا دین یا آپ ا کی عادت میں نقص وعیب نکالے یا اسے ایسا شبہ لاحق ہو، جس سے آپ ا کو گالی دینے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیصِ شان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت اور نقص وعیب کا پہلو نکلتا ہو، وہ دشنام دہندہ ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے اور وہ یہ کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس مسئلہ کی کسی شاخ کو نہ مستثنیٰ کیا جائے اور نہ اس میں شک وشبہ روا رکھا جائے خواہ گالی صراحتاً دی جائے یا اشارۃً۔ وہ شخص بھی اسی طرح ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعنت کرے یا آپ ا کو نقصان پہنچانا چاہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بددعا کرے یا آپ ا کی شان کے لائق نہ ہو یا آپ ا کی کسی چیز کے بارے میں رکیک، بے ہودہ اور جھوٹی بات کرے یا جن مصائب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے ان کی سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگائے یا بعض بشری عوارض کی سبب سے، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوچار ہوئے، آپ ا کی تنقیصِ شان کرے، اس بات پر تمام علماء اور ائمہ الفتویٰ کا عہدِ صحابہ سے لے کر اگلے تاریخی ادوار تک اجماع چلا آ رہا ہے۔ (الصارم المسلول)

امام قرطبی علیہ الرحمہ اپنی مشہور تفسیر میں لکھتے ہیں: مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کہا کہ کعب بن اشرف کو بدعہدی کر کے قتل کیا گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کہنے والے کی گردن ماردی جائے۔ (کیونکہ کعب بن اشرف کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ وہ مسلسل بدگوئی اور ایذاء رسانی کی سبب سے مباح الدم بن گیا تھا)۔

اسی طرح کا جملہ ایک اور شخص ابن یامین کے منہ سے نکلا تو کعب بن اشرف کو مارنے والے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا آپ کی مجلس میں یہ بات کہی جا رہی ہے اور آپ خاموش ہیں۔ خدا کی قسم! اب آپ کے پاس کسی عمارت کی چھت تلے نہ آؤں گا اور اگر مجھے یہ شخص باہر مل گیا تو اسے قتل کر ڈالوں گا۔ علماء نے فرمایا ایسے شخص سے توبہ کے لیے بھی نہ کہا جائے گا بلکہ قتل کر دیا جائے گا جو نبی ا کی طرف بدعہدی کو منسوب کرے۔ یہی وہ بات ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ علیہ الرحمہ نے سمجھا، اس لیے کہ یہ تو زندقہ ہے۔ (تفسیر قرطبی)

اسلام (کا فرساب) کے قتل کو ساقط نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ قتل نبی علیہ السلام کے حق کی سبب سے واجب ہو چکا ہے، کیونکہ اس

نے آپ اکی بے عزتی کی ہے، آپ پر نقص وعیب لگانے کا ارادہ کیا ہے، اس لئے اسلام لانے کی سبب سے بھی اس کا قتل معاف نہ ہوگا اور نہ یہ کافر مسلمان سے بہتر ہوگا، بلکہ بدگوئی کی سبب سے باوجود توبہ کے دونوں کو چاہے کافر ہو یا مسلم قتل کر دیا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی)

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں۔ کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "آئمہ شافعیہ میں سے ابوبکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحاً قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیونکہ اس کے نبی a پر تہمت لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار ۲۱۴/۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ,, نبی علیہ السلام پر طعن کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ پر عیب لگایا اور تنقیص وتحقیر کی اور اسی سے نبی علیہ السلام کو گالی دینے والے کے قتل کی سزا اخذ کی گئی ہے۔ اسی طرح جس نے دین اسلام میں طعن کیا اور اسے تحقیر و تنقیص کے ساتھ ذکر کیا اس کی سزا بھی قتل ہے۔ (ابن کثیر ۴۴۷/۲)

علامہ شربینی شافعی علیہ الرحمہ مغنی المحتاج میں لکھتے ہیں: "جو کسی رسول کی تکذیب کرے' یا اسے گالی دے' یا ان کی ذات میں یا نام میں حقارت آمیز رویہ رکھے سو وہ کافر ہو جائے گا'۔ (مغنی المحتاج 134/4)

باقی آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے کے بارے میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "مسائلِ اختلافیہ پر مشتمل کتب میں جس رائے کی تائید و نصرت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ نبی a کو گالی دینا عہد ومعاہدہ کو توڑ دیتا ہے اور یہ فعل اس کے قتل کو واجب کر دیتا ہے جس طرح ہم نے خود امام شافعی سے ذکر کیا ہے۔ (توہین رسالت کی شرعی سزا، ۱۷)

علامہ ابوبکر فارسی لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی نے آئمہ وفقہاء شافعیہ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: "آئمہ شافعیہ میں سے ابو بکر فارسی نے کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جس نے نبی علیہ السلام کو گالی دی اور صریحاً قذف وتہمت لگائی وہ تمام علماء کے اتفاق سے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس سے سزائے قتل زائل نہیں ہوگی کیوں کہ اس کے نبی علیہ السلام پر تہمت لگانے کی سزا قتل ہے اور تہمت کی سزا توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ (نیل الاوطار ۲۱۴/۷)

امام شافعی علیہ الرحمہ سے صراحتاً منقول ہے کہ نبی کریم اکو گالی دینے سے عہد ٹوٹ جاتا ہے اور ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیے۔ ابن المنذر، الخطابی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء نے ان سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الام میں فرماتے ہیں: جب حاکم وقت جزیہ کا عہد نامہ لکھنا چاہے تو اس میں مشروط کا ذکر کرے۔ عہد نامے میں تحریر کیا جائے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ یا دین اسلام کا تذکرہ نازیبا الفاظ میں کرے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری اٹھ جائے گی، جو امان اس کو دی گئی تھی، ختم ہو جائے گی اور اس کا خون اور مال امیر المومنین کے لیے اس طرح مباح ہو جائے گا

جس طرح حربی کافروں کے اموال اور خون مباح ہیں۔ (الصارم المسلول)

امام محمد علیہ الرحمہ بن سحنون بھی اجماع نقل کرتے ہیں۔ اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم اکو گالی دینے والا اور آپ اکی توہین کرنے والا کافر ہے اور اس کے بارے میں عذاب خداوندی کی وعید آئی ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور جو شخص اس کے کفر اور اس کی سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (درمختار، نسیم الریاض، شرح الشفاء)

صحیح بخاری کے مشہور شارح جلیل القدر محدث ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب فتح الباری میں لکھتے ہیں: ابن المنذر نے اس بات پر علماء کا اتفاق نقل کیا کہ جو نبی اکو گالی دے، اسے قتل کرنا واجب ہے۔ ائمہ شوافع کے معروف امام ابوبکر الفارسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الاجماع میں نقل کیا ہے کہ جو شخص نبی علیہ السلام کو تہمت کے ساتھ برا کہے، اس کے کافر ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، وہ توبہ کرے تو بھی اس کا قتل ختم نہ ہوگا کیونکہ قتل اس کے تہمت لگانے کی سزا ہے اور تہمت کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

گستاخ رسول ﷺ کی سزا میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المغنی" میں کہا ہے۔ "بیشک جو کوئی نبی کریم ﷺ کی والدہ پر بہتان لگائے 'اسے قتل کیا جائے گا' اگرچہ وہ توبہ ہی کیوں نہ کرلے 'خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ بس اگر وہ اخلاص کے ساتھ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگی۔ اور اس توبہ کی سبب سے اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔ مزید برآں وہ لکھتے ہیں: ''اور آپ ﷺ پر بہتان تراشی کرنا اس کا وہی حکم ہے جو آپ کی والدہ پر بہتان تراشی کا ہے۔ بیشک آپ ﷺ کی والدہ پر بہتان کی سزا قتل اس لیے ہے کہ اصل میں یہ نبی کریم ﷺ پر بہتان تراشی ہے؛ اور آپ ﷺ کے نسب میں طعن ہے۔ (المغنی ۱۲/۵۱۲)

علامہ خرقی حنبلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ "جو کوئی نبی کریم ﷺ پر بہتان تراشی کرے، اسے قتل کیا جائے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ (الکافی: ۱۵۹۴)

علامہ ابن عقیل حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی نبی کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی 'اس لیے کہ یہ آدمی کا حق ہے' جو ساقط نہیں ہوتا"۔ (لوامع النوار البھیۃ ۱/۳۹۷)

جو شخص رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ اکی توہین کرے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، تو وہ واجب القتل ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ہر آدمی جو ایسی بات کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص شان کا پہلو نکلتا ہو، وہ واجب القتل ہے؛ خواہ مسلم ہو یا کافر، یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول اکی طرف گالی کا اشارہ کرنا ارتداد ہے، جو موجب قتل ہے۔ یہ اسی طرح جس طرح صراحتاً گالی دی جائے۔

ابو طالب سے مروی ہے کہ امام احمد علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو۔ فرمایا: اسے قتل کیا جائے، کیونکہ اس نے رسول کریم اکو گالیاں دے کر اپنا عہد توڑ دیا۔

حرب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد علیہ الرحمہ سے ایک ذمی کے بارے میں سوال کیا کہ جس نے رسول کریم اکو

گالی دی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ اسے قتل کیا جائے۔

امام احمد علیہ الرحمہ نے جملہ اقوال میں ایسے شخص کے واجب القتل ہونے کی تصریح ہے، اس لیے کہ اس نے عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ اس مسئلہ میں ان سے کوئی اختلاف منقول نہیں۔ (الصارم المسلول)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم اکو گالی دینے والے، آپ اکی توہین کرنے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (امام اعظم رضی اللہ عنہ، امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی علیہ الرحمہ، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ) سے یہی منقول ہے۔ (فتاویٰ شامی)

ائمہ اربعہ کی تصریحات کے بعد چاروں مذاہب کے جید اور محقق علمائے کرام نے اس خاص مسئلہ پر چار انمول کتب تصنیف فرما کر اتمام حجت کر دیا ہے اور ان میں گستاخ رسول کی سزا اپنے اپنے زاویہ نظر سے حد اقتل قرار دی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝
اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں، بغیر کسی گناہ کے جو انھوں نے کمایا ہو تو
یقیناً انھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھایا۔

اہل ایمان کو تکلیف پہنچانے والوں کیلئے گناہ ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَات بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا" يَرْمُوْنَهُمْ بِغَيْرِ مَا عَمِلُوْا "فَقَدْ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا" تَحَمَّلُوْا كَذِبًا "وَإِثْمًا مُبِينًا" بَيِّنًا،

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت دیتے ہیں ان کے کسی جرم کے بغیر یعنی ان پر وہ الزام لگاتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیا تو وہ بہتان کا بوجھ اٹھاتے ہیں یعنی جھوٹ کا وزن اٹھاتے ہیں اور واضح یعنی بین گناہ کا بھی۔

سورہ احزاب آیت ۵۸ کے شان نزول کا بیان

قرطبی کہتے ہیں کہ مومنین اور مومنات کو اذیت پہنچانا افعال کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے اور اقوال کے ذریعے بھی جیسے بہتان اور جھوٹا گھڑا ہوا الزام اور، یہ بھی اذیت ہی میں داخل ہے کہ کسی کو مذموم حسب، حرف سے عار دلانا یا کسی ایسی چیز سے جسے وہ سنے تو اسے ناگوار گزرے کیونکہ مومن کو ایذاء دینا ہر صورت میں حرام ہے۔ (قرطبی 14۔(240)

ضحاک، سدی اور کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت ان زانی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مدینے کے راستوں میں عورتوں کی تلاش میں پھرتے جبکہ وہ رات کے وقت اپنی قضائے حاجت کے لیے نکلتیں یہ عورت کو دیکھتے اور اس کے قریب جا کر اسے اشارے کرتے اگر وہ خاموش رہتی تو اس کا پیچھا کرتے اور اگر انہیں ڈانٹی اور جھڑکتی تو وہ اس سے تعرض کرنے سے رک جاتے اور یہ لوگ صرف باندیوں کو تلاش کرتے تھے لیکن ان دنوں آزاد اور باندی کا امتیاز نہ ہوتا تھا کیونکہ یہ آزاد عورتیں قمیص اور دوپٹے میں نکلتی تھیں

لہٰذا انہوں نے اپنے خاوند سے شکایت کی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
(زادالمیسر 6۔(421)

اس روایت کی صحت پر اللہ کا یہ فرمان دلیل ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۔

اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (مونھوں) پر چادر لٹکا (کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر ان کے لیے موجب شناخت ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔

ابو مالک سے روایت ہے کہ مومنین کی بیویاں رات میں اپنی حاجت کے لیے نکلتیں منافقین ان کا تعاقب کرتے اور انہیں تکلیف پہنچاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ مدینہ میں گھر تنگ تنگ تھے عورتیں رات میں قضائے حاجت کے لیے نکلتیں تو مدینہ کے فساق بھی نکلتے اور جب وہ دیکھتے کہ عورت نے دوپٹہ اوڑھا ہوا ہے تو اسے یہ کہہ کر کہ یہ آزاد ہے چھوڑ دیتے اور جب کسی عورت کو بغیر دوپٹے کے دیکھتے تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اس کو بہکانے کی کوشش کرتے اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (نیسابوری 303، درمنثور 5۔222)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیں کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر
اوڑھ لیا کریں، یہ اس بات کے قریب تر ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ یہ پاک دامن آزاد عورتیں ہیں) پھر انہیں
(آوارہ باندیاں سمجھ کر غلطی سے) ایذاء نہ دی جائے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

پردے سے متعلق احکام شرعیہ کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّبِيّ قُلْ لِأَزْوَاجِك وَبَنَاتك وَنِسَاء الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبهنَّ" جَمْع جِلْبَاب وَهِيَ الْمُلَاءَة الَّتِي تَشْتَمِل بِهَا الْمَرْأَة أَيْ يُرْخِينَ بَعْضهَا عَلَى الْوُجُوه إذَا خَرَجْنَ لِحَاجَتِهِنَّ إلَّا عَيْنًا وَاحِدَة "ذَلِكَ أَدْنَى" أَقْرَب إلَى "أَنْ يُعْرَفْنَ" بِأَنَّهُنَّ حَرَائِر "فَلَا يُؤْذَيْنَ" بِالتَّعَرُّضِ لَهُنَّ بِخِلَافِ الْإِمَاء فَلَا يُغَطِّينَ وُجُوههنَّ فَكَانَ الْمُنَافِقُونَ يَتَعَرَّضُونَ لَهُنَّ "وَكَانَ اللَّه غَفُورًا" لِمَا سَلَفَ مِنْهُنَّ مِنْ تَرْك السَّتْر "رَحِيمًا" بِهِنَّ إذْ سَتَرَهُنَّ،

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواج' بیٹیوں اور مومن خواتین سے کہہ دو کہ وہ اپنی بڑی چادریں اپنے اوپر ڈالے رکھیں۔ یہ لفظ "جلباب" کی جمع ہے یعنی وہ چادر جسے عورت اوڑھتی ہے یعنی وہ خواتین جب کسی کام سے باہر نکلیں تو اس چادر

کا کچھ حصہ اپنے چہرے پر بھی ڈال دیں البتہ ایک آنکھ کی جگہ چھوڑ دیں۔ یہ ادنیٰ ہے یعنی اس کے زیادہ قریب ہے کہ انہیں پہچان لیا جائے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں اور انہیں اذیت نہ پہنچائی جائے یعنی ان سے تعرض نہ کیا جائے، کنیزوں کا حکم اس سے مختلف ہے وہ اپنے چہروں کو نہیں ڈھانپتی تھیں اور منافقین ان سے تعرض کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے یعنی اس کی جو پردہ ترک کرنے کے حوالے سے ان خواتین سے پہلے سرزد ہوا اور رحم کرنے والا ہے یعنی ان خواتین پر جب وہ پردہ کرلیں۔

سورہ احزاب آیت ۵۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت سودہ پردے کا حکم فرض ہونے کے بعد ایک مرتبہ اپنی حاجت کے لیے نکلیں یہ چونکہ بھاری جسم کی تھیں اس لیے جو شخص انہیں پہچانتا اس پر مخفی نہ رہتی تھیں چنانچہ عمر نے انہیں دیکھ لیا اور کہا سودہ اللہ کی قسم تم ہم پر مخفی نہیں رہی ہو دیکھ لو تم کس طرح نکلتی ہو وہ کہتی ہیں میں فوراً واپس ہو جاتی رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف فرما تھے آپ ٹہل رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں گوشت سے خالی ہڈی تھی میں نے داخل ہوتے ہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حاجت کے لیے باہر نکلی تھی اور مجھ سے عمر نے یوں کہا آپ کہتی ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ہڈی تھی کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی یہاں تک کہ وحی کی کیفیت کو دور فرمادیا درآنحالیکہ آہڈی اب بھی آ کیہ اتھ ہی میں تھی پھر آپ نے فرمایا اللہ نے تمہیں حاجت کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی ہے۔ (بخاری 4795)

ابو مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی ازواج مطہرات رات میں حاجت کے لیے نکلتیں کچھ منافق لوگ ان کا پیچھا کرتے اور ان کو ایذاء پہنچاتے انہوں نے اس بات کی آپ سے شکایت کی منافقین سے یہ کہا گیا تو انہوں نے کہا ہم تو ایسا صرف باندیوں کے ساتھ کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (سیوطی 233، زاد المسیر 6۔422، قرطبی 14۔243، ابن کثیر 3۔518)

تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر وافضل کون؟

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کو فرماتا ہے کہ آپ مومن عورتوں سے فرمادیں بالخصوص اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کیونکہ وہ تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر وافضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدریں لٹکالیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہو جائیں اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے۔ جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈالتی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اپنے کسی کام کاج کیلئے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں، صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سوال پر حضرت عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتادیا کہ یہ مطلب اس آیت کا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی چادر سے اپنا گلا تک ڈھانپ لے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس آیت کے اترنے کے بعد انصار کی عورتیں جب نکلتی تھیں تو اس طرح لکی چھپی چلتی تھیں گویا ان کے سروں پر پرند ہیں سیاہ چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کرتی تھیں۔ حضرت زہری سے سوال ہوا کہ کیا لونڈیاں بھی چادر اوڑھیں؟ خواہ خاوندوں والیاں ہوں یا بےخاوند کی ہوں؟ فرمایا دوپٹیا تو ضرور اوڑھیں اگر وہ خاوندوں والیاں ہوں اور چادر نہ اوڑھیں تاکہ ان میں اور آزاد عورتوں میں فرق رہے۔

حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے کہ ذمی کافروں کی عورتوں کی زینت کا دیکھنا صرف خوف زنا کی وجہ سے ممنوع ہے نہ کہ ان کی حرمت وعزت کی وجہ سے کیونکہ آیت میں مومنوں کی عورتوں کا ذکر ہے۔ چادر کا لٹکانا چونکہ علامت ہے آزاد پاک دامن عورتوں کی اس لئے یہ چادر کے لٹکانے سے پہچان لی جائیں گی کہ یہ نہ واہی عورتیں ہیں نہ لونڈیاں ہیں۔ سدی کا قول ہے کہ فاسق لوگ اندھیری راتوں میں راستے سے گزرنے والی عورتوں پر آوازے کستے تھے اس لئے یہ نشان ہو گیا کہ گھر گرہست عورتوں اور لونڈیوں باندیوں وغیرہ میں تمیز ہو جائے اور ان پاک دامن عورتوں پر کوئی لب نہ ہلا سکے۔

پھر فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے میں جو بےپردگی کی رسم تھی جب تم اللہ کے اس حکم کے عامل بن جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمام اگلی خطاؤں سے درگزر فرمالے گا اور تم پر مہرو کرم کرے گا، پھر فرماتا ہے کہ اگر منافق لوگ اور بدکار اور جھوٹی افواہیں دشمنوں کی چڑھائی وغیرہ کی اڑانے والے اب بھی باز نہ آئے اور حق کے طرفدار نہ ہوئے تو ہم اے نبی تجھے ان پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر تو وہ مدینے میں ٹھہر ہی نہیں سکیں گے۔ بہت جلد تباہ کر دیے جائیں گے اور جو کچھ دن ان کے مدینے کی اقامت سے گزریں گے وہ بھی لعنت و پھٹکار میں ذلت اور مار میں گزریں گے۔ ہر طرف سے دھتکارے جائیں گے، راندہ درگاہ ہو جائیں گے، جہاں جائیں گے گرفتار کئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ایسے کفار و منافقین پر جبکہ وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئیں مسلمانوں کو غلبہ دینا ہماری قدیمی سنت ہے جس میں نہ کبھی تغیر وتبدل ہوا نہ اب ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احزاب، بیروت)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا۝
یقیناً اگر یہ منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے لوگ باز نہ آئے
تو ہم تجھے ضرور ہی ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس میں تیرے پڑوس میں نہیں رہیں گے مگر کم۔

جھوٹی خبریں پھیلانے والے منافقین کا بیان

"لَئِنْ" لَام قَسَم "لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ" عَنْ نِفَاقِهِمْ "وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَض" بِالزِّنَا "وَالْمُرْجِفُوْنَ

فِی الْمَدِینَۃ " الْمُؤْمِنِینَ بِقَوْلِهِم قَدْ اَتَاکُمُ الْعَدُوّ وَسَرَایَاکُمْ قُتِلُوا اَوْ هُزِمُوا "لَنُغْرِیَنَّکَ بِهِمْ " لَنُسَلِّطَنَّکَ عَلَیْهِمْ "ثُمَّ لَا یُجَاوِرُونَکَ" یُسَاکِنُونَکَ "فِیهَا اِلَّا قَلِیلًا" ثُمَّ یَخْرُجُونَ،

قسم سے اگر یہاں پر "ل" قسم کے لئے ہے منافقین باز نہیں آتے یعنی اپنے نفاق سے اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی زنا کا اور مدینہ میں جو جھوٹ پھیلاتے ہیں یعنی اہل ایمان کے درمیان یہ کہہ کر کہ دشمن تم تک پہنچنے والا ہے یا جو مہم تم نے بھیجی تھی وہ سب مارے گئے یا شکست کھا گئے تو ہم تمہیں ان پر قابو دیں گے یعنی ہم تمہیں ان پر مسلط کر دیں گے پھر وہ تمہارے پڑوس میں نہیں رہ سکیں گے یعنی تمہارے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اس میں مگر یہ کہ تھوڑے دن۔

جو اسلامی لشکروں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے اور یہ مشہور کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی وہ قتل کر ڈالے گئے، دشمن چڑھا چلا آ رہا ہے اور اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی دل شکنی اور ان کا پریشانی میں ڈالنا ہوتا تھا، ان لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے باز نہ آئے۔

مَّلْعُوْنِیْنَ ۚ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝
لعنت کئے ہوئے لوگ جہاں کہیں پائے جائیں، پکڑ لئے جائیں اور چن چن کر بری طرح قتل کر دیئے جائیں۔

ملعون منافقین کو قتل کر دینے کا بیان

"مَلْعُونِینَ" مُبْعَدِینَ عَنِ الرَّحْمَۃ "اَیْنَمَا ثُقِفُوا" وُجِدُوا "اُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِیلًا" اَیِ الْحُکْمُ فِیهِمْ هٰذَا عَلٰی جِهَۃِ الْاَمْرِ بِهِ،

پھر انہیں نکالا جائے گا ملعون کر کے یعنی رحمت سے دور کر کے وہ جہاں کہیں ملیں یعنی پائے جائیں انہیں پکڑا جائے اور سختی سے قتل کیا جائے یعنی ان کے بارے میں یہ حکم امر کے طور پر ہے (جس پر عمل لازم ہے)

آیت مذکورہ میں منافقین کی دو شرارتوں کا ذکر کے ان سے باز نہ آنے کی صورت میں جس سزا کا ذکر کیا گیا ہے کہ (آیت) ملعونین اینما اخذوا وقتلوا تقتیلا، یعنی یہ لوگ جہاں رہیں گے لعنت اور پھٹکار ان کے ساتھ ہوگی، اور جہاں ملیں گے گرفتار کئے جائیں گے اور قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ سزا عام کفار کی نہیں، بے شمار نصوص قرآن وسنت اس پر شاہد ہیں کہ عام کفار کے لئے شریعت اسلام میں یہ قانون نہیں ہے، بلکہ قانون یہ ہے کہ اول ان کو دعوت اسلام دی جائے، ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں پر مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے، ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید و قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان

کہتے تھے۔ اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاح شرع میں مرتد کہلاتا ہے، اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکام اسلام کو قولاً وعملاً تسلیم کر لے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح ارشادات اور صحابہ کرام کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے۔ مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ و جہاد اور مسیلمہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت و دستور قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائع میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝
اللہ کی سنت ان لوگوں میں ہے جو پہلے گزر چکے ہیں، اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

منافقین کی رسوائی میں قانون کا بیان

"سُنَّةَ اللَّه" أَيْ سَنَّ اللَّه ذَلِكَ "فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْل" مِنْ الْأُمَم الْمَاضِيَة فِي مُنَافِقِيهِمْ الْمُرْجِفِينَ الْمُؤْمِنِينَ "وَلَنْ تَجِد لِسُنَّةِ اللَّه تَبْدِيلًا" مِنْهُ،

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے جاری کیا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر چکے ہیں، یعنی سابقہ امتوں پر ان کے منافقین کے بارے میں، جو اہل ایمان کے درمیان جھوٹی باتیں پھیلایا کرتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے، یعنی اس کی طرف سے۔

یعنی پہلی اُمتوں کے منافقین جو ایسے حرکات کرتے تھے، ان کے لئے بھی سنتِ الٰہیہ یہی رہی کہ جہاں پائے جائیں مار ڈالے جائیں۔

یعنی اللہ کی سنت جاریہ یہی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کے خلاف شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے انھیں اسی طرح ذلیل وخوار اور ہلاک کر دیا گیا۔

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝
لوگ آپ سے قیامت کے (وقت کے) بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے: اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے،
اور آپ کو کس نے آگاہ کیا شاید قیامت قریب ہی آ چکی ہو۔

قیامت کے بارے میں سوال کرنے کا بیان

"يَسْأَلك النَّاس" أَهْل مَكَّة "عَنْ السَّاعَة" مَتَى تَكُون "قُلْ إِنَّمَا عِلْمهَا عِنْد اللَّه وَمَا يُدْرِيك" يُعْلِمك بِهَا : أَيْ أَنْتَ لَا تَعْلَمهَا "لَعَلَّ السَّاعَة تَكُون" تُوجَد،

لوگ تم سے سوال کرتے ہیں یعنی اہل مکہ قیامت کے بارے میں کہ وہ کب واقع ہوگی تم فرما دو اس کا علم اللہ کے پاس

ہے اور تمہیں کیا پتہ؟ یعنی کیسے علم ہو سکتا ہے؟ اس کا یعنی تمہیں اس کا علم نہیں ہے شاید وہ ہو یعنی پائی جائے' قریب۔

سورہ احزاب آیت ۶۳ کے شان نزول کا بیان

مشرکین تو تمسخر و استہزاء کے طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا کرتے تھے گویا کہ ان کو بہت جلدی ہے اور یہود اس کو امتحاناً پوچھتے تھے کیونکہ توریت میں اس کا علم مخفی رکھا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احزاب، لاہور)

ور قیامت کو قریب فرمانے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قیامت ہر روز قریب ہی ہوتی جا رہی ہے، اور جو چیز سامنے سے آ رہی ہو اس کو قریب ہی سمجھنا دانشمندی ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی قیامت کو قریب کہا جا سکتا ہے کہ قیامت کے ہولناک واقعات اور اشند اد کے پیش نظر یہ ساری دنیا کی عمر بھی قلیل نظر آوے گی، اور ہزاروں سال کی یہ مدت چند روز کے برابر محسوس ہوگی) بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو رحمت سے دور کر رکھا ہے، اور ان کے لئے آتش سوزاں تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ کوئی مددگار جس روز ان کے چہرے دوزخ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (یعنی چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے کبھی چہرے کی اس کروٹ پر کبھی دوسری کروٹ پر، اور اس وقت غایت حسرت سے) یوں کہیں گے اے کاش! ہم نے (دنیا میں) اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی (تو آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے) اور (حسرت کے ساتھ اپنے گمراہ کرنے والوں پر غصہ آئے گا تو) یوں کہیں گے کہ ہمارے رب ہم اپنے سرداروں کا، (یعنی اہل حکومت کا) اور اپنے بڑوں کا (جن میں کسی دوسری وجہ سے یہ صفت پائی جاتی تھی کہ ان کی بات ماننا اور اتباع کرنا ہمارے ذمے داری تھی) کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) رستہ سے گمراہ کیا تھا اے ہمارے رب ان کو دوہری سزا دیجئے اور ان پر بڑی لعنت کیجئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○
بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہمیشہ،
نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

کفار پر اللہ کی لعنت ہونے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ " أَبْعَدَهُمْ "وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا" نَارًا شَدِيدَة يَدْخُلُونَهَا "خَالِدِينَ" مُقَدَّرًا خُلُودهمْ "فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا" يَحْفَظهُمْ عَنْهَا "وَلَا نَصِيرًا" يَدْفَعهَا عَنْهُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے کافروں پر یعنی انہیں دور کر دیا ہے اور اس نے ان کے لئے ''سعیر'' تیار کیا ہے یعنی شدید آگ جس میں وہ داخل ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کا ہمیشہ رہنا طے شدہ ہے' اس میں ابد تک' اور وہ نہیں پائیں گے کوئی مددگار جو اس (آگ) سے ان کی حفاظت کرے اور نہ ہی نصیر جو اس (آگ) کو ان سے دور کر دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس دن جہنم کو اس طرح لایا جائے کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اس کو کھینچ رہے ہوں گے۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور ثوری کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے مرفوع نہیں کرتے۔ عبد بن حمید، عبدالملک بن عمرو ابوعامر عقدی، سفیان، علاء بن خالد سے وہ سفیان سے اور وہ علاء سے اسی سند سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں یہ بھی مرفوع نہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 477)

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا
سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ۝
جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے، کہیں گے اے کاش کہ ہم نے اللہ کا کہنا مانا ہوتا اور ہم نے رسول
کا کہنا مانا ہوتا۔ اور کہیں گے اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انھوں نے ہمیں
اصل راہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! انھیں دوگنا عذاب دے اور ان پر لعنت کر، بہت بڑی لعنت۔

جہنم کی آگ میں چہروں کے الٹ پلٹ ہونے کا بیان

"یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهِهِمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یَا" لِلتَّنْبِیهِ "وَقَالُوا" أَیِ الْأَتْبَاعِ مِنْهُمْ "رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا" وَفِی قِرَاءَةِ سَادَاتِنَا جَمْعِ الْجَمْعِ "وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِیلَا" طَرِیقَ الْهُدَی،

"رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ" أَیْ مِثْلَیْ عَذَابِنَا "وَالْعَنْهُمْ" عَذِّبْهُمْ "لَعْنًا كَبِیرًا" عَدَدَهُ وَفِی قِرَاءَةِ بِالْمُوَحَّدَةِ أَیْ عَظِیمًا،

جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ ہوں گے اور وہ کہیں گے' اے کاش! یہ تنبیہ کے لئے ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ہوتی اور ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی ہوتی۔

اور وہ کہیں گے یعنی ان میں سے جو پیروکار ہیں وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں کی اطاعت کی۔ ایک قرات کے مطابق اس لفظ کو "ساداتنا" پڑھا جائے گا یعنی "جمع الجمع" کے طور پر۔ اور اپنے بڑوں کی تو انہوں نے ہمیں راستے سے بھٹکا دیا یعنی ہدایت کے راستے سے۔

اے ہمارے پروردگار! تو انہیں دگنا عذاب دے یعنی ہمارے عذاب کا دو مثل اور تو ان پر لعنت کر یعنی عذاب دے ایسی لعنت جو بکثرت ہو یعنی تعداد کے اعتبار سے اور ایک قرات کے مطابق اسے ایک نکتے کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی عظیم ہو۔

جہنم کی آگ کی سختی کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالمھل کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ یہ تیل

کی تلچھٹ کی طرح ہے۔ جب وہ دوزخی کے قریب کی جائے گی تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 488)

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کو بھوک میں مبتلا کر دیا جائے گا یہاں تک کہ دوسرا عذاب اور بھوک برابر ہو جائیں گے۔ تو وہ لوگ فریاد کریں گے۔ چنانچہ انہیں ضریع (کانٹے دار نباتات) کھانے کے لئے دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا اور نہ ہی بھوک کو ختم کرے گا۔ وہ دوبارہ کھانے کے لئے کچھ مانگیں گے تو انہیں ایسا کھانا دیا جائے جو گلے میں اٹکنے والا ہوگا۔ وہ لوگ یاد کریں گے کہ دنیا میں اٹکے ہوئے نوالے پر پانی پیا کرتے تھے اور پانی مانگیں گے تو لوہے کے کانٹوں کے ساتھ گرم پانی ان کی طرف پھینکا جائے گا۔ جب وہ ان کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ انہیں بھون دے گا اور جب پیٹ میں داخل ہوگا تو سب کچھ کاٹ کر رکھ دے گا۔ وہ کہیں گے کہ جہنم کے دربانوں کو بلاؤ۔ وہ جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں! دربان کہیں گے تو پھر پکارو اور کافروں کی پکار صرف گمراہی میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں پھر وہ کہیں گے کہ مالک (داروغہ جہنم) کو پکارو۔ پھر وہ پکاریں گے اے مالک! تمہارے رب کو چاہئے کہ ہمارا فیصلہ کر دے۔ مالک ان کو جواب دے گا کہ تمہارا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اعمش کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ ان کی پکار اور مالک کے جواب کے درمیان ایک ہزار سال کی مدت ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ لوگ کہیں گے کہ اپنے رب کو بلاؤ اس لئے کہ اس سے کوئی جبر نہیں۔ پس وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدقسمتی غالب آ گئی اور ہم گمراہ ہو گئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اس سے نجات دے۔ اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو بے شک ظالم ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا دور ہو جاؤ اور اسی میں ذلت کے ساتھ رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ چیخیں گے اور حسرت وافسوس کریں گے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس حدیث کو مرفوع نہیں بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اعمش سے بواسطہ شمر بن عطیہ، شمر بن حوشب اور ام درداء و حضرت ابودرداء کا قول منقول ہے اور مرفوع نہیں ہے۔ قطبہ بن عبدالعزیز محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 492)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ
اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (گستاخانہ کلمات کے ذریعے)
اذیت پہنچائی، پس اللہ نے انھیں ان باتوں سے بے عیب ثابت کر دیا جو وہ کہتے تھے، اور وہ (موسیٰ علیہ السلام)
اللہ کے ہاں بڑی قدر و منزلت والے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا" مَعَ نَبِيِّكُمْ "كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى" بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا : مَا يَمْنَعهُ أَنْ يَغْتَسِل

مَعَنَا إِلَّا أَنَّهُ آدر "فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا" بِأَنْ وَضَعَ ثَوْبه عَلَى حَجَر لِيَغْتَسِل فَفَرَّ الْحَجَر بِهِ حَتَّى وَقَفَ بَيْن مَلَأ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيل فَأَدْرَكَهُ مُوسَى فَأَخَذَ ثَوْبه فَاسْتَتَرَ بِهِ فَرَأَوْهُ وَلَا أُدْرَة بِهِ وَهِيَ نَفْخَة فِي الْخُصْيَة "وَكَانَ عِنْد اللَّه وَجِيهًا" ذَا جَاه : وَمِمَّا أُوذِيَ بِهِ نَبِيّنَا صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَسَم قَسْمًا فَقَالَ رَجُل هَذِهِ قِسْمَة مَا أُرِيد بِهَا وَجْه اللَّه تَعَالَى فَغَضِبَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ وَقَالَ : (يَرْحَم اللَّه مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَر مِنْ هَذَا فَصَبَرَ) رَوَاهُ الْبُخَارِيّ

اے ایمان والو! تم نہ ہو جانا یعنی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان لوگوں کی مانند جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی مثلاً یہ کہہ کر یہ ہمارے ساتھ غسل اس لئے نہیں کرتے کیونکہ ان کے خصیوں میں عیب ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس چیز سے بری ظاہر کر دیا جو انہوں نے کہی یعنی انہوں نے اپنے کپڑے غسل کرنے سے پہلے ایک پتھر پر رکھے تو وہ پتھر انہیں لے کر دوڑ پڑا اور بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے درمیان آ کر ٹھہر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تک پہنچے اور اپنے کپڑے پکڑ کر اپنی پردہ پوشی کی۔ اس دوران ان لوگوں نے انہیں دیکھ لیا کہ انہیں ''ادرت'' کی بیماری نہیں ہے۔ یہ خصیے پھولنے کو کہتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجیہہ ہیں یعنی وقار کے مالک ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیت پہنچائی گئی ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص بولا: اس تقسیم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر غضبناک ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انہیں اس سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی لیکن انہوں نے صبر سے کام لیا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

سورہ احزاب کی آیت ۶۹ تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء والے اور پردہ پوش (یعنی پردہ کرنے والے) تھے ان کی شرم کی وجہ سے ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں بنو اسرائیل کے کچھ لوگوں نے تکلیف پہنچائی۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ اپنے بدن کو اس لئے ڈھانپے رکھتے ہیں کہ ان کی جلد میں کوئی عیب ہے۔ یا تو برص کے ہیں یا ان کے خصیے بڑے ہیں، یا پھر کوئی اور عیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عیب سے بری کریں۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ غسل کرنے لگے اور اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ کر غسل کرنے لگے۔ جب غسل کر کے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کے لئے پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا لیا اور اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہنے لگے اے پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے پاس پہنچ گیا اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھ لیا کہ وہ صورت و شکل میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں بری کر دیا اور پتھر بھی رک

گیا۔ پھر انہوں نے اپنے کپڑے لئے اور پہن کر عصا سے اسے مارنے لگے، اللہ قسم! ان کی مار سے پتھر پر تین یا چار نشان پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَکُونُوا کَالَّذِیْنَ آذَوْا مُوسٰی فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْھًا لآیه، اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک بڑے معزز تھے۔ الاحزاب،) یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے واسطے سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1169)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا٥
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور صحیح اور سیدھی بات کہا کرو۔

تقویٰ اور سیدھی بات اختیار کرنے کا بیان

"یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِیْدًا" صَوَابًا

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی یعنی درست بات کرو۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کی ہدایت کرتا ہے ان سے فرماتا ہے کہ اس طرح وہ اس کی عبادت کریں کہ گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور بات بالکل صاف، سیدھی، سچی، اچھی بولا کریں، جب وہ دل میں تقویٰ، زبان پر سچائی اختیار کر لیں گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ انہیں اعمال صالحہ کی توفیق دے گا اور ان کے تمام اگلے گناہ معاف فرما دے گا بلکہ آئندہ کیلئے بھی انہیں استغفار کی توفیق دے گا تاکہ گناہ باقی نہ رہیں۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار اور سچے کامیاب ہیں جہنم سے دور اور جنت سے سرفراز ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز کے بعد مردوں کی طرف متوجہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے اور سیدھی بات بولنے کا حکم دوں۔ پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر بھی یہی فرمایا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ احزاب، بیروت)

یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا٥
وہ تمہارے لیے تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول
کی فرماں برداری کرے تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کر لی، بہت بڑی کامیابی۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا بیان

"یُصْلِحْ لَکُمْ أَعْمَالَکُمْ" یَتَقَبَّلُهَا "وَیَغْفِر لَکُمْ ذُنُوبَکُمْ وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوله فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیمًا" نَالَ غَایَة مَطْلُوبَة

وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو درست کر دے گا یعنی انہیں قبول کر لے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دے گا

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرے تو اس نے بڑی کامیابی کو حاصل کر لیا یعنی مطلوب کی انتہا تک پہنچ گیا۔

اعمال کی اصلاح کرنے کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔تم امعہ نہ ہو یعنی یہ نہ کہو کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ ظلم کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے بلکہ تم اپنے آپ کو اس امر پر قائم رکھو کہ اگر لوگ بھلائی کریں تو تم بھی بھلائی کرو اور اگر لوگ برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا۔(مشکوۃ شریف:جلد چہارم:حدیث نمبر1053)

اِمَّعَہ اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی کوئی رائے اور عقل نہ رکھتا ہو اور بے سمجھے بوجھے دوسروں کی رائے اور دوسروں کے کہنے پر چلتا ہو۔یہاں حدیث میں اس لفظ سے وہ شخص مراد ہے جو یہ کہے کہ لوگ جیسا سلوک میرے ساتھ کریں گے ویسا ہی سلوک میں بھی ان کے ساتھ کروں گا،اگر وہ میرے ساتھ بھلائی کریں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بھلائی کروں گا اور اگر وہ میرے ساتھ برائی کریں گے تو میں بھی ان کے ساتھ برائی کروں گا،چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایسے آدمی مت بنو،کیونکہ یہ دین ودانش کے خلاف بات ہے بھلائی کا بدلہ بھلائی تو ہے ہی لیکن برائی کا بادلہ بھی بھلائی ہی کو قرار دو۔جو شخص تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کر کے گویا اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو کیونکہ انتقاما بھی ظلم اور برائی کی راہ کو ترک کرنا احسان ہے۔لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ "اگر لوگ برائی کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو" سے مراد یہ ہو کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ برائی کرے تو تم اس کے مقابلہ میں حد سے تجاوز نہ کرو بلکہ اعتدال کی حد میں رہتے ہوئے اس سے بدلہ لو،جیسا کہ مشروع ہے۔یا برائی کرنے والوں سے بدلہ لینے ہی پر اپنے آپ کو پابند نہ بناؤ بلکہ ان کے ساتھ عفو درگزر کا معاملہ بھی کرو۔اور یا برائی کا بادلہ بھلائی کو قرار دے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کرو۔واضح رہے کہ ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت وہ ہے جس کو عام مسلمانوں کے مطابق قرار دیا جاسکتا ہے دوسری صورت کا تعلق ان مسلمانوں سے ہے جن کا شمار خواص میں ہوتا ہے اور تیسری صورت جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے،ان مسلمانوں سے متعلق ہے جن کو اخص الخواص کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں بڑی عارفانہ بات کہی ہے،وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی محبت کو پہچاننے کا معیار یہ چار چیزیں ہیں:ا۔جس شخص پر دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے وہ لوگوں کو بلاوجہ ایذاء پہنچاتا اور بغیر کسی پیش آمدہ معاملہ کے ان کے ساتھ برائی کرتا ہے۔۲۔جو شخص دنیا کی محبت میں اس درجہ مبتلا نہیں ہوتا وہ کسی کو ایذاء پہنچانے میں ابتداء نہیں کرتا،البتہ جب کوئی شخص اس کو ایذاء پہنچاتا ہے تو وہ حد سے تجاوز کئے بغیر اس کو اسی قدر ایذاء پہنچاتا ہے جس کو شریعت نے بدلہ کے طور جائز رکھا ہے۔۳۔جس کی آخرت کی محبت قوی ہوتی ہے اور دنیا کی محبت ضعف تو وہ اس شخص کے ساتھ عفو درگزر کرتا ہے جو اس پر ظلم کرتا ہے۔ ۴۔جس شخص کی آخرت کی محبت زیادہ قوی ہوتی ہے وہ ظلم کے مقابلہ پر احسان کرتا ہے۔اور یہ وہ درجہ ہے جو صدیقین اور مقربین کو حاصل ہوتا ہے۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝
بیشک ہم نے (اطاعت کی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس (بوجھ) کے اٹھانے
سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا، بیشک وہ (اپنی جان پر) بڑی زیادتی کرنے والا
(ادائیگی امانت میں کوتاہی کے انجام سے) بڑا بے خبر و نادان ہے۔

احکام تکلیفیہ کی امانت کا پہاڑوں پر پیش کیے جانے کا بیان

"إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ" الصَّلَوَات وَغَيْرهَا مِمَّا فِي فِعْلهَا مِنْ الثَّوَاب وَتَرْكهَا مِنْ الْعِقَاب "عَلَى السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَالْجِبَال" بِأَنْ خَلَقَ فِيهِمَا فَهْمًا وَنُطْقًا "فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ" خِفْنَ "مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَان" آدَم بَعْد عَرْضهَا عَلَيْهِ "إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا" لِنَفْسِهِ بِمَا حَمَلَهُ "جَهُولًا" بِهِ،

بے شک ہم نے اس امانت کو یعنی نمازوں اور ان کے علاوہ دیگر اعمال کو، جنہیں کرنے پر ثواب ملتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب ہوتا ہے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا یعنی ان میں شعور اور گویائی پیدا کی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ ڈر گئے یعنی خوف زدہ ہو گئے اس سے اور انسان سے اسے اٹھالیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے جب اسے ان کے سامنے پیش کیا گیا بے شک وہ (یعنی انسان) ظالم ہے یعنی اپنے آپ کے لئے، اسے اٹھانے کے حوالے سے، اور ناواقف ہے، اس حوالے سے۔

زمین و آسمان اور پہاڑوں کا احکام تکلیفیہ کی امانت کو نہ اٹھا سکنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امانت سے مراد یہاں اطاعت ہے۔ اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا گیا لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو انکار کر رہے ہیں۔ تم کہو آپ نے پوچھا اللہ اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجالاؤ گے ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھا بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے اللہ کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں۔ لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھالیا۔ آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔

حضرت ابی کا بیان ہے کہ عورت کی پاکدامنی بھی اللہ کی امانت ہے۔ قتادہ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ کی امانت ہیں

جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔ زید بن اسلام فرماتے ہیں تین چیزیں اللہ کی امانت ہیں غسل جنابت، روزہ اور نماز۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں سب کی سب امانت میں داخل ہیں۔ تمام احکام بجالانے تمام ممنوعات سے پرہیز کرنے کا انسان مکلف ہے۔ جو بجالائے گا ثواب پائے گا جہاں گناہ کرے گا سزا پائے گا۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی، زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے اللہ کی امانت برداشت نہ کرسکا جب اس نے یہ معلوم کرلیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین صلاحیت کے باوجود اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈرگئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے۔ اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔

مقاتل فرماتے ہیں پہلے آسمانوں نے جواب دیا اور کہا یوں تو ہم مطیع ہیں لیکن ہاں ہمارے بس کی یہ بات نہیں کیونکہ عدم بجا آوری کی صورت میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ پھر زمین سے کہا گیا کہ اگر پوری اتری تو فضل و کرم سے نوازدوں گا۔ لیکن اس نے کہا یوں تو ہر طرح طابع فرمان ہو جو فرمایا جائے عمل کروں لیکن میری وسعت سے تو یہ باہر ہے۔ پھر پہاڑوں سے کہا گیا انہوں نے بھی جواب دیا کہ نافرمانی تو ہم کرنے کے نہیں امانت ڈال دی جائے تو اٹھالیں گے لیکن یہ بس کی بات نہیں ہمیں معاف فرمایا جائے۔

پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا گیا انہوں نے کہا اے اللہ اگر پورا اتروں تو کیا ملے گا؟ فرمایا بڑی بزرگی ہوگی جنت ملے گی رحم وکرم ہوگا اور اگر اطاعت نہ کی نافرمانی کی تو پھر سخت سزا ہوگی اور آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے انہوں نے کہا یا اللہ منظور ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں آسمان نے کہا میں نے ستاروں کو جگہ دی فرشتوں کو اٹھالیا لیکن یہ نہیں اٹھاسکوں گا یہ تو فرائض کا بوجھ ہے جس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ زمین نے کہا مجھ میں تو نے درخت بوئے دریا جاری کئے۔ لوگوں کو بسائے گا لیکن یہ امانت تو میرے بس کی نہیں۔ میں فرض کی پابند ہوکر ثواب کی امید پر عذاب کے احتمال کو نہیں اٹھاسکتی۔ پہاڑوں نے بھی یہی کہا لیکن انسان نے لپک کر اسے اٹھالیا۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک وہ گریہ زاری کرتے رہے اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے رہے لیکن انسان نے اسے اپنے ذمے لے لیا۔ اللہ نے اسے فرمایا اب سن اگر تو نیک نیت رہا تو میری امانت ہمیشہ تیرے شامل حال رہنے گی تیری آنکھوں پر میں دو پلکیں کردیتا ہوں کہ میری ناراضگی کی چیزوں سے تو انہیں بند کرلے۔ میں تیری زبان پر دو ہونٹ بنادیتا ہوں کہ جب وہ مرضی کے خلاف بولنا چاہے تو تو اسے بند کرلے۔ تیری شرمگاہ کی حفاظت کیلئے میں لباس اتارتا ہوں کہ میری مرضی کے خلاف تو اسے نہ کھولے۔ زمین وآسمان نے ثواب وعذاب سے انکار کردیا اور فرمانبرداری میں مسخر رہے لیکن انسانوں نے اسے اٹھالیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ امانت اور وفا انسانوں پر نبیوں کی معرفت نازل ہوئیں۔ اللہ کا کلام ان کی زبانوں میں اترا نبیوں کی سنتوں سے انہوں نے ہر بھلائی برائی معلوم کرلی۔ ہر شخص نیکی بدی کو جان گیا۔ یاد رکھو! سب سے پہلے لوگوں میں امانت داری تھی

پھر وفا اور عہد کی نگہبانی اور ذمہ داری کو پورا کرتا تھا۔امانت داری کے دھندلے سے نشان لوگوں کے دلوں پر رہ گئے۔کتابیں ان کے ہاتھوں میں ہیں۔عالم عمل کرتے ہیں جاہل جانتے ہیں لیکن انجان بن رہے ہیں اب یہ امانت و وفا مجھ تک اور میری امت تک پہنچی۔ یاد رکھو اللہ اسی کو ہلاک کرتا ہے جو اپنے آپ کو ہلاک کرلے۔اسے چھوڑ کر غفلت میں پڑ جائے۔لوگو! ہوشیار رہو اپنے آپ پر نظر رکھو۔شیطانی وسوسوں سے بچو۔اللہ تمہیں آزمارہا ہے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص ایمان کے ساتھ ان چیزوں کو لائے گا جنت میں جائے گا۔پانچوں وقتوں کی نماز کی حفاظت کرتا ہو،وضو،رکوع،سجدہ اور وقت سجدہ اور وقت سمیت زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔دل کی خوشی کے ساتھ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہو۔سنو واللہ یہ بغیر ایمان کے ہو ہی نہیں سکتا اور امانت کو ادا کرے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ امانت کی ادائیگی سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جنابت کا فرضی غسل۔پس اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اپنے دین میں سے کسی چیز کی اس کے سوا امانت نہیں دی۔

تفسیر ابن جریر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کی راہ کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے مگر امانت کی خیانت کو نہیں مٹاتا ان خائنوں سے قیامت کے دن کہا جائے گا جاؤ ان کی امانتیں ادا کرو یہ جواب دیں گے اللہ کہاں سے ادا کریں؟ دنیا تو جاتی رہی تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوگا پھر حکم ہوگا کہ انہیں ان کی ماں ہاویہ میں لے جاؤ۔فرشتے دھکے دیتے ہوئے گرادیں گے۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائیں گے تو انہیں اسی امانت کی ہم شکل جہنم کی آگ کی چیز نظر پڑے گی۔یہ اسے لے کر اوپر کو چڑھیں گے جب کنارے تک پہنچیں گے تو وہاں پاؤں پھسل جائے گا۔پھر گر پڑیں گے اور جہنم کے نیچے تک گرتے چلے جائیں گے۔پھر لائیں گے پھر گریں گے ہمیشہ اسی عذاب میں رہیں گے۔امانت وضو میں بھی ہے۔نماز میں بھی امانت بات چیت میں بھی ہے اور ان سب سے زیادہ امانت ان چیزوں میں ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائیں۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کیا حدیث بیان فرما رہے ہیں؟ تو آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہا ہاں ٹھیک ہے۔حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سنی ہیں۔ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا مجھے انتظار ہے ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی پھر قرآن اترا احادیثیں بیان ہوئیں۔پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کی بابت فرمایا انسان سوئے گا جو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھک کر آ گیا ہو اور پھپھولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فروخت کیا کریں گے۔لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا۔یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے۔اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقلمند،کس قدر زیرک،دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دیکھو اس سے پہلے تو میں ہر ایک سے ادھار سدھار کر لیا کرتا تھا کیونکہ اگر وہ مسلمان ہے تو وہ خود میرا حق مجھے دے جائے گا اور اگر یہودی یا نصرانی ہے تو حکومت اسلام مجھے اس سے دلوا دے گی۔ لیکن اب تو صرف فلاں فلاں کو ہی ادھار دیتا ہوں باقی بند کر دیا ہے۔ (مسلم وغیرہ)

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ چار باتیں تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں۔ امانت کی حفاظت، بات چیت کی صداقت، حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کی کتاب الزہد میں ہے کہ جبلہ بن سحیم حضرت زیاد کے ساتھ تھے اتفاق سے ان کے منہ سے باتوں ہی باتوں میں نکل گیا قسم ہے امانت کی۔ اس پر حضرت زیاد رونے لگے اور بہت روئے۔ میں ڈر گیا کہ مجھ سے کوئی سخت گناہ سرزد ہوا۔ میں نے کہا کیا وہ اسے مکروہ جانتے تھے فرمایا ہاں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بہت مکروہ جانتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں جو امانت کی قسم کھائے، امانتداری جو حضرت آدم علیہ السلام نے کی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ منافق مرد و عورت اور مشرک مرد و عورت یعنی وہ جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر تھے اور وہ جو اندر باہر یکساں کافر تھے انہیں تو سخت سزا ملے اور مومن مرد و عورت پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔ جو اللہ کو اس کے فرشتوں کو اس کے رسولوں کو مانتے تھے اور اللہ کے سچے فرمانبردار رہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ احزاب، بیروت)

حضرت علی المرتضیٰ کا وقت نماز رنگ متغیر ہو جانے کا بیان

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ اثر منقول ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ لوگوں نے پوچھا کہ امیر المومنین! آپ کی یہ کیا حالت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اب اس امانت (یہ اشارہ ہے اس آیت قرآنی کی طرف: آیت (اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا، الاحزاب:72) کا وقت آ گیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، پہاڑوں اور زمین پر پیش فرمایا تھا اور وہ سب اس امانت کے لینے سے ڈر گئے اور انکار کر دیا۔ (احیاء العلوم)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۠
تا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں
اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

منافق و مشرک مرد و خواتین کو عذاب دیئے جانے کا بیان

"لِيُعَذِّبَ اللّٰه" اللَّام مُتَعَلِّقَة بِعَرَضْنَا الْمُتَرَتِّب عَلَيْهِ حَمْل آدَم "الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَات وَالْمُشْرِكِينَ

وَالْمُشْرِكَات" الْمُضَيِّعِينَ الْأَمَانَة "وَيَتُوب اللّٰه عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَات" الْمُؤَدِّينَ الْأَمَانَة "وَكَانَ اللّٰه غَفُورًا" لِلْمُؤْمِنِينَ "رَحِيمًا" بِهِمْ،

تا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دے، یہاں پر ''ل'' لفظ ''عرضنا'' سے متعلق ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام کا (اس بوجھ کو) اٹھانا مترتب ہے۔ منافق مردوں، منافق عورتوں، مشرک مردوں، مشرک عورتوں کو (عذاب دے) جنہوں نے اس امانت کو ضائع کیا اور وہ کرم کرے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر جنہوں نے امانت کو ادا کیا اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے یعنی مومنین کی اور رحم کرنے والا ہے یعنی ان پر۔

کہا گیا کہ معنی یہ ہیں کہ ہم نے امانت پیش کی تا کہ منافقین کا نفاق اور مشرکین کا شرک ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ انہیں عذاب فرمائے اور مومنین جو امانت کے ادا کرنے والے ہیں ان کے ایمان کا اظہار ہو اور تبارک وتعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے اور ان پر رحمت و مغفرت کرے اگر چہ ان سے بعض طاعات میں کچھ تقصیر بھی ہوئی ہو۔ (تفسیر خازن، سورہ احزاب، بیروت)

سورہ الاحزاب کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الاحزاب کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃ سَبَا

یہ قرآن مجید کی سورت سبأ ہے

سورہ سبا کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ سَبَا (مَکِّیَّۃ إِلَّا آیَۃ 2 فَمَدَنِیَّۃ وَآیَاتُھَا 54 أَوْ 55 آیَۃ نَزَلَتْ بَعْدَ لُقْمَان)

سورہ سبا مکیہ ہے سوائے آیت (وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَیَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اس میں چھ ۶ رکوع ۵۴ آیات اور آٹھ سو تینتیس کلمے، ایک ہزار پانچ سو بارہ حروف ہیں۔اور یہ سورت لقمان کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ سبأ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں قوم سبا کا بیان آیا ہے کہ انہیں نعمتوں سے مالا مال کیا گیا تو انہوں نے ان نعمتوں کا شکرادا کرنے کے بہ جائے تکبر وغرور اور سرکشی کی جس کی وجہ سے ان سے نعمتوں کو سلب کرلیا گیا۔اسی قوم کے واقعات کے سبب اس سورت کا نام سبا معروف ہے۔

عرب کے ایک آدمی کا نام سبأ ہونے کا بیان

حضرت عروہ بن مسیک مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا میں اپنی قوم کے اسلام قبول کرنے والے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں سے جنگ نہ کروں جو اسلام سے منہ موڑیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی اجازت دے دی اور مجھے اپنی قوم کا امیر بنا دیا۔پھر جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ غطیفی نے کیا کہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ وہ چلا گیا ہے۔راوی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس بلوایا۔جب آپ صلی اللہ کے پاس پہنچا تو کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیٹھے ہوئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔جو لوگ اسلام لے آئیں انہیں قبول کرلو اور جو نہ لائیں ان کے متعلق جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ میں دوسرا حکم دوں۔راوی کہتے ہیں کہ سباء کی کیفیت اس وقت نازل ہو چکی تھی۔ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ سبا کیا چیز ہے؟ عورت یا کوئی زمین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ زمین اور نہ عورت بلکہ یہ

عرب کا ایک آدمی ہے جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ کو (اس نے) مبارک جانا اور چار کو منحوس، جنہیں منحوس جانا وہ یہ ہیں ازد، اشعری، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار۔ ایک شخص نے پوچھا انمار کون سا قبیلہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1170)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ
فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ○
سب خوبیاں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے اور آخرت میں بھی
سب تعریف اسی کے لیے ہے اور وہی کمال حکمت والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

دنیا و آخرت میں حمد کا اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا بیان

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" حَمِدَ تَعَالٰى نَفْسه بِذٰلِكَ وَالْمُرَاد بِهِ الثَّنَاء بِمَضْمُوْنِهِ مِنْ ثُبُوت الْحَمْد وَهُوَ الْوَصْف بِالْجَمِيْلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى "الَّذِیْ لَهُ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْاَرْض" مُلْكًا وَخَلْقًا "وَلَهُ الْحَمْد فِی الْاٰخِرَة" كَالدُّنْيَا يَحْمَدهُ اَوْلِيَاؤُهُ اِذَا دَخَلُوْا الْجَنَّة "وَهُوَ الْحَكِيْم" فِیْ فِعْله "الْخَبِيْر" فِیْ خَلْقه

سب خوبیاں اس اللہ کے لیے ہیں اس کلام سے اللہ تعالیٰ نے حمد فرمائی ہے جبکہ مراد ثناء ہے جو ثبوت حمد کے مضامین میں سے ہے اور وہ وصف جمیل ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں بادشاہت اور مخلوق ہے اسی کا ہے اور آخرت میں بھی سب تعریف اسی کے لیے ہے جس طرح دنیا میں اس کے اولیاء اس کی تعریف کرتے ہیں جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تب بھی ویسے ہی تعریف کریں گے۔ اور وہی اپنے فعل میں کمال حکمت والا، اپنی مخلوق کی خبر رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حمد (خدا کی تعریف) شکر کا سر ہے جس بندہ نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا کامل شکر ادا نہیں کیا۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 837)

حمد یعنی اللہ کی تعریف زبان سے ہوتی ہے اور شکر زبان و دل اور اعضاء سے ہوتا ہے لہٰذا اللہ کی تعریف اللہ کے شکر کی ایک شاخ ہے۔ حمد کو شکر کا سر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ زبان کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی تعریف زبان ہی سے خوب بیان ہوتی ہے اور پھر یہ کہ زبان چونکہ تمام اعضاء کی نائب ہے اس لئے حمد بھی گویا اجمالا شکر ہے اور مفصل شکر کا جزو اعظم ہے اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ جس بندہ نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا بھی ادا نہیں کیا اس بات میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے باطن کی صفائی و تزکیہ کے ساتھ ساتھ اپنے ظاہری احوال کی محافظت بھی کرے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے

راضی وخوش ہوتا ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے اور اس پر اللہ کی حمد ثنا کرے یا ایک مرتبہ پیے اور اس پر اللہ کی حمد وثنا کرے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 136)

حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا ہے یا کوئی چیز پیتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس کی حمد وثنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے بہت خوش ہوتا ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝
وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے
اور وہی نہایت رحم والا، بے حد بخشنے والا ہے۔

زمین وآسمان سے خروج ودخول والی چیزوں کے علم کا بیان

"یَعْلَم مَا یَلِج" یَدْخُل "فِی الْاَرْض" کَمَاءٍ وَغَیْره "وَمَا یَنْزِل مِنْ السَّمَاء" مِنْ رِزْق وَغَیْره "وَمَا یَعْرُج" یَصْعَد "فِیهَا" مِنْ عَمَل وَغَیْره "وَهُوَ الرَّحِیم" بِأَوْلِیَائِهِ "الْغَفُور" لَهُمْ،

وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے جس طرح پانی وغیرہ ہے۔ اور جو آسمان سے اترتا ہے جو رزق وغیرہ ہے۔ اور جو اس میں چڑھتا ہے جس طرح عمل وغیرہ ہے۔ اور وہ اپنے اولیاء کے ساتھ نہایت رحم والا، انہیں بخشنے والا ہے۔

یعنی آسمان وزمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے۔ مثلاً جانور کیڑے مکوڑے نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش، اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع وجزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔

زمین میں داخل ہونے والی چیزیں یہ ہیں: ہر قسم کی نباتات کے بیج، بارش کا پانی، تمام جانوروں کے مردہ اجسام۔ اور حشرات الارض وغیرہ اور زمین سے نکلنے والی چیزیں مثلاً کھیتی، پودے، درخت، معدنیات۔ کئی قسم کے تیل اور گیسیں وغیرہ اور آسمان سے اترنے والی چیزیں مثلاً بارش اللہ کی رحمت وبرکت، وحی الٰہی، فرشتے وغیرہ اور جو آسمان کی طرف چڑھنے والی چیزیں مثلاً دعا، فرشتے، انسانوں کے اعمال وغیرہ ان سب انواع اور ان کی جزئیات سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَ رَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ
مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ فرمادیں: کیوں نہیں؟ میرے عالم الغیب رب کی قسم!
وہ تم پر ضرور آئے گی، اس سے نہ آسمانوں میں ذرہ بھر کوئی چیز غائب ہو سکتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے
کوئی چھوٹی اور نہ بڑی مگر روشن کتاب میں ہے۔

قیامت کے دن کا انکار کرنے والے کفار کا بیان

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ " الْقِيَامَة "قُلْ" لَهُمْ "بَلَى وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ" بِالْجَرِّ صِفَة وَالرَّفْع خَبَر مُبْتَدَأ وَعَلَّام بِالْجَرِّ "لَا يَعْزُب" يَغِيب "عَنْهُ مِثْقَال" وَزْن "ذَرَّة" أَصْغَر نَمْلَة "فِي السَّمَوَات وَلَا فِي الْأَرْض وَلَا أَصْغَر مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَر إِلَّا فِي كِتَاب مُبِين" بَيِّن هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ حَسَن فِي الْجَنَّة،

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی، آپ ان سے فرمادیں: کیوں نہیں؟ میرے عالم الغیب رب کی قسم! وہ تم پر ضرور آئے گی، یہاں پر لفظ عالم جر کے ساتھ بھی آیا ہے جب صفت ہو اور مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی آیا ہے۔ اور یہ لفظ علام جر کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس سے نہ آسمانوں میں ذرّہ (ذرہ چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں) بھر کوئی چیز غائب ہو سکتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ کہ اچھا صلہ جنت ہے۔

قیامت کی بعض نشانیوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے اور جب زکوۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے اور جب قوم و جماعت کی سرداری، اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم و جماعت کے زعیم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور رذیل شخص ہونے لگیں۔

اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو سرخ یعنی تیز وتند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے (مثلاً موتیوں کی) لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 15)

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○
وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ○
تا کہ اللہ ان لوگوں کو پورا بدلہ عطا فرمائے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور بزرگی والا
رزق ہے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی عاجز کرنے کے زعم میں انہی لوگوں کے لئے سخت دردناک عذاب کی سزا ہے۔

ایمان و نیک اعمال والوں کیلئے رزق کریم ہونے کا بیان

"لِيَجْزِيَ" فِيهَا "الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَة وَرِزْق كَرِيم" حَسَن فِي الْجَنَّة،

"وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي" إبْطَال "آيَاتنَا" الْقُرْآن "مُعْجِزِينَ" وَفِي قِرَاءَة هُنَا وَفِيمَا يَأْتِي مُعَاجِزِينَ أَيْ مُقَدِّرِينَ عَجْزنَا أَوْ مُسَابِقِينَ لَنَا فَيَفُوتُونَا لِظَنِّهِمْ أَنْ لَا بَعْث وَلَا عِقَاب "أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَاب مِنْ رِجْز" سَيِّء الْعَذَاب "أَلِيم" مُؤْلِم بِالْجَرِّ وَالرَّفْع صِفَة لِرِجْزٍ أَوْ عَذَاب،

تا کہ اللہ ان لوگوں کو پورا بدلہ عطا فرمائے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے بخشش اور بزرگی والا اخروی رزق ہے۔ جو جنت میں ہے۔ اور جنہوں نے ہماری آیات یعنی قرآن کو مٹانے کی کوشش کی، ہمیں عاجز کرنے کے زعم میں، یہاں ایک قرأت کے مطابق معاجزین آیا ہے یعنی وہ ہمیں عاجز کرنے کا گمان کرتے ہوئے یا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے کہ کوئی بعث و عذاب نہیں ہوگا۔ انہی لوگوں کے لئے سخت دردناک عذاب یعنی بدتر عذاب کی سزا ہے۔ یہاں پر لفظ اَلیم یہ مجرور اور مرفوع بھی آیا ہے یعنی یا تو رجز کی صفت ہے یا عذاب کی صفت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندہ کے عزیز و محبوب کو جو اہل دنیا سے اٹھالیتا ہوں اور وہ بندہ اس پر ثواب کا طلبگار رہتا ہے (یعنی صبر کرتا ہے) تو میرے پاس اس کے لئے جنت سے بہتر کوئی جزاء نہیں ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 220)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا اہل دنیا میں سے کوئی عزیز محبوب جیسے اولاد باپ ماں یا ان کے علاوہ کوئی بھی ایسا شخص جسے وہ عزیز و محبوب رکھتا تھا انتقال کر جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے اس صبر کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔ اہل دنیا، کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر اہل آخرت میں سے کوئی عزیز و محبوب مر جائے اور اس پر صبر کیا جائے تو اس سے بھی بڑی سعادت ملتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہو جانا اس کے حق میں دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی فضیلت ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○

اور وہ لوگ جنھیں علم دیا گیا ہے، دیکھتے ہیں کہ جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے
اور وہ اس کا راستہ دکھاتا ہے جو سب پر غالب ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔

اہل علم کا حق کو قبول کر لینے کا بیان

"وَيَرَى" يَعْلَم "الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم" مُؤْمِنُو أَهْل الْكِتَاب كَعَبْدِ اللَّه بْن سَلَّام وَأَصْحَابه "الَّذِي أُنْزِلَ إلَيْك مِنْ رَبّك" أَيْ الْقُرْآن "هُوَ" ضَمِير فَصْل "الْحَقّ وَيَهْدِي إلَى صِرَاط" طَرِيق "الْعَزِيز الْحَمِيد" أَيْ اللَّه ذِي الْعِزَّة الْمَحْمُود،

اور وہ لوگ جنھیں علم دیا گیا ہے، یعنی اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے جس طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اوران کے اصحاب تھے۔ دیکھتے ہیں کہ جو آپ طرف آپ رب کی جانب سے قرآن نازل کیا گیا ہے۔ یہاں پر ھوضمیر برائے فصل ہے۔ وہی حق ہے اور وہ اس کا راستہ دکھاتا ہے جو سب پر غالب ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔ یعنی اللہ عزت محمود والا ہے۔

ہدایت وعلم کی بارش کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس چیز کی مثال جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند سے جو زمین پر بوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کرلیا یعنی اپنے اندر جذب کرلیا، اس سے بہت زیادہ خشک وہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہٰذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 147)

اس میں دو قسم کے آدمی ذکر کیے گیے ہیں ایک تو دین سے فائدہ اٹھانے والے اور دوسرے دین سے فائدہ نہ اٹھانے والے، اسی طرح مثال مذکورہ میں زمین دو قسم کی بیان کی گئی ہے، زمین کی ایک قسم تو وہ ہے جو پانی سے فائدہ اٹھاتی ہے، دوسرے وہ جو پانی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی پھر فائدہ اٹھانے والی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اگانے والی اور دوسری نہ اگانے والی۔ ٹھیک اسی طرح علم دین سے بھی فائدہ اٹھانے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلا وہ آدمی جو عالم بھی ہو اور عابد وفقیہ اور معلم بھی۔ اس پر زمین کے اس ٹکڑے کی مثال صادق آتی ہے جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کرلیا، خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی نفع پہنچایا نیز گھاس بھی اگائی۔ اسی طرح اس آدمی نے علم دین سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی اپنے علم سے مستفیض کیا۔ دوسرا وہ آدمی ہے جو عالم و معلم ہو مگر عابد وفقیہ نہ ہو، نہ تو وہ نوافل وغیرہ میں مشغول ہوا اور نہ اس نے اپنے علم میں تفقہ یعنی سمجھ بوجھ پیدا کی، اس کی مثال زمین

کے اس حصہ کی مانند ہے جس میں پانی جمع ہو گیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یا پھر زمین کا وہ حصہ جس نے پانی کو جذب بھی کیا اور گھاس بھی اگائی وہ مجتہدین کی مثال ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا، پھر بہت سے مسائل کا استنباط کیا اس سے خود بھی منتفع ہوئے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔ اور زمین کے اس حصہ کی مثال جس میں پانی جمع ہوا، محدثین ہیں کہ انہوں نے علم حدیث حاصل کیا اور اس علم کو بعینہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، ان دونوں کے مقابلہ میں تیسرا آدمی وہ ہے جس نے از راہ غرور و تکبر اللہ کے دین کے سامنے اپنی گردن نہیں جھکائی، نہ اس نے علم دین کی طرف کوئی توجہ والتفات کی اور نہ اس نے اللہ اور اللہ کے رسول کے پیغام کو سنا اور نہ اس پر عمل کیا اور نہ علم کی روشنی دوسروں تک پہنچائی، اب چاہے یہ دین محمدی میں داخل ہو یا نہ ہو اور یا کافر ہو، اس کی مثال زمین شور کی ہے کہ جس نے نہ پانی کو قبول کر کے اپنے اندر جذب کیا، نہ پانی کو جمع کیا اور نہ کچھ اگایا۔

یقین کے تین درجے ہیں ۱۔علم الیقین ۲۔عین الیقین ۳۔حق الیقین

علم الیقین کی تعریف

کسی خبر کو سن کر یا دلائل میں غور و فکر کرنے سے جو یقین حاصل ہو، اسے علم الیقین کہتے ہیں۔ جیسے ہم کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر یقین ہے۔

عین الیقین کی تعریف

کسی چیز کو دیکھ کر جو یقین حاصل ہو، اسے عین الیقین کہتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ کی نبوت پر یقین تھا۔

حق الیقین کی تعریف

وہ یقین جو تجربہ سے حاصل ہو، اسے حق الیقین کہتے ہیں جیسے نبی کریم ﷺ کو اپنی نبوت کا یقین تھا۔

علم کی فضیلت کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دو آدمیوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 197)

حسد اسے فرماتے ہیں کہ کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ یہ نعمت میرے پاس آ جائے اور اس کے پاس سے ختم ہو جائے۔" ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت بری خصلت اور انتہائی ذلت نفس کی بات ہے۔ اسلام جو اخلاق، پاکیزگی کا سب سے بڑا علمبردار ہے اس غیر اخلاقی اور ذلیل خصلت کو پسند نہیں کرتا اور اس سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ حسد کے مقابلہ میں غبطہ ہے۔

غبطہ اسے فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو کی جائے کہ جیسی نعمت اس کے پاس ہے اللہ اس نعمت سے مجھے بھی سر فراز فرمائے۔ شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے مگر یہ بھی اچھی باتوں مثلاً نیک اخلاق و عادات، بہترین خصائل اور فضل و کمال کے بارے میں جائز ہے چنانچہ اس حدیث میں جس حسد کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ غبطہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○
اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا کیا ہم تمھیں وہ آدمی بتائیں جو تمھیں خبر دیتا ہے کہ جب تم ٹکڑے ٹکڑے
کردیے جاؤ گے، پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کیا جانا، تو بلاشبہ تم یقیناً بالکل نئی پیدائش میں ہوگے۔

کفار کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کے باوجود دوبارہ زندہ ہونے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" أَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى جِهَةِ التَّعَجُّبِ لِبَعْضٍ "هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ" هُوَ مُحَمَّدٌ "يُنَبِّئُكُمْ" يُخْبِرُكُمْ أَنَّكُمْ "إِذَا مُزِّقْتُمْ" قُطِّعْتُمْ "كُلَّ مُمَزَّقٍ" بِمَعْنَى تَمْزِيقٍ،

اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا یعنی انہوں نے ایک دوسرے سے ازراہ تعجب کہا کیا ہم تمھیں وہ آدمی بتائیں وہ حضرت محمد ﷺ ہیں جو تمھیں خبر دیتا ہے کہ جب تم ٹکڑے ٹکڑے کردیے جاؤ گے، پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کیا جانا، تو بلاشبہ تم یقیناً بالکل نئی پیدائش میں ہوگے۔ یہاں پر لفظ ممزق بہ معنی تمزیق ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہونا ہے۔

یہ کفار منکرین قیامت کا قول نقل کیا گیا ہے، جو بطور تحقیر و استہزاء کے یوں کہا کرتے تھے کہ آؤ ہم تمہیں ایک ایسے عجیب شخص کا پتہ دیں جو یوں کہتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد پھر تمہیں نئی پیدائش دی جائے گی، اور پھر تم اسی شکل وصورت میں تیار ہوکر زندہ کردیئے جاؤ گے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اس شخص سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو قیامت اور اس میں سب مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی تاکید کرتے تھے، اور یہ سب لوگ آپ کو پوری طرح جانتے تھے، مگر یہاں اس انداز سے ذکر کیا کہ گویا یہ آپ کے متعلق اور کچھ نہیں جانتے، بجز اس کے کہ آپ قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ یہ طرز کلام استہزاء و تحقیر کے لئے اختیار کیا تھا۔ اور مزقتم مزق سے مشتق ہے، جس کے معنی چیز نے پھاڑنے اور ٹکڑے کرنے ہیں اور کل ممزق سے مراد بدن انسانی کا ریزہ ریزہ ہوکر الگ ہوجانا ہے، آگے آپ کے قول اور ذکر قیامت کے متعلق اپنے خیال کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔ (تفسیر مدارک معیول، سورہ سبا، بیروت)

أَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ○
کیا اس نے اللہ پر ایک جھوٹ باندھا ہے، یا اسے کچھ جنون ہے؟ بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے
وہ عذاب اور بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔

کفار کا نبی کریم ﷺ کی طرف افتریٰ کی نسبت کرنے کا بیان

"أَفْتَرَى" بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ لِلِاسْتِفْهَامِ وَاسْتُغْنِيَ بِهَا عَنْ هَمْزَةِ الْوَصْلِ "عَلَى اللّٰه كَذِبًا" فِي الْقُرْآن "أَمْ بِهِ جِنَّة" جُنُون تَخَيَّلَ بِهِ ذَلِكَ "بَلْ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ" الْمُشْتَمِلَة عَلَى الْبَعْث وَالْعَذَاب "فِي الْعَذَاب" فِي الْعَذَاب فِي الْآخِرَة "وَالضَّلَال الْبَعِيد" عَنْ الْحَقّ فِي الدُّنْيَا۔

یہاں پر لفظ اَفتریٰ یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ استفہام کیلئے آیا ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے یہ ہمزہ وصلی سے بے پرواہ ہوگیا۔کیا اس نے قرآن میں اللہ پر ایک جھوٹ باندھا ہے، یا اسے کچھ جنون ہے؟ یعنی جنونی خیالات آپ کے ساتھ ہیں۔بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ آخرت بعث وعذاب پر مشتمل ہے۔وہ عذاب اور بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔یعنی دنیا میں حق سے بہت دور ہو چکے ہیں۔

کفار مکہ آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے تھے۔کیونکہ یہ بات ان کے زندگی بھر کے تجربہ کے خلاف تھی۔لیکن وہ آپ کی دعوت کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔رسول اللہ کی دعوت میں تین باتیں تھیں جو انھیں ناگوار تھیں یا جن پر وہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔(۱) وہ اس زمین وآسمان یا کائنات کے فنا ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے۔بالفاظ دیگر وہ قیامت کے قائم ہونے کے قائل نہیں تھے۔(۲) وہ بعث بعد الموت کے بھی قائل نہیں تھے۔یعنی جب انسان مر کر مٹی میں مل کر مٹی بنا جائے تو اس کا دوبارہ جی اٹھنا ان کے خیال کے مطابق ناممکنات سے تھا۔اور (۳) اسی کے نتیجہ میں وہ آخرت کے ثواب وعذاب کے بھی قائل تھے۔لہٰذا وہ اپنی دنیوی زندگی میں احکام الٰہی کا پابند بن جانے کے بجائے آزاد رہنا ہی پسند کرتے تھے۔جب بھی ان لوگوں نے مذاق اڑایا تو انھیں باتوں کا اور ان میں سے بھی پہلی دو باتیں تو وہ اکثر مختلف پیرایوں میں دہراتے رہتے تھے۔اس آیت میں انؐ کے سوال کا انداز تمسخر کا ہے۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس نبی کی یہ دعوت دو ہاتھوں سے خالی نہیں ہوسکتی۔یا تو وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یا پھر اس کی عقل جواب دے گئی ہے۔

جو وہ ایسی عجیب وغریب باتیں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس مقولہ کا رد فرمایا کہ یہ دونوں باتیں نہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں سے مبرّا ہیں۔(تفسیر مدارک جیول، سورہ سبا، بیروت)

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ
اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ٥
تو کیا انھوں نے اس کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان وزمین میں سے ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اگر ہم چاہیں انھیں زمین
میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دیں۔یقیناً اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور ایک نشانی ہے۔

زمین میں دھنسا دینے پر کفار میں عقل آجانے کا بیان

"أَفَلَمْ يَرَوْا" يَنْظُرُوا "إِلَى مَا بَيْن أَيْدِيهمْ وَمَا خَلْفهمْ" مَا فَوْقهمْ وَمَا تَحْتهمْ "مِنْ السَّمَاء وَالْأَرْض

إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا" بِسُكُونِ السِّينِ وَفَتْحِهَا قِطَعًا وَفِي قِرَاءَةٍ فِي الْأَفْعَالِ الثَّلَاثَةِ بِالْيَاءِ "إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَرْئِيِّ "لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ" رَاجِعٍ إِلَى رَبِّهِ تَدُلُّ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ عَلَى الْبَعْثِ وَمَا يَشَاءُ

تو کیا انھوں نے اس کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان وزمین میں سے ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، جو ان کے اوپر ہے اور جو ان کے نیچے ہے۔ اگر ہم چاہیں انھیں زمین میں دھنسا دیں، یا ان پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دیں۔ یہاں پر لفظ کسفا یہ سین کے سکون اور اس کی فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور ایک قرأت میں تینوں افعال یاء کے ساتھ آئے ہیں۔ یقیناً اس میں دیکھنے والے ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور ایک نشانی ہے۔ یعنی جو اپنے رب کی طرف رجوع کرے کیونکہ اس کی دلالت اللہ تعالیٰ کی قدرت علی البعث پر ہے اور جیسے وہ چاہے۔

یعنی کیا وہ اندھے ہیں کہ انہوں نے آسمان وزمین کی طرف نظر ہی نہیں ڈالی اور اپنے آگے پیچھے دیکھا ہی نہیں جو انھیں معلوم ہوتا کہ وہ ہر طرف سے احاطہ میں ہیں اور زمین وآسمان کے اقطار سے باہر نہیں جا سکتے اور ملک خدا سے نہیں نکل سکتے اور انھیں بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں، انہوں نے آیات اور رسول کی تکذیب وانکار کے دہشت انگیز جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے خوف نہ کھایا اور اپنی اس حالت کا خیال کر کے نہ ڈرے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ سبا، لاہور)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑا فضل عطا کیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح کو دہراؤ
اور پرندے بھی اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہے کو نرم کر دینے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُد مِنَّا فَضْلًا" نُبُوَّةً وَكِتَابًا وَقُلْنَا "يَا جِبَالُ أَوِّبِي" رَجِّعِي "مَعَهُ" بِالتَّسْبِيحِ "وَالطَّيْرَ" بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى مَحَلِّ الْجِبَالِ أَيْ وَدَعَوْنَاهَا تُسَبِّحُ مَعَهُ "وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ" فَكَانَ فِي يَدِهِ كَالْعَجِينِ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑا فضل یعنی نبوت اور کتاب عطا کی، اور ہم نے کہا کہ اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح کو دہراؤ اور پرندے بھی، یہاں پر لفظ طیر منصوب ہے کیونکہ محل جبال پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں اس لئے بلایا کہ وہ آپ کے ساتھ تسبیح کریں۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔ یعنی وہ آپ کے ہاتھ میں گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر انعامات الٰہی کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام پر دنیوی اور اخروی رحمت نازل فرمائی۔ نبوت بھی دی بادشاہت بھی دی لاؤ لشکر بھی دیئے طاقت وقوت بھی دی۔ پھر ایک پاکیزہ معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ادھر نغمہ داؤدی ہوا میں گونجا، ادھر پہاڑوں اور پرندوں کو بھی وجد آ گیا۔ پہاڑوں نے آواز میں آواز ملا کر اللہ کی حمد وثناء شروع کی پرندوں نے پر ہلانے چھوڑ دیئے اور اپنی قسم قسم کی پیاری پیاری بولیوں میں رب کی وحدانیت کے گیت گانے لگے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے۔ ابوعثمان نہدی کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابوموسیٰ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ اوبی کے معنی حبشی زبان میں یہ ہیں کہ تسبیح بیان کرو۔ لیکن ہمارے نزدیک اس میں مزید غور کی ضرورت ہے لغت عرب میں یہ لفظ ترجیع کے معنی میں موجود ہے۔ پس پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ حضرت داؤد کی آواز کے ساتھ اپنی آواز بھی ملا لیا کریں۔ تاویب کے ایک معنی دن کو چلنے کے بھی آتے ہیں۔ جیسے سری کے معنی رات کو چلنے کے ہیں لیکن یہ معنی بھی یہاں کچھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتا یہاں تو یہی مطلب ہے کہ داؤد کی تسبیح کی آواز میں تم بھی آواز ملا کر خوش آوازی سے رب کی حمد بیان کرو۔ اور فضل ان پر یہ ہوا کہ ان کیلئے لوہا نرم کر دیا گیا نہ انہیں لوہے کی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت نہ ہتھوڑے مارنے کی حاجت ہاتھ میں آتے ہی ایسا ہو جاتا تھا جیسے دھاگے، اب اس لوہے سے بفرمان اللہ آپ زرہیں بناتے تھے۔ بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے زرہ آپ ہی نے ایجاد کی ہے۔ ہر روز صرف ایک زرہ بناتے اس کی قیمت چھ ہزار لوگوں کے کھلانے پلانے میں صرف کر دیتے۔ زرہ بنانے کی ترکیب خود اللہ کی سکھائی ہوئی تھی کہ کڑیاں ٹھیک ٹھیک رکھیں حلقے چھوٹے نہ ہوں کہ ٹھیک نہ بیٹھیں بہت بڑے نہ ہوں کہ ڈھیلا پن رہ جائے بلکہ ناپ تول اور صحیح انداز سے حلقے اور کڑیاں ہوں۔

ابن عساکر میں ہے حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلا کرتے اور رعایا کے لوگوں سے مل کر ان سے اور باہر کے آنے جانے والوں سے دریافت فرماتے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ لیکن ہر شخص کو تعریفیں کرتا ہوا ہی پاتے۔ کسی سے کوئی بات اپنی نسبت قابل اصلاح نہ سنتے۔ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو انسانی صورت میں نازل فرمایا۔ حضرت داؤد کی ان سے بھی ملاقات ہوئی تو جیسے اوروں سے پوچھتے تھے ان سے بھی سوال کیا انہوں نے کہا کہ داؤد ہے تو اچھا آدمی اگر ایک کمی اسمیں نہ ہوتی تو کامل بن جاتا۔ آپ نے بڑی رغبت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا وہ اپنا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالے ہوئے ہیں خود بھی اسی میں سے لیتا ہے اور اپنی اہل وعیال کو بھی اسی میں سے کھلاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ شخص ٹھیک کہتا ہے اسی وقت جناب باری کی طرف جھک پڑے اور گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرنے لگے کہ اللہ مجھے کوئی کام کاج ایسا سکھا دے جس سے میرا پیٹ بھر جایا کرے۔ کوئی صنعت اور کاریگری مجھے بتا دے جس سے میں اتنا حاصل کر لیا کروں کہ وہ مجھے اور

میرے بال بچوں کو کافی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زرہیں بنانا سکھائیں اور پھر اپنی رحمت سے لوہے کو ان کیلئے بالکل نرم کر دیا۔ سب سے پہلے زرہیں آپ نے ہی بنائی ہیں۔

ایک زرہ بنا کر فروخت فرماتے اور اس کی قیمت کے تین حصے کر لیتے ایک اپنے کھانے پینے وغیرہ کیلئے ایک صدقے کیلئے ایک رکھ چھوڑنے کیلئے تاکہ دوسری زرہ بنانے تک اللہ کے بندوں کو دیتے رہیں۔ حضرت داؤد کو جو نغمہ دیا گیا تھا وہ تو محض بینظیر تھا اللہ کی کتاب زبور پڑھنے کو بیٹھتے۔ آواز نکلتے ہی چرند پرند صبر و سکون کے ساتھ محویت کے عالم میں آپ کی آواز سے متاثر ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝
یہ کہ کشادہ زرہیں بنا اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ اور نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہوں۔

زرہ بنانے کے فن کا بیان

وَقُلْنَا "أَنْ اعْمَلْ" مِنْهُ "سَابِغَات" دُرُوعًا كَوَامِلَ يَجُرّهَا لَابِسهَا عَلَى الْأَرْض "وَقَدِّرْ فِي السَّرْد" أَيْ نَسْج الدُّرُوع قِيلَ لِصَانِعِهَا سَرَّاد أَيْ اجْعَلْهُ بِحَيْثُ تَتَنَاسَب حِلَقه "وَاعْمَلُوا" أَيْ آل دَاوُد مَعَهُ "صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِير" بَصِير بِمَا تَعْمَلُونَ فَأُجَازِيكُمْ بِهِ،

اور ہم نے کہا کہ کشادہ زرہیں بنائیں یعنی ان کے بنانے میں برابری رکھو اور ان کو پہننے والا زمین پر ان کو گھسیٹے اور زرہیں بنانے والے کو سراد کہتے ہیں۔ یعنی ان کو ایسے بنائیں ان کے حلقے مناسب ہوں۔ اور کڑیاں جوڑنے میں اندازہ رکھ اور اے آل داؤد نیک عمل کرو، یقیناً میں اسے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہوں۔ یعنی میں دیکھنے والا ہوں جو تم عمل کرتے ہو۔ لہٰذا تمہیں اس پر جزاء دی جائے گی۔

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا۔ بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اس کی زرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تاکہ قوت بازو سے کما کر کھائیں۔ بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں۔ کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے ان ہی سے نکلی کہ کشادہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ فراخ و کشادہ زرہیں تیار کرو اور اس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک اندازہ سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ
بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝
اور سلیمان کے لیے ہوا کو، اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کا اور شام کا چلنا ایک ماہ کا تھا اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا
چشمہ بہایا، اور جنوں میں سے کچھ وہ تھے جو اس کے سامنے اس کے رب کے اذن سے کام کرتے تھے اور ان میں سے

جو ہمارے حکم سے کجی کرتا ہم اسے بھڑکتی آگ کا کچھ عذاب چکھاتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا وغیرہ کی تسخیر کا بیان

"وَ" "لِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ" وَقِرَاءَةُ الرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ تَسْخِيرٍ "غُدُوُّهَا" مَسِيرُهَا مِنَ الْغُدْوَةِ بِمَعْنَى الصَّبَاحِ إِلَى الزَّوَالِ "شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا" مَسِيرُهَا مِنَ الزَّوَالِ إِلَى الْغُرُوبِ "شَهْرٌ" أَيْ مَسِيرَتُهُ "وَأَسَلْنَا" أَذَبْنَا "لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ" أَيْ النُّحَاسِ فَأُجْرِيَتْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بِلَيَالِيهِنَّ كَجَرْيِ الْمَاءِ وَعَمَلُ النَّاسِ إِلَى الْيَوْمِ مِمَّا أُعْطِيَ سُلَيْمَانُ "وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ" بِأَمْرِ "رَبِّهِ وَمَنْ يَزِغْ" يَعْدِلْ "مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا" لَهُ بِطَاعَتِهِ "نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ" النَّارِ فِي الْآخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بِأَنْ يَضْرِبَهُ مَلَكٌ بِسَوْطٍ مِنْهَا ضَرْبَةً تُحْرِقُهُ،

اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو تابع کر دیا یہاں پر لفظ ریح ایک قرأت کے مطابق مرفوع ہے کیونکہ اس سے پہلے تسخیر مقدر ہے، اس کا صبح کا چلنا، یہاں پر غدوۃ بہ معنی صبح ہے جس کا وقت زوال تک ہے۔ جو ایک ماہ کا سفر تھا۔ اور زوال سے شام کے وقت تک اس کا سفر ایک ماہ کا تھا۔ اور شام کا چلنا ایک ماہ کا تھا اور ہم نے اس کے لیے تانبے کا چشمہ بہایا، جو تین دن رات تک پانی کی طرح جاری رہا۔ اور جو چشمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا تھا لوگ آج تک اس کو استعمال کر رہے ہیں۔ اور جنوں میں سے کچھ وہ تھے جو اس کے سامنے اس کے رب کے اذن سے کام کرتے تھے اور ان میں سے جو ہمارے حکم یعنی ہماری اطاعت سے کجی کرتا ہم اسے بھڑکتی آگ کا کچھ عذاب چکھاتے تھے۔ یعنی آخرت میں دوزخ میں ڈال دیں گے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیا میں فرشتہ اس کو ایک کوڑا مارے گا جس کی آگ اس کو جلا دے گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامات الٰہی کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں ان کو بیان کر کے پھر آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو نعمتیں نازل فرمائی تھیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کیلئے ہوا کو تابع فرمان بنا دیا۔ مہینے بھر کی راہ صبح ہی صبح ہو جاتی اور اتنی ہی مسافت کا سفر شام کو ہو جاتا۔ مثلاً دمشق سے تخت مع فوج و اسباب کے اڑایا اور تھوڑی دیر میں اصطخر پہنچا دیا جو تیز سوار کیلئے بھی مہینے بھر کا سفر تھا۔ اسی طرح شام کو وہاں سے تخت اڑا اور شام ہی کو کابل پہنچ گیا۔ تانبے کو بطور پانی کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے چشمے بہا دیئے تھے کہ جس کام میں جس طرح جس وقت لانا چاہیں تو بلا وقت لے لیا کریں۔ یہ تانبا انہیں کے وقت سے کام میں آ رہا ہے۔

سدی کا قول ہے کہ تین دن تک یہ بہتا رہا۔ جنات کو ان کی ماتحتی میں کر دیا جو وہ چاہتے اپنے سامنے ان سے کام لیتے۔ ان میں سے جو جن احکام سلیمان کی تعمیل سے جی چراتا فوراً آگ سے جلا دیا جاتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنات کی تین قسمیں ہیں ایک تو پر دار ہے۔ دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں تیسری قسم وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اترتے ہیں وغیرہ۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

ابن نعم سے روایت ہے کہ جنات کی تین قسمیں ہیں ایک کیلئے تو عذاب ثواب ہے ایک آسمان وزمین میں اڑتے رہتے ہیں ایک سانپ کتے ہیں۔انسانوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔ایک وہ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوائے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔اور ایک قسم مثل چوپایوں کے ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔اور تیسری قسم انسانی صورت میں شیطانی دل رکھنے والے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔عذاب وثواب میں دونوں شریک ہیں دونوں کے ایماندار ولی اللہ ہیں اور دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں، محاریب کہتے ہیں بہترین عمارتوں کو گھر کے بہترین حصے کو مجلس کی صدارت کی جگہ کو۔بقول مجاہد ان عمارتوں کو جو محلات سے کم درجے کی ہوں۔ضحاک فرماتے ہیں مسجدوں کو۔

قتادہ کہتے ہیں بڑے بڑے محل اور مسجدوں کو۔ابن زید کہتے ہیں گھروں کو۔تماثیل تصویروں کو کہتے ہیں یہ تانبے کی تھیں۔بقول قتادہ وہ مٹی اور شیشے کی تھیں۔جواب جمع ہے جابیہ کی۔جابیہ اس حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی آتا رہتا ہو۔یہ مثل تالاب کے تھیں بہت بڑے بڑے لگن تھے تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بہت بڑی فوج کیلئے بہت سا کھانا بیک وقت تیار ہو سکے اور ان کے سامنے لایا جا سکے۔اور جمی ہوئی دیگیں جو بوجہ اپنی بڑائی کے اور بھاری پن کے ادھر سے ادھر نہیں کی جا سکتی تھیں۔ان سے اللہ نے فرما دیا تھا کہ دین ودنیا کی جو نعمتیں میں نے تمہیں دے رکھی ہیں ان پر میرا شکر کرو۔شکر مصدر ہے بغیر فعل کے یا مفعول لہ ہے اور دونوں تقدیروں پر اس میں دلالت ہے کہ شکر جس طرح قول اور ارادہ سے ہوتا ہے فعل سے بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ یدی ولسانی الضمیر المحجبا

اس میں بھی شاعر نعمتوں کا شکر تینوں طرح مانتا ہے فعل سے، زبان سے اور دل سے۔حضرت عبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ نماز بھی شکر ہے اور روزہ بھی شکر ہے اور بھلا عمل جسے تو اللہ کیلئے کرے، شکر ہے اور سب سے افضل شکر حمد ہے۔محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں شکر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیک عمل ہے۔آل داؤد دونوں طرح کا شکر ادا کرتے تھے قولاً بھی اور فعلاً بھی۔ثابت بنانی فرماتے ہیں" حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی اہل وعیال اولاد اور عورتوں پر اس طرح اوقات کی پابندی کے ساتھ نفل نماز تقسیم کی تھی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نماز میں مشغول نظر آتا۔

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز تھی۔آپ آدھی رات سوتے تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سو رہتے۔اسی طرح سب روزوں سے زیادہ محبوب روزے بھی اللہ تعالیٰ کو آپ ہی کے تھے آپ ایک دن روزے سے رہتے اور ایک دن بیروزہ ایک خوبی آپ میں یہ تھی کہ دشمن سے جہاد کے وقت منہ نہ پھیرتے۔ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے آپ سے فرمایا کہ پیارے بچے رات کو بہت نہ سویا کرو۔رات کی زیادہ نیند انسان کو قیامت کے دن فقیر بنا دیتی ہے۔

ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک مطول حدیث مروی ہے۔اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الہ العالمین تیرا شکر کیسے ادا ہوگا؟ شکر گزاری خود تیری ایک نعمت ہے جواب ملا داؤد اب تو نے میری شکر گزاری ادا کر لی جبکہ تو نے اسے جان لیا کہ کل نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں۔پھر ایک واقعے کی خبر دی جاتی ہے کہ بندوں میں سے شکر گزار بندے بہت ہی کم ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ سبا، بیروت)

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ
اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًا ؕ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ۝
وہ ان کے لئے جو وہ چاہتے تھے بنا دیتے تھے۔ان میں بلند و بالا قلعے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن تھے جو تالاب اور لنگر انداز
دیگوں کی مانند تھے۔اے آلِ داؤد! شکر بجالاتے رہو، اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوئے ہیں۔

نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بیان

"يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاء مِنْ مَحَارِيب " أَبْنِيَة مُرْتَفِعَة يُصْعَد إلَيْهَا بِدَرَجٍ "وَتَمَاثِيل" جَمْع تِمْثَال وَهُوَ كُلّ شَيْء مَثَّلْته بِشَيْءٍ أَيْ صُوَر مِنْ نُحَاس وَزُجَاج وَرُخَام وَلَمْ يَكُنْ اتِّخَاذ الصُّوَر حَرَامًا فِي شَرِيعَته "وَجِفَان" جَمْع جَفْنَة "كَالْجَوَابِ" كَالْجَوَابِي جَمْع جَابِيَة وَهُوَ حَوْض كَبِير يَجْتَمِع عَلَى الْجَفْنَة أَلْف رَجُل يَأْكُلُونَ مِنْهَا "وَقُدُور رَاسِيَات" ثَابِتَات لَهَا قَوَائِم لَا تَتَحَرَّك عَنْ أَمَاكِنهَا تُتَّخَذ مِنْ الْجِبَال بِالْيَمَنِ يُصْعَد إلَيْهَا بِالسَّلَالِمِ وَقُلْنَا "اعْمَلُوا" يَا "آل دَاوُد" بِطَاعَةِ اللَّه "شُكْرًا" لَهُ عَلَى مَا آتَاكُمْ "وَقَلِيل مِنْ عِبَادِي الشَّكُور" الْعَامِل بِطَاعَتِي شُكْرًا لِنِعْمَتِي،

وہ جنات ان کے لئے جو وہ چاہتے تھے بنا دیتے تھے۔ان میں بلند و بالا قلعے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن تھے یعنی بڑی بڑی عمارتیں جن پر سیڑھی لگا کر چڑھا جائے۔یہاں پر لفظ تماثیل یہ تمثال کی جمع ہے۔اور اس سے مراد ہر وہ چیز جس کی مثل بنائی جائے جس طرح تانبے یا سنگ مرمر یا سیسہ کی مورتیاں ہیں۔کیونکہ ان کی شریعت میں مورتیاں ان کی شریعت میں حرام نہیں تھیں۔جو تالاب اور لنگر انداز دیگوں کی مانند تھے۔یہاں پر لفظ جفان یہ جفنہ کی جمع ہے۔اور لفظ جوابی یہ جابیہ کی جمع ہے۔اور یہ اس بڑے حوض کو کہتے ہیں۔جس سے بہ یک وقت ایک ہزار آدمی کھا سکیں۔اور ایک جگہ پر جمی رہنے والی دیگیں بناتے تھے جو ایک پائے ہونے کے سبب ایک جگہ پر رہتی تھیں۔ان کو یمن میں پہاڑوں سے بنایا جاتا تھا اور سیڑھیوں کے ذریعے ان پر چڑھا جاتا تھا۔اور ہم نے کہا کہ اے آلِ داؤد! اللہ کا شکر بجالاتے رہو، جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوئے ہیں۔یعنی جو میری اطاعت کر کے میری نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوں۔

اس آیت میں ان کاموں کی کچھ تفصیل ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے لیتے تھے۔محاریب، محراب کی جمع ہے جو

مکان کے اشرف واعلیٰ حصہ کے لئے بولا جاتا ہے، بادشاہ اور بڑے لوگ جو اپنے لئے حکومت کا کمرہ بنائیں اس کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔ اور لفظ محراب حرب بمعنی جنگ سے مشتق ہے، کوئی آدمی جو اپنا حکومت کدہ خاص بناتا ہے اس کو دوسروں کی رسائی سے محفوظ رکھتا ہے، اس میں کوئی دست اندازی کرے تو اس کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔

اس مناسبت سے مکان کے مخصوص حصہ کو محراب کہتے ہیں۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو بھی اسی امتیاز کی بنا پر محراب کہتے ہیں، اور کبھی خود مساجد کو محاریب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں محاریب بنی اسرائیل اور اسلام میں محاریب صحابہ سے ان کی مساجد مراد ہوتی ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ سبا، بیروت)

حکیم ترمذی اور امام ابوبکر جصاص نے حضرت عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اعملوا آل داؤد شکراً تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کر لے تو جو فضیلت آل داؤد کو عطا کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ تین کام کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رضا اور غضب کی دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا، اور غنا اور فقر کی دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا، اور خفیہ اور علانیہ دونوں حالتوں میں اللہ سے ڈرنا۔ (قرطبی احکام القرآن بجصاص، سورہ سبا، بیروت)

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝
پھر جب ہم نے سلیمان (علیہ السلام) پر موت کا حکم صادر فرما دیا تو ان کو ان کی موت پر کسی نے آگاہی نہ کی سوائے زمین کی دیمک کے جو ان کے عصا کو کھاتی رہی، پھر جب آپ کا جسم زمین پر آ گیا تو جنات پر ظاہر ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت انگیز عذاب میں نہ پڑے رہتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال سے جنات کی عدم اطلاع کا بیان

"فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ " عَلٰى سُلَيْمَان أَيْ مَاتَ وَمَكَثَ قَائِمًا عَلَى عَصَاهُ حَوْلًا مَيِّتًا وَالْجِنّ تَعْمَل تِلْكَ الْأَعْمَال الشَّاقَّة عَلَى عَادَتهَا لَا تَشْعُر بِمَوْتِهِ حَتَّى أَكَلَتْ الْأَرَضَة عَصَاهُ فَخَرَّ مَيِّتًا "مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْته إِلَّا دَابَّة الْأَرْض " مَصْدَر أَرِضَتْ الْخَشَبَة بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ أَكَلَتْهَا الْأَرَضَة "تَأْكُل مِنْسَأَته" بِالْهَمْزِ وَتَرْكه بِأَلِفٍ عَصَاهُ لِأَنَّهَا يُنْسَأ يُطْرَد وَيُزْجَر بِهَا "فَلَمَّا خَرَّ" مَيِّتًا "تَبَيَّنَتْ الْجِنّ" انْكَشَفَ لَهُمْ "أَنْ" مُخَفَّفَة: أَيْ أَنَّهُمْ "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْب " وَمِنْهُ مَا غَابَ عَنْهُمْ مِنْ مَوْت سُلَيْمَان "مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَاب الْمُهِين " الْعَمَل الشَّاقّ لَهُمْ لِظَنِّهِمْ حَيَاته خِلَاف ظَنّهمْ عِلْم الْغَيْب وَعِلْم كَوْنه سَنَة بِحِسَابِ مَا أَكَلَتْهُ الْأَرَضَة مِنْ الْعَصَا بَعْد مَوْته يَوْمًا وَلَيْلَة مَثَلًا

پھر جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم صادر فرما دیا تو آپ اپنا عصا لے کر حالت وصال میں کھڑے رہے۔اور جنت حسب عادت وہ مشکل کام بھی کرتے رہے۔تو ان جنات کو ان کی موت پر کسی نے آگاہی نہ کی سوائے زمین کی دیمک کے جو ان کے عصا کو کھاتی رہی، پھر جب آپ کا جسم زمین پر آ گیا جس کی دلالت آپ کے وصال پر ہوئی۔جو زمینی جانور کے سبب ہوئی یہاں پر لفظ الارض یہ مصدر ہے یعنی ارضت الخشبة مصدر مجہول ہے۔یعنی اس کو زمین نے کھالیا۔یعنی دیمک نے کھایا۔اور یہاں لفظ منساۃ یہ ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے بھی آیا ہے۔اور الف کے بغیر بھی آیا ہے۔یعنی دور کر دیا جاتا ہے۔یعنی جب سلیمان علیہ السلام زمین پر آئے ،تو جنات پر ظاہر ہو گیا یہاں پر اَن مخففہ ہے۔کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے ،اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا وصال بھی ان کیلئے امور غیبیہ میں سے ہے۔تو اس ذلت انگیز عذاب میں نہ پڑے رہتے۔یعنی مشکل کام جو ان کی ظاہری حیات میں وہ کرتے تھے۔لہٰذا جنات کو غائب کا علم حاصل نہیں تھا۔اور یہ ایک سال کی مدت کا علم تھا جس میں عصا کو دیمک نے ایک دن رات کی مقدار میں کھایا تھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

قضينا عليه ۔ قضى على کسی کے خلاف فیصلہ کرنا۔ قضينا عليه الموت ہم نے اس کے خلاف موت کا فیصلہ کر لیا۔ یعنی (جب) ہم نے اس پر موت کا حکم جاری کر دیا۔ما دلهم على موته (کسی چیز نے) ان کو پتہ نہ بتایا اس کی موت کا،

دابۃ الارض۔زمین پر چلنے والا۔پاؤں پر چلنے والا، یا رینگ کر چلنے والا جانور، مراد یہاں دیمک ہے۔منساته۔منساۃ۔اسم آلہ۔نسی مصدر سے باب فتح۔بروزن (مفعلة) آواز دینا۔ہنکانا۔مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ۔اس کا ڈنڈا۔اس کی لاٹھی اشارہ حضرت سلیمان کی طرف ہے)۔

خر۔ماضی واحد مذکر غائب۔وہ گر پڑا۔خر مصدر۔جس کے معنی کسی چیز کا آواز کے ساتھ نیچے گرنے کے ہیں۔یہاں ضمیر فاعل حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف راجع ہے) اور جگہ قرآن مجید میں ہے فخر عليهم السقف من فوقهم اور چھت ان پر ان کے اوپر سے گر پڑی۔تبينت ۔ماضی واحد مونث غائب۔اس نے جانا۔تبین (تفعل) مصدر سے یہاں واحد مونث کا صیغہ جنوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔یعنی تب جنات نے جانا۔تب جنات پر حقیقت ظاہر ہوئی۔مالبثوا۔ماضی منفی جمع مذکر غائب۔وہ نہ رہے۔وہ نہ رہتے۔العذاب المهين۔موصوف وصفت۔رسوا کن عذاب۔ذلت آمیز عذاب۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا نماز کیلئے تکیہ لگا کر قیام کرنے کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ ان کی وفات کا حال جنّات پر ظاہر نہ ہوتا کہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے پھر آپ محراب میں داخل ہوئے اور حسب عادت نماز کے لئے اپنے عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہو گئے، جنّات حسب دستور اپنی خدمتوں میں مشغول رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ حضرت زندہ ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا عرصہ دراز تک اسی حال پر رہنا ان کے لئے کچھ حیرت کا باعث نہیں ہوا کیونکہ وہ بارہا دیکھتے تھے کہ آپ ایک ماہ، دو دو ماہ اور اس سے زیادہ عرصہ تک

عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور آپ کی نماز بہت دراز ہوتی ہے حتّٰی کہ آپ کی وفات کے پورے ایک سال بعد تک جنّات آپ کی وفات پر مطلع نہ ہوئے اور اپنی خدمتوں میں مشغول رہے یہاں تک کہ بحکم الٰہی دیمک نے آپ کا عصا کھالیا اور آپ کا جسمِ مبارک جولاٹھی کے سہارے سے قائم تھا زمین پر آیا، اس وقت جنّات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

اور ایک سال تک عمارت کے کاموں میں تکلیفِ شاقّہ اٹھاتے نہ رہتے۔ مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنا اس مقام پر رکھی تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ نصب کیا گیا تھا، اس عمارت کے پورا ہونے سے قبل حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کا وقت آ گیا۔ تو آپ نے اپنے فرزندِ ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت فرمائی چنانچہ آپ نے شیاطین کو اس کی تکمیل کا حکم دیا جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔

تو آپ نے دعا کی کہ آپ کی وفات شیاطین پر ظاہر نہ ہوتا کہ وہ عمارت کی تکمیل تک مصروفِ عمل رہیں اور انھیں جو علم غیب کا دعوٰی ہے وہ باطل ہو جائے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر شریف ترپن سال کی ہوئی تیرہ سال کی عمر شریف میں آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے چالیس سال حکمرانی فرمائی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ سبا، لاہور)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وصال کی کیفیت کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اور یہ بھی کہ جو جنات ان کے فرمان کے تحت کام کاج میں مصروف تھے ان پر ان کی موت کیسے نامعلوم رہی وہ انتقال کے بعد بھی لکڑی کے ٹیکے پر کھڑے ہی رہے اور یہ انہیں زندہ سمجھتے ہوئے سر جھکائے اپنے سخت سخت کاموں میں مشغول رہے۔

مجاہد وغیرہ فرماتے ہی تقریباً سال بھر اسی طرح گزر گیا۔ جس لکڑی کے سہارے آپ کھڑے تھے جب اسے دیمک چاٹ گئی اور وہ کھوکھلی ہوگئی تو آپ گر پڑے۔ اب جنات اور انسانوں کو آپ کی موت کا پتہ چلا۔ تب تو نہ صرف انسانوں بلکہ خود جنات کو بھی یقین ہوگیا کہ ان میں سے کوئی بھی غیب داں نہیں۔ ایک مرفوع منکر اور غریب حدیث میں ہے کہ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس کا مرفوع ہونا ٹھیک نہیں فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے تو ایک درخت اپنے سامنے دیکھتے اس سے پوچھتے کہ تو کیسا درخت ہے تیرا نام کیا ہے۔ وہ بتا دیتا آپ اسے اسی استعمال میں لاتے۔

ایک مرتبہ جب نماز کو کھڑے ہوئے اور اسی طرح ایک درخت دیکھا تو پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ضروب۔ پوچھا تو کس لئے ہے؟ کہا اس گھر کو اجاڑنے کیلئے تب آپ نے دعا مانگی کہ اللہ میری موت کی خبر جنات پر ظاہر نہ ہونے دے تا کہ انسان کو یقین ہو جائے کہ جن غیب نہیں جانتے۔ اب آپ ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور جنات کو مشکل مشکل کام سونپ دیئے آپ کا انتقال ہوگیا لیکن لکڑی کے سہارے آپ ویسے ہی کھڑے رہے جنات دیکھتے رہے اور سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اپنے اپنے کام میں مشغول رہے ایک سال کامل ہوگیا۔ چونکہ دیمک آپ کی لکڑی کو چاٹ رہی تھی سال بھر گزرنے پر وہ اسے کھا گئی اور اب حضرت سلیمان گر پڑے اور انسانوں نے جان لیا کہ جنات غیب نہیں جانتے ورنہ سال بھر تک اس مصیبت میں نہ رہتے۔ لیکن

اس کے ایک راوی عطا ابن مسلم خراسانی کی بعض احادیث میں نکارت ہوتی ہے۔

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی آپ سال سال دو دو سال یا کم وبیش مدت کیلئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا۔ آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے وہ بتاتا آپ اسی کام میں اسے لاتے بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام ضروبہ بتایا کہا تو کس مطلب کا ہے کہا اس مسجد کے اجاڑنے کیلئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے فرمانے لگے میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہوگی نہیں البتہ تو میری موت اور اس شہر کی ویرانی کیلئے ہے۔

چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی۔ وہیں انتقال ہو گیا لیکن کسی کو اس کا علم نہ ہوا۔ شیاطین سب کے سب اپنی نوکری بجا لاتے رہے کہ ایسا نہ ہو ہم ڈھیل کریں اور اللہ کے رسول آ جائیں تو ہمیں سزا دیں۔ یہ محراب کے آگے پیچھے آئے ان میں جو ایک بہت بڑا پاجی شیطان تھا اس نے کہا دیکھو جی اس میں آگے اور پیچھے سوراخ ہیں اگر میں یہاں سے جا کر وہاں سے نکل آؤں تو میری طاقت کو مانو گے یا نہیں؟ چنانچہ وہ گیا اور نکل آیا لیکن اسے حضرت سلیمان کی آواز نہ آئی۔ دیکھ تو سکتے نہ تھے کیونکہ حضرت سلیمان کی طرف نگاہ بھر کر دیکھتے ہی وہ مر جاتے تھے لیکن اس کے دل میں کچھ خیال سا گزرا اس نے پھر اور جرأت کی اور مسجد میں چلا گیا دیکھتا کہ وہاں جانے کے بعد وہ نہ جلا تو اس کی ہمت اور بڑھ گئی اور اس نے نگاہ بھر کر آپ کو دیکھا تو دیکھا کہ وہ گرے پڑے ہیں اور انتقال فرما چکے ہیں اب آ کر سب کو خبر کی لوگ آئے محراب کو کھولا تو واقعی اللہ کے رسول کو زندہ نہ پایا۔ آپ کو مسجد سے نکال لائے۔ مدت انتقال کا علم حاصل کرنے کیلئے انہوں نے لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈال دیا ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا۔ تمام لوگوں کو اس وقت کامل یقین ہو گیا کہ جنات جو بنتے تھے کہ ہم غیب کی خبریں جانتے ہیں یہ محض ان کی ڈھونس تھی ورنہ سال بھر تک کیوں مصیبت جھیلتے رہتے۔

حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا وقت مجھے کچھ پہلے بتا دینا حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا۔ حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر کے گئے۔ پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ اٹھا سکی اور آپ گر پڑے جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور بھی بہت سے اقوال سلف سے یہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

درحقیقت سبا کے لئے ان کے وطن ہی میں نشانی موجود تھی۔ دو باغ تھے، دائیں طرف اور بائیں طرف۔ تم اپنے رب کے رزق سے کھایا کرو اور اس کا شکر بجالایا کرو۔ شہر پاکیزہ ہے اور رب بڑا بخشنے والا ہے۔

قوم سبأ کے شہر کی صاف آب وہوا کا بیان

"لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ" بِالصَّرْفِ وَعَدَمِه قَبِيلَةٌ سُمِّيَتْ بِاسْمِ جَدٍّ لَهُمْ مِنَ الْعَرَبِ "فِي مَسْكَنِهِمْ" بِالْيَمَنِ "آيَةٌ" دَالَّةٌ عَلَى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالَى "جَنَّتَانِ" بَدَلٌ "عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ" عَنْ يَمِينِ وَادِيهِمْ وَشِمَالِه "كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ" عَلَى مَا رَزَقَكُمْ مِنَ النِّعْمَةِ فِي أَرْضِ سَبَأٍ "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ" لَيْسَ فِيهَا سِبَاخٌ وَلَا بَعُوضَةٌ وَلَا ذُبَابَةٌ وَلَا بُرْغُوثٌ وَلَا عَقْرَبٌ وَلَا حَيَّةٌ وَيَمُرُّ الْغَرِيبُ فِيهَا وَفِي ثِيَابِه قَمْلٌ فَيَمُوتُ لِطِيبِ هَوَائِهَا "وَ" اللّٰهُ "رَبٌّ غَفُورٌ"

درحقیقت قوم سبا کے لئے ان کے وطن ہی میں نشانی موجود تھی۔ یہاں پر لفظ سبأ یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ کیونکہ سبأ ان کے پردادا جو عرب میں سے تھے ان کے نام پر رکھا تھا۔ نشانی سے مراد کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے۔ اور لفظ جنتان یہ آیۃ سے بدل ہے۔ وہ دو باغ تھے، دائیں طرف اور بائیں طرف۔ اُن سے ارشاد ہوا تم اپنے رب کے رزق سے کھایا کرو اور اس کا شکر بجالایا کرو۔ جو اس نے تمہیں سبأ کی دھرتی پر نعمتیں عطا کی ہیں۔ تمہارا شہر کتنا پاکیزہ ہے کہ اس میں شور والی زمیں نہیں ہے اور نہ کوئی مچھر، نہ مکھی، نہ سانپ، نہ بچھو ہے اور اگر کوئی ایسا مسافر وہاں سے گزرتا کہ جس میں جوئیں ہوتیں تو وہاں کی صاف ہوا کے ذریعے مر جاتیں۔ اور رب بڑا بخشنے والا ہے۔

قوم سبا اور ان کی دی گئی نعمتوں کا بیان

قوم سبا یمن میں رہتی تھی۔ تبع بھی ان میں سے ہی تھے۔ بلقیس بھی انہی میں سے تھیں۔ یہ بڑی نعمتوں اور راحتوں میں تھے۔ چین آرام سے زندگی گذار رہے تھے۔ اللہ کے رسول ان کے پاس آئے انہیں شکر کرنے کی تلقین کی۔ رب کی وحدانیت کی طرف بلایا اس کی عبادت کا طریقہ سمجھایا۔ کچھ زمانے تک وہ یونہی رہے لیکن پھر جبکہ انہوں نے سرتابی اور روگردانی کی احکام اللہ بپروا ہی سے ٹال دیئے تو ان پر زور کا سیلاب آیا اور تمام ملک، باغات اور کھیتیاں وغیرہ تاخت وتاراج ہو گئیں۔ جس کی تفصیلی یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے۔ یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے تھے اور چار شام میں۔ مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں۔ لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شام میں۔ (مسند احمد)

فردہ بن مسیک فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ تو آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔

ایک اور مطول روایت میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حضرت فردہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت کے زمانے میں قوم سبا کی عزت تھی مجھے اب ان کے ارتداد کا خوف ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے جہاد کروں۔ آپ نے فرمایا ان کے بارے میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ پس یہ آیت اتری۔ لیکن اس میں غرابت ہے اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے، حالانکہ سورت مکیہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بشارت کا بیان

محمد بن اسحاق سبا کا نسب نامہ اس طرح بیان کرتے ہیں عبد شمس بن العرب بن قحطان اسے سبا اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سب سے پہلے عرب میں دشمن کو قید کرنے کا رواج ڈالا۔ اس وجہ سے اسے رائش بھی کہتے ہیں۔ مال کو ریش اور ریاش بھی عربی میں کہتے ہیں۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے ہی آپ کی پیشن گوئی کی تھی کہ ملک کا مالک ہمارے بعد ایک نبی ہوگا جو حرم کی عزت کرے گا۔ اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوں گے، جن کے سامنے دنیا کے بادشاہ سرنگوں ہو جائیں گے پھر ہم میں بھی بادشاہت آئے گی اور بنو قحطان کے ایک نبی بھی ہوں گے اس نبی کا نام احمد ہوگا (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش کے میں بھی ان کی نبوت کے زمانے کو پالیتا تو ہر طرح کی خدمت کو غنیمت سمجھتا۔ لوگو جب بھی اللہ کے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوں تو تم پر فرض ہے کہ ان کا ساتھ دو اور ان کے مددگار بن جاؤ اور جو بھی آپ سے ملے اس پر میری جانب سے فرض ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں میرا اسلام پہنچادے۔ (اکیل ہمدانی) قحطان کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ ارم بن سام بن نوح کی نسل میں سے ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ عابر یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی نسل سے ہے۔ اس سب کو تفصیل کے ساتھ حافظ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الابناہ میں ذکر کیا ہے۔ بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ سبا عرب میں سے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے جن کی نسل سے عرب ہوئے۔ ان کا نسل ابراہیمی میں سے ہونا مشہور نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس نکلے تو آپ نے فرمایا اے اولاد اسماعیل تیر اندازی کئے جاؤ تمہارے والد بھی پورے تیر انداز تھے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمن علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے، سبا کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہو گیا۔ ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی

دوسری شام چلی گئی۔ انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مثال کے قریب ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنویں کا نام غسان تھا۔ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی دس اولادیں تھیں اس سے مراد صلبی اولادیں نہیں کیونکہ بعض بعض دو دو تین تین نسلوں بعد کے بھی ہیں۔ جیسے کہ کتب انساب میں موجود ہے۔ جو شام اور یمن میں جا کر آباد ہوئے یہ بھی سیلاب کے آنے کے بعد کا ذکر ہے۔ بعض وہیں رہے بعض ادھر ادھر چلے گئے۔ دیوار کا قصہ یہ ہے کہ ان کے دونوں جانب پہاڑ تھے۔ جہاں سے نہریں اور چشمے بہ بہ کر ان کے شہروں میں آتے تھے اسی طرح نالے اور دریا بھی ادھر ادھر سے آتے تھے ان کے قدیمی بادشاہوں میں سے کسی نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوادیا تھا جس دیوار کی وجہ سے پانی ادھر ادھر ہو گیا تھا اور بصورت دریا جاری رہا کرتا تھا جس کے دونوں جانب باغات اور کھیتیاں لگادی تھی۔ پانی کی کثرت اور زمین کی عمدگی کی وجہ سے یہ خطہ بہت ہی زرخیز اور ہرا بھرا رہا کرتا تھا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ کوئی عورت اپنے سر پر جھلی رکھ کر چلتی تھی۔ کچھ دور جانے تک پھلوں سے وہ جھلی بالکل بھر جاتی تھی۔ درختوں سے پھل خود بخود جو جھڑتے تھے وہ اس قدر کثرت سے ہوتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی حاجت نہیں پڑتی تھی۔ یہ دیوار مارب میں تھی صنعاء سے تین مراحل پر تھی اور سد مارب کے نام سے مشہور تھی۔ آب و ہوا کی عمدگی، صحت، مزاج اور اعتدال عنایت الٰہیہ سے اس طرح تھا کہ ان کے ہاں مکھی، مچھر اور زہریلے جانور بھی نہیں ہوتے تھے یہ اس لئے تھا کہ وہ لوگ اللہ کی توحید کو مانیں اور دل و جان اس کی خلوص کے ساتھ عبادت کریں۔ یہ تھی وہ نشانی قدرت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان آباد بستی اور بستی کے دونوں طرف ہرے بھرے پھل دار باغات اور سرسبز کھیتیاں اور ان سے جناب باری نے فرمادیا تھا کہ اپنے رب کی دی ہوئی روزیاں کھاؤ پیو اور اس کے شکر میں لگے رہو، لیکن انہوں نے اللہ کی توحید کو اور اس کی نعمتوں کے شکر کو بھلا دیا اور سورج کی پرستش کرنے لگے۔ جیسے کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ (وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ، النمل: 22)، یعنی میں تمہارے پاس سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں۔ ایک عورت ان کی بادشاہت کر رہی ہے جس کے پاس تمام چیزیں موجود ہیں عظیم الشان تخت سلطنت پر وہ متمکن ہے۔ رانی اور رعایا سب سورج پرست ہیں۔ شیطان نے ان کو گمراہ کر کھا ہے۔ بیراہ ہو رہے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ
خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝
پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر زوردار سیلاب بھیج دیا اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کو دو باغوں سے بدل دیا
جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت رہ گئے تھے۔

ناشکری کے سبب قوم سبأ کے دو باغوں کے تبدیل ہو جانے کا بیان

"فَأَعْرَضُوا" عَنْ شُكْرِه وَكَفَرُوا "فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ" جَمْع عَرِمَة وَهُوَ مَا يُمْسِك الْمَاء مِنْ بِنَاء وَغَيْره إلَى وَقْت حَاجَته أَيْ سَيْل وَادِيهمْ الْمَمْسُوك بِمَا ذُكِرَ فَأَغْرَقَ جَنَّتَيْهِمْ وَأَمْوَالهمْ "وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ" تَثْنِيَة ذَوَات مُفْرَد عَلَى الْأَصْل "أُكُل خَمْط" مُرّ بَشِع بِإِضَافَةِ أُكُل بِمَعْنَى مَأْكُول وَتَرْكهَا وَيُعْطَف عَلَيْهِ،

پھر انہوں نے شکر کرنے سے منہ پھیر لیا اور کفر کیا۔ تو ہم نے ان پر زوردار سیلاب بھیج دیا یہاں پر لفظ عرم یہ عرمہ کی جمع ہے اور عرمہ اُس عمارت کو کہتے ہیں جس میں ضرورت کیلئے پانی کو ذخیرہ کر لیا جائے۔ یعنی ان کی وادی میں جمع شدہ پانی انہی پر چھوڑ دیا گیا جس سے ان کے دونوں باغ اور ان کے اموال ڈوب ہو گئے۔ اور ہم نے ان کے دونوں باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا جن میں بدمزہ پھل اور کچھ جھاؤ اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت رہ گئے تھے۔ یہاں پر لفظ ذواتی یہ ذوات مفرد کا تثنیہ ہے اور اصل میں اکل کے ساتھ آیا۔ اور اکل اضافت کے ساتھ آیا ہے اور اکل بہ ماکول ہے۔ اور اکل اضافت کے بغیر بھی آیا ہے۔ اور اس کا اُثل پر عطف کیا گیا ہے۔

انبیائے کرام کی تکذیب کے سبب قوم سبا سے نعمتوں کے سلب ہو جانے کا بیان

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبران کے پاس آئے تھے۔ بالآخر شامت اعمال رنگ لائی جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی وہ چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانے میں وہ ٹوٹ گئے پانی کی ریل پیل ہو گئی ان دریاؤں کے، چشموں کے، بارش کے نالوں کے، سب پانی آ گئے ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہو گئیں۔ ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ پیلو، جھاؤ، کیکر، ببول اور ایسے ہی بمیوہ بدمزہ بیکار درخت اگتے تھے۔ ہاں البتہ کچھ بیریوں کے درخت اگ آئے تھے جو نسبتاً اور درختوں سے کارآمد تھے۔ لیکن وہ بھی بہت زیادہ خاردار اور بہت کم پھل دار تھے۔ یہ تھا ان کے کفر و شرک کی سرکشی اور تکبر کا بدلہ کہ نعمتیں کھو بیٹھے اور زحموں میں بتلا ہو گئے کافروں کو یہی اور اس جیسی ہی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔ حضرت ابو خیرہ فرماتے ہیں گناہ کا بدلہ یہی ہوتا ہے کہ عبادتوں میں سستی آ جائے روزگار میں تنگی واقع ہو لذتوں میں تلخی آ جائے یعنی جہاں کسی راحت کا منہ دیکھا فوراً کوئی زحمت آ پڑی اور مزہ مٹی ہو گیا۔

وہب کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف تیرہ نبی بھیجے جنہوں نے ان کو حق کی دعوتیں دیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور اس کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور انہوں نے انبیاء کو جھٹلا دیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم پر خدا کی کوئی بھی نعمت ہو تم اپنے رب سے کہہ دو کہ اس سے ہو سکے تو وہ ان نعمتوں کو روک لے۔ (تفسیر مدارک، سورہ سباء، بیروت)

ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ۝

یہ ہم نے انھیں ان کے کفرو ناشکری کا بدلہ دیا، اور ہم بڑے ناشکر گزار کے سوا سزا نہیں دیتے۔

کفار کیلئے سخت محاسبہ ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" التَّبْدِيل "جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا" بِكُفْرِهِمْ "وَهَلْ يُجَازِى إِلَّا الْكَفُور" بِالْيَاءِ وَالنُّون مَعَ كَسْر الزَّاى وَنَصْب الْكَفُور أَىْ مَا يُنَاقَش إِلَّا هُوَ،

یہ یعنی تبدیل کرنا کہ ہم نے انھیں ان کے کفر و ناشکری کا بدلہ دیا، اور ہم بڑے ناشکر گزار کے سوا کسی کو ایسی سزا نہیں دیتے۔ یہاں پر لفظ نجازی یہ یاء اور نون کے ساتھ زاء کے کسرہ اور کفور کے نصب کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی سختی سے محاسبہ کافر کا ہی کیا جاتا ہے۔

روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی توجیہ یہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا کے تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مومن گناہگار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے۔

درحقیقت اس کو گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح مومن کو بھی اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لئے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ سبا، بیروت)

وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ

سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیْنَ۝

اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، نمایاں، متصل بستیاں آباد کر دی تھیں،

اور ہم نے ان میں آمد و رفت کی منزلیں مقرر کر رکھی تھیں کہ تم لوگ ان میں راتوں کو اور دنوں کو بے خوف ہو کر چلتے پھرتے رہو۔

قوم سبأ کیلئے دنیاوی سہولیات کا بیان

"وَجَعَلْنَا بَيْنهمْ" بَيْن سَبَأ وَهُمْ بِالْيَمَنِ "وَبَيْن الْقُرَى الَّتِى بَارَكْنَا فِيهَا" بِالْمَاءِ وَالشَّجَر وَهِىَ قُرَى الشَّام الَّتِى يَسِيرُونَ إِلَيْهَا لِلتِّجَارَةِ "قُرًى ظَاهِرَة" مُتَوَاصِلَة مِنْ الْيَمَن إِلَى الشَّام "وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْر" بِحَيْثُ يَقِيلُونَ فِى وَاحِدَة وَيَبِيتُونَ فِى أُخْرَى إِلَى انْتِهَاء سَفَرهمْ وَلَا يَحْتَاجُونَ فِيهِ إِلَى حَمْل زَاد وَمَاء أَىْ وَقُلْنَا "سِيرُوا فِيهَا لَيَالِى وَأَيَّامًا آمِنِينَ" لَا تَخَافُونَ فِى لَيْل وَلَا فِى نَهَار،

اور ہم نے ان باشندوں کے اور ان بستیوں کے درمیان یعنی سبأ کے درمیان اور وہ یمن میں ہیں جن میں ہم نے برکت دے

رکھی تھی، جہاں پر پانی اور درخت تھے۔ اور یہ شام کی بستیاں تھیں جن وہ تجارت کیلئے جاتے تھے۔ یمن سے شام تک نمایاں اور متصل بستیاں آباد کر دی تھیں، اور ان کے درمیان ایک خاص مسافت تھی۔ اور ہم نے ان میں آمد و رفت کے دوران آرام کرنے کی منزلیں مقرر کر رکھی تھیں یعنی وہ ایک بستی میں قیلولہ کرتے تھے اور دوسری بستی میں رات گزارتے تھے اس طرح ان کا سفر مکمل ہو جایا کرتا تھا۔ اس سفر میں انہیں زادراہ کے طور پر پانی اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ تو ہم نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ ان میں راتوں کو بھی اور دنوں کو بھی بے خوف ہو کر چلتے پھرتے رہو۔ لہٰذا تم دن رات میں کوئی خوف نہ رکھو۔

قوم سبا کے جغرافیائی محل وقوع کا بیان

یمن " ان شہروں اور بستیوں کو کہتے تھے جن کا محل وقوع خانہ کعبہ کے دائیں سمت پڑتا تھا، اب ایک مشہور تاریخی ملک کی حیثیت سے جانا جاتا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشہ پر واقع ہے۔ گو موجود عہد میں یمن ان تمام خطوں پر مشتمل نہیں ہے، جن پر عہد سابق میں مشتمل تھا، تاہم اس وقت کے مرکزی اور بڑے حصے اب بھی یمن ہی میں شامل ہیں۔ جو چیز یا جو شخص یمن کی طرف منسوب ہو اس کو " یمنی " بھی کہتے ہیں، " یمان " بھی کہتے ہیں اور " یمانی " بھی بعض حضرات اس لفظ (یمانی) کو ی کی تشدید کے ساتھ " یمانی " بھی بیان کرتے ہیں۔

شام " ان شہروں اور بستیوں کو کہا جاتا تھا جن کو محل وقوع خانہ کعبہ کے بائیں سمت پڑتا تھا کیونکہ عربی میں شام بائیں جانب کو کہتے ہیں جیسا کہ دائیں طرف یمین یا ایمن کہا جاتا ہے، شام اور مشام کا لفظ ہمزہ کے ساتھ بھی آتا ہے اور ہمزہ کے بغیر بھی، شام اب بھی ایک مشہور ملک کی حیثیت سے جانا جاتا ہے " قرن " (ق اور ر کے زبر کے ساتھ) ایک بستی کا نام ہم جو یمن میں واقع ہے، یہ ایک شخص قرن بن رومان بن ناجیہ بن مراد کے نام منسوب تھی، جو حضرت اویس قرنی کے اجداد میں سے تھا۔ ایک قرن اور ہے (جس کو اب قرن المنازل کہا جاتا ہے) لیکن یہ " قرن " ر کے جزم کے ساتھ " قرن " ہے، یہ دراصل ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر مشرقی جانب نجد جانے والے راستہ پر واقع ہے۔

قوم سبا کیلئے عطاء ہونے والی نعمتوں کا بیان

ان پر جو نعمتیں تھیں ان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قریب قریب آبادیاں تھیں۔ کسی مسافر کو اپنے سفر میں توشہ یا پانی ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہر ہر منزل پر پختہ مزے دار تازے میوے خوشگوار میٹھا پانی موجود ہر رات کو کسی بستی میں گذار لیں اور راحت و آرام امن و امان سے جائیں آئیں کہتے ہیں کہ یہ بستیاں صنعا کے قرب و جوار میں تھیں، باعد کی دوسری قرأت بعدہ۔ اس راحت و آرام سے وہ پھول گئے اور جس طرح بنو اسرائیل نے من سلویٰ کے بدلے لہسن پیاز وغیرہ طلب کیا تھا انہوں نے بھی دور دراز کے سفر طے کرنے کی چاہت کی تاکہ درمیان میں جنگل بھی آئیں غیر آباد جگہیں بھی آئیں کھانے پینے کا لطف بھی آئے۔ قوم موسیٰ کی اس طلب نے ان پر ذلت و مسکنت ڈالی۔ اسی طرح انہیں بھی فراخی روزی کے بعد ہلاکت ملی۔ بھوک اور خوف میں پڑے۔ اطمینان اور امن غارت ہوا۔ انہوں نے کفر کر کے خود اپنا بگاڑا اب ان کی کہانیاں رہ گئیں۔ لوگوں میں ان کے افسانے رہ گئے۔ تتر بتر

ہو گئے۔ یہاں تک کہ جو قوم تین تیرہ ہو جائے تو عرب میں انہیں سبائیوں کی مثل سناتے ہیں۔

قوم سبا کے کاہن کے واقعہ کا بیان

عکرمہ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں اور مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی اس کے سسرال کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی جری ہونے کے علاوہ مالدار تھا۔ اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا میں تجھے برا بھلا کہوں گا تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہئے۔ اس نے اقرار کیا دوسرے دن جبکہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا اس نے صاف انکار کر دیا اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں۔ یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا یہ اور غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ میں تو اسے ذبح کروں گا تمام لوگ گھبرا گئے ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کے ننھیال والوں کو خبر کی وہ سب آ گئے اول تو منت سماجت کی منوانا چاہا لیکن یہ کب ماننا تھا انہوں نے کہا آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے سزا دیجئے لیکن اس نے کہا میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا انہوں نے کہا ایسا آپ نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے۔ اس نے کہا اچھا جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں ایسے شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں مجھ سے میرے مکانات جائیدادیں اور زمینیں خرید لو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر کر دی سنو عذاب اللہ کا آ رہا ہے زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے اب تم میں سے جو محنت کر کے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزومند ہو وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو وہ مدینے چلا جائے۔ قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا جسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا۔ بعض عمان کی طرف بعض بصرہ کیطرف۔ بعض مدینے کی طرف۔ اس طرف تین قبیلے چلے تھے اوس اور خزرج اور بنو عثمان جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے اب ہم آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے۔ اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا۔ یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ جس کاہن کا اس میں ذکر ہے اس کا نام عمرہ بن عامر ہے یہ یمن کا ایک سردار تھا اور سبا کے بڑے لوگوں میں سے تھا اور ان کا کاہن تھا۔

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ سب سے پہلے یہی یمن سے نکلا تھا اس لئے کہ سد مارب کو کھوکھلا کرتے ہوئے اس نے چوہوں کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گیا تھا کہ اب یمن کی خیر نہیں یہ دیوار گری اور سیلاب سب کچھ تہ و بالا کرے گا تو اس نے اپنے سب سے چھوٹے لڑکے کو وہ مکر سکھایا جس کا ذکر اوپر گذرا اس وقت اس نے غصے میں کہا کہ میں ایسے شہر میں رہنا پسند نہیں کرتا میں اپنی جائیدادیں اور زمینیں اسی وقت بیچتا ہوں لوگوں نے کہا عمرو کے اس غصے کو غنیمت جانو چنانچہ سستا مہنگا سب کچھ بیچ ڈالا اور فارغ ہو کر چل پڑا قبیلہ اسد بھی اس کے ساتھ ہولیا راستے میں عکہ ان سے لڑے برابر برابر کی لڑائی رہی۔ جس کا ذکر عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ کے شعروں میں بھی ہے۔ پھر یہ یہاں سے چل کر مختلف شہروں میں پہنچ گئے۔ آل جفنۃ بن عمرو بن عامر شام میں گئے۔ اوس وخزرج مدینے میں، خزاعہ مر میں ازمراۃ سراۃ میں، ازدعمان عمان میں۔ یہاں سیلاب آیا جس نے مارب کے بند کو توڑ دیا۔ سدی نے اس قصے میں بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے مقابلے کے لئے اپنے بیٹے کو نہیں بلکہ بھتیجے کو کہا تھا۔

بعض اہل علم کا بیان ہے کہ اس کی عورت جس کا نام طریقہ تھا اس نے اپنی کہانت سے یہ بات معلوم کر کے سب کو بتائی تھی اور روایت میں ہے کہ عمان میں غسانی اور ازدبھی ہلاک کر دیئے گئے۔ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ریل پیل پھلوں اور کھیتوں کی بیشمار روزی کے باوجود سیل عرم سے یہ حالت ہوگئی کہ ایک ایک لقمے کو اور ایک ایک بوند پانی کو ترس گئے یہ پکڑ اور عذاب یہ تنگی اور سزا جو انہیں پہنچی اس سے ہر صابر و شاکر عبرت حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ کی نافرمانیاں کس طرح انسان کو گھیر لیتی ہیں عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتی ہیں۔ مصیبتوں پر صبر نعمتوں پر شکر کرنے والے اس میں دلائل قدرت پائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ
كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝
تو وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہماری منازلِ سفر کے درمیان فاصلے پیدا کر دے، اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا
تو ہم نے انھیں باتیں بنا دیا اور ہم نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا۔ بیشک اس میں بہت صابر اور
نہایت شکر گزار شخص کے لئے نشانیاں ہیں۔

اقوام سابقہ کے زوال کا باعث عبرت ہونے کا بیان

"فَقَالُوا رَبَّنَا بَعِّدْ" وَفِي قِرَاءَة بَاعِدْ "بَيْنَ أَسْفَارنَا" إلَى الشَّام اجْعَلْهَا مَفَاوِز لِيَتَطَاوَلُوا عَلَى الْفُقَرَاء بِرُكُوبِ الرَّوَاحِل وَحَمْل الزَّاد وَالْمَاء فَبَطِرُوا النِّعْمَة "وَظَلَمُوا أَنْفُسهمْ" بِالْكُفْرِ "فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيث" لِمَنْ بَعْدهمْ فِي ذَلِكَ "وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلّ مُمَزَّق" فَرَّقْنَاهُمْ فِي الْبِلَاد كُلّ التَّفْرِيق "إنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَات" عِبَرًا "لِكُلِّ صَبَّار" عَنْ الْمَعَاصِي "شَكُور" عَلَى النِّعَم

تو وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہماری منازلِ سفر کے درمیان فاصلے پیدا کر دے، یہاں پر لفظ ایک قرأت کے مطابق باعد

آیا ہے یعنی ملک شام تک فاصلے کردے تاکہ وہ سواریوں پر سوار ہو کر اور زادراہ میں پانی وغیرہ لیکر وہ فقراء اور غریب لوگوں پر فخر کریں۔ پس وہ نعمتوں پر تکبر کرنے لگے۔ اور انہوں نے اپنی جانوں پر کفر کے سبب ظلم کیا تو ہم نے انھیں عبرت کے باتیں بنا دیا جو ان کے بعد والوں کیلئے ہوں اور ہم نے انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے منتشر کر دیا۔ یعنی ہم نے انہیں ہر شہر میں الگ فرقوں میں تقسیم کر دیا بیشک اس مذکورہ بیان میں بہت نشانیاں و عبر ہیں۔ جو ہر گناہ سے بچ کر صبر کرنے والے، نعمتوں پر شکر کرنے والوں کیلئے ہیں۔

قوم سبا کا خود نعمتوں کے چلے جانے کی دعا مانگنے کا بیان

ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کہ سفر کی تکلیف ہی نہ رہے ناقدری اور ناشکری کر کے خود یہ دعا مانگی کہ ہمارے سفر میں بعد پیدا کر دے، قریب قریب کے گاؤں نہ رہیں، جنگل بیابان آئے، جس میں کچھ محنت مشقت بھی اٹھانی پڑے۔ ان کی مثال وہی ہے جو بنی اسرائیل کی تھی کہ بے محنت بہترین رزق من وسلویٰ ان کو ملتا تھا، اس سے اکتا کر اللہ سے یہ مانگا کہ اس کے بجائے ہمیں سبزی ترکاری دے دیجئے، حق تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور نعمت کی بے قدری پر وہ سزا جاری فرمائی جو اوپر سیل عرم کے عنوان سے مذکور ہوئی ہے۔ اسی کا آخری نتیجہ اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ دنیا میں ان کی عیش و عشرت اور دولت و نعمت کے قصے ہی رہ گئے، اور یہ لوگ افسانہ بن گئے۔

مزقنھم، تمزیق سے مشتق ہے، جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس مقام شہر مآرب کے بسنے والے کچھ ہلاک ہو گئے، کچھ ایسے منتشر ہو گئے کہ ان کے ٹکڑے مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ عرب میں قوم سبا کی تباہی اور منتشر ہونا ایک ضرب المثل بن گیا، ایسے مواقع میں عرب کا محاورہ ہے تفرقوا ایادی سباء، یعنی یہ لوگ ایسے منتشر ہوئے جیسے قوم سبا کے نعمت پروردہ لوگ منتشر ہو گئے تھے۔

مؤمن کی شان ہر حالت میں شکر ادا کرنے کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مومن کے لئے تعجب ناک فیصلہ کیا ہے اگر اسے راحت ملے اور یہ شکر کرے تو اجر پائے اور اگر اسے مصیبت پہنچے اور صبر کرے تو اجر پائے۔ غرض مومن کو ہر حالت پر اجر و ثواب ملتا ہے اس کا ہر کام نیک ہے۔ یہاں تک کہ محبت کے ساتھ جو لقمہ اٹھا کر یہ اپنی بیوی کے منہ میں دے اس پر بھی اسے ثواب ملتا ہے (مسند احمد)

بخاری و مسلم میں ہے آپ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے۔ اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے۔ یہ نعمت تو صرف مومن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی والی ہے۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں صبر و شکر انے والا بندہ کتنا ہی اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔ (تفسیر ابن حاتم، سبا، بیروت)

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

بیشک ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا تو ان لوگوں نے اس کی پیروی کی بجز ایک گروہ کے جو مومنین کا تھا۔

کفار نے شیطان کی پیروی کر کے اس کے گمان کو سچا کر دیکھایا

"وَلَقَدْ صَدَقَ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "عَلَيْهِمْ" أَيْ الْكُفَّار مِنْهُمْ سَبَأ "إِبْلِيس ظَنّه" أَنَّهُمْ بِإِغْوَائِهِ يَتَّبِعُونَهُ "فَاتَّبَعُوهُ" فَاتَّبَعُوهُ فَصَدَقَ بِالتَّخْفِيفِ فِي ظَنّه أَوْ صَدَّقَ بِالتَّشْدِيدِ ظَنّه أَيْ وَجَدَهُ صَادِقًا "إِلَّا" بِمَعْنَى لَكِنْ "فَرِيقًا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ" لِلْبَيَانِ : أَيْ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ لَمْ يَتَّبِعُوهُ،

بیشک ابلیس نے ان یعنی کفار کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا، یہاں پر لفظ صدق یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے اور ان کفار میں سے قوم سباٗ ہے تو ان لوگوں نے اس کی پیروی کی، یہاں پر اگر لفظ صدق تخفیف کے ساتھ ہو تو معنی یہ ہے کہ انہوں نے شیطان کی پیروی کی جو اس کا گمان تھا اور لفظ صدق تشدید کے ساتھ آئے تو اس کا معنی یہ شیطان نے اپنا گمان سچا پایا جیسا اس نے کیا تھا۔ بجز ایک گروہ کے، یعنی ہاں البتہ جو صحیح مومنین کا تھا۔ یہ بیان ہے اس لئے کہ وہ اہل ایمان تھے جنہوں نے شیطان کی اتباع نہیں کی۔

شیطان نے قوم سبا کے ذریعے دعویٰ گمراہی کو سچا کر دیا

ابلیس جو گمان رکھتا تھا کہ بنی آدم کو وہ شہوت وحرص اور غضب کے ذریعہ گمراہ کر دے گا۔ یہ گمان اس نے اہل سبا پر بلکہ تمام کافروں پر سچا کر دکھایا کہ وہ اس کے متبع ہو گئے اور اس کی اطاعت کرنے لگے۔ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ شیطان نے نہ کسی پر تلوار کھینچی، نہ کسی پر کوڑے مارے جھوٹے، وعدوں اور باطل امیدوں سے اہل باطل کو گمراہ کر دیا۔

سبا کے قصے کے بیان کے بعد شیطان کے اور مریدوں کا عام طور پر ذکر فرماتا ہے کہ وہ ہدایت کے بدلے ضلالت بھلائی کے بدلے برائی لے لیتے ہیں۔ ابلیس نے راندہ درگاہ ہو کر جو کہا تھا کہ میں ان کی اولاد کو ہر طرح برباد کرنے کی کوشش کروں گا اور تھوڑی سی جماعت کے سوا باقی سب لوگوں کو تیری سیدھی راہ سے بھٹکا دوں گا۔ اس نے یہ کر دکھایا اور اولاد آدم کو اپنے پنجے میں پھانس لیا۔ جب حضرت آدم وحوا اپنی خطا کی وجہ سے جنت سے اتار دیئے گئے اور ابلیس لعین بھی ان کے ساتھ اترا اس وقت وہ بہت خوش تھا اور جی میں اترا رہا تھا کہ جب انہیں میں نے بہکا لیا تو ان کی اولاد کو تباہ کر دینا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس خبیث کا قول تھا کہ میں ابن آدم کو سبز باغ دکھاتا رہوں گا غفلت میں رکھوں گا۔ طرح طرح سے دھوکے دوں گا اور اپنے جال میں پھنسائے رکھوں گا۔ جس کے جواب میں جناب باری جل جلالہ نے فرمایا تھا مجھے بھی اپنی عزت کی قسم موت کے غرغرے سے پہلے جب کبھی وہ توبہ کرے گا میں فوراً قبول کر لوں گا۔ وہ مجھے جب پکارے گا میں اس کی طرف متوجہ ہو جاؤں گا۔ مجھ سے جب کبھی جو کچھ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ مجھ سے جب وہ بخشش طلب کرے گا میں اسے بخش دوں گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ سبا، بیروت)

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا
فِيْ شَكٍّ ؕ وَ رَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝
اور شیطان کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر یہ اس لئے کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے ممتاز کردیں
جو اس کے بارے میں شک میں ہیں، اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

شیطان کے تسلط کا ہونا اہل ایمان و کفار کے درمیان فرق کرنے کیلئے ہونے کا بیان

"وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ" تَسْلِيطٍ "اِلَّا لِنَعْلَمَ" عِلْمَ ظُهُورٍ "مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ" فَنُجَازِي كُلًّا مِنْهُمَا "وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ" رَقِيبٌ

اور شیطان کا ان پر کچھ زور و تسلط نہ تھا مگر یہ اس لئے ہوا کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے ممتاز کر دیں یعنی ظاہر کر دیں جو اس کے بارے میں شک میں ہیں، تا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو جزاء دیں اور آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ لاٹھی لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا۔ ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لیے دی گئی کہ بندوں کا امتحان و ابتلاء منظور تھا۔ دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا ہے اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کی حکمت کا مقتضاء یہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لیے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں۔ جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو۔ بےخبری میں شیطان کسی بندے کو اچک لے جائے۔ خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال و شئون کی دیکھ بھال وہ ہی ہمہ وقت کرتا ہے۔ جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز و سفہ سے نہیں، حکمت و مصلحت کی بناء پر ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝
فرما دیجئے: تم انھیں بلالو جنہیں تم اللہ کے سوا سمجھتے ہو، وہ آسمانوں میں ذرہ بھر کے مالک نہیں ہیں اور نہ زمین میں،
اور نہ ان کی دونوں میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

مشرکین کے معبودان باطلہ کی کچھ ملکیت نہ ہونے کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّدُ لِكُفَّارِ مَكَّةَ "ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ" أَيْ زَعَمْتُمُوهُمْ آلِهَةً "مِنْ دُونِ اللّٰهِ" أَيْ غَيْرِهِ لِيَنْفَعُوكُمْ بِزَعْمِكُمْ قَالَ تَعَالَى فِيهِمْ "لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ" وَزْنَ "ذَرَّةٍ" مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ "فِي

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ " شَرِكَة "وَمَا لَهٗ" تَعَالٰی "مِنْهُمْ" مِنَ الْاٰلِهَة "مِنْ ظَهِیْرٍ" مُعِیْن،

یا محمد ﷺ آپ کفار مکہ سے فرما دیجئے: تم انھیں بلا لو جنھیں تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو، تا کہ وہ تمھیں فائدہ دیں جس طرح تمہارا گمان ہے۔تو ان کے بارے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ وہ آسمانوں میں ذرہ بھر خیر وشر کے مالک نہیں ہیں اور نہ زمین میں، اور نہ ان کی دونوں زمین وآسمان میں کوئی شراکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔یعنی دوست ومدد کرنے والا نہیں ہے۔

یعنی ان کفار مکہ سے کہئے کہ میرا پروردگار وہ ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے جو اس کا شکر ادا کرتا ہے اسے وہ نعمتوں سے نوازتا ہے۔حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اللہ کے شاکر بندے تھے تو اللہ نے انھیں بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔اور قوم "سبا" نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔اب تم بتلاؤ کہ جن معبودوں کو تم پکارتے ہو ان میں سے کوئی ایسا کام کر سکتا ہے؟ اگر تمہیں کچھ شک ہے تو انھیں پکار کے دیکھ لو کہ کیا وہ آڑے وقت کسی کے کام آ سکتے ہیں؟ اس بات کو اس پہلو سے بھی سمجھو کہ کائنات میں کسی بھی چیز پر ان کا کچھ اختیار ہے؟ نہ انہوں نے کسی چیز کو بنایا ہے، نہ ہی کسی چیز کی تخلیق میں ان کی شرکت ہے۔نہ ہی ان کا ظاہری اور باطنی اسباب پر کچھ کنٹرول ہے پھر وہ تمہاری بگڑی کو سنوار کیسے سکتے ہیں اور فائدہ کیا پہنچا سکتے ہیں؟ فائدہ یا نقصان تو وہی ہستی پہنچا سکتی ہے جس کے پاس کچھ ایسے اختیارات بھی ہوں۔اور جو چیز خود بے اختیار اور مجبور محض ہے اس سے نفع یا نقصان کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے؟

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس کسی صحابی سے یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب تبارک اسمہ جب کوئی حکم دیتا ہے تو عرش کے اٹھانے والے فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں، ان کی تسبیح کو سن کر ان کے قریب والے آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھنے لگتے ہیں، پھر ان کی تسبیح کو سن کر اس سے نیچے والے آسمان کے فرشتے تسبیح پڑھنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ یہ نوبت سماء دنیا (نیچے کے آسمان) تک پہنچ جاتی ہے (اور سب آسمانوں کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں) پھر وہ فرشتے جو حملہ عرش کے قریب ہیں ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے رب نے کیا فرمایا وہ بتلا دیتے ہیں۔

پھر اسی طرح ان سے نیچے کے آسمان والے اوپر والوں سے یہی سوال کرتے ہیں، یہاں تک کہ سوال وجواب کا یہ سلسلہ سماء دنیا تک پہنچ جاتا ہے۔الحدیث (تفسیر مظہری، سورہ سبا، لاہور)

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ
قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ ۝
اور نہ سفارش اس کے ہاں نفع دیتی ہے مگر جس کے لیے وہ اجازت دے، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور
کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں حق اور وہی سب سے بلند، بہت بڑا ہے۔

قیامت کے دن صرف اہل ایمان کیلئے سفارش ہونے کا بیان

"وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَه" وَهٰذِهٖ يَرُدُّ قَوْلَهُمْ إِنَّ آلِهَتَهُمْ تَشْفَعُ عِنْدَه "إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ" بِفَتْحِ الْهَمْزَة وَضَمِّهَا "لَهُ" فِي الشَّفَاعَة "حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُول "عَنْ قُلُوبِهِمْ" كُشِفَ عَنْهَا الْفَزَع بِالْإِذْنِ فِيهَا "قَالُوا" قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اسْتِبْشَارًا "مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ" فِيهَا "قَالُوا" الْقَوْل "الْحَقّ" أَيْ قَدْ أَذِنَ فِيهَا "وَهُوَ الْعَلِيّ" فَوْق خَلْقه بِالْقَهْرِ "الْكَبِير" الْعَظِيم

اور نہ سفارش اس کے ہاں نفع دیتی ہے، اور یہ ان کے اس قول کی تردید ہے کہ ان کے معبودان باطلہ ان کی سفارش کریں گے مگر جس کے لیے وہ اجازت دے، یہاں پر لفظ اُذن ہمزہ کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اس کیلئے سفارش ہوگی۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے۔ یہاں پر لفظ فزع یہ معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی اس کے حکم سے ان کے دلوں سے خوف ختم ہو جائے گا۔ تو وہ ایک دوسرے کو خوشخبری دیتے ہوئے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں حق فرمایا یعنی اس نے سفارش کی اجازت دی ہے۔ اور وہی اپنی مخلوق پر قہر کے ساتھ بلند، بہت بڑا ہے۔

آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں میں کوئی حکم سناتا ہے تو فرشتے گھبراہٹ کی وجہ سے اپنے پر مارتے ہیں جس سے ایک زنجیر پتھر پر کھڑکانے کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ حق بات کا حکم فرمایا اور سب سے بڑا اور عالیشان ہے تیز شیطان اوپر نیچے جمع ہو جاتے ہیں (تا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم سن سکیں)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1171)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ستارہ ٹوٹا جس سے روشنی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ زمانہ جاہلیت میں اگر ایسا ہوتا تھا تو کیا کہتے تھے؟ عرض کیا گیا ہم کہتے تھے کہ یا تو کوئی بڑا آدمی مرے گا یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کی موت وحیات کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا بلکہ ہمارا رب اگر کوئی حکم دیتا ہے تو حاملین عرش (فرشتے) تسبیح کرتے ہیں پھر اس آسمان والے فرشتے جو اس کے قریب ہے۔ پھر جو اس کے قریب ہیں۔ یہاں تک کہ تسبیح کا شور اس آسمان تک پہنچتا ہے۔ پھر چھٹے آسمان والے فرشتے ساتوں آسمان والوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ وہ انہیں بتاتے ہیں اور پھر ہر نیچے والے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا والوں تک پہنچ جاتی ہے اور شیاطین کان لگا کر سنتے ہیں تو اس ستارے سے انہیں مارا جاتا ہے، پھر یہ اپنے دوستوں (یعنی غیب کی خبروں کے دعویداروں) کو آکر بتاتے ہیں۔ پھر وہ جو بات اسی طرح بتاتے ہیں تو وہ صحیح ہوتی ہے لیکن وہ تحریف بھی کرتے ہیں اور اس میں اضافہ بھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور زہری سے بھی

منقول ہے وہ علی بن حسین سے وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ کئی انصاری حضرات سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1172)

محدثین اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں اس لئے لائے ہیں کہ اہل عرب میں سے ایک گروہ فرشتوں کو کارگاہ عالم میں متصرف سمجھ کر ان کی پوجا کرتا تھا اور جو لوگ ان میں سے آخرت کے کسی حد تک قائل تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر قیامت کو باز پرس ہوئی بھی تو یہ فرشتے اللہ کے ہاں ہماری سفارش کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ٥
آپ فرمائیے: تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے، آپ فرما دیجئے کہ اللہ، اور بیشک ہم یا تم
ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔

زمین وآسمان میں ذرائع رزق سے استدلال قدرت کا بیان

"قُلْ مَنْ يَرْزُقكُمْ مِنْ السَّمَاوَات" الْمَطَر "وَالْأَرْض" النَّبَات "قُلْ اللّٰه" إنْ لَمْ يَقُولُوهُ لَا جَوَاب غَيْره "وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ" أَيْ أَحَد الْفَرِيقَيْنِ "لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن فِي الْإِبْهَام تَلَطُّف بِهِمْ دَاعٍ إِلَى الْإِيمَان إِذَا وُفِّقُوا لَهُ،

آپ فرمائیے، تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے، یعنی رزق کے ذرائع بارش ونباتات کون دیتا ہے۔ آپ خود ہی فرما دیجئے کہ اللہ دیتا ہے، اگر وہ کچھ نہ کہیں کیونکہ اس کا جواب اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اور بیشک ہم یا تم یعنی فریقین میں سے کوئی ایک ضرور ہدایت پر ہے یا کھلی گمراہی میں ہے۔ یہاں حق کو مبہم رکھنے میں ان کے ساتھ نرمی ہے کیونکہ وہ ایمان کی طرف داعی ہے۔ تا کہ ان کو ایمان کی توفیق نصیب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق وغیرہ سے استدلال الوہیت کا بیان

اللہ تعالیٰ اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف وہی خالق ورازق ہے اور صرف وہی الوہیت والا ہے۔ جیسے ان لوگوں کو اس کا اقرار ہے کہ آسمان سے بارشیں برسانے والا اور زمینوں سے اناج اگانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ایسے ہی انہیں یہ بھی مان لینا چاہئے کہ عبادت کے لائق بھی فقط وہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جب ہم تم میں اتنا بڑا اختلاف ہے تو لامحالہ ایک ہدایت پر اور دوسرا ضلالت پر ہے نہیں ہو سکتا کہ دونوں فریق ہدایت پر ہوں یا دونوں ضلالت پر ہوں۔ ہم موحد ہیں اور توحید کے دلائل کھلم کھلا ہیں اور واضح ہم بیان کر چکے ہیں اور تم شرک پر ہو جس کی کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں۔ پس یقیناً ہم ہدایت پر اور یقیناً تم ضلالت پر ہو۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں سے ہی کہا تھا کہ ہم فریقین میں سے ایک ضرور سچا ہے۔ کیونکہ اس قدر تضاد وتباین کے بعد دونوں کا سچا ہونا تو عقلاً محال ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ۝

فرمادیجئے: تم سے اس جرم کی باز پرس نہ ہوگی جو ہم سے سرزد ہوا اور نہ ہم سے اس کا پوچھا جائے گا جو تم کرتے ہو۔ فرمادیجئے: ہم سب کو ہمارا رب جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا خوب جاننے والا ہے۔

قیامت کے دن اہل حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہونے کا بیان

"قُلْ لَا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا" أَذْنَبْنَا "وَلَا نُسْأَل عَمَّا تَعْمَلُونَ" لِأَنَّا بَرِيئُونَ مِنكُمْ، "قُلْ يَجْمَع بَيْننَا رَبّنَا" يَوْم الْقِيَامَة "ثُمَّ يَفْتَح" يَحْكُم "بَيْننَا بِالْحَقِّ" فَيُدْخِل الْمُحِقِّينَ الْجَنَّة وَالْمُبْطِلِينَ النَّار "وَهُوَ الْفَتَّاح" الْحَاكِم "الْعَلِيم" بِمَا يَحْكُم بِهِ،

فرمادیجئے: تم سے اس جرم کی باز پرس نہ ہوگی جو تمہارے گمان میں ہم سے خطائیں سرزد ہوئیں اور نہ ہم سے اس کا پوچھا جائے گا جو تم کرتے ہو۔ یعنی ہم تم سے بری الذمہ ہیں۔

فرمادیجئے: ہم سب کو ہمارا رب روز قیامت جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا، پس وہ اہل حق کو جنت میں داخل فرمائے گا جبکہ اہل باطل کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا خوب جاننے والا ہے۔ جس کے ساتھ وہ فیصلہ فرماتا ہے۔

اس آیت کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ہی ہدایت پر اور تم ضلالت پر ہو، ہمارا تمہارا بالکل کوئی تعلق نہیں۔ ہم تم سے اور تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہیں۔ ہاں جس راہ ہم چل رہے ہیں اسی راہ پر تم بھی آ جاؤ تو بیشک تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں ورنہ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں اور ایک آیت میں بھی ہے کہ اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے کہ میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے، تم میرے اعمال سے چڑتے ہو اور میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں۔ سورہ (قل یا ایہا الکفرون) الخ، میں بھی اسی بے تعلقی اور برات کا ذکر ہے، رب العالمین تمام عالم کو میدان قیامت میں اکٹھا کر کے سچے فیصلے کر دے گا۔ نیکوں کو ان کی جزا اور بدوں کو ان کی سزا دے گا۔ اس دن تمہیں ہماری حقانیت وصداقت معلوم ہو جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے (وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ 14) -30الروم:14) قیامت کے دن سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ ایماندار جنت کے پاک باغوں میں خوش وقت وفرحان ہوں گے اور ہماری آیتوں اور آخرت کے دن کو جھٹلانے والے، کفر کرنے والے، دوزخ کے گڑھوں میں حیران و پریشان ہوں گے۔ وہ حاکم و عادل ہے، حقیقت حال کا پورا عالم ہے، تم اپنے ان معبودوں کو ذرا مجھے بھی تو دکھاؤ۔ لیکن کہاں سے ثبوت دے سکو گے۔ جبکہ میرا رب لانظیر، بے شریک اور عدیم المثیل ہے، وہ اکیلا ہے، وہ ذی عزت ہے جس نے سب کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے اور ہر ایک پر غالب آ گیا ہے۔ حکیم ہے اپنے اقوال وافعال میں۔ اس طرح شریعت اور تقدیر

میں بھی برکتوں والا بلندیوں والا پاک منزہ اور مشرکوں کی تمام تہمتوں سے الگ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○
فرما دیجئے: مجھے وہ شریک دکھاؤ جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں ہے! بلکہ وہی اللہ بڑی عزت والا، بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شرک سے پاک ہونے کا بیان

"قُلْ أَرُونِي" أَعْلِمُونِي "الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاء" فِي الْعِبَادَة "كَلَّا" رَدْع لَهُمْ عَنْ اعْتِقَاد شَرِيك لَهُ "بَلْ هُوَ اللَّه الْعَزِيز" الْغَالِب عَلَى أَمْره "الْحَكِيم" فِي تَدْبِيره لِخَلْقِهِ فَلَا يَكُون لَهُ شَرِيك فِي مُلْكه،

فرما دیجئے: مجھے وہ شریک دکھاؤ یعنی مجھے بتاؤ جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ عبادت میں ملا رکھا ہے، ہرگز کوئی شریک نہیں ہے! جس طرح تمہارا عقیدہ شرکیہ ہے۔ بلکہ وہی اللہ بڑی عزت والا، یعنی اپنے حکم پر غالب ہے۔ اپنی مخلوق کی تدبیر میں بڑی حکمت والا ہے۔ لہٰذا اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یعنی جن بتوں کو تم نے عبادت میں شریک کیا ہے مجھے دکھاؤ تو کس قابل ہیں، کیا وہ کچھ پیدا کرتے ہیں، روزی دیتے ہیں اور جب یہ کچھ نہیں تو ان کو خدا کا شریک بنانا اور ان کی عبادت کرنا کیسی عظیم خطا ہے اس سے باز آؤ۔

یہ کفار مکہ سے دوسرا سوال ہے۔ پہلا سوال اللہ کی رزاقیت سے متعلق تھا۔ دوسرا اس کی خالقیت سے متعلق ہے کہ اللہ نے تو اس تمام کائنات کو اور ہمیں بھی اور تمہیں بھی پیدا کیا ہے۔ لہٰذا مخلوق کا یہی حق ہے کہ اپنے خالق کی عبادت کرے اور حمد و ثنا بیان کرے۔ اب یا تو یہ نشان دہی کرو کہ تمہارے ان معبودوں نے بھی اس کائنات کی فلاں یا فلاں چیز بنائی ہے اور ہمیں عدم سے وجود میں لانے والے تمہارے یہ معبود ہیں۔ آخر کچھ تو ان کا تخلیقی کارنامہ دکھلاؤ۔ اور اگر تم ان کا کوئی تخلیقی کارنامہ نہیں دکھلا سکتے تو پھر آخر تم نے کس دلیل کی بنا پر کس خوشی میں ان معبودوں کو اللہ کا شریک بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں جب یہ واضح ہو گیا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر غالب بھی ہوا جس نے حکمتوں سے لبریز یہ نظام کائنات تخلیق کیا ہے۔ لہٰذا تمہارے معبود مخلوق بھی ہیں، مملوک بھی ہیں اور مقہور بھی۔ پھر یہ عبادت کے لائق کیسے بن گئے؟

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ آپ پوری انسانیت کے لئے خوشخبری سنانے والے
اور ڈر سنانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت تمام انسانیت کی طرف ہونے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّة" حَال مِنْ النَّاس قُدِّمَ لِلِاهْتِمَامِ "لِلنَّاسِ بَشِيرًا" مُبَشِّرًا لِلْمُؤْمِنِينَ بِالْجَنَّةِ

"وَنَذِيرًا" مُنْذِرًا لِلْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ "وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" ذٰلِكَ،

اور (اے حبیب مکرم ﷺ) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ آپ اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری سنانے والے اور کفار کو عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں۔ یہاں پر لفظ کافہ یہ للناس سے حال ہے اور اس کی تقدیم کا سبب اس کا اہتمام ہے۔ لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس بیان کو نہیں جانتے۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت کے عموم کا بیان

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت عامّہ ہے تمام انسان اس کے احاطہ میں ہیں گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی، پہلے ہوں یا پچھلے سب کے لئے آپ رسول ہیں اور وہ سب آپ کے امتی۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئیں (۱) ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی (۲) تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کی گئی کہ جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو نماز پڑھے (۳) اور میرے لئے غنائم حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں (۴) اور مجھے مرتبہ شفاعت عطا کیا گیا (۵) اور انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا۔ حدیث میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائلِ مخصوصہ کا بیان ہے جن میں سے ایک آپ کی رسالت عامّہ ہے جو تمام جن وانس کو شامل ہے خلاصہ یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام خَلق کے رسول ہیں اور یہ مرتبہ خاص آپ کا ہے جو قرآن کریم کی آیات اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے سورہ فرقان کی ابتداء میں بھی اس کا بیان گزر چکا ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ سبا، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان والوں اور نبیوں پر غرض سب پر فضیلت دی ہے۔ لوگوں نے اس کی دلیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا دیکھو قرآن فرماتا ہے کہ ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اس میں کھلم کھلا تبلیغ کر دے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے کہ ہم نے تجھے عام لوگوں کی طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ سبا، بیروت)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ۝
اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہوگا، اگر تم سچے ہو؟ فرما دیجئے: تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ
تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے۔

قیامت کا لمحہ بھر مقدم یا مؤخر نہ ہونے کا بیان

"وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْد" بِالْعَذَابِ "اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" فِيهِ "قُلْ لَكُمْ مِيعَاد يَوْم لَا تَسْتَأْخِرُوْنَ عَنْهُ

سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ" عَلَيْهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَة،

اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ عذاب کب پورا ہوگا، اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو؟ فرما دیجئے: تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔

یعنی یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ابھی اس نے کتنے انسان اور پیدا کرنے ہیں۔ جن کا اسی دنیا اور اس نظام کائنات کے تحت امتحان لیا جانے والا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس کے پہلے سے طے شدہ سکیم کے مطابق ہو رہا ہے۔ وہ ہو کے رہے گا۔ تمہاری طلب کرنے یا جلدی مچانے سے یا پوچھتے رہنے سے وہ وقت سے پہلے نہیں آ سکتا ہاں جب اس کا وقت آ گیا تو پھر اس میں تاخیر ناممکن ہے۔ لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ اس دن کے آنے سے پہلے پہلے جو بہتر سے بہتر کام تم اپنے لئے کر سکتے ہو کر لو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○
اور ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے، اور کاش! تو دیکھے
جب یہ ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کیے ہوئے ہوں گے، ان میں سے ایک دوسرے کی بات رد کر رہا ہوگا، جو لوگ کمزور سمجھے
گئے تھے ان لوگوں سے جو بڑے بنے تھے، کہہ رہے ہوں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لانے والے ہوتے۔

کفار کا اپنے متبعین کے ہمراہ قیامت کے دن حاضر کیے جانے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" مِنْ أَهْل مَكَّة "لَنْ نُؤْمِن بِهٰذَا الْقُرْآن وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ" أَيْ تَقَدَّمَهُ كَالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيل الدَّالَّيْنَ عَلَى الْبَعْث لِإِنْكَارِهِمْ لَهُ "وَلَوْ تَرَى" يَا مُحَمَّد "إِذْ الظَّالِمُوْنَ" الْكَافِرُوْنَ "مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبّهمْ يَرْجِع بَعْضهمْ إِلَى بَعْض الْقَوْل يَقُول الَّذِيْنَ اُسْتُضْعِفُوْا" الْأَتْبَاع "لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا" الرُّؤَسَاء "لَوْلَا أَنْتُمْ" صَدَدْتُمُوْنَا عَنْ الْإِيْمَان "لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ" بِالنَّبِيِّ،

اور ان لوگوں یعنی اہل مکہ نے کہا جنھوں نے کفر کیا ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے، یعنی جو تورات اور انجیل ہیں جن کی دلیل بعثت ہے جبکہ یہ انکار کرنے والے ہیں۔ اور یا محمد ﷺ کاش! آپ دیکھیں جب یہ ظالم یعنی کفار اپنے رب کے پاس کھڑے کیے ہوئے ہوں گے، ان میں سے ایک دوسرے کی بات رد کر رہا ہوگا، جو لوگ کمزور سمجھے گئے تھے جو اتباع کرتے تھے۔ ان لوگوں سے جو بڑے بنے تھے، کہہ رہے ہوں گے یعنی جو ان کے رہنما تھے۔ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور نبی کریم ﷺ پر اہل ایمان کی طرح ایمان لانے والے ہوتے۔

کافروں کی سرکشی اوران کے عذاب کا بیان

کافروں کی سرکشی اور باطل کی ضد کا بیان ہورہا ہے کہ انہوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ قرآن کی حقانیت کی ہزار ہا دلیلیں بھی دیکھ لیں لیکن نہیں مانیں گے۔ بلکہ اس سے اگلی کتاب پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ انہیں اپنے اس قول کا مزہ اس وقت آئے گا جب اللہ کے سامنے جہنم کے کنارے کھڑے چھوٹے بڑوں کو، بڑے چھوٹوں کو الزام دیں گے۔ ہر ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ تابعدار اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوئے ہوتے، ان کے بزرگ انہیں جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں روکا تھا؟ ہم نے ایک بات کہی تم جانتے تھے کہ یہ سب بیدلیل ہے دوسری جانب سے دلیلیوں کی برستی ہوئی بارش تمہاری آنکھوں کے سامنے تھی پھر تم نے اس کی پیروی چھوڑ کر ہماری کیوں مان لی؟ یہ تو تمہاری اپنی بے عقلی تھی، تم خود شہوت پرست تھے، تمہارے اپنے دل اللہ کی باتوں سے بھاگتے تھے، رسولوں کی تابعداری خود تمہاری طبیعتوں پر شاق گذرتی تھی۔ سارا قصور تمہارا اپنا ہی ہے ہمیں کیا الزام دے رہے ہو؟ اپنے بزرگوں کی مان لینے والے یہ بیدلیل انہیں پھر جواب دیں گے کہ تمہاری دن رات کی دھوکے بازیاں، جعل سازیاں، فریب کاریاں ہمیں اطمینان دلاتیں کہ ہمارے افعال اور عقائد ٹھیک ہیں، ہم سے بار بار شرک وکفر کے نہ چھوڑنے، پرانے دین کے نہ بدلنے، باپ دادوں کی روش پر قائم رہنے کو کہنا، ہماری کمر تھپکنا۔ ہماے ایمان سے رک جانے کا یہی سبب ہوا۔ تم ہی آ آ کر ہمیں عقلی ڈھکوسلے سنا کر اسلام سے روگرداں کرتے تھے۔ دونوں الزام بھی دیں گے۔ برات بھی کریں گے۔ لیکن دل میں اپنے کئے پر پچھتا رہے ہوں گے۔ ان سب کے ہاتھوں کو گردن سے ملا کر طوق وزنجیر سے جکڑ دیا جائے گا۔ اب ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی۔ ہر ایک کو پورا پورا عذاب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آپڑے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ سبا، بیروت)

حسن بن یحییٰ خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے، ہر غار، ہر زنجیر، ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے جب حضرت سلیمان دارانی کے سامنے یہ بیان ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمانے لگے ہائے ہائے پھر کیا حال ہوگا اس کا جس پر یہ سب عذاب جمع ہو جائیں۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں، گردن میں طوق ہوں پھر جہنم کے غار میں دھکیل دیا جائے۔ اللہ تو بچانا پروردگار تو ہمیں سلامت رکھنا۔ اللھم سلم اللھم سلم (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ
اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ
وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

متکبر لوگ کمزوروں سے کہیں گے، کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی، بلکہ تم خود ہی مُجرم تھے۔ پھر کمزور لوگ متکبّروں سے کہیں گے: بلکہ رات دن کے مکر ہی نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور ہم اس کے لئے شریک ٹھہرائیں، اور وہ ندامت چھپائیں گے جب وہ عذاب دیکھ لیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، اور انھیں ان کے کئے کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

قیامت کے دن گمراہ تابع ومتبوع کی باہمی ندامت کا بیان

"بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ" فِي أَنْفُسِكُمْ،

"وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ" أَيْ مَكْرٌ فِيهِمَا مِنْكُمْ بِنَا "إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا" شُرَكَاء "وَأَسَرُّوا" أَيْ الْفَرِيقَانِ "النَّدَامَةَ" عَلَى تَرْك الْإِيمَان بِهِ "لَمَّا رَأَوْا الْعَذَاب" أَيْ أَخْفَاهَا كُلّ عَنْ رَفِيقه مَخَافَة التَّعْيِير "وَجَعَلْنَا الْأَغْلَال فِي أَعْنَاق الَّذِينَ كَفَرُوا" فِي النَّار "هَلْ" مَا "يُجْزَوْنَ إِلَّا" جَزَاء "مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" فِي الدُّنْيَا،

متکبر لوگ کمزوروں سے کہیں گے: کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی، بلکہ تم خود ہی مُجرم تھے۔ پھر کمزور لوگ متکبّروں سے کہیں گے: بلکہ تمہارے رات دن کے مکر ہی نے ہمیں روکا تھا۔ جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور ہم اس کے لئے شریک ٹھہرائیں، اور وہ ایک دوسرے سے ندامت چھپائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ایمان ترک کیا تھا۔ جب وہ عذاب دیکھ لیں گے یعنی ہر فریق اپنے ساتھی سے شرم دلانے کی وجہ سے ندامت کو چھپائے گا۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں جہنم کے طوق ڈال دیں گے، اور انھیں ان کے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

یعنی بیشک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا۔ مگر رات دن مکر وفریب اور مغویانہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے۔ جب ملے یہ تلقین کی کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں۔ بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں۔ آخر تمہاری شب وروز کی ترغیب وترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔

یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائیں گے۔ ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں۔ لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے اور شدید اضطراب وخوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ تم جو دے کر بھیجے گئے ہو

ہم اس کے منکر ہیں۔اورانہوں نے کہا کہ ہم مال واولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا۔

مال ودولت کے سبب کفار کا اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا" رُؤَسَاؤُهَا الْمُتَنَعِّمُونَ "وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَر أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا" مِمَّنْ آمَنَ،

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والانہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال امراء نے ہمیشہ یہی کہا کہ تم جو ہدایت دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔اورانہوں نے کہا کہ ہم اہل ایمان کی بہ نسبت مال واولاد میں بہت زیادہ ہیں اور ہم پر عذاب نہیں کیا جائے گا۔

سورہ سبا آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

عاصم بن رزین سے روایت ہے کہ دو آدمی آپس میں شریک تھے ان میں سے ایک شام کی طرف چلا گیا اور دوسرا وہیں رہا جب نبی مبعوث ہوئے تو اس شام والے نے اپنے ساتھی سے حضور کے متعلق پوچھا تو اس نے اسے لکھا کہ قریش میں سوائے رذیل اور مسکین لوگوں کے کسی نے اس کی پیروی نہیں کی اس نے اپنی تجارت چھوڑی اور اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے نبی کے گھر کی نشان دہی کرو بعض آسمانی کتابیں پڑھا کرتا تھا یہ نبی کی خدمت میں آیا اور پوچھا آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں آپ نے فرمایا اس اس چیز کی طرف اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے پوچھا تمہیں کس نے بتلایا ہے اس نے کہا کوئی بھی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر شروع شروع میں رذیل اور مسکین لوگوں نے ہی اس کی پیروی اختیار کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ) تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ اللہ نے تیری بات کی تصدیق نازل کردی۔(سیوطی 235،ابن کثیر 3-540)

کفار کا نسب ودولت کے سبب اپنے آپ کو برتر جاننے کا بیان

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سفیان بن حرب نے بیان کیا کہ ہرقل نے ان کے پاس ایک شخص کو بھیجا (اور وہ اس وقت قریش کے چند سرداروں میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہ لوگ شام میں تاجر کی حیثیت سے گئے تھے (یہ واقعہ اس زمانے میں ہوا) جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور دیگر کفار قریش سے ایک محدود عہد کیا تھا، غرض! سب قریش ہرقل کے پاس آئے، یہ لوگ اس وقت ایلیا میں تھے، تو ہرقل نے ان کو اپنے پاس دربار میں طلب کیا اور اس کے گرد سرداران روم (بیٹھے ہوئے) تھے، پھر ان (سب قریشیوں) کو اس نے (اپنے قریب بلایا) اپنے ترجمان کو طلب کیا قریشیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم میں سب سے زیادہ اس شخص کا قریب النسب کون ہے، جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں، میں نے کہا میں ان سب سے زیادہ ان کا قریبی رشتہ دار ہوں۔

یہ سن کر ہرقل نے کہا کہ ابوسفیان کو میرے قریب کر دو اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس کے قریب رکھو اور ان کو ابوسفیان کی پس پشت کھڑا کر دو، پھر ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص کا حال پوچھتا ہوں (جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اگر مجھ سے جھوٹ بیان کرے، تو تم فوراً اس کی تکذیب کر دینا (ابوسفیان کہتے ہیں کہ) اللہ کی قسم اگر مجھے اس بات کی غیرت نہ ہوتی کہ لوگ میرے اوپر جھوٹ بولنے کا الزام لگائیں گے تو یقیناً میں آپ کی نسبت غلط باتیں بیان کر دیتا، غرض سب سے پہلے جو ہرقل نے مجھ سے پوچھا، وہ یہ تھا کہ اس نے کہا کہ اس کا نسب تم لوگوں میں کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں بڑے نسب والے ہیں۔

پھر ہرقل نے کہا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس سے پہلے بھی اس بات (نبوت) کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں (پھر ہرقل نے) کہا، کہ کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ میں نے کہا نہیں

(پھر ہرقل نے) کہا کہ امیر لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا نہیں، بلکہ کمزور (پھر) ہرقل بولا آیا ان کے پیروکار (روز بروز) بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، میں نے کہا (کم نہیں ہوتے بلکہ) زیادہ ہوتے جاتے ہیں، ہرقل بولا، آیا ان میں سے کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کی شدت کے باعث اس دین سے خارج بھی ہو جاتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔

(پھر ہرقل نے) کہا کہ کیا وہ کبھی وعدہ خلافی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں اور اب ہم ان کی مہلت میں ہیں ہم نہیں جانتے کہ وہ اس (مہلت کے زمانہ) میں کیا کریں گے (وعدہ خلافی یا ایفائے عہد)، ابوسفیان کہتے ہیں کہ سوائے اس کلمہ کے مجھے اور کوئی موقع نہ ملا کہ میں کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں داخل کر دیتا، ہرقل نے کہا آیا تم نے (کبھی) اس سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں، تو بولا تمہاری جنگ ان سے کیسی رہتی ہے، میں نے کہا کہ لڑائی ہمارے اور ان کے درمیان ڈول (کے مثل) رہتی ہے، کہ کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں (کبھی ہم فتح پاتے ہیں اور کبھی وہ) ہرقل نے پوچھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور شرک کی باتیں جو تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دو اور ہمیں نماز پڑھنے اور سچ بولنے اور پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہرقل نے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہہ دے کہ میں نے تم سے ان کا نسب پوچھا تو تم نے بیان کیا کہ وہ تمہارے درمیان میں اعلیٰ نسب والے ہیں اور تمام پیغمبر اپنی قوم کے نسب میں اسی طرح (عالی نسب) مبعوث ہوا کرتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا یہ بات (اپنی نبوت کا دعویٰ) تم میں سے کسی اور نے بھی کیا تھا، تو تم نے بیان کیا کہ نہیں میں نے (اپنے دل میں) سمجھ لیا کہ اگر یہ بات ان سے پہلے کوئی کہہ چکا ہو تو میں کہہ دوں گا کہ وہ ایک شخص ہے جو اس قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جا چکا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تھا، تو تم نے بیان کیا کہ نہیں، پس میں نے (اپنے دل میں) سمجھ لیا کہ ان کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہوگا، تو میں کہہ دوں گا کہ وہ ایک شخص ہیں جو اپنے باپ دادا کا ملک حاصل کرنا چاہتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا اس سے پہلے کہ انہوں نے یہ بات کہی ہے ان پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہے، تو

تم نے کہا کہ نہیں۔

پس (اب) میں یقیناً جانتا ہوں کہ (کوئی شخص) ایسا نہیں ہوسکتا کہ لوگوں پر جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا بڑے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے یا کمزور لوگوں نے، تو تم نے کہا کہ کمزور لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے، (دراصل) تمام پیغمبروں کے پیرو یہی لوگ (ہوتے رہے) ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ ان کے پیرو زیادہ ہوتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں، تو تم نے بیان کیا کہ وہ زیادہ ہوتے جاتے ہیں (درحقیقت) ایمان کا کمال کو پہنچنے تک یہی حال ہوتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے بعد ان کے دین میں داخل ہوجائے ان کے دین سے ناخوش ہوکر (دین سے) پھر بھی جاتا ہے؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اور ایمان کی یہی صورت ہے، جب کہ اس کی بشاشت دلوں میں بیٹھ جائے اور میں نے تم سے پوچھا کہ آیا وہ وعدہ خلافی کرتے ہیں تو تم نے بیان کیا کہ نہیں (بات یہ ہے کہ) اسی طرح تمام پیغمبر وعدہ خلافی نہیں کرتے اور میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں تو تم نے بیان کیا کہ وہ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کی شریک نہ کرو اور تمہیں بتوں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور تمہیں نماز پڑھنے اور سچ بولنے اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں۔

پس اگر تمہاری کہی ہوئی بات سچ ہے تو عنقریب وہ میرے ان قدموں کی جگہ کے مالک ہوجائیں گے اور بے شک میں (کتب سابقہ سے) جانتا تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں، مگر میں یہ نہ جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے، پس اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا، تو یقیناً میں ان سے ملنے کا بڑا اہتمام کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو یقیناً میں ان کے پیروں کو دھوتا، پھر ہرقل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (مقدس) خط جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دحیہ کلبی کے ہمراہ امیر بصری کے پاس بھیجا تھا اور امیر بصری نے اس کو ہرقل کے پاس بھیج دیا تھا، منگوایا اور اس کو پڑھوایا، تو اس میں یہ مضمون تھا اللہ نہایت مہربان رحم کرنے والے کے نام سے (یہ خط ہے) اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بادشاہ روم کی طرف، اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اس کے بعد واضح ہو کہ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لاؤ گے تو (قہر الٰہی) سے بچ جاؤ گے اور اللہ تمہیں تمہارا دوگنا ثواب دے گا اگر تم (میری دعوت سے) منہ پھیرو گے تو بلاشبہ تم پر (تمہاری) تمام رعیت (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ ہوگا اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم اور تم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا پروردگار بنائے، اللہ فرماتا ہے کہ پھر اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں تو تم کہہ دینا کہ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے جو کچھ کہا کہہ چکا اور (آپکا) خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے ہاں شور زیادہ ہوا، آوازیں بلند ہوئیں اور ہم لوگ (وہاں سے) نکال دیئے گئے، تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ (دیکھو تو) ابوکبشہ کے بیٹے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کام ایسا بڑھ گیا کہ اس سے بنی اصفر (روم) کا بادشاہ خوف رکھتا ہے، پس اس وقت سے مجھے ہمیشہ کے لئے اس کا یقین ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور غالب ہوجائیں گے، یہاں تک کہ اللہ نے مجھے اسلام میں داخل فرمایا

اور ابن ناطور ایلیا کا حاکم تھا اور ہرقل شام کے نصرانیوں کا سردار تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا، تو اس کے بعض خواص نے کہا کہ ہم (اس وقت) آپ کی حالت خراب پاتے ہیں؟

ابن ناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن تھا، نجوم میں مہارت رکھتا تھا اس نے اپنے خواص سے جب کہ انہوں نے پوچھا، یہ کہا کہ میں نے رات کو جب نجوم میں نظر کی، تو دیکھا کہ ختنہ کرنے والا بادشاہ غالب ہو گیا تو (دیکھو کہ) اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سوائے یہود کے کوئی ختنہ نہیں کرتا، سو یہود کی طرف سے آپ اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں لکھ بھیجئے کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں، پس وہ لوگ اپنی اس تدبیر میں تھے کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر بیان کی، جب ہرقل نے اس سے یہ خبر معلوم کی، تو کہا کہ جاؤ اور دیکھو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہے کہ نہیں، لوگوں نے اس کو دیکھا تو بیان کیا کہ وہ ختنے کئے ہوئے ہیں اور ہرقل نے اس سے عرب کا حال پوچھا، تو اس نے کہا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں۔

تب ہرقل نے کہا کہ یہی (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس زمانہ کے لوگوں کا بادشاہ ہے، جو روم پر غالب آئے گا، پھر ہرقل نے اپنے دوست کو رومیہ (یہ حال) لکھ کر بھیجا اور وہ علم (نجوم) میں اسی کا ہم پایہ تھا اور (یہ لکھ کر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا، پھر حمص سے باہر نہیں جانے پایا کہ اس کے دوست کا خط (اسکے جواب میں) آ گیا وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کرتا تھا اور یہ (اس نے لکھا تھا) کہ وہ نبی ہیں اس کے بعد ہرقل نے سرداران روم کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا، طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لئے جائیں تو وہ بند کر دیئے گئے۔

اور ہرقل (اپنے گھر سے) باہر آیا تو کہا کہ اے روم والو کیا ہدایت اور کامیابی میں (کچھ حصہ) تمہارا بھی ہے اور (تمہیں) یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت قائم رہے (اگر ایسا چاہتے ہو) تو اس نبی کی بیعت کر لو، تو (اسکے سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے، تو کواڑوں کو بند پایا بالآخر جب ہرقل نے اس درجے ان کی نفرت دیکھی اور (ان کے) ایمان لانے سے مایوس ہو گیا، تو بولا کہ ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ (جب وہ آئے تو ان سے) کہا میں نے یہ بات ابھی جو کہی تو اس سے تمہارے دین کی مضبوطی کا امتحان لینا تھا وہ مجھے معلوم ہو گئی تب لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے، ہرقل کی آخری حالت یہی رہی ابوعبداللہ کہتا ہے کہ اس حدیث کو (شعیب کے علاوہ) صالح بن کیسان اور یونس اور معمر نے (بھی) زہری سے روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 6)

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝
فرما دیجئے: میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

رزق میں وسعت وکمی کی حکمت کا بیان

"قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ" یُوَسِّعُهُ "لِمَنْ یَشَاءُ" امْتِحَانًا "وَیَقْدِرُ" یُضَیِّقهُ لِمَنْ یَشَاء ابْتِلَاء "وَلٰکِنَّ

أَكْثَر النَّاس" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" ذَلِكَ،

فرما دیجئے: میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے بہ طور امتحان رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے بہ طور آزمائش تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ اس حکمت کو نہیں جانتے۔

یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھتے نہیں۔ دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خدا پرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ دولت وافلاس یا تنگی وفراخی کسی کے محبوب ومقبول عنداللہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝

اور نہ تمہارے مال اس قابل ہیں اور نہ تمہاری اولاد کہ تمہیں ہمارے حضور قرب اور نزدیکی دلاسکیں مگر جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، پس ایسے ہی لوگوں کے لئے دوگنا اجر ہے ان کے عمل کے بدلے میں اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے ہوں گے۔

مال واولاد کا وسیلہ قرب نہ بن سکنے کا بیان

"وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى" قُرْبَى أَيْ تَقْرِيبًا "إِلَّا" لَكِنْ "مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاء الضِّعْف بِمَا عَمِلُوا" أَيْ جَزَاء الْعَمَل: الْحَسَنَة مَثَلًا بِعَشْرٍ فَأَكْثَر "وَهُمْ فِي الْغُرُفَات" مِنْ الْجَنَّة وَفِي قِرَاءَة الْغُرْفَة بِمَعْنَى الْجَمْع "آمِنُونَ" مِنْ الْمَوْت وَغَيْره،

اور نہ تمہارے مال اس قابل ہیں اور نہ تمہاری اولاد کہ تمہیں ہمارے حضور قرب اور نزدیکی دلاسکیں مگر جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے، پس ایسے ہی لوگوں کے لئے دوگنا اجر ہے یعنی ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکوں کا ثواب ہے۔ ان کے عمل کے بدلے میں اور وہ جنت کے بالا خانوں میں امن وامان سے ہوں گے۔ ایک قرأت میں لفظ غرفہ آیا ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ اور وہ موت سے امن پانے والے ہیں۔

یعنی مال واولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گزرا ہے۔ اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بعد کا سبب بن جاتا ہے۔ ہاں مومن اگر مال ودولت اور شائستہ بنائے، ایسا مال و اولاد ایک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے۔ بہر حال وہاں مال واولاد کی پوچھ نہیں۔ محض ایمان وعمل صالح کی پرسش ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد)

ایمان اور نیک عمل والوں کیلئے حصول قرب کا بیان

یہ ایمان و عمل صالح والوں کا حال بتلایا گیا ہے، کہ اللہ کے نزدیک مقبول یہی لوگ ہیں، دنیا میں کوئی ان کی قدر پہچانے یا نہ پہچانے، آخرت میں ان کو جزائے ضعف ملے گی۔ ضعف بکسر ضاد مصدر ہے جس کے معنی ایک شے کے مثل یا امثال کے آتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں دولت والے اپنی دولت کو بڑھانے میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی جزاء کو آخرت میں بڑھا دیں گے، کہ ایک عمل کی جزاء اس کے دس امثال ہوں گے اور اس میں بھی منحصر نہیں، اس کے اخلاص عمل اور دوسرے اسباب سے ایک عمل کی جزا اس کے سات سو گنا تک ملنا بھی احادیث صحیحہ میں ثابت ہے۔ اور اس میں بھی حصر نہیں، اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے اور یہ لوگ جنت کے غرفوں میں مامون اور ہمیشہ کے لئے ہر رنج و غم سے محفوظ رہیں گے۔ غرفات غرفہ کی جمع ہے، مکان کا جو حصہ دوسرے حصوں سے ممتاز اور اعلیٰ سمجھا جائے اس کو غرفہ کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری، سورہ سبا، لاہور)

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○
اور جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں۔ عاجز کرنے کے گمان میں، وہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

قرآن مجید کو مٹانے کی کوشش کرنے والے کفار کا بیان

"وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا " اَلَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِي الْقُرْآنِ بِالْإِبْطَالِ "مُعَاجِزِيْنَ" لَنَا مُقَدِّرِيْنَ عَجْزَنَا وَأَنَّهُمْ يَفُوتُونَنَا،

اور جو لوگ ہماری آیتوں یعنی قرآن کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں عاجز کرنے کے گمان میں، وہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ ہمیں عاجز کر کے وہ عذاب سے بچ نکلیں گے۔

یعنی قرآن کریم پر زبان طعن کھولتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اپنی ان باطل کاریوں سے وہ لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیں گے اور ان کا یہ مکر اسلام کے حق میں چل جائے گا اور وہ ہمارے عذاب سے بچ رہیں گے کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہی نہیں ہے تو عذاب ثواب کیسا۔ اور ان کی یہ مکاریاں انہیں کچھ کام نہ آئیں گی۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○
فرما دیجئے: بیشک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے تنگ کر دیتا ہے،
اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کے بدلہ میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

رزق میں وسعت و تنگی کا بیان

"قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ" يُوَسِّعُهُ "لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ" اِمْتِحَانًا "وَيَقْدِرُ" يُضَيِّقُهُ "لَهُ" بَعْدَ الْبَسْطِ

أَوْ لِمَنْ يَشَاء ابْتِلَاء "وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَىْء " فِي الْخَيْر "فَهُوَ يُخْلِفهُ وَهُوَ خَيْر الرَّازِقِينَ" يُقَال كُلّ إِنْسَان يَرْزُق عَائِلَته أَىْ مِنْ رِزْق اللّٰه

فرما دیجئے: بیشک میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے بہ طور امتحان رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے۔ بہ طور آزمائش تنگ کر دیتا ہے، اور تم بھلائی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو وہ اس کے بدلہ میں اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر انسان سے وہ اللہ کے رزق سے اپنے اہل وعیال کو دیتا ہے۔

مال خرچ کرنے فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ تین راتیں گزر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 357)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو سخی کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے دے یا آخرت میں اجر وثواب عطا فرما اور دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کو تلف (نقصان) دے اور یعنی جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف وضائع کر دے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 358)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہاں اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو کہ کتنا خرچ کروں اور کیا خرچ کروں نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں شمار کرے گا (یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ختم کر کے تمہارا رزق کم کر دے گا بایں طور کہ اسے ایک معدود دع محدود چیز کی مانند کر دے گا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال وزر کے بارے میں تم سے محاسبہ کرے گا اور جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہو اسے حاجت مندوں سے روک کر نہ رکھو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں اپنی زائد عطاء وبخشش روک لے گا، نیز یہ کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 359)

لفظ لا تحصی (اور یہ شمار نہ کرو الخ) کے ایک معنی تو وہی ہیں جو اوپر ترجمے میں مذکور ہوئے ہیں اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مال کو جمع کرنے کے لئے نہ شمار کرو اور اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ترک نہ کرو۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے تم اپنی حیثیت وقدرت کے مطابق جو کچھ بھی خرچ کر سکو اسے اللہ کی راہ میں جرور خرچ کرو خواہ وہ مقدار تعداد کتنا ہی کم کیوں نہ ہو بلکہ اسے حقیق بھی نہ سمجھو کیونکہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا ایک ذرہ بھی اللہ کے نزدیک بہت وقیع اور میزان عمل میں بہت وزنی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○
اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟

قیامت کے دن تمام مشرکین کے جمع ہونے کا بیان

"وَ" "يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا" أَيْ الْمُشْرِكِينَ "ثُمَّ نَقُول لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الْأُولَى يَاء وَإِسْقَاطهَا،

اور جس دن وہ ان سب یعنی مشرکین کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ جبکہ پہلے کو یاء کے ساتھ تبدیل بھی کیا گیا اور اس کو ساقط کرنا بھی آیا ہے۔

قیامت کے دن مشرکین کی ندامت وشرمندگی کا بیان

مشرکین کو شرمندہ لاجواب اور بے عذر کرنے کیلئے ان کے سامنے فرشتوں سے سوال ہوگا۔ جن کی مصنوعی شکلیں بنا کر یہ مشرک دنیا میں پوجتے رہے کہ وہ انہیں اللہ سے ملا دیں۔ سوال ہوگا کہ کیا تم نے انہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا تھا؟ جیسے سورہ فرقان میں ہے (ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ، الفرقان: 17) یعنی کیا تم نے انہیں گمراہ کیا تھا؟ یہ خود ہی بہکے ہوئے تھے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہی سوال ہوگا کہ کیا تم لوگوں سے کہہ آئے تھے کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری ماں کی عبادت کرنا؟ آپ جواب دیں گے کہ اللہ تیری ذات پاک ہے جو کہنا مجھے سزاوار نہ تھا، اسے میں کیسے کہہ دیتا؟

اسی طرح فرشتے بھی اپنی برات ظاہر کریں گے اور کہیں گے تو اس سے بہت بلند اور پاک ہے تیرا کوئی شریک ہو۔ ہم تو خود تیرے بندے تھے ہم ان سے بیزار رہے اور اب بھی ان سے الگ ہیں۔ یہ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شیطانوں نے ہی ان کے لئے بتوں کی پوجا کو مزین کر رکھا تھا اور انہیں گمراہ کر دیا تھا ان میں سے اکثر کا شیطان پر ہی اعتقاد تھا۔ جیسے فرمان باری ہے (اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا، النسآء: 117) یعنی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ جس پر اللہ کی پھٹکار ہے، پس جن جن سے تم مشرکو! لو (امید) لگائے ہوئے تھے، ان میں سے ایک بھی آج تمہیں کوئی نفع نہ پہنچا سکے گا۔ اس شدت وکرب کے وقت یہ سارے جھوٹے معبود تم سے یک سو ہو جائیں گے کیونکہ انہیں کسی کے کسی طرح کے نفع وضرر کا اختیار تھا ہی نہیں۔ آج ہم خود مشرکوں سے فرمادیں گے کہ لو جس عذاب جہنم کو جھٹلا رہے تھے آج اس کا مزہ چکھو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○
وہ عرض کریں گے: تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ لوگ، بلکہ یہ لوگ جنات کی پوجا کیا کرتے تھے،
ان میں سے اکثر انہی پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

جنات کی عبادت کرنے والے مشرکین کا بیان

"قَالُوا سُبْحَانَكَ" تَنْزِيهًا لَكَ عَنِ الشَّرِيكِ "أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ" أَيْ لَا مُوَالَاةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ مِنْ جِهَتِنَا "بَلْ" لِلانْتِقَالِ "كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ" الشَّيَاطِينَ أَيْ يُطِيعُونَهُمْ فِي عِبَادَتِهِمْ إِيَّانَا "أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ" مُصَدِّقُونَ فِيمَا يَقُولُونَ لَهُمْ،

وہ عرض کریں گے: تو شریک سے پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ لوگ، یعنی ہمارے درمیان اوران کے درمیان ہماری جانب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں پرلفظ بل یہ انتقال کیلئے آیا ہے۔ بلکہ یہ لوگ جنات یعنی شیاطین کی پوجا کیا کرتے تھے، یعنی جان بوجھ کر عبادت میں ان کی اتباع کرتے تھے۔ان میں سے اکثر انہی پر ایمان رکھنے والے ہیں۔یعنی یہ ان کیلئے کہتے ہیں یہی ان کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ولینا۔ ولی۔ صفت مشبہ (ولایۃ سے بروزن فعیل) مضاف نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ۔ ہمارا حامی۔ ہمارا محافظ۔ ہمارا کارساز۔ ہمارا دوست۔ انت ولینا۔ ہمارا مالک تو تو ہی ہے۔

من دونهم ای بغیرهم یعنی ہمارا مالک تو تو ہے وہ نہیں۔ ای انت الذی نوالیه من دونهم لاموالاة بیننا و بینهم۔ تو ہی ہے جس سے ہماری موانست ہے ان کے اور ہمارے درمیان کوئی دوستانہ نہیں ہے۔ دون مضاف ہم جمع مذکر غائب مضاف الیہ ان کے بغیر۔ ان کے سوائے ان کے ورے۔

بل۔ حرف اضراب ہے۔ ماقبل سے اعراض اور مابعد کی تصحیح کے لئے ہے۔ یعنی یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اکثرهم بهم مومنون۔ ہم ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع المشرکین ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اور ہم ضمیر کا مرجع الجن ہے۔

یعنی فرشتے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کر کے اظہار صفائی کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا ولی ہے۔ ہمارا ان سے کیا تعلق؟ یعنی ہماری ان سے کوئی دوستی نہیں تو ہم کس طرح ان کے پُوجنے سے راضی ہو سکتے تھے ہم اس سے بَری ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا
عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝
پس آج تمہارا کوئی کسی کے لیے نہ نفع کا مالک ہے اور نہ نقصان کا اور ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے ظلم کیا
چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

معبودان باطلہ کا نفع ونقصان کا مالک نہ ہونے کا بیان

"فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ " أَيْ بَعْض الْمَعْبُودِينَ لِبَعْضِ الْعَابِدِينَ "نَفْعًا" شَفَاعَة "وَلَا ضَرًّا" تَعْذِيبًا "وَنَقُول لِلَّذِينَ ظَلَمُوا" كَفَرُوا،

پس آج تمہارا کوئی کسی کے لیے نہ نفع کا مالک ہے اور نہ نقصان کا یعنی معبودان باطلہ ایک دوسرے کے عابدین کیلئے کسی قسم کے نفع یعنی سفارش ونقصان یعنی عذاب کے مالک نہیں۔اور ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے ظلم یعنی کفر کیا چکھواس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

اس وقت اللہ کے حضور فرشتے بھی موجود ہوں گے، مشرکین بھی اور شیاطین بھی۔اور یہ سب کے اللہ کے سامنے محکوم اور بے بس ہوں گے۔فرشتے بھی مشرکوں سے بیزار اور شیاطین بھی اور مشرک فرشتوں کے جواب کی وجہ سے ان سے بھی بیزار اور شیطانوں سے بھی جنہوں نے انہیں شرک کی راہ پر ڈالا تھا۔گویا ہر ایک کو دوسرے سے بیزاری بھی ہوگی اور ہر ایک بے بس بھی ہوگا تو اس صورت میں دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا سکے گا اور کیوں فائدہ پہنچائے گا؟

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَاهٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ
وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○
اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یہ تو ایک ایسا شخص ہے جو تمہیں صرف ان سے
روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ محض من گھڑت بہتان ہے،
اور کافر لوگ اس حق سے متعلق جبکہ وہ ان کے پاس آچکا ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو محض کھلا جادو ہے۔

کفار کا قرآن مجید کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتنَا" الْقُرْآن "بَيِّنَات" وَاضِحَات بِلِسَانِ نَبِيّنَا مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُل يُرِيد أَنْ يَصُدّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُد آبَاؤُكُمْ" مِنْ الْأَصْنَام "وَقَالُوا مَا هَذَا" الْقُرْآن "إِلَّا إِفْك" كَذِب "مُفْتَرًى" عَلَى اللَّه "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ" الْقُرْآن "لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ" مَا "هَذَا إِلَّا سِحْر مُبِين" بَيِّن،

اور جب ان پر ہماری روشن آیات یعنی قرآن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے واضح ہیں۔تو وہ کہتے ہیں یہ (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو ایک ایسا شخص ہے جو تمہیں صرف ان بتوں سے روکنا چاہتا ہے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن محض من گھڑت بہتان ہے، اور کافر لوگ اس حق یعنی قرآن سے متعلق جبکہ وہ ان کے پاس آچکا ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو محض کھلا جادو ہے۔

کافر عذاب الٰہی کے مستحق کیوں ٹھہرے؟

کافروں کی وہ شرارت بیان ہو رہی ہے جس کے باعث وہ اللہ کے عذابوں کے مستحق ہوئے ہیں کہ اللہ کا کلام تازہ بتازہ اس کے افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنتے ہیں، قبول کرنا، ماننا اس کے مطابق عمل کرنا تو ایک طرف، کہتے ہیں کہ دیکھو یہ شخص تمہیں تمہارے پرانے اچھے اور سچے دین سے روک رہا ہے اور اپنے باطل خیالات کی طرف تمہیں بلا رہا ہے یہ قرآن تو اس کا خود تراشیدہ ہے آپ ہی گھڑ لیتا ہے اور یہ تو جادو ہے اور اس کا جادو ہونا کچھ ڈھکا چھپا نہیں، بالکل ظاہر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان عربوں کی طرف نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب بھیجی گئی ہے نہ آپ سے پہلے ان میں کوئی رسول آیا ہے۔ اس لئے انہیں مدتوں سے تمنا تھی کہ اگر اللہ کا رسول ہم میں آتا اگر کتاب اللہ ہم میں اترتی تو ہم سب سے زیادہ مطیع اور پابند ہو جاتے۔

لیکن جب اللہ نے ان کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی تو جھٹلانے اور انکار کرنے لگے، ان سے اگلی امتوں کے نتیجے ان کے سامنے ہیں۔ وہ قوت وطاقت، مال ومتاع، اسباب دنیوی ان لوگوں سے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ یہ تو ابھی ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے لیکن میرے عذاب کے بعد نہ مال کام آئے، نہ اولاد اور کنبے قبیلے کام آئے۔ نہ قوت وطاقت نے کوئی فائدہ دیا۔ برباد کر دیئے گئے جیسے فرمایا(وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً، الأحقاف:26) یعنی ہم نے انہیں قوت وطاقت دے رکھی تھی۔ آنکھیں اور کان بھی رکھتے تھے، دل بھی تھے لیکن میری آیتوں کے انکار پر جب عذاب آیا اس وقت کسی چیز نے کچھ فائدہ نہ دیا اور جس کے ساتھ مذاق اڑاتے تھے اس نے انہیں گھیر لیا۔ کیا یہ لوگ زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام نہیں دیکھتے جو ان سے تعداد میں زیادہ طاقت میں بڑھے ہوئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے جھٹلانے کے باعث پیس دیئے گئے، جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے۔ تم غور کر لو! دیکھ لو کہ میں نے کس طرح اپنے رسولوں کی نصرت کی اور کس طرح جھٹلانے والوں پر اپنا عذاب اتارا؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ٥ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۗ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ٥
اور ہم نے ان کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھیں جنہیں یہ لوگ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈر
سنانے والا بھیجا تھا۔ اور ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے اور یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے
انہیں دیا تھا، پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب کیسا تھا؟

رسولان گرامی اور کتب سماویہ کی تکذیب کے نزول عذاب کا بیان

"وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُب يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إلَيْهِمْ قَبْلك مِنْ نَذِير" فَمِنْ أَيْنَ كَذَّبُوك "وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ وَمَا بَلَغُوا" أَيْ هَؤُلَاءِ "مِعْشَار مَا آتَيْنَاهُمْ" مِنْ الْقُوَّة وَطُول الْعُمُر وَكَثْرَة الْمَال

"فَكَذَّبُوا رُسُلِي" إِلَيْهِمْ "فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ" إِنْكَارِي عَلَيْهِمْ الْعُقُوبَة وَالْإِهْلَاك أَيْ هُوَ وَاقِع مَوْقِعه

اورہم نے ان (اہل مکہ) کو نہ آسمانی کتابیں عطا کی تھیں جنہیں یہ لوگ پڑھتے ہوں اور نہ ہی آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرسنانے والا بھیجا تھا۔لہٰذا وہ آپ کی تکذیب کیوں کرتے ہیں؟اور ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے اور یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے یعنی یہ لوگ ان لوگوں کے اموال کی کثرت اور عمروں میں طوالت اور طاقت کے حساب سے عشرعشیر بھی نہیں ہیں۔جو ہم نے انھیں دیا تھا،پس انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو ان انکار کرنے والوں پر میرا عذاب کیسا تھا؟یعنی ان پر ہلاکت عین موقع کے مطابق واقع ہوئی تھی۔

یعنی جو قوت و کثرت مال واولا دوطولِ عمر پہلوں کو دی گئی تھی مشرکینِ قریش کے پاس تو اس کا دسواں حصّہ بھی نہیں،ان کے پہلے تو ان سے طاقت وقوت مال ودولت میں دس گنے سے زیادہ تھے۔

یعنی ان کو ناپسند رکھنا اور عذاب دینا اور ہلاک فرمانا یعنی پہلے مکذّبین نے جب میرے رسولوں کو جھٹلایا تو میں نے اپنے عذاب سے انہیں ہلاک کیا اور انؒ کی طاقت وقوت اور مال ودولت کوئی چیز بھی کام نہ آئی ان لوگوں کی کیا حقیقت ہے انہیں ڈرنا چاہیئے۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ سبا،لاہور)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۣ
مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○
فرمادیجئے:میں تمہیں بس ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے قیام کرو،دودواور ایک ایک،پھر تفکّر کرو کہ تمہیں
شرفِ صحبت سے نوازنے والے،ہرگز جنون زدہ نہیں ہیں وہ تو سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرسنانے والے ہیں۔

عبادت اور حق میں غور وفکر کرنے کا بیان

"قُلْ إِنَّمَا أَعِظكُمْ بِوَاحِدَةٍ" هِيَ "أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ" أَيْ لِأَجْلِهِ "مَثْنَى" أَيْ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ "وَفُرَادَى" وَاحِدًا وَاحِدًا "ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا" فَتَعْلَمُوا "مَا بِصَاحِبِكُمْ" مُحَمَّد "مِنْ جِنَّة" جُنُون "إِنْ" مَا "هُوَ إِلَّا نَذِير لَكُمْ بَيْن يَدَيْ" أَيْ قَبْل "عَذَاب شَدِيد" فِي الْآخِرَة إِنْ عَصَيْتُمُوهُ،

فرمادیجئے:میں تمہیں بس ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے قیام کرو،دودواور ایک ایک،یعنی الگ الگ کر کرو۔پھر تفکّر کرو(یعنی حقیقت کا معاینہ اور مراقبہ کرو تو تمہیں مشاہدہ ہو جائے گا)کہ تمہیں شرفِ صحبت سے نوازنے والے(رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)ہرگز جنون زدہ نہیں ہیں وہ تو سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں بروقت ڈرسنانے والے ہیں۔تاکہ تم نافرمانی سے بچ کر آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو بچا سکو۔

ضد اور ہٹ دھرمی کفار کا شیوہ ہونے کا بیان

حکم ہوتا ہے کہ یہ کافر جو تجھے مجنوں بتا رہے ہیں، ان سے کہہ کہ ایک کام تو کرو خلوص کے ساتھ تعصب اور ضد کو چھوڑ کر ذرا سی دیر سوچو تو آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کرو کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنوں ہیں؟ اور ایمانداری سے ایک دوسرے کو جواب دو ہر شخص تنہا تنہا بھی غور کرے اور دوسروں سے بھی پوچھے لیکن یہ شرط ہے کہ ضد اور ہٹ کو دماغ سے نکال کر تعصب اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر غور کرے۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا، تمہارے دل سے آواز اٹھے گی کہ حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون نہیں۔ بلکہ وہ تم سب کے خیر خواہ ہیں دردمند ہیں۔ ایک آنے والے خطرے سے جس سے تم بیخبر ہو وہ تمہیں آگاہ کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے کا مطلب سمجھا ہے اور اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں لیکن وہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تین چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئی یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے وہ حلال نہیں ہوا وہ مال غنیمت کو جمع کر کے جلا دیتے تھے اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں اور ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا۔ میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی چیز بنا دی گئی ہے۔ تاکہ میں اس کی مٹی سے تیمم کر لوں اور جہاں بھی ہوں اور نماز کا وقت آ جائے نماز ادا کر لوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کے سامنے باادب کھڑے ہو جایا کرو دو دو اور ایک ایک اور ایک مہینہ کی راہ تک میری مدد صرف رعب سے کی گئی ہے۔

آپ لوگوں کو اس عذاب سے ڈرانے والے ہیں جو ان کے آگے ہے اور جس سے یہ بالکل بیخبر بے فکری سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ کہہ کر بلند آواز کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے۔ عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کر کے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح شام ہی تم پر حملہ کر دے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ہاں بیشک ہم آپ کو سچا جانیں گے۔ آپ نے فرمایا سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے۔ یہ سن کر ابولہب ملعون نے کہا تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اسی کے لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا؟ اس پر سورہ تبت اتری۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے اور ہمارے پاس آ کر تین مرتبہ آواز دی۔ فرمایا لوگو! میری اور اپنی مثال جانتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا علم ہے۔ آپ نے فرمایا میری اور تمہاری مثال اس قوم جیسی ہے جن پر دشمن حملہ کرنے والا تھا۔ انہوں نے اپنا آدمی بھیجا کہ جا کر دیکھے اور دشمن کی نقل و حرکت سے انہیں مطلع کرے۔ اس نے جب دیکھا کہ دشمن ان کی طرف چلا آ رہا ہے اور قریب پہنچ چکا ہے تو وہ لپکتا ہوا قوم کی طرف بڑھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اطلاع پہنچانے سے پہلے ہی دشمن حملہ نہ کر دے۔ اس لئے اس نے راستے میں سے ہی اپنا کپڑا ہلانا شروع کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ دشمن

آ پہنچا، ہوشیار ہو جاؤ دشمن آ پہنچا، تین مرتبہ یہی کہا ایک اور حدیث میں ہے میں اور قیامت ایک ساتھ ہی بھیجے گئے قریب تھا کہ قیامت مجھ سے پہلے ہی آ جاتی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ سبا، بیروت)

قُلْ مَاسَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ قُلْ
اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ○
فرمادیجئے: میں نے جو صلہ تم سے مانگا ہو وہ بھی تم ہی کو دے دیا، میرا اجر صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔
فرمادیجئے: میرا رب حق کا القاء فرماتا ہے سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ فرمادیجئے: حق آ گیا ہے اور باطل نہ
پہلی بار پیدا کرسکتا ہے اور نہ دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے پیغام حق کا ثواب اخروی ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "مَا سَأَلْتُكُمْ " عَلَى الْإِنْذَار وَالتَّبْلِيغ "مِنْ أَجْر فَهُوَ لَكُمْ " أَيْ لَا أَسْأَلكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا "إِنْ أَجْرِي" مَا ثَوَابِي "إِلَّا عَلَى اللّٰه وَهُوَ عَلَى كُلّ شَيْء شَهِيد" مُطَّلِع يَعْلَم صِدْقِي،

"قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِف بِالْحَقِّ " يُلْقِيه إِلَى أَنْبِيَائِهِ . "عَلَّام الْغُيُوب" مَا غَابَ عَنْ خَلْقه فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض، "قُلْ جَاءَ الْحَقّ" الْإِسْلَام "وَمَا يُبْدِء الْبَاطِل" الْكُفْر "وَمَا يُعِيد" أَيْ لَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَر

فرمادیجئے: میں نے اس انذار وتبلیغ پر جو صلہ تم سے مانگا ہو وہ بھی تم ہی کو دے دیا، میرا اجر یعنی میرا ثواب صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ یعنی وہ میری صداقت کو جاننے والا ہے۔ فرمادیجئے: میرا رب انبیاء کی طرف حق کا القاء فرماتا ہے وہ سب غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو زمین وآسمان میں مخلوق سے غائب ہیں۔ فرمادیجئے: حق یعنی اسلام آ گیا ہے اور باطل یعنی کفر نہ کچھ پہلی بار پیدا کرسکتا ہے اور نہ دوبارہ پلٹا سکتا ہے۔ یعنی اس کا بعد میں کوئی اثر باقی نہیں۔

مشرکین کیلئے دعوت واصلاح کا بیان

حکم ہو رہا ہے کہ مشرکوں سے فرمادیجئے کہ میں جو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں تمہیں احکام دینی پہنچا رہا ہوں وعظ ونصیحت کرتا ہوں اس پر میں تم سے کسی بدلے کا طالب نہیں ہوں۔ بدلہ تو اللہ ہی دے گا جو تمام چیزوں کی حقیقت سے مطلع ہے میری تمہاری حالت اس پر خوب روشن ہے۔ پھر جو فرمایا اسی طرح کی آیت (رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ، غافر: 15)، ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمان سے حضرت جبرائیل کو جس پر چاہتا ہے اپنی وحی کے ساتھ بھیجتا ہے۔ جو حق کے ساتھ فرشتہ اتارتا ہے۔ وہ علام الغیوب ہے اس پر آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں، اللہ کی طرف سے حق اور مبارک شریعت آ چکی۔ باطل پراگندہ بودا ہو کر برباد ہو گیا۔ جیسے فرمان ہے (بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ، الأنبیاء: 18) ہم باطل پر حق کو نازل فرما کر باطل کے ٹکڑے اڑا دیتے ہیں اور وہ

چکنا چور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے بتوں کو اپنی کمان کی لکڑی سے گراتے جاتے تھے اور زبان سے فرماتے جاتے تھے (وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، الاسراء: 81) حق آ گیا باطل مٹ گیا وہ تھا ہی مٹنے والا۔ (بخاری۔مسلم)

باطل کا اور نا حق کا دباؤ سب ختم ہو گیا۔ بعض مفسرین سے مروی ہے کہ مراد یہاں باطل سے ابلیس ہے۔ یعنی نہ اس نے کسی کو پہلے پیدا کیا نہ آئندہ کر سکے، نہ مردے کو زندہ کر سکے، نہ اسے کوئی اور ایسی قدرت حاصل ہے۔ بات تو یہ بھی سچی ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں۔ واللہ اعلم، پھر جو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی وحی میں ہے۔ وہی سراسر حق ہے اور ہدایت و بیان و رشد ہے۔ گمراہ ہونے والے آپ ہی بگڑ رہے ہیں اور اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

وہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کا سننے والا ہے اور قریب ہے۔ پکارنے والے کی ہر پکار کو ہر وقت سنتا اور قبول فرماتا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اصحاب سے فرمایا تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔ جسے تم پکار رہے ہو وہ سمیع و قریب و مجیب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ سبا، بیروت)

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ○
فرما دیجئے: اگر میں بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا گناہ میری اپنی ہی ذات پر ہے، اور اگر میں نے ہدایت پالی ہے
تو اس وجہ سے کہ میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے۔ بیشک وہ سننے والا ہے قریب ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی صداقت پر وحی ہونے کا بیان

"قُلْ اِنْ ضَلَلْت" عَنْ الْحَق "فَاِنَّمَا اَضِل عَلَى نَفْسِي" أَيْ إِثْم ضَلَالِي عَلَيْهَا "وَاِنْ اهْتَدَيْت فَبِمَا يُوحِي اِلَيَّ رَبِّي" مِنْ الْقُرْآن وَالْحِكْمَة "اِنَّهُ سَمِيع" لِلدُّعَاءِ،

فرما دیجئے: اگر میں حق سے بہک جاؤں تو میرے بہکنے کا گناہ میری اپنی ہی ذات پر ہے، اور اگر میں نے ہدایت پالی ہے تو اس وجہ سے پائی ہے کہ میرا رب میری طرف وحی یعنی قرآن اور حکمت بھیجتا ہے۔ بیشک وہ دعا کو سننے والا ہے قریب ہے۔

نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے اظہار حق کا بیان

کفار مکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ گمراہ ہو گئے۔ (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ میں بہکا تو اس کا وبال میرے نفس پر ہے۔

حکمت و بیان کی کیونکہ راہ یاب ہونا اسی کی توفیق و ہدایت پر ہے۔، انبیاء سب معصوم ہوتے ہیں گناہ ان سے نہیں ہو سکتا اور حضور تو سید الانبیاء ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلق کو نیکیوں کی راہیں آپ کے اتباع سے ملتی ہیں باوجود جلالت منزلت و رفعتِ مرتبت کے آپ کو حکم دیا گیا کہ ضلالت کی نسبت علیٰ سبیل الفرض اپنے نفس کی طرف فرمائیں تا کہ خلق کو معلوم ہو کہ ضلالت کا منشاء

انسان کا نفس ہے، جب اس کو اس پر چھوڑ دیا جاتا ہے اس سے ضلالت پیدا ہوتی ہے اور ہدایت حضرت حق عزّ وعلا کی رحمت و موہبت سے حاصل ہوتی ہے نفس اس کا منشاء نہیں۔ ہر راہ یاب اور گمراہ کو جانتا ہے اور ان کے عمل و کردار سے باخبر ہے کوئی کتنا ہی چھپائے کسی کا حال اس سے چھپ نہیں سکتا۔ عرب کے ایک مایہ ناز شاعر اسلام لائے تو کفار نے ان سے کہا کہ کیا تم اپنے دین سے پھر گئے اور اپنے بڑے شاعر اور زبان کے ماہر ہو کر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے؟ انہوں نے کہا ہاں وہ مجھ پر غالب آ گئے، قرآن کریم کی تین آیتیں میں نے سنیں اور چاہا کہ ان کے قافیہ پر تین شعر کہوں ہر چند کوشش کی، محنت اٹھائی، اپنی قوت صرف کردی مگر یہ ممکن نہ ہوسکا تب مجھے یقین ہوگیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں وہ آیتیں (قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ،سبا:48)۔ (تفسیر روح البیان، سورہ سبا، بیروت)

انتباہ: یاد رہے کبھی کلام کو پختگی کے سبب اور سامع کی توجہ کو زیادہ کرنے کیلئے اور اس کی سمجھ میں راسخ کرنے کیلئے کلام کو بہ طور شرط بیان کردیا جاتا ہے حالانکہ شرط کو صرف فرض کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں پر کلام میں جب وجود شرط معدوم ہوا تو وجود مشروط بھی معدوم ہوا۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کی جانب سے کسی قسم کی گمراہی کی نسبت نہ ہوئی۔

وحی کی کتابت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں نے سورت انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورت برائۃ کے ساتھ جو کہ مئین میں سے ہے ملانے پر کس چیز کی وجہ سے اپنے آپ کو مجبور پایا اور آپ نے ان کے درمیان ایک سطر کی بسم اللہ تک نہیں لکھی اور ان دونوں کو سبع طوال میں شمار کرلیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی کا نزول ہو رہا تھا تو بعض اوقات کئی کئی سورتیں اکٹھی نازل ہو جاتی تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کاتب وحی کو بلا کر اسے لکھواتے اور فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھو، بعض اوقات کئی آیتیں نازل ہوئیں اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیتے کہ ان آیات کو اس سورت میں رکھو اور بعض اوقات ایک ہی آیت نازل ہوتی لیکن اس کی جگہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیا کرتے تھے۔ سورت انفال مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔

جبکہ سورت برائۃ نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کا آخری حصہ ہے اور دونوں کے واقعات واحکام ایک دوسرے سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے، ادھر نبی صلی اللہ دنیا سے رخصت ہوگئے اور ہم پر یہ واضح نہ فرما سکے کہ یہ اس کا حصہ ہے یا نہیں؟ میرا گمان یہ ہوا کہ سورت برائۃ، سورت انفال ہی کا جزو ہے اس لئے میں نے ان دونوں کو ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان، بسم اللہ، والی سطر بھی نہیں لکھی اور اسے سبع طوال میں شمار کرلیا۔ (مسند احمد: جلد اول: حدیث نمبر 468)

وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ۝

اور اگر آپ دیکھیں جب یہ لوگ بڑے مضطرب ہوں گے، پھر بچ نہ سکیں گے اور نزدیکی جگہ سے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔

اور وہ کہیں گے ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ان کے لیے دور جگہ سے حاصل کرنا کیسے ممکن ہے۔

آخرت میں کفار کیلئے محل ایمان سے دور ہو جانے کا بیان

"وَلَوْ تَرَى" يَا مُحَمَّد "إِذْ فَزِعُوا" عِنْد الْبَعْث لَرَأَيْت أَمْرًا عَظِيمًا "فَلَا فَوْت" لَهُمْ مِنَّا أَيْ لَا يَفُوتُونَنَا "وَأُخِذُوا مِنْ مَكَان قَرِيب" أَيْ الْقُبُور "وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ" بِمُحَمَّدٍ أَوْ الْقُرْآن "وَأَنَّى لَهُمْ التَّنَاوُش" بِوَاوٍ وَبِالْهَمْزَةِ بَدَلهَا أَيْ تَنَاوُل الْإِيمَان "مِنْ مَكَان بَعِيد" بَعِيد عَنْ مَحَلّ الْإِيمَان إِذْ هُمْ فِي الْآخِرَة وَمَحَلّ الْإِيمَان الدُّنْيَا.

اور یا محمد ﷺ اگر آپ ان کا حال دیکھیں جب یہ لوگ بعث کے وقت بڑے مضطرب ہوں گے، تو آپ بڑا معاملہ دیکھیں گے پھر ان میں سے کوئی بھی ہم سے بچ نہ سکیں گا اور نزدیکی جگہ یعنی قبروں سے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ اور وہ کہیں گے ہم اس پر یعنی حضرت محمد ﷺ یا قرآن پر ایمان لے آئے، اور ان کے لیے دور جگہ سے ایمان کو حاصل کرنا کیسے ممکن ہے۔ یہاں پر لفظ تناوش یہ واؤ اور ہمزہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ ان سے محل ایمان کے دور ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت آخرت میں ہوں گے جبکہ محل ایمان دنیا ہے۔ لہٰذا دور ہوا۔

عذاب قیامت اور کافر کے احوال کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہا ہے اے نبی کاش کہ آپ ان کافروں کی قیامت کے دن کی گھبراہٹ دیکھتے۔ کہ ہر چند عذاب سے چھٹکارا چاہیں گے۔ لیکن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں پائیں گے۔ نہ بھاگ کر، نہ چھپ کر، نہ کسی کی حمایت سے، نہ کسی کی پناہ سے۔ بلکہ فوراً ہی قریب سے پکڑ لئے جائیں گے۔ ادھر قبروں سے نکلے ادھر پھانس لئے گئے۔ ادھر کھڑے ہوئے ادھر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ قتل و اسیر ہوئے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ مراد قیامت کے دن کے عذاب ہیں۔ بعض کہتے ہیں بنو عباس کی خلافت کے زمانے میں مکے مدینے کے درمیان ان لشکروں کا زمین میں دھنسایا جانا مراد ہے۔

ابن جریر نے اسے بیان کر کے اس کی دلیل میں ایک حدیث وارد کی ہے جو بالکل ہی موضوع اور گھڑی ہوئی ہے۔ لیکن تعجب سا تعجب ہے کہ امام صاحب نے اس کا موضوع ہونا بیان نہیں کیا، قیامت کے دن کہیں گے کہ ہم ایمان قبول کرتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ جیسے اور آیت میں ہے (وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ، السجدۃ:12)، کاش کے تو دیکھتا جبکہ

گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں کھڑے ہوں گے اور شرمندگی سے کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ نے دیکھ سن لیا، ہمیں یقین آ گیا۔اب تو ہمیں پھر سے دنیا میں بھیج دے تو ہم دل سے مانیں گے۔لیکن کوئی شخص جس طرح بہت دور کی چیز کو لینے کے لئے دور سے ہی ہاتھ بڑھائے اور اس کے ہاتھ نہیں آ سکتی۔اسی طرح یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ آخرت میں وہ کام کرتے ہیں جو دنیا میں کرنا چاہیے تھا۔تو آخرت میں ایمان لانا بیسود ہے۔اب نہ دنیا میں لوٹائے جائیں نہ اس وقت کی گریہ وزاری، توبہ وفریاد، ایمان و اسلام کچھ کام آئے گا۔اس سے پہلے دنیا میں تو منکر رہے۔نہ اللہ کو مانا نہ رسول پر ایمان لائے نہ قیامت کے قائل ہوئے یونہی جیسے کوئی بن دیکھے اندازے سے ہی نشانے پر تیر بازی کر رہا ہو اسی طرح اللہ کی باتوں کو اپنے گمان سے ہی رد کرتے رہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کہہ دیا کبھی شاعر بتا دیا۔کبھی جادوگر کہا اور کبھی مجنون۔صرف اٹکل پچو کے ساتھ قیامت کو جھٹلاتے رہے اور بیدلیل اداروں کی عبادت کرتے رہے، جنت دوزخ کا مذاق اڑاتے رہے، اب ایمان اور ان میں حجاب آ گیا۔توبہ میں اور ان میں پردہ پڑ گیا۔دنیا ان سے چھوٹ گئی۔یہ دنیا سے الگ ہو گئے۔ابن ابی حاتم میں یہاں پر ایک عجیب وغریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں۔(تفسیر جامع البیان، سورہ سبا، بیروت)

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ○ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ○
حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے اس سے انکار کر چکے ہیں اور وہ بہت دور جگہ سے بن دیکھے پھینکتے رہے ہیں۔اور ان کے
درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کی وہ خواہش کریں گے، رکاوٹ ڈال دی جائے گی، جیسا کہ اس سے پہلے
ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔یقیناً وہ ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جو بے چین رکھنے والا تھا۔

دنیا میں ایمان سے بھاگنے والے کفار کا آخرت میں ایمان کو ترس جانے کا بیان

"وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْل" فِي الدُّنْيَا "وَيَقْذِفُونَ" يَرْمُونَ "بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَان بَعِيد" أَيْ بِمَا غَابَ عِلْمه عَنْهُمْ غَيْبَة بَعِيدَة حَيْثُ قَالُوا فِي النَّبِيّ : سَاحِر شَاعِر كَاهِن وَفِي الْقُرْآن : سِحْر شِعْر كِهَانَة "وَحِيلَ بَيْنهمْ وَبَيْن مَا يَشْتَهُونَ" مِنْ الْإِيمَان أَيْ قَبُوله "كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ" أَشْبَاههمْ فِي الْكُفْر "مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْلهمْ "إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكّ مُرِيب" مُوقِع فِي الرِّيبَة لَهُمْ فِيمَا آمَنُوا بِهِ الْآن وَلَمْ يَعْتَدُّوا بِدَلَائِلِهِ فِي الدُّنْيَا،

حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے دنیا میں اس سے انکار کر چکے ہیں اور وہ بہت دور جگہ سے بن دیکھے نشانے پر پھینکتے رہے ہیں یعنی بغیر علم کے دور سے اندازے اور وہم میں اس طرح پھرتے رہے۔کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ساحر کاہن اور قرآن میں جادو کے شعر اور کہانت کہتے رہے۔اور ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جن کی وہ خواہش کریں گے، ایمان لانے سے رکاوٹ

ڈال دی جائے گی، جیسا کہ اس سے پہلے ان جیسے لوگوں کے ساتھ کیا گیا۔ یعنی جوان سے پہلے کفر میں ان کے مشابہ تھے۔ یقیناً وہ ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جو بے چین رکھنے والا تھا۔ یعنی اب جس پر ایمان لانے والے ہیں دنیا میں اس کے دلائل کو نہ سمجھا اور شک میں مبتلاء رہے۔

انسان کی زندگی کے بارے میں نادر نصیحت اور واقعہ کا بیان

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا۔ جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا۔ اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا اس نے غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپیہ لے کر عین شجاجہ کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا۔ ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوشبودار عورت اس کے پاس آ گری۔ اس نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بنی اسرائیلی شخص ہوں کہا یہ محل اور مال آپ کا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پوچھا آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا نہیں۔ کہا پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ کہا پھر مجھے قبول کر و اس نے جواب دیا میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں کل تم یہاں سے اپنے ساتھ دن بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آ ؤ۔ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں۔ اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا۔ میل بھر دور جا کر ایک نہایت عالی شان محل دیکھا دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص آیا پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ میں بنی اسرائیلی ہوں کہا کیسے آئے ہیں؟ کہا اس مکان کی مالکہ نے بلوایا ہے پوچھا راستے میں کچھ ہولناک چیزیں بھی دیکھیں جواب دیا ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول و دہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا۔

میں چلا ایک چوڑے راستے پر پہنچا تو دیکھا کہ ایک کتیا منہ پھاڑے بیٹھی ہوئی ہے میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے وہ ہے اور اس کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں۔ اس نوجوان نے کہا تو اسے نہیں پائے گا یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا۔

میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں ایک بچہ ہے جو دودھ پی رہا ہے جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اور کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے گویا اور مانگ رہا ہے۔ اس نوجوان دربان نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا یہ مثال تجھے بتائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا تو بھی وہ ظلم وزیادتی کر کے منہ پھیلائے رہیں گے۔

اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے ایک درخت نہایت تروتازہ خوش رنگ اور خوش وضع دیکھا میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندہ الٰہی! میری ڈالی توڑ جا پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی دربان

نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے کسی عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلانے لگیں گی۔

اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے پھر اپنی مشک میں ڈالتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا۔ دربان نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظ ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے۔ بھلی باتیں بتائیں گے۔ لیکن خود عامل نہیں ہوں گے۔ بلکہ خود گناہوں میں مبتلا رہے گے۔

پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری کو بعض لوگوں نے تو اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں، بعض نے دم تھام رکھی ہے، بعض نے سینگ پکڑ رکھے ہیں، بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دھو رہے ہیں۔ اس نے کہا یہ مثال ہے دنیا کی جو اس کے پیر تھامے ہوئے ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جو دنیا سے گر گئے جنہیں یہ نہ ملی جس نے سینگ تھام رکھے ہیں یہ وہ ہے جو اپنا گذارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چکی ہے۔ سوار وہ ہیں جو از خود تارک دنیا میں ہو گئے ہیں۔ ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے ہوئے دیکھا۔ انہیں خوشی ہو یہ مستحق مبارک باد ہیں۔

اس نے کہا میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنویں میں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے جس حوض میں سے پانی پھر کنوئیں میں چلا جاتا ہے۔ اس نے کہا یہ وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے۔

اس نے کہا پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص نے دانے زمین میں بوئے اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے نفیس گیہوں نکل آئے۔ کہا یہ وہ شخص ہے، جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا پڑا ہے۔ مجھ سے کہنے لگا بھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا دو، واللہ جب سے پیدا ہوا ہوں، بیٹھا ہی نہیں۔ میرے ہاتھ پکڑتے ہی وہ کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔ اس دربان نے کہا یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہو گئی میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا ہے اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا اللہ کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس جگہ قبض کروں پھر تجھے جہنم رسید کروں۔

اس کے بارے میں یہ آیت (وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ 54)-34سبا:54)، نازل ہوئی۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی صحت میں بھی نظر ہے۔ آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ کافروں کی جب موت آتی ہے ان کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے۔ لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتا ہے۔ جیسے اس مغرور و مفتون شخص کا حال ہوا کہ گیا تو عورت ڈھونڈھنے کو اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے۔ امید پوری ہونے سے پہلے روح پرواز کر گئی۔

پھر فرماتا ہے ان سے پہلے کی امتوں کے ساتھ بھی یہی کیا گیا وہ بھی موت کے وقت زندگی اور ایمان کی آرزو کرتے رہے۔ جو

محض بیسود تھی۔ جیسے فرمان عالی شان ہے (فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ، غافر:84) جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس جس کو ہم شریک اللہ بناتے تھے ان سب سے ہم انکار کرتے ہیں لیکن اس وقت ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا ان سے پہلوؤں میں بھی یہی طریقہ جاری رہا کفار نفع سے محروم ہی ہیں۔ یہاں فرمایا کہ دنیا میں تو زندگی بھر شک شبہ میں اور تردد میں ہی رہے۔ اسی وجہ سے عذاب کے دیکھنے کے بعد کا ایمان بیکار رہا۔

حضرت قتادہ کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے لائق ہے آپ فرماتے ہیں کہ شبہات اور شکوک سے بچو۔ اس پر جس کی موت آئی وہ قیامت کے دن بھی اسی پر اٹھایا جائے گا اور جو یقین پر مرا ہے اسے یقین پر ہی اٹھایا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سبا، بیروت)

سورہ سبأ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ سبأ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یااللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَةُ فَاطِر

یہ قرآن مجید کی سورت فاطر ہے

سورت فاطر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ فَاطِر (مَکِّیَّۃ وَ آیَاتھَا 45 أَوْ 46 نَزَلَتْ بَعْدَ الْفُرْقَان)

سورہ فاطر مکیہ ہے، اس میں پانچ رکوع، پینتالیس آیات، نوسوستر کلمات، تین ہزار ایک سوتیس حروف ہیں۔ اور یہ سورت فرقان کے نازل ہوئی ہے۔

سورت فاطر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں زمین وآسمان اور فرشتوں کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے لفظ فاطر استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی شے کو پہلی مرتبہ اس طرح تخلیق کرنا کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے۔ لہٰذا اسی مناسبت کے سبب یہ سورت فاطر کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں فاطر کی بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبان سے سن کر معلوم کیے۔ وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا ایک کنویں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا انا فطرتھا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداء بے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔

(مفردات القرآن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ
وَ رُبٰعَ ط يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو دو دو اور تین تین اور
چار چار پروں والے ہیں، وہ بناوٹ میں جو چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

مخلوق کے انداز تخلیق سے استدلال حمد باری تعالیٰ کا بیان

"الْحَمْد لِلّٰهِ " حَمِدَ تَعَالَى نَفْسه بِذَلِكَ كَمَا بَيَّنَ فِي أَوَّل سُورَة سَبَأ "فَاطِر السَّمَاوَات وَالْأَرْض "

خَالِقِهِمَا عَلَى غَيْرِ مِثَالٍ سَبَقَ "جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا" إِلَى الْأَنْبِيَاءِ "أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ" فِي الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهَا، إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،

سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف بیان کی ہے۔جس طرح سورہ سباً کے شروع میں ہم بیان کر آئے ہیں۔جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، یعنی ان دونوں کو اس نے بغیر کسی نمونے کے خلق کیا ہے۔فرشتوں کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب قاصد بنانے والا ہے جو دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے ہیں، وہ مخلوق یعنی ملائکہ وغیرہ کی بناوٹ میں جو چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاطر السموت والارض ۔ فاطر ۔ اسم فاعل واحد مذکر فطر مصدر (باب نصر، ضرب) مضاف السموت والارض۔ مضاف الیہ۔الفطر کے اصل معنی کسی چیز کو (پہلی دفعہ) طول میں پھاڑنے کے ہیں۔اللہ تعالیٰ بھی کائنات کو عدم کا پردہ پھاڑ کر وجود میں لایا ہے اس لئے فاطر ہے۔اہل تفسیر نے اس کے معنی مبدع لئے ہیں یعنی بغیر نظیر و مثال کے عدم محض سے عالم وجود میں لانے والا۔

راغب فرماتے ہیں کہ هو ايجاده تعالى الشيء وابداعه على هيئة مترشحة بفعل من الافعال ۔ اللہ تعالیٰ کا کسی شے کو پہلی مرتبہ اس طرح تخلیق کرنا کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے۔

آیہ کریمہ فاقم وجهك للذين حنيفا ۔ فطرت الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله، تو تم یکسو ہو کر دین (حق) کی طرف اپنا رخ رکھو اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔میں اس معرفت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے لہٰذا فطرۃ اللہ سے مراد معرفت الٰہی کی استعداد مراد ہے جو انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے۔

یہ پھاڑنا کبھی کبھی کسی چیز کو بگاڑنے کے لئے بھی آتا ہے مثلاً السماء منفطر به، اور جس سے آسمان پھٹ جاوے گا۔یعنی یوم قیامت کی سختی سے۔

جاعل۔بنانے والا۔کرنے والا۔جعل سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر۔جاعل الملئکۃ۔مضاف مضاف الیہ فرشتوں (پیام رساں) بنانے والا۔فاطر اور جاعل ہر دو اللہ کی صفت ہیں اور اس کی متابعت میں مجرور ہیں۔

رسلا۔رسل رسول کی جمع ہے جو فعول کے وزن پر (اسم مفعول بروزن مفعل) کا مبالغہ ہے (فعول کا استعمال اس طرح نادر ہے)۔رسل اسم مفعول جمع مذکر رسلا بحالت نصب بوجہ مفعول۔پیغمبر، پیام رساں۔بھیجے گئے۔

رسول۔ملائکہ اور انسان دونوں میں سے ہو سکتے ہیں۔جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اللّٰه يصطفى من الملئكة رسلا ومن الناس ۔ 22):75) اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی۔اصطلاح

میں نبی یا رسول بنی نوع انسان میں سے وہ ہیں جو اللہ کا پیغام نوع انسانی کو پہنچاتے ہیں۔فرشتوں کی رسالت کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوسکتی ہیں!

(1) یہ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیا علیہم السلام کے درمیان پیغام رسانی کی خدمات انجام دیتے ہیں (وحی کی صورت میں)۔(2) تمام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے احکام لے جاتے ہیں اور ان کو نافذ کرتے ہیں۔

اولی اجنحة ۔ اولوا (بحالت رفع) اولی (بحالت نصب وجر) جمع ہے بمعنی والے۔صاحب، مالک، بعض ذو کو اس کا واحد بتاتے ہیں۔اجنحۃ جناح کی جمع۔پر۔بازو۔اولی اجنحۃ بازوں والے۔پروں والے۔رسلا کی نعت ہے یا اس کا بدل۔

مثنی وثلاث وربع ۔ یہ اثنان اثنان وثلثة ثلثة اور اربعة اربعة سے معدول ہے (نحویوں کی اصطلاح میں ایک اسم کا اپنے اصلی صیغہ سے نکل کر دوسرے صیغہ میں چلے جانے کو عدل کہتے ہیں۔جیسے ثلثۃ ثلثۃ سے ثلث کہ اصل کے مطابق ثلث کے معنی تین تین ہوں گے۔مثنی وثلث وربع۔اجنحۃ کی صفت ہیں۔للہذا بوجہ صفت وعدل (دو اسباب منجملہ نو اسباب منع صرف) غیر منصرف ہیں۔یزید فی الخلق ما یشاء ۔ وہ مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے یعنی فرشتوں کے پروں کی تعداد۔دو۔دو۔تین تین۔چار چار تک ہی محدود نہیں وہ جسے چاہے جتنے چاہے بازو عطا کردے۔یا کسی ایک مخلوق کو دوسری مخلوق پر کسی قسم کی بزرگی و برتری عطا کردے وہ ہر شے پر قادر ہے۔

ضحاک سے مروی ہے کہ فاطر کے معنی خالق کے ہیں۔اپنے اور اپنے نبیوں کے درمیان قاصد اس نے اپنے فرشتوں کو بنایا ہے۔جو پروالے ہیں اڑتے ہیں تاکہ جلدی سے اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک پہنچادیں۔اس میں سے بعض دو پروں والے ہیں بعض کے تین تین ہیں بعض کے چار چار پر ہیں۔بعض ان سے بھی زیادہ ہیں۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق و مغرب جتنا فاصلہ تھا۔یہاں بھی فرماتا ہے رب جو چاہے اپنی مخلوق میں زیادتی کرے۔جس سے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ پر کردیتا ہے اور کائنات میں جو چاہے رچاتا ہے۔اس سے مراد اچھی آواز بھی لی گئی۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح وحمد کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں جو بھی مرد مسلمان مداومت کے ساتھ اختیار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے (یعنی وہ شخص جنت میں نجات پانے والوں کے ساتھ ہوگا) اور جان لو وہ دونوں چیزیں آسان تو بہت ہیں (بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر عمل کرنا جن لوگوں کے لئے آسان کردے ان کے لئے وہ کوئی مشکل نہیں ہین) مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہونے کے سبب ان پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے میں شاذ ونادر ہی ہیں) ان میں سے ایک چیز تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کیا جائے یعنی سبحان اللہ پڑھا جائے دس مرتبہ اللہ کی حمد کی یعنی الحمد للہ کہا جائے اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے۔ابن عمرو رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا اور فرمایا پس (پانچوں نمازوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے) یہ زبان سے کہنے میں تو ڈیڑھ سو ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی (بایں طور کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے بستر پر آ کر (یعنی سونے کے وقت) سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ سو مرتبہ کہے (یعنی سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہا جائے ان کی مجموع تعداد سو ہوتی ہے اور یہ زبان میں کہنے سے تو سو بار ہیں لیکن میزان اعمال میں ایک ہزار ہوں گی۔ پس تم میں سے وہ کون ہے جو دن رات میں اڑھائی ہزار برائیاں کرتا ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا (جب یہ ہے تو پھر) ہم ان چیزوں کی بھلا کیونکر محافظت نہ کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہوا آتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو فلاں بات یاد کرو (یعنی اسے نماز کی حالت میں دنیا کی باتیں یا آخرت کی باتیں ایسی کہ جن کا تعلق نماز سے ہوتا نہیں ہے یاد دلاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ وہ ان کلمات پر محافظت نہ کرے اور اسی طرح شیطان اس کی خوابگاہ میں آتا ہے اس کو سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 937)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد
اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

رزق و بارش کے دینے نہ دینے سے استدلال قدرت کا بیان

"مَا يَفْتَح اللّٰه لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَة " كَرِزْقٍ وَمَطَر "فَلَا مُمْسِك لَهَا وَمَا يُمْسِك " مِنْ ذَلِكَ "فَلَا مُرْسِل لَهُ مِنْ بَعْده" أَيْ بَعْد إمْسَاكه "وَهُوَ الْعَزِيز" الْغَالِب عَلَى أَمْره "الْحَكِيم" فِي فِعْله،

جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے، جس طرح رزق اور بارش ہے۔ تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے روکنے کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی اپنے حکم پر غالب، اپنے فعل میں حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا سب کچھ ہو کر رہتا ہے بغیر اس کی چاہت کے کچھ بھی نہین ہوتا۔ جو وہ دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جسے وہ روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔ نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فضول گوئی اور کثرت سوال اور مال کی بربادی سے منع فرماتے تھے اور آپ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور ماؤں کی نافرنیاں کرنے اور خود لینے اور دوسروں کو نہ دینے سے بھی روکتے تھے (بخاری۔ مسلم وغیرہ) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اسی آیت جیسی آیت (وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ

اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، الانعام:17) ہے۔اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔
حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بارش برستی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہم پر آیت فتح سے بارش برسائی گئی۔ پھر اسی آیت کی تلاوت کرتے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فاطر، بیروت)

جس چیز کو اللہ تعالیٰ روکتا ہے اس کو کوئی کھول نہیں سکتا۔اس میں دنیا کے مصائب و آلام بھی داخل ہیں کہ جب اللہ ان کو اپنے کسی بندے سے روکنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ ان کو کوئی گزند و مصیبت پہنچا سکے۔

اور اس میں رحمت بھی داخل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت سے کسی شخص کو رحمت سے محروم کرنا چاہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو دے سکے۔(تفسیر ابوحیان اندلسی، سورہ فاطر، بیروت)

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ کہتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔اے اللہ! جو چیز تو نے عطا کی ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔اور جس چیز کو تو نے روک دیا ہے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔(صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 928)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○
اے لوگو! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟
اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟

شان تخلیق و رزق سے استدلال معبود برحق ہونے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس " أَيْ أَهْل مَكَّة "اُذْكُرُوا نِعْمَة اللّٰه عَلَيْكُمْ " بِإِسْكَانِكُمْ الْحَرَم وَمَنْع الْغَارَات عَنْكُمْ "هَلْ مِنْ خَالِق " مِنْ زَائِدَة وَخَالِق مُبْتَدَأ "غَيْر اللّٰه " بِالرَّفْعِ وَالْجَرّ نَعْت لِخَالِقٍ لَفْظًا وَمَحَلًّا وَخَبَر الْمُبْتَدَأ "يَرْزُقكُمْ مِنْ السَّمَاء " الْمَطَر "وَالْأَرْض" النَّبَات وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ أَيْ لَا خَالِق رَازِق غَيْره "لَا إِلٰه إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ" مِنْ أَيْنَ تُصْرَفُونَ عَنْ تَوْحِيده مَعَ إِقْرَاركُمْ بِأَنَّهُ الْخَالِق الرَّازِق

اے لوگو یعنی اہل مکہ! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے، کہ تمہیں حرم میں ٹھہرایا اور تم سے غارت گری کو روک لیا۔کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، یہاں پر لفظ من زائدہ ہے اور لفظ خالق مبتداء ہے۔لفظ غیر اللہ مرفوع بھی آیا ہے اور خالق کی صفت ہونے

کی وجہ سے لفظی ومحلی طور پر مجرور بھی آیا ہے۔اور مبتداء کی خبر بھی ہے۔جو تمہیں آسمان سے بارش اور زمین سے رزق یعنی نباتات دیتا ہو؟ یہ استفہام تقریری ہے۔یعنی اس کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں،تو تم اس کے خالق ہونے کے اقرار کے باوجود اس کی توحید سے کہاں بہکائے جاتے ہو؟

بارش سب جانداروں کے رزق کا ذریعہ ہے

آسمانوں سے جو بارش نازل ہوتی ہے۔وہ زمین میں جذب ہو کر سب جانوروں کی روزی اور ان کی زندگی کی بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔اب اگر اس بارش برسنے کے نظام پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے عوامل وعناصر ہیں جنہیں اللہ نے اس خدمت پر مامور کر رکھا ہے۔تب جا کر بارش برستی ہے اور یہ سب عناصر وعوامل خالصتاً اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔اور ان میں مشرکوں کے معبودوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔جس سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی ہستی عبادت کا استحقاق نہیں رکھتی۔پھر یہ کس قدر ناقدر شناسی کی بات ہے کہ روزی تو اللہ کی دی ہوئی کھائیں اور عبادت کریں اللہ کے سوا دوسروں کی۔یا دوسروں کو بھی اس عبادت میں شریک بنالیں؟ لہٰذا اے مشرکین مکہ! کچھ بتاؤ تو سہی کہ تمہاری عقلوں کو یہ پھیر کہاں سے لگ جاتا ہے؟

اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا، آسمان کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا، اپنی راہ بتانے اور حق کی دعوت دینے کے لئے رسولوں کو بھیجا، رزق کے دروازے کھولے۔اور یہ جانتے ہوئے کہ وہی خالق ورازق ہے ایمان وتوحید سے کیوں پھرتے ہو۔اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا جاتا ہے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ فاطر، لاہور)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے،اور تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"وَاِنْ يُكَذِّبُوك" يَا مُحَمَّد فِي مَجِيئك بِالتَّوْحِيدِ وَالْبَعْث وَالْحِسَاب وَالْعِقَاب "فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُل مِنْ قَبْلك" فِي ذَلِكَ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا "وَإِلَى اللّٰه تُرْجَع الْأُمُور" فِي الْآخِرَة فَيُجَازِي الْمُكَذِّبِينَ وَيَنْصُر الْمُرْسَلِينَ،

اور یا محمد ﷺ اگر وہ آپ کو عقیدہ توحید، بعث اور حساب عذاب میں جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے، لہٰذا آپ اس میں اسی طرح صبر اپنائیں جس طرح انہوں نے صبر کیا۔اور تمام کام آخرت میں اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔لہٰذا جھٹلانے والوں کو سزا دی جائے گی جبکہ رسولان گرامی کی مدد کی جائے گی۔

انبیائے کرام کی اتباع اور مخالفت کرنے والوں کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔مجھ سے پہلے کسی قوم

میں اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اس (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست ومددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء وسرداروں کا طریقہ ہے) لہٰذا (تم سے) جو خاص لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ (جو آدمی ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 154)

ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد واعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض ونفرت رکھے۔ آخر میں فرمایا گیا کہ جس آدمی کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ وعمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○
اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں ہرگز فریب نہ دے دے، اور نہ وہ دغاباز شیطان تمہیں اللہ سے دھوکہ دے۔

عذاب میں مہلت کے سبب شیطان کے دھوکہ دینے کا بیان

"يَاَيُّهَا النَّاس إنَّ وَعْد اللّٰه" بِالْبَعْثِ وَغَيْره "حَقّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمْ الْحَيَاة الدُّنْيَا" عَنْ الْإِيمَان بِذَلِكَ "وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ" فِي حِلْمه وَإِمْهَاله "الْغَرُور" الشَّيْطَان،

اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ بعث وغیرہ سچا ہے سو دنیا کی زندگی تمہیں ہرگز ایمان لانے سے فریب نہ دے دے، اور نہ وہ دغاباز شیطان تمہیں اللہ کے حلم اور مہلت دینے سے دھوکہ دے۔

مراد اس سے شیطان ہے کہ اس کا کام ہی لوگوں کو دھوکہ میں ڈال کر کفر ومعصیت میں مبتلا کرنا ہے اور یغرنکم باللہ یعنی وہ تمہیں اللہ کے معاملہ میں دھوکہ نہ دیدے، اس دھوکہ سے مطلب یہ ہے کہ شیطان برے کاموں کو اچھا ثابت کر کے تمہیں اس میں مبتلا نہ کر دے اور تمہارا حال یہ ہو جائے کہ گناہ کرتے رہو اور ساتھ ہی یہ سمجھتے رہو کہ ہم اللہ کے نزدیک مقبول ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فاطر، بیروت)

یعنی شیطان تمہارے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال کر کہ گناہوں سے مزہ اٹھالو اللہ تعالیٰ حلم فرمانے والا ہے وہ درگذر کرے گا، اللہ

تعالیٰ بیشک حلم والا ہے لیکن شیطان کی فریب کاری یہ ہے کہ وہ بندوں کو اس طرح توبہ و عمل صالح سے روکتا ہے اور گناہ و معصیت پر جری کرتا ہے اس کے فریب سے ہوشیار رہو۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْ حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ
بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اسے دشمن ہی بنائے رکھو، وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے بلاتا ہے کہ
وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں۔

شیطان کی انسانیت کے ساتھ عداوت کا بیان

"إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا" بِطَاعَةِ اللَّهِ وَلَا تُطِيعُوهُ "إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَه" أَتْبَاعه فِي الْكُفْر "لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَاب السَّعِير" النَّار الشَّدِيدَة،

بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اللہ کی اطاعت کر کے اور شیطان کی نافرمانی کر کے اسے دشمن ہی بنائے رکھو، وہ تو اپنے گروہ یعنی کفر میں اتباع کرنے والوں کو صرف اس لئے بلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں شامل ہو جائیں۔ جو سخت آگ والی ہے۔

شیطانی وسواس کا بیان

"وسوسہ" گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا شیطان دل و دماغ میں ڈالے اس کے مقابلہ پر "الہام" اس اچھے اور نیک خیال کو فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔ وسوسہ کی قسمیں وسوسہ کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے علماء نے اس کی الگ الگ قسمیں متعین کی ہیں چنانچہ وسوسہ کی ایک قسم تو "ضروری یعنی اضطراری" ہے۔

اور دوسری قسم "اختیاری" ہے۔ ضروری یا اضطراری وسوسہ اس کو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کا یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال اچانک اور بے اختیار دل و دماغ میں گزر جائے اس کو اصطلاحی طور پر "ہاجس" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (ہاجس) کی معافی گزشتہ امتوں میں بھی رہی ہے اور اس امت میں بھی ہے اور اگر وہی برا خیال دل و دماغ میں ٹھہر جائے اور خلجانی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو "خاطر" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ (خاطر) بھی امت سے معاف ہے۔ "اختیاری وسوسہ" اس کو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال دل و دماغ میں پیدا ہو، ٹھہرا رہے، لگا تار رہے۔ مستقل خلجان کرتا رہے، طبیعت کی خواہش بھی اس کے کرنے کی ہو اور ایک گونہ لذت و محبت بھی اس کے تئیں محسوس ہو۔

اختیاری وسوسہ کی یہ صورت "ہم" کہلاتی ہے اور یہ بھی صرف اس امت سے معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جب تک یہ عملی صورت اختیار نہ کرے اس پر کوئی گناہ نامہ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر عمل کا قصد ہو جائے اور پھر اپنے آپ کو عمل سے باز رکھے تو اس کے عوض نیکی لکھی جاتی ہے۔ "ہم" کے مقابلہ پر اختیاری وسوسہ کی دوسری صورت کا نام عزم ہے یعنی انسانی

طبیعت اور نفس کا کسی برے خیال اور بری بات کو اپنے اندر کرنا اور جما لینا اور نہ صرف یہ کہ اس خیال سے نفرت و کراہیت نہ ہو بلکہ اس پر عمل کرنے کا ایسا پختہ ارادہ کر لینا کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب و ذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عملی صورت اختیار کر لے وسوسہ کی یہ صورت ایسی ہے جو قابل مواخذہ ہے لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی، مطلب یہ کہ وسوسہ جب تک اندر رہے گا اس پر کم گناہ ہوگا اور جب اندر سے نکل کر عملی صورت اختیار کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا۔
یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وسوسہ کی مذکورہ بالا تقسیم ان افعال و اعمال کی نسبت سے ہے جن کے وقوع اور صدور کا تعلق ظاہری اعضاء جسم سے جیسے زنا اور چوری وغیرہ وغیرہ جو باتیں دل و دماغ کا فعل کہلاتی ہیں جیسے برا عقیدہ اور حسد وغیرہ وغیرہ تو وہ اس تقسیم میں داخل نہیں ہیں ان کے ہمیشہ استمرار پر بھی مواخذہ ہوتا ہے

شیطانی شر سے بچنے کیلئے پناہ طلب کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آ جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔
(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 61)

شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات و صفات پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے ہیں، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اِس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ' فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان و یقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر موثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر و خیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کو وجود کس نے بنایا، یہ زمین و آسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے۔
چونکہ اللہ کی ذات و صفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات و موجودات کی تخلیقی و تکوینی نوعیت کا بدیہی شعور و ادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل و دماغ سے سوال کرے جب یہ زمین و آسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہوا اپنے اللہ سے پناہ مانگو اور

اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تاکہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور دوسری طرف ریاضیت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری موثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝
وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے
عمل کیے ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔

شیطان کے موافقین ومخالفین کا بیان

"اَلَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيد وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَهُمْ مَغْفِرَة وَأَجْر كَبِير" هَذَا بَيَان مَا لِمُوَافِقِي الشَّيْطَان وَمَا لِمُخَالِفِيهِ،

وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ یہ بیان ہے اس بات کا کہ شیطان کے موافق کون ہیں اور اس کے مخالف کون ہیں۔

اوپر بیان گذرا تھا کہ شیطان کے تابعداروں کی جگہ جہنم ہے۔ اس لئے یہاں بیان ہو رہا ہے کہ کفار کے لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ یہ شیطان کے تابع اور رحمان کے نافرمان ہیں۔ مومنوں سے جو گناہ بھی ہو جائیں بہت ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرما دے اور جو نیکیاں ان کی ہیں ان پر انہیں بڑا بھاری اجر و ثواب ملے گا، کافر اور بدکار لوگ اپنی بداعمالیوں کو نیکیاں سمجھ بیٹھے ہیں تو ایسے گمراہ لوگوں پر تیرا کیا بس ہے؟ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ ہے۔ پس تجھے ان پر غمگین نہ ہونا چاہئے۔ مقدرات اللہ جاری ہو چکے ہیں۔ مصلحت مالک الملوک کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہدایت و ضلالت میں بھی اس کی حکمت ہے کوئی کام اس سچے حکیم کا حکمت سے خالی نہیں۔ لوگوں کے تمام افعال اس پر واضح ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس پر وہ نور پڑ گیا وہ دنیا میں آ کر سیدھی راہ چلا اور جسے اس دن وہ نور نہ ملا وہ دنیا میں آ کر بھی ہدایت سے بہرہ ور نہ ہو سکا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ عز وجل کے علم کے مطابق قلم چل کر خشک ہو گیا۔ (ابن ابی حاتم رازی، سورہ فاطر، بیروت)

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝
تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا تو اس نے اسے اچھا سمجھا (اس شخص کی طرح ہے جو ایسا نہیں؟)
پس بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، سو تیری جان ان پر حسرتوں کی وجہ
سے نہ جاتی رہے۔ بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

کفار کیلئے دنیا کو مزین کر دیے جانے کا بیان

وَنَزَلَ فِي أَبِي جَهْل وَغَيْره "أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوء عَمَله" بِالتَّمْوِيهِ "فَرَآهُ حَسَنًا" مِنْ مُبْتَدَأ خَبَره : كَمَنْ هَدَاهُ اللّٰه ؟ لَا دَلَّ عَلَيْهِ "فَإِنَّ اللّٰه يُضِلّ مَنْ يَشَاء وَيَهْدِي مَنْ يَشَاء فَلَا تَذْهَب نَفْسك عَلَيْهِمْ" عَلَى الْمُزَيَّن لَهُمْ "حَسَرَات" بِاغْتِمَامِك أَنْ لَا يُؤْمِنُوا "إِنَّ اللّٰه عَلِيم بِمَا يَصْنَعُونَ" فَيُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ

یہ آیت ابوجہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تو کیا وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا تو اس نے اسے اچھا سمجھا اس شخص کی طرح ہے جو ایسا نہیں؟ یہاں پر لفظ من مبتداء ہے یعنی کمن ہداہ اللہ ہے۔ اور ہداہ اللہ یہ اس خبر ہے۔ پس بے شک اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، پس آپ کی جان ان پر حسرتوں کی وجہ سے نہ جاتی رہے۔ کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔ جن کیلئے تزئین ہوئی ہے۔ بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اس پر جزاء دی جائے گی۔

سورہ فاطر آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضور نے دعا فرمائی اے اللہ تو اپنے دین کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے عزت عطا فرما تو اللہ نے عمر کو ہدایت دی اور ابوجہل کو گمراہ کر دیا پس ان دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی 236)

یہ آیت ابوجہل وغیرہ مشرکینِ مکہ کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے شرک و کفر جیسے قبیح افعال کو شیطان کے بہکانے اور بھلا سمجھانے سے اچھا سمجھتے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اصحاب بدعت و ہوا کے حق میں نازل ہوئی۔

جن میں روافض و خوارج وغیرہ داخل ہیں جو اپنی بد مذہبیوں کو اچھا جانتے ہیں اور انہیں کے زُمرہ میں داخل ہیں، تمام بد مذہب خواہ وہابی ہوں یا غیر مقلد یا مرزائی یا چکڑالی اور کبیرہ گناہ والے جو اپنے گناہوں کو برا جانتے ہیں اور حلال نہیں سمجھتے۔ اس میں داخل نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فاطر، لاہور)

امام بغوی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا

کی تھی کہ یا اللہ اسلام کو عزت وقوت عطا کر دے، عمر بن خطاب کے ذریعہ یا ابو جہل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے عمر بن خطاب کو ہدایت دے کر اسلام کی عزت وقوت کا سبب بنا دیا اور ابو جہل اپنی گمراہی میں رہا۔ (تفسیر بغوی، سورہ فاطر، بیروت)

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا۔ کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے۔ نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے۔ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سمجھا دے۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝
اور اللہ ہی ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا، پھر وہ بادل کو ابھارتی ہیں، پھر ہم اسے ایک مردہ شہر کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں،
پھر ہم اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح اٹھایا جانا ہے۔

زرعی پیداوار سے استدلال بعث کا بیان

"وَاللّٰهُ الَّذِی أَرْسَلَ الرِّیَاح" وَفِی قِرَاءَة : الرِّیح "فَتُثِیر سَحَابًا" الْمُضَارِع لِحِكَایَةِ الْحَال الْمَاضِیَة أَیْ تُزْعِجهُ "فَسُقْنَاهُ" فِیهِ الْتِفَات عَنْ الْغِیبَة "إِلَی بَلَد مَیِّت" بِالتَّشْدِیدِ وَالتَّخْفِیف لَا نَبَات بِهَا "فَأَحْیَیْنَا بِهِ الْأَرْض" مِنْ الْبَلَد "بَعْد مَوْتهَا" یُبْسهَا أَیْ أَنْبَتْنَا بِهِ الزَّرْع وَالْكَلَأ "كَذَلِكَ النُّشُور" أَیْ الْبَعْث وَالْإِحْیَاء،

اور اللہ ہی ہے جس نے ہواؤں کو بھیجا، یہاں پر لفظ ریاح ایک قرأت میں ریح آیا ہے۔ پھر وہ بادل کو ابھارتی ہیں، یہاں پر مضارع حکایت ماضی کیلئے آیا ہے۔ یعنی وہ ہوائیں بادلوں کو حرکت دیتی ہیں۔ پھر ہم اسے ایک مردہ شہر کی طرف ہانک کر لے جاتے ہیں، اس میں غائب کی طرف التفات ہے۔ اور لفظ میت یہ تشدید و تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی میں زراعت نہیں ہوتی۔ پھر ہم اس کے ساتھ یعنی قریبی شہر کی زمین کو اس کی موت یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، یعنی اس میں زرعی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں۔ اسی طرح مرنے کے زندہ کر کے اٹھایا جاتا ہے۔

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا بیان

قرآن کریم میں موت کے بعد کی زندگی پر عموماً خشک زمین کے ہرا ہونے سے استدلال کیا گیا ہے۔ جیسے سورہ حج وغیرہ میں ہے۔ بندوں کے لئے اس میں پوری عبرت اور مردوں کے زندہ ہونے کی پوری دلیل اس میں موجود ہے کہ زمین بالکل سوکھی پڑی

ہے، کوئی تروتازگی اس میں نظر نہیں آتی لیکن بادل اٹھتے ہیں، پانی برستا ہے کہ اس کی خشکی تازگی سے اور اس کی موت زندگی سے بدل جاتی ہے۔ یا تو ایک تنکا نظر نہ آتا تھا یا کوسوں تک ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بنو آدم کے اجزاء قبروں میں بکھرے پڑے ہوں گے ایک سے ایک الگ ہوگا۔ لیکن عرش کے نیچے سے پانی برستے ہی تمام جسم قبروں میں سے اگنے لگیں گے۔ جیسے زمین سے دانے الگ آتے ہیں۔

چنانچہ صحیح حدیث میں ہے ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔ یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا کہ اسی طرح موت کے بعد کی زیست ہے۔ سورہ حج کی تفسیر میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ ابورزین رضی اللہ عالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اور اس کی مخلوق میں اس بات کی کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا اے ابورزین کیا تم اپنی بستی کے آس پاس کی زمین کے پاس سے اس حالت میں نہیں گذرے کہ وہ خشک بنجر پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر دوبارہ تم گذرتے ہو تو دیکھتے ہو کہ وہ سبزہ زار بنی ہوئی ہے اور تازگی کے ساتھ لہرا رہی ہے۔

حضرت ابورزین نے جواب دیا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا بس اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کردے گا، جو شخص دنیا اور آخرت میں باعزت رہنا چاہتا ہو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گذاری کرنی چاہئے وہی اس مقصد کا پورا کرنے والا ہے، دنیا اور آخرت کا مالک وہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ
وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝
جو شخص عزت چاہتا ہے تو اللہ ہی کے لئے ساری عزت ہے، پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور وہی نیک عمل کو بلند فرماتا
ہے، اور جو لوگ بری چالوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر و فریب نیست و نابود ہو جائے گا۔

پاکیزہ کلمات کا اس کی بارگاہ میں چڑھنے کا بیان

"مَنْ كَانَ يُرِيد الْعِزَّة فَلِلّٰهِ الْعِزَّة جَمِيعًا" أَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة فَلَا تُنَال مِنْهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ فَلْيُطِعْهُ "إِلَيْهِ يَصْعَد الْكَلِم الطَّيِّب" يَعْلَمهُ وَهُوَ لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰه وَنَحْوهَا "وَالْعَمَل الصَّالِح يَرْفَعهُ" يَقْبَلهُ "وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ" الْمَكَرَات "السَّيِّئَات" بِالنَّبِيِّ فِي دَار النَّدْوَة مِنْ تَقْيِيده أَوْ قَتْله أَوْ إِخْرَاجه كَمَا ذُكِرَ فِي الْأَنْفَال "لَهُمْ عَذَاب شَدِيد وَمَكْر أُولٰئِكَ هُوَ يَبُور" يَهْلِك،

جو شخص عزت چاہتا ہے تو اللہ ہی کے لئے دنیا و آخرت میں ساری عزت ہے، جو صرف اس کو ملتی ہے جو اس کی اطاعت کرتا ہے پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں یعنی وہ جانتا ہے کہ اچھا کلام "لَا إِلٰه إِلَّا اللّٰه" اور اسی جیسا کلام ہے۔ اور وہی نیک عمل کے

مدارج کو بلند فرماتا ہے، یعنی وہی قبول کرتا ہے۔ اور جو لوگ بری چالوں میں لگے رہتے ہیں یعنی دارندوہ میں آپ ﷺ کے قتل وقید یا جلاوطنی کی سازش کرتے ہیں۔ جس طرح سورہ انفال میں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا مکر وفریب نیست ونابود ہو جائے گا۔ یعنی وہ ہلاک ہو جائے گا۔

تمام تر عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور آیت میں اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے یعنی عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور ایمان والوں کے لئے لیکن منافق بے علم ہیں۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں بتوں کی پرستش میں عزت نہیں عزت والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پس بقول قتادہ آیت کا یہ مطلب ہے کہ طالب عزت کو احکام اللہ کی تعمیل میں مشغول رہنا چاہئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو یہ جاننا چاہتا ہو کہ کس کے لئے عزت ہے وہ جان لے کہ ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ذکر تلاوت دعا وغیرہ پاک کلمے اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جتنی حدیثیں تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں۔ سب کی تصدیق کتاب اللہ سے پیش کر سکتے ہیں۔ سنو! مسلمان بندہ جب پڑھتا ہے تو ان کلمات کو فرشتہ اپنے پر تلے لے کر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے گذرتا ہے وہ مجمع ان کلمات کے کہنے والے کے لئے استغفار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ رب العالمین عزوجل کے سامنے یہ کلمات پیش کئے جاتے ہیں۔ پھر آپ نے (اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ، فاطر:10) یرفعہ کی تلاوت کی۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ فاطر، بیروت)

کلمات طیبہ سے مراد کے مفہوم کا بیان

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے رہتے ہیں۔ جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ اپنے کہنے والے کا ذکر اللہ کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح اس کی حمد اس کی بڑائی اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس اللہ کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے؟

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ پاک کلموں سے مراد ذکر اللہ ہے اور عمل صالح سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔ پس جو شخص ذکر اللہ اور ادائے فریضہ کرے اس کا عمل اس کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھاتا ہے۔ اور جو ذکر کرے لیکن فریضہ ادا نہ کرے اس کا کلام اس کے عمل پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب کو عمل صالح لے جاتا ہے اور بزرگوں سے بھی یہی منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
اور اللہ ہی نے تمھیں تھوڑی سی مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر اس نے تمھیں جوڑے بنا دیا اور کوئی مادہ نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور نہ کسی عمر پانے والے کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر ایک کتاب میں ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

انسان تخلیق اور اس کے احوال عمر کا بیان

"وَاللّٰه خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَاب" بِخَلْقِ أَبِيكُمْ آدم مِنْهُ "ثُمَّ مِنْ نُطْفَة" أَيْ مَنِيّ بِخَلْقِ ذُرِّيَّته مِنْهَا "ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا" ذُكُورًا وَإِنَاثًا "وَمَا تَحْمِل مِنْ أُنْثَى وَلَا تَضَع إِلَّا بِعِلْمِهِ" حَال أَيْ مَعْلُومَة لَهُ "وَمَا يُعَمَّر مِنْ مُعَمَّر" أَيْ مَا يُزَاد فِي عُمُر طَوِيل الْعُمُر "وَلَا يُنْقَص مِنْ عُمُره" أَيْ ذَلِكَ الْمُعَمَّر أَوْ مُعَمَّر آخَر "إِلَّا فِي كِتَاب" هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ "إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللّٰه يَسِير" هَيِّن،

اور اللہ ہی نے تمھیں تھوڑی سی مٹی سے پیدا کیا، یعنی اس ست تمہارے والد گرامی آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ پھر ایک قطرے سے، یعنی قطرہ منی سے ان کی اولاد کی تخلیق کی۔ پھر اس نے تمھیں جوڑے بنا دیا یعنی مرد اور عورتوں کو بنایا اور کوئی مادہ نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے یعنی اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور نہ کسی عمر پانے والے کی عمر بڑھائی جاتی ہے یعنی اس کی عمر طویل نہیں کی جاتی۔ اور نہ اس کی عمر میں کمی کی جاتی ہے یعنی اس کی اپنی عمر یا کسی دوسرے کی عمر سے کمی نہیں کی جاتی مگر ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

عمر زیادہ اور اچھے اعمال کا بیان

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا، کہ یا رسول اللہ ﷺ کون سا آدمی بہتر ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔ پھر اس شخص نے پوچھا اور کون سا آدمی برا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور برے عمل ہوں۔

(احمد، ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1211)

حدیث کے ظاہری اسلوب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ حکم اغلب کے اعتبار سے ہے یعنی اچھے یا برے عمل زیادہ ہوں گے تو وہ شخص یا برا قرار پائے گا اور اگر اچھے اور برے عمل دونوں برابر ہوں گے تو پھر وہ ایک وجہ سے تو اچھا کہلائے گا اور ایک وجہ سے برا، اگرچہ اس بات کا ثابت ہونا نادر ہے۔

امام نسائی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک سے یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ من سرہ ان یبسط له فی رزقه وینساء فی اثره فلیصل،

بخاری، مسلم، ابوداؤد نے بھی یہ حدیث یونس بن یزید ایلی کی روایت سے نقل کی ہے۔ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی ہو تو اس کو چاہئے کو صلہ رحمی کرے یعنی اپنی ذی رحم رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی سے عمر بڑھ جاتی ہے، مگر اس کا مطلب ایک دوسری حدیث نے خود واضح کر دیا ہے وہ یہ ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوالدردا سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون کا ذکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا کہ (عمر تو اللہ کے نزدیک ایک ہی مقرر اور مقدر ہے جب مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ بلکہ زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا فرما دیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ شخص نہیں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی دعائیں اس کو قبر میں ملتی رہتی ہیں (یعنی مرنے کے بعد بھی ان کو وہ فائدہ پہنچتا رہتا ہے، جو خود زندہ رہنے سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔ یہ دونوں روایتیں ابن کثیر نے نقل کی ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں بعض اعمال کے متعلق یہ آیا ہے کہ ان سے عمر بڑھ جاتی ہے، اس سے مراد عمر میں برکت کا بڑھ جانا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فاطر، بیروت)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ
وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ
فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے، یہ میٹھا پیاس بجھانے والا ہے، جس کا پانی آسانی سے گلے سے اترنے والا ہے اور یہ نمکین ہے
کڑوا اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کا سامان نکالتے ہو جو تم پہنتے ہو اور تو اس میں کشتیوں کو دیکھتا ہے
پانی کو چیرتی ہوئی چلنے والی ہیں، تاکہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

پانی کے کڑوا و میٹھا ہونے سے دلیل قدرت کا بیان

"وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذَاب فُرَات" شَدِيد الْعُذُوبَة "سَائِغ شَرَابه" شُرْبه "وَهَذَا مِلْح أُجَاج" شَدِيد الْمُلُوحَة "وَمِنْ كُلّ" مِنْهُمَا "تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا" هُوَ السَّمَك "وَتَسْتَخْرِجُونَ" مِنْ الْمِلْح وَقِيلَ مِنْهُمَا "حِلْيَة تَلْبَسُونَهَا" هِيَ اللُّؤْلُؤ وَالْمَرْجَان "وَتَرَى" تُبْصِر "الْفُلْك" السُّفُن "فِيهِ" فِي كُلّ مِنْهُمَا "مَوَاخِر" تَمْخَر الْمَاء أَيْ تَشُقّهُ بِجَرْيِهَا فِيهِ مُقْبِلَة وَمُدْبِرَة بِرِيحٍ وَاحِدَة "لِتَبْتَغُوا" تَطْلُبُوا

"مِنْ فَضْلِه" تَعَالٰى بِالتِّجَارَةِ "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ" اللّٰهَ عَلٰى ذٰلِكَ،

اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے، یہ میٹھا پیاس بجھانے والا ہے، جو پینے والے کیلئے نہایت لذیذ ہے۔ جس کا پانی آسانی سے گلے سے اترنے والا ہے اور یہ نمکین ہے کڑوا جو دریائے شور ہے۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو وہ مچھلی ہے اور زینت کا سامان نکالتے ہو جو تم پہنتے ہو اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ لولؤ اور مرجان ہیں۔ اور تو اس میں کشتیوں کو دیکھتا ہے جو اپنے چلنے کی وجہ سے پانی کو چیرتی ہوئی چلنے والی ہیں، یعنی وہ آگے پیچھے ایک ہی ہوا سے چلتی ہیں۔ تا کہ تم اس کے فضل یعنی تجارت میں سے حصہ تلاش کرو اور تا کہ تم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

انسانوں کیلئے میٹھے پانی کی نعمت کا بیان

مختلف قسم کی چیزوں کی پیدائش کو بیان فرما کر اپنی زبردست قدرت کو ثابت کر رہا ہے۔ دو قسم کے دریا پیدا کر دیئے ایک کا تو صاف ستھرا میٹھا اور عمدہ پانی جو آبادیوں میں جنگلوں میں برابر بہہ رہا ہے اور دوسرا ساکن دریا جس کا پانی کھاری اور کڑوا ہے جس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز چل رہے ہیں اور دونوں قسم کے دریا میں سے قسم قسم کی مچھلیاں تم نکالتے ہو۔

اور تر و تازہ گوشت کھاتے رہتے ہیں۔ پھر ان میں سے زیور نکالتے ہو یعنی لولو اور مرجان۔ یہ کشتیاں برابر پانی کو کاٹتی رہتی ہیں۔ ہواؤں کا مقابلہ کر کے چلتی رہتی ہیں تا کہ تم اس کا فضل تلاش کر لو تجارتی سفر ان پر طے کرو۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکو تا کہ تم اپنے رب کا شکر کرو کہ اس نے یہ سب چیزیں تمہاری تابع فرمان بنا دیں۔ تم سمندر سے، دریاؤں سے، کشتیوں سے نفع حاصل کرتے ہو، جہاں جانا چاہو پہنچ جاتے ہو۔ اس قدرت والے اللہ نے زمین و آسمان کی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے یہ صرف اس کا ہی فضل و کرم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ
وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر فرما رکھا ہے،
ہر کوئی ایک مقرر میعاد کے مطابق حرکت پذیر ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہت ہے، اور اس کے سوا
تم جن بتوں کو پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کے مالک نہیں ہیں۔

دن رات کے آنے جانے سے دلیل قدرت کا بیان

"يُوْلِجُ" يُدْخِلُ اللّٰهُ "الَّيْلَ فِي النَّهَارِ" فَيَزِيْدُ "وَيُوْلِجُ النَّهَارَ" يُدْخِلُهُ "فِي الَّيْلِ" فَيَزِيْدُ "وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ" مِنْهُمَا "يَجْرِيْ" فِيْ فَلَكِهٖ "لِاَجَلٍ مُّسَمًّى" يَوْمِ الْقِيَامَةِ "ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ" تَعْبُدُوْنَ "مِنْ دُوْنِهٖ" أَيْ غَيْرِهٖ وَهُمُ الْاَصْنَامُ "مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ" لِفَافَةِ

النَّوَاۃ،

وہ رات کو دن میں داخل فرماتا ہے لہٰذا اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے تو وہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو اپنے آسمان میں ایک نظام کے تحت مسخر فرما رکھا ہے، ہر کوئی ایک مقرر میعاد یعنی قیامت کے دن تک کے لئے حرکت پذیر ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہت ہے، اور اس کے سوا تم جن بتوں وغیرہ کو پوجتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ یعنی کھجور کا جو لفافہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو اندھیرے والی اور دن کو روشنی والا بنایا ہے۔ کبھی کی راتیں بڑی کبھی کے دن بڑے۔ کبھی دونوں یکساں۔ کبھی جاڑے ہیں کبھی گرمیاں ہیں۔ اسی نے سورج اور چاند کو تھمے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں کو مطیع کر رکھا ہے۔ مقدار معین پر اللہ کی طرف سے مقرر شدہ چال پر چلتے رہتے ہیں۔ پوری قدرتوں والے اور کامل علم والے اللہ نے یہ نظام قائم کر رکھا ہے جو برابر چل رہا ہے اور وقت مقررہ یعنی قیامت تک یونہی جاری رہے گا۔ جس اللہ نے یہ سب کیا ہے وہی دراصل لائق عبادت ہے اور وہی سب کا پالنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ جن بتوں کو اور اللہ کے سوا جن جن کو لوگ پکارتے ہیں خواہ وہ فرشتے ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کے پاس بڑے درجے رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں لیکن سب کے سب اس کے سامنے محض مجبور اور بالکل بے بس ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کے باریک چھلکے جیسی چیز کا بھی انہیں اختیار نہیں۔ آسمان و زمین کی حقیر سے حقیر چیز کے بھی وہ مالک نہیں، جن جن کو تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ تمہارے یہ بت وغیرہ بے جان چیزیں کان والی نہیں جو سن سکیں۔ بے جان چیزیں بھی کہیں کسی کی سن سکتی ہیں اور بالفرض تمہاری پکار سن بھی لیں تو چونکہ ان کے قبضے میں کوئی چیز نہیں اسلئے وہ تمہاری حاجت برآری کر نہیں سکتے۔ قیامت کے دن تمہارے اس شرک سے وہ انکاری ہو جائیں گے۔ تم سے بیزار نظر آئیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝
اگر تم انہیں پکارو تو وہ (بت ہیں) تمہاری پکار نہیں سُن سکتے اور اگر وہ سُن لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے، اور قیامت کے
دن وہ تمہارے شرک کا بالکل انکار کر دیں گے، اور تجھے خدائے باخبر جیسا کوئی خبردار نہ کرے گا۔

بتوں کا پکار و دعا اور احوال سے بے خبر ہونے کا بیان

"إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا" فَرْضًا "مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ" مَا أَجَابُوكُمْ "وَيَوْم الْقِيَامَة يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ" بِإِشْرَاكِكُمْ إِيَّاهُمْ مَعَ اللّٰه أَيْ يَتَبَرَّءُونَ مِنْكُمْ وَمِنْ عِبَادَتكُمْ إِيَّاهُمْ "وَلَا يُنَبِّئك" بِأَحْوَالِ الدَّارَيْنِ "مِثْل خَبِير" عَالِم هُوَ اللّٰه تَعَالَى،

اگر تم انہیں پکارو تو وہ (بت ہیں) تمہاری پکار نہیں سُن سکتے اور اگر بالفرض وہ سُن لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے، اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا بالکل انکار کر دیں گے، یعنی جو تم نے اللہ کی عبادت کے ساتھ ان کو شریک کر رکھا ہے وہ تمہارے اس شرک اور عبادت سے برأت کا اظہار کریں گے۔ اور تجھے خدائے باخبر جیسا کوئی خبردار نہ کرے گا۔ یعنی وہ دونوں جہانوں کے احوال سے مطلع فرمائے گا۔ کیونکہ وہ خبیر ہے۔ (جبکہ بت تو کچھ بھی نہیں بتا سکتے)۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ما استجابوا لکم ۔ مانفی کے لئے ہے۔ استجابوا ماضی جمع مذکر غائب۔ استجابۃ مصدر باب استفعال سے بمعنی ماننا۔ قبول کرنا۔ یعنی وہ تمہارا کہنا قبول نہ کر پائیں گے۔ تمہاری التجا قبول نہ کر سکیں گے۔

یکفرون بشرککم ۔ وہ (خود) تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ یعنی تم جو ان کو اللہ کی عبادت میں شریک کرتے ہو وہ قیامت کے دن اس کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے ما کنتم ایانا تعبدون، تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے (بلکہ اپنی ہوا و ہوس اور باطل خیالات کی پوجا کرتے تھے)۔ لا ینبئك ۔ مضارع منفی واحد مذکر غائب۔ تنبئۃ مصدر باب تفعیل بمعنی خبر دینا۔ بتا دینا۔ آگاہ کرنا۔ ک ضمیر واحد مذکر حاضر۔ تمہیں (کوئی) نہیں بتائے گا۔ مثل خبیر۔ مثل اسم مفرد۔ طرح۔ مضاف، خبیر مضاف الیہ۔ فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ خبردار۔ خبر رکھنے والا۔ دانا۔ خبر رکھنے والے کی طرح۔ خبر رکھنے والے کے برابر۔ خبیر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ اور قرآن مجید میں خبیر ذات باری تعالیٰ کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ (انوار البیان، سورہ فاطر)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۝
اے لوگو! تم ہی اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ ہی سب سے بے پروا، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔ اگر وہ چاہے
تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے۔

لوگوں کا ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس أَنْتُمْ الْفُقَرَاء إلَى اللَّه" بِكُلِّ حَال "وَاَللَّه هُوَ الْغَنِيّ" عَنْ خَلْقه "الْحَمِيد" الْمَحْمُود فِي صُنْعه بِهِمْ "إنْ يَشَأْ يُذْهِبكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيد" بَدَلكُمْ "وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّه بِعَزِيزٍ" شَدِيد

اے لوگو! تم ہر حالت میں اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ اپنی سب مخلوق سے بے پروا، تمام تعریفوں کے لائق ہے یعنی ان کی صنعت میں تعریف کیا گیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے بدلے میں نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں ہے۔

یہ خطاب تمام جہان کے انسانوں سے ہے کہ تم اپنی صحت کے لئے، اپنے رزق کے لئے، اپنی زندگی کی بقاء غرض ایک ایک چیز

کے لئے اللہ کے محتاج ہو تمہارے رزق اور بقائے حیات کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن جن اشیائے کائنات کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو ہٹالے تو تم زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ دوسری ضرورتوں کی احتیاج بعد کی چیز ہے اور اللہ کی شان یہ ہے کہ اسے کسی انسان بلکہ کائنات کی کسی بھی چیز کی احتیاج نہیں۔ وہ بذات خود ازل سے لے کر ابد تک قائم و دائم ہے۔ اور کوئی اس کی حمد و ثنا نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

اس کے فضل و احسان کے حاجت مند ہو اور تمام خلق اس کی محتاج ہے۔ حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ خلق ہر دم اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور کیوں نہ ہوگی ان کی ہستی اور ان کی بقا سب اس کے کرم سے ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فاطر، لاہور)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ
وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ
وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝
اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بار نہ اٹھا سکے گا، اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا، اپنا بوجھ بٹانے کے لئے بلائے گا تو اس سے کچھ بھی
بوجھ نہ اٹھایا جا سکے گا خواہ قریبی رشتہ دار ہی ہو، آپ ان ہی لوگوں کو ڈر سناتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور نماز
قائم کرتے ہیں، اور جو کوئی پاکیزگی حاصل کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے پاک ہوتا ہے، اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

آخرت میں کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی

"وَلَا تَزِر" نَفس "وَازِرَة" آثِمَة أَیْ لَا تَحمِل "وِزْر" نَفْس "أُخرَى وَإِنْ تَدْعُ" نَفْس "مُثْقَلَة" بِالْوِزْرِ "إِلَى حِمْلهَا" مِنْهُ أَحَدًا لِيَحمِل بَعْضه "لَا يُحمَل مِنْهُ شَيْء وَلَوْ كَانَ" الْمَدْعُو "ذَا قُرْبَى" قَرَابَة كَالْأَبِ وَالِابْن وَعَدَم الْحَمْل فِي الشِّقَّيْنِ حُكْم مِنْ اللّٰه "إِنَّمَا تُنْذِر الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبّهمْ بِالْغَيْبِ" أَيْ يَخَافُونَهُ وَمَا رَأَوْهُ لِأَنَّهُمْ الْمُنْتَفِعُونَ بِالْإِنْذَارِ "وَأَقَامُوا الصَّلَاة" أَدَامُوهَا "وَمَنْ تَزَكَّى" تَطَهَّرَ مِنْ الشِّرْك وَغَيْره "فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ" فَصَلَاحه مُخْتَصّ بِهِ "وَإِلَى اللّٰه الْمَصِير" الْمَرْجِع فَيَجْزِي بِالْعَمَلِ فِي الْآخِرَة،

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھا سکے گا، اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا دوسرے کو اپنا بوجھ بٹانے کے لئے بلائے گا تاکہ وہ بھی کچھ بوجھ اٹھالے تو اس سے کچھ بھی بوجھ نہ اٹھایا جا سکے گا۔ خواہ وہ بلایا گیا قریبی رشتہ دار ہی ہو، قرابت میں جیسے باپ اور بیٹا ہے۔ دونوں حالتوں میں بوجھ نہ اٹھا سکنے کا حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ (اے حبیب ﷺ) آپ ان ہی لوگوں کو ڈر سناتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں یعنی انہوں نے دیکھا بھی نہیں لیکن وہ ڈرتے ہیں اور انذار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور نماز کو دائمی طور پر قائم کرتے ہیں، اور جو کوئی پاکیزگی حاصل کرتا ہے یعنی شرک وغیرہ سے پاک ہوتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ

کے لئے پاک ہوتا ہے، یعنی اس کا فائدہ اسی کے ساتھ خاص ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا وہی آخرت میں عمل کی جزاء دے گا۔

قیامت کے دن دوہرا بوجھ اٹھانے والوں کا بیان

قیامت کے روز کوئی آدمی دوسرے آدمی کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھا سکے گا، ہر ایک کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑے گا۔ اور سورہ عنکبوت میں جو آیا ہے کہ ولیحملن اثقالھم واثقالاً مع اثقالھم، یعنی گمراہ کرنے والے لوگ اپنے گمراہ ہونے کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اتنا ہی دوسرا بوجھ اس کا اٹھائیں گے کہ انہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن کو گمراہ کیا تھا ان کا بوجھ یہ لوگ کچھ ہلکا کر دینگے، بلکہ ان کا بوجھ اپنی جگہ پر ان پر پورا ہوگا، اور گمراہ کرنے والوں کا جرم دوہرا ہونے کی وجہ سے ان کا بوجھ بھی دوہرا ہو جائے گا۔ ایک گمراہ ہونے کا دوسرا دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔ اس لئے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔
(تفسیر روح المعانی، سورہ فاطر، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ماں باپ بیٹے کو لپٹیں گے اور کہیں گے اے ہمارے بیٹے ہمارے کچھ گناہ اٹھالے، وہ کہے گا میرے امکان میں نہیں میرا اپنا بار کیا کم ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ فاطر، بیروت)

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ○ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ○ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ○
اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ اندھیرے اور نہ روشنی۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔

مؤمن اور کافر میں عدم برابری کا بیان

"وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِير" الْكَافِر وَالْمُؤْمِن "وَلَا الظُّلُمَات" الْكُفْر "وَلَا النُّور" الْإِيمَان "وَلَا الظِّلّ وَلَا الْحَرُور" الْجَنَّة وَالنَّار

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ یعنی مؤمن اور کافر برابر نہیں۔ اور نہ اندھیرے یعنی کفر اور نہ روشنی یعنی ایمان۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔ برابر ہو سکتے ہیں۔

یعنی ان لوگوں سے کیا توقع رکھی جائے کہ ان کا ادراک مثل ادراک مومنین کی طرح یہ بھی حق کو قبول کر لیں۔ اور قبول حق کے ثمرات دینی میں بھی یہ لوگ شریک ہو جاویں، کیونکہ مومنین کی مثلاً ادراک حق میں بصیر کی سی ہے، اور ان کی مثال عدم ادراک حق میں اعمیٰ کی سی ہے، اور اسی طرح مومن نے ادراک حق کے ذریعہ سے جس طریق ہدایت کو اختیار کیا ہے اس طریق حق کی مثال نور کی سی ہے اور کافر نے عدم ادراک حق سے جس طریقہ کو اختیار کیا ہے اس کی مثال ظلمت کی سی ہے، اور اسی طرح جو ثمرہ جنت وغیرہ اس طریق حق پر مرتب ہوگا، اس کی مثال ظل بارد کی سی ہے، اور جو ثمرہ جہنم وغیرہ طریق باطل پر مرتب ہوگا اس کی مثال جلتی دھوپ کی سی ہے۔ پس نہ ان کا اور مومنین کا ادراک برابر ہوا اور نہ ان کا طریقہ اور نہ اس طریقہ کا ثمرہ برابر ہوگا۔

وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ط اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ○

اور نہ زندہ لوگ اور نہ مردے برابر ہو سکتے ہیں، بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، اور آپ کے ذمے ان کو سنانا نہیں

جو قبروں میں ہیں (یعنی آپ کافروں سے اپنی بات قبول کروانے کے ذمہ دار نہیں ہیں)۔

کفار کا مردوں کی طرح ہونے کا بیان

"وَمَا يَسْتَوِى الْأَحْيَاء وَلَا الْأَمْوَات" الْمُؤْمِنُونَ وَلَا الْكُفَّار وَزِيَادَة لَا فِي الثَّلَاثَة تَأْكِيد "إِنَّ اللَّه يَسْمَع مَنْ يَشَاء" هِدَايَته فَيُجِيبهُ بِالْإِيمَانِ "وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُور" أَيْ الْكُفَّار شَبَّهَهُمْ بِالْمَوْتَى فَيُجِيبُونَ،

اور نہ زندہ لوگ اور نہ مردے برابر ہو سکتے ہیں، یعنی اہل ایمان اور کفار برابر نہیں۔ یہاں پر تینوں مقامات پر لفظ لاء زائدہ اور تاکید کیلئے آیا ہے۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے، یعنی ہدایت دیتا ہے پس وہ ایمان قبول کر لیتا ہے۔ اور آپ کے ذمے ان کو سنانا نہیں جو قبروں میں کفار ہیں۔ یہاں پر کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس آیت میں کُفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح مردے سنی ہوئی بات سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور پند پذیر نہیں ہوتے، بدانجام کفار کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ہدایت و نصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت میں قبر والوں سے مراد کفار ہیں نہ کہ مردے اور سننے سے مراد وہ سننا ہے جس پر راہ یابی کا نفع مرتب ہو، رہا مردوں کا سننا وہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ اس مسئلہ کا بیان بیسویں پارے کے دوسرے رکوع میں گزرا۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ط وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○

آپ تو فقط ڈر سنانے والے ہیں۔ بیشک ہم نے آپ کو حق و ہدایت کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا

بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں مگر اس میں کوئی ڈر سنانے والا گزرا ہے۔

ہر امت کیلئے نبی مکرم علیہ السلام کی بعثت کا بیان

"إِنْ" مَا "أَنْتَ إِلَّا نَذِير" مُنْذِر لَهُمْ "إِنَّا أَرْسَلْنَاك بِالْحَقِّ" بِالْهُدَى "بَشِيرًا" مَنْ أَجَابَ إِلَيْهِ "وَنَذِيرًا" مَنْ لَمْ يَجِب إِلَيْهِ "وَإِنْ" مَا "مِنْ أُمَّة إِلَّا خَلَا" سَلَفَ "فِيهَا نَذِير" نَبِيّ يُنْذِرهَا،

آپ تو فقط انہیں ڈر سنانے والے ہیں۔ بیشک ہم نے آپ کو حق و ہدایت کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا یعنی جو ہدایت کو قبول کرے اور آخرت کا ڈر سنانے والا یعنی جو ہدایت کو قبول نہ کرے، بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت ایسی نہیں مگر اس میں کوئی نہ کوئی ڈر سنانے والا نبی مکرم علیہ السلام ضرور گزرا ہے۔ جو ان کو ڈر سنائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری مثال اس آدمی کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلا دی تو پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں آ کر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے آدمی نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکتے بلکہ اس کی کوششوں پر) غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں تمہاری کمریں پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔ یہ روایت صحیح البخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کمریں پکڑے ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 146)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی آدمی آگ جلائے اور اس آدمی کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اس ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو! اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ
وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○
اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو بیشک ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں اور صحیفے
اور روشن کرنے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنھوں نے کفر کیا، تو میرا عذاب کیسا تھا؟

انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کے سبب کفار اقوام کی ہلاکت کا بیان

"وَإِنْ يُكَذِّبُوك" أَيْ أَهْل مَكَّة "فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلهمْ بِالْبَيِّنَاتِ" الْمُعْجِزَات "وَبِالزُّبُرِ" كَصُحُفِ إِبْرَاهِيم "وَبِالْكِتَابِ الْمُنِير" هُوَ التَّوْرَاة وَالْإِنْجِيل فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوا، "ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا" بِتَكْذِيبِهِمْ "فَكَيْفَ كَانَ نَكِير" إِنْكَارِي عَلَيْهِمْ بِالْعُقُوبَةِ وَالْإِهْلَاك أَيْ هُوَ وَاقِع مَوْقِعه

اور اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ آپ کو جھٹلائیں تو بیشک ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح نشانیاں یعنی معجزات اور صحیفے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صحیفہ اور روشن کرنے والی کتاب لے کر آئے تھے۔ پس آپ بھی ان ہستیوں کی طرح صبر فرمائیں۔ پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑ لیا جنھوں نے کفر کیا، تو میرا عذاب کیسا تھا؟ یعنی میرا عذاب، سزا اور

ہلاک کرنا کیسا یعنی وہ بالکل موقع کے مطابق دیا گیا۔

انبیائے کرام کی اتباع اور مخالفت کرنے والوں کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اسی (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست ومددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء وسرداروں کا طریقہ ہے) لہٰذا (تم سے) جو خاص لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ (جو آدمی ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 154)

ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد واعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض ونفرت رکھے۔ آخر میں فرمایا گیا کہ جس آدمی کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ وعمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری حالت سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَاؕ
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ۝
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس سے پھل نکالے جن کے رنگ جدا گانہ ہیں،
اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ گھاٹیاں ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں اور بہت گہری سیاہ بھی ہیں۔

پھلوں میں رنگوں کے مختلف ہونے سے استدلال قدرت کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "أَنَّ اللَّه أَنْزَلَ مِنْ السَّمَاء فَأَخْرَجْنَا" فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة "بِهِ ثَمَرَات مُخْتَلِفًا أَلْوَانهَا" كَأَخْضَر وَأَحْمَر وَأَصْفَر وَغَيْرهَا "وَمِنْ الْجِبَال جُدَد" جَمْع جُدَّة طَرِيق فِي الْجَبَل وَغَيْره "بِيض حُمْر" وَصُفْر "مُخْتَلِف أَلْوَانهَا" بِالشِّدَّةِ وَالضَّعْف "وَغَرَابِيب سُود" عَطْف عَلَى جُدَد أَيْ صُخُور شَدِيدَة السَّوَاد يُقَال كَثِيرًا: أَسْوَد غِرْبِيب وَقَلِيلًا: غِرْبِيب أَسْوَد،

کیا آپ نے نہیں دیکھا یعنی نہیں جانا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، اس میں غائب کی جانب التفات ہے۔ پھر ہم نے اس سے پھل نکالے جن کے رنگ جداگانہ ہیں، جس طرح سبز، سرخ اور زرد وغیرہ ہیں۔ اور اسی طرح پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ گھاٹیاں ہیں۔ یہاں پر لفظ جدد یہ جدۃ کی جمع ہے مراد پہاڑی راستے وغیرہ ہیں۔ یعنی سرخ وسفید وغیرہ میں ہلکے ہونے میں بھی مختلف ہیں۔ ان کے رنگ بھی مختلف ہیں اور بہت گہری سیاہ گھاٹیاں بھی ہیں۔ اس کا عطف جدد پر ہے۔ صخور سخت سیاہ رنگ کو کہا جاتا ہے۔ اور اسود غربیب اس کا استعمال کثیر ہے جبکہ غربیب اسود کا استعمال قلیل ہے۔

ہر قسم کی مخلوق میں تنوع بھی ہے فوائد بھی اور خوبصورتی ہونے کا بیان

یہ آیات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف ہر انسان کی توجہ مبذول کراتی ہیں۔ یعنی زمین ایک ہے پانی ایک ہے، ہوا ایک ہے۔ لیکن نباتات جو اگتی ہے ان کی شکلیں مختلف رنگ مختلف اور پھول ہیں تو خوشبوئیں مختلف ہوتی ہیں۔ گلاب کے پھول کی رنگت، ساخت اور خوشبو، لالہ کے پھول سے مختلف ہے اسی طرح چنبیلی کے پھول' نیلوفر اور سورج مکھی کے پھول بھی آپس میں مختلف ہیں۔ پھر ایک ہی پھول میں کئی رنگوں کی آمیزش کچھ ایسی خوبصورتی سے ترکیب دی گئی ہے جو فوراً دل کو موہ لیتی ہے اور اگر پھل پیدا ہوتے ہیں تو انگور کی شکل، رنگ، ذائقہ، اور خواص اور ہوں گے۔ سیب کے اور کھجور کے اور آم کے اور۔ پھر مثلاً آم ہی کو یا کھجور کو لیجئے۔ اس جنس کی آگے بے شمار انواع ہیں۔ اور ہر نوع میں ایسی امتیازی خصوصیات موجود ہیں کہ انسان یہ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ کھجور یا آم فلاں قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر یہ تنوع صرف پھولوں، پھلوں اور سبزیوں میں نہیں بلکہ جمادات کی طرف دیکھو تو وہاں بھی اللہ کی یہ قدرت کارفرما نظر آئے گی کہیں خشک کالے ٹیالے اور سیاہ پہاڑ ہیں۔ کہیں پہاڑوں پر بلند و بالا درخت اور سبزہ اگ کر نہایت خوشنا منظر پیش کر رہا ہے۔ کہیں نمک کا پہاڑ ہے کہیں سنگ مرمر کا پہاڑ ہے۔ پھر ایک ہی پہاڑ میں کہیں سیاہ دھاریاں دور تک چلی گئی ہیں۔ کہیں سپید ہیں اور کہیں سرخ۔ اب جانداروں کی طرف آیئے تو یہاں بھی ہم یہی منظر دیکھتے ہیں۔ مویشیوں میں سے ایک جنس کے کئی کئی رنگ ہیں انسانوں کا بھی یہی حال ہے کچھ گورے ہیں کچھ سفید ہیں کچھ سرخ ہیں کچھ کالے اور کچھ سانولے ہیں۔ حالانکہ ان کی پیدائش اور ترکیب کے اجزاء وعناصر پر غور کیا جائے تو وہ سب یکساں ہی ہوتے ہیں اس کے باوجود ہر جنس میں اللہ تعالیٰ نے اتنے لاتعداد نئے سے نئے ڈیزائن تیار کر دیئے ہیں جنہیں دیکھ کر ہی عقل دنگ رہ جاتی ہے یہ یکسانیت میں اختلافات اور اختلافات میں یکسانیت، یہ مختلف رنگ اور ان رنگوں کا حسین امتزاج ان میں توازن وتناسب اور ان سب باتوں کے باوجود ان سب چیزوں میں انسان کے لئے خوشنمائی اور دلفریبی پھر ان میں سے ہر چیز کا انسان کیلئے مفید اور کارآمد ہونا کیا یہ سب چیزیں کسی عظیم مدبر اور حکیم صناع کی طرف رہنمائی نہیں کرتیں؟ کیا یہ سب باتیں اتفاقات کا نتیجہ قرار دی جا سکتی ہیں؟

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝

اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں، بس اللہ کے بندوں میں سے اہل سے وہی
ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں، یقیناً اللہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے۔

علماء میں خشیت الٰہی ہونے کا بیان

"وَمِنْ النَّاس وَالدَّوَابّ وَالْأَنْعَام مُخْتَلِف أَلْوَانه كَذَلِكَ" كَاخْتِلَافِ الثِّمَار وَالْجِبَال "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّه مِنْ عِبَاده الْعُلَمَاء" بِخِلَافِ الْجُهَّال كَكُفَّارِ مَكَّة "إِنَّ اللَّه عَزِيز" فِي مُلْكه "غَفُور" لِذُنُوبِ عِبَاده الْمُؤْمِنِينَ،

اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں، جس طرح پھلوں اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہیں بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں، جبکہ کفار مکہ کی طرح جہال نہیں۔ یقیناً اللہ اپنے ملک میں غالب ہے اہل ایمان کے گناہوں کو بڑا بخشنے والا ہے۔

اور اس کے صفات جانتے اور اس کی عظمت کو پہچانتے ہیں، جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی عزت وشان سے باخبر ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم اللہ عزّ وجلّ کی کہ میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فاطر، لاہور)

علماء کی عابدین پر فضیلت کا بیان

حضرت ابی امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس آدمی پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس آدمی کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے جامع ترمذی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی آیت (اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا، فاطر: 28) اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔" اور پھر پوری حدیث آخر تک اسی طرح بیان کی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 208)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت وفضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس آدمی پر فضیلت رکھتا ہوں

جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ آدمی پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔ آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمی نے مکحول سے طریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ
تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝
بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انھوں نے نماز قائم کی اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے انھوں نے
پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد نہ ہوگی۔ تاکہ اللہ ان کا اجر انہیں پورا پورا عطا فرمائے
اور اپنے فضل سے انہیں مزید نوازے، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا، بڑا ہی شکر قبول فرمانے والا ہے۔

تلاوت، نماز اور زکوۃ دینے والوں کی فضیلت وثواب کا بیان

"اِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ" يَقْرَءُونَ "كِتَابَ اللَّه وَأَقَامُوا الصَّلَاة" أَدَامُوهَا "وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَة" زَكَاة وَغَيْرهَا "يَرْجُونَ تِجَارَة لَنْ تَبُور" تَهْلِك،

"لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورهمْ" ثَوَاب أَعْمَالهمْ الْمَذْكُورَة "وَيَزِيدهُمْ مِنْ فَضْله إِنَّهُ غَفُور" لِذُنُوبِهِمْ "شَكُور" لِطَاعَتِهِمْ،

بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور انھوں نے نماز دائمی طور پر قائم کی اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا اس میں سے انھوں نے پوشیدہ اور ظاہر زکوۃ وغیرہ کو خرچ کیا، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد یعنی ہلاک نہ ہوگی۔ تاکہ اللہ ان کا اجر یعنی ان کے اعمال کا ثواب مذکورہ انہیں پورا پورا عطا فرمائے اور اپنے فضل سے انہیں مزید نوازے، بیشک اللہ ان کے گناہوں کو بڑا بخشنے والا، ان کی اطاعت کی وجہ سے بڑا ہی شکر قبول فرمانے والا ہے۔

کتاب اللہ کی تلاوت کے فضائل کا بیان

مومن بندوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ ایمان کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں عمل بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ نماز کے پابند زکوۃ خیرات کے عادی ظاہر و باطن اللہ کے بندوں کے ساتھ سلوک کرنے والے ہوتے اور وہ اپنے اعمال کے ثواب کے امیدوار اللہ سے ہوتے ہیں۔ جس کا ملنا یقینی ہے۔ کلام اللہ شریف اپنے ساتھی سے کہے گا کہ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے اور تو تو سب کی سب تجارتوں کے پیچھے ہے۔ انہیں ان کے پورے ثواب ملیں

گے بلکہ بہت بڑھا چڑھا کر لیں گے جس کا خیال بھی نہیں۔ اللہ گناہوں کا بخشنے والا اور چھوٹے اور تھوڑے عمل کا بھی قدر دان ہے۔
حضرت مطرف رحمتہ اللہ علیہ تو اس آیت کو قاریوں کی آیت کہتے تھے۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو اس پر بھلائیوں کی ثناء کرتا ہے جو اس نے کی نہ ہوں اور جب کسی سے ناراض ہوتا ہے تو اسی طرح برائیوں کی۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝
اور جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، وہی حق ہے اور اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے،
بیشک اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے خوب دیکھنے والا ہے۔

قرآن کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والا ہے

"وَالَّذِی أَوْحَیْنَا إِلَیْکَ مِنْ الْکُتُب" الْقُرْآن "هُوَ الْحَقّ مُصَدِّقًا لِمَا بَیْن یَدَیْهِ" تَقَدَّمَهُ مِنْ الْکُتُب "إِنَّ اللّٰه بِعِبَادِهِ لَخَبِیر بَصِیر" عَالِم بِالْبَوَاطِنِ وَالظَّوَاهِر،

اور جو کتاب قرآن ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے، وہی حق ہے اور اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، بیشک اللہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی ان کے ظاہر و باطن کا عالم ہے۔

قرآن اللہ کا حق کلام ہے اور جس طرح اگلی کتابیں اس کی خبر دیتی رہی ہیں یہ بھی ان اگلی سچی کتابوں کی سچائی ثابت کر رہا ہے۔ رب خبیر و بصیر ہے۔ ہر مستحق فضیلت کو بخوبی جانتا ہے۔ انبیاء کو انسانوں پر اس نے اپنے وسیع علم سے فضیلت دی ہے۔ پھر انبیاء میں بھی آپس میں مرتبے مقرر کر دیئے ہیں اور علی الاطلاق حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے بڑا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام انبیاء پر درود و سلام بھیجے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ج فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ج وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ ج
وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ۝
پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، سو ان میں سے اپنی جان پر
ظلم کرنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے درمیان میں رہنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں
آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں، یہی بڑا فضل ہے۔

قرآن مجید کے سبب امت مسلمہ کی فضیلت کا بیان

"ثُمَّ أَوْرَثْنَا" أَعْطَیْنَا "الْکِتَاب" الْقُرْآن "الَّذِینَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادنَا" وَهُمْ أُمَّتك "فَمِنْهُمْ ظَالِم لِنَفْسِهِ"

بِالتَّقْصِيرِ فِي الْعَمَلِ بِهِ "وَمِنْهُمْ مُقْتَصِد" يَعْمَل بِهِ أَغْلَب الْأَوْقَات "وَمِنْهُمْ سَابِق بِالْخَيْرَاتِ" يَضُمّ إِلَى الْعِلْم التَّعْلِيم وَالْإِرْشَاد إِلَى الْعَمَل "بِإِذْنِ اللَّه" بِإِرَادَتِهِ "ذَلِكَ" أَيْ إِيرَاثهمْ الْكِتَاب،

پھر ہم نے اس کتاب قرآن کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، سوان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں، یعنی جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں۔اوران میں سے درمیان میں رہنے والے بھی ہیں، جو اکثر اوقات میں اس پر عمل کرنے والے ہیں۔اوران میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں، یعنی قرآن مجید پر عمل کے ساتھ ساتھ تعلیم ورہنمائی کو بھی ملانے والے ہیں۔یہی بڑا فضل ہے۔یعنی ان کا اس کتاب کا وارث ہونا بڑا فضل ہے۔

سورہ فاطر آیت ۳۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت (ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ، پھر ہمیں اپنی کتاب کا ان کو وراث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور بعض ان میں سے میانہ رو ہیں اور بعض ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والے ہیں۔کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں اور سب جنتی ہیں۔یہ حدیث غریب حسن ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1173)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور نیک لوگوں کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پسندیدہ بندوں سے مراد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو اللہ کی ہر کتاب کی وارث بنائی گئی ہے۔ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں بخشا جائے گا اور ان میں جو درمیانہ لوگ ہیں ان سے آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ان میں جو نیکیوں میں بڑھ جانے والے ہیں انہیں بے حساب جنت میں پہنچایا جائے گا۔طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔ابن عباس فرماتے ہیں سابق لوگ تو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے اور میانہ رو رحمت رب سے داخل جنت ہوں گے اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے اور اصحاب اعراف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنت میں آئیں گے۔الغرض اس امت کے ہلکے پھلکے گنہگار بھی اللہ کے پسندیدہ بندوں میں داخل ہیں۔

اکثر سلف کا قول یہی ہے۔لیکن بعض سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ نہ تو اس امت میں داخل ہیں نہ چیدہ اور پسندیدہ ہیں نہ وارثین کتاب ہیں۔بلکہ مراد اس سے کافر منافق اور بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیئے جانے والے ہیں پس یہ تین قسمیں وہی ہیں جن کا بیان سورہ واقعہ کے اول وآخر میں ہے۔لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ اسی امت میں ہیں۔امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ تینوں گویا ایک

ہیں اور تینوں ہی جنتی ہیں۔(مسند احمد)

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا سابقین تو بےحساب جنت میں جائیں گے۔ اور درمیانہ لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے طول محشر میں روکے جائیں گے۔ پھر اللہ کی رحمتوں سے تلافی ہو جائے گی اور یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا ہمارا رب بڑا ہی غفور و شکور ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل و کرم سے رہائش کی ایسی جگہ عطا فرمائی جہاں ہمیں کوئی درد دکھ نہیں۔(مسند احمد)

ابن ابی حاتم کی اس روایت میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے۔ ابن جریر نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت ابوثابت مسجد میں آتے ہیں اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ! میری وحشت کا انیس میرے لئے مہیا کر دے اور میری غربت پر رحم کر اور مجھے کوئی اچھا رفیق عطا فرما۔ یہ سن کر صحابی ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں میں تیرا ساتھی ہوں سن میں آج تجھے وہ حدیث رسول ﷺ سناتا ہوں جسے میں نے آج تک کسی کو نہیں سنائی پھر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابق بالخیرات تو جنت میں بےحساب جائیں گے اور مقتصد لوگوں سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا اور ظالم لنفسہ کو اس مکان میں غم و رنج پہنچے گا۔ جس سے نجات پا کر وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔

تیسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت میں سے ہیں۔ چوتھی حدیث: میری امت کے تین حصے ہیں ایک بےحساب و بےعذاب جنت میں جانے والا۔ دوسرا آسانی سے حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشیں ہونے والا۔

تیسری وہ جماعت ہوگی جن سے تفتیش و تلاش ہوگی لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے کہ ہم نے انہیں لا الہ الا اللہ وحدہ کہتے ہوئے پایا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں اچھا انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں دوزخیوں پر لا دو اسی کا ذکر آیت (وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ، العنکبوت:13) میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں پس ان میں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں وہ باز پرس کئے جائیں گے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اس امت کی قیامت کے دن تین جماعتیں ہوں گی۔ ایک بےحساب جنت میں جانے والی ایک آسانی سے حساب لئے جانے والی ایک گنہگار جن کی نسبت اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ کون ہیں؟ فرشتے کہیں گے اللہ ان کے پاس بڑے بڑے گناہ ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا انہیں میری وسیع رحمت میں داخل کر دو پھر حضرت عبداللہ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔(ابن جریر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتی ہیں بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں سابق بالخیرات تو وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے جنہیں خود آپ نے جنت کی بشارت دی۔ مقتصد وہ ہیں جنہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی یہاں تک کہ ان سے مل گئے۔ اور ظالم لنفسہ مجھ تجھ جیسے ہیں۔ (ابوداؤد طیالسی)

خیال فرمائیے کہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باوجود یکہ سابق بالخیرات میں سے بلکہ ان میں سے بھی بہترین درجے والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے تئیں متواضع بناتی ہیں حالانکہ حدیث میں آچکا ہے کہ تمام عورتوں پر حضرت عائشہ کو وہی فضیلت ہے جو فضیلت ثرید کو ہر قسم کے طعام پر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ظالم لنفسہ تو ہمارے بدوی لوگ ہیں اور مقتصد ہمارے شہری لوگ ہیں اور سابق ہمارے مجاہد ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فاطر، بیروت)

آخری زمانہ میں لوگوں کے ایمانوں کے احوال کا بیان

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میری امت کو آخری زمانہ میں اپنے حکمرانوں کی طرف سے (دینی یا دنیاوی) سختیاں اور بلائیں جھیلنا پڑیں گی اور اس وقت ان بلاؤں اور سختیوں سے نجات کی راہ پانے والا ایک شخص تو وہ ہوگا جو اللہ کے دین کو سمجھے گا (یعنی اپنے اندر علم وعمل کو یکجا کرے گا، معرفت ویقین کی دولت کے ذریعہ خود بھی کمال کے درجہ کو پہنچے گا اور دوسروں کو بھی کامل کرے گا اور اس طرح پہلے تو وہ اللہ کے دین سے بھی تفصیل اصول جزئیات اچھی طرح واقف وآگاہ ہوگا اور پھر اس علم کے مطابق اپنے نفس کو عمل کے سانچے میں ڈھالے گا اور صرف مشروع چیزوں کو اختیار کرے گا جس کی وجہ سے اس کے اندر ظلم وناانصافی کے خلاف سعی اور جدوجہد کرنے کا عزم وحوصلہ پیدا ہوگا) چنانچہ وہ شخص اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لئے اپنی زبان اپنے ہاتھ اور اپنے دل کے ذریعہ جہاد کرے گا (یعنی بطریق وعظ ونصیحت زبان کے ذریعہ بھی ظلم وبرائی کے خلاف جدوجہد کرے گا اور اگر اس کو طاقت وقوت میسر نہیں ہوگی تو مجبوراً دل میں اس ظلم وبرائی کے خلاف نفرت وعداوت رکھنے پر اکتفا کرے گا) پس یہ وہ شخص ہوگا جو کمال ایمان، ثواب اور دنیا وآخرت کی سعادتوں تک پہلے پہنچے گا اور ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ کے دین کو سمجھے گا (مگر پہلے شخص سے ایک درجہ کم) چنانچہ وہ شخص دین کی تصدیق کرے گا اور اس کو اچھا جانے گا (یعنی وہ شخص ظلم وبرائی کے خلاف صرف دل اور زبان کے ذریعہ جہاد کرے گا، ہاتھ کی قوت سے کام نہ لے گا، یہ مطلب اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے بارہ میں تصدیق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ تصدیق کا تعلق دل سے ہوتا ہے جس کی ترجمانی زبان کرتی ہے) اور ایک شخص وہ ہوگا جو اللہ کے دین کو (تھوڑا) بہت سمجھے گا چنانچہ وہ شخص سکوت اختیار کرے گا (اور صرف قلب کے ذریعہ جہاد کرے گا یعنی ظلم وبرائی کو محض دل سے برا سمجھنے پر اکتفا کرے گا) چنانچہ اس شخص کی حالت یہ ہوگی کہ وہ جب کسی کو نیک کام کرتے دیکھے تو اس کو دوست رکھے گا اور کسی کو غلط کام کرتے دیکھے گا تو اس سے نفرت کرے گا اور وہ شخص بھی پوشیدہ طور پر نیکی بھلائی کے تئیں محبت اور گناہ وبرائی کے تئیں نفرت رکھنے کے سبب نجات پائے گا۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1076)

اس ارشاد گرامی کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف تو اس زمانہ کے بارے میں پیشگوئی فرمائی ہے جب امت مرحومہ پر ظالم اور بدکار حکمرانوں کی حکومت ہو اور ان سخت حالات سے نجات کی راہ کو بھی واضح فرمادیا گیا ہے اور وہ راہ ہے اللہ کے دین کا علم حاصل کرنا یقین و معرفت اور عزم و استقامت اختیار کرنا، بھلائی کو پھیلانا اور برائی کو ختم کرنے کی جدو جہد کرنا، چنانچہ اس راہ کو اختیار کرنے والے لوگوں کو تین قسموں میں بیان فرمایا گیا ہے، پہلی قسم تو گویا ان لوگوں کی ہوئی جو اللہ کے دین کو پوری طرح جانیں گے اور سمجھیں گے اور دین کے بارے میں نہایت سختی اور پختگی کا رویہ اختیار کریں گے، ایسے لوگ نہ صرف برائی کو دل سے برا جانیں گے اور زبان کے ذریعہ تلقین و نصیحت کا فریضہ انجام دیں گے بلکہ طاقت وقوت میسر ہونے پر ہاتھ کے ذریعہ بھی جہاد کریں گے اور ظلم و برائی کو مٹانے کے لئے کما حقہ جدو جہد کریں گے، دوسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دین کو جاننے اور سمجھنے اور معرفت ویقین کے مرتبہ کے اعتبار سے پہلی قسم کے لوگوں سے کچھ کم تر ہوں گے ایسے لوگ بھلائی کو پھیلانے اور برائی کو ختم کرنے کے لئے محض زبان اور دل کو ذریعہ بنانے پر اکتفا کریں گے۔

اور تیسری قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو دین کا علم بہت معمولی سا رکھیں گے اور برائیوں کے خلاف زبان کو بھی خاموش رکھیں گے اور خلاف شرع امور کو صرف دل میں برا سمجھنے پر اکتفا کریں گے بلکہ وہ قلبی نفرت وعداوت کے معاملہ میں بھی اس قدر سخت اور حساس نہیں ہوں گے جتنا ان کے ایمان کا تقاضا ہوگا، اسی لئے ان لوگوں کو ایک دوسری حدیث کے الفاظ، ذالک اضعف الایمان، کے ذریعہ سب سے کمزور ایمان کا حامل بتایا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تین قسمیں ان لوگوں کی ہیں جن کو عارف اور دیندار کہا جاسکتا ہے البتہ ان قسموں کے لوگ اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت و برتری رکھتے ہیں اور ان کے درجات میں تفاوت ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی ایک آیت کی روشنی میں ان کے درجات کو اس طرح متعین کیا گیا ہے کہ پہلی قسم سے تعلق رکھنے والے شخص کو "سابق" دوسری قسم سے تعلق رکھنے والے شخص کو "مقتصد" یعنی متوسط اور تیسری قسم سے تعلق رکھنے والے شخص کو "ظالم" سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ آیت یہ ہے۔(ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ، فاطر:"(32 پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے تمام دنیا کے بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے نیکیوں کے ساتھ آگے نکل جانے والے ہیں"۔ واضح رہے کہ تیسری قسم سے تعلق رکھنے والے شخص کو "ظالم" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ وہ دین کی زیادہ معرفت نہ رکھنے اور دین کے تئیں زیادہ محتاط وحساس نہ ہونے کی وجہ سے تقصیرات اور لغزشوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنی تقصیرات کے ذریعہ گویا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، نیز مذکورہ آیت کے ابتدائی الفاظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان تینوں قسموں کے لوگ اگر چہ اپنے مراتب و درجات میں تفاوت رکھتے ہیں مگر ایک بات میں سب کے سب مشترک ہیں کہ ان سب کو بارگاہ رب العزت میں برگزیدہ بندہ قرار دیا گیا ہے۔

لفظ "سوابق" اصل میں سابق کی جمع ہے اور سابقہ اس خصلت کو کہتے ہیں جو اولیت اور امتیازی حیثیت رکھتی ہو، جیسا کہ کہا جاتا ہے، لہ سابقۃ فی ہذا الامر یعنی اس کو اس معاملہ میں اولیت حاصل ہے، یا وہ شخص اس معاملہ میں لوگوں پر سبقت لے گیا ہے، لہٰذا حدیث کے اس جملہ وذالک الذی سبقت لہ اسوابق کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ شخص سابقین بالخیرات میں سے ہوگا بایں طور کہ وہ دین ودنیا کی سعادتوں، اجر وثواب کی بشارتوں اور طاعات وعبادات کی توفیق کے حصول میں دوسرے لوگوں پر سبقت لے جائے گا۔ گویا اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد السابقون السابقون کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں فرمایا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کمال وتکمیل کے مراتب، علم وعمل کے درجات اور تعلیم وتعلم کی خصوصیات کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے اور اس اعتبار سے ان کے حق میں یہ بشارت ہے کہ اولئک المقربون یعنی یہی لوگ بارگاہ الٰہی میں مقرب ومقبول ہیں۔

جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُؤۡلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ ○
وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ○
ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کا
لباس ان میں ریشم ہوگا۔ اور وہ کہیں گے سب تعریف اس اللہ کی ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا، بے شک ہمارا رب
یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت قدردان ہے۔

اہل جنت کے لباس و پہناوؤں کا بیان

"جَنَّات عَدْن" أَیْ إِقَامَة "یَدْخُلُونَهَا" الثَّلَاثَة بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ خَبَر جَنَّات الْمُبْتَدَأ "یُحَلَّوْنَ" خَبَر ثَانٍ "فِیهَا مِنْ" بَعْض "أَسَاوِر مِنْ ذَهَب وَلُؤْلُؤًا" مُرَصَّع بِالذَّهَبِ "وَقَالُوا الْحَمْد لِلَّهِ الَّذِی أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَن" جَمِیعه "إِنَّ رَبّنَا لَغَفُور" لِلذُّنُوبِ "شَکُور" لِلطَّاعَةِ،

ہمیشگی کے باغات، جن میں وہ داخل ہوں گے، یہاں پر لفظ یدخلونہا یہ معروف مجہول دونوں طرح آیا ہے۔ اور جنات یہ مبتداء یدخلونہا کی خبر ہے۔ اور یحلون یہ خبر ثانی ہے۔ ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی جو سنے کے بنے ہوں گے وہ پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ان میں ریشم ہوگا۔ اور وہ کہیں گے سب تعریف اس اللہ کی ہے جس نے ہم سے سارے غم دور کر دیئے، بے شک ہمارا رب یقیناً گناہوں کو بخشنے والا، اطاعت کی وجہ شکر قبول کرنے والا ہے۔

اللہ کی کتاب کے وارث لوگوں کا بیان

فرماتا ہے جن برگزیدہ لوگوں کو ہم نے اللہ کی کتاب کا وارث بنایا ہے انہیں قیامت کے دن ہمیشہ والی ابدی نعمتوں والی جنتوں میں لے جائیں گے۔ جہاں انہیں سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ ان کا لباس وہاں پر خاص ریشمی ہوگا۔ جس سے دنیا میں وہ ممانعت کر دیئے گئے تھے۔

حدیث میں ہے جو شخص یہاں دنیا میں حریر و ریشم پہنے گا وہ اسے آخرت میں نہیں پہنایا جائے گا اور حدیث میں ہے یہ ریشم کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تم مومنوں کے لئے آخرت میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے زیوروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا انہیں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے جو موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہوں گے۔ ان پر موتی اور یاقوت کے تاج ہوں گے۔ جو بالکل شاہانہ ہوں گے۔ وہ نوجوان ہوں گے بغیر بالوں کے سرمیلی آنکھوں والے، وہ جناب باری عزوجل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کا احسان ہے جس نے ہم سے خوف ڈر زائل کر دیا اور دنیا اور آخرت کی پریشانیوں اور پشمانیوں سے ہمیں نجات دے دی حدیث شریف میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر قبروں میں میدان محشر میں کوئی دہشت و وحشت نہیں۔ میں تو گویا انہیں اب دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں پر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم و رنج دور کر دیا۔ (ابن ابی حاتم) طبرانی میں ہے موت کے وقت بھی انہیں کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے ان کی بڑی بڑی اور بہت سی خطائیں معاف کر دی گئیں اور چھوٹی چھوٹی اور کم مقدار نیکیاں قدردانی کے ساتھ قبول فرمائی گئیں، یہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے یہ پاکیزہ بلند ترین مقامات عطا فرمائے ہمارے اعمال تو اس قابل تھے ہی نہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے تم میں سے کسی کو اس کے اعمال جنت میں نہیں لے جا سکتے لوگوں نے پوچھا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا ہاں مجھے بھی اسی صورت اللہ کی رحمت ساتھ دے گی۔ وہ کہیں گے یہاں تو ہمیں نہ کسی طرح کی شفقت و محنت ہے نہ تھکان اور کلفت ہے۔ روح الگ خوش ہے جسم الگ راضی راضی ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو دنیا میں اللہ کی راہ میں تکلیفیں انہیں اٹھانی پڑی تھیں آج راحت ہی راحت ہے۔ ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ پسند اور دل پسند کھاتے پیتے رہو اور اس کے بدلے جو دنیا میں تم نے میری فرماں برداریاں کیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

۩ الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۝
جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، نہ ہمیں اس میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نہ ہمیں
اس میں کوئی تھکاوٹ پہنچتی ہے۔

جنت میں کسی قسم کی تکلیف و تھکاوٹ نہ ہونے کا بیان

"الَّذِیْ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَة " الْإِقَامَة "مِنْ فَضْله لَا یَمَسّنَا فِیْهَا نَصَب " تَعَب "وَلَا یَمَسّنَا فِیْهَا لُغُوب " إِعْیَاء مِنْ التَّعَب لِعَدَمِ التَّكْلِیف فِیْهَا وَذَكَر الثَّانِی التَّابِع لِلْأَوَّلِ لِلتَّصْرِیح بِنَفْیِهِ،

جس نے ہمیں اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، نہ ہمیں اس میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکاوٹ پہنچتی ہے۔ یعنی ہمیں کوئی سستی نہ چھوئے گی اور تکلیف نہ ہونے کے سبب کچھ بھی تھکاوٹ نہ ہوگی۔ یہاں پر لغوب کا ذکر اس لئے کیا جو اول یعنی نصب کے تابع ہے۔ لہذا بہ طور صراحت تھکاوٹ کی نفی کر دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی پھر جو گروہ ان کے بعد جنت میں داخل ہوگا ان کی صورتیں انتہائی چمکتے ہوئے ستاروں کی طرح ہوں گی پھر ان کے بعد درجہ بدرجہ مراتب ہوں گے وہ نہ پاخانہ کریں گے اور نہ پیشاب کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے اور نہ تھوکیں گے اور ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کی انگیٹھیوں میں عود سلگ رہا ہوگا اور ان کا پسینہ مشک ہوگا ان سب کے اخلاق ایک جیسے ہوں گے وہ اپنے قد میں اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2649)

اس آیت میں جنت کی چند خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ وہ دار المقامۃ ہے، اس کے زوال یا وہاں سے نکالے جانے کا کسی وقت خطرہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں کسی کو کوئی غم پیش نہ آئے گا، تیسرے یہ کہ وہاں کسی کو تھکان بھی محسوس نہیں ہوگا جیسے دنیا میں آدمی کو تھکان ہوتا ہے، کام چھوڑ کر نیند کی ضرورت محسوس کرتا ہے، جنت اس سے بھی پاک ہوگی۔ بعض روایات حدیث میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ فاطر، لاہور)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝
اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ
ان سے اس کا کچھ عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ایسے ہی ہر ناشکرے کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اہل جہنم پر عذاب کی تخفیف نہ ہونے کا بیان

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا لَهُمْ نَار جَهَنَّم لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ " بِالْمَوْتِ "فَيَمُوتُوا" يَسْتَرِيحُوا "وَلَا يُخَفَّف عَنْهُمْ مِنْ عَذَابهَا" طَرْفَة عَيْن "كَذٰلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُمْ "نَجْزِي كُلّ كَفُور" كَافِر بِالْيَاءِ وَالنُّون الْمَفْتُوحَة مَعَ كَسْر الزَّاي وَنَصْب كُلّ،

اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ موت کے ذریعے ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی پلک جھپکنے کے برابر ان سے اس کا کچھ عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا۔ ہم ایسے ہی ہر ناشکرے یعنی کافر کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

یہاں پر لفظ نجزی یہ یاء اور نون مفتوحہ زاء کے کسرہ کے ساتھ اور لفظ کل نصب کے ساتھ بھی آیا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو ابدی جہنمی ہیں انہیں وہاں موت نہیں آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی۔ وہ تو کہیں گے کہ اے داروغہ جہنم تم ہی اللہ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے۔ پس وہ موت کو اپنے لئے رحمت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی ہی نہیں۔ نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔

جیسے اور آیت میں ہے (اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ، الزخرف:74) یعنی کفار دائماً عذاب جہنم میں رہیں گے جو عذاب کبھی بھی نہ ہٹیں گے نہ کم ہوں گے۔ یہ تمام بھلائی سے محض مایوس ہوں گے اور جگہ فرمان ہے (كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا، الاسراء:97) آگ جہنم ہمیشہ تیز ہوتی رہے گی۔ فرماتا ہے (فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا، النبأ:30) لو اب مزے چکھو، عذاب ہی عذاب تمہارے لئے بڑھتے رہیں گے۔ کافروں کا یہی بدلہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ
مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝
اور وہ اس میں چلائیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں نکال لے، ہم نیک عمل کریں گے، اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے۔
اور کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس خاص ڈرانے
والا بھی آیا۔ پس چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اہل دوزخ کا جہنم میں چیخ و پکار کرنے کا بیان

"وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا" يَسْتَغِيْثُوْنَ بِشِدَّةٍ وَعَوِيل يَقُوْلُوْنَ "رَبَّنَا أَخْرِجْنَا" مِنْهَا "نَعْمَل صَالِحًا غَيْر الَّذِي كُنَّا نَعْمَل" فَيُقَال لَهُمْ "أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا" وَقْتًا "يَتَذَكَّر فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِير" الرَّسُول فَمَا أَجَبْتُمْ "فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "مِنْ نَصِير" يَدْفَع الْعَذَاب عَنْهُمْ،

اور وہ اس میں چلائیں گے، یعنی سختی سے مدد طلب کریں گے اور ہائے ہائے کہیں گے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نکال لے، ہم نیک عمل کریں گے، اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے۔ تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر یعنی اتنا وقت نہیں دیا کہ اس میں جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس خاص ڈر سنانے والا رسول مکرم علیہ السلام بھی آیا۔ تو تم نے ان کے حکم کو قبول کیوں نہ کیا۔ پس چکھو کہ ظالموں یعنی کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔ جو ان سے عذاب کو دور کر دے۔

اہل جہنم کا دوزخ سے باہر نکلنے کیلئے چیخ و پکار کرنے کا بیان

وہ چیخ و پکار کریں گے ہائے وائے کریں گے دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے اقرار کریں گے کہ ہم گناہ نہیں کریں گے نیکیاں کریں گے۔ لیکن رب العالمین خوب جانتا ہے کہ اگر یہ واپس بھی جائیں گے تو وہی سرکشی کریں گے اسی لئے ان کا یہ ارمان پورا نہ ہو گا۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ انہیں ان کے اس سوال پر جواب ملے گا کہ تم تو وہی ہو کہ جب اللہ کی وحدانیت کا بیان ہوتا تھا تو تم کفر کرنے لگتے تھے وہاں اس کے ساتھ شرک کرنے میں تمہیں مزہ آتا تھا۔ پس اب بھی اگر تمہیں لوٹا دیا گیا تو وہی کرو گے جس سے ممانعت کئے جاتے ہو۔ پس فرمایا انہیں کہا جائے گا کہ دنیا میں تو تم بہت جئے، تم اس لمبی مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے مثلاً سترہ سال جئے۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ لمبی عمر میں بھی اللہ کی طرف سے حجت پوری کرنا ہے۔ اللہ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ عمر کے بڑھنے

کے ساتھ ہی انسان برائیوں میں بڑھتا چلا جائے دیکھو تو یہ آیت جب اتری ہے اس وقت بعض لوگ صرف اٹھارہ سال کی عمر کے ہی تھے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں مراد بیس سال کی عمر ہے۔

حسن فرماتے ہیں چالیس سال۔ مسروق فرماتے ہیں چالیس سال کی عمر میں انسان کو ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس عمر تک پہنچنا اللہ کی طرف سے عذر بندی ہو جاتا ہے۔ آپ ہی سے ساٹھ سال بھی مروی ہیں اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔

حضرت علی سے بھی ساٹھ سال ہی مروی ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی یہ بھی ہوگی کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جانے والے کہاں ہیں؟

مسند میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساٹھ ستر برس کی عمر کو پہنچا دیا اس کا کوئی عذر پھر اللہ کے ہاں نہیں چلے گا۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق میں ہے اس شخص کا عذر اللہ نے کاٹ دیا جسے ساٹھ سال تک دنیا میں رکھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اطباء کے نزدیک طبعی عمر ایک سو بیس برس کی ہے ساٹھ سال تک تو انسان بڑھوتری میں رہتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس آیت میں بھی اسی عمر کو مراد لینا اچھا ہے اور یہی اس امت کی غالب عمر ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں اور اس سے تجاوز کرنے والے کم ہیں۔ (ترمذی، تفسیر ابن کثیر، سورہ فاطر، بیروت)

(38) إِنَّ اللَّـهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (39) هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا،

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝
بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں جاننے والا ہے، بے شک، وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس
نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، پس جس نے کفر کیا سو اس کا وبالِ کفر اسی پر ہوگا، اور کافروں کے حق میں ان کا کفران کے رب
کے حضور سوائے ناراضگی کے اور کچھ نہیں بڑھاتا، اور کافروں کے حق میں ان کا کفر سوائے نقصان کے کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کرتا۔

دنیا میں بعض لوگوں کو بعض پر جانشین بنانے کا بیان

"إِنَّ اللَّـهَ عَالِمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ" بِمَا فِي الْقُلُوبِ فَعِلْمه بِغَيْرِهِ أَوْلَى بِالنَّظَرِ إِلَى حَال النَّاس،

"هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلائِفَ فِي الْأَرْضِ" . جَمْعِ خَلِيفَةٍ أَيْ يَخْلُفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا "فَمَنْ كَفَرَ" مِنْكُمْ "فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ" أَيْ وَبَالُ كُفْرِهِ "وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا" غَضَبًا "وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا" لِلْآخِرَةِ

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں جاننے والا ہے، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی جو کچھ دلوں میں ہے وہ لوگوں کے حالات کی طرف نظر کیے بغیر جاننے والا ہے۔

وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا، یہاں پر لفظ خلائف یہ خلیفہ کی جمع ہے یعنی بعض کو بعض کا جانشین بنایا۔ پس جس نے کفر کیا سو اس کا وبالِ کفر اسی پر ہوگا، اور کافروں کے حق میں ان کا کفران کے رب کے حضور سوائے ناراضگی کے اور کچھ نہیں بڑھاتا، اور کافروں کے حق میں ان کا کفر سوائے آخرت میں نقصان کے کسی بھی اور چیز کا اضافہ نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے وسیع اور بے پایاں علم کا بیان فرما رہا ہے کہ وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا عالم ہے دلوں کے بھید سینوں کی باتیں اس پر عیاں ہیں۔ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ وہ دے گا، اس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔ کافروں کے کفر کا وبال خود ان پر ہے۔ وہ جیسے جیسے اپنے کفر میں بڑھتے ہیں ویسے ہی اللہ کی ناراضگی ان پر بڑھتی ہے اور ان کا نقصان اور زیاں ہوتا جاتا ہے۔ برخلاف مومن کے کہ اس کی عمر جس قدر بڑھتی ہے نیکیاں بڑھتی ہیں اور درجے پاتا ہے اور اللہ کے ہاں مقبول ہوتا جاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا
مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى
بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ○
فرما دیجئے: کیا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کیا چیز
پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی کوئی شراکت ہے، یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کر رکھی ہے کہ وہ اس کی دلیل پر
قائم ہیں؟ بلکہ ظالم لوگ ایک دوسرے سے فریب کے سوا کوئی وعدہ نہیں کرتے۔

بتوں کی پوجا کرنے والوں کا فریب میں مبتلاء ہونے کا بیان

"قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُونِ اللَّهِ" أَيْ غَيْرِهِ وَهُمُ الْأَصْنَامُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ شُرَكَاءُ اللَّهِ تَعَالَى "أَرُونِي" أَخْبِرُونِي "مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ" شِرْكَةٌ مَعَ اللَّهِ "فِي" خَلْقِ "السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَى بَيِّنَةٍ" حُجَّةٍ "مِنْهُ" بِأَنَّ لَهُمْ مَعِي شَرِكَةً؟

لَا شَیْءَ مِنْ ذٰلِکَ "بَلْ اِنْ" مَا "یَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ" الْکَافِرُوْنَ "بَعْضُھُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا" بَاطِلًا بِقَوْلِھِمْ الْاَصْنَام تَشْفَع لَھُمْ،

فرما دیجئے: کیا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، یعنی جن کی عبادت کرتے ہو۔ جو بت وغیرہ ہیں مجھے دکھا دو کہ انہوں نے زمین سے کیا چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے، یعنی آسمانوں میں اللہ کے ساتھ کوئی شرکت ہے۔ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کر رکھی ہے کہ وہ اس کی دلیل پر قائم ہیں؟ یعنی ان کی شرکت ساتھ ہو، کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ظالم لوگ یعنی کافر لوگ ایک دوسرے سے فریب کے سوا کوئی وعدہ نہیں کرتے۔ یعنی ان کا قول کہ بت ان کی سفارش کریں گے یہ سب باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ آپ مشرکوں سے فرمائیے کہ اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارا کرتے ہو تم مجھے بھی تو ذرا دکھاؤ کہ انہوں نے کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ یا یہی ثابت کر دو کہ آسمانوں میں ان کا کونسا حصہ ہے؟ جب کہ نہ وہ خالق نہ ساجھی پھر تم مجھے چھوڑ کر انہیں کیوں پکارو؟ وہ تو ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ اچھا یہ بھی نہیں تو کم از کم اپنے کفر و شرک کی کوئی کتابی دلیل ہی پیش کر دو۔ لیکن تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم صرف اپنی نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے کے پیچھے لگ گئے ہو دلیل کچھ بھی نہیں۔ باطل جھوٹ اور دھوکے بازی میں مبتلا ہو۔ ایک دوسرے کو فریب دے رہے ہو، اپنے ان جھوٹے معبودوں کی کمزوری اپنے سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ کی جو سچا معبود ہے قدرت و طاقت دیکھو کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَھُمَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِہٖ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝
بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کو اس بات سے روکے ہوئے ہے کہ وہ ہٹ سکیں، اور اگر وہ دونوں ہٹنے لگیں تو اس کے بعد
کوئی بھی ان دونوں کو روک نہیں سکتا، بیشک وہ بڑا بردبار، بڑا بخشنے والا ہے۔

زمین و آسمان کو زائل ہونے سے بچانے سے دلیل قدرت کا بیان

"اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض اَنْ تَزُوْلَا" اَیْ یَمْنَعھُمَا مِنَ الزَّوَال "وَلَئِنْ" لَام الْقَسَم "زَالَتَا اِنْ" مَا "اَمْسَکَھُمَا" یُمْسِکھُمَا "مِنْ اَحَد مِنْ بَعْدہ" اَیْ سِوَاہُ "اِنَّـہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا" فِیْ تَاْخِیْر عِقَاب الْکُفَّار،

بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کو اس بات یعنی زوال پذیر ہونے سے روکے ہوئے ہے یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ کہ وہ اپنی اپنی جگہوں اور راستوں سے ہٹ سکیں، اور اگر وہ دونوں ہٹنے لگیں تو اس کے بعد کوئی بھی ان دونوں کو روک نہیں سکتا، بیشک وہ بڑا بردبار، بڑا بخشنے والا ہے۔ یعنی کفار کے عذاب میں تاخیر کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دو بوتلوں کو تھام رکھنے کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ منبر پر بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال گذرا کہ اللہ تعالیٰ کبھی سوتا بھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کے پاس بھیج دیا جس نے انہیں تین دن تک سونے نہ دیا۔ پھر ان کے ایک ایک ہاتھ میں ایک ایک بوتل دے دی اور حکم دیا کہ ان کی حفاظت کرو یہ گریں نہیں ٹوٹیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں ہاتھوں میں لے کر حفاظت کرنے لگے لیکن نیند کا غلبہ ہونے لگا اونگھ آنے لگی۔ کچھ جھکولے تو ایسے آئے کہ آپ ہوشیار ہو گئے اور بوتل گرنے نہ دی لیکن آخر نیند غالب آ گئی اور بوتلیں ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئیں اور چورا چور ہو گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ سونے والا دو بوتلیں بھی تھام نہیں سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں فرما چکا ہے کہ اسے نہ تو اونگھ آئے نہ نیند۔ زمین وآسمان کی کل چیزوں کا مالک صرف وہی ہے۔ بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو سوتا ہے نہ سونا اس کی شایان شان ہے۔ وہ ترازو کو اونچا نیچا کرتا رہتا ہے۔ دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف چڑھ جاتے ہیں اس کا حجاب نور ہے۔ یا آگ ہے۔ اگر اسے کھول دے تو اس کے چہرے کی تجلیاں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی ہے سب مخلوق کو جلا دیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فاطر، بیروت)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ
فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ
اور یہ لوگ اللہ کے ساتھ بڑی پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آ جائے تو یہ ضرور ہر
ایک امت سے بڑھ کر راہ راست پر ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والے تشریف لے آئے تو اس سے
ان کی حق سے بیزاری میں اضافہ ہی ہوا۔

کفار مکہ اور یہود ونصاریٰ کا بعثت نبوی ﷺ سے آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگنے کا بیان

"وَأَقْسَمُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة "بِاللَّهِ جَهْد أَيْمَانهمْ" غَايَة اجْتِهَادهمْ فِيهَا "لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِير" رَسُول "لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَم" الْيَهُود وَالنَّصَارَى وَغَيْرهمْ أَيْ أَيّ وَاحِدَة مِنْهَا لِمَا رَأَوْا مِنْ تَكْذِيب بَعْضهمْ بَعْضًا إِذْ قَالَتْ الْيَهُود : لَيْسَتْ النَّصَارَى عَلَى شَيْء وَقَالَتْ النَّصَارَى : لَيْسَتْ الْيَهُود عَلَى شَيْء "فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِير" مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَا زَادَهُمْ" مَجِيئُهُ "إِلَّا نُفُورًا" تَبَاعُدًا عَنْ الْهُدَى،

اور یہ لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کے ساتھ بڑی پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے یعنی قسمیں اٹھانے میں انتہاء کر دیتے ہیں۔ کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے رسول مکرم ﷺ والا آ جائے تو یہ ضرور ہر ایک امت سے بڑھ کر راہ راست پر ہوں گے، یعنی یہود نصاریٰ وغیرہ

سے زیادہ ہدایت کو قبول کریں گے۔ کیونکہ جب انہوں نے دیکھا ہے کہ یہود نے کہا کہ نصاریٰ حق پر نہیں ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود حق پر نہیں ہیں۔ اس طرح انہوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کی ہے۔ پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو اس سے ان کی حق سے بیزاری میں اضافہ ہی ہوا۔ یعنی وہ ہدایت سے دور ہو گئے۔

سورہ فاطر آیت ۴۲ کے شان نزول کا بیان

ابن ابی ہلال سے روایت ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ قریش کہا کرتے تھے اگر اللہ ہم میں نبی بھیجتا تو کوئی امت بھی ہم سے بڑھ کر اپنے خالق کی فرمانبرداری اپنے نبی کی اطاعت گزارا اور اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والی نہ ہوتی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل ہوئی۔ (وان کانوا لیقولون لو ان عندنا ذکرا من الاولین) (سورہ صافات 167، 168)

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی اور یہ آیت نازل فرمائی (لو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم) (سورہ انعام 157)

اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں کو نسبت کہیں سیدھے راستے پر ہوتے اور یہ آیت نازل فرمائی ۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۔ اور یہود و نصاری پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عنقریب ایک نبی ظاہر ہوں گے۔ (سیوطی 237، قرطبی 14۔358)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے قریش نے یہود و نصاریٰ کے اپنے رسولوں کو نہ ماننے اور ان کو جھٹلانے کی نسبت کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آئے اور انہوں نے انہیں جھٹلایا اور نہ مانا، خدا کی قسم اگر ہمارے پاس کوئی رسول آئے تو ہم ان سے زیادہ راہ پر ہوں گے اور اس رسول کو ماننے میں ان کے بہتر گروہ پر سبقت لے جائیں گے۔

اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّءِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝
زمین میں تکبر کی وجہ سے اور بری تدبیر کی وجہ سے اور بری تدبیر اپنے کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں گھیرتی۔
اب یہ پہلے لوگوں سے ہونے والے طریقے کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ پس تو نہ کبھی اللہ کے طریقے کو
بدل دینے کی کوئی صورت پائے گا اور نہ کبھی اللہ کے طریقے کو پھیر دینے کی کوئی صورت پائے گا۔

دنیاوی تکبر وفریب کے سبب دولت ایمان سے محروم ہو جانے والوں کا بیان

"اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْض" عَنْ الْإِيمَان مَفْعُول لَهُ "وَمَكْر" الْعَمَل "السَّيِّء" مِنْ الشِّرْك وَغَيْره "وَلَا يَحِيق" يُحِيط "الْمَكْر السَّيِّء إلَّا بِأَهْلِهِ" وَهُوَ الْمَاكِر وَوَصْف الْمَكْر بِالسَّيِّءِ أَصْل وَإِضَافَته إلَيْهِ

قِيلَ : اسْتِعْمَال آخَر قُدِّرَ فِيهِ مُضَاف حَذَرًا مِنَ الْإِضَافَة إِلَى الصِّفَة "فَهَلْ يَنْظُرُونَ " يَنْتَظِرُونَ "إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ" سُنَّةَ اللَّه فِيهِمْ مِنْ تَعْذِيبهمْ بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلهمْ "فَلَنْ تَجِد لِسُنَّةِ اللَّه تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِد لِسُنَّةِ اللَّه تَحْوِيلًا" أَيْ لَا يُبَدَّل بِالْعَذَابِ غَيْره وَلَا يُحَوَّل إِلَى غَيْر مُسْتَحِقّه،

زمین میں تکبر کی وجہ سے ایمان نہ لائے یہ مفعول لہ ہے۔اور شرک وغیرہ کی بری تدبیر کی وجہ سے اور بری تدبیر اپنے کرنے والے کے سوا کسی کو نہیں گھیرتی۔لہٰذا فریب کا نقصان فریب کرنے والے پر ہی ہوتا ہے۔کیونکہ وہی مکر کرنے والا ہے۔اور مکر کا وصف اصل میں سئی ہی ہے جبکہ اس کی اضافت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ استعمال آخر کے طور پر ہے کیونکہ موصوف کی صفت کی جانب اضافت سے بچنے کیلئے مضاف کو مقدر مانا گیا ہے۔اب یہ پہلے لوگوں سے ہونے والے طریقے کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ پس تو نہ کبھی اللہ کے طریقے کو بدل دینے کی کوئی صورت پائے گا اور نہ کبھی اللہ کے طریقے کو پھیر دینے کی کوئی صورت پائے گا۔یعنی وہ عذاب کو کسی دوسری چیز میں تبدیل نہ کرے گا۔اور نہ ہی غیر مستحق کو عذاب دے گا۔

حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ تین کاموں کا کرنے والا نجات نہیں پا سکتا،ان کاموں کا وبال ان پر یقیناً آئے گا،مکر، بغاوت اور وعدوں کو توڑ دینا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی،انہیں صرف اسی کا انتظار ہے جو ان جیسے ان پہلے گزرنے والوں کا حال ہوا کہ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے دائمی عذاب ان پر آ گئے۔پس یہ تو اللہ تعالیٰ کی عادت ہی ہے اور تو غور کر۔رب کی عادت بدلتی نہیں نہ پلٹتی ہے۔جس قوم پر عذاب کا ارادہ ہو چکا پھر اس ارادے کے بدلنے پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ ان پر سے عذاب ہٹیں نہ وہ ان سے بچیں۔نہ کوئی انہیں بچا سکے۔(تفسیر ابن کثیر،فاطر،بیروت)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝
کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے حالانکہ
وہ ان سے کہیں زیادہ زور آور تھے،اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں میں کوئی بھی چیز اسے عاجز کر سکے اور نہ ہی
زمین میں،بیشک وہ بہت علم والا بڑی قدرت والا ہے

زمین وآسمان کی سیاحت سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

"أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْض فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَتْ عَاقِبَة الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ وَكَانُوا أَشَدّ مِنْهُمْ قُوَّة " فَأَهْلَكَهُمْ اللَّه بِتَكْذِيبِهِمْ رُسُلهمْ "وَمَا كَانَ اللَّه لِيُعْجِزهُ مِنْ شَيْء " يَسْبِقهُ وَيَفُوتهُ "فِي السَّمَوَات وَلَا فِي الْأَرْض إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا" أَيْ بِالْأَشْيَاءِ كُلّهَا "قَدِيرًا" عَلَيْهَا،

کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں ہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے حالانکہ وہ ان سے

کہیں زیادہ زورآور تھے، پس اللہ نے انہیں رسولان گرامی کی تکذیب کے سبب ہلاک کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں میں کوئی بھی چیز اسے عاجز کر سکے یعنی اس سے بڑھ جائے اور اس سے بچ نکلے اور نہ ہی زمین میں ایسی کوئی چیز ہے بیشک وہ اشیاء کے ساتھ بہت علم والا، ان پر بڑی قدرت والا ہے۔

کفار کیلئے دنیا میں مقامات عبرت کا بیان

اگر قریش مکہ نے پہلی قوموں کے کھنڈرات کو پہلے اس نظر سے نہیں دیکھا تو اب جا کر دیکھ لیں۔ ان کے کھنڈرات سے بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ اپنے اپنے وقتوں میں شان وشوکت، قوت و دبدبہ اور عیش وعشرت میں ان قریش مکہ سے کہیں بڑھ کر تھے۔ پھر جب انہوں نے یہ سرکشی کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کچل کے رکھ دیا۔ اس وقت اللہ کے مقابلہ میں نہ ان کی شان وشوکت کسی کام آئی اور نہ قوت و دبدبہ۔ پھر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنی اس معاندانہ روش اور خفیہ سازشوں سے اللہ کے دین کی راہ روک سکو گے؟ تم اس کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے جب کہ وہ تمہاری ایک ایک حرکت کو جانتا بھی ہے اور تمہیں سزا دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

یعنی کیا انہوں نے شام اور عراق اور یمن کے سفروں میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت و بربادی اور ان کے عذاب اور تباہی کے نشانات نہیں دیکھے کہ ان سے عبرت حاصل کرتے۔

یعنی وہ تباہ شدہ قومیں ان اہل مکہ سے زور وقوت میں زیادہ تھیں باوجود اس کے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ عذاب سے بھاگ کر کہیں پناہ لے سکتیں۔ (تفسیر خازن، سورہ فاطر، بیروت)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝
اور اگر اللہ لوگوں کو اس کی وجہ سے پکڑے جو انھوں نے کمایا تو اس کی پشت پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے اور لیکن وہ انھیں ایک مقرر
مدت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب ان کا مقرر وقت آ جائے تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔

مؤاخذہ قدرت کے سبب زمین سے جاندار تک کو اچک لینے کا بیان

"وَلَوْ يُؤَاخِذ اللّٰه النَّاس بِمَا كَسَبُوا" مِنْ الْمَعَاصِي "مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرهَا" أَيْ الْأَرْض "مِنْ دَابَّة" نَسَمَة تَدِبّ عَلَيْهَا "وَلٰكِنْ يُؤَخِّرهُمْ إلَى أَجَل مُسَمًّى" أَيْ يَوْم الْقِيَامَة "فَإِذَا جَاءَ أَجَلهمْ فَإِنَّ اللّٰه كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا" فَيُجَازِيهِمْ عَلَى أَعْمَالهمْ بِإِثَابَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَعِقَاب الْكَافِرِينَ،

اور اگر اللہ لوگوں کو اس کی وجہ سے پکڑے جو انہوں نے برے کام کیے تو اس کی پشت یعنی زمین کی پشت پر کوئی چلنے والا جانور بھی نہ چھوڑے کہ وہ زمین پر چلے پھرے۔ اور لیکن وہ انھیں ایک مقرر مدت یعنی قیامت کے دن تک مہلت دیتا ہے، پھر جب ان کا

مقرر وقت آ جائے تو بے شک اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔تو وہ ان کے اعمال کے مطابق جزاء دے گا یعنی اہل ایمان کو ثواب دے گا اور کفار کو عذاب دے گا۔

انسانوں کے جرم کی پاداش میں اگر اللہ تعالیٰ بارش روک دے تو دوسرے جاندار بھی بے چارے پانی کی نایابی کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔اسی طرح اگر سیلاب آ جائے یا زلزلہ آ جائے تو متاثرہ علاقہ کے جاندار بھی متاثر ہوں گے اور مر جائیں گے۔مجرم انسانوں کو فوری طور پر گرفت نہ کرنے اور انہیں ڈھیل دینے میں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کی کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ممکن ہے کہ وہ بے زبان جانوروں کی فریاد کی وجہ سے ہی مجرموں پر عذاب نہ بھیج رہا ہو۔بہرحال یہ مہلت بھی ایک مقررہ وقت تک ہی ہے۔انفرادی لحاظ سے یہ مہلت ہر انسان کی موت کا وقت ہے۔اور اجتماعی لحاظ سے کسی قوم پر اللہ کے عذاب کا یا قیامت کا وقت ہے۔اس مقررہ وقت کے بعد محاسبہ کا وقت ہے۔کوئی مجرم نہ اس سے چھپ سکے گا نہ بھاگ سکے گا۔اور اس کا یہ محاسبہ حق وانصاف پر مبنی ہوگا کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل اور ان کی ایک ایک حرکت کو خود دیکھ رہا ہے۔

سورہ فاطر کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالی کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورہ فاطر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی،ہدایت کی پختگی،تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما،امین،بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی